اشرف التفاسیر
تفسیر نعیمی
مصنف
حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی
مکتبہ اسلامیہ
۴۰۔ اردو بازار * لاہور

نام کتاب —— تفسیر نعیمی (پارہ چہارم)

مصنف —— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات —— ۶۰۰

کمپوزنگ —— لیزر کمپوزنگ ان، سٹار سائنس مارکیٹ،

[illegible] روڈ، نیو انارکلی، لاہور

پرنٹرز —— [illegible] بھائی پرنٹرز

ناشر —— مکتبہ اسلامیہ، 40 اردو بازار، لاہور۔

قیمت ——

فہرست مضامین "تفسیر نعیمی" پارہ چہارم لن تنالوا

مضمون	صفحہ
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ	13
عربی زبان کی وسعت لا لن کا فرق	13
پیاری چیز خیرات کرنے کی مثالیں	14
پیاری راتوں میں پیاری چیزیں خیرات کرنے	
تیجہ، چالیسواں وغیرہ کا ماخذ	15
تمباکو پینے کا حکم	16
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا	17
یعقوب کے معنی اور آپ کا بعض چیزوں کو اپنے	
پر حرام فرمانا	19
عرق النساء بیماری کا علمی علاج	20
یادگاریں قائم کرنا اسلامی رکن ہے	20
مناظرہ میں فریقین کا علم میں برابر ہونا ضروری	
نہیں، مناظرہ کے قواعد	21
فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	23
حضرت ابراہیم کے آباؤ اجداد تمام مومن تھے	25
حضرت ابراہیم کا چاند سورج کو رب فرمانے کے معنی	26
اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	27
اول کے معانی و اقسام، بیت، دار، منزل میں فرق	28
مکہ بکہ کے معانی، مکہ معظمہ کے نام، کعبہ کے نام	29
کعبہ کی اولیت، کعبہ و بیت المقدس کی تعمیر میں فاصلہ	30
کعبہ کی افضلیت	30
کعبہ اول ہے حضور اول بھی آخر بھی	31
فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ	33

مضمون	صفحہ
مقام ابراہیم کیا ہے اور اس کے فضائل	34
مکہ معظمہ دنیا و آخرت کے لحاظ سے مقام امن	
ہے اس کی تفصیل	35
کعبہ معظمہ کے خارجی فضائل	36
قبر انور عرش معلی سے افضل ہے	37
فرضیت حج کے چھ شرائط	37
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ	40
هل اور يا فرمانے کی حکمتیں	41
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ	44
عوام کے سامنے فقہی معمے پیش نہ کرو	47
ضعفاء مومنین کون تھے؟	48
عالم دین وہ جو قرآن و فیضان کا جامع ہو	49
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا	49
الذین امنوا کے خطاب میں حضور داخل	
نہیں اس کے دلائل ایمان و اسلام میں فرق	
اس پر اعتراضات و جوابات	51
وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ	54
حضور انور کے وہ معجزات جو تا قیامت باقی و قائم ہیں	57
اس کی آیات	57
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ	59
دینی و دنیاوی عزتوں کا فرق، مرکز عزت	
حضور علیہ السلام ہیں	61
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا	64

مضمون	صفحہ
جبل کون سی رسی ہے یہاں اس سے کیا مراد	
اختلاف و تفرقہ میں فرق	65
اچھا تفرقہ کون سا ہے اور برا کون سا	68
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ الخ	70
تبلیغ دین کی اہمیت	72
کونسی تبلیغ فرض عین ہے کونسی کفایہ	73
فرض کفایہ سب پر فرض ہے یا بعض پر	73
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا	75
یہود کے 71 عیسائیوں کے 72 مسلمانوں کے	
73 فرقے	76
قیامت میں کالے منہ اجیالے کب ہوں گے	77
فساق کے چہرے کیسے ہوں گے	81
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا	82
حضور کو بعض آیات بلاواسطہ جبریل ملیں	83
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	87
ایمان لغوی و شرعی کا فرق	89
امت حضور کے فضائل	91
80 صفیں اس امت کی باقی 40 صفیں دوسری	
امتوں کی جنت میں جائیں گی	91
فضائل صحابہ کرام	92
کیا بدکار مسلمان بھی خیر امم ہیں	94
لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى	95
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ	99
یہود کی ذلت و غریبی کے معانی	102
فلسطین میں یہود کی سلطنت کا حال	102
کفر بعد لوت کفر محبت سے بدتر ہے	103

مضمون	صفحہ
یہود کی مالداری و سلطنت کیسی ہے؟ اور مسکنت	
کے معانی	103
لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	106
صحابہ کرام کی تعریف سنت الیہ ہے حضور سے	
پہلے کچھ لوگ دین حق پر قائم تھے ان کے نام اور	
صحابہ کرام سنت ہیں	109
صحابہ کرام کا ایمان قطعی ہے	110
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ	111
مومن کے مال و اولاد دفع عذاب کرتے ہیں	114
حضور کی آواز پر اونچی آواز کرنا کب کفر ہے	115
گدھ اور سانپ کی عمر ہزار سال سے زیادہ ہے	115
مثل ما ینفقون فی ھذہ الحیٰوۃ الدنیا	116
ریح، ریاح اور صر میں فرق	117
کفر سے اور ریا سے عمل باطل ہونے میں فرق	120
باطل اور برباد میں فرق	120
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ	121
کفار کو کلیدی آسامیاں نہ دو	125
دون، سوی، الا، غیر میں فرق	126
اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں جائز	126
جیسی دکان ویسے خریدار	127
هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ	127
کیا صحابہ کرام کفار سے محبت رکھتے تھے	128
صحابہ کرام کا ایمان قطعی ہے اور ان کے ایمان	
کی نوعیت	130
ایمان میں دلیری ہے کفر میں بزدلی	130

مضمون	صفحہ
تقیہ طریقہ کفار ہے	130
محبت کی قسمیں اور ان کے احکام	131
اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ	132
عاشورہ میں خوشی منانا بھی حرام ہے غم منانا بھی منع	
غم کی یادگار منع ہے خوشی کی جائز	134
شخصی آفت پر خوشی اور قومی آفت پر خوشی میں	
فرق' ہلاکت فرعون کی خوشی کی حقیقت	135
مصیبت زدہ کو دیکھ کر کیا پڑھے؟	135
اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ	137
جنگ احد کا واقعہ	139
کل 19 غزووں میں حضور نے شرکت کی	139
کفار مکہ نے حضرت آمنہ کی قبر ڈھانا چاہی ابو سفیان	
نے منع کیا	140
ذوالفقار تلوار کی تحقیق اور وجہ تسمیہ	140
احد کے معنی اور وجہ تسمیہ	140
فوج کی بھرتی' بچوں کا بھرتی کے لئے کشتی کرنا	141
ان پندرہ صحابہ کے نام جو احد میں ثابت قدم رہے	143
حضرت حمزہ کی شہادت' وحشی کون تھا؟	143
احد میں صحابہ کی جاں نثاریاں	144
حضرت حنظلہ کی عجیب شہادت	145
قرآن پاک میں اہل بیت بیوی کو فرمایا گیا ہے اس کی	
آیات	147
خطا اجتہادی معاف ہے خواہ کتنی ہی خطرناک ہو	147
غزوہ سے بھاگ جانے کی تین نوعیتیں اور ان کے	
احکام	148
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ	149
توکل کی قسمیں اور احکام	154
بَلٰۤى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ الخ	155
صحابہ کرام کے خدام فرشتے دوسرے فرشتوں سے	
افضل ہیں	158
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ	161
مقتولین بدر کی تفصیل کہ ان میں کتنے سرداران	
کفر تھے اور کتنے امراء عرب	163
جملہ کا مفرد پر عطف کب جائز ہے	164
لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ	166
احد میں حضور کو کس نے زخمی کیا؟	167
بیر معونہ کا واقعہ کب ہوا؟	167
نیوتا حضور انور کے لئے منع ہے	170
نیک روحیں دنیا میں آنے سے پہلے بھی نفع	
پہنچاتی ہیں	170
حضرات انبیاء کرام مالک و مختار ہیں' اس کی آیات	
کوثر کے معنی' ان کے سیف زبان	
ہونے کی آیات	171
نبی کی دعا سے بیٹے ملنا' بانجھ عورتوں کا درست ہو جانا	172
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا	174
سود لینا بمقابلہ سود دینے کے زیادہ گناہ ہے	176
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	178
مغفرت حاصل کرنے کا کیا ذریعہ ہے؟	181
کس جنت کی کتنی وسعت ہے؟	182
اللہ رسول کو ملانا ایمان ہے انہیں علیحدہ کرنا	
کفر ہے	182
اطاعت و اتباع میں فرق اور اتباع صرف حضور ہی	

مضمون	صفحہ
کی ہوگی	183
قضا کرنا اور قضا ہونے میں فرق	183
الذین ینفقون فی السراء والضراء	185
سراء و ضراء کی نفیس تحقیق	187
انفاق اسراف و تبذیر میں فرق	188
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً الخ	190
فاحشہ و ظلم میں فرق	192
جریان اور سیل میں فرق، جنت کی نہروں کی	
خصوصیات	194
حق و گناہ میں فرق اور حق کی معافی کی شرط،	
حضور گناہ معاف کرتے ہیں اس کا مطلب	196
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ	197
سنت کے عجیب معانی	198
بیان منطق اور ہدایت میں اور ہدایت موعظہ	
میں فرق	199
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ	202
جس جنگ میں ایک بھی غازی احد شریک ہوا	
اس میں مسلمانوں کو کبھی شکست نہ ہوئی	204
جنگ احد مغلوبیت کفار کا ذریعہ کیسے بنی	206
صحابہ کے کمال ایمان کی قوی دلیل	206
شہید کے معانی	207
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا	209
رب کے علم تین قسم کے ہیں	213
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ	215
ابی ابن خلف حضور کے ہاتھوں مارا گیا اور ایک کافر	
زخمی ہوا	216
احد میں حضور کی حفاظت کن بزرگوں نے کی اور	
زخمی کس کافر نے کیا	216
قرآن کریم میں محمد 4 جگہ اور احمد ایک جگہ آیا حضور	
کے کل نام اور محمد و احمد کے نفیس معانی	217
رسول کے معانی اور رسول و وکیل میں فرق	217
رسولوں کے گذر جانے کے نفیس معنے	218
موت اور گذر جانے میں فرق	218
لفظ محمد کے فضائل اور اس کا لفظ اللہ سے قرب	220
فتوحات فاروقی اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں،	
محمد کے زبر و بینہ والے عدد 314 ہیں	220
آدم و نوح و ابراہیم و محمد کے معانی اور ان میں فرق	221
حضور سے پہلے سات شخصوں نے اپنے بچوں کے نام	
محمد رکھے	221
سلطان محمود نے کبھی بغیر وضو محمد نہ کہا	221
حضور کے فیوض بعد وفات بھی جاری ہیں	224
مسئلہ حیات النبی کی نفیس تحقیق	225
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ الخ	225
قابض روح صرف حضرت عزرائیل ہیں جن	
وانس، جانور فرشتوں بلکہ خود اپنی روح	
بھی وہ ہی نکالیں گے	227
کتاب موجل کے معانی	229
تقدیر مخفی اور نامہ اعمال میں فرق	229
وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ الخ	231
کاین کے معانی ربیون کی تحقیق	231
جہاد کب سے شروع ہوا	233
وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا	235

مضمون	صفحہ
ذنب اور اسراف میں فرق	236
پچھلی امتوں میں بعض غنیمتیں حلال تھیں بعض	
ممنوع ان کی تفصیل	240
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا	241
چور، دولت، ظلمت، غفلت دیکھتا ہے	245
سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا	246
مادی اور معنوی میں فرق	249
وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ	250
مال غنیمت کبھی دنیا ہے کبھی دین	253
غازیان احد میں کوئی گنہگار نہیں	254
دنیا اور حب دنیا میں کی قسمیں	257
جہاد سے بھاگنا کب جرم ہے کب نہیں	257
إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ	258
صحابہ کرام احد میں بے خود ہو گئے تھے اور	
بے خود و مدہوش پر شرعی احکام نہیں	261
مصیبت میں بندوں کو پکارنا سنت ہے احد میں	
سارے صحابہ نہ بھاگے تھے حضور کی حفاظت میں	
سات صحابہ شہید ہوئے	261
کل سات یا دس صحابہ بھاگے تھے اور 18 صحابہ	
حضور کے پاس رہے تھے	262
پانچ وجہوں سے صدیق تمام صحابہ سے افضل ہیں	263
ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ	264
اسلام، ایمان، توحید، مشاہدہ انسان کے کون کون	
سے مقام میں رہتے ہیں	268
إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ	272
احد میں مسلمانوں اور کفار کی تعداد اور ڈٹے رہنے	
والوں و قدم اکھڑ جانے والوں کی شمار	273
حضور کی حفاظت کرنے والے صحابہ کیا کہہ کر جان	
دیتے تھے	274
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا	
	277
بھائی کی قسمیں اور کفار کو بھائی کہنے کا حکم	281
لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ	282
موت فی سبیل اللہ جمع مال سے کیوں افضل ہے؟	284
حضور کے زمانہ میں زندگی موت سے افضل تھی	
اب موت زندگی سے بہتر	285
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ	287
حضور جسماً "بشر روحاً" فرشتہ ہیں	290
شفاعت و سفارش میں عجیب فرق جس پر	
حضرت صدیق و عمر جمع ہو جائیں میں اس کی	
مخالفت نہ کروں گا	290
کون سے کام قابل مشورہ ہیں	292
خوش خلقی اور لاقانونی میں فرق	293
إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ	294
اگر اللہ چھوڑ دے تو مددگار کوئی نہیں	296
توکل کی قسمیں اور شرطیں	297
وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ	298
خیانت کی برائیاں احادیث سے	303
دوسرے نفعے سے کیا کیا چیز بنے گی	303
کسب اور صدور میں فرق	304
أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ	305
درجات اور درکات میں فرق	307

مضمون	صفحہ
جنتیوں کے درجے اور ان کے فرق	308
مراتب کے وجوہ	308
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	309
خلق و بعث میں بہت سے فرق	311
حضور کی پیدائش عرب میں بعثت اور سارے جہان میں ہوئی	311
بعثت اور رسالت میں فرق	311
من انفسهم کے نفیس معانی اور انفس و انفس میں فرق	311
طہارۃ و تزکیہ میں فرق	313
حضور نعمت الٰہی کیوں ہیں؟ آپ کا عرب میں رہنا رحمت ولادت کے وقت کے معجزات	315
سب فِيْ اَنْفُسِكُمْ حضر مِنْ اَنْفُسِكُمْ اس کے لطائف اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا	317
اجتہادی غلطی پر عذاب نہیں ہوتا ہاں تکالیف آسکتی ہیں	322
اَوَلَمَّا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ	323
لزان کے پانچ معانی	324
جہاد میں کفار سے مدد لینا	329
اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ	329
شہداء احد پر نماز جنازہ ہر بار حضرت حمزہ کو رکھا گیا	332
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا	333
شہداء بدر و احد کی تعداد اور بیر معونہ کا واقعہ وہاں شہدا کی تعداد اور نام و مقام	334
شہداء کی زندگی پر لوگوں کے دھوکے اور ان کی تردید حضرت امیر معاویہ کا عجیب واقعہ	336
عند ربهم کی عجیب تحقیق	336
شہداء تاقیامت ایمان پر مرنے والوں اور ان کی جزاء سے خبردار ہیں	337
فرحت و بشارت میں عجیب فرق	337
شہید کے معنی ہر ایک کا گواہ شہداء اور اولیاء کی روح بیک وقت ہزارہا جگہ موجود ہوتی ہے اور عالم میں تصرف کرتی ہے	339
عام مومن قبر سے جنت دیکھتے ہیں	339
مسئلہ حیات النبی پر اعتراضات و جوابات	340
موت آنے اور باقی رہنے میں فرق	341
قیامت میں کون کس کے جھنڈے کے نیچے ہوگا	342
اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الخ	343
غزوہ حمراء الاسد کا عجیب واقعہ اور زخمی صحابہ کی بے مثال روانگی	343
حضرت صفیہ کا اپنے بھائی حمزہ کی لاش پر پہنچنا اور بے مثال صبر کا اظہار	344
اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ	
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کے فضائل و فوائد	
وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ	
اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ	361
غرض و حکمت میں فرق	367
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ	368
حضور کو علم غیب دیا گیا	370
حضور ازل سے مخلص و منافق کو پہچانتے ہیں	372
لا تعلمهم کی تحقیق	373

مضمون	صفحہ
اولیاء اللہ کو علم غیب دیا جاتا ہے	374
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ	375
تجارتی شراب و سود میں زکوۃ نہیں	378
مسلمانوں کے علانیہ گناہوں کا قیامت میں اعلان ہوگا	379
قاتلین حسین یا قاتلین عمرو عثمان کی تعریفیں کرنے والا قاتلوں کے زمرہ میں داخل ہے	384
اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا	387
زہد کے معانی اور اس کی تحقیق	390
کل نفس ذائقۃ الموت نفس کے معانی	394
صور سے سب کی موت یا زندگی نہیں	394
روح حور و غلمان کو موت نہیں کہ ان کی زندگی نفخ روح سے نہیں	398
موت فنا اور ہلاکت میں تفصیلی فرق اور ان کے مستحقین	399
لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ	400
وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	405
خلف اور وراء کا فرق	406
فتویٰ لکھنے کی اجرت لینا درست ہے	408
لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا	409
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	414
ذکر تمام مخلوق کرتی ہے مگر فکر صرف انسان	418
ذکر اللہ علاج ہے اس کی نفس شرح	421
لا الہ کے معانی اور توحید کے چار مرتبے	422
رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ	423

مضمون	صفحہ
ایمان کے منادی حضور ہیں اس کی وجہ اور حضور کی نداء تا قیامت باقی ہے آج کل کے عام بھنگی پوستی فقیر مرجیہ ہیں مرتد ہیں	425
رب تعالیٰ کی ناراضی سے حضور کی ناراضی زیادہ خطرناک ہے	
فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ	432
عشق اطاعت سے افضل ہے	437
کافر کے اعمال ضبط ہوں گے نہ کہ عاشق رسول کے کہ اس کا بدلہ تخفیف عذاب ضرور ملے گا	437
جنت حاصل کرنے کے لئے پانچ عمل کرو	439
لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	440
وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ	444
شہداء احد کی وجہ تسمیہ فضائل تاریخ وفات وغیرہ	446
سورۂ آل عمران کے فضائل	448
سورہ نساء	452
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ	453
حضرت حوا کتنی بار حاملہ ہوئیں اور حضرت آدم نے ایک لاکھ انسان دیکھے	455
عالم انسان ایک ہے اور حضرت آدم ایک اس کے علاوہ روایات روافض کی گھڑی ہوئی ہیں	
شیاً للہ کہنا جائز ہے	456
حضرت حوا کو پسلی سے کیوں بنایا	457
قیامت سے پہلے حوریں کسی کو حلال نہیں نہ حضرت آدم کو نہ حضرت ادریس کو اور نہ شہداء	

مضمون	صفحہ
کو اس کی وجہ اور حوروں کی پیدائش جنت کے زعفران سے ہے، وہ بشر نہیں	458
وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ	460
وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی	464
عاقل کے لئے ما کہاں آتا ہے؟	466
بیوی کے مہر سے شہد اور بارش کے پانی سے ملا کر پیو شفا کے لئے اکسیر ہے	469
تعدد ازواج کی حکمتیں	471
ایک عورت چند خاوند کیوں نہیں رکھ سکتی	471
اسلام میں لونڈی غلاموں کا قانون کیوں ہے	471
وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ	473
دیوانے اور بے وقوف میں فرق اور ان کے احکام	474
عورتوں کے خصوصی فضائل، مال اور جمع مال کی ضرورت	475
وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا	477
بلوغ کی علامات اور اس کی انتہائی عمر	482
دینی خدمات پر اجرت جائز اور یتیم کے مال کا لقمہ کھانا حرام ہے	482
نابالغ بچوں کا نکاح جائز ہے	483
لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ	485
وَالْوَالِدٰنِ اور اَقْرَبُوْنَ کی نفیس تحقیق	486
بیٹے کے ہوتے پوتا محروم اس کی عمدہ تحقیق اور سوالات کے جوابات	490
وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی	491
کلام کی ابتداء خیرات سے کرو	493

مضمون	صفحہ
تیجہ، چالیسواں اور فاتحہ کا ثبوت	493
اچھوں کے دروازوں پر مرنا بھی اچھا اور حضور غوث پاک کے واقعات	494
وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ	495
یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ	500
تقسیم میراث کے ضروری مسائل اس کی نفیس تحقیق	504
نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی	504
باغ فدک وقف ہے	506
شیعہ کتب سے میراث نبی تقسیم نہ ہونے کا ثبوت	506
باغ فدک کا مکمل واقعہ	
وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ	509
میراث کے حصص رشتوں اور خدمات کی بنیاد پر نہیں ہوتے	512
شریعت کے مطابق تقسیم میراث فرض ہے	513
وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ	515
خاوند بیوی سے افضل ہے	517
بیوی خاوند کی میت کو غسل دے سکتی ہے لیکن خاوند بیوی کی میت کو غسل نہیں دے سکتا	519
حضرت علی مرتضیٰ کا حضرت فاطمۃ الزہرا کی میت کو غسل دینا تخصیص ہے	519
وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً الخ	519
کلالہ کے معنی اور اس کے مسائل	520
میت کے متروکہ مال سے اس کے ذمہ کی زکوۃ	

مضمون	صفحہ
یا حج لوا نہیں کرسکتے	523
بیٹوں کی موجودگی میں یتیم پوتے کو میراث نہیں ملے گی	524
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الخ	525
حدیث شریف قرآن کریم ہی کی طرح واجب العمل ہے	528
والتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم الخ	531
زنا کے ثبوت کے لئے چار متقی مردوں کی شہادت ضروری ہے	534
وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا الخ	536
لوطی پر تعزیر ہے حد نہیں	538
شرعی حد یا تعزیر صرف حاکم دے سکتا ہے	540
زنا وغیرہ کی شرعی سزائیں مسلمانوں پر ہی جاری ہوں گی کفار کا معاملہ ان کے مذہب کی بنیاد پر ہوگا	540
اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ الخ	541
توبہ کے فوائد و شرائط	544
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ الخ	546
غرغرہ کے وقت گناہوں سے توبہ قبول ہو سکتی ہے کفرو نفاق سے نہیں	549
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ الخ	551
خاوند کی وفات کے بعد بالغہ عورت اپنے نفس کی مختار ہے اس پر جبر جائز نہیں	555
وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ	557
بے قصور بیوی کو ستانا سخت جرم اور عذاب الٰہی کا باعث ہے	561
شریعت میں زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں	562
وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ الخ	563
دنیا میں انسان کا نکاح صرف انسان عورت ہی سے ہو سکتا ہے	566
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ الخ	569
رضاعت کی نفیس تشریح	570
نسبی لحاظ سے چار قسم کی عورتیں مسلمان پر حرام ہیں	571
دودھ پلانے والی کے وہ سارے قرابت دار حرام ہیں جو سگی ماں کے حرام ہوتے ہیں	572
وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ الخ	575
بیوی کی اصول حرام ہیں	578
لے پالک بیٹوں کی بیویاں حلال ہیں	579
مطلقہ کی بہن سے عدت میں نکاح حرام ہے	579

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ۝

ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس سے جو تم پسند کرتے ہو اور جو خرچ کرو گے تم کسی چیز سے پس بیشک اللہ اُسے جاننے والا ہے

تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور تم جو کچھ خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں اگر کفار زمین بھر سونا بھی فدیہ دے دیں تو عذاب سے نہیں بچ سکتے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مسلمان اگر اپنی تھوڑی سی پیاری چیز بھی خیرات کریں تو عذاب سے بچ ہی جائیں گے اللہ کی رحمتیں بھی پالیں گے غرضیکہ پچھلی آیت میں مردودین کا ذکر تھا اس میں محبوبین کا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اس وقت کا ذکر تھا جب خیرات یا تمنائے خیرات بیکار ہوگی۔ یعنی قیامت کا دن اب اس وقت کا ذکر ہو رہا ہے جب کہ ہر قسم کا صدقہ و خیرات مقبول ہے۔ یعنی زندگی کا زمانہ' جیسے بے وقت بویا ہوا بیج پھل نہیں دیتا۔ ایسے ہی بے وقت دیا ہوا صدقہ بھی پھل نہیں دیتا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فوت ہونے کے بعد بے فائدہ آرزو کا ذکر تھا اس میں فائدہ مند صدقہ اور تمنائے صدقہ کا ذکر ہے۔

تفسیر : لن تنالوا عربی زبان میں یہ وسعت ہے کہ اس میں ایک معنی کے لئے کئی لفظ موجود ہیں جو تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف مقامات پر استعمال ہوتے ہیں اور زبانوں میں یہ فراوانی نہیں' دیکھو نفی کے لئے اردو میں "نہیں" فارسی میں "نے" پنجابی میں "ناہیں" اور انگریزی میں "نو(NO)" ہے' اور ایجاب کے لئے اردو میں "ہے" فارسی میں "است" انگریزی میں "یس (Yes)" اور پنجابی میں "آہو" ایک ہی لفظ ہے' مگر عربی میں نفی کے ما' لا' لن' لم' لیس' ان نافیہ وغیرہ بہت سے حروف ہیں۔ اور ایجاب کے لئے نعم بلی' اجل' جیر' ای وغیرہ بہت سے الفاظ ہیں جن میں سے ہر ایک کا استعمال حسب موقع ہے' دیکھو الا' غیر' دون' حاشا' خلا' عدا ان سب کے معنے سوا ہیں لیکن ان کے موقع استعمال جدا جدا ہیں' اگر کوئی کلمہ طیبہ میں بجائے الا کے دون پڑھے اور کہے لا الہ دون اللہ تو یہ کلمہ بجائے توحید کے کلمہ شرک ہو جائے گا۔ انہی موقعوں کا لحاظ کئے بغیر لوگوں نے ترجمے کئے اور گمراہ ہو گئے' یہاں لا یا لم ارشاد نہ ہوا بلکہ لن فرمایا گیا کیونکہ لن مستقبل کی تاکیدی نفی کرتا ہے' یہ بات دوسرے حرف نفی سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ تنالوا نیل سے بنا بمعنے پانا' حاصل کرنا' پہنچ جانا' کبھی ناراضی کو بھی نیل کہہ دیتے ہیں کیونکہ اس سے فریقین کو تکلیف پہنچتی ہے مگر اس کے بعد میں من آتا ہے۔ یہاں معنے پانا' حاصل کرنا ہے۔ البر' بر' ب کے کسرہ سے مصدر یا حاصل مصدر ہے اور بر' ب کے فتح سے صفت مشبہ' بر کا معنی بھلائی ہے اور بر بھی ہے' لغت میں بر کے معنے ہیں وسعت و گنجائش' اسی لئے میدان کو بر کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ظهر الفساد فی البر والبحر۔ الایہ مگر اصطلاح میں نیکی اور بھلائی کو بر کہا جاتا ہے کیونکہ ہر

بھلائی وسعت و گنجائش کا ذریعہ ہے ' اگر یہاں بر سے مراد بندہ کی بھلائی ہے تو اس سے جنت مراد ہے یا قبر کی وسعت یا ایمان پر خاتمہ یا پرہیزگاری کی زندگی یا نیک اعمال کی توفیق یعنی تم اس وقت تک ابرار کا درجہ نہ پاسکو گے اور اگر رب کی بھلائی یعنی اس کا کرم و مہربانی مراد ہو تو اس سے مراد راضی ہونا گناہ معاف فرمانا وغیرہ ہو گا یعنی تم اللہ کا فضل و کرم نہیں پاسکتے ' غرضیکہ بندہ کی بر ' اطاعت ہے اور رب تعالیٰ کی بر' قبولیت ' ثواب ' رحمت ' رضا اور جنت ہے (خازن۔ روح البیان وغیرہ) **حتی تنفقوا** حتیٰ گزشتہ نفی کی انتہاء کے لئے ہے انفاق کی تفسیر ہم سورہ بقر کے شروع **ینفقون** کی تفسیر میں کرچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ جیسے اشجار بعض باردار ہیں ' بعض سایہ دار ' بعض بیکار ' بعض خاردار ' ایسے ہی بلدار انسان ' بعض باردار ہیں ' بعض خاردار اور بعض بیکار ' فرمایا جا رہا ہے کہ تم رضائے پروردگار بغیر درخت باردار بنے نہیں پاسکتے **مما تحبون** یہ **من** تبعیضیہ یا تبیینیہ ' ما سے مراد یا تو مال ہے یا مال ' کمال ' اعمال ' احوال سب مراد ہیں ۔ دوسری تفسیر بہت نفیس ہے۔ **تحبون** ' **حب** سے بنا بمعنی پسندیدگی و میلان **وما تنفقوا من شیء ما** موصولہ اور **من** بیانیہ ہے۔ اس میں خبیث ' طیب ' پیاری اور مبغوض ہر چیز داخل ہے یعنی جو بھی اچھی بری ' اعلیٰ ادنیٰ ' اپنی پسندیدہ و ناپسند جو بھی خرچ کرو گے **فان اللہ بہ علیم** اللہ اس چیز کو تمہاری نیت کو اور جذبہ قلبی کو خوب جانتا ہے ' حق یہ ہے کہ یہ ف جزائیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے اور **ما تنفقوا** کی خبر پوشیدہ ہے یعنی جیسا تمہارا خرچ ہے ویسی ہی اس کی جزاء ہو گی کیونکہ پروردگار ہر چیز کو جانتا ہے ' جزا دینے میں غلطی وہ کرسکتا ہے جو جاہل ہو یا مجبور اور اگر ف جزائیہ ہو تو علم سے مراد علم ظہور ہو گا یعنی جو کچھ تم خیرات کرتے ہو ہم دیکھ رہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! ایمان لا کر نیک اعمال خصوصاً صدقات ' خیرات سے بے نیاز نہ ہو جاؤ ' تم اصل تقویٰ یا پوری کامیابی یا جنت کا اعلیٰ مقام یا رضائے رب انام اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پیاری چیزوں میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو ' جو چھوٹی بڑی چیز اخلاص کے ساتھ تم خرچ کرو گے۔ اس کا ثواب پاؤ گے کیونکہ ہم تمہارے صدقہ سے بھی خبردار ہیں اور نیتوں سے بھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو طلحہ اٹھ کر بولے یارسول اللہ میرے پاس بہت پیارا مال میرا باغ بیرحاء ہے میں اسی کو اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں آپ جہاں چاہیں اسے صرف فرمادیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب! چنانچہ آپ نے وہ باغ ابو طلحہ کے قرابت داروں پر وقف کردیا (مسلم بخاری و خازن)۔ حضرت زید ابن حارثہ اس آیت کے نزول پر اپنا نہایت نفیس گھوڑا بارگاہ شریف میں لائے جس کا نام سبل تھا۔ عرض کیا یہ اللہ کے لئے صدقہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گھوڑا انہی کے بیٹے اسامہ ابن زید کو دے دیا۔ زید بولے یارسول اللہ میری نیت صدقہ کی تھی ' فرمایا رب نے تمہارا صدقہ قبول کرلیا (بیضاوی و خازن) حضرت عمر ابن عبدالعزیز مصری کی بوریاں خرید کر خیرات کرتے تھے ' کسی نے کہا کہ آپ اس کی قیمت ہی کیوں خیرات نہیں کردیتے؟ فرمایا مجھے مصری پیاری ہے لہذا یہی خیرات کرتا ہوں اور یہی آیت پڑھی (تفسیر مدارک) حضرت عمر فاروق نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ میرے واسطے ایک لونڈی خرید کر بھیجو ' آپ نے بھیج دی ' وہ فاروق اعظم کو بہت پسند آئی ' آپ نے یہی آیت پڑھ کر اسے فی سبیل اللہ آزاد کردیا (خزائن و خازن) بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب انسان کو خود مال کی حاجت ہو پھر اس میں سے خیرات کرے تو اس کا بڑا درجہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ**

فوائد: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مسلمان کو اعمال نیک سے بے نیاز نہیں ہونا چاہئے جو بن پڑے نیکی کرے، دیکھو رب تعالیٰ نے صحابہ کرام جیسی ہستیوں کو بھی صدقہ و خیرات کا حکم دیا ایمان جڑ ہے اور اعمال شاخیں، پھل وہی کھائے گا جو درخت کی جڑ اور شاخوں دونوں کی حفاظت کرے۔ دوسرا فائدہ: سارا مال خیرات نہ کرے کچھ اپنے اور بال بچوں کے لئے بھی رکھے جیسا کہ مما کی من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: صرف ایک ہی قسم کا مال خیرات نہ کرے بلکہ بقدر طاقت ہر قسم کا مال خیرات کرے۔ جیسا کہ ما کے عموم سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: صرف صدقات واجبہ اور فرضیہ پر قناعت نہ کرے بلکہ نفلی صدقہ بھی کیا کرے، ہر جگہ دانہ پھینکو نا معلوم کون سا اگ آئے، یہ بھی ما کے عموم سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: صرف ایک بار خیرات پر قناعت نہ کرے بلکہ جب تک ہو سکے کرتا رہے۔ جیسا کہ تنفقون کے مضارع سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: ردی اور خراب چیزوں کی ہی خیرات نہ کرے بلکہ اعلیٰ درجہ کی چیزیں بھی خیرات کرے جو اپنے کو بڑی پیاری ہیں جیسا کہ تحبون سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون**۔ ساتواں فائدہ: ہمیشہ خوشدلی سے خیرات کرے، خیرات کو اوجھ نہ سمجھے اس بارگاہ عالی میں صرف مال کی مقدار نہیں دیکھی جاتی بلکہ دل کا حال پہلے دیکھا جاتا ہے جیسے کہ شیء کی تنکیر سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: مسلمان بعض بڑی تاریخوں میں خاص مرغوب چیزیں خیرات کرتے ہیں جیسے شب برات میں حلوہ، عید میں سویاں، بقر عید میں گوشت۔ عاشورہ کے دن حلیم وغیرہ۔ ان خیراتوں کا ماخذ یہی آیت کریمہ ہے کہ یہ کھانے مسلمانوں کو پیارے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان میٹھا ہے میٹھی چیز پسند کرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ کھانوں کا سردار گوشت ہے وغیرہ مسلمان چاہتے ہیں کہ محبوب راتوں میں محبوب چیز خیرات کی جائے۔ نواں فائدہ: بعد موت میت کی طرف سے اس کے اہل قرابت میت کی پیاری اور مرغوب چیز خیرات کرتے ہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وصایا شریف میں ان کھانوں کی فہرست بتائی ہے جو آپ کو مرغوب تھے اور ان کے خیرات کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس آیت کا ماخذ بھی یہی آیت ہے کہ نائب کا فعل اپنا ہی فعل ہوتا ہے اپنی طرف سے خیرات کرو تو اپنی محبوب چیز اور دوسرے کی طرف سے اس کی محبوب چیز۔ دسواں فائدہ: بعض لوگ پیاری چیزیں خیرات کرتے ہیں اور پیاروں کو دیتے ہیں، یہ مسئلہ بھی اس آیت سے نکل سکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد قربانی کرتے تھے اور اس کا گوشت ان مرحومہ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے بعض لوگ گیارہویں کی چیز سادات کو دیتے ہیں، کسی بزرگ کے نام کی خیرات وہاں کے مجاورین کو بھیجتے ہیں، یہ سب اسی آیت سے ماخوذ ہیں۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں اچھی چیز ہی خیرات کرنی چاہئے تو کیا معمولی چیزیں جو اپنی ضرورت سے بچی ہوں پھینک دی جائیں، بعض لوگ جب کوئی کھانا بگڑتا دیکھتے ہیں تو خیرات کر دیتے ہیں کیا وہ گنہگار ہیں؟ جواب: اچھی چیز ہی نہیں بلکہ ردی چیز بھی خیرات کرنی چاہئے، آیت کریمہ میں حصر کا کوئی لفظ نہیں بلکہ حتے فرمایا گیا جو انتہا کے لئے آتا ہے، یہاں روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو ردی چیز ہی خیرات کریں۔ دوسرا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملوں کو بھیجتے تو انہیں تاکید فرماتے تھے کہ لوگوں کا بہترین مال نہ لینا درمیانہ لینا اور آیت فرما رہی ہے کہ بہترین مال رب کی راہ میں دیا جائے، آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ جواب:

یہاں دینے والوں سے خطاب ہے اور حدیث شریف میں لینے والوں کو تاکید جتنے عامل جبراً بہترین مال نہ لے گھر والا خوشی سے بہترین مال دے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت صرف وہی پائے گا جو بہترین مال خیرات کرے' تو چاہئے کہ معمولی خیرات کرنے والے کو جنت کبھی نہ ملے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں بر سے مراد یا جنت کا اعلیٰ مقام ہے یا تقویٰ کا اعلیٰ درجہ یا جنت کا اولی داخلہ ہے لہٰذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے لازم آتا ہے کہ شرابی لوگ شراب خیرات کیا کریں' حقہ پینے والوں کی فاتحہ حقہ پر دلوائی جایا کرے کیونکہ انہیں یہی چیزیں مرغوب ہیں' افیونی' بھنگی' چرسی یہی چیزیں خیرات کیا کریں۔ **جواب:** یہاں روئے سخن مسلمانوں سے ہے مسلمان شراب اور دیگر نشئی چیزوں سے محبت نہیں کرتا اگر انہیں دل سے پسند کرے اور اچھا جانے تو کافر ہے' یہ چیزیں اسلام میں حرام ہیں بلکہ انہیں برا جان کر' علت سمجھ کر اپنے کو گنہگار محسوس کرتے ہوئے انہیں استعمال کرتا ہے' نفسانی رغبت اور چیز ہے دلی محبت دوسری چیز' اسی لئے یہاں **تحبون** فرمایا نہ کہ **ترغبون** حتیٰ کہ مومن کو سودی اور جوئے میں جیتی ہوئی رقم سے دلی نفرت ہوتی ہے مگر نفسانی رغبت جس پر وہ شرمندہ بھی ہوتا ہے اگر ان سے دلی محبت کرے تو کافر ہے' حقہ بھی جو پیتے ہیں وہ دواء" یا ضرورۃ" یا علت سمجھ کر' ورنہ دل ان کا بھی کراہت ہی کرتا ہے تو یہ بھی **تحبون** سے خارج ہے۔ خیال رہے کہ تمباکو اگر نشہ دے تو حرام ہے ورنہ مکروہ کہ اس کا استعمال نہ کرنا بہتر اور جب تک منہ میں بو رہے مسجد میں آنا حرام (از شامی کتاب الاشربہ) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بغیر پیاری چیز خیرات کئے جنت نہیں ملتی تو غریب فقیر جو خیرات پر قادر نہ ہوں یا وہ لوگ جنہیں خیرات کا موقع ہی نہ ملے کہ یا تو بچپن میں فوت ہو جائیں یا اسلام لاتے ہی دوزخی ہونے چاہئیں۔ **جواب:** جنت کا ملنا کسی بھی ہو گا عطائی بھی اور وہبی بھی اپنے عمل سے جنت میں جانا کسبی ہے' دوسروں کی طفیل جانا وہبی اور بلا عمل محض رب تعالیٰ کے فضل سے جانا عطائی' یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے' اسی لئے **لن تنالوا** فرمایا' ہم جیسے گنہگار انشاء اللہ نیک کاروں کے طفیل بخشے جائیں گے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم   بداں رابہ نیکاں ببخشد کریم!

رب تعالیٰ فرماتا ہے **الحقنا بهم ذريتهم وما التنهم من عملهم من شيء** ہم مومنوں کی ذریت کو جنت میں ان کے ساتھ ہی رکھیں گے اور ان کے عمل سے کچھ کم نہ کریں گے' مسلمانوں کو ایصال ثواب کا اس لئے حکم ہے کہ ان کے اعمال میں دوسروں کا بھی حصہ ہو جائے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غریب امتیوں کی طرف سے قربانی فرماتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء فرماتے ہیں کہ بر یعنی بھلائی حاصل کرنے کے لئے اپنے محبوب مال میں سے بعض حصہ خیرات کرنا چاہئے لیکن باری تعالیٰ کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری محبوب چیزیں قربان کرنا پڑیں گی' سب سے پیاری چیز اپنا نفس ہے' لقائے یار کے لئے اس کی قربانی ضروری ہے پروانہ شمع کا شعلہ حاصل کرنے کے لئے اپنے کو قربان کرتا ہے' امام کاشانی فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کو پانے کا ذریعہ ماسواء اللہ کو چھوڑ دینا ہے' ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہتیں تو ایک دل میں دو محبتیں کیسے رہ سکتی ہیں' عشق وہ آگ ہے جو ماسوا اللہ کو پھونک ڈالتی ہے۔ **لا الہ الا اللہ** کے معنی عوام کرتے ہیں **لا معبود الا اللہ** اور خواص کہتے ہیں **لا موجود' الا اللہ** اور عشاق کہتے ہیں **لا محبوب الا اللہ** بعض کہتے ہیں **لا مقصود**

الا اللہ صوفیاء کی نگاہ میں ماسوی اللہ وہ ہے جو خدا سے غافل کرے۔

ترا ہرچہ مشغول دارد ز دوست اگر راست خواہی دلارام اوست

جو چیز یار سے غافل کرے وہی بت ہے۔

اگر یاری از خویشتن دم مزن! کہ شرک است با یار و با خویشتن

سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں اس آیت کی زندہ جاوید عملی تفسیر کر گئے تھے انہوں نے سب کچھ لٹا کر یار کو منالیا' سب کچھ کھو کر سب کچھ پالیا۔

شبیر نے نماز میں سر کو کٹا کے پی

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ

ہر کھانا تھا حلال واسطے اولاد یعقوب کے سوائے اس کے جو حرام کر لیا تھا یعقوب نے

سب کھانے بنی اسرائیل کو حلال تھے مگر وہ جو یعقوب نے اپنے

عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ

او پر جان اپنی کے اس سے پہلے کہ اتاری جائے توریت فرما دو تو لے آؤ توریت کو اسے

او پر حرام کر لیا تھا توریت اترنے سے پہلے تم فرماؤ توریت لا کر پڑھو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اگر ہو تم سچے

اگر سچے ہو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق :** پچھلی آیات قل امنا باللہ الایہ میں حقانیت اسلام کے دلائل بیان کئے گئے تھے' اس آیت میں یہود کے ان اعتراضات کو دفع کیا جا رہا ہے جو وہ اسلام پر کرتے تھے' کسی چیز کی حقانیت جبھی ثابت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے اثبات کے دلائل قائم ہوں اور اس کے خلاف شبہات کو دفع کر دیا جائے' چنانچہ اس کا ایک رکن پہلے بیان ہو تھا دوسرا رکن اب بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق :** پچھلی آیتوں ان الذین کفروا الایہ میں کفار کے اخروی عذاب کا ذکر تھا اس آیت میں بعض کفار کے دنیوی عذاب کا ذکر ہے یعنی بنی اسرائیل کی بدکاریوں کی وجہ سے ان پر حلال چیزوں کا حرام ہو جانا۔ **تیسرا تعلق :** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ پیاری چیزوں کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ثواب کا باعث ہے' اب بتایا جا رہا ہے کہ پیاری چیزوں کا رب کی طرف سے حرام کر دیا جانا کبھی عذاب بھی ہو جاتا ہے' خیرات اور ہے تحریم کچھ اور۔

شان نزول : جب یہ آیت کریمہ اتری فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبت الایہ' اور یہ آیت نازل ہوئی وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر الایہ' جن میں فرمایا گیا ہے کہ یہود کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہم نے بطور سزا ان پر

بہت سی حلال چیزیں حرام فرمادیں اور ارشاد ہوا ذلک جزینھم ببغیھم ہم نے ان کی سرکشی کی انہیں یہ سزا دی (یہود پر جانوروں کی کچھ چربیاں حرام تھیں اور ناخن والے جانور بھی حرام تھے) تب یہود نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا یہ جانور اور یہ چیزیں صرف ہم پر حرام نہیں ہوئیں بلکہ یہ تو نوح علیہ السلام کے زمانہ سے حرام ہیں' ان کا مقصد کلام الٰہی کا جھٹلانا تھا تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

دوسری روایت : ایک بار یہود مدینہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ تو اپنے کو دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں اور لوگوں کو قرآن کریم کی یہ آیت سناتے ہیں: **ان اولی الناس بابرھیم للذین اتبعوہ و ھذا النبی** کہ ابراہیم علیہ السلام سے قریب ترین ان کے پیروکار ہیں اور یہ نبی ہیں مگر آپ کے اعمال دین ابراہیمی کے خلاف ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون سے اعمال ان کے خلاف تو وہ بولے کہ دین ابراہیمی میں اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام تھا مگر آپ کے دین میں حلال ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو' یہ چیزیں دین ابراہیمی میں حلال تھیں تب یہود کی تردید اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان' خازن' خزائن)۔ ہو سکتا ہے کہ بعض یہود نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ گفتگو کی ہو اور بعض نے وہ ان دونوں واقعات پر یہ آیت آئی ہو لہٰذا ان روایات میں تعارض نہیں۔

تیسری روایت: بعض یہود نے اسلام اور قرآن پر اعتراض کیا تھا اسلام کے بعض احکام اور قرآن شریف کی بعض آیات منسوخ ہیں اور جو منسوخ ہو یا جس دین میں تنسیخ ہو وہ حق نہیں ہو سکتا' اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر فلاں فلاں جانور اور چربیاں پہلے حلال تھیں بعد میں حرام ہوئیں تو لازم آتا ہے کہ نہ دین یہودیت حق ہو نہ توریت وہ بولے کہ یہ چیزیں تو ہمیشہ سے حرام ہی تھیں کبھی حلال نہ تھیں' تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ لاؤ توریت اور اپنا دعویٰ اس سے ثابت کرو' وہ شرما گئے اور توریت نہ لائے کیونکہ توریت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید تھی اور ان کی تردید' جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور زیادہ آشکارا ہو گئی کہ آپ باوجود امی ہونے کے یہود کی چھپائی ہوئی توریت سے خبردار ہیں (تفسیر کبیر)۔

تفسیر: **کل الطعام** یہاں کل افرادی ہے نہ کہ مجموعی جس کے معنے ہیں ہر یا تمام اور یہ اقسام کی تعمیم کے لئے ہے نہ کہ صرف افراد کی یعنی ہر قسم کے کھانے 'طعام طعم سے بنا' بمعنی چکھنا یا کھانا' جو چیز 'غذاء' کھائی جائے اسے طعام کہتے ہیں' میوہ جات طعام نہیں کیونکہ وہ لذۃ" کھائے جاتے ہیں' کبھی چکھنے کے معنے میں بھی آتا ہے۔ جیسے **ومن لم یطعمہ فانہ منی** جو وہ پانی چکھے بھی نہیں وہ میری جماعت سے ہے یہاں تمام کھانوں سے وہ کھانے مراد ہیں جو اسلام میں حلال ہیں یا وہ جن پر اس وقت یہود سے بحث تھی جیسے کہا جاتا ہے کہ سارے کھانے پک گئے یا سارے لوگ کھا گئے' یہاں کھانوں سے اور لوگوں سے وہی مراد ہوتے ہیں جن کے پکانے یا کھلانے کا اہتمام کیا گیا تھا **کان حلا" لبنی اسرائیل** حل اور حلال ہم معنی ہیں جیسے حرم اور حرام' اس کے لغوی معنی ہیں کھولنا' چونکہ جائز چیز سے پابندیاں اٹھی ہوتی ہیں اور انسان اس کے متعلق آزاد اور کھلا ہوتا ہے لہٰذا اسے حلال کہتے ہیں حلال و حرام ہونا حقیقتاً انسان کے فعل کی صفت ہے اور مجازاً ان چیزوں کی لہٰذا شراب وغیرہ حرام ہونے

کے معنی یہ ہیں کہ ان کا استعمال حرام ہے یعنی ان غذاؤں کا کھانا حلال تھا بعض نے اس کے برعکس بھی کہا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ فعل اور مفعول دونوں کی حقیقتاً صفت ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے لم تحرم ما احل اللہ لک بنی اسرائیل یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا لقب ہے۔ الا ما حرم اسراءیل علی نفسہ اسرائیل عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ' اسرا معنی بندہ اور ایل رب تعالیٰ کا نام' آپ کا نام شریف اسرائیل تھا اور لقب یعقوب' کیونکہ آپ اپنے بھائی عیص کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے اس طرح کہ عیص کے عقب یعنی ایڑی میں آپ کا سر تھا اس لئے آپ کا لقب یعقوب ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری نے بہت تنگ کیا ہوا تھا' آپ نے نذر مانی تھی کہ خدایا اگر مجھے اس سے آرام ہو جائے تو میں اپنے پر اپنی محبوب غذا یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام کرتا ہوں' رب تعالیٰ نے آپ کو شفا عطا فرمائی تو آپ نے منت پوری کرنے کے لئے یہ دونوں ہی چیزیں حرام فرمالیں' آپ کی وجہ سے آپ کی اولاد پر بھی یہ دونوں چیزیں حرام ہو گئیں' جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء کے موقع پر طواف میں ضرورۃً "رمل کیا یعنی تین چکروں میں اکڑ کر چلے تاکہ اس وقت کے موجود کفار ہم کو کمزور نہ سمجھ لیں' لیکن یہ اکڑنا تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کے لئے سنت ہو گیا اگرچہ وہ مصلحت تو جاتی رہی مگر رب تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ادائیں پسند ہیں ان کی یادگاریں قائم رکھتا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے ہمارے اسلام میں غیر ضروری عبادت کو نذر میں ضروری کر لیا جاتا ہے اور وہ فرض ہو جاتی ہے ایسے ہی ان دینوں میں حلال چیزوں کو حرام کرنے کی نذر مانی جاتی تھی اور وہ شے شرعاً حرام ہو جاتی تھی ہمارے اسلام میں اس کا نام قسم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لم تحرم ما احل اللہ لک من قبل ان تنزل التوراۃ ظاہر یہ ہے کہ یہ جار مجرور کان حلا" کے متعلق ہے یعنی نزول توریت سے پہلے یہ سب چیزیں حلال تھیں متعلق اور عامل کے درمیان مستثنیٰ کا آجانا مضر نہیں کہ یہ مثل جزء کلام کے ہوتا ہے۔ (روح البیان) اور ہو سکتا ہے کہ حرام کے متعلق ہو یعنی یعقوب علیہ السلام کے حرام فرمانے کا یہ واقعہ نزول توریت سے پہلے کا ہے' یہ تحریم گویا عبادت تھی اور دیگر چیزوں کی حرمت جو بطور سزا تھی وہ نزول توریت سے ہوئی (تفسیر تنویر المقباس ابن عباس) چونکہ یہود قرآن مجید کے منکر تھے اس لئے الزاماً "فرمایا گیا قل فاتوا بالتوراۃ فرما دو اے محبوب توریت شریف لاؤ اس زمانہ میں توریت شریف ایسی شائع نہ تھی جیسا قرآن شریف شائع ہے کہ ہر گھر بلکہ ہر سینہ میں موجود ہے وہ تو صرف علماء یہود کے پاس ہی محفوظ تھی جس طرح چاہتے اس میں کمی زیادتی کر لیتے تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے یحرفون الکلم عن مواضعہ فاتلوھا تلاوت سے بنا جس کا مادہ تلو ہے معنے پیچھے ہونا' چونکہ پڑھنے میں ہر کلمہ پیچھے رہ جاتا ہے اور پڑھنے والا آگے بڑھتا جاتا ہے اس لئے پڑھنے کو تلاوت کہتے ہیں' اب معظم چیز کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے یعنی توریت میرے پاس لاؤ اور میرے سامنے اس کی وہ آیتیں پڑھو جن میں ہے کہ یہ چیزیں نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہی حرام تھیں' اگر سچے ہو تو اپنی کتاب سے ہی دلیل لاؤ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک بنی اسرائیل کے پادری ان آیات کی تحریف نہ کر سکے تھے' اسی لئے اس مطالبہ پر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور توریت شریف لانے کی ہمت نہ کر سکے۔

خلاصہ تفسیر: یعقوب علیہ السلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کے دینوں میں قریباً' وہ سارے جانور اور کھانے حلال تھے جو اسلام میں حلال ہیں یعقوب علیہ السلام کے زمانہ سے ان پر اور بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہوئے جس کی وجہ

تفسیر میں عرض کی جاچکی' موسیٰ علیہ السلام تک یہی حال رہا' عہد موسوی میں بنی اسرائیل کی سرکشی کے سبب بطور سزا ان پر بہت سی طیب چیزیں حرام کردی گئیں' کیونکہ اس زمانہ میں یہ تحریم بھی سزا ہوتی تھی' جس قدر ان کے جرم بڑھتے تھے' اسی قدر ان پر احکام سخت آتے تھے' چہارم مال زکوٰۃ فرض ہونا' جس کپڑے یا جسم پر نجاست لگ جائے اسے کاٹ ڈالنا' ہفتہ کے دن شکار حرام ہونا اور شکار کرلینے پر عذاب الٰہی آجانا' صورتیں مسخ ہوجانا انہی سرکشیوں کا نتیجہ تھا' مدینہ کے یہودی بجائے شرمندہ ہونے اور توبہ کرنے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ان احکام پر فخر کرنے لگے اور انہیں اپنی حقانیت اور اسلام کے بطلان کی دلیل قرار دینے لگے' رب تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی حماقت ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا بیوقوفو! یہ تو سوچو کہ نزول توریت یعنی زمانہ موسوی سے پہلے' بجز اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کے اور کون سی چیزیں حرام تھی' اور ان دو کی حرمت بھی یعقوب علیہ السلام کے حرام فرمالینے سے ہوئی ان کی بیماری و نذر سے پہلے تو یہ بھی حرام نہ تھیں' اگر ان چیزوں کی حرمت ہی حقانیت کی دلیل ہے تو چاہئے کہ دین ابراہیمی اور دیگر تمام دین باطل ہوجائیں کیونکہ ان سب میں یہ تمام چیزیں حلال تھیں' یہ واقعات جو ہم نے بیان فرمائے توریت میں بھی موجود ہیں' اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ یہ چیزیں پہلے بھی حرام تھیں' تو توریت لے آؤ اور وہ آیات پڑھ کر ہمیں سناؤ جن میں تمہارے دعویٰ کی تصدیق ہو۔

نوٹ: تفسیر صاوی نے اس جگہ فرمایا کہ عرق النساء رگ کی بیماری جو ران کے نچلے حصہ میں زور کرتی ہے اور انسان کو چلنے پھرنے سے مجبور کردیتی ہے اس کا علاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عربی دنبہ کی چکی (لاٹ) کی چربی آگ میں پگھلائی جائے اور اس کے تین حصے کئے جائیں اور ران کی اس رگ میں جسے ریق کہتے ہیں پہلے ایک حصہ جذب کردیا جائے' پھر کچھ دن بعد دوسرا' پھر تیسرا حصہ' انشاء اللہ شفا ہوگی حضرت انس فرماتے ہیں' میں نے سو سے زیادہ بیماروں پر اسے آزمایا' مجرب پایا۔ (تفسیر صاوی)

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: علم تاریخ بھی بہترین علم ہے کہ کبھی اس سے دین میں مدد ملتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بہت سی تاریخی واقعات بیان فرمائے دیکھو یہاں یہود نے ایک تاریخی واقعہ لے کر ہی اسلام پر اعتراض کیا تھا۔ صحیح واقعہ سننے پر انہیں خاموش ہونا پڑا۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کی ادائیں بڑی محبوب ہیں دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کی منت قبول فرمائی اور اسے ان کے دین کا حکم شرعی قرار دے دیا۔ تیسرا فائدہ: بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام کی شفا کی یادگار میں ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک تک اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام رہا' ہمارے اسلام میں بھی یادگاروں پر بہت زور دیا گیا ہے' ماہ رمضان کی دھوم دھام نزول قرآن کی یادگار ہے۔ بقر عید کی تکبیر تشریق اور قربانی جناب خلیل کی یادگار' حج میں صفا و مروہ پر دوڑنا حضرت ہاجرہ کی یادگار' جمروں کی رمی اسمٰعیل کی یادگار ہے' علیہم الصلوٰۃ والسلام' عاشورہ کا روزہ نجات موسیٰ علیہ السلام کی یادگار' بلکہ پانچوں نمازیں پانچ نبیوں کی یادگاریں ہیں لہٰذا عید میلاد' عید معراج' عرس بزرگاں منانا اور ان میں عبادتیں کرنا باعث ثواب ہے کہ یہ بھی یادگاروں کا قائم کرنا ہے۔ چوتھا فائدہ: ہم مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے ہم پر احکام سخت نہ ہوئے' اعمال ہمارے گندے اور احکام ہمارے نہایت آسان۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیبیہ عطا فرمائے اور آپ کو علم لدنی بخشا کہ باوجود امی ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت کے مضامین سے دلائل پیش فرمائے۔ **چھٹا فائدہ:** اسلام کی حقانیت ظاہر کرنے یا اسلام سے اعتراضات اٹھانے کے لئے بے دینوں سے مناظرہ کرنا سنت ہے' دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے مناظرہ فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** مناظرہ میں فریقین کا علم میں برابر ہونا ضروری نہیں' بڑا عالم معمولی علم والے سے بھی مناظرہ کرے' ابراہیم علیہ السلام نے نمرود جاہل سے مناظرہ فرمایا جو تیسرے پارے کے اول میں گزر چکا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلم الاولین والآخرین ہیں ان پادریوں سے مناظرہ کیا جن کے علم کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہ تھی اور رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی' یہاں فرمایا **فاتوا بالتوراۃ** اور کہیں فرمایا **قل ھاتوا برھانکم** اپنی دلیل لاؤ۔ **آٹھواں فائدہ:** مناظرہ میں مخالف کو اس کی مسلمہ کتابوں سے الزام دینا درست ہے' دیکھو تحریف شدہ توریت کی ہر آیت مشتبہ ہے مگر چونکہ یہود کی مسلم ہے اس لئے انہیں اسی کے پیش کرنے کا حکم دیا گیا لہٰذا ہم مرزائیوں کو مرزا صاحب کی کتب سے اور ہندوؤں اور آریوں کو ان کے وید اور شاستروں سے الزام دے سکتے ہیں۔ **نواں فائدہ:** مناظرین کو یہ جائز ہے کہ مقابل کو الزام دینے کے لئے ان کی کتابیں اپنے علم میں رکھیں بشرطیکہ اپنے عقیدہ میں پختہ ہوں بلا ضرورت بے دینوں کی کتب دیکھنا اور پڑھنا جائز نہیں' خصوصاً ان کو جو اپنے دلائل اسلام سے بے خبر ہوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عمر کو توریت پڑھنے سے منع فرما دیا تھا۔ **دسواں فائدہ:** نسخ احکام تمام دینوں میں ہوتا رہا ہے اس پر اعتراض یہودیانہ حرکت ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مسلمان کہلا کر نسخ کے منکر ہیں' نسخ کی پوری بحث اسی تفسیر کے پہلے پارے میں **ما ننسخ من ایۃ** الایہ کے ماتحت گزر چکی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا **کل الطعام** یعنی سارے کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے تو کیا ان کے لئے کتا' گدھا اور سور بھی حلال تھے' یہ تو بڑی خبیث چیزیں ہیں' نیز پھر تم سانپوں اور چیونٹیوں کو برا کیوں کہتے ہو جو کتا بلا بلکہ سانپ اور چوہے بھی کھا جاتے ہیں (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں تمام کھانوں سے وہی کھانے مراد ہیں جو اسلام میں حلال ہیں اور جن کی حلت پر یہود مدینہ نے اعتراض کیا تھا' کلام کے معنے قرینہ سے کئے جاتے ہیں اس کے قرائن ہم تفسیر میں عرض کر چکے۔ **دوسرا اعتراض:** بنی اسرائیل کے گناہوں کی وجہ سے جو طیب چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں وہ صرف گنہگاروں پر کی گئی تھیں یا سب پر' اگر صرف گنہگاروں پر حرام ہوئی تھیں' نیکوں کے لئے حلال تھیں تب تو بڑی بے قاعدگی تھی' دینی قوانین یکساں چاہئیں اور اگر سب پر حرام تھیں تو نیکوں پر ظلم ہوا کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ **جواب:** سب پر ہی حرام تھیں' کبھی مجرموں کی وجہ سے نیکوں پر بھی مصیبت آجاتی ہے' اگر ایک شخص کشتی کا تختہ توڑ دے تو سارے ہی ڈوبتے ہیں کہ ایک کشتی کے سوار جو ہوئے' اب بھی بعض گنہگاروں کی وجہ سے بارشیں بند ہو جاتی ہیں' وبائیں پھیل جاتی ہیں' جس سے تمام کو ہی تکلیف ہوتی ہے' باغی شہر پر بمباری کی جاتی ہے تو بے قصور بچے بھی ہلاک ہو جاتے ہیں' ہاں اس کے عوض رب تعالیٰ بے قصوروں کے درجات بڑھاتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ بعض کھانے یعقوب علیہ السلام نے صرف اپنی ذات پر حرام کئے تھے اور وہ بھی ایک خاص وجہ سے تو یہ کھانے تمام بنی اسرائیل پر حرام کیوں ہو گئے'

یہ عجیب بات ہے کہ ایک بزرگ کا عمل سب پر لازم ہو جائے۔ **جواب:** یعقوب علیہ السلام کی عظمت ظاہر کرنے اور ان کی یادگار قائم کرنے کے لئے دیکھو۔ ایک خاص موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کی مگر وہ بطور ان کی یادگار قیامت تک باقی رکھی گئی' ایک خاص موقعہ پر بی بی ہاجرہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑیں مگر یہ دوڑنا تمام حاجیوں پر لازم کر دیا گیا' ہمارے پاکستان میں قائد اعظم کے بہت سے کارنامے بطور یادگار قائم رکھے گئے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر غذا طعام ہے مگر احناف کہتے ہیں کہ طعام صرف گندم ہے باقی کھانے طعام نہیں' حنفیوں کا یہ مسئلہ قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے۔ (تفسیر کبیر) **جواب:** حنفیوں کا یہ مسئلہ قسم کے متعلق ہے قسم میں عرف کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ لغت کا' اس زمانہ میں عرفاً گندم ہی کو طعام کہتے تھے' اس لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ میں طعام نہ کھاؤں گا تو اس سے گندم مراد ہو تا جیسے تمہارے ہاں بھی گوشت کی قسم میں مچھلی داخل نہیں ہوتی کیونکہ محاورے میں مچھلی کو گوشت نہیں کہا جاتا حالانکہ قرآن کریم نے مچھلی کو گوشت فرمایا ہے۔ **و لحما" طریا "** قرآن میں لغوی معنی مراد ہیں اور قسم میں عرفی معنے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے تین قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ایک روحانی و نورانی فرشتے' ان کی غذا ذکر الٰہی اور ان کی پیدائش عبادت کے لئے' دوسری مخلوق جسمانی ظلمانی' ان کی غذا طعام اور ان کی پیدائش عبرت و خدمت کے لئے ہے' اور تیسری مخلوق انسان جو ملکی روحانی اور حیوانی و جسمانی سے مرکب ہے' ان کی روحانی غذا ذکر ہے اور جسمانی غذا طعام' ان کی پیدائش عبادت و معرفت کے لئے ہے' پھر انسان تین قسم کے ہیں' بعض وہ جن کی حیوانیت روحانیت پر غالب آگئی وہ تو جسمانی غذا میں مشغول ہو کر روحانی غذا بھول بیٹھے حتیٰ کہ ان کی روحانیت فنا ہو گئی۔ **اولئک کالانعام بل ھم اضل** شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

مرد در بے ہرچہ دل خواہدت — کہ تمکین تن نور جاں کا ہدت

بکند مرد را نفس امارہ خوار! — اگر ہوشمندی عزیزش مدار!

دریغ آدمی زادہ پر محل — کہ باشد چو انعام **بل ھم اضل**

اور بعض انسان مقتصد یعنی میانہ رو ہیں جن کی روحانیت اور حیوانیت برابر ہے' ہر ایک کو غذا مل رہی ہے ان کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **عسی اللہ ان یتوب علیھم** تیسرے وہ انسان ہیں جن کی روحانیت' حیوانیت پر غالب ہے' انہوں نے روحانی غذا میں مبالغہ کیا اور جسمانی غذا یعنی کھانے میں اختصار حتیٰ کہ ان کا نفس مر گیا اور روحانی قوتیں بہت بڑھ گئیں جن کے بارے میں فرمایا گیا **اولئک ھم خیر البریۃ** یہی لوگ سابقین ہیں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ انسان کے لئے ساری جسمانی غذائیں حلال تھیں' بجز ان کے جنہیں سابقین بالخیرات نے اپنے نفس امارہ پر حرام کر دیا' نفس کو مار کر دل کو زندہ کر کے اور روح کو غالب کر کے یہ واقعہ اس وقت ہوا جبکہ اس پر مشاہدات کی توریت نازل نہ ہوئی تھی' صوفیاء کے ہاں پہلے مجاہدات ہیں پھر مشاہدات مجاہدات' مشاہدات کی سیڑھی ہیں' اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنا دے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
پس جو کوئی گھڑے اللہ پر جھوٹ پیچھے اس کے تو وہ ہی
تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے تو وہ ہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا

ظالم لوگ ہیں ۔ فرما دو سچا ہے اللہ بس اتباع کرو ملت ابراہیم کی جدا اور نہ

ظالم ہیں تم فرما دو اللہ سچا ہے تو ابراہیم کے دین پر چلو جو ہر باطل سے

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

تھے وہ مشرکوں میں سے

جدا تھے اور شرک والوں میں نہ تھے

وقف جبریل علیہ السلام

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کا جھوٹ قطعی دلائل سے ثابت کیا گیا تھا کہ وہ اپنی تائید میں توریت پیش نہ کر سکے' اب جھوٹے کی سزا کا ذکر ہے' مقدمات میں پہلے مجرم پر فرد جرم عائد کی جاتی ہے' پھر اس جرم کی سزا سنائی جاتی ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کا جھوٹا ہونا' مجرم ہونا ثابت کیا گیا تھا' اب فرمایا جا رہا ہے کہ توبہ کر لو معاف کر دیا جائے گا **فاتبعوا ملة ابرهيم** ہمارے ہاں مجرم کے لئے معافی پہلے ہے سزا بعد میں اگر توبہ نہ کرے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام سے یہود کے بہتان دفع فرما کر ان کی عظمت کا اظہار فرمایا' اب ان پر بہتان لگانے والوں پر اظہار عتاب اور ان سے توبہ کا مطالبہ ہو رہا ہے گویا وہ آیت بھی ان بزرگوں کے اظہار عظمت کے لئے تھی اور یہ آیت بھی مگر وہ اور نوعیت سے تھی اور یہ دوسری نوعیت سے۔

تفسیر: فمن افترى' من سے مراد تمام کفار ہیں اہل کتاب ہوں یا دوسرے کیونکہ مومن تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ ہی نہیں سکتا' اگر باندھے گا تو مومن نہ رہے گا۔ **افترى** فری سے بنا' بمعنی چیرنا کاٹنا' اصطلاح میں جھوٹ' تہمت' فساد کو فریہ کہتے ہیں کہ جھوٹے کی بات اصل واقعہ سے کٹی ہوئی ہے اس کے مطابق نہیں' باب افتعال میں آ کر پیدا کرنے کے معنی پیدا ہو گئے لہٰذا **افتراء** کے معنی جھوٹ بولنا نہیں بلکہ جھوٹ گھڑنا' جھوٹ بنا لینا ہے (تفسیر کبیر و خازن) یہاں چونکہ **الكذب** بھی آ رہا ہے لہٰذا بطریق تجرید اس کے معنی صرف گھڑ لینا ہیں۔ **على الله الكذب** یعنی اب بھی یہ ہی کہے جائیں کہ یہ چیزیں اللہ نے ہمیشہ سے حرام کی تھیں **من بعد ذلك** ذلک میں یہود کی اس شکست کی طرف اشارہ ہے جو انہیں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نصیب ہوئی کہ وہ اپنا دعویٰ خود اپنی توریت سے ثابت نہ کر سکے بلکہ توریت ان کے خلاف پڑی **فاولئك هم الظلمون** چونکہ **من** لفظاً تو مفرد تھا اس لئے **افترى** واحد لایا گیا مگر معنی" جمع تھا کہ اس سے وہ تمام یہود مراد تھے اس لئے **اولئك** اور **ظالمون** جمع لائے گئے' ظالم ظلم سے بنا بمعنی اندھیرا نور کے مقابل۔ اسی سے ہے **ظلمة** اصطلاح میں دوسرے کا حق مارنے کو بھی ظلم کہتے ہیں اور کسی کی چیز میں بلا اجازت تصرف کرنے کو بھی' وہ یہود خود اپنے نفس کا حق مار رہے تھے' قرآن کریم میں کافر کو بھی ظالم فرمایا گیا ہے **والكفرون هم الظلمون** اور گنہگار کو بھی جیسے **و من يفعل ذلك فقد ظلم نفسه** اور خطاکار و بھول چوک والے کو بھی جیسے **انى كنت من الظلمين** یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی اب اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کافر ہیں خیال رہے کہ اب تک بے خبری میں جن یہود نے یہ عقیدے رکھے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ہی حرام تھیں یا دین میں نسخ درست

نہیں وہ تو کچھ ہلکے مجرم ہیں مگر اب باخبر ہونے کے بعد جو اس عقیدے پر قائم رہے وہ بڑا مجرم ہے کہ بے خبری کے کفر سے ضدو عناد کا کفر سخت تر ہے اس لئے من بعد ذلک ارشاد ہوا قل صدق اللہ یعنی آپ اے محبوب اعلان فرمادو کہ اب اللہ تعالیٰ کا سچا و حق ہونا ظاہر ہو گیا اس نے فرمایا تھا کہ یہ تمام چیزیں پہلے حلال تھیں' پھر یہود کی نافرمانیوں پر سزاء" حرام کی گئیں' یا فرمایا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت و دودھ خود ہی اپنے پر حرام فرمالیا تھا یا فرمایا تھا کہ نسخ احکام حق ہے تم نے ان کے خلاف بکواس کی تھی مگر از روئے توریت شریف رب تعالیٰ کی سچائی اور تمہارا جھوٹ عیاں ہو گیا' یا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچ ظاہر ہو گیا جیسے یخدعون اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا مراد ہے۔ فاتبعوا ملۃ ابرھیم حنیفا" یہ ف ترتیب کی ہے اور ملۃ ابرھیم سے دین اسلام یعنی شریعت محمدیہ مراد ہے جو تمام اصول دین اور بہت سے فروع میں دین ابراہیمی کے مطابق و موافق ہے' دین' ملت اور مذہب کا فرق ہم پہلے پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' ابراہیم کے معنی اور آپ کے فضائل بھی وہاں ہی بیان ہو چکے' حنیف حنف سے بنا ہے جنف کے مقابل' کسی کی طرف جھکنا و مائل ہونا حنف یا جنف کہلاتا ہے اور کسی سے مائل ہونا علیحدہ و بیزار ہونا حنف لہذا حنیف کے معنی ہیں تمام بد عقیدگیوں' بد عملیوں اور بے دینوں سے علیحدہ و کنارہ کش' حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے کیونکہ صفت و حال معنی" ایک ہیں (تفسیر کبیر)۔ وما کان من المشرکین یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت بیان ہوئی اگرچہ حنیف میں یہ وصف بھی داخل تھا مگر عرب کے یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمام پر چوٹ فرماتے ہوئے خصوصیت سے اسی کا ذکر فرمایا یعنی اے مشرکو تم بت پرست ہو' فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے ہو' یہودیو تم جناب عزیر کو رب تعالیٰ کا بیٹا' اور اے عیسائیو تم جناب مسیح کو رب تعالیٰ کا فرزند اور جناب سیدہ بتول مریم کو رب تعالیٰ کی بیوی ٹھہراتے ہو' بتاؤ یہ شرکیہ عقیدے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تھے؟ ہرگز نہیں' تو ہمارے محبوب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دیکھو' اور اگر ابراہیمی لوگ دیکھنا ہوں تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غلاموں کو دیکھو لہذا تم بھی اسی دامن میں آجاؤ۔

خلاصہ تفسیر: اے یہودیو! اب تک جو تم نے جھوٹے عقیدے اور جھوٹے اعمال اور جھوٹی باتیں اختیار کیں' ہو سکتا ہے کہ بعض نے بے خبری میں کی ہوں' اب اس مناظرہ سے تم کو اپنی غلطی اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا ہونا معلوم ہو گیا' اب اس کے بعد بھی جو یہ ہی بکواس کئے جائے کہ دین میں نسخ جائز نہیں' یہ جانور ہمیشہ سے ہر دین میں حرام تھے تو اب وہ مفتری اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنے والا ہو گا' کہ اب یہ جھوٹ خطاء" یا بے خبری میں نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ ہے اور ہر مفتری بڑا ہی ظالم ہوتا ہے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نبیوں پر افترا کرنے والا کہ وہ تو پرلے درجے کا ظالم ہے' اور ظالم کی سزا دائمی دوزخ میں رہنا ہے' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم از راہ کرم کریمانہ ان سے فرما دو کہ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ اور دین اسلام قبول کر کے ملت ابراہیمی میں داخل ہو جاؤ' تمہارے ادیان دین ابراہیمی نہیں' صرف اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے دیکھو' خالص توحید جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ تھا' صرف اسلام میں ہے' ختنہ' کعبۃ اللہ کی طرف نماز' حج' قربانی' مقام ابراہیم (علیہ السلام) کا احترام' داڑھی رکھنا' مونچھ ترشوانا وغیرہ تمام مسائل ابراہیمی اسلام ہی میں ہیں' تمہارے دینوں میں ان چیزوں کا نشان بھی نہیں' عقائد و اعمال دیکھ کر پتہ لگالو کہ ابراہیمی تم ہو یا مسلمان۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جاہل کے گناہ سے عالم کا گناہ بدتر ہے اگرچہ شریعت میں جہالت عذر نہیں اور جاہل معذور نہیں' دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ اب جو اس مناظرہ کے بعد افتراء کرے گا وہ ظالم ہوگا۔ دوسرا فائدہ: انبیائے کرام پر تہمت باندھنا رب تعالیٰ کو بہتان لگانا ہے کہ یہاں ارشاد ہوا علی اللہ الکذب حالانکہ یہود گزشتہ انبیائے کرام پر جھوٹے بولتے تھے۔ تیسرا فائدہ: کامیاب مناظر کو اپنی فتح کا اعلان کرنا اور لوگوں میں اس کی شہرت کرنا سنت الٰہیہ بھی ہے اور سنت نبوی بھی' یہاں ارشاد ہوا کہ فرمادو اللہ کا سچ ظاہر ہوگیا۔ چوتھا فائدہ: انبیائے کرام کی فتح و نصرت درحقیقت رب تعالیٰ کی فتح و نصرت کا ظہور ہے' انبیاء کے صدق کا ظہور رب تعالیٰ کے صدق کا ظہور ہے' انہیں سچا ماننا رب تعالیٰ کو سچا ماننا ہے' انہیں جھوٹا کہنا درحقیقت رب تعالیٰ کو جھوٹا کہنا ہے' دیکھو یہود نے مناظرہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور ان کی شکست اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ظاہر ہوا مگر فرمایا گیا صدق اللہ اللہ تعالیٰ کا صدق ظاہر ہوا۔ پانچواں فائدہ: شکست خوردہ مناظر پر سختی کرے جھڑک ڈانٹ ڈپٹ نہ چاہئے بلکہ اسے نرمی سے حق قبول کرنے کی دعوت دینی چاہئے کہ مناظرہ کا مقصود دوسرے کو ذلیل کرنا نہیں بلکہ اسے حق قبول کرنے کی دعوت دینا ہونا چاہئے' دیکھو ان شکست خوردہ یہود سے ارشاد ہوا فاتبعوا ملۃ ابرھیم حنیفا "اب تم دین ابراہیمی کی پیروی کرو" مناظرہ' مکابرہ' مجادلہ ان سب میں بڑا فرق ہے' آج کل مناظرے کم' مکابرے اور مجادلے زیادہ ہیں۔ چھٹا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے' خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات انبیاء کے جامع ہیں' دیکھو ارشاد ہوا کہ دین ابراہیمی کی پیروی کرو یعنی مسلمان ہو کر ملت محمدی کی پیروی کرو اس میں ملت ابراہیمی کی پیروی ہو جائے گی جیسے سو (100) میں ساری اکائیاں دہائیاں جمع ہیں اور حاصل جمع میں تمام جمع شدہ عدد جمع ہیں' ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صفات انبیاء جمع ہیں۔ ساتواں فائدہ: مومن کامل کی شان یہ ہے کہ ہر بے دینی اور ہر بے دین سے الگ رہے' صلح کل ہونا ملت ابراہیمی کے خلاف ہے دیکھو رب تعالیٰ نے ان کی صفت حنیف فرمائی' عقائد میں بے دینی کا خلط ایسا ہے جیسے گلاب کی بوتل میں دو قطرے پیشاب' جس سے سارا گلاب گندا ہو جاتا ہے اور اعمال میں بے دینوں کے اعمال کا خلط جیسے سونے میں پیتل کی ملاوٹ کہ اس سے سونا تو پیتل نہیں بن جاتا مگر بازار میں اس کا بھاؤ گر جاتا ہے۔ خالص گھی اور خالص سونے کی اچھی قیمت ہے' ایسے ہی بازار قیامت میں خالص مومن کی قدر و قیمت زیادہ ہوگی۔ آٹھواں فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی ایک آن کے لئے بھی بے دینی اختیار نہیں فرمائی' آپ بچپن سے آخر تک موحد' مومن رہے' جو آپ کو ایک آن کے لئے بھی مشرک مانے وہ خود بے دین ہے جیسا کہ ما کان من المشرکین سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کے سارے آباء و اجداد موحد' مومن تھے' آزر آپ کا چچا تھا نہ کہ والد' والد تو تارخ تھے کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ما کان من المشرکین یعنی آپ کی پیدائش مشرکوں سے نہ تھی یعنی آپ مشرکین کی اولاد نہ تھے' قرآن کریم نے آزر کو مجازاً "آپ کا والد" فرمایا' عربی میں چچا کو باپ کہہ دیتے ہیں' اس کی تحقیق پہلے پارے میں حضرت آمنہ خاتون کے ایمان کی بحث میں ہو چکی۔ دسواں فائدہ: مدینہ کے یہودی اور عیسائی مشرک تھے اور آج کل کے عیسائی یہودی سب مشرک ہیں کیونکہ اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں' یہ بھی ما کان من المشرکین سے معلوم ہوا یعنی تم مشرک ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے' پھر تم ان کے دین پر کیونکر ہوئے' لیکن اس کے باوجود یہ ایک نبی کے ماننے والے ہیں' اس لئے انہیں اہل کتاب کہا گیا" اور ان کی عورتوں

سے مسلمان مردوں کا نکاح جائز ہوا معلوم ہوا کہ نبی کی طرف غلط نسبت سے بھی کچھ فائدہ پہنچ جاتا ہے تو جسے ان کے ساتھ صحیح نسبت حاصل ہو جائے اس کا کیا پوچھنا۔

بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے — خدا کی یہ نعمت بڑی چیز ہے

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس مناظرہ کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھنے والے یہودی ظالم ہوں گے تو چاہئے کہ اس سے پہلے کے یہودی ظالم نہ ہوں حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **والکافرون هم الظلمون** سارے ہی کافر ظالم ہیں' آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں ظالم سے مراد بڑے اور سخت ظالم ہیں اور اس آیت میں مطلقاً" ظالم مراد ہیں کیونکہ اب بعد مناظرہ ضد و عناد سے افتراء ہو گا اس سے پہلے بے خبری کا افتراء ہو سکتا تھا۔ دوسرا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں صاف کیوں نہ فرمایا کہ دین محمدی کی پیروی کرو' یہ کیوں کہا کہ دین ابراہیمی کی پیروی کرو۔ جواب: اس لئے کہ وہ لوگ اپنے دین کو دین ابراہیمی کہتے تھے اور اپنے کو ابراہیمی کہلواتے تھے' نیز ابراہیم علیہ السلام کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے' اس لئے ان الفاظ میں انہیں اسلام کی تبلیغ کی گئی۔ جیسے آج ہم کفار سے کہیں کہ سچے دین یا برابری والے دین میں آجاؤ' مطلب یہ ہے کہ ملت ابراہیمی حقیقت میں اسلام ہی ہے۔ تیسرا اعتراض: اگر اسلام ملت ابراہیمی ہے' تو یہ دین تمام دینوں کا ناسخ نہ ہوا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی ضرورت کیا تھی وہی دین باقی رکھا جاتا؟؟ جواب: اسلام کے دین ابراہیمی ہونے کے معنی نہ تو یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے تبع ہیں اور نہ کوئی مسلمان اسلام کے احکام کی ان کے احکام جان کر اتباع کرتا ہے بلکہ اسلام کو ملت ابراہیمی سے وہ نسبت ہے جو شرح کو متن سے ہوتی ہے یا درخت کو تخم سے' کہ شرح اپنے میں پورے متن کو لئے ہوتی ہے مع ہزار ہا زوائد کے اسی طرح اسلام اپنے اندر ان کی ملت کو لئے ہوئے ہے اور ان کے موافق ہے' اور اب ہم ان کی ملت پر اس لئے عمل کرتے ہیں کہ ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے' اسلام تمام دینوں کا ناسخ بایں معنی ہے کہ اب ان کے احکام کی اتباع نہیں بلکہ اسلام کی اتباع ہے اور ہم ان کی امت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں' فسخ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے سارے احکام مٹا دیئے جائیں' لہٰذا نسخ موافقت کے خلاف نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کبھی شرک نہ کیا' اور قرآن کریم دوسرے مقام پر فرما رہا ہے کہ آپ نے چاند' سورج اور تاروں کو اپنا رب فرمایا **فلما را القمر بازغا" قال هذا ربی** یہ شرک ہے' معلوم ہوا پہلے آپ مشرک تھے بعد میں مومن' موحد ہوئے۔ جواب: **نعوذ باللہ** آپ کی ذات تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے' آپ ابوالانبیاء ہیں' کوئی نبی کسی وقت شرک نہیں کرتے' یہ حضرات پیدائشی عارف باللہ ہوتے ہیں' جناب کا اس وقت چاند' سورج کو **هذا ربی** فرمانا کفار کو الزام دینے کے لئے تھا کہ کیا تم اسے میرا رب بتاتے ہو' جو ڈوب جائے وہ خدا کیسا' اسی لئے رب تعالیٰ نے ان کے کلام کی تائید و تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **و تلک حجتنا اتینها ابرهیم علی قومه** یعنی ابراہیم علیہ السلام کو یہ دلیل ان کی قوم کے مقابلہ میں ہم نے سکھائی نیز آپ نے اپنے اس فرمان سے متصل فرمایا **یقوم انی بری ء مما تشرکون** اے میری قوم میں تمہارے شرک سے دور ہوں' اور بیزار' ورنہ آپ یوں فرماتے کہ میں اپنے شرک سے توبہ کرتا ہوں بری ء سے معلوم ہوا کہ آپ شرک سے قریب بھی نہ تھے۔

تفسیر صوفیانہ: جو شخص بغیر مجاہدہ نفس رب تعالیٰ تک پہنچنا چاہے اور اس راستہ کو آسان اور اس کے طے کرنے کو مذاق جانے وہ بڑا ظالم ہے 'اے محبوب فرما دو اللہ سچا ہے' اس نے سچ فرمایا کہ اللہ کی رضا بغیر اپنی رضا فنا کئے نہیں پا سکتے 'اے مجاہدو تم ملت ابراہیمی اور جبلت خلیلی کی اتباع کرو کہ ان کی ملت و جبلت یہ تھی کہ وہ مہمانوں پر مال خرچ کرتے تھے امتحان پر بیٹے کی قربانی اور اپنے کو نار نمرود میں ڈال دینے سے دریغ نہ فرماتے تھے 'خلت کی ملت ہی اور ہے' ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہ تھے کہ اللہ کے ساتھ اوروں سے بھی دوستی کریں۔

اگر جز تجلی ہے رود جلوہ لت! در آتش فشانند سجادہ لت!

اللہ کے ولی وہ ہیں جو اللہ ہی سے محبت کریں اور اسی کی محبت کے لئے اس کے محبوبوں سے محبت کریں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بغیر خلوص و محبت عبادات کرنا ایسا ہے جیسے ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا کہ اس میں محنت بہت 'نتیجہ کچھ نہیں' دل کو پہلے عشق کی بھٹی میں گرم و نرم کرو' پھر عبادتوں کے ہتھوڑوں سے کوٹو' محمد ابن حسان فرماتے ہیں کہ میں لبنان کے پہاڑوں میں گھوم رہا تھا اچانک ایک جلے بھنے جوان کو دیکھا' مجھے دیکھتے ہی وہ بھاگا' میں نے کہا اللہ کے بندے مجھے کچھ نصیحت کئے جاؤ' وہ بھاگتے ہوئے کہتا گیا اللہ سے ڈرو وہ بڑا غیور ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے کے دل میں اس کے سوا کوئی اور بھی رہے۔ رب تعالیٰ دل کا خلوص عطا فرمائے۔ (از روح)۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾

بیشک پہلا وہ گھر جو رکھا گیا واسطے لوگوں کے یقیناً وہ ہی جو مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت تمام جہانوں کے لئے
بیشک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کا مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا رہنما۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے یہود کے اس طعن کو دفع فرمایا جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اونٹ وغیرہ کی حلت سے کرتے تھے 'اب انہی کے اس طعن کو دفع فرمایا جا رہا ہے جو وہ کعبہ شریف کے قبلہ اسلام ہونے کی بناء پر کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ کا قبلہ بیت المقدس کیوں نہیں جو پچھلے انبیاء کا قبلہ تھا اور ان کی ہجرت گاہ اور وہیں قیامت قائم ہوگی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں جواز نسخ پر دلیل قائم کی گئی تھی کہ کچھ کھانے پہلے حلال تھے پھر حرام کئے گئے 'اب اس آیت میں کعبہ معظمہ کے قبلہ بننے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے 'اس کا قبلہ ہونا بھی بیت المقدس کے نسخ کے بعد ہے یعنی جانوروں کی حلت کے نسخ میں وہ حکمتیں تھیں اور نسخ قبلہ میں یہ حکمتیں ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دین ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا اور اس دین کا بڑا رکن حج بیت اللہ ہے لہٰذا اب کعبہ شریف کے فضائل بیان ہو رہے ہیں تاکہ حج واجب ہونے کی حکمتیں معلوم ہو سکیں۔ **چوتھا تعلق:** یہود و عیسائی اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے اور اپنی ملتوں کو ملت ابراہیمی بتاتے تھے 'ان کی تردید میں پہلے فرمایا گیا کہ ان کے دین میں فلاں فلاں جانور حلال تھے تمہارے ہاں حرام 'اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا قبلہ کعبہ شریف تھا' تمہارا قبلہ بیت المقدس' ان کے ہاں حج فرض تھا' تمہارے ہاں نہیں'

ان کے ہاں کعبہ کی تعظیم رکن ایمان تھی تم کعبہ سے بے تعلق ہو تو تم ابراہیمی کہاں سے ہوئے؟ ابراہیمی تو مسلمان ہیں۔

شان نزول: ایک بار یہود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارا قبلہ بیت المقدس ہے تمہارا قبلہ کعبہ ' اور بیت المقدس کعبہ سے کہیں افضل ہے کہ وہ کعبہ سے پہلے اور پرانا ہے ' انبیاء کرام کا قبلہ اور ان کی ہجرت گاہ ہے ' اور شام کے علاقہ میں واقع ہے جو متبرک زمین ہے ' جہاں قیامت قائم ہوگی ' مسلمانوں نے کہا نہیں ہمارا کعبہ افضل ہے ' اس موقعہ پر یہ آیت اتری ' جس میں ان کی تردید اور مسلمانوں کی تائید کی گئی (تفسیر خازن و خزائن و روح المعانی و جلالین و صاوی وغیرھم)۔ (2) اسلام میں جب تبدیلی قبلہ کا واقعہ ہوا کہ مسلمان بیت المقدس سے کعبہ معظمہ کی طرف پھیرے گئے تو یہود نے طعنہ کیا کہ انہوں نے اعلیٰ اور پرانے قبلہ کو چھوڑ دیا اور ادنیٰ قبلہ اختیار کر لیا ' ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان) ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر: **ان اول بیت** جس مضمون کا کوئی منکر موجود ہو یا آئندہ ہونے والا ہو اسے **ان** لام تاکید **قد** یا **لقد** وغیرہ تحقیق الفاظ سے شروع کیا جاتا ہے ' چونکہ خانہ کعبہ کی افضلیت و اولیت دونوں کے یہود منکر تھے ' اس لئے اس آیت کو **ان** سے شروع کیا ' عربی میں اول وہ فرد ہے جو اپنے ماسوا سے پہلے اور سابق ہو ' اس طرح کہ کوئی نہ اس سے پہلے ہو اور نہ اس کے ساتھ اس کے بعد کچھ ہو یا نہ ہو جیسے آخر وہ ہے جس کے ساتھ اور بعد کوئی نہ ہو پہلے ہو یا نہ ہو ' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ کیا معنی کہ نہ آپ کے زمانہ میں کوئی نبی ہے نہ آپ کے بعد ' آپ کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے ' اولیت دو قسم کی ہے حقیقی و اضافی ' حقیقی اول وہ جو سب سے پہلے ہو ' اور اول اضافی وہ جو کسی خاص چیز سے پہلے ہو ' یہاں گھروں کے لحاظ سے اولیت حقیقی مراد ہے اور تمام عالم کے اعتبار سے اولیت اضافی (از تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) کبھی اعلیٰ درجہ کو بھی اول کہہ دیا کرتے ہیں ' بمعنی افضل ' خانہ کعبہ زمانی اول بھی ہے اور درجہ کے لحاظ سے بھی اول یعنی افضل ' جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو گا **بیت** چھت والی عمارت کو کہا جاتا ہے ' جس میں بیتوتت یعنی شب گزاری کی جائے ' حجرہ یا کمرہ۔ پورے گھر کو جس میں صحن وغیرہ بھی ہو دار کہا جاتا ہے ' اور پوری گڑھی کو جس میں اصطبل وغیرہ بھی ہوں ' منزل چونکہ خانہ کعبہ صرف چھتی ہوئی عمارت کا نام ہے ' جس میں صحن وغیرہ نہیں ' اس لئے اسے بیت کہا جاتا ہے اور چونکہ وہاں نہ کوئی رہتا ہے اور نہ کسی کی ملکیت نہ وہاں کسی کا کام ہو ' صرف اللہ کا کام حج یا نماز ہوتی ہے ' اس لئے اسے بیت اللہ کہتے ہیں۔ **وضع للناس وضع** ' **وضع** سے بنا ' جس کے چند معنی ہیں ' ایجاد ' خلق ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **والارض وضعھا للانام** بچہ جننا **رب انی وضعتھا انثی** ظاہر کرنا ' و **وضع الکتب** رکھنا اور ڈالنا **حتی تضع الحرب اوزارھا** بنانا و تعمیر کرنا کہا جاتا ہے **وضع البیت** یہاں اگر وضع بمعنی خلق ہے تو اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور اگر بمعنی بنانا و تعمیر ہے تو اس کا فاعل فرشتے اور انبیاء وغیرہم ہیں **للناس** میں لام نفع کا ہے نہ کہ ملکیت کا ' اور ناس سے مراد سارے مسلمان ہیں ' یا سارے اہل عرب ' کیونکہ اس کا دینی نفع حج و نماز وغیرہ سب مسلمان پاتے ہیں اور دنیاوی نفع امن اور رزق کا وہاں کھنچ کر پہنچنا اہل عرب خصوصیت سے پاتے ہیں۔ **للذی ببکۃ** لام تاکید اس لئے لایا گیا کہ یہود اس کے منکر تھے ' لفظ کعبہ نہ کہا گیا بلکہ دراز عبارت فرمائی گئی یعنی وہ گھر جو مکہ میں ہے تاکہ کعبہ معظمہ کی عظمت کے ساتھ مکہ معظمہ کی عظمت کا ذکر بھی ہو جائے ' جس شہر میں کعبہ ہے وہ شہر افضل اور جس شہر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ہیں وہ شہر اعلیٰ' بعض نے کہا کہ بکہ اور مکہ ایک ہی چیز ہے' میم ب سے بدل گئی جسے عربی میں لازم کو لازب کہہ دیتے ہیں اور سمد کو سبد' بعض کی نگاہ میں یہ دونوں الگ لفظ ہیں بکہ' بک سے بنا بمعنی کچل ڈالنا' چونکہ اس شہر کے دشمن اصحاب فیل وغیرہ کچل دیئے گئے اس لئے اسے بکہ کہا جاتا ہے' اور مکہ' مک سے بنا بمعنی چوس لینا' خشک کر دینا چونکہ یہ شہر حاجیوں کے گناہوں کو جذب کر لیتا ہے' اس لئے اسے مکہ کہا جاتا ہے' مکہ معظمہ کے بہت نام ہیں۔ (1) مکہ' (2) بکہ' (3) ام رحم' (4) کولیساء' (5) بشاشہ' (6) حاطمہ' (7) ام القریٰ' (8) بلد امین' (9) الناسون' (10) صلاح' (11) عرش' (12) قادس' (13) مقدس' (14) راس' (15) کوثاء' (16) مبینہ (ش) (تفسیر خازن وکبیر) یونہی کعبہ کے بہت نام ہیں۔ (1) کعبہ' (2) بیت العتیق' (3) بیت اللہ' (4) مسجد الحرام۔ ان تمام ناموں کے معانی اور وجہ تسمیہ اس جگہ تفسیر کبیر میں دیکھو اور ہم بھی انشاء اللہ سورۂ حج میں ذکر کریں گے **مبرکا" و هدی" للعلمین** مبارک برک سے بنا۔ بمعنی بیٹھ جانا' لازم ہو جانا' کہا جاتا ہے **برک البعیر** اونٹ بیٹھ گیا' اونٹوں کے طویلہ کو مبارک الاوبل کہتے ہیں' مفردات راغب میں ہے۔ **البرکۃ ثبوت الخیر الالٰہی** اصطلاح میں اس کے معنی بڑھنا اور زیادہ ہونا بھی ہیں اور بقاء و دوام بھی' دوسرے معنی سے یہ خدا کی صفت ہے **تبارک اللہ احسن الخالقین** پہلے معنی کے لحاظ سے خانہ کعبہ کی بھی صفت ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی بھی' عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **و جعلنی مبرکا"** چونکہ مکہ مکرمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے' اور وہاں ہر طرف سے کھنچ کر پھل دانے پہنچتے ہیں اور کعبہ مثل مرکز ہے' نماز کی صفیں مثل دائرے کے' اس لئے اسے مبارک فرمایا گیا **هدی"** سے مراد ہدایت دینے والا ہے' یا باعث ہدایت' چونکہ کعبہ معظمہ انسان جنات بلکہ فرشتوں کا بھی قبلہ ہے اس لئے اسے عالمین کی ہدایت فرمایا گیا' نیز یہ انسانوں کو جنت کی ہدایت دیتا ہے اس لئے **هدی"** فرمایا گیا' ہدایت کی پوری بحث اور اس کے اقسام **اهدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں گزر چکی۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو یا اے سارے انسانو! یقین سے جان لو کہ ساری روئے زمین پر سب سے پہلے اور سب سے افضل گھر جو لوگوں کے دینی اور دنیوی فائدوں کے لئے پیدا کیا گیا اور بنایا گیا وہی ہے جو کہ مکہ شریف میں واقع ہے نہ کہ بیت المقدس جو شام میں ہے وہ درجہ میں بھی کعبہ کے بعد ہے اور فضیلت میں بھی جود و فیوض اسی کے مقدم ہیں' یہ بڑا برکتوں والا گھر ہے۔ جس میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور یہ صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے باعث ہدایت اور ان کا راہنما ہے لہٰذا ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور ان کے دین کی اکملیت اور ان کی امت کی شرافت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کا قبلہ کعبہ معظمہ ہے کسی کی افضلیت معلوم کرنے کے لئے اس کے دوست احباب اور اس کے سامان کو بھی دیکھا جاتا ہے جس دین کے لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں' پھیلانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور قبلہ کعبہ ہو وہ دین خود کیسا ہو گا۔

کعبہ کی اولیت: مکہ معظمہ اور کعبہ شریف کے تاریخی حالات پہلے پارے کی تفسیر میں بیان کئے گئے' یہاں اس کی اولیت و افضلیت کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے' تفسیر روح المعانی وغیرہ نے اس آیت کے ماتحت بیان فرمایا کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے پانی تھا' قدرت نے اس پر جھاگ پیدا کئے وہ جھاگ چالیس سال تک ایک جگہ محفوظ رہے' پھر وہی جھاگ پھیلا دیئے

گئے اسی پھیلے ہوئے جھاگ کا نام زمین ہے‘ اس جھاگ کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے اور ان کا پھیلاؤ اس کے بعد رب تعالیٰ فرماتا ہے **والارض بعد ذلک دحٰھا** جہاں وہ جھاگ محفوظ رہے تھے وہیں کعبہ معظمہ ہے‘ پھر آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت المعمور کے بالکل مقابل فرشتوں نے کعبہ شریف کی عمارت بنائی یا اس میں بیت المعمور کے برابر تاکہ آسمان کے فرشتے تو بیت المعمور کا طواف کیا کریں اور زمینی فرشتے کعبہ کا‘ اس عرصہ میں کعبہ کا طواف تو صرف زمینی فرشتے کرتے رہے‘ مگر اس کا حج زمین و آسمان کے سارے فرشتے (تفسیر خازن از امام زین العابدین) مگر اس عمارت کا سامان آسمانی سرخ یاقوت تھے زمین کے پتھر وغیرہ نہ تھے‘ پھر آدم علیہ السلام نے اس تعمیر میں کچھ زیادتی کی اور آپ بھی اسی کا طواف اور اسی کی طرف نماز پڑھتے رہے‘ اس کی مرمت شیث علیہ السلام نے بھی کی‘ طوفان نوحی تک یہ گھر ایسے ہی رہا‘ اس طوفان کے موقعہ پر آسمانی عمارت تو آسمان پر ہی اٹھالی گئی‘ اس کا صرف ایک یاقوت باقی رکھا گیا جو سنگ اسود کہلایا‘ اور زمینی عمارت گر کر سفید ٹیلے کی شکل میں رہ گئی‘ پھر ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حکم سے اور جبریل امین کی رہبری سے یہاں ایک گھر تعمیر کیا جو مکعب شکل کا ہے اسی لئے اسے کعبہ کہا گیا یعنی لمبائی‘ چوڑائی اور اونچائی برابر‘ پھر قوم عمالقہ نے‘ پھر جرہم‘ پھر قصی اور پھر قریش نے اس میں تعمیر و ترمیم کی‘ یہ پانچ چھ تعمیریں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوئیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عبداللہ ابن زبیر نے اور ان کے بعد حجاج ابن یوسف نے گرا کر تعمیریں کیں‘ اب تک حجاج ہی کا تعمیر کردہ کعبہ موجود ہے‘ ہاں میزاب رحمت‘ چوکھٹ‘ دروازہ اور چھت میں کچھ معمولی ترمیمیں ہوئیں‘ اس کے متعلق اور بھی مختلف روایات ہیں مگر یہ روایت بہت جامع اور صحیح ہے (جلالین‘ صاوی‘ خازن‘ روح المعانی‘ روح البیان وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام اس کے بانی اول نہیں بلکہ اس کی گری ہوئی دیواریں اٹھانے والے ہیں‘ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **واذ یرفع ابرٰھیم القواعد من البیت** آپ کی طرف بنا کو نسبت نہ کیا بلکہ رفع دیوار کو‘ وہ جو مسلم بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین میں سب سے پہلے کعبۃ اللہ بنا اور اس کے چالیس سال بعد بیت المقدس‘ وہاں بھی ان تعمیروں سے تعمیر ابراہیمی و سلیمانی مراد نہیں کہ حضرت ابراہیم و سلیمان علیہم السلام میں ایک ہزار سال سے زائد فاصلہ ہے‘ نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے بانی اول ہیں اور نہ حضرت سلیمان بیت المقدس کے بانی اول‘ اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کی تعمیر مراد ہے یا کوئی اور تعمیر‘ اس حدیث و تاریخ کی نفیس تحقیق ہماری کتاب مرآۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول میں دیکھو‘ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ کعبہ کی بنیاد فرشتوں نے ساتویں زمین پر رکھی۔ الخ

کعبہ کی افضلیت : کعبہ معظمہ کے فضائل بے شمار ہیں‘ ان میں سے کچھ عرض کیے جاتے ہیں (1) بیت المقدس کے مشہور بانی حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں کہ آپ نے جنات سے تعمیر کرایا‘ مگر کعبۃ اللہ کے مشہور بانی حضرت خلیل اللہ ہیں علیہ السلام‘ اس طرح کہ رب جلیل آمر‘ حضرت خلیل معمار‘ جناب ذبیح سنگ بردار اور حضرت جبریل انجینئر علیہم السلام (کبیر)۔ (2) کعبہ معظمہ میں مقام ابراہیم (علیہ السلام) سنگ اسود وغیرہ ایسی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں جو بیت المقدس میں نہیں۔ (3) کعبہ معظمہ پر پرندے نہیں اڑتے بلکہ اس کے آس پاس پھٹ جاتے ہیں‘ بیت المقدس میں یہ بات نہیں (4) حرم کعبہ میں بکری اور شیر ایک جگہ پانی پی لیتے ہیں‘ وہاں شکاری جانور بھی شکار نہیں کرتے۔ (5) حرم کعبہ میں تاقیامت جنگ و قتال حرام

ہے' یہ اس دعا کا اثر ہے رب اجعل هذا البلد امنا " (6) کعبہ معظمہ سارے حجازیوں خصوصاً مکہ والوں کی پرورش کا ذریعہ ہے کہ وہ جگہ وادی غیرذی زرع ہے' جہاں معاش کے ذرائع سب ناپید ہیں مگر وہاں کے باشندے دوسروں سے زیادہ مزے میں ہیں' غرضکہ وہ جگہ صرف عبادتوں کے لئے ہے' کماتے دنیا والے ہیں اور کھاتے کعبہ والے ہیں' بیت المقدس سرسبز و شاداب زمین میں واقع ہے الذی بر کنا حولہ (7) رب تعالیٰ نے کعبہ کی حفاظت خود فرمائی کہ فیل والوں کو ابابیل سے مروا دیا۔ (8) حج ہمیشہ کعبہ ہی کا ہوا' بیت المقدس کا حج کبھی نہ ہوا۔ (9) اللہ کے آخری نبی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے پاس مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ (10) رب تعالیٰ نے کعبہ کے شہر ہی کو بلد امین فرمایا اور اسی کی قسم فرمائی کہ فرمایا و هذا البلد الامین (11) کعبہ معظمہ کے پاس نیکی کا ثواب ایک لاکھ اور بیت المقدس کے پاس پچاس ہزار۔ (12) فرشتوں اور بہت سے انبیاء کا قبلہ کعبہ ہی رہا نہ کہ بیت المقدس۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مقبول بندوں اور محبوب چیزوں پر اعتراض کرنا طریقہء کفار ہے اور ان کے فضائل بیان کرنا' معترضین کے جوابات دینا سنت الیہ ہے۔ دیکھو یہود نے کعبہ پر اعتراض کئے' رب تعالیٰ نے جواب دیئے اور فضائل بیان فرمائے۔ دوسرا فائدہ: مقبول بندوں اور محبوب چیزوں میں فرق مراتب ہے اگرچہ نفس محبوبیت و مقبولیت میں سب یکساں ہیں' دیکھو کعبہ و بیت المقدس دونوں گھر اللہ کے ہیں' مگر بیت المقدس اعلیٰ اور کعبہ معظمہ بہت ہی اعلیٰ ہے' یہی فرق مراتب انبیاء کرام اور اولیاء اللہ میں بھی ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض ساری مسجدیں اللہ کا گھر ہیں مگر جامع مسجد سبحان اللہ۔ تیسرا فائدہ: سب سے پہلے اور سب سے پیچھے ہونا بھی وجہ افضلیت ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے کعبہ کی افضلیت اس کی اولیت سے ثابت فرمائی اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت آپ کی خاتمیت یعنی آخریت سے بیان فرمائی و خاتم النبین۔ لہذا مولوی محمد قاسم صاحب نے جو تحذیر الناس میں کہا کہ اولیت و آخریت میں کوئی افضلیت نہیں وہ غلط ہے اور اس آیت کے خلاف ہے خیال رہے کہ کعبہ فقط اول ہے اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول بھی آخر بھی هو الاول والاخر کے مظہر اتم ہیں کہ وجود میں اول ہیں ظہور میں آخر' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ اور تمام مخلوق کی علت غائی و اصل مقصود ہیں کہ سب کچھ ان کی خاطر بنا' اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

ہوتے کہاں خلیل و بناء کعبہ و منیٰ　　لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

کعبہ بھی ہے انہی کی تجلی کا ایک ظل　　روشن انہی کے نور سے پتلی حجر کی ہے

چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ان کے دین کی ان کے کعبہ کی ان کی پیدائش گاہ کی عظمتیں بیان فرماتا ہے کیونکہ براتیوں کی عظمت سے دولہا کی عظمت کا پتہ چلتا ہے' یہود بذات خود کعبہ کے مخالف نہ تھے' بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے کے لئے کعبہ شریف پر اعتراض کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کعبہ کی بھی تعریفیں کیں اور مکہ شریف کی بھی' لہذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی خاطر آپ کے صحابہ اہل بیت آپ کے اولیاء' علماء آپ کے مدینہ اور آپ کے خدام کی تعریفیں کیا کریں' یہ سب تعریفیں سنت الیہ ہیں جو اس آیت سے ثابت ہیں اور ان میں سے کسی کی مخالفت طریقہء یہود ہے۔

پانچواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ برکت والا بھی ہے اور جہانوں کی ہدایت بھی کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب

ایک لاکھ ہے ' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کعبہ معظمہ سے افضل اور کعبہ کا اصل مقصود ہیں ' یقیناً مبارک بھی ہیں اور عالمین کے ہادی بھی کہ ایک صحابی کا چار سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے ' کیوں نہ ہو کہ ان کا ہاتھ اس مبارک کے ہاتھ میں ہے ' کعبہ کی طرف رخ کرنے سے سب کی نمازیں ٹھیک ہوتی ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دل کا رخ کرنے سے سب کے ایمان ٹھیک ہوتے ہیں جو کہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کیا رکھا ہے ' اس سے پوچھنا چاہئے کہ کعبہ میں کیا ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا **وضع للناس** یعنی کعبہ معظمہ لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا اور پھر فرمایا گیا **ھدی " للعلمین** کہ تمام جہانوں کے لئے ہدایت ہے ' ان دو بیانوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ صرف انسانوں کے لئے ہے یا تمام جہانوں کے لئے؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ کعبہ کا تقرر صرف انسانوں کے لئے ہوا ' وہی اصل مقصود ہیں ' دوسری مخلوق ان کے تابع ہو کر کعبہ سے فائدے اٹھائے ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **خلق لکم ما فی الارض جمیعا "** اے انسانو! زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے ہی بنائی گئیں حالانکہ دیگر مخلوق بھی ان سے فائدے اٹھاتی ہے ' برات کا سارا اہتمام دولہا کی خاطر ہے ' مگر اس کے کچھ فائدے براتی بھی اٹھا لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کعبہ معظمہ راہنما ساری مخلوق کا ہے کہ جن و فرشتے بھی اس کے ذریعہ عبادت کرتے ہیں ' مگر دیگر فوائد صرف انسان ہی حاصل کرتے ہیں ' قربانی کے گوشت انسان کھائیں ' وہاں کے امن سے فائدے انسان اٹھائیں ' ہر ملک کے میوے جو وہاں پہنچتے ہیں انسان کھائیں ' لہذا للناس بھی درست اور **للعلمین** بھی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا پہلا گھر کعبہ معظمہ ہے مگر حضرت علی ابن ابی طالب ' مطرف ' ضحاک وغیرہم رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ بیت اللہ سے پہلے زمین پر بہت گھر بن چکے تھے اور اس آیت کے معنی کرتے ہیں عبادت کا پہلا گھر جس میں برکتیں و ہدایتیں ہیں وہ کعبہ ہے ' دوسرے گھر اس سے پہلے بن چکے تھے مگر ان میں یہ اوصاف نہ تھے ان کے قول تمہاری اس تفسیر کے خلاف ہیں ' (خازن)۔ جواب: اس آیت کریمہ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے ' مگر ان بزرگوں کی مراد بیت سے بنائے ابراہیمی ہے۔ جس سے یہ جگہ بیت کی شکل میں آئی ' ظاہر ہے کہ اس وقت تک لوگ بغیر گھر کے نہ رہے ' رہنے سہنے کے لئے انہوں نے مکانات ضرور بنائے ' خیال رہے: کہ ایک ہے کعبہ کا تقرر ' اور ایک ہے وہاں عمارت کا موجود ہونا ' اور ایک ہے انسان کا وہاں گھر بنانا ' کعبہ کا تقرر تو سارے عالم اجسام سے پہلے ہوا اور وہاں عمارت کا آسمان سے لایا جانا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ہوا جبکہ آسمان زمین بلکہ بیت المعمور بھی بن چکے تھے اور انسانوں کا بشکل بیت بنانا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہوا ' پہلے معنی سے کعبہ اول حقیقی ہے اور دوسرے دو معنی سے اول اضافی ' اسی لئے رب تعالیٰ نے یہاں **وضع** فرمایا بنی نہ فرمایا ' لہذا یہاں یہ تفسیر بھی درست ہے اور ان بزرگوں کے فرامین بھی صحیح۔ تیسرا فائدہ: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کو بکہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زمین اپنے دشمن کو کچل ڈالتی ہے دیکھو اصحاب فیل اسی سرزمین کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے ' مگر حجاج ابن یوسف نے ابو قبیس پہاڑ پر گوپھن قائم کر کے مسجد حرام پر سنگ باری کی جس سے اس عمارت کو نقصان پہنچا ایسے ہی یزید پلید کے زمانہ میں کعبہ معظمہ کی بے حرمتی کی گئی حتیٰ کہ غلاف کعبہ کو آگ لگ گئی ' مگر یہ دونوں برباد نہ ہوئے تو یہ جگہ بکہ کہاں رہی؟ جواب: حجاج و یزید خانہ کعبہ کے دشمن نہ تھے اور ان مردودوں نے اسے برباد کرنے کے لئے یہ حرکتیں نہ کی تھیں بلکہ حجاج نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے قتل کے لئے یہ

حرکت کی' ان کی فوج حرم شریف میں تھی' اسی لئے حضرت ابن زبیر کی شہادت کے بعد پھر سے کعبہ معظمہ کو بہت اہتمام سے بنایا اور سارے حرم شریف کی درستی و مرمت کی اور یزید پلید نے ان مکہ والوں کی مخالفت میں جنہوں نے اس کی حکومت کے خلاف قدم اٹھایا تھا اور واقعہ کربلا کے بعد عام طور پر اس کی سلطنت کی (اس کے خیال میں) بغاوت کی تھی یہ حرکت کی' اس کی نیت بھی کعبہ معظمہ کو برباد کرنے کی نہ تھی' اس لئے یہ لوگ عذاب سے بچے رہے' ورنہ جو کعبہ کی بربادی کی نیت سے اس پر حملہ کرے یقیناً برباد ہو گا گنبد اس کا ماخذ و ناصر ہے مگر اس کا کام یکسر بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ نے جیسے کعبہ معظمہ کے فضائل بیان کئے ویسے ہی مکہ معظمہ کے بھی فضائل بیان کئے اس لئے کہ اس میں کعبہ ہے' قیمتی موتی کی سیپ بھی قیمتی ہوتی ہے' مومن کا دل بیت اللہ ہے اور مومن کا جسم مکہ معظمہ جس میں یہ بیت اللہ واقع ہے' مومن کا دل لوگوں کے نفع کے لئے بنایا گیا اسی سے تمام جہانوں کے لئے ہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں' یہ دل بڑا برکت والا ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ قلب مومن کی عظمت کعبہ معظمہ سے زیادہ ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ تعمیر خلیل اطہر است　　　دل گزرگاہ جلیل اکبر است

مولانا جلال الدین رومی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است　　　من نمی گنجم در ایں بالا و پست!
در دل مومن بگنجم اے عجب　　　گر مرا جوئی در ایں دلہا طلب!

اور فرماتے ہیں۔

خود بنا کرد و خدا در وے نرفت　　　اندر ایں خانہ بجز آں حے نرفت

اسی لئے کعبہ میں جانے والے حاجی بن جاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے والے مسلمان صحابی بنے تمام جہان کے حاجی ان کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے کیوں نہ ہو یہ کعبہ قبلہ اسلام ہے اور قلب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ ایمان و عرفان' یہ کعبہ قبلہ سر ہے اور حضور قبلہ دل و جان صلی اللہ علیہ وسلم۔

فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ
اس کے اندر نشانیاں ہیں کھلی ہوئی ابراہیم کا مقام - اور جو یہاں داخل ہو گیا امن والا ہو گیا اور
اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ' اور جو اس میں آئے امان میں ہو اور
لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ
اللہ کے واسطے لوگوں پر کعبہ کا حج ہے وہ جو طاقت رکھے اس کی طرف راستہ کی اور جو
اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے اور جو

كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

کفر کرے تو بے شک اللہ جہانوں سے بے پرواہ ہے
منکر ہو تو اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کعبہ معظمہ کی ذاتی واندرونی خوبیاں بیان کی گئیں کہ وہ افضل 'اول 'مبارک گھر ہے۔ لوگوں کا راہنما ہے 'اب اس کی بیرونی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں کہ اس میں مقام ابراہیم اور امن وغیرہ ہے یعنی حسن ذاتی کا ذکر پہلے تھا زیوروں کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کعبہ معظمہ کے ان فضائل کا ذکر تھا جو اعتقاداً" مانے جاتے ہیں 'اب ان خوبیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو آنکھوں دیکھی جاتی ہیں یعنی ماننے والی خوبیاں پہلے بیان کی گئی اور جاننے پہچاننے اور دیکھنے والی خوبیاں اب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کعبہ معظمہ کے فضائل کا ذکر تھا اور اس آیت میں اس کے فوائد کا تذکرہ ہے 'عقل فضائل مانتی ہے طبیعت فوائد 'مقصد یہ ہے کہ کعبہ کو عقل سے بھی مانو اور نفس و طبیعت سے بھی۔

تفسیر: **فیه ایت بینت** فیہ کا مرجع بیت اللہ شریف ہے نہ کہ بکہ 'کیونکہ بیت مذکر ہے اور بکہ مونث اور فیہ میں ضمیر مذکر ہے 'اس سے مراد خود کعبہ معظمہ اس کے آس پاس مسجد حرام شریف سارا مکہ مکرمہ اور حدود حرم کی نشانیاں ہیں 'کیونکہ یہ تمام کعبہ شریف ہی کی برکت سے ہیں لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مقام ابراہیم وغیرہ خود کعبہ میں نہیں ہیں ' آیات جمع آیت کی بمعنی علامت و نشانی 'اس سے یا تو رب کی قدرت کی نشانیاں مراد ہیں یا کعبہ معظمہ کی عظمت کی علامتیں مقصود 'انبیائے کرام کے معجزات 'اولیاء اللہ کی کرامات 'قرآن شریف کے جملے آیات کہلاتے ہیں کیونکہ وہ سب رب تعالیٰ کی قدرت اور اسلام کی حقانیت کی دلیلیں ہیں 'اگرچہ عالم کا ہر ذرہ و قطرہ رب تعالیٰ کی آیتیں ہیں لیکن یہ چیزیں رب تعالیٰ کی بڑی آیتیں ہیں ' اس لئے انہیں خصوصیت سے آیات فرمایا گیا **بینت** بینۃ کی جمع ہے جو بین سے ماخوذ ہے ' بمعنی علیحدگی و جدائی 'چونکہ ظاہر واضح چیز دوسروں سے الگ چھپی نہیں ہوئی ہوتی ہے اس لئے اسے بینہ کہا جاتا ہے اسی لئے کھلے کلام کو بیان کہتے ہیں۔ یعنی کعبہ معظمہ میں حقانیت کی ایسی نشانیاں ہیں جو خود اپنا بیان ہیں ظاہر ظہور معلوم ہو جاتی ہیں **مقام ابرهیم** یہ آیات کا بیان ہے یا **منها** محذوف کا مبتدا ہے 'چونکہ مقام ابراہیم بہت سے آیات پر مشتمل ہے اس لئے یہ آیات جمع کا بیان ہو سکتا ہے یعنی وہ نشانیاں مقام ابراہیم ہے یا ان نشانیوں میں سے مقام ابراہیم ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مقام ابراہیم اور **من دخله** دونوں مل کر آیات کا بیان ہیں 'یعنی وہ نشانیاں مقام ابراہیم اور وہاں کا امن ہے عربی میں دو پر بھی جمع بول دیتے ہیں 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقد صغت قلوبكما** (تفسیر کبیر وغیرہ)۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ معظمہ کی دیواریں اونچی کی تھیں۔ (1) جس قدر دیوار اونچی ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا اور شام کو اترتے وقت نیچا ہو جاتا تھا۔ (2) یہ پتھر آپ کے قدم کی جگہ ریت یا گارے کی طرح اس طرح نرم ہو گیا تھا کہ اس میں بخوبی نشان قدم واقع ہو گئے جو اب تک اس میں موجود ہیں۔ (3) باقی آس پاس کا حصہ سخت ہی رہا۔ (4) تعمیر کعبہ کے بعد اسی پتھر پر کھڑے ہو کر جبل ابو قبیس میں آپ

نے آوازیں دیں تھیں کہ اللہ کے بندو اس کے گھر کی طرف آجاؤ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اذن فی الناس بالحج**۔ (5) اسی پتھر پر قدم رکھ کر آپ نے اپنی بہو یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زوجہ سے اپنا سر شریف دھلوایا تھا (کبیر معانی' روح البیان وغیرہ)۔ (6) یہ پتھر ہزارہا سال گزرنے کے باوجود اب تک ویسے ہی محفوظ ہے۔ (7) رب تعالیٰ نے اس پتھر کو اتنی عظمت بخشی کہ تمام حجاج کے سر اس کی طرف جھکوا دیئے کہ فرمایا **و اتخذوا من مقام ابرٰھیم مصلی** اس پتھر کی تحقیق و تاریخ اور ابراہیم علیہ السلام کی تاریخی حالات پہلے پارے میں عرض کیے جاچکے ہیں **و من دخلہ کان امنا**" واؤ یا تو عاطفہ ہے یا ابتدائیہ' من سے مراد مطلقاً انسان ہیں' مومن ہوں یا کافر یا مرتد' اور ایک تفسیر کی بناء پر اس میں جانور بھی تبعاً" داخل ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا" دخول کے معنی ہیں باہر سے آنا' وہاں رہنے کو دخول نہیں کہتے' یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے' ہ کا مرجع یا مقام ابراہیم ہے یا بیت اللہ' دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں لیکن سارے حدود حرم اس میں شامل ہیں کیونکہ حدود حرم میں آنے والا کعبہ کے سایہ عافیت و پناہ میں آجاتا ہے جیسا کہ فیہ کی تفسیر میں عرض کیا گیا **کان** بمعنی **صار** ہے یا بمعنی **یکون' امنا**" امن سے بنا بمعنی سکون' بے خوفی (خوف کا مقابل) یا بمعنی پناہ' یا تو امن سے اخروی امن مراد ہے' تب تو من سے مراد مومن ہو گا یعنی جو مسلمان حرم شریف میں آگیا وہ عذاب الٰہی سے امن میں ہو گیا کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حرمین میں آگیا وہ عذاب الٰہی سے امن میں ہو گیا اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حرمین شریفین میں سے کہیں مر جائے قیامت کے دن امن میں اٹھے گا' اور فرمایا کہ جو ایک گھڑی بھی مکہ معظمہ کی گرمی برداشت کرلے وہ دوزخ سے دو سو سال کی راہ دور رہے گا' اور فرمایا کہ جو حج کرے اور فسق و فجور سے دور رہے وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے اس کی ماں نے آج اسے جنا' اور فرمایا کہ حجون (مکہ معظمہ کا قبرستان) و بقیع (مدینہ پاک کا قبرستان) کے کنارے پکڑ کر جنت میں اس طرح جھاڑ دیئے جائیں گے کہ یہاں کے تمام مدفون وہاں پہنچ جائیں گے (تفسیر کبیر و روح البیان) یا دنیوی امان مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو مجرم باہر سے جرم کرکے حرم شریف میں داخل ہو جائے وہ امن میں آ جائے گا لہذا قاتل' مرتد' زانی' چور جن پر شرعی سزائیں مقرر ہوتی ہیں' یہاں پناہ لے لینے کی صورت میں سزا نہ پائیں گے ہاں حاکم کسی تدبیر سے ان کو وہاں سے نکالے گا' مثلاً" انہیں کھانے پینے' آرام کرنے نہ دے گا' جب خود نکل جائیں گے تو بیرون حرم انہیں سزا دے گا' لیکن جو حرم شریف میں ہی یہ جرم کرے گا اسے وہاں ہی سزا دے دی جائے گی' اسی لئے رب تعالیٰ نے **من دخلہ** فرمایا **من کان فیہ** نہ فرمایا مذہب احناف یہی ہے' یا اس سے بے خوفی مراد ہے تب امن میں جانور بھی داخل ہیں اب تک دیکھا جا رہا ہے کہ جانور ہرن' چڑیاں وغیرہ بیرون حرم شکاریوں سے بھاگتے ہیں' حرم میں داخل ہوتے ہی بے خوف ہو جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ حرم شریف میں شکاری جانور کا شکار اور خود رو درختوں کا کاٹنا حرام ہے لیکن پالتو جانور بکری وغیرہ کا ذبح کرنا اور اگائے ہوئے درختوں کا کاٹنا جائز حتی کہ اگر کسی کے ساتھ پنجرہ میں چڑیا وغیرہ مقید ہے اور اسے لے کر حرم میں داخل ہو گیا تو اس کا چھوڑ دینا واجب ہے۔ ہاں سانپ' بچھو' چوہا' چیل' کوا جنہیں موذی کہا جاتا ہے ان کو حرم میں بھی مار دیا جائے گا (تفسیر مدارک وغیرہ)۔ **و للہ علی الناس حج البیت** یہ جملہ یا تو پہلے پر معطوف ہے یا نیا ہے **الناس** سے مراد مسلمان انسان ہیں کہ فرشتوں پر حج فرض نہیں اور مسلمان جنات پر یا تو حج فرض نہیں اور اگر ہے تو انسانوں کے تابع ہو کر اور ان کے شرائط حج وہ نہیں ہیں جو انسانوں کے لئے ہیں' سواری' توشہ' وغیرہ' حج ح کے فتح و کسرہ سے بمعنی قصد و ارادہ ہے' ح کا فتح لغت حجاز ہے اور ح کا

کسرہ لغت نجد' شریعت میں احرام باندھ کر خاص ایام میں طواف' وقوف عرفات وغیرہ کا نام حج ہے' چونکہ بیت اللہ شریف وجوب حج کا سبب ہے اس لئے اسے حج البیت کہا گیا من استطاع الیہ سبیلا " استطاع استطاعۃ مصدر کا فعل ماضی ہے' اس کا مادہ طوع ہے بمعنی خوشی ورضا کرہا' کا مقابل' اصطلاح میں حد وسعت کو استطاعت کہتے ہیں یعنی جو کام انسان سے سہولت کر سکے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر توشہ اور سواری سے کی۔ ان دو لفظوں میں باقی شرائط بھی آجاتی ہیں' تندرستی' راستہ کا امن تو سواری میں آگیا اور مال جو اپنے جانے آنے کے لئے اور اس مدت میں متعلقین کے خرچ کے لئے کافی ہو یہ توشہ میں آگیا خیال رہے کہ یہ شرائط باہر والوں کے لئے ہیں' خود مکہ والوں کے لئے نہ سواری شرط ہے نہ مالداری کہ ان کے گھر ہی میں حج ہوتا ہے و من کفر کفر کے معنی انکار ہیں' شریعت میں یہ ایمان کا مقابل ہے' کفر عملی بھی ہوتا ہے اعتقادی بھی' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی جو کوئی حج پر قادر ہو کر کفار کی طرح حج نہ کرے یا جو کوئی حج کی فرضیت کا انکار کر کے کافر ہو جائے تو فان اللہ غنی عن العلمین اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے لہذا وہ تارکین حج سے بھی بے پرواہ ہے یہ لوگ اپنے بھلے کے لئے حج کریں گے نہ کہ رب تعالیٰ کے لئے۔

خلاصہ تفسیر: یہود نے تو بیت المقدس کی خانہ کعبہ پر افضلیت اس کی اولیت سے ثابت کی مگر وہ اس میں جھوٹے نکلے کیونکہ بیت المقدس سے کعبہ پہلے ہے لیکن کعبۃ اللہ شریف کی افضلیت بہت طرح ثابت ہے کہ سب سے اول کعبہ مقرر ہوا' کعبہ ہی مبارک ہے کعبہ ہی جہان والوں کا ہادی ہے' کعبہ تعمیر ابراہیمی ہے' کعبہ معظمہ کے پاس مقام ابراہیم پتھر موجود ہے' کعبہ ہی کے پاس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے جاری ہونے والا زمزم کا پانی موجود ہے' اسی کی حطیم میں سنگ اسمٰعیل (علیہ السلام) یعنی حضرت اسمٰعیل وہاجرہ (علیہما السلام) کی قبریں ہیں۔ اسی کے مطاف میں چار سو انبیائے کرام کے مزارات ہیں' اسی کعبہ میں سنگ اسود و رکن یمانی ہے۔ اسی کے پاس صفا مروہ پہاڑ ہیں جو شعائر اللہ ہیں' اسی کعبہ کا شہر یعنی مکہ مکرمہ دار الامان ہے' اسی کا شہر مکہ مکرمہ آخری پیغمبر حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ ہے' اسی کے سایہ میں منیٰ' مزدلفہ' اور عرفات متبرک مقامات ہیں' اسی کا ہمیشہ حج ہوا اور ہوتا ہے' اسی کا عمرہ ہوا اور ہوتا رہے گا' اسی کا طواف ہوا اور ہوتا رہے گا' یہیں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے' اس کعبہ پر سوا بیمار کے اور کوئی پرندہ نہیں اڑتا' اسی کعبہ کی حفاظت کے لئے ابابیل سے فیل مروائے گئے' اسی کعبہ کی طرف لوگوں کے دل قدرتی طور پر کھنچتے ہیں' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ وہاں پیداوار کوئی نہیں لیکن وہاں کبھی قحط نہیں پڑا اور نہ کوئی قحط سے مرا' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ ہر سال آٹھ دس لاکھ آدمی وہاں پہنچ جاتے ہیں' لیکن نہ وہاں دانہ میں کمی آتی ہے نہ پھلوں میں' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ وہاں ہر سال حج کے موقعہ پر تیس چالیس لاکھ جانور ذبح ہو جاتے ہیں مگر جب بچے ہوئے واپس لوٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک بھی ذبح نہ ہوا غرضکہ اس جیسی ہزاروں ایسی آیات بینات ہیں جو بیت المقدس میں نہیں ہیں' وہ کچھ عرصہ کے لئے قبلہ رہا' پھر تم کس منہ سے کہتے ہو کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے' جیسے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال محبوب ہیں' ایسے ہی ان کا کعبہ بے مثال قبلہ ہے' اے مسلمانو! تم یہود کی باتیں نہ سنو' کبھی وہم بھی نہ کرو کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے' تم کعبہ کے حج کے لئے تیار رہو' جس میں طاقت ہو وہ ضرور حج کرے۔ خیال رکھو کہ اگر تم باوجود طاقت کے حج کو نہ گئے یا حج کا انکار کر کے کافر بن گئے تو تم سے تو کیا ہم سارے جہان سے بے

پرواہ ہیں، ہمارے کعبہ کی آبادی اور وہاں کا حج تم پر موقوف نہیں، وہاں ہمیشہ رونق میلے لگے ہی رہیں گے، ہاں تم ایک بڑی نعمت سے محروم ہو جاؤ گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: متبرک مقامات کے پاس ہونا اور رہنا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور افضلیت کا باعث ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے کعبہ کی افضلیت میں یہ بات بھی بیان کی کہ وہاں مقام ابراہیم پتھر رکھا ہوا ہے، جب مقام ابراہیم کے پاس ہونے کی وجہ سے کعبہ کی شان بڑھ گئی تو وہ حضرات صحابہ کرام جو سایہ کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، خصوصاً حضرت صدیق و فاروق جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں سو رہے ہیں وہ یقیناً بہت ہی افضل ہوں گے کیا ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب مقام ابراہیم کے قرب سے بھی کم ہے؟ دوسرا فائدہ: جس پتھر کو نبی کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہو جائے اس کی شان بڑھ جاتی ہے اور وہ متبرک بن جاتا ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے مقام ابراہیم کو آیات بینات اس لئے فرمایا کہ یہ جناب خلیل اللہ کا قدم بوس ہے، عشاق کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ذرے آسمان کے تاروں سے افضل ہیں کیوں نہ ہوں کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین چومنے والے ہیں۔

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے ۔۔۔ یہاں کے پتھروں نے قدم چومے ہیں محمد کے

مسئلہ: قبر انور کا وہ حصہ جو جسم پاک سرکار سے متصل ہے، وہ کعبہ معظمہ بلکہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے (شامی)۔ عشاق کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ کا سینہ، علی مرتضیٰ کا زانو، جناب صدیق اکبر کی گود جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ بنی وہ بھی عرش معلیٰ سے کہیں افضل ہے، جب قرآن پاک کی رحل کا احترام ہے، تو یہ بزرگ تو قرآن والے کی رحل ہیں۔ تیسرا فائدہ: جو کوئی بیرون حرم جرم کر کے حرم میں بھاگ جائے اس پر شرعی سزا جاری نہ ہو گی، حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ اگر میرے والد خطاب کا قاتل حرم میں آجائے تو بھی اسے ہاتھ نہ لگاؤں۔ (ابن منذر) ایسے ہی ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عباس کے قول نقل کئے (تفسیر روح المعانی)۔ لیکن جو حرم شریف میں جرم کرے وہ سزا پائے گا جیسا کہ **من دخلہ** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: حج صرف انسانوں پر فرض ہے فرشتوں پر نہیں، رہے جنات ان پر یا تو فرض ہی نہیں یا ان شرائط کے ماتحت فرض نہیں جیسا کہ **علی الناس** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: حج کی فرضیت کا سبب بیت اللہ شریف ہے اس لئے حج کو بیت کی طرف مضاف کیا گیا اور حج عمر میں ایک بار فرض ہوا اگر اس کا سبب مال یا وقت ہوتا تو اسے **حج المال** یا حج بقر عید کہا جاتا اور ہر سال واجب ہوتا جیسے زکوٰۃ مال اور روزہ رمضان ہر سال واجب ہے، چنانچہ اس آیت کے نزول پر حضرت اقرع ابن حابس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال حج واجب ہے تو فرمایا گیا کہ اگر ہم ابھی ہاں کہہ دیتے تو ہر سال ہی واجب ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔ عمر میں ایک بار فرض ہوا۔ چھٹا فائدہ: حج ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ اس پر جو توشہ، سواری وغیرہ پر قادر ہو جیسا کہ **من استطاع** سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: وجوب حج کی چھ شرطیں ہیں، اسلام، بلوغ، عقل، صحت، بقدر ضرورت مال، راستہ کا امن، لہٰذا کافر، بچہ، دیوانہ، غریب پر حج فرض نہیں، لیکن اگر غریب حج کرے گا تو اس کا حج اسلام ادا ہو جائے گا کیونکہ ہر شخص مکہ معظمہ پہنچ کر وہاں کا باشندہ مانا جاتا ہے اور مکہ والے غریب پر بھی حج فرض ہے۔ ساتواں فائدہ: حج فرض اعتقادی ہے اور ہر فرض اعتقادی کا انکار کفر ہے جیسا کہ **من کفر** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ آٹھواں

فائدہ: جو حج پر قادر ہو اور حج نہ کرے وہ سخت مجرم و گنہگار ہے اور اس کا یہ عمل کفار سے مشابہت ہے جیسا کہ **من کفر** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حج پر قادر ہو پھر بلا عذر حج نہ کرے' وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر۔ نواں فائدہ: حج مبرور مقبول کی کوشش چاہئے جیسا کہ **للہ** سے معلوم ہوا' حج مبرور یہ ہے کہ حلال کمائی سے حج کیا جائے' تمام فرائض' واجبات' سنن و مستحبات صحیح طور پر ادا ہوں خالص لوجہ اللہ نام نمود کو دخل نہ ہو' حج مبرور کی پہچان یہ ہے کہ حاجی کے دل میں نرمی پیدا ہو جائے اور گناہوں میں کمی' نیکیوں میں زیادتی کی توفیق ملے۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے مقبولوں کے منہ سے جو نکلتا ہے رب تعالیٰ وہی کر دیتا ہے' یہ حضرات سیف زبان ہوتے ہیں' دیکھو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ کے متعلق عرض کیا تھا۔ **رب اجعل ھذا بلدا "امنا"** خدایا اس جنگل کو شہر بنادے امن والا رب تعالیٰ فرماتا ہے **من دخلہ کان امنا** " اور جناب خلیل نے عرض کیا تھا **وارزق اھلہ من الثمرت** خدایا یہاں کے باشندوں کو پھل فروٹ دے' رب تعالیٰ نے فرمایا **یجبی الیہ ثمرت** غرضیکہ جو خلیل کے منہ سے نکلا وہی رب جلیل نے کر دیا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: **فیہ** کی تقدیم سے معلوم ہوا کہ صرف کعبہ معظمہ میں ہی قدرت کی نشانیاں ہیں حالانکہ قدرت کی نشانیاں تو عالم کے ذرہ ذرہ میں ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **و فی انفسکم افلا تبصرون** یعنی خود تمہاری ذاتوں میں نشانیاں موجود ہیں تم غور کیوں نہیں کرتے تو یہ آیت صحیح کیونکر ہو؟ جواب: یہاں آیات بینات سے وہ نشانیاں مراد ہیں جن کا ذکر خلاصہء تفسیر میں کیا گیا جس سے کعبہ معظمہ کی بے مثال اور اس کی بیت المقدس سے افضلیت ثابت ہو' اسی واسطے آگے فرمایا گیا **مقام ابرھیم** دوسرا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی حرم میں آجائے اسے دوزخ سے امن ملے گی تو ابو جہل' ابولہب اور سارے کفار مکہ حرم میں ہی رہتے تھے کیا وہ دوزخی نہیں؟ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اگر امن سے مراد دنیوی امن ہے تو من سے مراد وہ انسان ہوگا جو حرم سے باہر جرم کرے پھر حرم میں پناہ لے لے' اور اگر امن سے مراد اخروی' امن ہے تو **من** سے مراد مومن ہوں گے یعنی جو ایمان کے ساتھ حج کرے تو اس کے گناہ معاف ہو گئے اور وہ دوزخ سے امان میں آگیا۔ تیسرا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک نیکی کا ثواب بھی ایک لاکھ ہے اور ایک گناہ کا وبال بھی ایک لاکھ' تو یہ حرم میں امن کہاں ہوئی؟ حرم تو پوری مصیبت بن گیا' اسی ڈر سے حضرت عبداللہ ابن عباس مکہ معظمہ میں نہ رہے۔ طائف شریف میں رہے' لہذا قرآن و حدیث میں تعارض ہے؟ جواب: یہ گناہ کی زیادتی حرم کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی بے ادبی سے ہے' کچہری میں حاکم کے سامنے جرم کرنا دیگر مقام پر جرم سے بدتر ہے کہ اس میں کچہری کی بے حرمتی اور حاکم کی بے ادبی بھی ہے' آیت کا منشاء یہ ہے کہ جو مجرم رب تعالیٰ کی پناہ لینے کے لئے حرم شریف میں آجائے اسے دوزخ سے امن ہوگی' یہاں رہ کر جرم کرنے والا پناہ کب لے رہا ہے وہ تو ڈھٹائی کر رہا ہے' پناہ لینے والا قصور سے بچا کرتا ہے۔ چوتھا اعتراض: **علی الناس** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حج صرف انسانوں پر ہی فرض ہے حالانکہ اسلام کے ارکان پانچ ہیں اور بعض جنات بھی مسلمان ہیں ان پر بھی حج فرض ہونا چاہئے۔ جواب: بعض لوگوں نے تو یہی کہا ہے ان کے ہاں انسانوں کے لئے اسلام کے ارکان پانچ ہیں' جنات کے احکام دوسرے ہیں' بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں انسان کی

تخصیص من استطاع کے لحاظ سے ہے یعنی انسانوں میں ان پر ہی حج فرض ہوگا جن میں مکہ معظمہ تک پہنچنے کی بدنی' مالی و امنی طاقت ہو' جنات میں یہ شرط نہیں' وہ تو پل بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں' کیا تمہیں خبر نہیں ایک جنی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ میں آپ کی کچہری اٹھنے سے پہلے یمن سے تخت بلقیس لا کر حاضر کردوں گا' ہر امیر و غریب مسلمان جن پر حج فرض ہے جیسے کہ مکہ والے انسانوں پر۔ پانچواں اعتراض: انبیائے کرام و بعض اولیاء کو رب تعالیٰ طی الارض کی قوت دیتا ہے' کہ وہ ایک آن میں مشرق و مغرب طے کرلیتے ہیں' آصف بن برخیا نے جو ایک انسان تھے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ میں تخت بلقیس آپ کی خدمت میں پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کردوں گا' ایسی قوت قدسیہ والوں کے حج کے لئے کیا سواری وغیرہ کی شرط ہے' اگر ہے تو جنات کے لئے کیوں نہیں' اور اگر نہیں تو آیت کا حکم عام نہ رہا۔ جواب: شرط ہے کیونکہ حج روحانی سفر سے نہیں کیا جاتا بلکہ اس ظاہری' جسمانی طاقت سے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرش کا سفر کر آئے مگر حج کا سفر اسی دنیوی اونٹنی پر کیا' بلکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار عمرہ سے مانع ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی طور پر کعبہ معظمہ پہنچ کر عمرہ نہ فرمایا' بلکہ واپس ہوگئے' شریعت کے احکام اس ظاہر پر ہیں' علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ بعض اولیاء اللہ کی زیارت کرنے جاتا ہے' اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف   کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا

تو یہ اولیاء اللہ کعبہ کو اپنے ہاں بلا کر حج یا عمرہ نہیں کرلیتے بلکہ حج کے لئے انہی سواریوں پر وہاں جاتے ہیں کیونکہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے وہاں سب کو سر خم کرنا پڑتا ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا و من کفر حج کے ساتھ کفر کا ذکر کیوں فرمایا' کیا حج نہ کرنا کفر ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ حج کا انکار کفر ہے اور بلا عذر حج نہ کرنا علامت کفار' اس سختی کے اظہار کے لئے من کفر فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے انسان کو تین چیزیں عطا فرمائیں ہیں' عقل' نفس' عشق۔ عقل تو فضائل دیکھتی ہے اور تنقید اس کا کام ہے۔ نفس فوائد پر نظر رکھتا ہے' تحقیق اس کا مشغلہ ہے مگر عشق ان دونوں سے وراء کہ وہ نسبت محبوب دیکھتا ہے' جہاں نسبت پاتا ہے اسے اندھا دھند مانتا ہے' کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں   عشق پر ایمان کی بنیاد رکھ

دوسرے شاعر نے کہا۔

عاشقاں' راچہ کار با تحقیق   ہر کجا نام اوست قربانیم

رب تعالیٰ نے اس آیت میں تینوں کا انتظام فرمایا اور کعبہ معظمہ کو تینوں سے منوایا ہے' اس کی اولیت و افضلیت عقل کے سامنے پیش فرمائی اور اس کے فوائد امن وحج بیان فرما کر نفس کو اس کے ماننے پر مجبور کیا اور نسبت ابراہیمی بیان فرما کر عشاق کو تڑپا دیا' عاشق یہ سن کر جھوم گئے کہ کعبۃ اللہ کو خلیل اللہ سے نسبت ہے کہ انہی کی تعمیر ہے اور ان کے نقش قدم (مقام ابراہیم) کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ صوفیائے فرماتے ہیں کہ جیسے بعض مقام ذریعہ امان ہیں حرم شریف عام انسانوں کے لئے امن' وادی ءِ سینا موسیٰ علیہ السلام کے لئے امن کہ رب تعالیٰ نے ان سے فرمایا انک من الامنین ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے مقبول

بندے عالم کے لئے امن ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا کیونکہ ان میں آپ ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے صحابہ زمین والوں کے لئے امن ہیں۔

حکایت: حضور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں صحابہ کی دعوت تھی کپڑے کا دسترخوان لایا گیا جو میلا تھا آپ نے وہ دسترخوان بھڑکتے ہوئے تندور میں ڈال دیا میل جل گیا کپڑے کے تار گرم بھی نہ ہوئے تو حاضرین نے پوچھا

قوم گفتند اے صحابی عزیز ۔۔۔ چوں نہ سوزد و منقے گشت نیز

اے صحابی رسول یہ آگ میں جلا کیوں نہیں؟ اور صاف کیونکر ہو گیا آپ نے جواب دیا۔

گفت روزے مصطفیٰ دست و دہاں ۔۔۔ بس بمالید اندریں دستار خواں

فرمایا ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان سے اپنا ہاتھ دہنہ شریف پونچھ لیا تھا اس دن سے آگ اسے نہیں جلاتی مولانا فرماتے ہیں۔

اے دل ترسندہ از نار و عذاب! ۔۔۔ باچنیں دست و دہن کن انتساب

اے دل اگر تجھے عذاب کی آگ کا خطرہ ہے تو اس لب اور ہاتھ سے نسبت پیدا کر کعبہ معظمہ میں لاکھوں خوبیاں ہیں مگر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ خلیل اللہ کے مقام کا حامل ہے اور حبیب اللہ کا ولادت گاہ دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد** مجھے اس شہر مکہ معظمہ کی قسم۔ حالانکہ اس مکہ میں تم تشریف فرما ہو یعنی میری قسم کی وجہ تمہاری موجودگی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کو بلا عذر مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا تھا اور ہجرت فرض' حالانکہ وہاں کعبہ معظمہ' عرفات و منیٰ' مقام ابراہیم سب کچھ موجود تھا' صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے تھے۔ یہ ہے نسبت کا ظہور۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
فرمادو اے کتاب والو تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا اور اللہ گواہ ہے اوپر
تم فرماؤ اے کتابیو! اللہ کی آیتیں کیوں نہیں مانتے اور تمہارے کام اللہ

مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾
اسکے جو تم کرتے ہو
کے سامنے ہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر نقلی و عقلی دلائل توریت و انجیل کی بشارتیں بیان فرمائی تھیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو اہل کتاب اعتراض کرتے تھے' تحویل قبلہ سے اس کے جوابات دیئے تھے' اب اہل کتاب کو دعوت ایمان دی جاری ہے جو اس

تمام گفتگو کا مقصد اصلی ہے گویا تمہید پہلے گزری، اصل مقصد اب آرہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حج بیت اللہ کی فرضیت کا ذکر تھا، اب اہل کتاب سے فرمایا جارہا ہے کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ اور یہ فریضہ ادا کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کعبہ معظمہ کے فضائل و فوائد مذکور تھے اب کفار کو ان فوائد کے لینے پر آمادہ کیا جارہا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ اور اس سے فائدے اٹھاؤ گویا دینے والے کا ذکر پہلے تھا اور لینے والوں کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخری جملے سے معلوم ہوا تھا کہ کافر کفر کر کے اپنا آپ ہی بگاڑ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑتا کیونکہ وہ غنی و بے نیاز ہے، اس میں اشارۃً کفار کو کفر چھوڑ دینے کا حکم تھا۔ اب صراحۃً یہ حکم دیا جارہا ہے گویا کنایۃً تبلیغ کے بعد اب صراحتاً تبلیغ فرمائی جارہی ہے۔

تفسیر: **قل** یوں تو سارا قرآن شریف ہی تبلیغ اور بندوں تک پہنچانے کے لئے اترا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آیت چھپائی نہیں، مگر بعض آیتیں قل سے شروع فرمائی جاتی ہیں تاکہ ان کے مضامین کی اہمیت معلوم ہو یعنی اے نبی یہ بھی فرما دو، اس قل فرمانے کے بہت منشاء ہوتے ہیں، کبھی یہ کہ یہ بات فرمانے کا صرف تم کو حق ہے کسی اور کو نہیں، جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** انکسار و تواضع کے طور پر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے کو بشر کہہ سکتے ہیں، اگر توہین کی نیت سے ہم کہیں تو کافر ہیں، اگر عام طور پر بشر کہہ کر پکاریں تو مجرم اور بیان عقیدہ کے لئے کہیں تو جائز، کبھی دوسروں سے کہلوانے کے لئے قل فرمایا جاتا ہے۔ جیسے **قل ھو اللہ احد**، محبوب آپ فرمادو کہ اللہ ایک و یکتا ہے، تاکہ آپ کی معرفت اور تعلیم سے لوگ کہیں اللہ یکتا ہے۔ تب وہ مومن بنیں گے، اگر بغیر آپ کی معرفت **اللہ احد** کہے جائیں تو موحد ہوں گے مومن نہیں، ہمارے ہاں ایمان کی قدر ہے فقط توحید کی نہیں، کبھی کلام کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر جمع فرمانے کے لئے فرمایا جاتا ہے۔ جیسے **قل اعوذ برب الفلق** الخ اے محبوب آپ اپنی زبان سے یہ دعا مانگئے دعا ہماری بتائی ہوئی ہو اور زبان تمہاری، تاکہ زبان و کلام کی تاثیریں مرض کو دفع کریں۔ کارتوس بندوق کی مدد سے شکار کرتا ہے، بندوق اپنی ہو یا دوسرے کی مانگی ہوئی، زبان یا اپنی ہو، تاثیر ہو یا دوسرے کی اجازت سے، کبھی ارشاد و تعلیم کے لئے قل فرمایا جاتا ہے۔ یہاں اس قل میں بہت وجوہ ہو سکتی ہیں۔ قل میں کبھی خطاب صرف مسلمانوں سے ہوتا ہے، کبھی سارے انسانوں سے، کبھی صرف کفار سے، کبھی تمام جہان والوں سے، یہاں صرف اہل کتاب کافروں سے خطاب ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **یا اھل الکتب** یہاں لفظ یا پکارنے کے لئے ہے، قرآن کریم میں پکارنا کبھی اظہار کرم کے لئے ہوتا ہے جیسے **یا ایھا النبی**، کبھی غافلوں کو بیدار کرنے کے لئے، جیسے **یا ایھا الذین امنوا**، کبھی اظہار غضب کے لئے، جیسے **یا ایھا الکفرون**، یہاں دو آخری وجوہ سے ہو سکتا ہے، کتاب کے لغوی و اصطلاحی معنی کی تحقیق الم کے شروع **ذلک الکتب** میں ہو چکی، یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن شریف میں نامہ اعمال کو بھی کتاب کہا گیا ہے جیسے **اقراء کتابک** اور خط و مراسلہ کو بھی جیسے **القی الی کتب کریم**۔ قرآن شریف کو بھی جیسے **انزلنا الیک الکتب** اور قرآن شریف کے علاوہ دیگر آسمانی کتب کو بھی، یہاں کتاب چوتھے معنے میں ہے۔ یعنی توریت، زبور، انجیل مگر ظاہر یہ ہے کہ صرف توریت و انجیل مراد ہے، بلکہ بعض مفسرین نے صرف توریت مراد لی ہے، کیونکہ اس مخاطبہ کے وقت یا صرف یہود سامنے تھے یا یہودی و عیسائی دونوں۔ خیال رہے کہ اہل کتاب کے خطاب میں مسلمان کبھی داخل نہیں ہوتے، ان کے لئے قدرت نے **الذین امنوا** کا پیارا خطاب رکھا ہے، یہاں اہل کتاب سے مراد یا تو کتاب پر ایمان رکھنے والے ہیں یعنی

سارے یہودی عیسائی یا ان کتابوں کا علم رکھنے والے یا ان کی سمجھ بوجھ رکھنے والے یعنی ان کے پوپ پادری (خازن و کبیر) یا کتاب کی اہل بیت رکھنے والے جن کے آئندہ ایمان کی امید ہے (روح المعانی و بیان) یعنی اے کتاب ماننے والو' یا اے کتاب جاننے والو' یا اے کتاب' سمجھنے والو لم تکفرون لم حرف استفہام و سوال ہے۔ رب تعالیٰ کا کچھ پوچھنا اپنے علم کے لئے نہیں ہوتا کہ وہ علیم و خبیر ہے۔ بلکہ دیگر مقاصد کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے آئندہ کلام کی تمہید یا اظہار غضب یا تبلیغ احکام یا بندوں کو تعجب دلانا' یہاں آخری تین معنے میں ہو سکتا ہے' کفر کے معنی انکار بھی ہیں اور چھپانا بھی۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں بایت اللہ آیات اٰیتہ کی جمع ہے۔ جس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت کے ماتحت ہو چکی' اللہ کی آیتوں سے مراد اللہ کی قائم کردہ کھلی نشانیاں ہیں اس میں گفتگو ہے کہ یہاں ان نشانیوں سے کیا مراد ہے یا تو توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہے۔ جنہیں اہل کتاب چھپاتے تھے یا بدل لیتے تھے' یا معنوی تحریف' یعنی غلط تفسیریں کرتے تھے' یا ساری توریت و انجیل کیونکہ کتاب اللہ کی ایک آیت کا انکار گویا سب کا انکار ہے یا قرآن شریف کی آیتیں مراد ہیں۔ جس پر ایمان لانا ان کے لئے ضروری تھا کیونکہ قرآن سارے جہان کے لئے آیا ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کھلی نشانیاں ہیں' چونکہ دیگر انبیائے کرام کو گنتی کے معجزے ملتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے حد و بے عد ہیں' اس لئے جمع فرمایا گیا یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عقلی دلائل مراد ہیں' تھوڑی عقل والا بھی جان سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور آخری نبی ہیں' دیکھو ہماری کتاب "نئی تقریریں" مگر تفسیر خازن اور تفسیر تنویر المقباس نے فرمایا کہ آیات اللہ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم از سرتاپا اللہ کی دلیل ہیں' آپ کا ہر حال آپ کا ہر کمال دلیل رب ذوالجلال ہے' رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمایا قد جاء کم برھان من ربکم یعنی تمہاری حرکت تعجب کے قابل ہے' تم توریت و انجیل کا یا قرآن شریف یا ہمارے محبوب کے معجزات کا یا خود میرے محبوب کی ذات بابرکات کا کیسے انکار کرتے ہو' تم تو پھر بھی ذی عقل انسان ہو' ارے انہیں تو جانور' پتھر' زمین کے ذرے آسمان کے تارے بھی جانتے پہچانتے ہیں واللہ شھید علی ما تعملون یہ واؤ حالیہ ہے' شہید کے معانی پہلے پاروں میں بیان ہو چکے کہ اس کے معنی ہیں حاضر گواہ' مطلع و خبردار' یہاں سارے معنی درست ہیں' عمل سے دلی اعمال کفر وغیرہ اور ظاہری اعمال سبھی مراد ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری و باطنی اعمال پر مطلع ہے۔ اس کا علم و قدرت حاضر ہے' یا رب تعالیٰ تمہاری بد عملیوں پر گواہ ہے' تم اس کی پکڑ سے کیسے بچ سکتے ہو' جو رب تعالیٰ کے علم و خبر کا خیال رکھے' وہ کبھی گناہ پر دلیری نہیں کر سکتا۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو آپ تمام لوگوں کو ہر قسم کی تبلیغ فرماتے ہی رہتے ہیں' آپ خصوصیت سے تمام اہل کتاب یا ان کے علماء سے تبلیغ کے طور پر یہ سوال فرمائیں کہ اے کتابیو تم پر رب تعالیٰ کا بڑا کرم رہا ہے کہ تم کتاب اللہ کے حامل ہو' انبیائے کرام کی اولاد میں ہو اور ایک زمانہ میں تم سب سے افضل رہ چکے ہو' تمہارا فرض تھا کہ ان نعمتوں کے شکریہ میں تم نبی آخرالزماں پر سب سے پہلے ایمان لاتے بلکہ دوسروں کو تبلیغ کرتے' اپنی کتابوں کی آیات نعت کو ظاہر کرتے' تعجب ہے کہ تم بجائے شکر کے کفر کیسے کر رہے ہو' اللہ کی آیتوں یعنی توریت و انجیل کا یا ان نبی کے معجزات کا یا قرآن کریم کا تم

اہل کتاب ہو کر کیسے انکار کر رہے ہو' تعجب ہے کہ مشرکین انہیں مان گئے' جانور انہیں پہچان گئے' لکڑیوں' پتھروں اور کنکروں نے ان کا کلمہ پڑھ لیا مگر تم انسان اور اہل کتاب و عالم ہو کر ان کے انکاری ہو بیٹھے' حالانکہ تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے کاموں سے خبردار ہے اور تمہیں برے بھلے کاموں کی ضرور سزا و جزا دے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کراتا ہے کہ اے محبوب کلام میرا ہے مگر کہو تم' جیسا کہ قل سے معلوم ہوا۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

دوسرا فائدہ: عام کفار کو عمومی تبلیغ کرنی چاہئے اور سرداران کفر کو خصوصی طور پر دعوت ایمان دینی چاہئے کہ ان کے درست ہو جانے سے ان کے ماتحت خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے جیسا کہ یا اھل الکتب فرمانے سے معلوم ہوا' دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم' فارس کے بادشاہوں کو تبلیغی دعوت نامے لکھے۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر' ساری آیات الٰہیہ کا منکر ہے' دیکھو اہل کتاب باوجودیکہ توریت و انجیل کی آیتوں کو مانتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو' شیطان ساری ایمانیات کا اقراری تھا' صرف نبوت کا منکر تھا' مردود کر کے نکال دیا گیا' ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا ساری آیات الٰہیہ کا ماننا ہے۔ چوتھا فائدہ: اچھوں کی نسبت کفار کے کام بھی آجاتی ہے' دیکھو مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے' وہ مشرک ہوئے اہل کتاب بعض نبیوں کو خدا کا بیٹا مانتے تھے مگر انہیں مشرکین میں شمار نہ کیا گیا بلکہ ان کے نام و احکام جدا گانہ ہوئے کیوں؟ اس لئے کہ انہیں کتاب و نبی سے نسبت ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: یہاں صرف اہل کتاب کو خصوصیت سے کیوں تبلیغ کی گئی' اسلام کی تبلیغ سارے کفار کو چاہئے۔
جواب: چند وجہ سے' ایک یہ کہ اس سے پچھلی آیتوں میں انہی کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے تھے' تو اب بھی انہی کو تبلیغ کی گئی کہ پہلے سے ان ہی کا تذکرہ ہے' دوسرے یہ کہ وہ اسلام سے قریب تر ہیں خدا کی ذات و صفات انبیاء کی نبوت اور کتب آسمانی کے اقراری ہیں' انہیں مسلمان کرنا بمقابلہ مشرکین کے آسان تر ہے' تیسرے یہ کہ یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پہلے سے قائل تھے' توریت و انجیل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ان کے صحابہ کرام کے حالات سے خبردار تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے ذلک مثلھم فی التورتہ و مثلھم فی الانجیل بخلاف مشرکین کے کہ وہ زیادہ بے خبر تھے۔ چوتھے یہ کہ عام اہل عرب ان کا ادب و احترام کرتے تھے اور ان کی باتیں مانتے تھے کیونکہ ان میں علماء بھی تھے' اور یہ اولاد انبیاء بھی تھے ان کے ایمان لانے پر دوسروں کے ایمان کی قوی امید تھی۔ دوسرا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہ صاف کیوں نہ فرمادیا کہ اللہ کی آیتوں کا انکار نہ کرو' یہ کیوں فرمایا کہ انکار کیوں کرتے ہو' کیا رب تعالیٰ کو خبر نہیں جو پوچھ رہا ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس سوال میں اشارۃً کفر سے روکنا ہے جیسے کسی عالم بے عمل سے کہا جائے کہ تم عالم ہو کر نماز کیوں نہیں پڑھتے' کبھی اشارۃً تبلیغ صراحۃً تبلیغ سے زیادہ موثر ہوتی ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے

کاموں پر گواہ ہے' رب تعالیٰ تو حاکم ہے نہ کہ گواہ' گواہ ہے تو کس کچہری میں گواہی دے گا اور وہاں حاکم کون ہو گا؟ جواب: یہاں شہید بمعنی مطلع و خبردار ہے' اور اگر بمعنی گواہ بھی ہو تو اس کا مقصد ڈرانا ہے کہ ہم حاکم حقیقی ہیں اور ہمارے حضور میں تم یہ حرکتیں کر رہے ہو' تمہاری سزا تو بہت آسان ہے' گواہی حاکم کے علم کے لئے ہوتی ہے' مگر جب حاکم کے سامنے ہی جرم ہو پھر تو مقدمہ بنا بنایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بظاہر یہ خطاب اہل کتاب سے ہے مگر حقیقتاً ان علماء سوء سے بھی ہے جو دین کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالتے ہیں اور اپنے جانے ہوئے پر عمل نہیں کرتے اور اگر ظاہری عمل کرتے بھی ہیں تو دنیا کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اے کتاب اللہ والو تم آیات قرآنیہ کے عملی منکر کیوں ہوئے جاتے ہو' رب تعالیٰ نے ورع' تقویٰ' نفس کو خواہشات سے روکنے اور فانی دنیا پر باقی آخرت کو ترجیح دینے' مخلوق سے منہ پھیر کر خالق کی طرف متوجہ ہونے' مقصود حاصل کرنے کے لئے وجود ترک کر دینے کا حکم جگہ جگہ دیا ہے' اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں پر مطلع ہے' تمہارے خیر و شر اعمال کو دیکھتا ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا صفر ہے اور دین عدد' اکیلا صفر خالی ہے' مگر عدد سے مل کر اسے دس گنا کر دیتا ہے' بغیر اخلاص نماز بھی بیکار ہے اور اخلاص و نیت خیر سے کھانا پینا بھی عبادت ہے' یونہی جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے مقبولوں سے نسبت ہو' فرشتوں سے اعلیٰ ہو جاتا ہے اور اگر ان سے بے تعلق ہو جائے تو شیطان سے بدتر۔

گر سر میں رہے سودا' ان کا سر گنبد خضرا ہو جائے — گر دل میں کھنچے نقشہ ان کا دل عرش معلیٰ ہو جائے

گلشن میں میں نے دیکھا ہے پھولوں میں خار بھی رہتے ہیں — اے شاہ عرب مجھ بد کا بھی طیبہ میں گزارہ ہو جائے

اور یہ نسبت بھی رب کے کرم سے ہی حاصل ہوتی ہے ورنہ ہماری کیا حیثیت ہے کہ وہاں تک پہنچیں' ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

ذرہ عشق نبی از حق طلب — سوز صدیق و علی از حق طلب

الٰہی تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دل مرتضیٰ' سوز صدیق دے

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا

فرما دو اے کتاب والو کیوں روکتے ہو تم اللہ کے راستہ سے اسے جو ایمان لایا ڈھونڈتے

تم فرماؤ اے کتابیو کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اُسے جو ایمان لائے اسے ٹیڑھا کئے چاہتے

عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

ہو تم اُسے ٹیڑھا حالانکہ تم گواہ ہو اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو کرتے ہو تم۔

ہو اور تم اس پر گواہ ہو اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اہل کتاب کو خود گمراہ ہونے سے منع فرمایا' اس آیت کریمہ میں انہیں دوسروں کو گمراہ کرنے سے منع فرمایا چونکہ اپنی گمراہی پہلے ہوتی ہے دوسروں کو گمراہ کرنا بعد میں اس لئے پہلے انہیں گمراہی سے روکا اور اب گمراہ گری سے۔ **دوسرا تعلق:** کفار دو قسم کے ہیں۔

ایک فقط خود گمراہ۔ دوسرے گمراہ بھی اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے بھی۔ یہ بدترین کفار ہیں۔ پچھلی آیت میں پہلی قسم کے کفار پر عتاب تھا۔ اس آیت میں دوسری قسم کے کفار پر اظہار غضب۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں عوام اہل کتاب کا ذکر تھا جو راہ حق سے بہکے ہوئے تھے 'اب علمائے اہل کتاب کا ذکر ہے۔ جنہوں نے انہیں بہکایا تھا یعنی بہکنے والوں کے بعد بہکانے والوں کا تذکرہ۔ لازم کے بعد متعدی کا ذکر ہے۔

تفسیر: قل یا اهل الکتب چونکہ پچھلی آیت میں گمراہ اہل کتاب سے خطاب تھا۔ یہاں گمراہ گروں سے یا گمراہی مستقل ایک عیب ہے اور دوسروں کو بہکانا اس سے سخت تر عیب یا پچھلا عتاب اور نوعیت کا تھا' یہ عتاب دوسری نوعیت کا' ان وجوہ سے اس آیت میں بھی قل اور اہل کتاب کو نداء مکرر فرمائی گئی' کیونکہ اسی خطاب و نداء کے ماتحت یہ مضمون بھی بیان کردینے سے اس کی وہ اہمیت ظاہر نہ ہوتی جو اب مستقل خطاب و نداء سے ہوئی' یہاں اہل کتاب سے وہی یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ جن میں دوسروں کو بہکانے کا عیب ہو' ان کے پوپ پادری ہوں یا ان کے حاشیہ نشین لم تصدون عن سبیل الله ہماری قرات تصدون ہے ت کے زبر اور ص کے پیش سے 'باب نصر سے امام حسن کی قرات میں تصدون ہے ت کے پیش اور ص کے زیر سے باب افعال سے صد' اور اصد دونوں ہم معنی ہی آتے ہیں پھرنا اور روکنا (تفسیر کبیر) یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ من امن کی تفسیر سے معلوم ہو گا' سبیل وہ وسیع راستہ ہے جو مسافروں کو اپنے میں لے لے۔ سبیل خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے' قرآن شریف میں سبیل اللہ ان عقائد و اعمال کو کہا جاتا ہے جو رب کے ملنے کا ذریعہ ہوں' یہاں اسلامی عقائد مراد ہیں' کیونکہ اہل کتاب مسلمانوں کو عقائد سے پھیرتے تھے من امن ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ضعیف اور نو مسلم مسلمان ہیں۔ جن کے دلوں میں ابھی اسلام مضبوط نہیں ہوا تھا کہ یہ یہود انہی کے دلوں میں شبہے ڈالا کرتے تھے کہ اسلامی عقائد میں یہ خرابیاں ہیں اور اسلامی اعمال میں یہ برائیاں' اس صورت میں تصدون سے مراد ہو گا اسلام سے پھیرنا اور ہو سکتا ہے کہ من امن سے مراد وہ لوگ ہوں جو مائل باسلام ہوں تو تصدون سے روکنا مراد ہو گا ایسے لوگوں سے اہل کتاب یہ کہا کرتے تھے کہ ہماری کتب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صفت مذکور نہیں بلکہ ان کے خلاف صفات مذکور ہیں کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل سے ہوں گے شام میں پیدا ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل سے ہیں اور مکہ میں جلوہ گر ہوئے وغیرہ یعنی اے کتابیو! تم ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے کیوں پھیرتے ہو جو مسلمان ہو چکے ہیں یا ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو جو مائل باسلام ہیں اور ایمان لانے کے قریب تر ہیں۔ تبغونها عوجا" تبغون بغی سے بنا' معنی ڈھونڈنا اور تلاش کرنا' نہ کہ بغاوة سے' معنی سرکشی اور اطاعت سے نکل جانا' کہا جاتا ہے بغیت المال والاجر والثواب میں نے مال' اجر اور ثواب تلاش کئے۔

لطیفہ: جب حضرت امیر معاویہ کے ہاتھوں عمار ابن یاسر شہید ہوئے جو سیدنا علی مرتضیٰ کی فوج کے ساتھ تھے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ باغی ہیں اور علی مرتضیٰ امام برحق کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا تھا تقتلک الفئة الباغية اے عمار تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی' تو امیر معاویہ نے فوراً' فرمایا نحن فئة باغية لدم عثمان ہاں ہم خون عثمان کا قصاص تلاش کرنے والا گروہ ہیں۔ یعنی سرکار کے فرمان میں باغية' بغی سے ہے نہ کہ بغاوة سے۔

خیال رہے: کہ بغی ایک مفعول چاہتا ہے' اگر دو مفعول آئیں تو وہاں لام ضروری ہے اسی لئے بعض مفسرین نے تبغونها میں لام مقدر مانا ہے کہ اصل میں تبغونها لها تھا اور عوجا " کو مفعول بہ مانا اور بعض نے فرمایا کہ مفعول تو ها ہے اور عوجا " بمعنی معوج اس کا حال ھا کا مرجع سبیل ہے کیونکہ سبیل مذکر بھی ہے مونث بھی' عوج کے معنی ہیں ٹیڑھاپن' کجی' تحریف اور میلان (تفسیر خازن' مدارک' بیضاوی' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) یعنی اے یہودیو تم ٹیڑھے رہ کر راہ حق ڈھونڈتے ہو یا تم سیدھی راہ میں کجی تلاش کرتے ہو یا سیدھے راستے کو ٹیڑھا کر کے ڈھونڈتے ہو' خیال رہے: عوج' ع کے کسرہ سے وہ ٹیڑھا پن کہلاتا ہے جو آنکھ سے دیکھنے میں نہ آئے' عقل و فکر سے معلوم ہو جیسے دین' عقل' خیالات و طبیعت کا ٹیڑھا ہونا اور مڑجانا' اور عوج ع کے فتح سے وہ ٹیڑھا پن ہے جو آنکھ سے دیکھا جائے جیسے دیوار' لکڑی یا بانس کی ٹیڑھائی' چونکہ یہاں دین کی کجی مراد تھی اس لئے ع کے زیر سے ارشاد ہوا و انتم شهداء و جملہ حالیہ ہے اور شهداء جمع شہید کی ہے بمعنی مشاہدہ کرنے والا یا گواہ یا سردار یعنی تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور توریت کی آیات نعت کو دیکھنے والے ہو یا تم پہلے ان محبوب کی حقانیت کی گواہی بارہا دے چکے تھے' ان کی شناخت لوگوں کو بتا چکے تھے' اب حسد سے منکر ہو گئے' یا تم اپنی قوم کے سردار ہو وہ لوگ تم کو متقی عادل عالم مانتے ہیں اور تمہاری زبان پر اپنے بڑے بڑے فیصلے کرتے ہیں' تم ایسی حرکتیں کرو افسوس ہے وما الله بغافل عما تعملون چونکہ ان اہل کتاب کا کفر ظاہر ظہور تھا اس لئے پہلی آیات میں والله شهید فرمایا گیا مگر اللہ کی راہ سے روکنا' سے وہ ظاہر نہ کرتے تھے چھپاتے تھے بلکہ لوگوں سے کہتے تھے ہم تمہیں اللہ کی راہ پر لگاتے ہیں' اسلام کا راستہ' اللہ کا راستہ نہیں ہے اس لئے یہاں وما الله بغافل فرمایا گیا' ظاہر چیز کے لئے شہید فرمانا اور چھپی چیز سے غفلت کی نفی فرمانا اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت ہے' یہاں عمل سے مراد یا تو بہکانا ہے جیسا کہ روش کلام سے ظاہر ہے' یا ان کی ساری بدکاریاں' رشوتیں کھانا' توریت کی آیتیں چھپانا توریت کے احکام بدلنا اس میں تحریف و تبدیلیاں کرنا وغیرہ' پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے علمائے اہل کتاب تم کو علم کتاب اس لئے دیا گیا تھا تاکہ تم لوگوں کو اللہ کی راہ پر قائم رکھو اور جو اس راہ سے ہٹے ہوئے ہوں ان کو اس راہ پر لگاؤ' اور تم کو یہ خبر ہے کہ دین موسوی و عیسوی منسوخ ہو کر اللہ کا راہ نہ رہے اب انہیں اختیار کرنا گمراہی' پرانی جنتری کام نہیں آتی اور دن میں چراغ روشنی نہیں دیتا' اب اللہ کی راہ صرف اسلام ہے' تمہارا فرض تھا کہ تو مسلموں کو اسلام پر جماتے اور مائل با سلام لوگوں کو کوشش کرکے اسلام پر لاتے' تم اس کے برعکس کیوں کر رہے ہو کہ آنے والوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہو' اور جو مومن ہو چکے ہیں انہیں اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہو' کبھی ان سے کہتے ہو کہ دین موسوی پرانا ہے اسلام نیا' پرانے کے ہوتے نیا دین نہ اختیار کرو' کبھی کہتے ہو اگر اسلام حق ہوتا تو اس میں قبلہ کی تبدیلی کیوں ہوتی' کبھی یوں کہتے ہو کہ توریت و انجیل کی گواہی سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی نہیں ہیں' نبوت بنی اسرائیل سے خاص ہے' تم سیدھے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو' اور لطف یہ ہے کہ تم ہی اس پر گواہ بھی ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں' اسلام برحق ہے' توریت منسوخ ہے وغیرہ کہ توریت و انجیل کی یہ گواہیاں تمہارے ہی پاس ہیں یقیناً تمہارا خود گمراہ رہنا بھی بڑا جرم ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنا بھی سخت قصور' تم اتنا خیال رکھو کہ ہم تمہاری حرکات سے بے خبر نہیں' وقت آنے پر تمہیں

ایسی مار ماریں گے کہ یاد کرو گے ابھی کچھ نہیں بگڑا سنبھل جاؤ ایمان لے آؤ اور دوسروں کو بھی مسلمان بنا کر اپنا فرض ادا کرو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد سے تاقیامت اللہ سے ملنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی اسلام جیساکہ **عن سبیل اللہ** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اپنے اپنے زمانوں میں ان آسمانی کتابوں پر عمل باعث ہدایت تھا لیکن اب ان پر عمل باعث گمراہی ہے' یہ بھی **عن سبیل اللہ** سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ** اس سے وہ آزاد خیال' ہندو نواز علماء عبرت پکڑیں' جو کہتے ہیں کہ جس دین میں رہ کر نیکیاں کرو نجات پا جاؤ گے' اگر ایسا ہو تا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعوت ایمان کیوں دیتے۔ **تیسرا فائدہ:** بہکانے والا بہرحال مجرم ہو جاتا ہے خواہ اس سے کوئی بہکے یا نہ بہکے' دیکھو خدا کے فضل سے صحابہ کرام علماء یہود کے بہکائے بہک نہ سکے' مگر بہکانے والوں پر وبال پڑ گیا' ایسے ہی ہدایت دینے والا عالم بہرحال ثواب پائے گا خواہ اس سے کوئی ہدایت پائے نہ پائے۔ **چوتھا فائدہ:** مسلمان کو مرتد بنانا اور اسلام لانے والے کو اس سے روکنا دونوں کا گناہ تقریباً یکساں ہے۔ جیساکہ **لم تصدون** کی دونوں تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جن علماء کی تقریریں یا تحریریں مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شکوک پیدا کریں وہ علماء انہی یوپ پادریوں کی طرح مجرم ہیں۔ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے اس سے موجودہ زمانے کے نئے نئے فرقوں کو سبق لینا چاہئے' جن کی تبلیغ صرف مسلمانوں کو بہکانے میں محدود ہو کر رہ گئی ہے' فقہا فرماتے ہیں کہ عوام کے سامنے فقہی معمے پیش نہ کرو اور ان سے ایسی باتیں نہ کرو جو ان کی سمجھ سے وراء ہوں کہ اس سے ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہوں گے۔ یہ بھی اللہ کے راستے پھیرنے کی ایک صورت ہے۔ **چھٹا فائدہ:** شریعت میں گواہ وہ ہے جو واردات سے واقف ہو اسے جانتا ہو' دیکھ کر یا کسی اور ذریعہ سے گواہی دے یا نہ دے' دیکھو رب تعالیٰ نے علمائے یہود کو حقانیت اسلام کا گواہ فرمایا حالانکہ وہ اس کی گواہی نہ دیتے تھے بلکہ اس کے خلاف باتیں کرتے تھے' کیوں؟ اس لئے کہ وہ حقانیت اسلام سے اپنی کتب کے ذریعہ واقف تھے' گواہ ہونا اور ہے گواہی دینا کچھ اور' نکاح دو گواہوں کے سامنے ہوتا ہے حالانکہ وہ اس وقت نکاح کی گواہی دیتے نہیں۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں صرف اہل کتاب کو خطاب کیوں کیا چاہئے تھا کہ سارے کفار سے خطاب ہوتا' کیونکہ سب ہی مومنوں کو ایمان سے پھیرنے کی اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ ساری سورہ بقرہ مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں مشرکین سارے مسلمان ہو چکے تھے روکنے والے صرف اہل کتاب تھے اس لئے ان سے ہی خطاب ہوا' دوسرے یہ کہ دلائل کے ذریعہ اور لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر کے روکنا اہل کتاب کا ہی کام تھا' مشرکین تو طاقت کے بل بوتے پر یہ حرکت کرتے تھے' اہل کتاب کا حملہ خطرناک تھا کیونکہ علم کا مقابلہ تلوار نہیں کرتی علم کرتا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں کو دھمکاتے تھے اور اہل کتاب بہکاتے تھے۔ **دوسرا اعتراض:** اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اسلام سے پھر گئے تھے کیونکہ سارے صحابہ کو بہکانے کا ذکر تو اس آیت میں آ گیا' اور بہکانا بغیر بہکنے کے پایا نہیں جاتا' فعل متعدی مفعول چاہتا ہے (بعض جہلاء) **جواب:** یہ قاعدہ غلط ہے' بہکانا اور ہے بہکا لینا اور' یہاں بہکانے کا ذکر ہے نہ کہ بہکا لینے کا' کسی کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنا بہکانا ہے' اور اسے گمراہ بنا دینا بہکا لینا' دیکھو شیطان سب کو بہکاتا ہے مگر سب بہکتے نہیں'

آیت کا منشاء یہ ہے کہ بے وقوفو یہ مومنین تمہارے پھیرے پھرتے نہیں' تمہارے بہکائے بہکتے نہیں' تم بہکا کر کیوں اور زیادہ گنہگار بنتے ہو' ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر گرگٹ دور سے پھونکیں مار رہا تھا' اس کی پھونکوں سے آگ تیز نہ ہو گئی مگر وہ تاقیامت مار کا مستحق ہو گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا مارنا ثواب ہے۔ خیال رہے کہ عام صحابہ تو وہ ہیں جو ایمان لاتے ہی پہاڑ کی طرح مستحکم و مضبوط ہو جاتے تھے' دیکھو مہاجرین خصوصاً حضرت بلال نے چہرۂ انور کی ایک جھلک ہی دیکھی تھی تو کوئی طاقت انہیں اسلام سے ہٹانہ سکی' بعض شاذ و نادر وہ بھی تھے جو ایمان لا کر تدریجاً ترقی کرتے تھے جنہیں ضعفاء مومن کہا جاتا تھا' ان پر یہودی داؤ مارنا چاہتے تھے مگر بحمدہ تعالیٰ کامیاب نہ ہوتے تھے' دیکھو فرعون کے جادوگر ایمان لاتے ہی ایسے پختہ ہو گئے کہ انہیں فرعون کی سولی بھی ایمان سے پھیر نہ سکی۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے ان پادریوں سے فرمایا **تبغونها عوجا** " تم ٹیڑھا راستہ تلاش کرتے ہو وہ تو پہلے ہی سے ٹیڑھے راستہ پر تھے' پھر تلاش کرنے اور چاہنے کے کیا معنی؟ **جواب:** اس جملے کے کئی معنی کئے گئے ہیں' ایک یہ کہ تم ان مسلمانوں کو سیدھے راستے سے ہٹا کر ٹیڑھے راستہ پر ڈالنا چاہتے ہو یعنی ان کے لئے ٹیڑھی راہ چاہتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تم ان مسلمانوں کو بتاتے ہو کہ اسلام ٹیڑھا راستہ ہے یعنی اسلام میں کجی ہے۔ تیسرے یہ کہ تم خود سیدھا راستہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہو' اب تک ان کے سامنے سیدھا راستہ یعنی اسلام آیا ہی نہ تھا۔ اب ان کے سامنے اسلام آ گیا۔ اس وقت اسلام قبول نہ کر کے اسی پر قائم رہنا ان کا نیا جرم ہے دیکھو تفسیر صاوی و تفسیر روح المعانی و کبیر وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** رب تعالیٰ نے ان علمائے یہود کو اسلام کا گواہ کیوں فرمایا' وہ تو اسلام کے خلاف گواہی دیتے تھے۔ **جواب:** لفظ شہداء کے بہت معنی ہیں اگر یہاں بمعنی گواہی ہو تب بھی درست ہے کیونکہ گواہی دینا اور ہے' گواہ ہونا اور۔ گواہ بننا کچھ اور' یہاں شہید دوسرے دو معنی میں ہے یعنی تم ہو توریت و انجیل کے عالم اور عالم کتاب کا گواہ ہوتا ہے اور ان کتب میں حقانیت اسلام کی آیتیں موجود ہیں' تم اس کے بھی گواہ ہوئے' اب تمہارا گواہی نہ دینا جرم ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و من اظلم ممن كتم شهادة** " **عنده من الله** یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہے جس کے پاس رب تعالیٰ کی گواہی ہو اور وہ چھپائے۔ خیال رہے کہ شہید بمعنی سردار بھی آتا ہے یعنی ماتحتوں کے دل میں رہنے والا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وادعوا شهداء كم من دون الله**

تفسیر صوفیانہ: دنیا صدہا راستوں کا جنکشن ہے' یہاں سے بہت سی ریلیں جہنم کی طرف جاری ہیں جن کے مختلف پلیٹ فارم ہیں' اور بعض گاڑیاں جنت سے ہوتی ہوئی رب تعالیٰ تک پہنچیں گی' یہ سب رنگ و روغن میں یکساں ہیں' مگر ان کے رخ مختلف ہیں' جو رب تعالیٰ کی طرف جاری ہے وہ اللہ کے راستہ پر ہے اسی لائن کا نام سبیل اللہ بھی ہے اور صراط مستقیم بھی جہنم میں جانے والی گاڑیاں ٹیڑھے راستوں پر ہیں' انہی راستوں کا نام عوج ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم** علمائے حق اس پلیٹ فارم کی طرف بلا رہے ہیں جہاں سے رب تعالیٰ تک پہنچنے والی گاڑی ملتی ہے اور علمائے سوء ان پلیٹ فارموں کی طرف داعی ہیں جو جہنم تک پہنچانے والے ہیں' اس آیت میں بظاہر خطاب علمائے اہل کتاب سے ہے مگر در حقیقت ان علمائے سوء سے ہے جنہوں نے اپنا دین دنیا کے عوض فروخت کر دیا' مشائخ فرماتے ہیں کہ جس علم کے ساتھ خوف خدا نہ ہو وہ علم خدا کا عذاب ہے' عالم دین وہ ہے جس کی زبان پر اللہ رسول کے فرمان ہوں اور اس کے دل میں ان کے فیضان'

جہاں فرمانا فیضان سے خالی ہو گا وہاں زبان پر قال قال ہو گا دل کا کلا کلا۔ عالم ریڈیو کی چٹی ہے اگر اس کے دل کی سوئی مدینہ شریف کی طرف ہے تو اس سے مدینہ ہی کی آواز نکلے گی اور اگر خدا نہ کرے اس کا رخ اور طرف ہو گیا تو پڑھائے گا قرآن مگر سکھائے گا طغیان کتاب دین تب ملے گا جب معلم عالم دین ہو گا دیکھو علمائے یہود اسی توریت سے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔ سیدنا عبد اللہ ابن اسلام اسی توریت سے لوگوں کو ہدایت دیتے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی آیتیں لوگوں کو سنا کر ان کے ایمان تازہ کرتے تھے' یہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہو تو تریاق ہے ورنہ زہر' مولانا فرماتے ہیں۔

تلخ تراز فرقت تو ہیچ نیست! بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست!
رخت ماہم رخت مارا راہ زن! جسم ماہم جان مارا جامہ کن!
دست ماہم پائے مارا مے خورد بے امان تو کسے جاں کے برد

خدایا اگر تو ہمیں پناہ نہ دے تو ہمارا اسامان ہی ہم کو جلادے گا' ہمارا جسم جان کا دشمن ہے اور اعضاء ایک دوسرے کے خلاف اگر تو' کرم فرمائے تو یہ سب ہمارے معاون ہو جائیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے اگر تم اطاعت کرو گے گروہ کی ان لوگوں کے جنہیں

اے ایمان والو اگر تم کتابیوں کے کہنے پر چلے تو وہ تمہارے

الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

کتاب دی گئی تو وہ تم کو لوٹا دیں گے بعد تمہارے ایمان کے کافر

ایمان کے بعد تمہیں کافر کر کے چھوڑیں گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں علمائے یہود کو مسلمانوں کے بہکانے سے روکا گیا تھا اس آیت میں مسلمانوں کو بہکنے سے منع کیا جارہا ہے کسی چیز سے پرہیز پورا جبھی ہو سکتا ہے جب مضر چیز کو اس سے بچایا جائے اور اس کو مضر سے گویا پرہیز کا ایک جز پہلے بیان ہوا تھا دوسرا اب۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اشارتاً صحابہ کرام کی پختگی کا اظہار تھا اہل کتاب کے علماء سے خطاب تھا کہ تم انہیں بہکا نہیں سکتے اس آیت میں مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم اس پختگی کے باوجود ان سے پرہیز کرو کہ بروں سے بچنا بھی عبادت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** پچھلی آیت میں ٹیڑھے راستہ اور اس پر چلنے والوں کا ذکر تھا اب اس آیت میں سیدھے راستہ کا تذکرہ ہے اور اس پر چلنے والوں کو استقامت کی ہدایت۔

شان نزول: اسلام سے پہلے انصار مدینہ کے دو گروہ تھے۔ (1) اوس' (2) خزرج۔ جن کی آپس میں سخت عداوت تھی اور ان

میں سو برس تک جنگ رہی تھی ان کے ملنے کی بظاہر کوئی صورت ہی نہ تھی کہ اچانک رحمت الٰہی نے ان کی دستگیری کی اسلام کا آفتاب مدینہ پر چمکا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قبیلوں کو ملا کر شیر و شکر کر دیا، یہ صدیوں کے بچھڑے چند دنوں میں آپس میں اس طرح گھل مل گئے کہ ان میں کبھی کوئی رنجش تھی ہی نہیں۔

بد خلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ جو ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کر میٹ دیئے تری فہم و ذکاء کیا کہنا

ایک روز شعث ابن قیس ایک بوڑھا یہودی جو سخت کافر اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا ایک مجلس پر گزرا جہاں یہ دونوں قبیلے بیٹھے پیار و محبت کی باتیں کر رہے تھے اسے ان کا متفق ہو جانا بہت ہی ناگوار ہوا اس نے ایک غیر معروف جوان یہودی کو بلایا اور اس سے کہا کہ تو انہیں جنگ بعاث یاد دلا دے جو اوس و خزرج کے درمیان نہایت خونریز طور پر ہوئی تھی جس میں اس نے خزرج پر فتح پائی تھی۔ خیال رہے کہ قبیلہ اوس تو اوس ابن قیلی حارثی کی اولاد میں تھے اور قبیلہ خزرج جبار ابن صخر سلمی خزرجی کی اولاد سے تھے بولا قسم رب کی اگر یہ متفق ہو گئے تو ہمارا ٹھکانہ پھر کہیں نہیں، چنانچہ اس جوان نے اس مجمع میں پہنچ کر وہ اشعار گائے جن میں اس جنگ کا ذکر تھا، یہ اشعار سن کر ان لوگوں کو وہ جنگ یاد آ گئی مندمل شدہ زخم پھر ہرے ہو گئے، دونوں فریق بھڑک گئے، اور السلاح السلاح (ہتھیار ہتھیار) کہتے ہوئے گھروں کو دوڑے اور آن کی آن میں فریقین مسلح ہو گئے، کسی نے اس بچھڑوں کو ملانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اے مغیث کونین جلد پہنچو ورنہ آج نہ اوس رہیں گے نہ خزرج یہ حضرات صف بستہ ہو چکے تھے آپس میں ٹکرانے والے ہی تھے۔

ناگہاں نے آں مغیث ہر دو کون! مصطفیٰ پیدا شدہ از بہر عون

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی فریقین ٹھہر گئے، سرکار نے فرمایا کیا تم میرے ہوتے لڑو گے، اور کیا تم ہدایت پر آ کر پھر گمراہ ہوئے جاتے ہو؟ ان چند کلموں نے صور اسرافیل کا کام دیا اور وہ حضرات غفلت سے چونک پڑے اور سوچنے لگے کہ ہم کر کیا رہے ہیں؟ چیخ پڑے "سمعا" و طاعتہ" یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور ہم نے فرمان سن لیا ہم آپ کے مطیع ہیں، ہتھیار پھینک کر ایک دوسرے سے گلے مل کر چیخیں مار کر رونے لگے، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی دن نہ دیکھا جس کا اول ایسا شر ہو اور آخر ایسی خیر، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر و معانی، روح، خازن، مدارک وغیرہ)۔

بچھڑے ہوؤں کو کس نے ملایا تیرے بغیر اجڑے ہوؤں کو کس نے بسایا تیرے بغیر

تفسیر: یا ایہا الذین امنوا اہل کتاب کو خطاب فرماتے وقت دونوں جگہ قل فرمایا گیا مگر اب مسلمانوں سے رب تعالیٰ نے براہ راست خطاب فرمایا، کہ یہاں قل نہ فرمایا ان کی عزت افزائی کے لئے چونکہ اگلا مضمون بہت اہم ہے جس پر مومنوں کے مومن ہونے کا دارومدار ہے، اس لئے پہلے مسلمانوں کو پکارا، پھر ان سے کلام فرمایا، خطاب سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتے ہیں، فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ الذین امنوا کے خطاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے یہ خطاب ہی نہیں انہیں تو یاایھا النبی، یاایھا الرسول کے پیارے پیارے خطابات سے پکارا جاتا ہے بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ایسی ہیں جہاں الذین امنوا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ماننے سے معنی ہی فاسد ہو جائیں گے جیسے اے ایمان والو اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو' یا اے ایمان والو نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرو' یا اے ایمان والو نبی کی وفات کے بعد ان کی ازواج سے نکاح نہ کرو وغیرہ' یہاں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ماننے سے معنی فاسد ہوں گے اور کلام الٰہی کی تحریف لازم آئے گی اس کی تحقیق ہماری کتاب درس القرآن میں دیکھو' یہاں بظاہر اوس و خزرج سے خطاب ہے مگر در حقیقت تاقیامت مسلمانوں سے خطاب' چونکہ ظاہری مسلم منافق بھی کہلاتے تھے' انہیں نکالنے کے لئے رب تعالیٰ نے امنوا فرمایا' اسلموا نہ فرمایا' ایمان و اسلام کبھی ہم معنی آتے ہیں کبھی ان میں فرق ہوتا ہے' مسلم و مومن میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب نعیم الباری شرح صحیح بخاری عربی میں دیکھو' چونکہ اوس خزرج پہلے سے مسلمان نہ تھے بعد میں ایمان لائے تھے نیز ہم لوگ بذات خود مومن نہیں کسی کے کرم سے مومن ہوئے اس لئے امنوا ماضی فرمایا گیا' زمین خود روشن نہیں آفتاب کی مہربانی سے روشن ہے' ہمارے دل تاریک زمین ہیں' مدینہ کے سورج دلوں کے سورج ہیں۔

جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جن کی چہل پہل ہے
وہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہی کے دم کی بہار ہے

یعنی اے وہ لوگو جو ہماری مہربانی اور ہمارے محبوب کی کرم نوازی سے ایمان لے آئے ان تطیعوا یہ لفظ اطاعتہ کا مضارع ہے جس کا مادہ طوع ہے جس کے معنی ہیں رضا اور رغبت پسندیدگی' (قیم) اس کا مقابل ہے کرہ یعنی ناپسندیدگی مجبوری و بے رغبتی' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ائتیا طوعا " او کرھا " خیال رہے کہ طاعتہ اور طوع قریباً ہم معنی ہی ہیں مگر اکثر طاعت کا استعمال حکم بجالانے پر ہوتا ہے۔ اور طوع کا استعمال بخوشی بجالانے پر' غرضکہ طاعت طوع سے عام ہے۔ یعنی اگر تم بات مان لوگے' فرمانبرداری کروگے یا بخوشی کہے میں آجاؤ گے' یا دھیان دوگے فریقا " من الذین اوتوا الکتب فریق فرق سے بنا' بمعنی علیحدگی و جدائی' اسی سے فرقت' فرقہ و افتراق ہے' اصطلاح میں گروہ و جماعت کو فریق کہتے ہیں کہ وہ دوسری جماعتوں سے الگ ہوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے فریق فی الجنتہ و فریق فی السعیر چونکہ بعض اہل کتاب مومن ہوگئے تھے جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام وغیرہ اور بعض کافر' اس لئے یہاں فریق فرمایا گیا (روح البیان) یعنی اگر تم اہل کتاب کے کافر ٹولہ کی باتوں پر دھیان دوگے چونکہ رب تعالیٰ نے انہیں کتاب تو دی تھی مگر انہوں نے صحیح معنی میں لی نہیں اس لئے ان کے لئے اوتوا الکتب آتا ہے' نہ کہ اخذوا الکتب چمگادڑ کو آفتاب کا نور دیا تو گیا مگر اس کی آنکھ نے لیا نہیں یردوکم' رد سے بنا' بمعنی پہلی حالت کی طرف لوٹانا' چونکہ اوس و خزرج پہلے کافر ہی تھے۔ اس لئے یہاں یردوا فرمایا گیا' شریعت میں ہر اسلام سے پھرنے والے کو مرتد کہا جاتا ہے خواہ وہ قدیم الاسلام ہو یا نو مسلم' کیونکہ وہ شخص اپنی اصلی و نفسانی جہالت کی طرف لوٹتا ہے۔ بعد ایمانکم کفرین' بعد' یردوا کا ظرف ہے' اور کفرین' کم کا حال' کافر کے معنی بارہا بیان کئے جاچکے ہیں' یعنی یہ تم کو تمہارے مومن ہونے کے بعد پھر کفر کی جانب لوٹا دیں گے اور تمہیں دوبارہ کافر بنادیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تمہیں اس واقعہ سے سبق لینا چاہئے اور اپنے دوست و دشمن کو پہچاننا چاہئے' دشمنوں کے

فریب میں نہ آنا چاہئے' خیال رکھو اگر آئندہ تم نے کتابیوں کے کافر ٹولہ کی باتوں پر دھیان دیا اور ان کی بات مانی تو ابھی تو انہوں نے تم میں لڑائی ہی کرادی تھی اگر ذرا دیر ہمارے محبوب نہ پہنچ جاتے اور تم گرتوں کو نہ سنبھال لیتے تو تمہارے کشتوں کے پشتے لگ جاتے" آئندہ تو وہ تم کو کافر و مرتد بنادیں گے' یا اے مسلمانو! اگر تم کتابیوں کے کافر ٹولہ کی بات مانو گے تو وہ تم سے کافروں کے سے کام کشت و خون' قتل و غارت کرا کر تمہیں کافر عملی بنادیں گے' خیال رہے کہ کافر عملی بھی ہوتا ہے' اعتقادی بھی' لیکن اکثر جب یہ ایمان یا مومن کے ساتھ آتا ہے تو اس سے کافر اعتقادی مراد ہوتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفر و ایمان میں کبھی اجتماع نہیں ہو سکتا اور کافر و مومن میں کبھی دلی اتفاق نہیں ہو سکتا یا مومن کو کافر ہو ناپڑے گا یا کافر کو مومن جیسا کہ یردو کم سے معلوم ہوا' کفر اندھیرا ہے' ایمان نور' پھر ان کا اجتماع کیسا' اگر کبھی کافر مسلمانوں سے ظاہری محبت بھی کریں تو وہ کسی اپنی غرض کے ماتحت ہو گی یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء** مسلمان کبھی کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ دوسرا فائدہ: مسلمانوں کو آپس میں لڑانا کفار کا پرانا طریقہ ہے' اب بھی انگریزوں کا یہ قول تھا (پھاڑو اور راج کرو)۔ تیسرا فائدہ: کفار کبھی بھی مسلمانوں کی ترقی یا ان کے اتفاق کو پسند نہیں کریں گے جیسا کہ تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ پاکستان کی ترقی سے ہندوستان میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ اب بھی اسلامی سلطنتیں بہت ہیں مگر آپس میں متفق نہیں' کیوں؟ کفار کی مہربانی سے۔ چوتھا فائدہ: مسلمانوں کا آپس میں لڑنا بھڑنا کافروں کا سا کام ہے۔ جیسا کہ **کافرین** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' جیسے ہم پر نماز روزہ وغیرہ عبادات فرض ہیں ایسے ہی حتی الامکان آپس میں متفق رہنا بھی فرض ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" ولا تفرقوا** اسی اتفاق کے لئے اسلام نے سلام' باجماعت نمازیں' حج میں سارے مسلمانوں کا اجتماع مقرر کیا۔ پانچواں فائدہ: مسلمانوں کو لڑانا' ان میں جنگ کرانا طریقہ یہود ہے' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو چغلیوں اور غیبتوں کے ذریعہ مسلمانوں کے گھروں اور محلوں و برادریوں میں جنگیں کراتے رہتے ہیں' یہ بیماری بہت عام ہے۔ چھٹا فائدہ: لڑے ہوئے مسلمانوں کو ملانا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے' کاش کہ ہم اس سنت پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہم اس سبق کو بھول چکے۔

تو برائے وصل کردن آمدی! نے برائے فصل کردن آمدی
تاتوانی پامنہ اندر فراق **کا بغض الاشیاء عندی الطلاق**

ساتواں فائدہ: کافر کی کوئی بات بغیر سوچے سمجھے کبھی نہ ماننی چاہئے' اگرچہ بظاہر اچھی ہی ہو کہ اس میں اس کی کوئی چال پوشیدہ نہ ہو' اگر کافر نماز کے لئے بھیجے تو سوچ سمجھ کر جاؤ کہ تمہارے پیچھے کوئی کاٹنا نہ مارے' ایک بار سیدنا امیر معاویہ کو ابلیس نے نماز فجر کے لئے جگایا تھا' مگر اس کی چال تھی جیسا کہ مثنوی شریف میں مفصل مذکور ہے۔ آٹھواں فائدہ: مسلمان کو مسلمانوں ہی سے اتفاق چاہئے' کفار مرتدین سے اتفاق کیسا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس و خزرج کو تو ملا دیا مگر صحابہ کرام کو منافقین یا مسیلمہ کذاب کے معتقدین سے نہ ملایا' ان سے چھانٹ دیا' حضرت صدیق اکبر نے منکرین زکوۃ اور مسیلمہ و اسود

عنسی کے معتقدین سے صلح نہ کی' بلکہ ان پر لشکر کشی فرمائی' اگر دودھ و پیشاب کو ملایا گیا تو دودھ گندا ہی ہو گا۔ **نواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان کی قدر و حفاظت کرے' بے دینوں کے پاس نہ بیٹھے نہ ان کی سنے کہ وہ ایمان کے چور ہیں' مال کو چور سے بچاتے ہیں' جان کو سانپ سے تو ایمان کو بے ایمانوں سے بچاؤ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین**

اعتراض: پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم **الذین امنوا** کے خطاب میں داخل نہیں ہوتے' لیکن رب تعالیٰ فرماتا ہے اے ایمان والو نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو' یا اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے' کیا اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں؟ اور کیا آپ پر یہ عبادتیں فرض نہیں؟ **جواب:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ فرض نہ تھی (شامی کتاب الزکوٰۃ) رہے روزے نماز وغیرہ وہ آپ پر فرض تھے مگر اس آیت سے نہیں' آپ تو نزول قرآن سے قبل ہی نمازی اور روزہ دار تھے' قرآن کی پہلی آیت بحالت اعتکاف اتری' معراج کی رات نماز لینے عرش پر جا رہے ہیں مگر بیت المقدس میں نبیوں کو نماز پڑھا کر جا رہے ہیں' یہ آیت تو ہم پر نماز فرض کرنے کے لئے آئی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ فرماتا ہے اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا' کیا اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں؟ اگر نہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمچی کے قصاص کے لئے حضرت عکاشہ وغیرہ کے سامنے اپنے کو کیوں پیش کیا؟ **جواب:** یہ قصاص کے لئے اپنے کو پیش فرمانا ہماری تعلیم کے لئے تھا ورنہ نبی پر قصاص واجب نہیں ہوتا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت میں داخل ہیں' جب اولاد کا قصاص باپ سے نہیں لیا جاتا (شامی) شاگرد کی مار پیٹ کا قصاص استاد سے نہیں لیا جاتا تو امتی کا قصاص نبی سے کیسا؟ قرآن کریم فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بلا قصور حضرت ہارون کی داڑھی بھی پکڑی اور ان کو مارا بھی' مگر رب تعالیٰ نے نہ ان سے معافی منگوائی اور نہ قصاص کا حکم دیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس یہودی نے اوس و خزرج کو لڑانا چاہا تھا نہ کہ کافر کرنا تو رب تعالیٰ نے **کفرین** کیوں فرمایا **قاتلین** کیوں نہ کہا؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ یا تو **کافرین** سے مراد کافر عملی ہیں' لڑنا جھگڑنا' کشت و خون کفار کا کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا' یا انجام کے لحاظ سے فرمایا گیا یعنی اگر تم ایسے ہی ان کی باتیں سنتے رہے تو یہ تو تمہیں ایک دن کافر بنا دیں گے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ کافروں سے دوستی نہ چاہئے' تو کیا ہم ان سے ہمیشہ لڑتے ہی رہیں' اکیلے مسلمان سب کافروں سے کہاں تک لڑیں گے' پھر تو ہم ان سے تجارتیں اور لین دین کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تو جئیں کیونکر؟ **جواب:** محبت اور چیز ہے اتفاق اور صلح اور معاملات کچھ اور' ادائے حقوق کچھ اور' اخلاق برتاوے کچھ اور' کفار سے دلی محبت حرام ہے ان کی طرف میلان قلبی جرم' باقی معاملات' اخلاقی برتاوے سب جائز بلکہ سنت ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں و مشرکوں سے چیزیں خریدی ہیں بلکہ ان سے قرض کا لین دین بھی کیا ہے' کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہے اور ان کے حقوق ادا کرنا فرض' کافر ماں باپ کے حقوق پدری ادا کرنا لازم ہیں' غرضکہ ان کی طرف میلان قلبی حرام ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں عذاب پہنچ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے بہترین زمین میں اگر بہترین بیج بویا جائے تو اس سے بہترین پھل پھول و سبزہ پیدا ہوتا ہے اور اگر بہترین

زمین میں بد ترین تخم بویا جائے تو اس سے کڑوے اور کانٹے والے درخت پیدا ہوتے ہیں' زمین ایک ہے مگر تخم میں فرق' اچھے تخم سے بار آور درخت پیدا ہو کر زمین لالہ زار اور سبزہ زار بن جاتی ہے اور خراب تخم سے خار دار درخت پیدا ہو کر زمین خارستان بن جاتی ہے' ایسے ہی انسان کا دل بہترین زمین ہے اور اچھی بری صحبتیں مختلف تخم ہیں' اچھی صحبت اور اچھے وعظ سے اسی دل میں ایمان' تقویٰ' عرفان اور خوف الٰہی' محبت مصطفیٰ کے درخت پیدا ہوتے ہیں، جس میں عبادتوں کے پھول اور ریاضتوں کے پھل لگتے ہیں' جس سے یہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی فائدے اٹھاتے ہیں' لیکن اگر اسی دل میں بری صحبتوں اور ان کی نصیحتوں کا تخم بویا جائے' تو پھر یہاں کفر' طغیان اور نفاق وغیرہ کے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں حسد' کینہ' جنگ و فساد کے کانٹے لگتے ہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دل گویا مومن ہے اور نفس امارہ و شیطان گویا دشمن' پوپ پادری ہیں' فرمایا جا رہا ہے اے دل اگر تو نفس امارہ (پوپ) اور شیطان (پادری) کی اطاعت کرے گا تو یہ تیرے ایمان کا باغ اجاڑ کر اس میں کفر و طغیان کے تخم بو دیں گے' جس سے تیرا چمن گلستان کے خارستان ہو جائے گا جیسے مالی اپنے باغ کو ہر گرم سرد ہوا سے بچاتا ہے ایسے ہی مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان کو بری صحبتوں سے بچائے دنیا میں نسبی خاندان دیکھے جاتے ہیں' مگر آخرت میں نسبتی خاندان پوچھے جائیں گے یعنی یہاں پوچھتے ہیں کہ تو کس کا بیٹا ہے' وہاں پوچھیں گے تو کس کا صحبت یافتہ ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم ندعوا کل اناس با مامھم** رب تعالیٰ نسبت صحیح رکھے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ
اور کیسے کفر کرو گے تم حالانکہ تلاوت کی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں رسول ہیں اللہ کے
اور تم کیونکر کفر کرو گے تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول تشریف فرما ہے
وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو تو یقیناً ہدایت دیا گیا طرف سیدھے راستہ کے
اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ایمان برباد کرنے والی چیزوں کا ذکر تھا یعنی صحبت کفار و اطاعت اہل کتاب' اس آیت کریمہ میں ان نعمتوں کا ذکر ہے، جن سے ایمان ملتا ہے اور تازہ رہتا ہے یعنی پرہیز کا ذکر پہلے تھا اور مفید غذا کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ قابل طبیب ان دو چیزوں سے اپنے مریضوں کا علاج کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفر سے ڈرایا گیا تھا اب اس سے گھن دلائی گئی ہے۔

تفسیر: **و کیف تکفرون** عربی زبان میں **کیف** حالت پوچھنے کے لئے آتا ہے جیسے **کم** مقدار پوچھنے کے لئے اور **این** و **متی** مکان و زمان پوچھنے کے لئے' لیکن کبھی **کیف** اظہار تعجب کے لئے بھی آتا ہے' یہاں اسی لئے ہے' مگر تعجب نا واقف کرتا

ہے' رب تعالیٰ حیرت و تعجب سے پاک ہے' اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ یا یہ تعجب کے لئے ہے یعنی تعجب دلانا' یا ممانعت کے لئے یا نفی کے لئے' یعنی تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ یا کبھی کفر نہ کرنا' یا تم کفر نہ کرو گے **تکفرون** کفر سے بنا بمعنی انکار و چھپانا' شریعت میں اسلام کے خلاف عقیدہ کا نام کفر ہے' کبھی بد عملی کو بھی کفر کہہ دیتے ہیں شکر کا مقابل' پہلا کفر اعتقادی ہے یہ کفر عملی' یہاں دونوں احتمال ہیں یعنی اے مسلمانو! تم اسلام چھوڑ کر کافر کیسے ہو سکتے ہو یا تم لڑائی جھگڑائی اور گناہ جو کفار کے کام ہیں کیسے کرتے ہوں (معانی' مدارک وغیرہ) **و انتم تتلی علیکم** یہ واؤ حالیہ ہے اور **انتم** میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے **تتلی** تلاوت سے بنا جس کی تحقیق پہلے کی جا چکی' یہاں قرآن کو سمجھ کر پڑھنا مراد ہے اگر صحابہ کرام سے خطاب ہے تو تلاوت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت و تعلیم مراد ہو گی' اور اگر سارے مسلمانوں سے خطاب ہے تو تلاوت سے مراد تاقیامت علماء و صوفیاء کی تلاوت و تعلیم ہے' **ایت اللہ ایت ایتہ** کی جمع ہے' بمعنی نشانی' قرآن کریم کے ہر جملہ کو اس لئے آیت کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی نشانی ہے' یہاں قرآن کی آیتیں مراد ہیں جیسا کہ **تتلی** سے معلوم ہوا' یعنی تم کو پہلی نعمت تو یہ حاصل ہے کہ تم میں تلاوت قرآن و تعلیم قرآن ہے جس سے کفار دور رہیں یہ تمہارے ایمان کی محافظ اول ہے اور دوسری نعمت یہ ہے کہ **و فیکم رسولہ' فیکم** میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا تاقیامت سارے مسلمانوں سے' رسول کے معنی ہیں پیغام رساں و فیضان رساں' رسول کا تعلق بھیجنے والے سے بھی ہوتا ہے لینے کا' سننے کا' حاصل کرنے کا اور اس سے بھی جس کی طرف بھیجا گیا دینے کا' سنانے کا' بتانے کا' پہنچانے کا' پہلے تعلق کی بناء پر رسول کی نسبت بھیجنے والے کی طرف ہوتی ہے' اور دوسرے تعلق کی بناء پر ان کی نسبت **مرسل الیھم** کی طرف' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھی رسول ہیں' یعنی اس سے فیضان لینے والے' اس کی سننے والے' اس سے سب کچھ حاصل کرنے والے' اور ہمارے بھی رسول ہیں یعنی ہمیں رب تعالیٰ کی سنانے والے' اس کا فیضان دینے والے اور ہمیں سب کچھ عطا فرمانے والے' اس لئے قرآن شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو **رسول اللہ** بھی کہا گیا اور **رسولکم** بھی

حق ہے کہ ہیں عبداللہ　　اور عالم امکان کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا　　یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

یعنی اے صحابہ تم میں بحیات ظاہری اللہ کے رسول موجود ہیں' تم کیسے بہکو گے' یا اے مسلمانو تم میں رسول اللہ ایسے موجود ہیں جیسے جسم میں جان یا آنکھوں میں نظر کہ دکھائی نہیں دیتے مگر سب کرشمہ و فیض انہی کے ہیں' ان کی نبوت کے آثار و شواہد تاقیامت رہیں گے (از روح المعانی) **و من یعتصم باللہ** یعتصم اعتصام سے بنا جس کا مادہ **عصم** ہے' بمعنی روک رکھنا۔ اعتصام کے معنی ہیں اپنے آپ کو روک کر بچا رکھنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما لھم من اللہ من عاصم** اسی سے معصوم ہے جو گناہوں سے بچایا گیا ہو' اس سے عصمت ہے بمعنی پاکدامنی یعنی اپنے کو بدکاری سے بچانا' اعتصام کے دوسرے معنی ہیں کسی چیز کو پکڑنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اعتصموا بحبل اللہ** یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں (خیاشی و تفسیر کبیر) یعنی جو اپنے کو برائیوں سے بچائے بذریعہ امداد الٰہی یا جو اللہ کو پکڑے (اللہ کے دین کو یا دامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) **فقد ھدی الی**

صراط مستقیم ہدایت اور صراط مستقیم کے معانی اور ان کے اقسام پہلے بیان ہو چکے، یہاں **ہدی** سے مراد یا ہدایت دیا گیا یا ہدایت پر رکھا گیا، صراط مستقیم سے مراد اچھے عقیدے ہیں یا اچھے اعمال یا آپس کی صلح، محبت اور جنگ و جدال سے پرہیز کرنا، جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی جو اللہ کے دین کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے گا اسے سیدھے راستہ پر رہنے کی ہدایت ملے گی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے جماعت صحابہ تم ایمان چھوڑ کر کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو، یا لڑائی بھڑائی، آپس کے خون خرابے، کفار کے کام کیسے کئے لیتے ہو، تمہیں تو رب تعالیٰ نے تین نعمتیں عطا فرمائی ہیں، جو تمہیں ان برائیوں سے بچانے والی ہیں ایک یہ کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے اور سکھاتے ہیں، دوسرے یہ کہ خود وہ ذات کریم تم میں تشریف فرما ہیں۔ تمہارا ہر شبہ وہ دور فرماتے ہیں اور تم ان سے ہر مسئلہ دریافت کر سکتے ہو۔

خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اس کا

تیسرے یہ کہ تم نے اللہ کے دین اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے اور جو اس دامن کو تھامے وہ ہمیشہ راہ راست پر رہتا ہے ان کے ساتھ رہنے والا نہ گرتا ہے نہ بگڑتا ہے۔

وہ سلامت ہیں بنانے والے سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اس آیت میں دو علموں کا ذکر کیا۔ ایک کتاب اللہ، دوسرے نبی اللہ، نبی اللہ تو تشریف لے گئے (صلی اللہ علیہ وسلم) کتاب اللہ تاقیامت باقی رہی (مسلم) زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک پانی کے گھاٹ پر تشریف فرما ہوئے جسے ماء خم یا غدیر خم کہا جاتا تھا وہاں ہمیں وعظ فرمایا، جس میں فرمایا کہ اے لوگو قریب ہے کہ مجھے رب تعالیٰ کا بلاوا آجائے اور میں اسے قبول کر لوں، تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ایک کتاب اللہ جس میں ہدایت و نور ہے، اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا، دوسرے میرے اہل بیت، میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈرنا (تفسیر خازن)۔

دوسری تفسیر: اے سارے مسلمانو تمہارا ایمان چھوڑ کر کافر ہو جانا بہت ہی تعجب کا باعث ہو گا یا تم لوگ کافروں کی سی حرکتیں (آپس کے جنگ و جدال، کشت و خون، فسق و فجور) کیسے کئے لیتے ہو۔ تم پر ایک اللہ تعالیٰ کا فضل تو یہ ہے کہ آیات قرآنیہ بعینہ محفوظ ہیں، توریت و انجیل کی طرح ان میں ترمیم و تبدیلی نہ ہوئی اور تم میں تاقیامت علماء و صوفیاء رکھے گئے، جو تمہیں قرآن شریف سناتے، سمجھاتے و سکھاتے رہیں گے، اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہے کہ تم میں تاقیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہیں گے یا اس طرح کہ ان کے معجزات تاقیامت موجود رہیں گے جنہیں تم آنکھوں سے دیکھو گے (روح المعانی) چنانچہ قرآن کریم کی ہر آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، اور کل آیتیں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) ہیں۔ اتنے معجزات تو بعینہ موجود ہیں، پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثیر کہ جتنا چرچا آپ کا ہے اتنا کسی کا نہیں، یہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

دیگر محبوبوں کے دیکھنے والے لاکھوں تھے مگر عاشق ایک ایک 'مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ و جاوید معجزہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں غلاموں کے آستانوں پر میلے لگے ہوئے ہیں 'مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کا حدیث کی شکل میں باقی رہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ و جاوید معجزہ ہے 'یا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ وہ محبوب بظاہر تم میں جلوہ گر نہیں 'مگر ان کے فیضان تاقیامت تم میں باقی ہیں تم لاوارث نہیں ہو 'تمہارا والی وارث موجود ہے تم کیوں بہکو 'خیال رکھو کہ جو دنیا میں رہ کر اللہ کے دین اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہے گا وہ کبھی بہک نہیں سکتا 'راہ راست پر قائم رہے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سوال ہمیشہ معلوم کرنے کے لئے نہیں ہوتا اور نہ یہ سائل کی بے علمی کی دلیل ہے بلکہ انکار 'تعجب 'ملامت اور بہت حکمتوں سے ہوتا ہے جیسا کہ **و کیف** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے کہ جسمانیات میں اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے بہت سے اسباب پیدا فرمائے ہیں 'جسم کو سردی گرمی سے بچانے کے لئے کپڑے 'بارش اور شبنم سے بچنے کے لئے مکان 'مال کی حفاظت کے لئے بنک وغیرہ 'ایسے ہی روحانیات میں ایمان و اعمال کی حفاظت کے لئے اسباب پیدا فرمائے ہیں جیسا کہ **و انتم** الخ سے معلوم ہوا 'جو ان اسباب سے الگ رہے گا وہ دولت ایمان کھو بیٹھے گا۔ **تیسرا فائدہ:** ہمارے ایمانوں کا حافظ قرآن شریف بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی 'لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو بذات خود حافظ ہیں 'مگر قرآن کریم اس صورت میں حافظ ہے جب اسے کسی مقبول بندے کے ذریعے سیکھا جائے۔ نہ بذات خود حافظ ہے 'اور نہ ہماری اپنی کوشش کے ذریعہ 'دیکھو رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم میں قرآن شریف ہے اور رسول ہیں 'اور نہ یوں فرمایا کہ تم قرآن شریف پڑھ لیتے ہو بلکہ یوں فرمایا کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں 'اور تم میں اس کے رسول ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و یعلمھم الکتب والحکمۃ** وہ نبی انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں معلوم ہوا کہ ان سے بغیر سیکھے قرآن سے ہدایت نہیں ملتی 'اور فرماتا ہے **یضل بہ کثیرا " و یھدی بہ کثیرا "** قرآن کے ذریعہ بہتوں کو ہدایت دیتا ہے بہتوں کو گمراہی 'جو نبوت کی روشنی سے قرآن کو دیکھتے ہیں انہیں ہدایت ملتی ہے اور جو محض اپنی عقل و لغت سے سمجھتے ہیں وہ گمراہ ہوتے ہیں 'قرآن کے سمندر میں خود چھلانگ نہ لگاؤ بلکہ حدیث کے جہاز میں اسے عبور کرو۔ جس جہاز کے کپتان کوئی امام مجتہد ہوں۔ **چوتھا فائدہ:** کوئی مسلمان خواہ کتنے بڑے پائے کا ہو کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ وہ صحبت یافتہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی گزاری ہے 'انہوں نے اس قرآن ناطق کے شب و روز دیکھے ہیں جیسا کہ **و فیکم رسولہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** تمام انبیائے کرام کے معجزات قصے بن کر رہ گئے 'مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدہا معجزات زندۂ جاوید ہیں جو آج بھی دیکھے جا رہے ہیں اور تاقیامت دیکھے جائیں گے 'اب نہ تخت سلیمانی ہے نہ عصائے موسوی نہ توریت رہی نہ انجیل بلکہ ان کی زبان عبرانی بھی فنا کر دی گئی 'مگر قرآن مجید بلا کم و کاست بعینہٖ ویسے ہی موجود ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال 'اقوال 'افعال 'اعمال 'اشغال 'ہمہ عالم کے سامنے ہیں 'یہ فائدہ **و فیکم رسولہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ظاہری آنکھوں سے پردہ فرما گئے لیکن وہ اب بھی ہم میں موجود ہیں 'انہیں ہماری سر کی آنکھیں نہیں

دیکھتیں' مگر دل کی آنکھیں دیکھتی ہیں' بعض خوش نصیب انہیں ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں جیسا کہ **و فیکم رسولہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا' ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است آبروئے ماز نام مصطفیٰ است

اسی لئے مومن قبر میں انہیں بے تکلف پہچان لے گا کہ وہ تو اس کے دل میں رہتے تھے ہم نے عرض کیا ہے۔

قبر میں دیکھا جو اس پردہ نشین کو تو کھلا میرے ہی دل میں رہا تھا مجھے معلوم نہ تھا!

تاقیامت مسلمانوں کے اندر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے کی بہت آیات ہیں' یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **و فیکم رسولہ** اے مسلمانو تم میں اللہ کے رسول جلوہ گر ہیں۔ **لقد جاء کم رسول** اے مسلمانو تم سب کے پاس اللہ کے رسول آ گئے' اور فرمایا **اذ بعث فیھم رسولا** " مسلمانوں میں رب تعالیٰ نے اپنا رسول بھیج دیا' اور فرمایا **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا۔ حالانکہ ان میں آپ ہیں' ان آیات سے مسئلہ حاضر و ناظر واضح ہوتا ہے' اس کی تحقیق ہماری کتاب **جاء الحق** حصہ اول میں دیکھو۔ ساتواں فائدہ: اب ہدایت کے لئے آیات قرآنیہ ضروری ہیں' توریت و انجیل کی آیتوں سے ہدایت نہیں مل سکتی' جیسے کہ دھوپ میں چراغ سے روشنی نہیں ملتی جیسا کہ **ایت اللہ** سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جو دین سے وابستہ رہے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہدایت پر رہے گا' اور اگر کبھی عملاً" بھٹک بھی گیا تو پھر لوٹ آئے گا جیسا کہ **و من یعتصم باللہ** الخ سے معلوم ہوا۔ جب تک کہ شاخ درخت سے وابستہ ہے خشک نہیں ہوتی اگرچہ کبھی خزاں میں پتیوں سے خالی ہو جائے' ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

ملت سے اپنا رابطہ استوار رکھ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

نواں فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑنا گویا رب تعالیٰ کو پکڑنا ہے جیسا کہ **من یعتصم باللہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: اسباب پر عمل کرنا ہمارا کام ہے نتیجہ رب کے ہاتھ ہے دیکھو **اعتصام** جو سبب تھا وہ تو ہماری طرف منسوب کیا گیا مگر اس کا نتیجہ یعنی ہدایت رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہوئی کہ فرمایا گیا **فقد ھدی** رب تعالیٰ فرماتا ہے **یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلم** اتباع ہمارا کام اور ہدایت رب تعالیٰ کا کرم۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں تلاوت قرآن کو پہلے بیان کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کو بعد میں' حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشریف لائے ہیں اور قرآن بعد میں آیا اور اب بھی مومن پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے بعد میں قرآن کو' کلمہ پہلے ہے تلاوت بعد میں' ترتیب اس کے برعکس چاہئے تھی؟ جواب: اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ تلاوت قرآن نعمت عامہ ہے جو تاقیامت ہر مسلمان کو نصیب ہوتی رہتی ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے جلوہ گر ہونا' ان سے عرض و معروض کر لینا رب تعالیٰ کی نعمت خاصہ ہے جو صرف صحابہ کرام کو ایک خاص وقت میں نصیب ہوئی تو رب تعالیٰ نے نعمت عامہ کا ذکر پہلے کیا نعمت خاصہ کا بعد میں جیسے **الرحمن** کا ذکر پہلے ہے اور رحیم کا ذکر بعد میں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی رحمت عامہ پہلے ہے اور رحمت خاصہ بعد میں۔ دوسرے یہ کہ اس ترتیب میں اعلیٰ کی جانب ترقی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اس قرآن سے زیادہ ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق

ہیں اور یہ کتابی شکل کا قرآن بھی مخلوق ہے۔ قرآن کلام اللہ جو صفت الٰہی ہے اس کا ذکر نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ جو اللہ کے دین کو پکڑے گا اسے سیدھی راہ کی ہدایت ملے گی۔ حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے کہ جو ہدایت پاتا ہے وہ اسی دین میں آتا ہے۔ **جواب:** ہدایت بہت سی قسم کی ہے' بعض ہدایتیں وہ ہیں جن سے دین ملتا ہے۔ یہاں پہلی قسم کی ہدایت مراد ہے اس تقسیم کی تحقیق اور اقسام کا ذکر **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں ہو چکا۔ **تیسرا اعتراض:** جب تلاوت قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ذریعہ ہدایت ہیں تو مسلمان گمراہ کیوں ہو جاتے ہیں اور اس زمانہ پاک میں بہت لوگ مرتد کیوں ہو گئے تھے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ نعمتیں اسباب ہدایت ہیں نہ کہ علت ہدایت تو ارادۂ الٰہی ہے' جیسے ہوا سبب زندگی ہے' مگر ہوا رہتی ہے اور ہم مرجاتے ہیں کیونکہ علت زندگی ارادۂ الٰہی ہے۔ دوسرے یہ کہ استفادہ کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ دینے والے میں دینے کی طاقت ہو' دوسرے یہ کہ لینے والے میں اخذ کی قوت ہو۔ اگر لینے والے میں لینے کی طاقت نہ ہو گی تو اسے فیض نہ ملے گا۔ سورج میں چمکانے کی طاقت ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ اور نابینا چشم میں چمکنے کی طاقت نہیں۔ اس لئے وہ بے نور رہتی ہیں ان مرتدین میں اخذ کی پوری قوت نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا ایک جنگل ہے۔ جس میں شکار کرنے والے جانور بھی ہیں اور شکار ہونے والے بھی۔ یعنی شکاری بھی یہاں رہتے ہیں اور شکار بھی یہاں بستے ہیں' جیسے شکار وہی محفوظ رہے گا جو کسی کی پناہ میں آجائے' جو حفاظت سے باہر گیا وہ شکاری کا لقمہ بن گیا۔ ہم لوگ شکار ہیں۔ شیطان برے ساتھی اور دنیا کی انجمنیں شکاری ہیں۔ اگر ہم اپنے ایمان و تقویٰ کی حفاظت چاہتے ہیں تو کسی دامن میں آجائیں اور کسی کی حفاظت قبول کریں' اسلام امن گاہ ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمانوں کے حافظ امن گاہ کی حدود کے اندر رہنا لازم ہے۔ ایسے ہی ہمیں اسلام کی حدود میں رہنا ضروری ہے' یہاں فرمایا جارہا ہے اے مسلمانوں تم کافر کیونکر ہو سکو گے۔ تم تو دین کی حدود میں ہو تمہاری نگرانی فرمانے والے رسول اکرم تم میں جلوہ گر ہیں' قرآنی آیات تم پر دن رات پڑھی جاتی ہیں بیدار رہو اپنے کو ان امانتوں میں رکھو۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

جاگ سنسان بن ہے رات آئی! گرگ بہر شکار پھرتے ہیں!

مبارک ہے وہ جس کی زندگی امن و امان میں گزرے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کفر فسق' بری حرکات ہم کرتے ہیں' ایمان تقویٰ' نیکیاں رب تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتی ہیں' اسی لئے یہاں کفر کو ہماری طرف منسوب کیا گیا کہ فرمایا گیا تکفرون تم کفر کرتے ہو۔ اور ہدایت کو رب کی طرف کہ فرمایا گیا **فقد ھدی** ہماری پیدائش مٹی سے ہے مٹی نیچے خود گرتی ہے مگر اوپر کسی کے اٹھائے اٹھتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے اللہ سے ڈرو حق اس سے ڈرنے کا اور ہرگز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفر یا کفران سے روکا گیا جو بڑا بھاری عیب ہے' اس آیت میں انہیں تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیا گیا جو مومن کی زینت اور ایمان کا زیور ہے یعنی عیوب سے بچنے کا پہلے ذکر تھا اور صفات اختیار کرنے کا اب ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار سے علیحدگی اور ان کی باتوں میں نہ آنے کا ذکر تھا' اب وہ بات بتائی جا رہی ہے جس سے بفضلہ تعالیٰ مومن کا دل ان سے متنفر ہو جاتا ہے یعنی تقویٰ' پرہیزگاری' خلاصہ یہ ہے کہ جسمانی علیحدگی کا حکم پہلے تھا اور جنانی و قلبی علیحدگی کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار سے علیحدگی کا ذکر تھا اب اس کی مدت بتائی جا رہی ہے۔

شان نزول: اوس و خزرج انصار کے دو بڑے قبیلے تھے جن میں پہلے عداوت تھی اسلام کے بعد دوستی و محبت ہو گئی تھی' اتفاقاً ایک دفعہ ثعلبہ ابن غنم اوسی اور اسعد ابن زرارہ خزرجی بیٹھے ہوئے پیار محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ اتفاقاً خاندانی فخری باتیں چھڑ گئیں۔ ثعلبہ بولے کہ ہمارا اوس قبیلہ تمہارے قبیلے خزرج سے افضل ہے کیونکہ اوس میں خزیمہ ابن ثابت ہیں جن کی گواہی دو کے قائمقام ہے۔ اور ہم ہی میں جناب حنظلہ شہید بھی ہیں جنہیں بعد شہادت فرشتوں نے غسل دیا اور ان کا لقب غسیل ملائکہ ہوا' اسی اوس میں سعد ابن معاذ بھی ہیں' جن کی لاش کی سولی کے بعد شہد کی مکھیوں نے حفاظت کی اور زمین نے ان کی لاش غائب کر دی۔ نیز ہم اوس ہی میں سعد ابن معاذ بھی ہیں جن کی وفات پر عرش الٰہی ہل گیا۔ اسعد خزرجی بولے کہ ہمارے خاندان کا کیا پوچھنا' ہم خزرج ہی میں وہ چار صحابہ ہیں جن سے قرآن قائم ہے۔ یعنی ابی ابن کعب' معاذ ابن جبل' زید ابن ثابت اور ابو زید' ہم خزرج ہی میں سعد ابن عبادہ بھی ہیں جو انصار کے خطیب و رئیس ہیں۔ اس فخریہ گفتگو کا سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ آپس میں ہاتھاپائی کی نوبت آ گئی۔ جانبین نے خاندانی قصیدہ خوانی شروع کر دی۔ لوگوں نے یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں صلح کرائی' اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا کہ ان شیخیوں سے بچو' تقویٰ اختیار کرو' اپنے میں عمدہ خصائل و فضائل پیدا کرو۔ محض خاندان پر فخر بے سود ہے۔ (تفسیر خازن و تفسیر تنویر المقیاس)۔

تفسیر: یاایھا الذین امنوا چونکہ تقویٰ و پرہیزگاری مشکل بھی ہے اور اہم بھی' نیز ایمان کے بغیر تقویٰ میسر نہیں ہوتا' کافر کتنے ہی نیک اعمال کرے اور کتنا ہی برائیوں سے بچے متقی نہیں۔ جڑ کے بغیر شاخیں' پتے' پھل پھول نہیں ہوتے' اس لئے رب تعالیٰ نے اس آیت کا مضمون مسلمانوں کو پکار کر شروع فرمایا تاکہ اس پکار کی لذت سے یہ دشوار کام آسان ہو جائے' شکر میں ملا کر کڑوی دوا آسانی سے کھائی جاتی ہے اور نشہ کے ذریعہ آپریشن سہل ہو جاتا ہے۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے' مومن بن چکے اتقوا اللہ' اتقوا' وقی کے باب افتعال کا امر ہے۔ وقی کے معنی ہیں بچنا یا بچانا۔ رب تعالیٰ فرماتا

ہے **و وقہم اللہ شر ذلک الیوم** اور فرماتا ہے **قوا انفسکم** اور فرماتا ہے **وقنا عذاب النار**' **اتقوا** کے معنی ہوئے خوب بچو' چونکہ بندہ کا رب تعالیٰ سے بچنا ناممکن ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرنا ناجائز۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ففروا الی اللہ** اے گنہگارو! رب کی طرف بھاگ آؤ' اس لئے جب تقویٰ کے بعد گناہوں یا عذاب یا آگ کا ذکر ہو' تب اس کے معنی بچنا ہی ہوتے ہیں' لیکن اگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ڈرنا مگر ہر ڈر نہیں بلکہ وہ ڈر جو عذاب الٰہی سے بچنے کا ذریعہ ہو جائے۔ خوف۔ خشیت' رہبت اور تقویٰ ان سب کے معنے ڈرنا ہی ہیں' مگر بہت فرق کے ساتھ' خوف خدا شیطان کو بھی ہے۔ اس نے خود کہا تھا **انی اخاف اللہ رب العلمین** چونکہ یہاں **اتقوا** کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس لئے اس کے معنی ہوئے اللہ تعالیٰ سے خوب ڈرو۔ **حق تقتہ** یہ کلمہ **اتقاء** مصدر محذوف کا عامل ہے۔ حق باطل کا مقابل نہیں بلکہ بمعنی استحقاق یا لائق تقات اصل میں **وقیتہ** تھا' و' ت سے بدل گیا جیسے **وھم** سے **تھمتہ** اور وخم سے **تخمتہ** اور ی الف بن گئی۔ زجاج فرماتے ہیں کہ **تقاۃ** " **وقاۃ** " اور **اقاۃ** " تینوں طرح جائز ہے (تفسیر روح المعانی) یعنی ایسا ڈرنا ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے یعنی رب تعالیٰ کی شان کے لائق یا تمہاری طاقت کے مطابق ہو **ولا تموتن الا و انتم مسلمون** **مسلم** اسلام سے بنا جس کا مادہ ہے **سلم** بمعنی صلح' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فان جنحوا للسلم** عرف میں فرمانبرداری و اطاعت شعاری کو اسلام کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فلما اسلما و تلہ للجبین** اصطلاح شریعت میں کبھی بمعنی ایمان آتا ہے' کبھی بمعنی اظہار ایمان اور کبھی بمعنی نیک اعمال اور دین محمدی کا نام اسلام ہے یہاں بمعنی ایمان ہے یا دین محمدی کیونکہ مرتے وقت اعمال ختم ہو جاتے ہیں' دین و ایمان باقی رہتا ہے اسی لئے نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے **اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام** الٰہی تو ہم سے جسے زندگی دے تو اسلام پر دے **و من توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان**' اور ہم میں سے جسے موت دے تو ایمان پر دے یعنی اے مومنو ایمان کے سوا کسی اور حال پر نہ مرنا جب بھی مرو تو اس حال پر مرنا کہ تم پہلے سے مسلم ہو اسی لئے **الا مسلمون** نہ فرمایا (روح المعانی)۔

خلاصہ ء تفسیر: اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے' صرف ایمان لا کر بے فکر نہ ہو جانا اور اپنے کو نیک اعمال سے بے نیاز نہ جان لینا بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرتے رہنا جو اس کی شان کے لائق ہو یا تمہاری حیثیت کے مطابق اس کی شان کے لائق خوف تو یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے' نافرمانی کبھی نہ کی جائے' اسے یاد رکھا جائے' بھولا کبھی نہ جائے' اس کا شکر کیا جائے' ناشکری کبھی نہ کی جائے وغیرہ یہ تقویٰ انبیائے کرام اور خصوصی اولیاء ہی کو نصیب ہوتا ہے' اور ہماری حیثیت کے لائق تقویٰ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے بچیں اور اگر گناہ ہو جائیں تو فوراً" توبہ کر لیں۔ رب تعالیٰ نصیب کرے' اور خیال رکھو کہ ہمیشہ مومن رہنا جب بھی تمہیں موت آئے تو بحالت ایمان آئے' ملک الموت تمہیں جان لینے کے وقت کافر نہ پائیں' مومن بارگاہ الٰہی میں دولہا بن کر جاتا ہے اور جان نکالنے والے فرشتے براتی ہوتے ہیں۔ کافر وہاں قیدی ہو کر جاتا ہے اور یہ فرشتے رب تعالیٰ کی پولیس۔ خیال رہے کہ اس آیت کا آخری جملہ **ولا تموتن الا** یہ بالاتفاق محکم ہے مگر پہلا جملہ **اتقوا اللہ** الخ اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود' عبداللہ ابن عباس' سعید ابن جبیر وغیرھم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے راتوں کو سونا چھوڑ دیا' نماز کے لمبے قیام سے ان کے پاؤں سوج گئے اور زیادہ

سجدوں سے ان کی پیشانیاں زخمی ہو گئیں' تب رب تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ **فاتقوا اللہ ما استطعتم** اے مسلمانو جتنا بن پڑے اپنا تقویٰ اختیار کرو' اسی کی مثل حضرت انس اور قتادہ سے مروی ہے (ابن ابی حاتم و تفسیر روح المعانی و کبیرو جلالین و خازن وغیرہا) یہ حضرات فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی شان کے لائق تقویٰ سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے' جب حضرات انبیاء و اولیاء عرض کرتے ہیں **ما عبدناک حق عبادتک** اور عرض کرتے ہیں **ما عرفناک حق معرفتک** خدایا ہم تیرے لائق تیری معرفت و عبادت نہ کر سکے' تو ماو شما کس شمار میں ہیں اور بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کی عبادت کریں۔ وہ حدیث اس کی تفسیر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس کی تفسیر وہ آیتیں ہیں **وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ** اور **فاتقوا اللہ ما استطعتم** غرضکہ وہ آیات اس کی ناسخ نہیں بلکہ اس کی مفسر ہیں' یہی قول جمہور محققین کا ہے' فیصلہ یہ ہے کہ اگر حق تقویٰ سے مراد رب تعالیٰ کی شان کے لائق تقویٰ ہے تو منسوخ ہے۔ اور اگر اپنی حیثیت کے لائق تقویٰ مراد ہے تو محکم ہے۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' خود فرماتا ہے **لا یکلف اللہ نفسا " الا وسعھا** (روح المعانی و خازن وغیرہما) آیت کریمہ **وما قدروا اللہ حق قدرہ** کفار کے حق میں ہے نہ کہ مسلمانوں کے حق میں لہٰذا اس آیت کی بناء پر اسے منسوخ ماننا قوی نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ایمان اعمال پر مقدم ہے جیسے وضو نماز سے پہلے کیونکہ رب تعالیٰ نے ایمان کا ذکر تقویٰ سے پہلے کیا۔ دوسرا فائدہ: خدارسی کے لئے صرف ایمان پر قناعت نہ کرنی چاہئے بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری بھی اختیار کرنا ضروری ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے مومنوں کو تقویٰ کا حکم دیا' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنے کو اعمال حتی کہ روزہ نماز سے بے نیاز جانتے ہیں اور کہتے ہیں۔

روزہ' نماز' حج یہ گو فرض عین ہیں … جنت کے ہم ہیں اہل کہ طالب حسین ہیں

جب خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ و جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ نے تقویٰ اختیار فرمایا تو طالب حسین کیسے تقویٰ سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ تیسرا فائدہ: حسب نسب پر فخر کرنا کہ اپنے کو اونچا اور دوسروں کو نیچا جاننا طریقہ ء کفار ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے جیسا کہ اس آیت کریمہ کے شان نزول سے معلوم ہوا' یہ حرکت اکثر دنگے فساد کا ذریعہ بن جاتی ہے' سارے مسلمان عزت والے ہیں کوئی ذلیل نہیں۔ چوتھا فائدہ: عزت و عظمت حاصل کرنے کے لئے خود اپنے میں کمال پیدا کرنا چاہئے' محض باپ دادوں کے کمال پر ناز نہ چاہئے جیسا کہ **اتقوا اللہ** سے معلوم ہوا' اگرچہ شرافت خاندانی بھی اللہ کی نعمت ہے' صالحین کی اولاد ہونا بھی مومن کے لئے عزت کا باعث ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب **الکلام المقبول فی طھارۃ** نسب الرسول میں ملاحظہ کرو۔ پانچواں فائدہ: ہر شخص کا تقویٰ اس کی حیثیت کے لائق ہے' طاقت بھر اعمال چاہئیں' امیر کے تقوے کے لئے زکوٰۃ و حج بھی ضروری ہے فقیر کو ان سے معافی ہے۔ جیسا کہ **حق تقتہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اسلام میں خاتمہ کے اچھا ہونے کا اعتبار ہے اس سے پہلے کسی شے پر اعتماد نہ چاہئے اللہ تعالیٰ خاتمہ اچھا نصیب فرمائے

جیسا کہ **ولا تموتن** الخ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مرتے وقت تک نیکیاں کرنا چاہئیں ایک دو بار کی نیکی پر قناعت نہ کرے یہ بھی **ولا تموتن** الخ سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں سارے ہی مسلمانوں کو تقویٰ کا حکم دیا گیا مسلمانوں میں بعض حضرات گناہوں سے محفوظ اور پہلے ہی سے متقی ہیں' انہیں اس آیت کا حکم کیونکر شامل ہو گا تحصیل حاصل محال ہے۔ **جواب:** ان کے حق میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تقویٰ پر قائم رہو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا یھا النبی اتق اللہ** اور فرماتا ہے **یا یھا الذین امنوا امنوا** یعنی اے نبی یونہی اللہ سے ڈرے جاؤ اور اے مسلمانو ایمان پر قائم رہو' یا یہ مطلب ہو گا کہ اس سے بھی اعلیٰ درجہ کا تقویٰ حاصل کرو' تقویٰ کے مختلف درجے ہیں جیسا متقی ویسا اس کا تقویٰ۔ **دوسرا اعتراض:** جن مفسرین نے **حق تقتہ** کو منسوخ نہیں مانا انہوں نے طاقت سے زیادہ کی تکلیف مان لی حالانکہ یہ قرآن شریف کے خلاف ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یکلف اللہ نفسا" الا وسعھا** کیونکہ خدا تعالیٰ کی شان کے لائق پرہیزگاری ہم سے ناممکن ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ان بزرگوں نے **حق تقتہ** میں بندہ کی جانب کا خیال کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا تم کو ڈرنے کا حق ہے یعنی جتنا تمہاری حیثیت کے لائق ہے۔ **تیسرا اعتراض: لا تموتن** الخ سے معلوم ہوا کہ اسلام صرف موت کے وقت ضروری ہے اس سے پہلے انسان کیسا ہی رہے کیونکہ حال عامل ذوالحال سے مقارن چاہئے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتے وقت تک مسلم رہو اسی لئے رب تعالیٰ نے نہ **موتوا مسلمین** فرمایا اور نہ **الا مسلمین** بلکہ اتنی بڑی عبارت فرمائی **الا وانتم مسلمون** یعنی تمہیں موت صرف اس حال میں آئے کہ تم پہلے ہی سے مسلمان ہو' جیسے کہا جائے کہ زید میرے پاس نہ آیا مگر اس حال میں کہ وہ سوار تھا یعنی سوار پہلے سے تھا آیا اب' دوسرے یہ کہ آیت کا یہی منشاء ہے کہ مرتے وقت مسلمان ہو' مگر یہ کیا علم کہ وقت موت کب ہے اور کون سا ہے' ہر سانس میں یہ احتمال ہے کہ وہ آخری ہو تو مطلب یہ ہے کہ مسلمانو مرتے وقت مسلمان ہو یعنی ہر وقت مسلمان رہو ممکن ہے کہ یہی وقت آخری ہو۔

ہوائے رفتہ باز آید کہ نابد!　　نسے از حجاز آید کہ نابد!

کیا خبر کہ اندر گئی ہوئی سانس واپس آئے یا نہ آئے' کیا خبر کہ کل کی رات زمین پر آئے یا زمین میں' بہر حال ہر وقت بیداری ضروری ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے　　سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے　　تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے مت ہی تیری نرالی ہے

تفسیر صوفیانہ: عزتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو دنیا کے ذریعہ حاصل ہو' مال سے' خاندان سے' حکومت و سلطنت سے' جتھے سے' اسے دنیوی عزت کہتے ہیں' دوسری وہ جو دین کے ذریعہ حاصل ہو' ایمان سے تقویٰ سے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت و خدمت سے' اس کا نام دینی عزت ہے' دنیوی عزت کے لئے فنا ہے اور دینی عزت کے لئے بقاء رب تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے مرکز بنائے ہیں۔ جسے مرکز سے وابستگی ہے وہ باقی ہے' اور جو اس سے ہٹا ہوا ہے وہ فانی' پانی کا مرکز سمندر یا چشمہ ہے' روشنی کا مرکز آفتاب ہے وغیرہ' گھڑے' مٹکے' لوٹے' تالاب و حوض کا پانی بہت جلد ختم ہو جاتا ہے کیونکہ مرکز سے الگ ہے' مگر نکلے اور

دریا کے پانی کو بقا ہے کہ استعمال سے فنا نہیں ہوتا کیونکہ مرکز سے وابستہ ہے' ایسے ہی رب تعالیٰ نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت کا مرکز بنایا جسے وہاں سے عزت ملے گی باقی ہوگی۔ دوسری عزتیں فانی کیونکہ یہ مرکزی عزت ہے اور وہ مصنوعی و عارضی۔ بادشاہوں کی عزت فانی ہے مگر حضرت بلال حبشی و ایوب انصاری رضی اللہ عنہما کی عزتیں باقی 'شاہان جہاں ان بزرگوں کے آستانوں پر ناکیں رگڑتے ہیں' اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو کیوں خاندانی و مالی عزتوں پر فخر کرتے ہو' اگر عزت چاہتے ہو تو متقی مومن بنو' تاکہ تم کو اس آفتاب نبوت سے نسبت ہو اور ابد الآباد تک عزت والے بن جاؤ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **العزة للہ و لرسولہ و للمؤمنین** یعنی عزت کا خالق و مالک اللہ ہے اور عزت کا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان سے عزت لینے والے وہ مومنین ہیں جو ان کے دامن کرم سے وابستہ ہیں' صوفیاء فرماتے ہیں' ہمارے ہاں متقی کی چار پہچانیں ہیں۔ (1) حفظ الحدود۔ (2) بذل المجہود۔ (3) قناعت بالموجود۔ (4) وفاء بالعہود یعنی شرعی حدود کی حفاظت اعمال میں صرف طاقت جو رب تعالیٰ سے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مومنوں سے وعدے کئے ہیں ان کا پورا کرنا' موجود پر قناعت یعنی معدوم کے پیچھے نہ بھاگنا۔ حق تقویٰ یہ ہے کہ امر کے موافق رہے اپنی طرف سے زیادتی کمی نہ کرے' تقویٰ کے چار درجے ہیں۔ (1) پہلا درجہ اجتناب الزلہ۔ (2) دوسرا اجتناب الفضلہ۔ (3) تیسرا **تولی عن کل خلہ** (4) چوتھا **تنقی عن کل علتہ** یعنی لغزش سے بچنا' شئی سے بھاگنا' ہر دوستی **ما سوی اللہ** سے خالی ہو جانا' ہر عیب سے صاف ہو جانا۔

متقی را بود چار نشاں　　حفظ احکام شرع اول داں
ثانیاً آنچہ دسترس باشد　　بر فقیران و بے کساں بخشد
عہد را با وفا کند پیوند　　ہر چہ باشد ازاں شود خرسند

صوفیاء فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی انتہا شہود ہے جو ترک وجود سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں اپنے وجود کا اثر شرک خفی ہے۔

حضوری گرہمی خواہی از و غائب مشو حافظ　　**متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا**

(روح البیان)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سارے اور نہ الگ الگ ہو جاؤ اور یاد کرو اللہ کی نعمت
اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جاؤ اور اللہ کا احسان اپنے
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ
جو تم پر ہے جب کہ تم تھے دشمن تو اللہ نے جمع فرما دیا درمیان تمہارے دلوں کے تو ہو گئے تم رب کے فضل
اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی

إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ

سے بھائی بھائی اور تھے تم کنارے پر آگ کے گڑھے کے تو الگ کر دیا رب نے تم کو اس سے اسی طرح

ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا اللہ تم سے

يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پاؤ

یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ڈرا کر رب کی طرف بلایا گیا اس آیت کریمہ میں اپنی نعمتیں یاد دلا کر رغبت کے ساتھ انہیں دعوت حق دی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خوف تھا اس آیت میں شوق' خوف و شوق سے ہی ایمان نصیب ہوتا ہے' تو گویا ایمان کے ایک رکن کا پہلے ذکر ہوا تھا اور دوسرے کا اب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں تقویٰ کا حکم تھا جس سے نفس کی گندگی دور ہوتی ہے اب ذکر الٰہی کا حکم ہے جس سے ایمان کی آراستگی ہے گویا نفس انسانی کو غسل و لباس پہلے دیا گیا اور زیور اب عطا ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو مرتے دم تک مسلمان رہنے کا حکم دیا گیا تھا چونکہ یہ بات طاقت انسانی سے باہر معلوم ہوتی تھی اس لئے اب اس کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے کہ ایمان پر مرنا چاہتے ہو تو اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو۔

تفسیر: **واعتصموا** اس کلمہ کی تحقیق ابھی کچھ پہلے **و من یعتصم** کے بیان میں ہو چکی' یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے جیسا کہ **یا ایہا الذین امنوا** سے معلوم ہوا اور ہو سکتا ہے کہ خطاب اوس و خزرج انصار سے ہو۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے لفظ اعتصام یعنی دین کی رسی مضبوط پکڑنے سے مراد ہے دین پر قائم رہنا آپس میں متفق رہنا' لڑائی جھگڑائی سے پرہیز کرنا کیونکہ ان کے عقائد تو پہلے ہی سے درست ہیں' مسلمان تو پہلے ہی سے ہیں **بحبل اللہ جمیعا** " عربی میں حبل رسی کو بھی کہتے ہیں۔ مطلقاً وسیلہ کو بھی عہد اور وعدہ کو بھی ذمہ اور امان کو بھی' عورت کے حمل کو بھی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا بحبل من اللہ و حبل من الناس** یعنی اللہ اور لوگوں کی امان سے۔ یہاں معنی رسی ہے۔ **رشاء** بھی رسی کو کہتے ہیں اور حبل بھی۔ مگر رشاء عام ہے کہ ہر رسی کو کہا جاتا ہے اور حبل خاص کہ موٹے اور مضبوط رسے کو ہی حبل کہتے ہیں جس سے بھاری چیزیں باندھی جائیں اور اٹھائی جائیں۔ **حبل اللہ** کے معنی ہیں دنیا میں اللہ کی بھیجی ہوئی رسی' اس رسی سے یا اطاعت الٰہی مراد ہے یا قرآن حکیم یا اسلام' یا اخلاص عمل یا مسلمانوں کی جماعت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار' یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابن عباس نے اس سے عہد الٰہی مراد لیا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے قرآن شریف' چنانچہ حضرت علی' عبداللہ ابن مسعود' ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ فرق کے ساتھ راوی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کتاب اللہ آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی مضبوط رسی ہے' امام شرف الدین بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ　　مستمسکون بحبل غیر منفصم

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

نہ رکھتم چاہ پنہاں قدم درچہ عصیاں　　بیا اے حبل رحمانم اغثنی یا رسول اللہ

چونکہ صراط مستقیم اور دین حق بہت پھسلن والا راستہ ہے' اور اس کے آس پاس بہت ٹیڑھے راستے بھی ہیں' ہردم ہمارے پھسلنے اور بہکنے کا اندیشہ ہے۔ ایسے راستے اور تنگ زینہ پر مضبوط رسی باندھی جاتی ہے جسے پکڑ کر چلا اور چڑھا جاسکے' اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا تم سارے ہی اس رسی کو مضبوط پکڑلو' پھر اس راستے پر چلو اور اس زینہ پر چڑھو **جمیعا**' **اعتصموا** کے فاعل کا حال ہے یعنی جماعت کے ساتھ اس رسی کو پکڑو **ولا تفرقوا** یہ **فرق** سے بنا' بمعنی بکھرنا' جدا ہونا **جمع** کا مقابل ہے' اسی سے ہے **افتراق** اور **فرقہ** و **تفرقہ**۔ تفرقہ اور اختلاف میں فرق یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود جماعت قائم رہ سکتی ہے مگر تفرقہ کے ساتھ جماعت قائم نہیں رہتی اور نہ ان کا باہمی تعلق رہتا ہے' چنانچہ صحابہ میں اختلاف تھا تفرقہ نہ تھا ہم میں اور شوافع و مالکیوں وغیرہ میں اختلاف ہے تفرقہ نہیں مگر بے دین جماعتوں اور ہم میں تفرقہ ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں تفرقہ سے مراد یا تو دینی علیحدگی ہے کہ حق ایک ہے اور باقی دین باطل ہیں یا وہ دنیاوی و نفسانی جنگیں ہیں جن سے الفت و محبت ایکدم جاتی رہے یعنی آپس میں بکھر نہ جاؤ **واذکروا نعمۃ اللہ علیکم**' **اذکروا**' **ذکر** سے بنا' ذکر کے معانی **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں بیان ہوچکے' یہاں ذکر سے مراد یاد کرنا ہے یا یاد رکھنا یا لوگوں میں چرچا کرنا یا اقرار و اعتراف کرنا نعمت کے معانی **انعمت علیھم** میں بیان ہوچکے ہیں' یہاں اتنا سمجھ لو کہ نعمت وہ اچھا عطیہ ہے جو بغیر استحقاق مل جائے' اسی سے انعام بنا' نعمت دنیاوی بھی ہوتی ہے دینی بھی' یہاں رب تعالیٰ نے پہلے **اذ کنتم** الخ میں دنیوی نعمت اتفاق و اتحاد کا ذکر فرمایا' اور **وکنتم علی شفا** الخ میں اخروی نعمت کا' یہاں **نعمۃ اللہ** سے مراد یا اسلام ہے یا ایمان کا نصیب ہوجانا یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کہ جن کے دم سے یہ ساری بہاریں ہیں۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود　　حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا پہ دائم درود　　ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

اگر **اذکروا** میں انصار سے خطاب تھا تو **علیکم** میں بھی انہی سے خطاب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصوصی فیوض' صحابیت' انصاریت جنگ کے بعد صلح وغیرہ انہی کو نصیب ہوئیں اور اگر **اذکروا** میں عام مسلمانوں سے خطاب تھا تو **علیکم** میں بھی ان ہی سے خطاب ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی نعمتیں ایمان' تقویٰ' اسلامی اتحاد' آگ سے نجات اور جنت کی نعمتیں ہم سب کو ملیں **اذ کنتم اعداء**" **فالف بین قلوبکم** اوس و خزرج جو انصار کے دو قبیلوں کے مورث اعلیٰ ہیں آپس میں بھائی تھے لڑ پڑے' ان کی لڑائی اتنی دراز ہوئی کہ ان کی اولاد میں ایک سو بیس سال تک رہی جن میں سے جنگ بعاث بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ یہ صدیوں کے بچھڑے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم کی برکت سے آپس میں ایسے گھل مل گئے گویا جسم چند تھے لیکن جان ایک۔ تھی۔ اس جگہ تفسیر خازن نے انصار کی گذشتہ جنگوں اور پھر دونوں بیعت عقبہ میں ان کی شرکتوں کا اور یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حکمت سے ان کو ملایا بہت تفصیل سے بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کرو' یہاں اتنا سمجھ لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید ابن صامت اور عمرو ابن عوف میں صلح

اور بھائی چارہ ہجرت سے پہلے ہی کرادیا پھر بتدریج سب کو ملادیا۔ **اعداء**" **عدو** کی جمع ہے جو **عدو** (بمعنی حد سے بڑھ جانا) سے بنا بروزن فعول صفت مشبہ ہے چونکہ دشمن دوستی کی حد سے بڑھ جاتا ہے اس لئے عدو کہا جاتا ہے' دشمن جان کا بھی ہوتا ہے ایمان کا بھی' اولاد کا بھی' عزت کا بھی' مال کا بھی' اوس و خزرج ایک دوسرے کے ہر طرح کے دشمن تھے' اسی لئے **اعداء**" نکرہ فرمایا گیا یعنی ہر طرح دشمن تھے۔ **فالف بین قلوبکم**' **الف** تالیف سے بنا جس کا مادہ **الف** ہے بمعنی میلان و محبت چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام رب تعالیٰ کا کام ہے' اس لئے اس فعل کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ **قلوب** فرما کر یہ بتایا کہ رب تعالیٰ نے صرف تمہارے جسموں کو ہی جمع نہ کیا بلکہ تمہارے دلوں کو جمع کر دیا جو تمہارے بس کی بات نہ تھی۔ قلب کے معنی ہیں الٹا ہونا اور الٹنا بدلنا' چونکہ دل پہلو میں الٹا لٹکا ہوا ہے اور بدلتا بھی رہتا ہے اسے قرار نہیں اس لئے اسے قلب کہا جاتا ہے اس کی تحقیق **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں ہو چکی **فاصبحتم بنعمتہ اخوانا**" یہاں **اصبحتم** بمعنی صرتم ہے' یعنی ہو گئے تم' یہ مطلب نہیں کہ صبح کے وقت ہو گئے۔ **اخوان اخ** کی جمع ہے بمعنی تلاش و طلب' چونکہ ایک بھائی دوسرے کی مرضی تلاش کرتا ہے' اس لئے اسے اخ کہا جاتا ہے۔ بھائی نسبی بھی ہوتا ہے' قومی بھی' ملکی بھی' دینی بھی' یہاں اسلامی بھائی مراد ہے' ہو سکتا ہے کہ محبت و دوستی کا بھائی مراد ہو' ورنہ قومی و وطنی بھائی تو پہلے بھی تھے مگر ایک دوسرے کے دشمن تھے تفسیر اتقان نے فرمایا کہ نسبی اخ کی جمع **اخوۃ** آتی ہے اور دوستی وغیرہ کے بھائی کی جمع **اخوان** مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں' رب تعالیٰ دینی بھائیوں کے لئے فرماتا ہے **انما المومنون اخوۃ** اور نسبی بھائیوں کے متعلق فرماتا ہے **او بنی اخوانھن** اور فرماتا ہے **او بیوت اخوانکم** (روح المعانی) **وکنتم علی شفا حفرۃ من النار** یہ رب تعالیٰ کی دینی نعمت کا ذکر ہے' عربی میں شفا کنارہ کو کہتے ہیں جیسے غار' کنواں' دریا کا کنارہ **شفتہ** ہونٹ' یہ بھی منہ کا کنارہ ہے۔ **شفاء** بیماری سے صحت' یہ بھی بیماری کا کنارہ ہے' چونکہ دوزخ کنوئیں کی طرح گہری ہے اس لئے اسے **حفرۃ** فرمایا گیا' اسی باعث اسے جہنم کہا جاتا ہے کہ یہ فارسی سے معرب ہے چاہ نم سے بنا بمعنی گہرا کنواں اور چونکہ دوزخ میں اصل عذاب آگ کا ہے اور باقی ٹھنڈا عذاب اور سانپ بچھو کے عذاب اس کے تابع' اس لئے **من النار** فرمایا یعنی تم دوزخ کے کنارے پر پہنچ چکے تھے کہ مرتے اور اس میں داخل ہو جاتے **فانقذکم منھا** ہلاکت سے بچالینے کو **انقاذ** کہتے ہیں **منھا** کی ضمیر کا مرجع یا **نار** ہے یا **حفرۃ** دونوں مونث ہیں' مگر تحقیق یہ ہے کہ اس کا مرجع **شفاء** ہے کہ ضمیریں مضاف کی طرف لوٹتی ہیں نہ مضاف الیہ کی طرف' شفا اگرچہ مذکر ہے مگر چونکہ اس کا مضاف الیہ مونث تھا اور کبھی مضاف' مضاف الیہ سے تانیث لے لیتا ہے یا شفاء بمعنی طرف ہے اور طرف مونث ہے۔ لہٰذا شفا کی طرف مونث ضمیر لوٹ گئی یعنی رب تعالیٰ نے تم میں اپنا حبیب بھیجا اور تمہیں ان کے ذریعے دوزخ میں گرتے گرتے بچالیا **کذلک یبین اللہ لکم ایتہ**' **لکم** میں لام نفع کا ہے۔ **ایت** سے مراد یا قرآن شریف کی آیات ہیں یا یہ تاریخی واقعات یعنی اسی طرح ہم تمہارے نفع کے لئے قرآنی آیتیں یا تاریخی واقعات بیان فرمائیں گے یا بیان فرماتے رہتے ہیں **لعلکم تھتدون** یہ **لعل** شک کے لئے نہیں بلکہ یا یقین کے لئے ہے یا مسلمانوں کو امید دلانے کے لئے۔ **ھدایت** سے مراد یا ہدایت پر رہنا ہے' یا ہدایت میں ترقی کرنا یعنی آیات قرآنیہ کا نزول یا ان واقعات کا ذکر اے مسلمانوں یا اے انصار تمہاری ہدایت کے لئے ہے نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے لئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں بلکہ وہ تو تمہیں ہدایت دینے کے لئے آئے ہیں۔

خلاصہ ءتفسیر: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چار چیزوں کا حکم دیا' دین پر متفق رہنا' فرقہ فرقہ نہ بننا' اللہ کی اس نعمت کو یاد کرنا کہ وہ پہلے دشمن تھے اب دوست بن گئے اور یہ کہ وہ دوزخ کے کنارے جا لگے تھے وہاں سے ہٹ گئے' یعنی اے اوس و خزرج یا اے سارے مسلمانوں اللہ کی رسی یعنی دین اسلام یا قرآن شریف یا مسلمانوں کی جماعت یا اہل بیت اطہار یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن پاک کو تم سارے کے سارے مضبوطی سے تھامے رہو تاکہ دنیا میں راہ حق سے پھسل نہ جاؤ اور روحانی معرفت الٰہی کے تنگ زینہ پر چڑھ جاؤ' ہرگز ہرگز فرقوں اور جماعتوں میں بکھر نہ جاؤ کہ بکھرے ہوئے تنکے کوڑا ہیں جس کو بندھے ہوئے تنکے جھاڑو کی شکل بن کر نکال باہر کرتے ہیں' اگر تم فرقوں میں بٹ کر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے تو دوسری متفق قومیں تمہیں دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کریں گی اور تم اللہ کی یہ نعمت دل میں سوچتے رہو یا زبان سے اس کا ذکر کرتے رہو یا لوگوں میں اس کا چرچا کرتے رہو کہ پہلے تم آپس میں ایک دوسرے کے جانی مالی اور آبرو کے دشمن تھے جس سے تمہاری زندگیاں تلخ تھیں۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمہارے دلوں کو جوڑ دیا ہے جس سے تم دشمنی کے بعد ایک دوسرے کی دلی دوست اور دینی بھائی بن گئے اور رب تعالیٰ نے تم پر دینی فضل یہ فرمایا کہ تم اپنے کفر شرک و بے دینی کے باعث دوزخ کے کنارے جا لگے تھے کہ وہاں پہنچنے میں آنکھ بند ہونے کی دیر تھی' رب تعالیٰ نے تمہاری دستگیری کی کہ انہی محبوب کے ذریعہ تم گرتوں کو سنبھال لیا' پہلے تم کافر تھے' اب تم فقط مومن ہی نہیں بلکہ مومن گر بن گئے کہ لوگ تمہارے نقش قدم پر چل کر ہدایتیں حاصل کیا کریں گے' اللہ تعالیٰ قرآن کی آیتیں یا نشانات قدرت یا اپنی نعمتوں کے تذکرے اسی طرح کرتا رہے گا تاکہ تم ہدایت پر قائم رہو یا نیکیوں کی ہدایت پاؤ۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد سے رہنا چاہیے' تھوڑی سی متفق قوم بہت سی بکھری قوم پر غالب رہتی ہے۔ اسی لئے قرآن و حدیث نے اتفاق پر بہت زور دیا ہے بلکہ جماعت کی نمازیں' عیدین کے اجتماعات' حج میں سارے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنا اسی اتفاق کے لئے ہے جیسا کہ **ولا تفرقوا** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اتفاق وہ اچھا ہے جو اللہ رسول کی اطاعت پر ہو' ان کا راستہ چھوڑ کر اتفاق لعنت ہے اسی اتفاق کو مٹانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **کان الناس امۃ" واحدۃ" فبعث اللہ النبین الایہ** جیسا کہ **واعتصموا** سے معلوم ہوا۔ یعنی متفق ہو جاؤ مگر کس پر؟ دین کی رسی پکڑنے پر۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنا سخت جرم ہے اور اس کا ذمہ دار وہ ہوگا جو فرقے ایجاد کرے گا جیسا کہ **لا تفرقوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد کرنا' اس کے چرچے کرنا' رب تعالیٰ کو پسند ہے جیسا کہ **واذکروا الخ** سے معلوم ہوا لہٰذا میلاد شریف کرنا' عید معراج منانا بہتر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عملی تذکرہ ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بکھرے دلوں کو جوڑنا سنت الٰہیہ ہے جیسا کہ **فالف بین قلوبکم الخ** سے معلوم ہوا' مبارک ہے وہ شخص جو بچھڑوں کو ملائے۔ **چھٹا فائدہ:** بھائی چارگی کی بہت صورتیں ہیں' پیشوں' زبان اور وطنیت سے برادریاں قائم ہوتی ہیں مگر عالمگیر برادری اسلام نے قائم کی جیسا کہ **اخوانا** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی مسلمان کے بھائی نہیں اور نہ انہیں بھائی کہنا جائز ہے بھائی بنانے والا خود بھائی نہیں ہوا کرتا۔ باپ اپنی اولاد کو بھی

بھائی بنا رہتا ہے مگر خود ان کا بھائی نہیں بنتا۔ اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں نہ کہ بھاوجیں۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے دوزخ سے بچنے کا وسیلہ عظمیٰ ہیں اور رب تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت جیسا کہ فانقذکم الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** لوگوں میں تبلیغ کرنا اور انہیں رب تعالیٰ کی آیتیں سنانا' بتانا' سمجھانا سنت الٰہیہ ہے جیسا کہ یبین الخ سے معلوم ہوا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: صحابہ کرام اس آیت پر عامل نہ رہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بکھر گئے اور متفرق جماعتیں بن گئے۔ لہٰذا وہ سب فاسق ہوئے کیونکہ حکم قرآن پر عمل نہ کرنا فسق ہے۔ **جواب:** ان حضرات میں اجتہادی اختلاف تھا نہ کہ تفرقہ' تفرقہ اور اختلاف کا فرق ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے اختلاف کیا مگر انہیں فاسق یا کافر نہیں کہا جا سکتا' اگر صحابہ کا وہ اختلاف فسق ہو تا تو معاذ اللہ وہ سب ہی فاسق ہو جاتے' خواہ امیر معاویہ کے ساتھی ہوتے یا علی مرتضٰی کے۔ **دوسرا اعتراض:** حنفی شافعی وغیرہ بننا حرام ہے وہ بھی تفرقہ کی ایک قسم ہے سب کو چاہئے کہ اللہ رسول کی مضبوط رسی کو پکڑیں' اس رسی کے ہوتے ہوئے کسی امام یا پیر کی کیا ضرورت ہے؟ (غیر مقلد) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں الزامی و تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اہل حدیث بننا اور ان میں ثنائی و غزنوی جماعتیں ہونا بھی تفرقہ بازی اور اللہ کی رسی سے علیحدگی ہے بلکہ محدثین کا اختلاف' بلکہ مسائل اجتہادیہ میں صحابہ کرام کا اختلاف بھی اسی میں داخل ہو جائے گا' اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ آئمہ کی تقلید اسی رسی کو پکڑنے کے لئے ہے کہ ان کے بغیر یہ رسی ہاتھ نہیں آتی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں جن کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے تو جیسے قرآن کے ہوتے حدیث کی ضرورت ہے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی ضرورت' ایسے ہی قرآن و حدیث کے ہوتے فقہ کی بھی ضرورت ہے' جس دریا میں کشتی ڈالو گے سمندر میں پہنچ جاؤ گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں تفرقہ بری چیز ہے لیکن حدیث شریف میں ہے **اختلاف امتی رحمۃ** میری امت کا اختلاف رحمت ہے' لہٰذا وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** ہرگز اختلاف نہیں کیونکہ اس آیت میں نفسانی جھگڑا اور دینی فرقہ بندی سے ممانعت ہے جو فتنہ و فساد کی جڑ ہے' اور حدیث شریف میں تحقیقی کا اختلاف مراد ہے جس کی وجہ سے قرآن و حدیث کی خوب چھان بین ہو جاتی ہے۔ علمائے مجتہدین کے اختلاف کی برکت سے آیات و احادیث ایسی واضح اور صاف ہو گئیں کہ سبحان اللہ جن دینوں میں اختلاف نہ ہوئے وہاں تحقیق بھی نہ ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ: کنوئیں میں صاف شفاف پانی بھی ہوتا ہے اور کیچڑ' ریت وغیرہ بھی کنوئیں کا پانی حاصل کرنے کے لئے ڈول ڈالا جاتا ہے مگر اس طرح کہ اس میں رسی باندھی جاتی ہے اس طرح کہ اس کا ایک کنارہ ڈول میں بندھا ہوتا ہے اور دوسرا کنارہ مالک کے ہاتھ میں' اگر یہ رسی ٹوٹ جائے یا مالک چھوڑ دے یا ڈول میں سے کھل جائے تو یقیناً ڈول بجائے پانی لانے کے خود کنوئیں میں رہ جائے گا اور کیچڑ میں پھنس جائے گا' دنیا ایک کنواں ہے جس میں ایمان' اعمال اور تقویٰ کا شفاف پانی بھی ہے اور کفر' طغیان و فسق کی کیچڑ بھی۔ ہم لوگ یہاں اعمال کا پانی حاصل کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں کیونکہ دار العمل دنیا ہی ہے۔ قبر میں بعض مقبولین نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور قرآن حکیم بھی مگر صرف لذت کے لئے اس نماز و تلاوت پر کوئی ثواب نہیں اسی لئے زندہ

لوگ انہیں ایصال ثواب کرتے رہتے ہیں۔ اب ضرورت تھی کہ ہم لوگوں کے ہاتھ میں کوئی ایسی مضبوط رسی ہو جس کا ایک کنارہ مخلوق کی طرف ہو دوسرا خالق کی طرف اور رسی ایسی ہو کہ تمام جہان اسے پکڑے مگر وہ نہ ٹوٹے نہ کھلے اس مضبوط رسی کا نام محمد رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ایک رخ مخلوق کی طرف ہے دوسرا خالق کی طرف ' ہمارا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ رب تعالیٰ کے دست قدرت میں جو دنیا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہا وہ تو یہاں سے ایمان ' تقویٰ کا پانی لے کر جائے گا ' جو ان سے الگ رہا وہ یہیں بے ایمانی ' کفر و فجور کے دلدل میں پھنسے گا۔ اس آیت میں یہی فرمایا گیا کہ اے انسانو! اللہ کی اس مضبوط رسی کو پکڑ لو رسی کھلے گی نہیں ہم اسے چھوڑیں گے نہیں تم اپنے پکڑنے کی تم فکر کر لو اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے وابستہ رکھے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
اور چاہیئے کہ ہو تم میں سے ایک جماعت جو بلائے طرف بھلائی کے اور حکم دیں وہ اچھی بات کا اور منع کریں
اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور برائی

عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾
بری باتوں سے اور یہی لوگ وہ کامیاب ہیں
سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو کامیابی کے دو اصول بتائے گئے ' تقویٰ و طہارت اختیار کرنا۔ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنا ' اب کامیابی کا تیسرا اصول بتایا جا رہا ہے یعنی اسلام کی تبلیغ کرنا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو رب تعالیٰ نے ایک خاص نعمت یاد دلائی ' ان کی دشمنیاں ختم ہو جانا اور آپس میں بھائی بھائی ہو جانا ' اب اس کے شکریہ کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اس نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ تم دوسروں کو بھی دعوت اسلام دے کر انہیں بھائی بھائی بناؤ صرف تم ہی اسلام کا فائدہ نہ اٹھاؤ دوسروں کو بھی پہنچاؤ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تم دوزخ کے کنارے آن لگے تھے ہم نے اپنے محبوب کے ذریعے تمہیں بچالیا ' اب فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری طرح اور بہت ہیں جو دوزخ کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں دوڑو ان کی دستگیری کرو ' سنت الہیہ اور سنت نبوی پر عمل کرو یعنی گرتوں کو سنبھالو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آیات اس لئے رب تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ تم ہدایت پا جاؤ ' اب ہدایت پا جانے کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ تبلیغ دین کرو گے تو ہدایت پا لو گے یعنی دوسروں کو ہدایت دینا تمہاری اپنی ہدایت کا رکن اعلیٰ ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے نزول آیات کا ایک مقصد بتایا تھا یعنی تم لوگوں کا ہدایت پانا ' اب اسی نزول آیات کا دوسرا مقصد ارشاد ہو رہا ہے یعنی دوسروں تک ان کو پہنچانا۔ **چھٹا تعلق:** گذشتہ آیات میں اہل کتاب کے دو عیوب بیان ہوئے تھے ان کا خود گمراہ ہونا ' دوسروں کو گمراہ کرنا۔ اب مسلمانوں کو ارشاد ہو رہا ہے کہ تم ان کے مخالف ہو کہ خود بھی ہدایت پر رہو ' دوسروں کو بھی ہدایت دو۔

تفسیر: **و لتکن** یہ **کان** کا امر غائب ہے۔ واحد مونث کا صیغہ ہے' **کان یکون** بمعنی ہونا یا رہنا سے بنا' یہ ناقصہ بھی ہو سکتا ہے اور تامہ بھی' اگر تامہ ہے تو **امۃ** اس کا فاعل ہے اور **یدعون** اس کی صفت یا حال' اگر ناقصہ ہے تو امت اس کا اسم ہے اور **یدعون** خبر' لام کو جزم بھی پڑھا گیا اور جر بھی' ہماری قرات جزم کی ہے۔ (معانی) **منکم من** یا تبیینیہ ہے یا تبعیضیہ اور کم میں خطاب یا اوس و خزرج سے ہے یا تمام صحابہ سے یا سارے مسلمانوں سے یا علمائے دین سے **امۃ** یہ **ام** بمعنی قصد و ارادے سے بنا۔ اسی سے ہے **تیمم** یعنی مٹی کا قصد کرنا' اصطلاح میں اس جماعت کو امت کہتے ہیں جو کسی ایک متفقہ کلام کا قصد کرے' پھر کسی نبی کے پیرو کاروں کو امت کہا جانے لگا کہ وہ سب ایک رسول کی اتباع کا ارادہ کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ لفظ جماعت' پیشوا' دین و ملت' زمانہ و وقت اور راستہ کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **ان ابراھیم کان امۃ**" (پیشوا) **انا وجدنا اباء نا علی امۃ** (دین ملت) **وادکر بعد امۃ** (وقت و زمانہ) یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی جماعت و گروہ یعنی اے مسلمانو تم سب ایسی جماعت بنو یا تم میں سے ایک گروہ و جماعت ایسی بنے یا ہو یا رہے" **یدعون الی الخیر** **یدعون** دعوے سے بنا بمعنی بلانا و پکارنا خواہ زبان سے ہو یا عمل سے یا قلم سے یا طاقت سے غرضیکہ یہ ایک کلمہ بہت قسم کی تبلیغوں کو شامل ہے۔ خیر وہ اچھے عقیدے و عمل ہیں جو شرعاً" مرغوب اور اللہ کو پسند ہیں (خازن) لہٰذا یہ ایک کلمہ تبلیغ دین اور تبلیغ اعمال سب کو شامل ہے' روح المعانی نے فرمایا کہ خیر سے مراد اتباع قرآن و سنت ہے **یدعون** کا مفعول بیان نہ ہوا تاکہ تمام کو شامل ہو یعنی کفار کو **خیر** یعنی ایمان کی طرف بلائے فساق کو خیر یعنی تقوٰی کی طرف بلائے' غافلوں کو خیر یعنی بیداری کی طرف بلائے' خشک زاہدوں کو خیر یعنی لذت عشق کی طرف بلائے' خشک توحیدیوں کو خیر یعنی اطاعت رسول کی طرف بلائے غرضیکہ اسی ایک کلمہ میں بہت سی تبلیغیں داخل ہیں' حتیٰ کہ بیوی بچوں کو نماز روزے کی ہدایت دینا بھی اسی میں داخل و شامل ہے۔ چونکہ خیر کی دو قسمیں ہیں اور بلانے کی بھی دو نوعیتیں' اچھی بات کی ترغیب دلانا اور بری باتوں سے نفرت پیدا کرنا۔ اس لئے آگے ارشاد ہوا **و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر**' **یامرون امر** سے بنا بمعنی حکم' اس میں حکم دینا' رغبت دینا' مشورہ دینا' سختی سے منوانا' غرضکہ جیسا موقعہ ہو ویسا کرنا سب کچھ شامل ہے **معروف** ہر وہ عقیدہ وہ عمل ہے جس کی خوبی و بہتری شریعت میں معلوم و مشہور ہو' یہ لفظ **عرف** بمعنی پھیلنے سے بنا اسی لئے خوشبو کے مہکنے کو عرف اور شہرت کو عرف کہا جاتا ہے کہ وہاں پھیلنا موجود ہے' مشہور کو معروف کہتے ہیں۔ **معرفتہ** بھی اسی سے ہے بمعنی پہچاننا کہ عام پہچانی ہوئی چیز لوگوں میں پھیل جاتی ہے۔ شریعت میں **معروف** کے معنی ہیں **الذی عرف خیرتہ فی الدین** جس کا اچھا ہونا دین میں پہچانا گیا ہو' جتنے احتمالات ہم نے **امر** میں عرض کئے' اس کے مقابل اتنے ہی احتمالات **نھی** میں ہیں یعنی زبان و قلم و عمل و طاقت کے ذریعے روکنا' منع کرنا' نفرت دلانا' **منکر انکار** سے بنا بمعنی منع کرنا' ناپسند کرنا اور شریعت میں ہر وہ چیز منکر ہے جو شرعاً" ممنوع یا ناپسند ہو یعنی وہ جماعت لوگوں کو اچھی باتوں کی طرف دعوت دے اور بری باتوں سے منع کرے اور روکے **و اولئک ھم المفلحون**' **اولئک** میں اسی مبلغ جماعت کی طرف اشارہ ہے **ھم** حصر کے لئے ارشاد ہوا اور **المفلحون** میں الف لام عہدی ہے اور مفلح فلاح سے بنا بمعنی مقصودری اور کامیابی یعنی یہ تبلیغ کرنے والے لوگ ہی کامل کامیابی والے ہیں کہ دنیا میں بھی ان کی عزت و عظمت ہے' بادشاہ و سلاطین ان کی غلامی کریں گے اور آخرت میں بھی ان پر رب تعالٰی کا خاص کرم ہو گا۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا مکلف فرمایا بھلائی کی دعوت دینا' اچھی باتوں کا حکم دینا' بری باتوں سے حتی الامکان روکنا' اور ان تین چیزوں پر دارین کی کامیابی کا وعدہ فرمایا' اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ' کہ اے مسلمانو تم سب ایسی جماعت ہو' یا بنو یا رہو جو تمام تیز مے لوگوں کو خیر کی دعوت دے' کافروں کو ایمان کی' فاسقوں کو تقویٰ کی' غافلوں کو بیداری کی' جاہلوں کو علم و معرفت کی' خشک مزاجوں کو لذت عشق کی' سونے والوں کو بیداری کی' اور اچھی باتوں' اچھے عقیدوں' اچھے عملوں کا زبانی' قلمی' عملی' قوت سے' نرمی سے' گرمی سے' حکم دے' اور بری باتوں' برے عقیدے' برے کاموں' برے خیالات سے لوگوں کو زبان' دل' عمل' قلم' تلوار سے روکے' جس جماعت میں یہ تین خوبیاں ہیں وہی پورے طور پر کامیاب ہے لہٰذا تم سب کے سب ہی کامیاب ہو گے اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر** جس سے معلوم ہوا کہ سارے مسلمان مبلغ ہیں وہ سب پر ہی فرض ہے کہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔

دوسری تفسیر: یہ ہے کہ اے مسلمانو! نہ تو تم سب دنیا میں ہی مشغول ہو جاؤ کہ تبلیغ چھوڑ دو' اور نہ تم سب دنیا چھوڑ کر مبلغ ہی بن جاؤ بلکہ تم میں ایک جماعت ایسی بھی رہنی ضروری ہے جو زندگی بھر تبلیغ اور دعوت خیر کرے' پوری عالم بنے اور اپنا مقصد زندگی اسے بنائے کہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے' سارے مسلمانوں میں یہ مبلغ علماء کی جماعت بہت ہی کامیاب ہے کہ دنیا میں بھی اس کی عزت ہو گی اور آخرت میں بھی اسے عظمت ملے گی' اس معنی کی تفسیر وہ آیت ہے **فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم** جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر مسلمان پر پورا عالم بننا فرض نہیں بلکہ ان میں ایک جماعت علماء کی بھی چاہئے' جب ہر شہر میں طبیب' حاکم' مستری' دکاندار وغیرہ ضرور ہونا چاہئے' ہر شہر میں عالم بھی ضرور ہونا چاہئے کہ ان سے دنیاوی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور عالم سے دینی حاجت روائی ہوتی ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اسلام میں تبلیغ بڑی اہم عبادت ہے کہ تمام عبادتوں کا فائدہ خود اپنے کو ہوتا ہے مگر تبلیغ کا فائدہ دوسروں کو بھی' لازم سے متعدی افضل ہے۔ درہ بنت ابولہب سے روایت ہے کہ کسی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہترین بندہ کون ہے! فرمایا اچھی باتیں بتانے والا' برائیوں سے روکنے والا' اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور صلہ رحمی کرنے والا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جو اچھی باتوں کا حکم دے' برائیوں سے روکے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی خلیفہ ہے اس کے رسول کا بھی' اس کی کتاب کا بھی' اگر مسلمانوں نے تبلیغ چھوڑ دی تو ان پر ظالم بادشاہ مسلط ہوں گے اور ان کی دعائیں قبول نہ ہوں گی (روح المعانی) حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں کہ اے لوگو بھلائی کا حکم دو' برائی سے منع کرو تمہاری زندگی بخیر گزرے گی' حضرت علی فرماتے ہیں کہ تبلیغ بہترین جہاد ہے (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے تبلیغ کرنا بہترین عبادت ہے ایسے ہی تبلیغ چھوڑ دینا بد ترین جرم اور چھوڑنے والا ذلیل و خوار جیسا کہ **ھم المفلحون** کے حصر سے معلوم ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ جو بھلائی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے وہ اوندھا لٹکایا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال ایک جہاز کے سواروں کی طرح ہے کہ اگر ایک شخص جہاز کا تختہ توڑے دوسرے اس کا ہاتھ

نہ پکڑیں تو سب ہی ڈوبیں گے 'سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو اپنے پرائے اور سارے پڑوسیوں اور دوستوں کا محبوب ہو 'وہ مداہن اور دین میں پلپلا ہے۔ دیندار کی پہچان یہ ہے کہ اس سے پرہیزگار راضی ہوتے ہیں اور فساق 'فجار 'کفار اس سے ناراض (تفسیر کبیر) صحابہ کرام پر آج تک بے دین تبرا کرتے ہیں 'کیوں؟ اس لئے کہ وہ **اشداء علی الکفار** اور **رحماء بینھم** تھے۔ **تیسرا فائدہ:** مناسب یہ ہے کہ تبلیغ پہلے نرمی سے کی جائے پھر سختی سے جیساکہ **یدعون** کے عموم سے معلوم ہوا 'رب تعالیٰ نے لڑنے والے مسلمانوں کے متعلق فرمایا **فاصلحوا بینھما فان بغت احدھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی** الخ الایہ یعنی پہلے تو ان میں صلح کرانے کی کوشش کرو 'اگر اس سے کام نہ چلے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو 'نافرمان بیویوں کے بارے میں فرمایا **واھجروھن فی المضاجع واضربوھن** معلوم ہوا کہ ایسی بیوی کی اصلاح پہلے بائیکاٹ سے کی جائے 'جب اس سے کام نہ چلے تب سزا دی جائے۔ **چوتھا فائدہ:** مطلقاً" تبلیغ ہر مسلمان کے ذمہ ہے جو مسئلہ اسے معلوم ہو دوسرے ناواقف کو بتائے جیساکہ **منکم** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** پورا مبلغ بننا اور اپنے کو تبلیغ کے لئے وقف کر دینا ہر مسلمان پر لازم نہیں 'بعض کر لیں کافی ہے جیساکہ **منکم** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** تبلیغ بقدر طاقت لازم ہے جیساکہ **یدعون** کے عموم سے معلوم ہوا 'چنانچہ طاقت سے تبلیغ حکام و سلاطین اور سرداروں کے ذمہ ہے 'زبانی تبلیغ علماء کے ذمہ جبکہ وہ اس پر قادر ہوں مجبوری کی حالت میں جبکہ زبان پر بھی قفل لگا دیئے گئے ہوں تب فقط دل سے برائیوں کو برا جاننا کافی ہے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اضعف ایمان ہے۔ **ساتواں فائدہ** بعض علماء نے **یدعون** کے عموم کو دیکھ کر فرمایا کہ بدعمل و فاسق بھی تبلیغ کرے کہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ بھی ہے اپنا عمل اسلام کا ایک حکم ہے اور دوسروں کو تبلیغ مستقل دوسرا حکم 'ایک حکم پر عمل نہ کرنے سے دوسرا حکم معاف نہیں ہو سکتا 'بے نمازی پر بھی روزہ اور حج فرض ہے (تفسیر کبیر) بعض فرماتے ہیں کہ فاسق کو تبلیغ کا کوئی حق نہیں 'وہ پہلے اپنے کو درست کرلے پھر دوسروں کو رب تعالیٰ فرماتا ہے **کبر مقتا" عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون** اور فرماتا ہے کہ **اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم**۔ **آٹھواں فائدہ:** برائیوں سے روکنا مطلقاً" واجب ہے مگر اچھائیوں کا حکم کبھی واجب کبھی سنت کبھی مستحب 'جیسی اچھائی ویسا اس کا حکم 'فرائض کا حکم دینا فرض ہے 'واجبات کا حکم واجب اور مستحبات کا حکم دینا مستحب۔ **نواں فائدہ:** غیر مکلف چھوٹے بچوں کو بھی خوبیوں کا حکم دیا جائے اور برائیوں سے روکا جائے تاکہ وہ ہوش سنبھالنے سے پہلے نیک بن جائیں 'بچہ ہری شاخ کی طرح ہے جدھر چاہو موڑ لو 'بڑا ہو کر خشک بانس ہو جائے گا کہ سیدھا کرنے پر ٹوٹ جائے گا۔ یہ بھی **یدعون** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تمہارے بچے سات برس کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر سزا دو۔

پہلا اعتراض: تمہاری دو تفسیروں میں تعارض ہے۔ پہلی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے ذمہ تبلیغ ہے اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف مخصوص جماعتوں کے ذمہ تبلیغ ہے 'نیز آیت کریمہ **کنتم خیر امۃ** اور دوسری آیت **فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ** الخ بھی آپس میں متعارض ہیں کہ پہلی آیت سارے ہی مسلمانوں کو مبلغ بتا رہی ہے اور دوسری بعض کو 'تو بتاؤ تبلیغ کو فرض عین کہیں یا کفایہ؟ **جواب:** اس اعتراض کا جواب فائدوں کے بیان میں گزر گیا

کہ مطلقاً تبلیغ ہر مسلمان پر لازم ہے کیونکہ ہر مومن کو بقدر ضرورت مسائل سیکھنا بھی فرض ہیں اور جانے ہوئے مسئلہ کا نہ جاننے والے کو بتانا بھی فرض ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **بلغوا عنی ولو اٰیۃ**" اور پوری تبلیغ یعنی اپنے کو تبلیغ کے لئے وقف کر دینا کفایہ ہے لہٰذا نہ دونوں آیتوں میں تعارض ہے نہ اس آیت کی دو تفسیروں میں کوئی اختلاف۔ **دوسرا اعتراض:** اگر سارے ہی مسلمان مبلغ ہوں پھر تبلیغ کریں تو کس کو؟ **جواب:** ہر ایک دوسرے کو جو جس مسئلہ سے واقف ہو وہ مبلغ بنے اور ناواقف مبلغ روح البیان نے فرمایا کہ غیر مکلفوں کو بھی تبلیغ کرو' چنانچہ بچوں کو جوئے' شراب اور ترک نماز وغیرہ محرمات سے روکو اور پاگلوں کو نقصان رسانی' لوگوں کو پتھر مارنے اور اشیاء کو توڑ پھوڑ سے روکو' اگر قابو نہ آئیں تو پاگل خانے میں بھجوادو۔ **تیسرا اعتراض:** کیا فساق فجار بھی تبلیغ کریں' اگر تبلیغ نہ کریں تو اس آیت کے خلاف ہے اور اگر کریں تو آیت کریمہ **لم تقولون** الخ اور **تنسون انفسکم** کے خلاف ہے۔ **جواب:** حق یہ ہے کہ وہ بھی تبلیغ کریں' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں سے بھی اس دین کی تائید فرمائے گا' تمہاری پیش کردہ آیات کا یہ منشاء نہیں ہے کہ فاسق تبلیغ چھوڑ دیں بلکہ منشاء یہ ہے کہ تبلیغ باقی رکھیں فسق چھوڑ دیں' بہت مرتبہ تبلیغ کی برکت سے فاسق متقی بن جاتے ہیں انہیں اپنے فسق پر خود شرم آجاتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر ایک تبلیغ فرض کفایہ بھی ہے تو اس کے چھوڑنے پر سارے مسلمان گنہگار ہوں گے یا صرف علماء؟ **جواب:** یہ مسئلہ بڑے معرکہ کا ہے کہ فرض کفایہ سب پر فرض ہوتا ہے یا بعض معین یا بعض غیر معین پر' اس جگہ تفسیر کبیر و روح المعانی نے بڑے معرکہ کی بحثیں کی ہیں' حق یہ ہے کہ فرض کفایہ فرض تو سب پر ہوتا ہے کہ اگر کوئی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے' اگر سب پر فرض نہ ہوتا تو ترک سے سب گنہگار کیوں ہوتے' لیکن بعض کے ادا کر دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے یعنی یہ بعض بقیہ سب کے نائب ہوں گے' نائب کے کر لینے سے واجب ادا ہو جانا قرین قیاس ہے' سوائے زکوٰۃ اور ادائے قرض نائب کر سکتا ہے۔ ملزم کی طرف سے اس کا وکیل یا ضامن قاضی کی کچہری میں حاضر ہو سکتا ہے' فقیر کی اس تھوڑی سے تقریر سے' بفضلہ تعالیٰ مسئلہ کی وضاحت اور شکوک کا خاتمہ ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان دو قسم کے ہیں ایک اہل حجاب' دوسرے اہل مشاہدہ' اہل حجاب وہ ہیں جن کی حقیقت حال تک رسائی نہیں بجن کی عقل تقلید کے حجابوں میں محجوب ہے۔ اہل مشاہدہ وہ ہیں جن کی عقل پر روحانیت غالب ہے اور وہ انا سے فناء کی طرف منتقل ہو گئے ہیں' ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

عقل اندر حکم دل یزدانی است ۔ چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

صوفیاء کے ہاں یہی شعور والے **مفلحون** اور کامیاب ہیں' ان بزرگوں کی اصطلاح میں کمال مطلق کا نام خیر مطلق ہے اور کمال مطلق تک پہنچانے والا کمال اضافی ہے اور جو کمال اضافی سے قریب کرے وہ معروف ہے اور جو اس سے دور کرے وہ منکر ہے۔ آیت کریمہ میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ اے مسلمانوں تم میں دل والوں اور اولیاء اللہ کی ایک جماعت رہنی چاہئے جو کسی کو نظر سے' کسی کو ذکر سے' کسی کو بتا کر' کسی کو دکھا کر' کسی کو سمجھا کر' خیر یعنی کمال مطلق کی طرف دعوت دیتے رہیں اور معروف یعنی اسباب خیر کا حکم دیتے رہیں اور منکر یعنی خیر کی رکاوٹوں سے بچاتے رہیں' ان بزرگوں کا وجود باجود زمین میں غنیمت ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **بھم یرزقون و بھم یمطرون** انہی کی برکت سے مخلوق کو روزیاں ملتی ہیں اور انہی کی طفیل

بارشیں آتی ہیں' صوفیاء کی اصطلاح میں دعوت الی الخیر اور ہے امر بالمعروف کچھ اور۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ ایسے کامیاب ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے بھی متقین کی جماعت سے ہو جاتے ہیں' جو ملک ان سے خالی ہو جائے وہاں عذاب الٰہی آ جاتا ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک ایسی بستی پر بھی عذاب آ گیا تھا جن میں اٹھارہ ہزار نیک انبیائے کرام کے سے کام کرنے والے موجود تھے' عرض کیا گیا کیوں؟ فرمایا کہ ان میں کوئی اللہ کے لئے غصہ کرنے والا' اچھائیوں کا حکم دینے والا اور برائیوں سے روکنے والا نہ تھا (از روح البیان)۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
اور نہ ہو مثل ان کے جو جدا جدا ہو گئے اور اختلاف کر بیٹھے اس کے پیچھے کہ آ گئیں ان تک
اور ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ پڑے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن
الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ
روشن نشانیاں ، اور یہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے عذاب ہے بڑا جس دن سفید ہوں گے بعض چہرے
نشانیاں انہیں آ چکی تھیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن کچھ منہ اجیالے ہوں گے
وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ
اور کالے ہوں گے بعض چہرے تو لیکن وہ لوگ کہ کالے ہوئے ان کے منہ کیا کفر کیا تم نے بعد
اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر
اِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِينَ
تمہارے ایمان لانے کے تو چکھو تم عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے اور لیکن وہ لوگ
کافر ہوئے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ اور وہ جن کے منہ
ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۰۷﴾
کہ سفید ہوئے چہرے ان کے پس وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
اجیالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو! تم میں ایک مبلغ جماعت بھی رہے اور تبلیغ تقریر سے بھی ہوتی ہے شمشیر سے بھی' شمشیری تبلیغ کے لئے اسلامی حکومت کا قیام ضروری ہے اور حکومت کا قیام اتفاق مسلمانوں کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اب مسلمانوں کو افتراق سے روکا جا رہا ہے اور اتفاق

کی ہدایت دی جا رہی ہے۔ گویا پہلے تبلیغ کا حکم تھا اور اب تبلیغ کے شرائط پورے کرنے کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں اہل کتاب کی کتاب اللہ میں ملاوٹ کرنے اور لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈالنے کا ذکر تھا اب مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم ان جیسے نہ ہونا' صحیح اسلام کی تبلیغ کرنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو دوسروں کی اصلاح کا حکم دیا گیا' اب انہیں خود اپنے آپ کو درست رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ غرضکہ اصل مقصود کا ذکر پہلے تھا اور اس کی شرط کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **ولا تکونوا** اس میں بھی خطاب یا اوس' خزرج سے ہے یا تمام صحابہ سے یا تاقیامت سارے علمائے مبلغین سے یا سارے مسلمانوں سے' چوتھی بات نہایت قوی ہے' کیونکہ قرآنی احکام کا عموم رکھنا ضروری ہے' اگرچہ کسی خاص موقعہ پر نازل ہوئے ہوں **کان** یا اپنے معنے میں ہے یا **صار** کے' یعنی نہ ہو جانا یا نہ بن جانا' **کالذین** ک تشبیہ کا ہے **الذین** سے مراد یہودی و عیسائی ہیں کہ یہود کے اکہتر (71) فرقے ہو گئے تھے جن میں سے اس وقت ایک جنتی تھا اور باقی ستر (70) دوزخی اور عیسائی بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے جن میں ایک جنتی باقی اکہتر (71) دوزخی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ میری امت کے تہتر (73) فرقے ہوں گے جن میں ایک جنتی باقی دوزخی' جیسا کہ ابن ماجہ نے عوف ابن مالک سے اور احمد نے حضرت معاویہ اور انس سے روایت کیا (روح المعانی و کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ ان فرقوں میں ایک کا جنتی ہونا اس زمانہ میں تھا اب وہ سارے ہی فرقے دوزخی ہیں' کیونکہ وہ دین ہی منسوخ ہو چکے' اور مسلمانوں کے یہ فرقے صحابہ کرام کے بعد پیدا ہوئے خود صحابہ میں نہ تھے' اگرچہ ان کے زمانہ میں کچھ پیدا ہو چکے تھے' اسلام میں جنتی فرقہ ہمیشہ موجود رہے گا۔ (تفسیر صاوی) **تفرقوا واختلفوا** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں افتراق و اختلاف ایک ہی معنے میں ہیں یعنی حسد سے بعض اہل کتاب کا بعض پیغمبروں کو ماننا اور کچھ لوگوں کا دوسرے بعض کو ماننا' باقیوں کا انکار کرنا جیسے یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور عیسائی عزیر علیہ السلام کے انکاری تاکیداً "مکرر لفظ لایا گیا' بعض نے فرمایا کہ افتراق سے مراد ہے جسمانی علیحدگی اور اختلاف سے ایمانی علیحدگی یعنی اہل کتاب کے پوپ پادری امامیات میں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے معتقدین کے ساتھ الگ الگ مقام بنا لئے اور ان میں راج کرنے لگے' بعض نے فرمایا کہ افتراق سے مراد ہے حسد اور عداوت کا افتراق اور اختلاف سے دین کی جدائی' بعض نے کہا کہ افتراق سے مراد ہے اصول دین میں علیحدگی' اور اختلاف سے مراد ہے فروع دین میں جھگڑے بازی اور سر پھٹول (تفسیر کبیر و معانی و خازن و مدارک وغیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ افتراق سے مراد دینی جھگڑے ہوں اور اختلاف سے نسبی' خاندانی' قومی و ملکی امتیازات جیسا کہ اب بھی عیسائیوں میں دیکھا جا رہا ہے کہ یورپین عیسائی' ایشیائی عیسائیوں کو ذلیل جانتے ہیں' کالے اور گورے عیسائیوں کے کشت و خون کی خبریں برابر آتی رہتی ہیں' یہ لوگ ایک گرجا میں عبادت نہیں کر سکتے' اور مرے بعد ایک قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتے' گورے عیسائیوں کا اور قبرستان اور کالوں کا اور **من بعد ما جاء هم البینت'** بینت کے معنی بار بار بیان کئے جا چکے ہیں اس سے مراد توریت و انجیل یا قرآن حکیم کی واضح آیات ہیں یا عقلی دلائل جن سے پتہ لگتا ہے کہ دینی و دنیاوی اتفاق و اتحاد نہایت ضروری ہے اور فساد و جھگڑے دین و دنیا کی ہلاکت کا باعث ہیں چونکہ بینت مونث لفظی ہے جس کا فعل مذکر بھی آ سکتا ہے' مونث بھی اس لئے جاء مذکر لایا گیا **و اولئک لهم عذاب عظیم'** **اولئک** سے اختلاف و افتراق پیدا کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے یعنی جو لوگ نئے فرقے اور جدید مذہب ایجاد کر کے کتاب اللہ میں فاسد

تاویلیں گھڑ کر لوگوں میں فرقے بنا دیتے ہیں **لھم** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ بڑا عذاب ان فرقہ سازوں کو ہو گا اور سادہ لوح لوگوں کو ان سے ہلکا۔ عذاب کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں **عظیم** فرما کر یہ بتایا گیا کہ انہیں اتنا بڑا عذاب ہو گا جو تمہارے خیال و گمان و وہم سے وراء ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جماعت مسلمین سے ایک بالشت بھی الگ ہو گیا اس نے اسلام کا پھندا اپنے گلے سے نکال دیا (ابو داؤد)۔ امام بغوی نے بروایت حضرت عمر مرفوعاً" نقل کیا کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنت کے وسط میں رہنا چاہتا ہے وہ دنیا میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہے " کہ بھیڑیا ریوڑ سے دور رہنے والی بکری کو شکار کرتا ہے' اور شیطان جماعت مسلمین سے علیحدہ رہنے والے کا **یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ** یوم یا تو **لھم** کے متعلق کا ظرف ہے یا **اذکروا** یا **اذکر** پوشیدہ کا یعنی یہ عذاب اس دن ہو گا یا اے مسلمانو وہ دن یاد کرو یا یاد رکھو' یا اے محبوب انہیں وہ دن یاد دلاؤ' یوم دن کو بھی کہتے ہیں اور وقت کو بھی' یہاں وقت مراد ہے کیونکہ قیامت میں سورج والا دن نہ ہو گا' سفیدی و سیاہی سے مراد یا تو خوشی و غم کے آثار کا چہرے پر ظاہر ہونا ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ظل وجھہ مسودا**" لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر کفار مکہ کے چہرے کالے پڑ جاتے ہیں یا حقیقی سفیدی و سیاہی مراد ہے یہی ظاہر ہے بلاوجہ حقیقی معنی چھوڑنا نہ چاہئیں' قیامت میں مومنوں کے چہرے بقدر قوت ایمان و تقویٰ چمکیلے ہوں گے حتیٰ کہ بعض کے منہ دوپہر کے آفتاب سے زیادہ روشن ہوں گے (صاوی) اور کفار کے چہرے بقدر کفر و بدکاری کالے۔ خیال رہے کہ یہ سیاہی سفیدی سارے جسم پر ہی ہو گی مگر چونکہ پہلے چہرہ ہی نظر آتا ہے اور حسن و بدصورتی کا چہرے پر ہی مدار ہے' اس لئے صرف چہرے کا ذکر فرمایا گیا' یہ رنگوں کے اختلاف یا قبروں سے اٹھتے ہی ہوں گے یا وزن اعمال کے وقت یا مومن و کافر کی چھانٹ کے وقت جبکہ اعلان ہو گا **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون** اے مجرمو مومنین سے چھٹ جاؤ' یا نامہ اعمال کی تقسیم کے وقت' حق یہ ہے کہ قبر سے اٹھتے وقت ہی رنگتیں مختلف ہوں گی' مگر مذکورہ بالا موقعوں پر ان رنگوں میں تیزی آ جائے گی (از روح المعانی) **فاما الذین اسودت وجوھھم** اجمال میں پہلے سفید چہروں کا ذکر تھا مگر تفصیل میں پہلے روسیاہوں کا ذکر ہے بعد میں نورانی چہرے والوں کا' تاکہ یہ مضمون مرحومین ہی کے ذکر سے شروع ہو اور اسی پر ختم اور پتہ لگے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غضب پر غالب ہے اور اس کے پڑھنے و سننے والے خوشی پر یہ مضمون ختم کریں (تفسیر کبیر) **اکفرتم بعد ایمانکم** اس میں بہت گفتگو ہے کہ یہ خطاب کس سے ہے اور فرمانے والا کون ہے اور یہ سوال کیوں ہے' سوال تو انہیں شرمندہ کرنے یا ان سے اقرار کفر کرانے یا ان پر اظہار غضب کرنے کے لئے ہے نہ کہ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے' کیونکہ ان کا کفر رب تعالیٰ کو بھی معلوم ہے فرشتوں کو بھی' انبیائے کرام کو بھی' بلکہ سارے حاضرین محشر کو' ان کا چہرہ ہی ان کے کفر کا چلتا پھرتا اشتہار ہے اور یہ سیاہی ان کے دلوں کی سیاہی کا کھلا پتہ ہے' فرمانے والا یا خود رب تعالیٰ ہے یا عذاب کے فرشتے یا انبیائے کرام یا سارے مسلمان' رہا یہ کہ کس سے خطاب ہے اس میں چند قول ہیں' چنانچہ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ منافقین سے خطاب ہو گا جو زبان سے ایمان لائے اور دل میں کافر رہے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ خطاب مرتدین سے ہو گا' بعض نے فرمایا یہ خطاب خوارج سے ہو گا جنہوں نے حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر خروج کیا' چنانچہ جب جناب علی مرتضیٰ نے ان مردودین کے سر لٹکوائے تو حضرت زید ابن وہب نے ان سروں کو دیکھ کر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا' پھر پوری حدیث خوارج ارشاد فرمائی کہ یہ بے ایمان نمازی' روزہ دار' قاری' حافظ ہونے کے باوجود

دین سے ایسے نکل گئے جیسے تیر کمان سے یا شکار سے مگن تو بعیوں کی بناء پر **بعد ایمانکم** بالکل ظاہر ہے مگر ایک قول یہ ہے کہ سارے کفار سے خطاب ہے کہ میثاق کے دن سب ہی **قالوا بلی** کہہ کر ایمان لا چکے تھے کفر کی بیماری دنیا میں آکر لگی' ان دو صورتوں میں ایمان سے مراد شرعی ایمان نہیں بلکہ کتابی یا میثاقی ایمان مراد ہے (تفسیر خازن و کبیر و صاوی وغیرہ) **فذوقوا العذاب** یہ ف حالیہ ہے **ذوقوا** ذوق سے بنا بمعنی چکھنا' عذاب کو اس کڑوی چیز سے تشبیہ دی گئی جو چکھ کر تھوک دی جائے اس کے نگلنے کی طاقت نہ ہو' عربی میں بلکہ اردو میں بھی سزا پانے کو چکھنے سے تعبیر کیا جاتا ہے' کہا جاتا ہے کہ تجھے اپنی بد کاریوں کو مزا چکھنا ہو گا' اکثر کفار کی سزا کو عقاب یا عذاب کہتے ہیں اور گنہگار مسلمانوں کی سزا کو عتاب' یہاں چونکہ کفار سے خطاب ہے اس لئے عذاب فرمایا گیا' یہاں روح المعانی نے فرمایا کہ کافر ہر رونگٹے سے یہ عذاب چکھے گا اور محسوس کرے گا **العذاب** میں الف لام عہدی ہے اور اس سے بڑا عذاب مراد ہے یا وہ عذاب جس کی دنیا میں انہیں خبر دے دی گئی تھی **بما کنتم تکفرون** ب سببیہ ہے **تکفرون** سے یہ بتایا گیا کہ یہ عذاب کفر کے سبب ہے خواہ کفر اصلی ہو یا ایمان کے بعد کا' لہٰذا اصلی کافر اور مرتد دونوں عذاب پائیں گے' اس آیت نے **بعد ایمانکم** کے معنی واضح کر دیئے۔ خیال رہے کہ مومن کے چہرے کی سفیدی ایمان کے باعث بھی ہو گی اور نیک اعمال کے باعث بھی' خصوصاً" وضو کی وجہ سے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لہٰذا جن مسلمانوں کو عمل کا وقت ہی نہ ملا یا وقت ملا مگر شامت نفس سے اعمال کئے نہیں ان کے چہرے بھی ایمان کی وجہ سے ضرور سفید ہوں گے اگرچہ یہ سفیدی متقین کی سی نہ ہو **ففی رحمۃ اللہ** یہاں اللہ کی رحمت صفت الٰہی مراد نہیں کیونکہ وہ کسی کا ظرف نہیں بن سکتی بلکہ یا رحمت کے آثار مراد ہیں یا رحمت کی جگہ یعنی جنت مراد' اس میں اشارۃً" فرمایا گیا کہ بخشش اور جنت جسے بھی ملے گی' اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے ملے گی نہ کہ محض اپنے اعمال سے بلکہ اعمال کی توفیق ملنا بھی اس کی مہربانی سے ہی ہے یعنی سفید چہرے والے مومن قیامت میں تو اللہ تعالیٰ کی بخشش میں ہوں گے پھر اللہ کی جنت میں **ھم فیھا خلدون فیھا** کا مرجع رحمت ہے یعنی مومنوں پر یہ رحمت دنیاوی نعمتوں کی طرح عارضی نہ ہو گی بلکہ دائمی ہو گی کہ نہ انہیں موت آئے گی نہ جنت فنا ہو گی اور نہ یہ وہاں سے نکالے جائیں گے' یہاں دوبارہ **فیھا** فرمانے میں تاکید بھی ہے اظہار رحمت بھی اور لذت بھی۔

خلاصہ تفسیر: اے انصاریو یا اے صحابہ یا اے علمائے اسلام تم اخلاق' عادات' صورت سیرت' لڑائی بھڑائی' تفرقہ بازی اور مذاہب سازی میں کبھی ان اہل کتاب کی طرح نہ ہو نا جو آپس میں' دین میں پھٹ گئے اور جن میں پھوٹ پڑ گئی جس کے باعث ان میں دینی فرقے پیدا ہو گئے اور ملکی' قومی و زبانی پارٹی بندیاں اور ان کی یہ ساری حرکتیں بے خبری' نا سمجھی' نادانی سے نہ تھیں ان کے پاس کتاب الٰہی پہنچ چکی تھی جس میں انہیں سنبھالنے کے لئے روشن آیتیں موجود تھیں وہ کتابوں سے خود نہ بنے بلکہ کتابوں کو بگاڑ دیا' اس طرح کہ انہوں نے اپنے کو کتب کے سانچے میں نہ ڈھالا بلکہ کتب الٰہیہ کو اپنے سانچے میں ڈھالا' ان لوگوں کو ایسی مار و سزا دی جائے گی جو خیال و گمان اور وہم سے وراء ہے' مگر آج نہیں بلکہ اس دن جب تمام مخلوق جمع ہو گی اور مومن و کافر چھانٹ دیئے جائیں گے کہ کافروں کے منہ کالے ہوں گے' مومنوں کے اجیالے' کافروں سے پرسش ہو گی کہ بد نصیبو تم ہمارے ہاں سے مومن گئے تھے' وہاں جا کر کافر ہو گئے' لہٰذا اب تم اپنے اعتقادی دائمی کفر کی وجہ سے اور ان کفریہ عملوں کی وجہ

سے جو تم کرتے رہتے تھے عذاب کا مزا چکھو اور ہمیشہ چکھتے رہو' رب اجیالے منہ والے وہ تو قبر میں بھی حشر میں بھی اور حشر کے بعد بھی اللہ کی رحمت یعنی مغفرت و جنت میں ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کہ نہ انہیں موت آئے اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: مسلمانوں کو کفار کی مشابہت سے بچنا چاہئے کہ صورت' سیرت' لباس' اخلاق' نام و کلام ہر چیز میں ان سے ممتاز رہیں' جب دنیا میں ہر محکمے کی وردی علیحدہ ہے تو مومن کی وردی بھی علیحدہ چاہئے جیسا کہ **لا تکونوا** الخ سے معلوم ہوا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مسلمان ہو کر عیسائیوں کی وضع قطع پسند کرتے ہیں' اب تو مسلمانوں نے اپنے نام بھی بگاڑنا شروع کر دیئے اللہ ہدایت دے۔ دوسرا فائدہ: نااتفاقی اور پھوٹ کا مجرم وہ ہو گا جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر نئی راہ نکالے جو پرانے اسلامی راستہ پر ہے وہ مجرم نہیں جیسا کہ **تفرقوا** سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی** لہٰذا جماعت اہلسنت حق پر ہے اور باقی فرقے پھوٹ ڈالنے والے ہیں' پولیس اور ڈاکو اگر آپس میں جنگ کریں تو مجرم ڈاکو ہیں نہ کہ پولیس کے سپاہی۔ تیسرا فائدہ: قوم کا اتفاق اللہ کی رحمت ہے اور قوم میں پھوٹ رب تعالیٰ کا عذاب خواہ دینی فرقہ بندی ہو یا دنیوی فسادات جیسا کہ **تفرقوا** اور **اختلفوا** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے زیادہ خطرناک بھی ہے اور سخت عذاب کا باعث بھی' ایک عالم کی غلطی سارے عالم کو تباہ کر سکتی ہے' انجن کے ڈرائیور کی غلطی ساری ٹرین کو تباہ کر دیتی ہے جیسا کہ **من بعد ما** الخ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اگر عالم سنبھل جائے تو اس کے لئے ثواب بھی بہت ہے اور اگر بگڑے تو اس کے لئے عذاب بھی سخت' جیسا **لھم** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا۔

حکایت: امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کہیں جا رہے تھے ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص مدہوش سا ہے' چلنے میں لڑکھڑا رہا ہے' آپ نے فرمایا' ہوش کر! گر نہ جانا! وہ بولا اے امام میری فکر نہ کرو اپنی کرو میں گروں گا تو اکیلا' تم گرو گے جہان گرے گا' مجھ پر اپنی جان کی ذمہ داری ہے' آپ پر جہان کی۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں ہر مومن و کافر کی پہچان ان کے چہروں سے ہی ہو جائے گی تو جو یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں مومن و کافر کو نہ پہچانیں گے وہ جھوٹا ہے اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔ ساتواں فائدہ: بلکہ مومن کے ایمانی درجے اور کافروں کے کفر کے درجے بھی ان کے چہروں سے ہی معلوم ہوں گے' یہ دونوں فائدے **تبیض** اور **تسود** الخ سے معلوم ہوئے۔ آٹھواں فائدہ: ہر سوال پوچھنے والے کی بے علمی سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے مقاصد اور بھی ہوتے ہیں' دیکھو رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے مگر پھر کافروں سے پوچھے گا **اکفرتم بعد ایمانکم** لہٰذا جو کہتے ہیں کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا تو فلاں سے یہ بات کیوں پوچھتے وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ نواں فائدہ: سزا اور جزاء عذاب و ثواب قیامت ہی میں ہو گا' دنیا اس کی جگہ نہیں' جیسا کہ **یوم تبیض** سے معلوم ہوا' دنیا میں اگر کافر کو تکلیف پہنچ جائے یا مومن کو کچھ راحت' تو قیامت میں اسے وضع نہ کیا جائے گا' حوالات کا زمانہ قید کی مدت سے وضع نہیں ہوتا اور نہ بیعانہ تنخواہ سے کٹے۔ دسواں فائدہ: ہر قسم کا کفر دائمی عذاب کا باعث ہے' ہاں کفر کے مراتب کے لحاظ سے عذاب کی نوعیتوں میں فرق ہو گا جیسا کہ **تکفرون** کے عموم سے معلوم ہوا۔ گیارھواں فائدہ: کسی مومن کا خواہ

کیساہی گنہگار ہو قیامت میں منہ کالا نہ ہوگا اور نہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے جیسا کہ **الذین ابیضت** کے عموم سے معلوم ہوا' ایمان دل کا نور ہے' جس کا ظہور قیامت میں چہرے پر ہو گا۔ **بارہواں فائدہ:** کوئی شخص اپنے عمل سے جنت نہیں پاسکتا جب تک رب تعالیٰ اپنا فضل نہ فرمائے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس کا عمل جنت میں نہ پہنچائے گا بغیر رب تعالیٰ کی رحمت کے' عرض کیا گیا نہ آپ کو فرمایا نہ مجھے مگر یہ کہ رب تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے (کتب احادیث و روح المعانی)۔ **تیرہواں فائدہ:** جنت' جنت کی نعمتوں اور جنتیوں کو فنا نہیں جیسا کہ **خلدون** سے معلوم ہوا۔ خیال رہے: کہ کوئی چیز خدائے تعالیٰ کے سواء ازلی قدیم نہیں' ہاں اس کے حکم و ارادے سے چیزیں ابدی ہو باقی ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **کل من علیھا فان** جو زمین پر ہیں انہیں فنا ہے معلوم ہوا جو جنت میں ہیں انہیں فنا نہیں' یہ بات بڑی اہم ہے خیال میں رکھی جائے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تفرقہ و اختلاف بہت بری چیز ہے اور تفرقہ پیدا کرنے والے لوگ بدترین مخلوق اور سخت عذاب کے مستحق ہیں تو چاہئے کہ مذہب حنفی شافعی وغیرہ بھی غلط ہوں اور قادری چشتی وغیرہ بھی' ایک اسلام کو شریعت و طریقت کے آٹھ سلسلوں میں بانٹنا بدترین جرم ہے۔ (غیر مقلد)

دین حق را چار مذہب ساختند فتنہ در دین نبی انداختند

جواب: اس کے تین جواب ہیں دو الزامی اور ایک تحقیقی' پہلا جواب الزامی یہ ہے کہ پھر تو آپ حضرات بھی اس آیت کی زد میں آگئے کہ آپ لوگوں میں بھی امرتسری' روپڑی' ثنائی اور غزنوی فرقے موجود ہیں جن کا آپس میں جھگڑا رہتا ہے' ہمارے سامنے غزنوی پارٹی کی وہ مطبوعہ کتاب موجود ہے جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب پر چالیس طرح سے گمراہی کا حکم نافذ کیا گیا ہے اور ان کی تفسیر ثنائی کو کتاب و سنت کے خلاف بتایا گیا ہے' دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ پھر دنیا سے علم حدیث و تفسیر ختم ہو گیا' کیونکہ سارے محدثین و مفسرین کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں' اور مقلد تو بقول تمہارے عذاب عظیم کے مستحق ہیں تو تم ان کی حدیثیں مان کر اس عذاب میں کیوں داخل ہوئے جاتے ہو؟ **جواب:** تحقیقی یہ ہے کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ افتراق سے دینی و اصولی فرقہ بندیاں مراد ہیں' جس سے ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ کہا جائے اور اختلاف سے جھگڑا فساد و خونریزی مراد ہے جو کہ اہل کتاب کے فرقوں میں پھیلا ہوا تھا الحمد للہ چاروں اماموں کے اختلافات کو ان سے دور کا تعلق بھی نہیں' ان کا اختلاف تحقیقی کا اختلاف ہے جس سے دین صاف اور واضح ہو گیا' اجتہادی مقدس اختلاف کا ذکر تو قرآن حکیم میں ہے' دیکھو ایک مقدمہ میں داؤد علیہ السلام کا اور اجتہاد و فیصلہ تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ کچھ اور' رب تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی تائید فرمائی کہ فرمایا **ففھمنھا سلیمن** مگر حضرت داؤد علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا' ان مذاہب کا اختلاف ایسا ہے جیسے لوگ ایک قافلہ میں مختلف کام کرتے ہوئے مکہ معظمہ جائیں' کوئی علاج معالجہ کرتا ہوا' کوئی کھانے وغیرہ کا انتظام کرتا ہوا کہ راستہ و مقصد سب کا ایک ہی ہے اور سب مکہ معظمہ پہنچ جائیں گے مگر طریقہ کار جدا گانہ اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول و دوم میں دیکھئے۔ **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے اس ممانعت کی عظمت کے اظہار کے لئے یعنی اے مسلمانو فرقہ بندی اور لڑنا بھڑنا تو کیا تم لڑنے بھڑنے والوں کی مثل بھی نہ ہونا یعنی ان سے مشابہت بھی پیدا

نہ کرنا' جیسے کہا جائے کہ تم بے نمازیوں کی طرح نہ بننا' افسوس کہ مسلمان اس سبق کو بھول گئے اور مسلمانوں میں ایسے فرقے پیدا ہو گئے کہ خدا کی پناہ' امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں اسی مقام پر اپنے زمانہ کے علماء کا رونا رو دیا ہے' فرماتے ہیں افسوس یہ عیب ان میں پیدا ہو گئے تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا۔ **تیسرا اعتراض:** لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑا عذاب صرف جھگڑالو پوپ پادریوں کو ہی ہو گا حالانکہ دوسری آیتوں میں اوروں کے لئے بھی بڑے عذاب کی خبر دی گئی ہے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** ہرگز نہیں' بڑائی چھوٹائی اضافی امور میں سے ہے' ہر چیز اپنے نیچے والی کے لحاظ سے بڑی ہوتی ہے' اوپر والی کے لحاظ سے چھوٹی' نیز بڑائی کی مختلف نوعیتیں ہیں' ایک قسم کا بڑا عذاب ان پوپ پادریوں کے لئے خاص ہے' اور دوسری قسم کے بڑے عذاب منافقین وغیرہ کے لئے۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ محشر میں مومن و کافر چہروں سے ہی پہچان لئے جائیں گے حالانکہ مسلم' بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرتدین کو بھی نہ پہچان سکیں گے' جب وہ حوض پر آتے ہوئے روکے جائیں گے تو سرکار فرمائیں گے یہ میرے صحابہ ہیں' جب فرشتے عرض کریں گے کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے تب آپ کو پتہ لگے گا۔ **جواب:** یہ غلط ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تو خبر دے رہے ہیں بلکہ اسی حدیث میں فرماتے ہیں **اعرفھم** میں انہیں پہچانتا ہوں کہ وہ کون ہیں' پھر وہ بھول جائیں ناممکن ہے انہیں اصحاب فرمانا طعن کے لئے ہو گا جیسے رب تعالیٰ جہنمی کفار سے فرمائے گا **ذق انک انت العزیز الکریم**' **پانچواں اعتراض:** کافروں کے منہ کالے ہوں اور متقی مومنوں کے منہ اجیالے تو فساق کے چہرے کیسے ہوں گے کہ یہ تو نہ کافر ہیں نہ مومن۔ **جواب:** **معاذ اللہ** فاسق عملی مومن ہے اس کا چہرہ سفید ہو گا' ایمان ایک نور ہے کیونکہ ہمارے ہاں کفر و ایمان کے درمیان کوئی درجہ نہیں اس کی دلیل یہی آیت ہے' معتزلہ کہتے ہیں کہ فاسق نہ مومن ہے نہ کافر' اور خوارج' فاسق کو کافر کہتے ہیں' اس آیت میں دونوں کی تردید ہے' ہاں فاسق کے چہرہ کا نور متقی کے نور کے برابر نہ ہو گا' بعض فساق کے چہروں پر داغ دھبے بھی ہوں گے' جو شفاعت کے پانی سے دھل جائیں گے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف کافروں کو ہو گا مومن کتنا ہی گناہ کرے اسے عذاب سے کوئی تعلق نہیں کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **بما کنتم تکفرون** (مرجیہ اور زمانہ کے دتے شاہی ملنگ)۔ **جواب:** یہ کفر کی قید دائمی عذاب کے لئے ہے جیسا کہ خذ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' دائمی جہنمی ہونا کفار ہی کے لئے ہے۔ **ساتواں اعتراض:** جب جنتیوں کے لئے جنت میں ہمیشگی ہے اور کافروں کے لئے دوزخ میں ہمیشگی تو پھر یہاں **ھم فیھا خلدون** صرف مومنوں کے لئے آیا' کفار کے لئے کیوں نہیں آیا؟ **جواب:** اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رحمت غضب پر غالب ہے (تفسیر کبیر) **آٹھواں اعتراض:** یہاں عذاب کو کفار کے کفر کی طرف نسبت کیا گیا جو ان کا اپنا فعل ہے اور جنت کو رحمت کی طرف' فصاحت تو یہ تھی کہ جب وہاں **تکفرون** فرمایا تھا تو یہاں **تئومنون** فرمایا جاتا۔ **جواب:** اس میں ہم بندوں کو تعلیم ادب ہے کہ ہمیشہ برائیوں کو اپنی طرف نسبت کرو اور خوبیوں کو رب تعالیٰ کی طرف۔ جو جنت میں گیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گیا اور جو دوزخ میں گیا وہ اپنی بری حرکتوں سے گیا۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے ہم کو دل بھی دیا ہے روح بھی اور نفس بھی' دل کا میلان نور کی طرف ہے اور نفس کا میلان نار کی طرف' شیطان نفس کا مددگار ہے اور فرشتہ دل کا معاون' ان کی آپس میں ہمیشہ جنگ ہے' بعض خوش نصیبوں کا نفس دل سے

مغلوب ہو کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور اس کے ساتھ متفق ہو جاتا ہے بلکہ دل کے ساتھ تعاون کرتا ہے' اور بعض لوگوں کے نفوس دل سے نہیں دبتے بلکہ دل کی آواز کو دبا دیتے ہیں' پہلی جماعت متفقین کی ہے اور یہ جماعت متفرقین کی جن کے نفس و دل الگ الگ رہے' فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جن کا نفس دل سے متفق نہ ہو سکا' اس سے الگ ہی رہا' باوجودیکہ دل کو اسلحہ و سامان جنگ یعنی بینات بہت دیئے گئے' ایسے لوگوں کا انجام خراب ہے اور یہ بڑے عذاب کے مستحق ہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے دنیا میں اندرونی مرض و صحت' خوشی و غم کے آثار چہروں پر نمودار ہو جاتے ہیں' ایسے ہی قیامت میں دلی کفر و ایمان کا رنگ چہروں پر نمودار ہو گا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم تبلی السرائر** یہ چہرہ حق تعالیٰ کی کتاب ہے' کفار کو دنیا میں بھی ہجران کا عذاب ہے مگر وہ چھپا ہوا ہے' جس کا احساس انہیں نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ سو رہے ہیں یا نشہ میں ہیں' یا نفس نے ان کے دلوں پر غفلت کے ٹیکے لگا دیئے ہیں' جس سے اس زخم کا احساس نہیں ہوتا' جب یہ نشہ اترے گا اور بعد موت بیدار ہوں گے' اور اس ٹیکے کا اثر زائل ہو گا' تب انہیں پتہ چلے گا کہ ہم نے کیا کیا' سفید چہرہ والے مومن دنیا میں بھی رحمت میں تھے' کہ اللہ اور اللہ والوں کے ساتھ تھے اور آخرت میں بھی رحمت میں ہوں گے کیونکہ انسان جس حال میں جئے گا اسی میں مرے گا اور جس حال میں مرے گا اسی میں اٹھے گا' مبارک وہ جو مرنے سے قبل جاگ جائے اور زمین پر رہتے ہوئے زمین میں رہنے کا انتظام کرے (از تفسیر روح البیان مع زیادۃ)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ ہیں آیتیں اللہ کی کہ پڑھتے ہیں ہم ان کے اوپر تمہارے حق کے ساتھ اور اللہ ارادہ نہیں کرتا ظلم کا جہانوں پر

یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

اور اللہ ہی کا ہے وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور طرف اللہ کے ہی لوٹائے جائیں گے سب کام

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کا رجوع ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کافروں پر سخت عذاب اور مسلمانوں پر عظیم الشان رحمت کا ذکر ہوا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان بیانوں میں مبالغہ نہیں ہے بالکل برحق ہیں جن میں کمی بیشی یا اختلاف نہیں ہو سکتا' غرضکہ بیان قانون کے بعد اس کی اہمیت اور حقانیت بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کافروں پر سخت سزا کا ذکر تھا' اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ ان پر ہمارا ظلم نہیں ہے بلکہ ان کی اپنی بدکاریوں کا نتیجہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں سزاؤں جزاؤں کا ذکر تھا' اب رب تعالیٰ کی وسعت سلطنت کا ذکر ہے کہ ہماری بادشاہی زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی ہے اگر ہم کسی کو پکڑ لیں تو وہ کہیں بھاگ کر بچ نہیں سکتا اور کوئی ہم سے اسے جبراً چھڑا نہیں سکتا' غرضکہ یہ آیات گذشتہ مذکورہ جزاؤں اور سزاؤں کی پختگی بیان کر رہی ہیں۔

تفسیر: **تلک ایت اللہ' تلک'** **ذالک** اسم اشارہ کا مونث ہے' دور کی چیزوں کی طرف اس سے اشارہ کیا جاتا ہے اگرچہ وہ آیتیں ابھی قریب ہی گزری ہیں جن کی طرف اشارہ فرمایا جارہا ہے' مگر چونکہ ان کی قدرو منزلت ہمارے خیال و گمان سے وراء ہے' اس لئے اشارہ بعید فرمایا گیا اس کی تحقیق **ذلک الکتب** کی تفسیر میں ہو چکی ہے' **ایت' ایۃ** کی جمع ہے بمعنی نشانی' قرآنی جملوں کو بھی آیت کہتے ہیں اور عالم کی ہر چیز کو بھی کیونکہ یہ سب رب تعالیٰ کی وحدانیت و قدرت کے دلائل ہیں' یہاں قرآنی جملے مراد ہیں کیونکہ آگے تلاوت کا ذکر آرہا ہے' اور تلاوت ان ہی کی ہوتی ہے" آیات کی نسبت اللہ کی طرف یا تشریف کے لئے ہے یا اس لئے کہ رب تعالیٰ کی اتاری ہوئی اور قائم کردہ ہیں جیسے **ناقۃ اللہ** اور بیت اللہ میں **نتلوھا علیک' نتلو تلاوۃ** سے بنا جس کے معنی ابھی بیان ہو چکے' اگرچہ آیات قرآنیہ کی تلاوت جبریل امین کرتے تھے مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے کرتے تھے' نیز ان کا کلام گویا رب تعالیٰ کا کام ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تلاوت کرتے ہیں اس تلاوت سے یا تو نزول کے وقت کی تلاوت مراد ہے یا وہ سارے قرآن کی تلاوت جو معراج میں خود رب تعالیٰ نے بلاواسطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائی' تب یہاں نسبت حقیقی ہوگی' **علیک** فرما کر یہ بتایا گیا کہ محبوب ہماری یا جبریل امین کی تلاوت تو صرف آپ پر ہوگی' آپ کی تلاوت لوگوں پر' آپ ہمارے اور مخلوق کے درمیان وسیلہ عظمیٰ ہیں **بالحق** یہ کلمہ یا تو **نتلوا** کے متعلق ہے یا کسی پوشیدہ جملے کے متعلق ہو کر نتلو کے فاعل کا حال ہے یا **ھا** ضمیر کا یا **علیک** کے **ک** کا یعنی ہمارا تلاوت کرنا حق ہے' یا ہم یا یہ آیتیں حق ہیں۔ خیال رہے: کہ حق اور صدق مصدر بھی ہیں اور صفت مشبہ بھی' دونوں کے معنی ہیں سچ' مگر صدق و حق میں فرق یہ ہے کہ صدق سچے کلام کو کہتے ہیں اور حق سچے کلام' سچے خیال اور سچے عقائد کو' اسی لئے اسلام کو صدق نہیں کہتے حق کہتے ہیں' نیز صدق وہ ہے جو واقعہ کے مطابق ہو' اور حق وہ کہ واقعہ اس کے مطابق ہو کہ جو کچھ فرمایا جائے ویسا ہو جائے' کبھی حق بمعنی حقیق بھی آتا ہے یعنی لائق **وما اللہ یرید ظلما" للعلمین** ظلم کے لغوی معنی ہیں تاریکی اور کا متقابل' اصطلاح میں ستانے اور کسی کا حق مارنے یا کسی کی چیز بلا اجازت استعمال کرنے یا کسی چیز کو بے محل و موقعہ استعمال کرنے کو بھی ظلم کہتے ہیں' کیونکہ یہ حرکتیں قیامت کے دن تاریکی کا باعث ہوں گی' نیز ظالم کو ظلم کرتے وقت حق و باطل نہیں سوجھتا' وہ نفس کے اندھیرے میں آجاتا ہے' اس لئے ان چیزوں کو ظلم کہا جاتا ہے۔ **عالمین** سے مراد جہان کی انواع و اقسام ہیں' فرشتے ایک عالم ہیں' جنات دوسرا' انسان تیسرا وغیرہ یعنی رب تعالیٰ کسی پر ظلم کرنا تو کیا معنی ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتا کہ کسی غیر مستحق عذاب کو دے یا مستحق ثواب کو نہ دے' یا ہلکے مجرم کو بھاری سزا دیدے یا بڑے ثواب کے مستحق کو تھوڑا ثواب عطا فرمائے **وللہ** یہاں لام ملکیت یا خلقت کا ہے یعنی سب چیزیں اللہ کی مخلوق' اسکی مملوک اور اس کے قبضہ میں ہیں **ما فی السموت وما فی الارض ما** غیر عقل والی چیزوں کے لئے آتا ہے اور **من** عقل والوں کے لئے **ما** وہ چیزیں' **من** وہ لوگ' اگرچہ عالم کی ہر فرد رب تعالیٰ کی ہے مگر چونکہ غیر عاقلوں کے افراد و اقسام زیادہ ہیں اور عاقلوں کے کم' اس لئے تغلیبا" **ما** فرمایا گیا' **سموت سماء** کی جمع ہے جو **سمو** بمعنی بلندی سے بنا اور **ارض** و **رض** کے معنی ہیں بکھرنا' پراگندہ ہونا' اسی لئے حلال کو **رضیض** اور دلیہ کو رضاض کہتے ہیں اور سر کچلنے کو **رض الراس** کہا جاتا ہے' دیمک کو **ارضہ** زمین کی حقیقت بھربھری اور بکھری ہوئی مٹی ہے' اس لئے اسے **ارض** کہا جاتا ہے **والی اللہ ترجع الامور' الی اللہ** کا ترجع پر مقدم کرنا بیان حصر کے لئے ہے **امور** سے مراد حاجتیں ہیں یا عبادتیں یا احکام یا انتظام' **ترجع** میں حال کا بھی احتمال ہے استقبال کا بھی یعنی

تمام مخلوق کی حاجتیں یا ان کی عبادتیں ہماری بارگاہ عالی میں پیش کی جاتی ہیں یا قیامت میں پیش کی جائیں گی یا عالم کے سارے انتظامات و احکامات کا رجوع ہماری طرف ہی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی ساری آیتیں یا وہ سزا و جزا والی آیات جو ابھی آپ کو سنائی گئیں اللہ کی آیتیں ہیں 'جب متکلم اتنا شاندار ہے تو غور فرماؤ کہ کلام کیسا شاندار ہو گا ہم یہ آیات بوسطہ جبرئیل یا بلاواسطہ آپ پر تلاوت کرتے ہیں 'ہم بھی حق ہمارے جبرئیل بھی حق آیتیں بھی حق 'تلاوت کرنا بھی حق 'اور تم بھی حق یہاں باطل کا شائبہ بھی نہیں لہذا جو کچھ کہا گیا بالکل سچ ہے نہ اس میں مبالغہ ہے نہ جھوٹ 'کفار کی یہ سخت سزائیں ان کی اپنی حرکتوں سے ہیں نہ کہ ہماری زیادتی سے 'اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے 'وہ کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتا 'ظلم یا خبیث النفس کرتا ہے یا عاجز یا جاہل یا حاجتمند (تفسیر کبیر) ہم ان سب عیوب سے پاک ہیں کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی چیز ہماری اپنی ملک ہے جو چاہیں کریں 'پھر ہمیں ظلم کرنے کی کیا حاجت 'ہماری شان یہ ہے کہ سب کا رجوع ہماری ہی طرف ہے 'کوئی بخوشی 'کوئی مجبوراً 'لوٹ کر ہماری طرف ہی آتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** کسی چیز کی عظمت چیز والے کی عظمت سے ظاہر ہوتی ہے 'بڑے کی معمولی چیز بھی بڑی ہے اور چھوٹے کی بڑی چیز بھی معمولی 'لاٹ صاحب کی شاندار کوٹھی سے کچی چھپر والی مسجد کا درجہ زیادہ ہے کہ یہاں بے غسل نہیں آسکتا کوٹھی میں جاسکتا ہے جیسا کہ آیات اللہ کی اضافت سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اسلام کی عظمت دکھانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام 'اولیاء و علماء کی شانوں کے خطبے پڑھنا ضروری ہیں 'کیونکہ اسلام چلا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پروان چڑھا ہے ان گروہوں میں 'اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کیجئے 'یہ فائدہ بھی ا یت اللہ کی اضافت سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ایسا قرب خصوصی حاصل ہے کہ ان کے کام کو رب تعالیٰ فرماتا ہے میرا کام ہے 'اور رب تعالیٰ کے کام کو وہ فرماتے ہیں ہمارا کام ہے جیسا کہ نتلو 'کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ تلاوت کرتے جبرئیل مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے ہم تلاوت کرتے ہیں دیکھو بیٹا دینا رب تعالیٰ کا کام ہے مگر بی بی مریم رضی اللہ عنہا سے جبرئیل امین نے کہا تھا **لا ھب لک غلاما زکیا** "صلح حدیبیہ میں صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے مجھ سے بیعت کی 'فرماتا ہے **انما یبا یعون اللہ** جنگ بدر میں کنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھینکتے ہیں 'رب تعالیٰ فرماتا ہے میں نے پھینکے 'فرماتا ہے **ولکن اللہ رمی**۔

سنگریزہ ی زند دست جناب! ما رمیت اذ رمیت آید خطاب

تا ابد گر شرح ایں معنی کنم! ز تحیر ہیچ نبود حاصلم

چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم صرف جبرئیل امین کی معرفت ہی نہیں ملا بلکہ بلاواسطہ بھی رب تعالیٰ نے عطاء فرمایا جیسا کہ نتلو کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا 'خود فرماتے ہیں کہ ہم کو سورہ بقرکی آخری آیات معراج میں عرش اعظم کے نیچے ملیں وہاں تو جبرئیل امین کا وہم بھی نہیں پہنچا تھا۔ **پانچواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے

درمیان وسیلہ عظمیٰ ہیں' اگر یہ واسطہ علیا درمیان میں نہ ہوتا تو ہم قرآن و ایمان اور عرفان کی ہوا بھی نہ پاتے جیسا کہ **علیک** سے معلوم ہوا' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کے لئے فرمایا **نتلو** آپ پر ہم تلاوت کرتے ہیں اور ہمارے لئے فرمایا **یتلو علیهم ایته** یعنی وہ حبیب ان پر آیات تلاوت کرتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن کریم کی آیتیں خود بھی حق ہیں ان کا بھیجنے والا رب تعالیٰ' لانے والے جبرئیل امین' لینے والے محبوب' پھیلانے والے صحابہ سب حق ہیں بلکہ نزول قرآن کا زمان و مکان بھی حق ہے جیسا کہ **بالحق** سے معلوم ہوا۔

نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات — اس لئے رمضان کا سارا مہینہ نور ہے
جس طرف کو اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے — میں تری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

جیسے سورج جدھر توجہ کرتا ہے دن نکال دیتا ہے' ایسے ہی جدھر توجہ پاک مصطفیٰ ہوتی ہے ادھر ایمان' عرفان' تقویٰ اور حقانیت کا دن طلوع ہو جاتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ظلم رب تعالیٰ کے لئے محال ہے' اور محال کا ارادہ الٰہی ناممکن جیسا کہ **ما الله** الخ سے معلوم ہوا' اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے' ظلم سے متصف نہیں' فرماتا ہے **خالق کل شیء**۔ **آٹھواں فائدہ:** بندوں کے افعال و اعمال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے' بندہ اعمال کا کاسب ہے خالق نہیں' کیونکہ اعمال بھی آسمان و زمین کی ہی چیزیں ہیں۔ جیسا کہ **لله** الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** ہر چھوٹی بڑی' اچھی بری چیز کا اللہ تعالیٰ مالک حقیقی ہے جیسا کہ **لله** کے لام سے معلوم ہوا' مخلوق کی ملکیتیں عارضی و مجازی ہیں جیسے ہم رب تعالیٰ کے ہونے کا باوجود اپنے مکان وغیرہ کے مالک ہیں' ایسے ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم کے مالک ہیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تلاوت قرآن فرماتا ہے حالانکہ تلاوت زبان سے ہوتی ہے۔ زبان جسم ہے رب تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ اس کی زبان و تلاوت کیسی؟ **جواب:** یا تو اس سے تلاوت جبریل مراد ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انه لقول رسول کریم** کہ وہ قرآن ایک عزت والے فرشتے کا پڑھا ہوا ہے' حضرت جبریل کی عزت افزائی کے لئے ان کی تلاوت کو اپنی تلاوت فرمایا' یا رب تعالیٰ کی ہی تلاوت مراد ہے' وہ تلاوت جو اس کی شان کے لائق ہے' فعل کے معانی فاعل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ تمام جہان کو دوزخ میں ڈال دے تو وہ ظالم نہیں بلکہ عادل ہے' شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ دوسرے کی چیز میں بلا اجازت تصرف کرنا ظلم ہے' چونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے تو وہ جو کچھ بھی کرے ظالم نہیں' جب اس کے لئے کوئی کام ظلم ہی نہیں تو اس آیت کے کیا معنی؟ کہ اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ **جواب:** بعض لوگوں نے اس آیت کے یہ معنی کئے کہ رب تعالیٰ دنیا والوں کے لئے ظلم کرنا پسند نہیں کرتا یعنی وہ نہیں چاہتا کہ کوئی کسی پر ظلم کرے مگر یہ معنی کچھ بعید ہیں کیونکہ ارادہ بمعنی پسندیدگی نہیں آتا اور اگر ارادہ اپنے معنی میں ہو تو آیت کے معنی بالکل فاسد ہو جائیں گے کہ اب مطلب یہ ہو گا کہ دنیا میں ظلم وغیرہ رب تعالیٰ کے ارادے کے بغیر ہو رہے ہیں' یہ عقیدہ گمراہی ہے' اس کا صحیح جواب وہ ہے جو امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں دیا کہ غیر مجرم کو عذاب دینا اور متقی کو ثواب نہ دینا اگرچہ رب تعالیٰ کے لئے حقیقتاً ظلم نہیں مگر صورۃ "ظلم ضرور ہے' پروردگار صورۃ ظلم سے بھی پاک ہے اسی کا یہاں ذکر ہے

اور کبھی شکل کو اصل کا نام دے دیتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **جزاء سیئة سیئة** - **نوٹ:** اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ کفار کے نا سمجھ فوت شدہ بچے دوزخ میں نہیں جائیں گے ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جن کفار کی بستیوں پر عذاب الٰہی آئے ان کے بچے و جانور بھی ہلاک کر دیئے گئے' یہ ظلم ہے اور اس آیت کے خلاف' انہوں نے کون سا قصور کیا تھا؟ (آریہ) **جواب:** پنڈت جی دنیا میں موت و زندگی' راحتیں و آفتیں بھیجنا ملکی انتظامات ہیں نہ کہ عذاب' ورنہ تم کل یہ کہہ دو گے کہ ہزاروں انسان و جانور جلتے' ڈوبتے' مرتے ذبح ہوتے رہتے ہیں کیا یہ سب رب تعالیٰ کا ظلم ہے؟ گذشتہ قوموں پر جو عذاب آئے مجرموں کے حق میں عذاب تھے' ان کے جانوروں کے حق میں ملکی انتظام اور ان کے چھوٹے بچوں اور وہاں کے مومنوں کے حق میں جو وہاں ہلاک ہو گئے رحمت' جس سے ان کے درجات اخروی بڑھ گئے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ظلم کرنے پر قادر تو ہے مگر کرے گا نہیں' کیونکہ رب اگر ظلم پر قادر ہی نہ ہو تو اس کے ظلم نہ کرنے کی تعریف ہی کیا جیسے کہ دیوار کی تعریف یہ نہیں ہوتی کہ وہ ظلم نہیں کرتی یا جھوٹ نہیں بولتی! (تقویۃ الایمانی قانون)۔
جواب: عیب نہ کرنا بھی وصف ہے اور عیب نہ کر سکنا اور اس سے بالکل پاک و صاف ہونا بھی تعریف کے لائق ہے' اگر آپ کا یہ قاعدہ درست ہو تو لازم آئے گا کہ رب تعالیٰ سونے' کھانے' مرنے اور صاحب اولاد ہونے پر بھی قادر ہو' کہ قرآن کریم میں ان سب کی نفی سے خدا کی تعریف' کی گئی ہے' رب تعالیٰ نے فرمایا **هو يطعم ولا يطعم** اور فرمایا **لا تاخذه سنة ولا نوم** اور فرمایا **لم يلد ولم يولد**۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بھی سات ہیں اور زمین بھی سات' پھر یہاں **سموت** جمع اور **ارض** واحد کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** دو وجہ سے' ایک یہ کہ تمام زمینوں کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی مٹی' مگر آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں' ان حقائق کے لحاظ سے آسمان کو جمع اور زمین کو واحد فرمایا جاتا ہے' دوسرے یہ کہ زمین کے تمام طبقے آپس میں ایسے چپٹے ہوئے ہیں جیسے پیاز کے چھلکے اور پرت' جس کی وجہ سے وہ زمین حساً ایک ہیں' مگر آسمان ایک دوسرے سے پانچ پانچ سو سال کے فاصلے پر ہیں' لہٰذا وہ حساً بھی جدا گانہ۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کی چیزیں اللہ کی ہیں تو کیا ان کے درمیانی خلاء کی چیزیں کسی اور کی ہیں؟ اور کیا عالم امر اور عالم انوار و ارواح وغیرہ جو کہ آسمانی احاطہ سے باہر ہیں وہ رب تعالیٰ کے نہیں؟ **جواب:** یہاں عالم اجسام کا ذکر ہے جو ہمیں نظر آ رہا ہے' دوسرے عالم جو ہمارے حواس سے خارج ہیں ان کا ذکر نہیں' اور چونکہ آسمان و زمین اس عالم اجسام کے دو کنارے ہیں ان کے ذکر سے درمیانی چیزوں کا ذکر خود بخود ہو گیا' اگر کہا جائے کہ کراچی سے پشاور تک پاکستان ہے تو مطلب یہ نہ ہو گا کہ ان کے درمیان کوئی اور ملک ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام کام اللہ کی طرف لوٹتے ہیں' جہاں سے آئے وہاں پھر جانے کا نام لوٹنا ہے' تو کیا سب اچھے اور برے کام رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں؟ **جواب:** عربی میں رجوع کے چند معنی ہیں۔ (1) جہاں سے آئے تھے وہاں جانا جیسے **ارجعوا الى ابيكم**۔ (2) غلام کا حاکم کے سامنے پیش ہونا جیسے **ارجع الى ربك**۔ (3) کسی کے سامنے کوئی معاملہ پیش کرنا' کہا جاتا ہے کہ اس معاملہ میں حکام کی طرف یا اس بیماری میں حکیم کی طرف رجوع کرو۔ (4) مجاز سے گزر کر حقیقت تک پہنچنا' یہاں یہ سارے معنی بن سکتے ہیں کہ سب کی ابتداء بھی رب تعالیٰ سے ہے اور سب کی انتہاء بھی رب تعالیٰ پر **هو الاول والاخر** نیز سب کو مع اپنے اعمال کے قیامت میں رب تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے' نیز دنیا میں پہلے انسان ہر طرف بھاگتا ہے' پھر آخر تھک ہار کر رب تعالیٰ کے دروازے پر گرتا ہے' وہ مجاز تھا یہ حقیقت

ہے 'غرضکہ ترجع الامور کا نظارہ ہوتا ہی رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نقوش قرآن کی جگہ کاغذ ہے۔ الفاظ قرآن کی جگہ زبان یا کان 'معانی قرآن کی جگہ لوبان 'مقاصد قرآن کی جگہ ارکان یعنی اعضائے ظاہری 'اور اسرار قرآن کی جگہ جنان یعنی دل ہے 'حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان چاروں چیزوں کا نزول ہوا 'جبریل امین الفاظ قرآن لاتے تھے 'باقی اسرار قرآنی مقاصد قرآنی کا القاء بلاواسطہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے نزل علی قلبک الخ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تبلیغ مختلف طریقوں سے فرمائی 'بعض کی تبلیغ عمومی تھی اور بعض کی خصوصی 'یہاں اسی بلاواسطہ نزول کا ذکر ہے کہ فرمایا گیا **نتلوها علیک** تلاوت الفاظ کی نوعیت اور ہے 'تلاوت معانی کی نوعیت اور تلاوت مقاصد و اسرار کی کیفیت جداگانہ ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام فیض دینے والے مختلف آسمان ہیں اور دیگر لوگ اپنی حیثیت کے لائق فیض لینے والی مختلف زمینیں 'فرمایا جارہا ہے کہ ان نبوت کے آسمانوں میں جو فیوض و برکات ہیں 'وہ بھی ہماری طرف سے ہیں 'اور جو لوگوں کے دلوں کی زمین میں مختلف تاثرات ہیں 'وہ بھی ہماری طرف سے ہیں 'بجلی کا پاور یکساں آتا ہے 'مگر مختلف طاقتوں کے رنگ برنگ بلب اپنی حیثیت کے لائق فیض لیتے ہیں 'بارش تمام زمینوں پر یکساں برستی ہے 'مگر زمین کے مختلف طبقے اپنے میں بویا ہوا تخم ہی اگاتے ہیں 'ان سب کی ابتداء بھی رب تعالیٰ کی طرف سے تھی اور آخر کار ان کا رجوع بھی رب تعالیٰ ہی کی طرف ہوگا 'صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ زمین میں خواہ کیسا ہی اعلیٰ تخم بویا ہوا ہو اور زمین خواہ کیسی ہی عمدہ ہو مگر کسی وقت بھی آسمان سے بے نیاز نہیں 'اسے ہمیشہ دھوپ 'بارش 'سردی 'گرمی وغیرہ کی حاجت رہتی ہے اور یہ سب چیزیں آسمان سے ہی آتی ہیں یونہی کوئی شخص کیسے ہی اعلیٰ طبقہ کا ہو اور کتنے ہی عمدہ عمل کرتا ہے 'مگر فیضان نبوت سے ایک ساعت کے لئے بھی مستغنی نہیں 'وہ زندگی و موت 'قبر و حشر میں نبی کا محتاج ہے کہ قبر میں انہی کی پہچان پر اور حشر میں انہی کی شفاعت پر بیڑا پار ہوگا 'ایمان 'عرفان 'تقویٰ وغیرہ کی ہر وقت ہر شخص کو ضرورت ہے۔ اور یہ تمام اسی آستانے کے فیوض ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

ہو تم بہترین امت ظاہر کی گئی واسطے لوگوں کے حکم کرتے ہو بھلی چیزوں کا اور منع کرتے ہو بری چیزوں سے

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ

اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اگر ایمان لے آتے کتاب والے تو البتہ ہوتا انکے لئے اچھا

ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾

ان میں سے کچھ مومن ہیں اور زیادہ بدکار

ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں کچھ منہ کالے ہوں گے، کچھ اجیالے، کالے منہ کفار کے ہوں گے اور روشن چہرے والے اللہ کی رحمت میں، مگر یہ نہ بتایا گیا تھا کہ روشن چہروں والے کون لوگ ہوں گے، اب اس آیت میں اس خوش نصیب جماعت کا تعین فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو چمکیلے چہرے والے تم ہی لوگ ہو، گویا یہ آیت اس کی تفسیر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے مسلمانو تم میں ایک مبلغ جماعت رہنی چاہئے جس سے شبہ ہوتا تھا کہ باقی مسلمانوں پر مطلقاً تبلیغ نہیں، اب اس شبہ کو دور کیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ مطلقاً تبلیغ تو ہر مسلمان پر ہے، وہاں اس تبلیغ کا ذکر تھا جس میں اپنی عمر صرف کر دی جائے اور بجز تبلیغ کوئی مشغلہ اختیار نہ کیا جائے، گویا یہ آیت پچھلی آیتوں میں سے وہم دفع کر رہی ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و ثناء کی گئی تھی کہ آپ پر ہم آیات تلاوت فرماتے ہیں، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان کے غلاموں کی تعریف کی جا رہی ہے، کہ اس شاندار نبی کی امت بھی شاندار ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اپنی حمد بیان فرمائی کہ آسمانوں و زمین کی ہر چیز ہماری ہے، اب اپنے مومن بندوں کی تعریف فرمائی جا رہی ہے کہ ہم ایسی شان والے ہیں کہ ایسے شاندار بندے پیدا فرمائے، غرضکہ یہ آیات حمد الٰہی، نعت مصطفوی اور منقبت مسلمین کا مجموعہ ہیں۔

شان نزول: ایک مرتبہ مالک ابن صیف اور وہب ابن یہودا علمائے یہود نے حضرت عبداللہ ابن مسعود، ابی ابن کعب، معاذ ابن جبل، سالم مولیٰ حذیفہ اور دیگر انصار سے کہا کہ تم نے مسلمانوں میں کیا خوبی دیکھی کہ ہم سے محبت توڑ کر ان سے محبت جوڑ لی، ان بزرگوں نے جواب دیا کہ مسلمانوں کا دین بہترین دین ہے، اور ان کی قوم بہترین قوم ہے اور ان کے نبی افضل الانبیاء ہیں، تب وہ یہودی بولے، نہیں بلکہ یہودیت تمام دینوں سے افضل ہے اور بنی اسرائیل تمام جہان سے اعلیٰ، تمہارا قرآن بنی اسرائیل سے فرما رہا ہے **وانی فضلتکم علی العلمین** تب ان یہود کی تردید میں اور ان بزرگوں کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (از تفسیر خازن و خزائن عرفان و معانی و ابن جریر عن عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

تفسیر: **کنتم** **کان** یا زائدہ ہے یا تامہ یا ناقصہ یا بمعنی **صار**، اگر **کان** ناقصہ ہو تو اس کے معنی ہیں تھے تم یا ہو تم یا ہو گے تم، اور اگر بمعنی **صار** ہے تب معنی ہوں گے ہو گئے تم، اور یہاں خطاب یا ان بزرگوں سے ہے جنہوں نے یہودیوں کو منہ توڑ جواب دیا، یا سارے صحابہ کرام سے یا ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (تفسیر کبیر) اگر اس کے معنی ہوں "تم تھے" تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے علم میں یا لوح محفوظ میں یا گزشتہ آسمانی کتب میں یا پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام کے بیانوں میں یا پچھلی امتوں کے عقیدوں میں تم بہترین امت تھے (کبیر) **خیر امۃ** امت کے معانی پہلے بیان ہو چکے، یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دو قسم کی ہے، ایک وہ جن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اور جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا فرض ہے، اسے امت دعوت کہتے ہیں، دوسری وہ جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح طور پر مان بھی لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے بھی آئے، انہیں امت اجابت کہتے ہیں، سارا عالم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** " اور امت اجابت مسلمان ہیں، یہاں امت اجابت مراد ہے، **خیر** سے مراد ہے دنیا میں بہتر آخرت میں افضل یا تو یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے، اصل میں **امۃ خیرا** " تھا یا

اضافت من والی ہے اور امت سے مراد یا صرف مسلمان ہیں یا پچھلی امتیں یعنی امت اسم جنس ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی اے صحابہ کرام تم ساری امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل و بہتر ہو کہ کوئی غوث و قطب تمہاری گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا' یا اے مسلمانو تم ساری امتوں سے افضل ہو' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی **اخرجت للناس** یہ جملہ یا تو **خیر امۃ** کی صفت ہے یا **امۃ** کی اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس دوسری جانب اشارہ کر رہا ہے' اخراج کے معنی ہیں نکالنا' یہاں پردۂ عدم سے وجود میں لانا مراد ہے یعنی پیدا فرمانا' اگر یہ جملہ **خیر امۃ** کی صفت ہو تو **الناس** سے مراد یا تو انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کے حق میں مسلمان قیامت کے دن گواہی دیں گے' یا اس سے کفار مراد ہیں جن کی تبلیغ کے لئے مسلمان بنائے گئے یا سارے انسان مراد ہیں جن پر بادشاہت کرنے کے لئے مسلمان بنے' یا جن کی بقاء و رحمتوں کے لئے یہ دنیا میں آئے یعنی اے مسلمانو تمہیں اس لئے پیدا کیا گیا تاکہ تم کل قیامت میں انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دو' یا اس لئے کہ تم لوگوں یعنی کافروں میں تبلیغ کرو' یا اس لئے کہ تم لوگوں پر راج کرو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** یا اس لئے کہ تم لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو کہ تمہاری بقاء سے عالم کا بقاء ہے' جب تم نہ رہو گے قیامت آجائے گی تم دنیا والوں کے لئے تعویذ ہو اور اگر یہ جملہ امۃ کی صفت ہو تو معنی یہ ہوں گے جس قدر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں لوگوں کی ہدایت کے لئے دنیا میں آئیں وہ دوسروں سے افضل تھیں اور تم ان افضلین سے افضل ہو **تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر** معروف اور منکر کے معنی پہلے بیان ہو چکے کہ ہر اچھا کام معروف ہے اور برا کام منکر' یہاں اتنا سمجھ لو کہ **المعروف** اور **المنکر** میں لام استغراقی ہے جس میں ساری بھلائیاں از مستحبات تا ایمانیات داخل ہیں اور ساری برائیاں از مکروہات تا کفریات شامل ہیں' اور **امر** یعنی حکم سے مراد ہر قسم کا حکم ہے زبانی ہو یا قلمی یا طاقت والا' خواہ بڑوں سے عرض کر کے ہو یا ساتھیوں کو مشورہ دے کر یا چھوٹوں کو دباؤ سے حکم دے کر یعنی تمہاری شان یہ ہے کہ ہر بھلائی کا ہر طرح حکم دو' اور ہر خوبی ہر طرح پھیلاؤ' اور ہر برائی کو ہر طرح مٹاؤ اور لوگوں کو اس سے باز رکھو **تؤمنون باللہ** ایمان کے معنی اس سے قبل بیان ہو چکے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان دو قسم کا ہے لغوی و شرعی لغوی ایمان یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی مان لینا تو شیطان کو بھی حاصل ہے' وہ رب تعالیٰ کا منکر نہیں' اس ایمان سے کوئی فائدہ نہیں مگر شرعی ایمان باللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نبی کی معرفت سے پہچانا جائے یعنی جمال کبریا ہو اور آئینہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو یہی ایمان مفید ہے اور اسی ایمان پر سارے اعمال کا دارومدار ہے' اور اسی سے نجات ہے' اسی لئے قبر میں توحید کے بعد رسالت کا امتحان ہوتا ہے اور یہ ایمان صرف مسلمانوں کو میسر ہے اس لئے انہی کی صفات میں ایمان کا ذکر ہوا یعنی ایمان باللہ اے صحابہ یا اے مسلمانو! تم ہی کو میسر ہے **تؤمنون** مضارع فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ نفس ایمان تو دائمی ہے مگر درجات ایمان میں تمہیں ترقی ملتی ہی رہے گی **ولو امن اہل الکتب لکان خیرا لہم** اہل کتاب کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ کسی آسمانی کتاب کو ماننے والا اہل کتاب ہے' اگرچہ غلط طریقہ سے ہی مانتا ہو' اس جملے کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ اب تک اہل کتاب مومن نہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں' اگر ان محبوب کو مان کر ایمان لے آئیں تو ان کی خیر ہے ورنہ مشرکین کی طرح یہ بھی دوزخ کا ایندھن ہی بنیں گے' نہ انہیں وہ کتابیں بچائیں گی اور نہ ان کا یہ ظاہری ایمان' دوسرے یہ کہ اہل کتاب کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا مشرکین کے ایمان لانے سے افضل ہے کہ انہیں ایمان کا ایک ثواب ملے گا اور اہل کتاب کو دوہرا' جیسا کہ

حدیث شریف میں ہے کہ تین شخصوں کو دو گنا ثواب ملتا ہے' ایک وہ غلام جو اپنے مولیٰ کی اطاعت اور رب تعالیٰ کی عبادت کرے' دوسرے وہ شخص جو اپنی ۔تمیہ لونڈی کو تعلیم و تربیت دے کر آزاد کرے' پھر اس سے نکاح کر لے' تیسرے وہ اہل کتاب جو مسلمان ہو جائے' یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ علمائے یہود آمدنیاں بند ہونے کے خوف سے ایمان نہیں لاتے' ورنہ وہ اسلام کی حقانیت جانتے ہیں' لیکن اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو انہیں پہلے سے زیادہ اور بہتر و طیب آمدنیاں ہوں **منهم المؤمنون**' **منهم** کا مرجع اہل کتاب ہیں "لفظ اہل کتاب صورۃ" واحد ہے اور معنی "جمع اس لئے ضمیر جمع ادھر لوٹ سکتی ہے اور **مؤمنون** سے مراد سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے یہودی تھے اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر صحابی بنے' ایسے ہی نجاشی بادشاہ اور ان کے ساتھی جو پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہوئے یعنی ان اہل کتاب میں سے بعض وہ بھی ہیں جو صحیح معنی میں مومن ہیں **و اکثرهم الفسقون** فاسق فسق سے بنا' بمعنی حد سے نکل جانا' بد عمل کو بھی فاسق کہتے ہیں گمراہ کو بھی اور کافر کو بھی' مگر جب فاسق کا مقابلہ مومن سے ہو گا' تو اس کے معنی کافر ہوں گے' چنانچہ یہاں بمعنی کافر ہی ہیں یعنی اہل کتاب میں تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے باقی کافر ہی رہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کی بہت سی تفسیریں ہیں' جو ابھی تفسیر کے سلسلہ میں عرض کر دی گئیں ہم یہاں خلاصہ میں صرف دو تفسیریں عرض کرتے ہیں۔ **تفسیر اول:** اے جماعت صحابہ کرام جنہیں ایمان کے ساتھ دیدار نبی بھی میسر ہوا' تم لوگ ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر اور افضل ہو کہ کوئی شخص کتنے ہی نیک عمل کرے تمہارے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا' تم سارے مسلمانوں کے لئے نشان ہدایت بنا کر پیدا کئے گئے ہو' تم وہ ہدایت کے تارے ہو کہ تمہارے ذریعے ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیڑے پار لگیں گے سب کا ایمان و اعمال تم سے وابستہ ہے' تمہاری صفت یہ ہے کہ تاقیامت لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دو اور برائیوں سے روکو کہ تم ہی سے نبوت کا فیض دنیا میں جاری ہو' اور تمہاری ہی بتائی ہوئی احادیث و تفاسیر پر لوگ عمل کر کے اچھائیاں اختیار کریں اور برائیوں سے بچیں' اس امت مسلمہ میں اللہ تعالیٰ پر صحیح طور پر ایمان لانے والے پہلے تم ہو کہ تم نے قرآن شریف کی جیتی جاگتی تفسیر نورانی تصویر یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' تم مسلمانوں کی صف اول ہو کہ امام کو صرف تم دیکھ رہے ہو' اور آئندہ لوگ تمہارے نقش قدم کو دیکھیں گے' اگر تمہاری طرح مدینہ کے اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کا بھلا ہو جاتا کہ وہ بھی خلق کے مقتدا بن جاتے مگر ہوا یہ کہ ان میں سے تھوڑے لوگ تو ایمان لے آئے جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی اور بہت سے لوگ اپنی ناجائز عزتیں اور آمدنیاں برقرار رکھنے کے لئے کافر ہی رہے۔ **دوسری تفسیر:** اے محبوب کی امت تاقیامت مسلمانو! تم ساری گذشتہ امتوں سے بہتر ہو' تمہیں لوگوں کے بھلے کے لئے پیدا کیا گیا کہ تم ہی قیامت میں انبیائے کرام کے حق میں گواہی دو گے' اور گواہ مدعی کو بڑا پیارا ہوتا ہے تو تم سارے نبیوں کو پیارے ہو' تمہارے ذریعہ لوگوں میں تبلیغ ہو گی اور کافر مسلمان ہوں گے' تمہارے ہی ذریعہ لوگوں پر اللہ کی رحمتیں آئیں گی' تمہاری ہی بقاء سے لوگوں کا بقاء ہو گا' تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ تم میں سے ہر شخص بقدر طاقت دنیا والوں کو بھلائی سکھائے' بتائے اور کرائے' اور برائیوں سے بچائے' ہٹائے' تم اللہ تعالیٰ پر توکل و ایمان رکھو' کہ اگر تبلیغ کے راستہ میں تکلیف بھی ہوں تو برداشت کرو' اگر تمہاری طرح اہل کتاب بھی ایمان لے آئیں تو ان کا

دین و دنیا میں بھلا ہو جائے کہ اسلام کی عالمگیر برادری میں داخل ہو کر رب تعالیٰ کے پیارے بن جائیں مگر ہم بتلائے دیتے ہیں کہ ان میں تھوڑے ہی ایمان لائیں گے اکثر فاسق ہیں رہیں گے۔

فضائل امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں' ایسے ہی آپ کی امت ساری امتوں کی سردار' آپ کے صحابہ تمام انبیاء کے صحابہ سے افضل' آپ کے اہل بیت و اولاد تمام انبیائے کے اہل بیت و اولاد سے افضل' حتیٰ کہ آپ کا وطن یعنی مکہ معظمہ مدینہ طیبہ دیگر انبیاء کے وطنوں سے افضل' غرضکہ افضلیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے وابستہ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بے شمار فضائل ہیں' یہاں ان میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ (1) یہ امت آخر امم ہے' گذشتہ امتوں کے عیوب قرآن کریم میں بیان ہوئے جس سے وہ ساری دنیا میں بدنام ہو گئیں' مگر اس امت کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ کوئی آسمانی کتاب' جس میں اس کے عیوب بیان ہوں غرضکہ اس امت کی پردہ پوشی کی گئی۔ (2) پچھلی کتب میں اس امت کے اوصاف کا ذکر تو تھا ان کے عیوب کا تذکرہ نہ تھا جس کے باعث وہ لوگ اس امت میں ہونے کی تمنا کرتے تھے۔ (3) جیسے رب تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کو نام لے کر پکارا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب سے' اسی طرح ان کی امتوں کو نسبی ناموں سے پکارا گیا یبنی اسرائیل' یایھا الذین ھادوا وغیرہ مگر اس امت کو یایھا الذین امنوا کے دلکش و پیارے خطاب سے نوازا گیا۔ (4) پچھلی امتیں اپنے نبیوں کے بعد ساری ہی گمراہ ہو جاتی تھیں' مگر اس امت میں تاقیامت ایک فرقہ حق پر رہے گا۔ (5) اس امت میں ہمیشہ اولیاء اللہ و علمائے ربانی ہوتے رہیں گے' جس درخت کی جڑ ہری رہے اس میں پھل پھول آتے ہی رہتے ہیں۔ (6) یہی امت کل قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں گذشتہ نبیوں کی گواہی دے گی کہ خدایا انہوں نے اپنی قوموں کو تبلیغ کی تھی۔ (7) اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح دین حق کی خدمت کرتے رہے اور کرتے رہیں گے' چنانچہ محدثین' مفسرین' فقہا' متکلمین اسی امت میں ہوئے کسی اور میں نہ ہوئے۔ (8) ترمذی نے حضرت بہز ابن حکیم سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے مسلمانو! تم سے امتوں کا ستر کا عدد پورا ہوا' ان سب میں تم افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے ہو۔ (9) بخاری شریف نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ساری امت جنتی ہے سوائے منکر کے۔ (10) ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہ ہونے دے گا اور اس امت کی جماعت پر رب تعالیٰ کی رحمت ہو گی۔ (11) ابو داؤد نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں عذاب نہیں ان کا عذاب دنیا ہی میں ہے' فتنے' زلزلے' آپس کے قتل و خون وغیرہ۔ (12) اسی ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتیوں کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں اسی صفیں میری امت کی اور باقی چالیس صفیں ساری امتوں کی۔ (13) ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے بعض امتی ایک ٹولہ کی شفاعت کریں گے بعض پوری جماعتوں کی۔ (14) ترمذی نے حضرت ابو امامہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کر لیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار شخص بغیر حساب و عذاب جنت میں جائیں گے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر

بزار اس کے طفیلی ہوں گے۔ (15) امام بغوی نے حضرت عمر سے روایت کی کہ جنت ہم سے پہلے دیگر انبیائے کرام پر حرام ہے اور ہماری امت سے پہلے دیگر امتوں پر حرام ہے۔

صحابہ کرام: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے فضائل بے حد و بے عد ہیں اگر دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو' یہاں دو تین باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ (1) کوئی شخص اپنے محبوب و پیارے کو بروں کی صحبت میں رکھنا پسند نہیں کرتا' لوگ اپنی اولاد کے لئے اچھی بیویاں اور اچھے ساتھی اور یار تلاش کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج و اصحاب رب تعالیٰ کے انتخاب سے مقرر ہوئے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **زوجنکھا** آپ کا نکاح حضرت زینب سے ہم نے کیا' یقیناً رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کے لئے جو بیویاں چنیں وہ بے مثال ہیں اور جو ساتھی و یار منتخب فرمائے وہ لاجواب' خود فرماتا ہے **والذین معه اشداء علی الکفار** الخ میرے محبوب کے یار و ساتھی کافروں پر سخت' آپس میں نرم' رب تعالیٰ کے عابد اس کے ساجد' رضائے الٰہی کے متلاشی ہیں' اور فرماتا ہے **کلا وعد اللہ الحسنی** تمام صحابہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر لیا' اور فرماتا ہے **امتحن اللہ قلوبھم للتقوی** اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا' اور فرماتا ہے **و الزمھم کلمة التقوی** رب تعالیٰ نے ان صحابہ سے پرہیزگاری لازم اور وابستہ کر دی اور فرماتا ہے **وکرہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان** رب تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کفر و فسق اور گناہ سے نفرت ڈال دی وغیرہ وغیرہ۔ (2) مسلم بخاری نے حضرت عمران ابن حصین سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر میرا گروہ ہے (یعنی صحابہ) پھر ان کے بعد والے' پھر ان کے بعد والے۔ (3) مسلم بخاری حضرت ابو سعید خدری سے راوی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ ان کا سوا سیر جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے بقیہ کچھ فضائل ہماری کتاب (امیر معاویہ پر ایک نظر) میں دیکھو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صحابہ کرام تاقیامت مسلمانوں سے افضل ہیں جیسا کہ **خیر امة** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بنی اسرائیل اور دیگر ساری امم سے افضل ہے جیسا کہ **خیر امة** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** یہ امت مرحومہ ہمیشہ سے افضل ہے اور رہے گی جیسا کہ **کنتم** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اس امت کی موجودگی عالم کے بقاء کا سبب ہے کہ اگر یہ نہ رہے تو دنیا ختم کر دی جائے جیسا کہ **للناس** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ہر مسلمان کو مبلغ ہونا چاہئے کہ جسے جو مسئلہ معلوم ہو دوسرے کو بتادے اور عمل سے بھی تبلیغ کرے جیسا کہ **تامرون بالمعروف** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا رب تعالیٰ کو ماننا ہے کہ **تؤمنون باللہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مبلغ کو چاہئے کہ اللہ پر توکل رکھے' دنیا سے امید و خوف منقطع کرے' ورنہ وہ لوگوں کو صحیح تبلیغ نہیں کر سکتا جیسا کہ **تؤمنون باللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' علمائے یہود اسی لئے توریت کی صحیح تبلیغ نہ کر سکے کہ انہیں اپنے نذرانے بند ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار در حقیقت رب تعالیٰ کا بھی انکار ہے اور ساری ایمانیات کا بھی' دیکھو اہل کتاب رب تعالیٰ کی ذات و صفات' قیامت وغیرہ کے اقراری تھے۔ مگر رب

تعالیٰ نے فرمایا **لو امن اهل الكتب** اگر کتابی ایمان لے آتے۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے مبلغ کو دنیا میں بھی عزت' دولت' شہرت' اور عافیت وغیرہ ملتی ہے اور آخرت میں بھی مغفرت' رحمت اور جنت وغیرہ ملے گی جیسا کہ **خیرا لهم** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' جس میں فرمایا گیا کہ اگر کتابی ایمان لے آتے تو انہیں یہ سب کچھ ملتا۔ دسواں فائدہ: مسلمانوں کا اجماع شرعی حجت ہے کہ جو مسئلہ قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو اور علمائے امت متفقہ طور پر اس کا کوئی فیصلہ کر دیں تو اس کا ماننا ایسا ہی ضروری ہو گا جیسا قرآن و حدیث کا ماننا ضروری ہے' یہ فائدہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں **کنتم خیر امة** سے بھی نکالا اور **تامرون بالمعروف** کے عموم سے بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یتبع غیر سبیل المؤمنین** الخ یعنی جو مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ پر جائے گا ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان سب سے افضل ہیں' دوسرے مقام پر رب تعالیٰ فرماتا ہے **و انی فضلتکم علی العلمین** اے اسرائیلیو! میں نے تم کو تمام جہانوں پر بزرگی دی دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں دائمی افضلیت مراد ہے اور وہاں اس آیت میں بنی اسرائیل کی عارضی افضلیت کا ذکر ہے یعنی اس زمانہ میں جب یہ امت موجود نہ تھی' بنی اسرائیل افضل تھے اور اب مسلمان افضل' رات میں جب سورج موجود نہ ہو چاند افضل ہوتا ہے مگر دن میں سورج نکل آنے پر چاند کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ دوسرا اعتراض: یہاں تبلیغ کا ذکر پہلے ہے اور ایمان کا بعد میں حالانکہ ایمان تبلیغ سے مقدم ہے تو چاہئے تھا کہ ایمان کا ذکر پہلے ہوتا۔ جواب: ایمان تبلیغ کی شرط ہے اور شرط کا ذکر کبھی بعد میں بھی کیا جاتا ہے' کہا جاتا ہے کہ نماز فرض ہے وضوء کے ساتھ یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ تمہاری شان یہ ہے کہ لوگوں کو تبلیغ کرو اس حال میں کہ مومن ہو' اور اگر ایمان سے مراد توکل ہو تب تو بالکل ظاہر ہے یعنی تم ہی صحیح تبلیغ کر سکتے ہو کیونکہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر توکل تام رکھتے ہو۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان مبلغ ہو گا کیونکہ **تامرون** اور **تنھون** خبر کے صیغے ہیں مگر آج لاکھوں مسلمان مبلغ تو کیا اپنے دین سے بھی باخبر نہیں' قرآن کی یہ خبر غلط ہو گئی **العیاذ باللہ**۔
جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ خبر بمعنی امر ہے جیسے **کتب علیکم الصیام** میں' دوسرے یہ کہ یہ آیت مسلمانوں کے بھیجنے کا مقصد بیان فرما رہی ہے یعنی تمہیں اس لئے پیدا کیا گیا کہ تم تبلیغ کرو' جیسے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** اور اگر اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہو تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر کتابی بدکار ہیں حالانکہ معاملہ برعکس ہے' دیکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں میں فسق و فجور زیادہ ہے ان میں کم۔ صفائی معاملات میں تو آج ان کی مثال نہیں ملتی اور مسلمان اس میں قریباً صفر ہیں۔ اسی لئے تجارتی منڈیوں پر وہ لوگ چھا گئے ہیں کفار خصوصاً انگریز بات کے سچے وعدوں کے پکے' ناپ تول کے پورے ہیں۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں فسق سے مراد اعتقادی فسق یعنی کفر ہے کیونکہ ایمان کے مقابلہ میں بولا گیا ہے نہ کہ تقویٰ۔ فسق کے تین درجے ہیں' فسق تغابی' فسق انہماک' فسق جحود' کبھی کبھی گناہ کر لینا تغابی ہے' ہمیشہ گناہ کرنا مگر اعتقاد درست ہونا انہماک ہے' عقائد بگڑ جانا جحود ہے' یہاں یہ تیسری قسم مراد ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے'

دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کے لئے بنا ان میں سے کون سی آیت درست ہے؟ **جواب:** یہاں للناس میں لام نفع کا ہے یعنی مسلمان لوگوں کے نفع اور تبلیغ کے لئے پیدا کئے گئے' نفع رسانی اور تبلیغ بھی عبادت الٰہی ہے بلکہ بہترین عبادت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** تمہاری پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ سارے صحابہ ساری امت سے بہتر ہیں اور وہ سارے ہی عادل متقی' پرہیزگار ہیں حالانکہ ان کی آپس میں جنگیں بہت ہوئیں اور انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے' چنانچہ عہد نبوی میں چوری' زنا' شراب خوری کے واقعات ہوتے رہے ہیں' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد تو ان کی آپس کی ایک ایک جنگ میں ہزاروں مسلمان بلکہ سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے ہیں' یہ عجیب بہتری ہے کہ جرم بھی کریں اور سب سے بہتر بھی رہیں۔ **جواب:** اس قسم کے بہت سے سوالوں کے تفصیلی جواب ہم نے اپنی کتاب امیر معاویہ میں دیئے ہیں اور انشاء اللہ اسی تفسیر میں بھی **و کرہ الیکم الکفر والفسوق** کے ماتحت عرض کئے جائیں گے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ ہم نے ان حضرات کو معصوم نہیں مانا ہے جن سے کوئی گناہ ہو سکے ہی نہیں بلکہ انہیں عادل و متقی مانا ہے یعنی یا تو وہ گناہ کرتے نہیں اور اگر کر بیٹھیں تو اس پر اڑتے نہیں فوراً "توبہ کر لیتے ہیں' چنانچہ وہ حضرات گناہ کر کے فوراً" بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اقرار کرتے اور اپنے لئے سزا کی درخواست پیش کرتے تھے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی' ان کی جنگیں' عداوت' کینہ' بغض کی نہ تھیں بلکہ حقانیت پر مبنی تھیں جس میں بعض کو غلط فہمی ہوتی تھی اور بعض حق پر ہوتے تھے اور ان جنگوں سے بھی آنے والی نسلوں کو ہزارہا سبق ملتے ہیں' یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی لغزشوں کا ذکر کر کے ان کی افضلیت کا انکار کرے یا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور بی بی سارہ و ہاجرہ کی لڑائیوں کا چرچا کر کے انہیں برا کہے' وہ حضرات خود بھی خیر ہیں اور ان کے کام بھی۔ جس گناہ کے بعد توبہ نصیب ہو جائے وہ اس عبادت سے افضل ہے جس سے شیخی پیدا ہو جائے' ان حضرات کی توبہ کی قبولیت کا اعلان تو قرآن میں کر دیا گیا' رب تعالیٰ نے فرمایا **عفی اللہ عنہم** ان کی ایسی خطائیں ہماری عبادات سے افضل۔ **ساتواں اعتراض:** تمہاری دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ سارے مسلمان تمام امتوں سے افضل ہیں حالانکہ جتنے گناہ و بدکاریاں مسلمانوں میں ہیں دوسری قوموں میں نہیں' اور جتنے برے پیشے مسلمان کرتے ہیں دوسری قومیں نہیں کرتیں' یہ عجیب خیریت ہے کہ سب سے بدتر کام کریں اور ہوں خیرالامم۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کریم کی یہ بشارت قوم مسلم کو ہے' رہے افراد' وہ اس بشارت کے جب مستحق ہوں گے' جب اپنے میں وہ تین صفتیں پیدا کریں گے جو یہاں مذکور ہوئیں یعنی بھلائی کا حکم دینا' برائی سے روکنا' رب تعالیٰ پر صحیح معنی میں ایمان رکھنا' جو ان صفات سے محروم ہوا' وہ من حیث الفرد اپنی حرکتوں کی وجہ سے خیریت سے نکل گیا' رہی قوم مسلم' وہ بفضلہ تعالیٰ خیر ہے اور رہے گی کہ اس میں اولیاء' علماء' صلحاء تہجد گزار' شب بیدار ہمیشہ رہیں گے' دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اور بزرگان دین سے تعلق وہ اللہ کی رحمت ہے جس سے ہم جیسے گنہگار بھی خیرالامم ہیں' اور کفار کے ظاہری پرہیزگار بھی خیرالامم نہیں' فسٹ کلاس کا ڈبہ بھی انجن سے کٹ جائے تو اس کی کوئی قدر نہیں' تھرڈ کا پھٹا پرانا ڈبہ جس کی کڑی انجن سے ملی ہے قابل قدر ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کی برکت سے سارا مکہ و مدینہ شریف مقدس بن گیا کہ رب تعالیٰ نے ان کی قسم فرمائی' حالانکہ وہاں کفار بھی تھے اور کوڑیاں و روڑیاں بھی پھولوں کی برکت سے' چمن کے کانٹے و گھاس بھی عظمت پا جاتے ہیں کہ لوگ ان کی سیر کرنے آتے ہیں' لہٰذا گنہگار' بدکار مسلمان بھی اس نسبت کی وجہ سے خیرامم اور یہ آیت بالکل برحق

ہے۔

زاہد ان کا میں گنہگار وہ میرے شافع اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

علماء فرماتے ہیں کہ بے عمل عالم اندھے مشعل دار کی طرح ہے، جو اپنے چراغ سے خود تو فائدہ نہیں اٹھاتا مگر دوسرے اس کے نور سے فیض لے لیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: مخلوق صفات الٰہی کی مظہر ہے' رب تعالیٰ کی صفت تو ضار بھی ہے اور نافع بھی' مضل بھی ہے اور ہادی بھی' اسی لئے اسمائے الٰہیہ میں ہے۔ ضار' نافع' ھاد' مضل ہے' چنانچہ بعض مخلوق بھی نقصان دہ ہے اور بعض فیض رساں' بعض گمراہ کن ہے اور بعض ہادی' جیسے عالم جسمانیات میں زہر مضر ہے تریاق مفید' سانپ جان لیوا ہے اور بعض چیزیں جان بخش' ایسے ہی عالم روحانیات میں بعض چیزیں' ایمان لیوا ہیں' پیغمبر اور ان کے متبعین ایمان بخش' اس آیت میں فرمایا گیا کہ اے محبوب کی امت تم میری صفت ہدایت کے مظہر ہو لہٰذا تم بہترین امت ہو' تمہارے دم سے تمام لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے' میں تمہارے ذریعہ لوگوں کو ایمان' قرآن اور عرفان بخشوں گا' اور تمہاری ہی روشنی سے انہیں راہ جناں دکھلاؤں گا' جو مجھ تک پہنچنا چاہے تمہارے زمرہ میں آجائے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عام مسلمان تو عمل سے اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع' علماء قلم سے' غازی تلوار سے' سلطان طاقت سے' مگر دل و نظر والے نگاہوں سے' دوسروں کی تبلیغ کان و دماغ تک پہنچتی ہے اور ان کی تبلیغ قلوب کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے' پھولوں کی صحبت تل کے رنگ و بو کو بدل دیتی ہے' مگر انبیاء و اولیاء کی صحبت دل کا رنگ بدل دیتی ہے' غرضکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چیز ایک ہے لیکن نوعیتیں اس کی مختلف ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا
ہرگز نہ نقصان دیں گے وہ تم کو سوا تکلیف دینے کے اور اگر جنگ کریں گے وہ تم سے تو پھیر دیں گے وہ تم سے
وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے مگر یہی ستانا اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر جائیں گے پھر

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
پیٹھوں کو پھر نہ مدد کئے جائیں گے
ان کی مدد نہ ہو گی

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اعلیٰ درجہ کی تبلیغ کا حکم دیا' اس تبلیغ کی ترغیب کے لئے دو طریقے اختیار فرمائے' ایک مسلمانوں کے فضائل کا ذکر کہ تم بہترین امت ہو' تمام جہان کے استاد ہو جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا' دوسرے ان کی حفاظت کا وعدہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے یعنی اس

تبلیغ کی بناء پر انشاء اللہ تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ پر ایمان اور اس پر توکل رکھنے کا حکم دیا گیا' اس آیت میں ایمان و توکل کے فوائد کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ تمام موذیوں سے بچنے کا بہترین قلعہ ہے کہ جو اس قلعہ میں آ گیا وہ ۔ منہ تعالیٰ تمام ایذاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے کرنے والے کاموں کا حکم دیا تھا' ایمان' توکل اور تبلیغ وغیرہ' اب اس آیت میں ان کاموں پر اپنے دنیاوی انعاموں کا ذکر فرما رہا ہے یعنی تم وہ کام کئے جاؤ' ہم تمہاری ہر موذی سے حفاظت کئے جائیں گے۔ **چوتھا تعلق:** گذشتہ آیت میں اہل کتاب کی تصویر کا ایک رخ دکھایا گیا تھا کہ ایمان لانے کی صورت میں ان کا بہتر ہو جاتا' اب ان کی تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ یعنی ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کا ذلیل و خوار ہو جانا اور مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکنا۔

شان نزول: جب یہود مدینہ کے چوٹی کے عالم سیدنا عبداللہ ابن سلام مع اپنے ساتھیوں کے ایمان لے آئے اور صحابیت سے مشرف ہو گئے تو ابو رافع' ابو یاسر' کعب ابن اشرف' کنانہ اور ابن صوریا وغیرہ سرداران یہود نے ان بزرگوں کو طعنے اور دھمکیں شروع کر دیں اور ان کے خلاف سازش کرنے لگے جس سے ان بزرگوں کو کچھ فکر لاحق ہوئی ان بزرگوں کی تسلی کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن و روح المعانی)۔

تفسیر: **لن یضروکم الا اذی"** **لن یضروا** کا فاعل وہی اہل کتاب ہیں جن کا ذکر ابھی پچھلی آیت میں گزرا' **یضروا** ضرر سے بنا' بمعنی تکلیف' قولی ہو یا عملی یا فعلی' خواہ تکلیف کا تعلق سامنے والے کی جان سے ہو یا مال سے' یا آبرو یا ایمان سے یا دلی جذبات سے' کم میں خطاب ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام سے ہے' اور ہو سکتا ہے کہ سارے مسلمانوں سے ہو' اس صورت میں شرط یہ ہو گی کہ مسلمان کامل الایمان ہوں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین' اذی"** ہلکی تکلیف کو کہا جاتا ہے' چنانچہ اس سورۃ کے آخر میں مشرکین و اہل کتاب کے زبانی طعن و تشنیع کو اذی فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ **ومن الذین اشرکوا اذی" کثیرا"** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا تھا جو جمعہ کے دن نمازیوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آ رہا تھا کہ وہیں بیٹھ جا' تو نے اللہ رسول کو ایذا دی' یعنی ان کی ناراضی والا کام کیا' راستہ کے اینٹ روڑے کانٹے وغیرہ کو **اذی** کہا جاتا ہے اور اس کے ہٹا دینے کو **اماطۃ الاذی عن الطریق** کہتے ہیں' بعض مفسرین نے اس استثناء کو منقطع مانا ہے' ان کے خیال میں ضرر سخت تکلیف کو کہتے ہیں اور **اذی** معمولی کو جو ضرر سے خارج ہے' اس لئے استثناء منقطع ہے مگر حق یہ ہے کہ ضرر ہر تکلیف کو کہتے ہیں' چھوٹی ہو یا بڑی' اور **اذی** معمولی تکلیف کو' لہٰذا **اذی** ضرر میں داخل ہے اور استثناء متصل ہے **وان یقاتلوکم' یقاتلوا'** قتال سے بنا جس کے معنی ہیں دو شخصوں یا دو جماعتوں کا آپس میں آمنے سامنے لڑنا اور مقابلہ کرنا' اس کا فاعل یا سارے اہل کتاب ہیں۔ یہودی ہوں یا عیسائی' یا صرف یہودی' دوسرا احتمال قوی ہے' جیسا کہ اگلی آیتوں سے ظاہر ہے کم میں خطاب صحابہ کرام سے ہے' اور ہو سکتا ہے کہ ان سارے مسلمانوں سے ہو جو اخلاص سے جہاد کریں اور سچے پکے مسلمان ہوں **یولوکم الادبار' یولوا'** ولی سے بنا بمعنی قرب' باب تفعیل میں آ کر سلب قرب یعنی دوری کے معنی پیدا ہوئے' جب اس کے ساتھ **دبر یا ادبار** یا **وجہ** ہو تو بمعنی پھیرنا ہوتا ہے' پیٹھ پھیرنے میں جانے و بھاگنے کے معنی ہوتے ہیں اور منہ پھیرنے میں سامنے ہونے کے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فولوا وجوھکم شطرہ** اور

دوسری جگہ فرماتا ہے و من یولھم یومئذ دبرہ پہلی آیت میں قبلہ کے سامنے ہونا اور ادھر منہ کرنا مراد ہے' دوسری میں دشمن کو پیٹھ دکھانا اور میدان سے بھاگ جانا مراد ہے۔ ادبار دبر کی جمع ہے معنی پیٹھ یا پچھلا حصہ قبل کا مقابل یعنی اے صحابہ کرام اگر کبھی تمہاری اور یہود کی جنگ ہوئی تو ہم تمہیں خبر دیئے دیتے ہیں کہ یہ تمہیں پیٹھ دکھاویں گے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ ثم لا ینصرون یہ جملہ پوری شرط و جزاء پر معطوف ہے نہ کہ فقط جزاء پر' اسی لئے اس مضارع کا نون اعرابی نہ گرا اور ثم زمانی ترتیب کے لئے نہیں بلکہ خبری ترتیب کے لئے ہے یعنی پھر ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ کسی طرف سے ان کی مدد نہ ہوگی' نہ مشرکین مکہ کی طرف سے' نہ منافقین مدینہ کی جانب سے۔ منافقین یہود سے کہا کرتے تھے و ان قوتلتم لننصرنکم رب تعالیٰ نے پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ فرمایا تھا واللہ یشھد انھم لکذبون یہاں بھی منافقین کے اسی وعدہ وعید کی تردید ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے اہل کتاب مومنین یا اے تمام صحابہ انصار و مہاجرین' یا اے تاقیامت امت سید المرسلین تم ان یہود مدینہ سے جو تمہیں ڈراتے دھمکاتے ہیں' یا سارے یہودیوں سے یا سارے اہل کتاب سے' یہودی ہوں یا عیسائی' کچھ خوف و ہراس نہ کرو' یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' بجز اس کے کہ تمہیں کچھ ستائیں یا محض زبان سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کریں' کفر بکیں کہ ادھر عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہیں اور جناب عیسیٰ و مریم کو گالیاں دیں توریت مسخ کریں تو مسلموں کے دل میں اسلام کی طرف سے شبہات ڈالیں یا تمہارے خلاف سازشیں کریں ہم تمہیں خبر دیئے دیتے ہیں کہ اگر کبھی تمہارا یہود مدینہ سے یا سارے یہودیوں سے یا یہود و نصاریٰ سے مقابلہ ہوا تو وہ تمہارے مقابل میدان میں ٹھہریں گے نہیں' پھر تمہیں یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ ان کی کسی طرف سے مدد نہ ہوگی' ہماری یا ہمارے فرشتوں کی طرف سے مدد کیا ہوتی' منافقین مدینہ اور مشرکین مکہ جو انہیں اکساتے ہیں یا جن کو یہ اکساتے ہیں وقت پڑنے پر وہ بھی ان کی امداد نہ کریں گے' تمہاری مدد پر اللہ تعالیٰ اور سارے فرشتے ہیں لہٰذا تم ان سے بے خوف رہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اس آیت میں رب تعالیٰ نے چند غیبی خبریں دیں جو ہو بہو پوری ہوئیں' ایک یہ کہ یہود مدینہ مسلمانوں کو تباہ نہ کر سکیں گے ایسا ہی ہوا باوجودیکہ وہ یہودی طاقت اور بے پایاں دولت کے مالک تھے مسلمان عموماً" کمزور و غریب تھے' مگر پھر بھی وہ ان کا بال بیکا نہ کر سکے' دوسرے یہ کہ جنگ کی صورت میں وہ مسلمانوں کے مقابل نہ ٹھہر سکیں گے' ایسا ہی ہوا کہ ہر موقع پر خصوصاً" جنگ احزاب میں جبکہ سارے مدینہ کے یہودی اور مکہ ہی کے نہیں بلکہ سارے حجاز کے ہر قسم کے کافر جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مگر سب خائب و خاسر ہوئے' مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہے' پھر بنی قریظہ اور بنی نضیر سے مسلمانوں نے مدینہ خالی کرا لیا کہ بنی قریظہ کے سارے جوان قتل کر دیئے گئے اور بنی نضیر جلاوطن' مگر انہیں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی پھر عہد صدیقی و فاروقی میں عیسائیوں پر مسلمانوں کو جو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں وہ تاقیامت یادگار رہیں گی' جنگ قادسیہ و یرموک میں لاکھوں اہل کتاب کے مقابل چند ہزار مسلمان تھے' مگر میدان مومنین کے ہاتھوں رہے' تیسرے یہ کہ ان جنگوں میں شکست کھانے کے بعد بھی ان اہل کتاب کو کبھی شوکت نصیب نہ ہوگی' یونہی ہوا' یہ قرآن کریم کا زندہ جاوید معجزہ ہے۔ دوسرا فائدہ: اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم بلکہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف مسلمانوں کے لئے ایک مضبوط حفاظتی قلعہ ہے' اگر مسلمان اس قلعہ میں پناہ گزیں رہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ **لن یضروکم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں پر کفار خصوصاً" اہل کتاب کے زبانی و قلمی اعتراضات ان کے خلاف کتب چھاپنا' تدابیر کرنا ہمیشہ رہے گا جیسا کہ **الا اذی** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ایمان میں قدرتی دلیری ہے اور کفر میں بزدلی جیسا کہ **یولوکم** سے معلوم ہوا' دیکھو فرعونی جادوگر ہمیشہ اس سے دبتے تھے مگر ایمان لاتے ہی فرعون سے بے خوف ہو گئے۔ **پانچواں فائدہ:** مسلمانوں کو دلیری دیتے رہنا' ان کی بہادری کے خطبے کہنا اور کفار کی بزدلی بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے' اس کے برعکس حرکتیں کرنا طریقہ ابلیس۔ **چھٹا فائدہ:** بے یار و مددگار ہونا اور اپنا کوئی مددگار نہ ہونا کفار پر عذاب الٰہی ہے جیسا کہ **لا ینصرون** سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کے مددگار دنیا و آخرت میں بہت ہیں' جو کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ درپردہ اپنے کفر کا اقرار کرتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا** الخ اور فرماتا ہے **والملئکۃ بعد ذلک ظہیر**۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کفار خصوصاً" اہل کتاب نقصان نہ پہنچا سکیں گے مگر بہت دفعہ مسلمانوں کو بڑی بڑی تکالیف اور مصیبتیں کفار کی طرف سے پہنچیں' دیکھ لو آج بھی عیسائی ہر جگہ چھائے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کفار کے ہاتھوں دو بھر ہو چکی ہے' پھر یہ آیت صحیح کیونکر ہوئی؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ یہ آیت کریمہ یہود مدینہ کے متعلق ہے اور یہ واقعات ہو چکے ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا' دوسرے یہ کہ یہ وعدہ صحابہ کرام سے تھا جو تمام کفار و اہل کتاب کے مقابلے میں یہ پورا ہو چکا' تیسرے یہ کہ یہ وعدہ سارے مسلمانوں سے ہے مگر اس شرط سے کہ وہ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہیں' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و انتم الاعلون ان کنتم مومنین** اور وہ آیت **وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض** واقعی آج کے مسلمان کفار کے ہاتھوں بہت تنگ ہیں مگر ہماری بد عملیاں بھی حد سے بڑھ چکی ہیں ہم پر اس وقت آسمانی عذاب کا نہ آنا صرف اس لئے ہے کہ رب تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا **ما کان اللہ لیعذبہم و انت فیہم** ۔

جب میں کہتا ہوں کہ اے اللہ میرا حال دیکھ   حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہء اعمال دیکھ

رب تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' ہم اہل بھی تو نہیں۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

مسلمانوں خیال رکھو کہ اللہ بھی سچا اور اس کے رسول بھی سچے' جھوٹے ہم ہیں اور کوتاہیاں ہم میں ہیں۔

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں   میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

دوسرا اعتراض: نحوی قاعدہ سے **لا ینصرون** میں نون اعرابی نہ آنا چاہئے' کیونکہ یہ جملہ ثم عاطفہ کے ذریعہ **یولوا** معطوف ہے اور شرط کی جزاء ہے' نون اعرابی نہ شرط میں آتا ہے نہ جزاء میں' دیکھ لو **یقاتلوا** اور **یولوا** دونوں بغیر نون کے ہیں۔ **جواب:** **لا ینصرون** کا عطف **یولوا** پر ہے ہی نہیں بلکہ پورے جملہ شرطیہ پر ہے' مطلب یہ ہے' ہم یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تمہاری کبھی ان سے جنگ ہوئی تو وہ پیٹھ دکھا جائیں گے' پھر یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ انہیں مدد کہیں سے نہ پہنچے گی' اگر یہ **یولوا** پر معطوف ہوتا تو معنی یہ ہو جاتے کہ جنگ میں ان کی مدد نہ ہو گی' حالانکہ مقصد یہ ہے کہ ان کی مدد بھی نہ ہو

گی جنگ ہو یا نہ ہو (تفسیر کبیر)۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ہمیشہ کفار ہی پیٹھ دکھائیں گے حالانکہ عہد صحابہ بلکہ زمانہ نبوی میں بھی بعض جنگوں میں مسلمانوں کو شکست ہوئی جس کی مثال جنگ احد و حنین ہیں' خود رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذ تصعدون ولا تلون** الخ۔ **جواب:** اس کے جوابات سوال اول کے جواب میں گزر چکے کہ یہ وعدہ یہود مدینہ کے مقابلہ میں ہے یا وہ ہزیمتیں عارضی تھیں جو مسلمانوں کی اپنی غلطیوں سے ہو گئیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا سینہ میدان جنگ ہے جہاں روح و قلب کی لڑائی نفس امارہ سے ہو رہی ہے' شیطان اور اس کی ذریات روح و قلب کو ڈراتے ہیں اور نفس امارہ کو اپنی مدد اور اس کی فتح کے سبز باغ دکھاتے ہیں' دنیا کی الجھنیں اور رب تعالیٰ سے غفلت پیدا کرنے والی چیزیں نفس کا سامان جنگ ہیں اور شرعی احکام دل کے ہتھیار' رب تعالیٰ قلب مومن سے خطاب فرما رہا ہے گھبراتا نہیں یہ نفس مع اپنے ساز و سامان کے تیرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا بجز اس کے کہ تجھے نفس کی حرکتوں سے کچھ تکلیف پہنچے اور کچھ نہ ہو گا' ہمارا وعدہ ہے کہ اگر تیری اس سے جنگ ہوئی تو نفس تیرے مقابلہ میں شکست کھائے گا اور اس کے یار و مددگار یعنی شیطان و شیطانی لوگ وقت پر پتہ اسے کام نہ دیں گے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ
ڈال دی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں پائے گئے مگر اللہ کے ذمہ سے اور لوگوں کے ذمہ سے
ان پر جما دی گئی خواری جہاں ہوں امان نہ پائیں مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کی ڈور سے
النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
اور لوٹے وہ اللہ کے غضب کے ساتھ اور ڈال دی گئی او پر ان کے غربی یہ اس وجہ سے ہے
اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے اور ان پر جما دی گئی محتاجی اس لئے کہ وہ
كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا
کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے نبیوں کو بغیر حق کے یہ اسی وجہ سے ہے
اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے تھے یہ اس لئے کہ
عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ
کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھتے تھے
نافرماں بردار اور سرکش تھے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں مسلمانوں کو خبر دی گئی تھی کہ یہودی تمہیں مصیبت میں نہیں ڈال سکتے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ خود دائمی مصیبت میں گرفتار ہیں جس سے کبھی نکل نہیں سکتے' گویا متعدی ضرر کی نفی کے بعد لازم ضرر سے نکلنے کی نفی ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا اے مسلمانو تم

پر یہودی غالب نہیں آسکتے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم ان پر غالب آؤ گے' وہ تمہارے مقابلے میں مغلوب و ذلیل ہوں گے۔
تیسرا تعلق: گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہود مدینہ تمہیں صرف 'زبانی ایذاء' گالیاں' طعنے' مذاق وغیرہ سے تکلیف دے گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ ذلیل چھچھورے ہیں' کمینوں کا طریقہ زبان درازی اور بکواس ہی ہوتا ہے۔

تفسیر: **ضربت علیهم الذلة'** ضرب کے معنی مارنا' چلنا' مثال بیان کرنا' ڈالنا' گھیرنا' لازم کرنا ہیں' کہا جاتا ہے **ضرب علیهم القبتمان** پر قبہ ڈال دیا گیا' یا قبہ نے انہیں گھیر لیا' لازم کئے ہوئے ٹیکس کو **ضریبہ** کہا جاتا ہے' اور لازم قرض کو **ضربة الازم۔** (از تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ) یہاں گھیرنا' ڈالنا' لازم کرنا وغیرہ معانی بن سکتے ہیں **علیهم** کا مرجع وہ یہود ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ پاک میں رہتے تھے' جن کا ذکر ابھی ہو چکا اور آئندہ بھی انہی کا ذکر آ رہا ہے' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے کسی توجیہ کی ضرورت نہیں' اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد سارے یہودی ہوں' تب ذلت و مسکنت کے دو معنی ہوں گے جو عرض کئے جائیں گے' ذلت "ذ" سے بمعنی پھسلنا اسی لئے پھسلن والی زمین کو مذل کہا جاتا ہے اور ذلت "ذ" سے مراد ان کا دنیا میں دوسروں کا محکوم بن کر رہنا' ان پر جزیہ قائم ہونا' جنگوں میں ان کا قتل و قید ہونا' ان کے مال کا غنیمت بننا' ان کے بچوں' بیویوں اور خود ان کا لونڈی غلام بننا ہے' رب تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا کہ یہود مدینہ بنی قریظہ اور بنی نضیر پر یہ ساری وارداتیں خود ان کی اپنی بدمعاشیوں' بدعہدیوں اور خفیہ سازشوں کی بنا پر گزریں **این ما ثقفوا'** **این ما** عموم ظرف کے لئے ہے یعنی جہاں کہیں **ثقفوا'** **ثقف** سے بنا اس کی تحقیق **حیث ثقفتموهم** کی تفسیر میں ہو چکی ہے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنی ہیں پانا مگر اکثر لڑائی میں یا مصیبت میں گھر جانے یا گھیر لینے پر بولا جاتا ہے' کہا جاتا ہے **ثقفت فلانا" فی الحرب** میں نے فلاں شخص کو جنگ میں گھیر لیا یا پکڑ لیا (از تفسیر کبیر) **الا بحبل من الله و حبل من الناس** حبل کے معنی ابھی کچھ پہلے **و اعتصموا بحبل الله** کی تفسیر میں بیان ہو چکے' یہاں اتنا جان لو کہ عربی میں عہد اور ذمہ کو حبل یعنی رسی کہا جاتا ہے' کیونکہ جیسے رسی کو پکڑ کر دریا اور کنوئیں میں ڈوبنے سے اور سیڑھی وغیرہ پر گرنے سے بچ جاتے ہیں' ایسے ہی کسی سے عہد و پیمان کر کے اس کی مار دھاڑ سے بچ جاتے ہیں اس میں گفتگو ہے کہ یہاں ناس سے کون سے انسان مراد ہیں' اور اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی سے کیا مراد ہے' ظاہر یہ ہے کہ ناس سے مراد مسلمان مدینہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ساری اسلامی ریاستیں مراد ہوں' اور ممکن ہے کہ اسلامی اور غیر اسلامی عیسائیوں وغیرہ کی سلطنتیں بھی مراد ہوں' اللہ کی رسی سے مراد یا تو اسلام قبول کر لینا ہے اور لوگوں کی رسی سے مراد حکومت اسلامیہ کو جزیہ دینا یا دوسرے سلاطین کی پناہ میں رہنا ہے (خازن) اس صورت میں واؤ بمعنی او ہو گا' کیونکہ مسلمان ہو کر جزیہ دینا کیا معنی' یا اللہ کی رسی سے مراد جزیہ ہے' جو رب تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے' اور لوگوں کی رسی سے مراد مسلمانوں سے کچھ خاص شرائط پر صلح کرنا ہے' جس میں سلطان کو اختیار ہوتا ہے کہ جو چاہے شرائط پیش کر دے' اسی واسطے کہا جاتا ہے' ذمی دو قسم کے ہیں' ایک جزیہ دینے والے' دوسرے مسلمانوں کی امان میں رہنے والے (تفسیر کبیر) یا دونوں رسیوں سے مراد ذمہ و امان یا جزیہ ہی ہے' چونکہ مسلمانوں کا ذمہ درحقیقت رب تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ رب تعالیٰ کے حکم سے ہے' اس لئے اسے **حبل من الله** بھی کہا گیا یعنی یہ یہود مدینہ منورہ میں رہیں یا خیبر میں یا کہیں اور' یا سارے یہودی کہیں بھی رہیں ذلیل و خوار ہی ہوں گے اور مستحق قتل و غلامی' ان کے اس سے بچنے کی دو ہی صورتیں ہیں' یا اسلام لے آئیں یا

مسلمانوں یا کسی اور سلطنت کی حمایت میں رہیں، مستقل طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے **و باء و بغضب من اللہ** باء و بوء سے بنا بمعنی مکان و جگہ، اسی سے ہے **تبوء** رب تعالیٰ فرماتا ہے **تبوء والدار والایمان** اور اسی سے **مبوء** ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **مبوء صدق و رزقنھم من الطیبت** اب کسی جگہ کی طرف لوٹنے، وہاں رہنے اس کے لائق ہونے کو بوء کہا جاتا ہے یعنی یہ یہودی اللہ کا غضب لے کر لوٹے یا اس کے غضب میں رہے یا اس کے مستحق ہوئے **و ضربت علیھم المسکنۃ** سبحان اللہ کیا پیارا طرز بیان ہے، یہ نہیں فرمایا گیا **ھم مسٰکین** کہ وہ ہمیشہ غریب ہوں گے بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی گئی۔ مسکنت سے مراد خواری یا ذلت کی فقیری یا اس فقیری کے آثار یا فقیروں بھیک منگوں کے سے عادات و اطوار ہیں یعنی ان یہود کے چہروں پر فقیروں کی سی خواری ان کے دلوں میں بھیک منگوں کے سے طور طریقے ایسے لازم کر دیئے گئے جیسے سکہ پر نقش **ذلک بانھم کانوا یکفرون بایت اللہ** ذلک سے اشارہ ان تین سزاؤں کی طرف ہے جو ابھی مذکور ہیں یعنی ذلت، مسکنت، غضب الٰہی کے وبال، اگرچہ یہ تینوں چیزیں قریب ہی میں ذکر ہوئیں، مگر چونکہ یہ عیوب انسانیت سے بہت دور ہیں اس لئے ان کے لئے اشارہ بعید **ذلک** ارشاد ہوا۔ **ایت اللہ** سے مراد یا تو گذشتہ آسمانی کتابوں کی آیتیں ہیں یا گذشتہ انبیائے کرام کے معجزات یا قرآن مجید کی آیتیں ہیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور فرمان عالیہ، **کانوا یکفرون** فرما کر یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ اسی کفر و انکار کے عادی ہو چکے ہیں ان کی کتنی ہی تسلی کر دی جائے وہ نہیں مان سکتے یعنی ان یہود پر یہ تینوں عذاب اسی لئے مسلط ہوئے کہ یہ ہمیشہ سے آیات الٰہیہ کا ہٹ دھرمی سے انکار کرتے رہے ہیں، کفر کے معنی انکار کرنا بھی ہو سکتے ہیں اور چھپانا بھی، مگر انکار کے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ آئندہ "ب" سے ظاہر ہے **و یقتلون الانبیاء بغیر حق** یہ ان یہود کا دوسرا جرم بیان ہوا۔ **یقتلون** بھی **کانوا** کے تحت ہے یعنی گذشتہ زمانہ میں نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں، چنانچہ ایک بار ان بد نصیبوں نے ایک دن میں چار سو ستر پیغمبروں کو قتل کیا، صبح کے وقت ستر کو اور شام کو چار سو کو، پھر قتل محض ظلماً کیا، خود یہ بھی اس قتل کی وجہ بیان نہیں کر سکتے، جس پیغمبر نے ان کی نفسانی خواہش کے مطابق فتویٰ نہ دیا اسے شہید کر دیا **بغیر حق** سے مراد ان کے اپنے گمان کی وجہ ہے کہ واقعی وجہ، قتل نبی کے لئے واقعی وجہ تو ہو سکتی ہی نہیں کہ قتل یا تو ارتداد سے ہوتا ہے یا کسی کو قتل کر دینے کی وجہ سے، یا زنا سے یا فساد و بغاوت سے، انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم وسلامہ کو ان حرکات سے دور کا بھی تعلق نہیں **ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون** اس **ذلک** کا اشارہ اسی کفر و قتل انبیاء کی طرف ہے جو ابھی مذکور ہوا، **عصوا**، **عصیان** کا فعل ماضی ہے بمعنی گناہ اور **یعتدون**، **عدو** کا مضارع بمعنی حد سے بڑھ جانا، گناہ سے مراد بد عملی ہے اور حد سے بڑھنے سے مراد بد عقیدگی، یا گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور حد سے بڑھنے سے مراد کبیرہ گناہ، یا گناہ سے مراد حضرت انبیائے کرام کی بات نہ ماننا ہے اور حد سے بڑھنے سے ان کا مذاق اڑانا، بے ادبی کرنا، یا گناہ سے مراد شرعی احکام پر عمل نہ کرنا ہے اور تجاوز حد سے مراد ان احکام کو درست نہ سمجھنا ہے، یعنی ان بد نصیبوں کو اس کفر و قتل انبیاء کی جرات اس لئے ہوئی کہ انہوں نے پہلے تو گناہ کئے، پھر ان کے عقیدے بگڑے، انبیاء کرام کی بے ادبی کا جذبہ ان کے دلوں میں پیدا ہوا، پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفر کر بیٹھے، آخر کار انبیائے کرام جیسی ہستیوں کے قتل کے مرتکب ہو گئے، اس لئے ان مردودوں پر ہمارے یہ عذاب نازل ہوئے کہ دنیا میں خوار و ذلیل کر دیئے گئے غضب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔

خلاصہ تفسیر: اے صحابہ کرام خصوصاً" مومنین اہل کتاب' مدینہ کے یہ یہودی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے' تمہارے مقابل تو کیا ٹھہریں گے' ان کا اپنا حال یہ ہے کہ یہ کہیں بھی رہیں' مدینہ منورہ میں یا خیبر میں یا کسی اور جگہ' جہاں بھی ہوں گے ذلیل و خوار ہوں گے کہ کہیں بھی ہوں بغیر اللہ کے ذمہ یعنی ادائے جزیہ اور بغیر مسلمانوں کی امان ان کے ساتھ صلح و صفائی ان کی رعایا بنے بغیر کہیں ٹھہر نہ سکیں گے' ان پر ذلت و خواری ایسی لازم کر دی گئی ہے جیسے سکے پر نقوش' یہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو چکے ہیں' ان پر غریبی' بے چارگی' درماندگی' دوسروں کے امان کی محتاجی جما دی گئی کہ اگرچہ لاکھوں کے مالک ہوں مگر حرکتیں' فقیروں کی سی کریں گے' ذلیل خصلتیں بھکاریوں کی رکھیں گے' ان جیسی کنجوس قوم کوئی ہی ہو گی ان پر ان عذابوں کا نزول اسی وجہ سے ہوا کہ یہ لوگ گزشتہ کتابوں' انبیائے کرام کی ذات و صفات اور ان کے معجزات کا ہمیشہ ہی انکار کرتے رہے' حد یہ ہے بلا وجہ محض اپنی خواہش نفسانی سے حضرات انبیاء کو قتل کرتے رہے' زکریا علیہ السلام' یحییٰ علیہ السلام انہیں کے ہاتھوں صرف اس لئے شہید ہوئے کہ ان حضرات نے ان کی رائے کے مطابق باپ کے لئے بیٹی حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا' اور سینکڑوں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو انہوں نے ہی شہید کیا' اور اس کفر و قتل کی جرات انہیں اسی لئے پڑی کہ یہ پہلے سے گناہوں' نافرمانیوں اور حد سے بڑھ جانے کے عادی تھے۔

دوسری تفسیر: اے سارے مسلمانو! دنیا بھر کے یہودی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' سارے یہود پر ذلت و خواری فقیری دل کی یا مال کی مع غضب الٰہی مسلط کر دی گئی کہ دنیا میں یا تو اللہ کے ذمہ و پناہ میں تم لوگوں کو جزیہ دے کر' اسلام قبول کر کے رہیں یا کسی قوم کی امان میں زندگی گزاریں' خود مستقل طور پر اپنے پاؤں پر کبھی کھڑے نہ ہوں گے' ان کے یہ تین انجام ان کی تین حرکتوں کی وجہ سے ہوئے' آیات اللہ کا انکار' انبیائے کرام کا قتل' معاصی اور حد سے بڑھ جانے کی عادت' ان کے یہ تین جرم ان تین سزاؤں کا باعث ہوئے' رب تعالیٰ کی یہ خبر بالکل برحق ثابت ہوئی' آج تک یہود کہیں اپنی مستقل سلطنت قائم نہ کر سکے۔ آج بھی فلسطین میں ان کی عارضی سلطنت کا قیام محض امریکہ وغیرہ کی امان و ذمہ پر ہے' اگر آج امریکہ ان سے اپنا سایہ ہٹا لے تو آج ہی ان کا خاتمہ ہو جائے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ عارضی سلطنت ان کی کسی بڑی ذلت کا پیش خیمہ ہو گی ان کی حرکتیں ذلیل' حالتیں خوار ہیں اور رہیں گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں ذلت و خواری کا عذاب ہے اور عزت و آبرو اللہ کی رحمت' دیکھو یہاں یہود کی ذلت کو عذاب قرار دیا گیا' دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے۔ **و للہ العزۃ و لرسولہ و للمؤمنین۔** **دوسرا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کی بے حرمتی' بے ادبی' ذلت و خواری کا سبب ہے' رب تعالیٰ نے یہود کی ذلت کی وجہ ان کی عداوت انبیاء قرار دیا' مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد   میلش اندر طعنہء پاکاں دہد

ولید ابن مغیرہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بہت بکواس کی تو رب تعالیٰ نے سورۂ ن شریف میں اس کے دس عیوب گنائے' آخر اسے زنیم یعنی حرام کا بچہ فرمایا جس سے اب تک اس پر لعنت پڑ رہی ہے۔ اس سے گستاخوں کو عبرت لینی چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** کبھی باپ دادوں کے جرم میں اولاد بھی گرفتار ہو جاتی ہے جبکہ ان سے راضی اور ان کی حمایت والی ہو'

دیکھو یہود مدینہ کے باپ دادوں نے قتل انبیاء کیا تھا مگر یہ لوگ بھی ذلیل و خوار ہوئے کیونکہ وہ ان کے حامی تھے۔ **چوتھا فائدہ:** کفر سے راضی ہونا کافر کی کفر میں حمایت کرنا کفر ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے یہود مدینہ کو قاتلین انبیاء قرار دیا کہ وہ اس قتل سے راضی اور قاتلوں کے حامی تھی' فقہاء: د کافرین اور مرتدین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے' اس کا ماخذ یہ آیت ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بری خصلتیں' دنیا کی ہوس' طمع بھی خدا کا عذاب ہے' جس سے انسان بے چین رہتا ہے اگرچہ مالدار ہو جیسا کہ مسکنت کی تفسیر سے معلوم ہوا' اگر اس کا نقشہ دیکھنا ہو تو ہندوستان کے ان لکھ پتی بنیوں کی زندگی دیکھو جنہیں اچھا کپڑا' اچھا کھانا نصیب نہیں ہوتا' یہ ہے **معیشۃ ضنکا** یعنی تنگ زندگی۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ صغیرہ کی عادت گناہ کبیرہ کا ذریعہ ہے اور گناہ کبیرہ کی عادت خرابی عقائد کا ذریعہ' جیسا کہ **بما عصوا و کانوا یعتدون** سے معلوم ہوا' فقہا فرماتے ہیں کہ گناہ صغیرہ کی عادت ڈالنا گناہ کبیرہ ہے اس کا ماخذ یہ آیت بھی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **و لم یصروا علی ما فعلوا**۔ **ساتواں فائدہ:** کفار و بے دین کے لئے اولاد نبی ہونا مفید نہیں' مومنوں کے لئے بہت مفید ہے' دیکھو مومنین بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا گیا **و انی فضلتکم علی العلمین** اور وہی بنی اسرائیل جب کافر و انبیاء کے دشمن ہو گئے تو ان کے لئے فرمایا گیا' ان پر ذلت' خواری' غضب نازل ہو گیا' باوجودیکہ یہ وہ خاندان ہے' جس میں ہزاروں انبیائے کرام تشریف لائے' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اولاد نبی ہونے کا دعویٰ کریں' نماز روزہ کے قریب نہ آئیں' بے دینی اختیار کرلیں' پھر چاہیں کہ لوگ ہمارے ہاتھ پاؤں چومیں' اس سے متعلق ہماری کتاب **الکلام المقبول** کا مطالعہ فرمایئے۔ **آٹھواں فائدہ:** کفر دو قسم کا ہے' عداوت انبیاء کا اور ناجائز محبت کا مگر کفر عداوت کفر محبت سے بدتر ہے' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے یہود کے کفر کے ساتھ قتل انبیاء کا ذکر فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ یہ لعنت' غضب و ذلت و خواری اس لئے ہے کہ وہ عداوت کے کافر ہیں' عیسائیوں کے بارے میں یہ سخت کلمات نہیں آتے' کہ وہ اندھی محبت سے کافر ہوئے اللہ تعالیٰ محبوبوں کی عداوت سے محفوظ رکھے۔ **نواں فائدہ:** سلطنت اللہ کی رحمت ہے' دوسروں کی غلامی اللہ کا عذاب ہے جیسا کہ **و حبل من الناس** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہودی ذلیل بھی رہیں گے اور مسکین و غریب بھی' حالانکہ یہودی بڑی مالدار قوم ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اس میں ان یہود مدینہ کا ذکر ہے' جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے' ان کی ذلت خواری' جلاوطنی' جزیہ قائم ہونا' قتل و قید اب تک تواریخ میں موجود ہے' دوسرے یہ کہ سارے ہی یہود مراد ہیں مگر ذلت سے مراد ذلیل حرکتیں ہیں اور مسکنت سے مراد مال سے خالی ہونا نہیں بلکہ غنی سے خالی ہونا ہے' مالداری اور ہے غنی کچھ اور' غضب الٰہی سے مراد ان کا کفر میں سخت ہونا اور گناہوں میں گرفتار رہنا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** فلسطین میں یہود کی سلطنت قائم ہو گئی' حالانکہ قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ قیامت تک ان پر رسوائی لازم کر دی گئی اور اب تک ہم سنا کرتے تھے کہ ان کی بادشاہت کبھی قائم نہ ہو گی۔ **جواب:** اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے کہ فرمایا گیا **و حبل من الناس** ان کی سلطنت مستقل اپنی نہیں بلکہ بیپائے مردی امریکہ' اگر آج اس کا سایہ ہٹ جائے تو انہیں کہیں رہنے کا ٹھکانہ بھی نہ ملے' اب تک یہ جگہ جگہ سے نکالے گئے' انہیں کوئی ملک بھی قبول نہ کرتا تھا' جب ہٹلر نے انہیں جرمنی سے نکالا تو ان کے جہاز سمندر میں مارے مارے پھرتے تھے' کوئی سلطنت اپنے ہاں اترنے کی انہیں اجازت نہ دیتی تھی' یہود کی سلطنت کے قیام

اور ان سے مسلمانوں کی جنگ کی خبر حدیث شریف میں دی گئی 'غالباً' یہ سلطنت کا قیام اس جنگ کی تمہید ہے 'یہودی ایسے مارے جائیں گے کہ انہیں کوئی پتھر بھی پناہ نہ دے گا وہ بھی پکارے گا کہ اے مسلمان میرے پیچھے یہودی پوشیدہ ہے اسے مار لے (حدیث شریف)۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ یہود پر مسکینت ڈالی گئی' مسکینت تو اچھی چیز ہے۔ جس کی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے کہ خدایا مجھے مسکین جلا' مسکین اٹھا مسکینوں میں حشر فرما۔ **جواب:** مسکینت کے تین معنی ہیں۔ (1) مال سے خالی ہونا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما الصدقت للفقراء والمسکین**۔ (2) دل کا غرور و تکبر سے خالی ہونا' اس میں تواضع و انکساری ہونا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اللھم احینی مسکینا**"۔ (3) کسی شخص یا قوم کا عزت سے خالی ہونا' خوار و رسوا ہونا' یہاں تیسرے معنی کی مسکینی مراد ہے' اور حدیث شریف میں دوسرے معنی کی' غرضیکہ یہاں مسکینی عزت کے مقابل ہے نہ کہ تکبر کے اور نہ بمعنی فقیری' اسی لئے اتنی دراز عبارت فرمائی گئی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں **ذلک بانھم** الخ سے معلوم ہوا کہ یہود کی ذلت کی علت ان کا کفر و قتل ہے اور **ذلک بما** الخ سے معلوم ہوا کہ اس کی علت ان کے گناہ اور حد سے بڑھنا ہے' اور یہ دوسرا جملہ پہلے کی تاکید ہو سکتا ہی نہیں کہ تاکید و موکد ایک ہونے چاہئیں یہاں جدا ہیں۔ **جواب:** **ذلک بانھم** ذلت کی علت ہے اور **ذلک بما** الخ علت کی علت یعنی یہود کی ذلت کا باعث ان کا کفر و قتل انبیاء ہے اور اس کفر و قتل انبیاء کا باعث ان کے گناہ اور حد سے آگے بڑھنا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کی امداد فرمائے گا۔ فرماتا ہے **حقا علینا نصر المؤمنین** پھر یہ حضرات انبیاء یہود کے ہاتھوں قتل کیسے ہو گئے' رب تعالیٰ نے ان کی امداد کیوں نہ فرمائی۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب تو پہلے پارے میں گزر گیا' یہاں اتنا سمجھ لو کہ قتل و شہادت مدد کے خلاف نہیں' کبھی قتل کے بعد مشن کامیاب ہوتا ہے' وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جن مسائل کی تبلیغ میں شہید ہوئے' وہ مسائل آخر کار رائج ہو گئے اور یہود اپنی کوشش میں ناکام رہے اور ان انبیائے کرام کو درجہ شہادت ملا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے! اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

چھٹا اعتراض: یہ عجیب بات ہے کہ قتل انبیاء تو کریں یہود مدینہ کے باپ دادے' اور اس کی پاداش بھگتیں یہ لوگ' رب تعالیٰ تو فرماتا ہے **ولا تزر وازرۃ وزر اخری** ان یہودیوں نے کسی نبی کو قتل نہیں کیا۔ **جواب:** چونکہ یہ لوگ اپنے ان مردود باپ دادوں کے مداح اور حامی تھے' اور ان کے دلوں میں بھی عداوت انبیاء کی ایسی ہی آگ بھڑک رہی تھی' جیسی ان کے باپ دادوں کے دلوں میں تھی' اگر یہ بھی ان کا زمانہ پاتے تو ضرور قتل کرتے' چنانچہ انہوں نے بھی کئی دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کی حتیٰ کہ آپ کو ایک مرتبہ زہر بھی دیدیا' اس لئے یہ بھی سزا کے مستحق ہوئے' چور کا حامی بھی مجرم ہے۔ **ساتواں اعتراض:** **ضربت علیھم** کی ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹتی ہے' اور اہل کتاب میں یہودی' عیسائی دونوں داخل ہیں تو چاہئے کہ مذکورہ عذاب عیسائیوں پر بھی ہوں' حالانکہ عیسائی تو بڑے مزے میں ہیں' مستقل سلطنتوں کے مالک ہیں۔ **جواب:** مدینہ منورہ میں زیادہ یہودی ہی رہتے تھے' انہی کا زور تھا' اور اس زمانہ میں اسلام کے مقابل زیادہ یہی نکلے' اس لئے قرآن کریم میں ایسی وعیدوں کے موقعہ پر اکثر یہی مراد ہوتے ہیں' عیسائی ایسے موذی نہیں جیسے یہودی ہیں' رب تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے **وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ**۔

تفسیر صوفیانہ: اسلام ایک مضبوط قلعہ ہے جس کی بہت سی حفاظتی دیواریں، مستحبات، سنتیں، واجبات، فرائض، عقائد بزرگوں کا ادب و احترام یہ اس قلعہ کی ترتیب وار دیواریں ہیں، چور پہلے اگلی دیوار کو عبور کرتا ہے، پھر دوسری دیواروں کو چاہیے کہ اسے پہلی دیوار سے ہی دور رکھا جائے، شیطان چور ہے، پہلے مستحبات چھڑاتا ہے پھر سنتیں، پھر واجبات، پھر فرائض پھر ان سے نپٹ کر عقائد پر ہاتھ ڈالتا ہے، پھر بے ادب بناتا ہے، بے ادبی آئی اور دین گیا، دین گیا اور لعنت آئی، دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے یہود کے متعلق لعنت کے اسباب کیسی نفیس ترتیب سے بیان فرمائے کہ ان میں پہلے گناہ صغیرہ اور کبیرہ، پھر حد سے بڑھنا پیدا ہوئے، اس کے بعد کفر، پھر قتل انبیاء، جب یہاں تک پہنچے تو لعنت غضب وغیرہ کے مستحق ہوئے، عقلمند وہ شخص ہے جو مستحبات پر ہی شیطان کو روک دے اور صغیرہ گناہ کو ہلکا نہ جانے، صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبوت سے قرب رحمت کا باعث ہے اور نبوت سے دوری لعنت کا سبب۔

حکایت: مثنوی شریف میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں صحابہ کرام کی دعوت تھی، مہمان بیٹھ گئے، کپڑے کا دستر خوان بچھایا گیا جو میلا تھا، آپ نے خادمہ کو حکم دیا کہ دستر خوان صاف کراؤ، خادمہ نے اسے بھڑکتے تندور میں ڈال دیا، لوگ حیران ہوئے اور منتظر تھے کہ کپڑا جلے اور شعلے اٹھیں، مگر حاضرین کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب ان کی آنکھوں نے یہ دیکھا کہ دستر خوان سلامت نکال لیا، میل جل گیا تھا مگر اس کے تار جلنا تو کیا گرم بھی نہ ہوئے تھے، حیرت سے سوال کرنے لگے۔

قوم گفتند اے صحابی رسول　　　چوں نسوزید و منق گشت نیز

اے صحابی رسول یہ کپڑا آگ میں جلا کیوں نہیں؟ اور بجائے جلنے کے صاف کیسے ہو گیا؟ آپ نے جواب دیا۔

گفت روزے مصطفیٰ دست ودہاں　　　بس بمالید اندر ایں دستار خواں!

کہ ایک روز میرے ہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی، یہی دستر خوان بچھایا گیا تھا، سرکار نے اس سے اپنا ہاتھ اور منہ شریف پونچھ لیا تھا اس نور سے قرب کے باعث اس میں نار اثر نہیں کرتی، مولانا فرماتے ہیں۔

اے دل ترسندہ تر نار و عذاب!　　　باچنیں دست و دہن کن انتساب

اے دل اگر تجھے بھی دوزخ کی آگ کا خوف ہے تو ان ہاتھوں اور لبوں سے وابستہ ہو جا، ایمان ایک بیش قیمت موتی ہے اس کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ چاہئے اور سرکاری پہرہ، شریعت محمدیہ مضبوط حفاظتی قلعہ ہے اور حضرات اولیائے عظام و علمائے کرام اس کا حفاظتی دستہ۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ
نہیں رہیں یہ لوگ کتاب والوں میں سے ایک جماعت درست ہے جو تلاوت کرتے ہیں اللہ کی آیتیں رات
سب ایک سے نہیں کتابیوں میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں رات کی

الَّیۡلِ وَہُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ

کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخری دن پر اور حکم دیتے ہیں

گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم

بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ مِنَ

اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور جلدی کرتے ہیں بھلائیوں میں اور یہی لوگ

اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور یہ لوگ

الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾

نیکوں میں سے ہیں

لائق ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد یہود مدینہ کے دو گروہ ہو گئے' اکثر تو اپنی ضد پر قائم رہے اور ایمان نہ لائے مگر ان میں سے بعض ایمان لا کر صحابی بن گئے' پچھلی آیت میں ان ضدیوں پر غضب الٰہی کا ذکر تھا اس آیت میں ان میں سے مومنین پر اللہ کی رحمتوں کا ذکر ہے' چونکہ ان میں ضدی زیادہ تھے مومن تھوڑے' اس لئے ضدیوں کا ذکر پہلے ہوا مومنین کا بعد میں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کافر کتابیوں کے برے اعمال کا ذکر تھا' کفر' قتل انبیاء' نافرمانی' حد سے بڑھنا وغیرہ' اس آیت میں مومن کتابیوں کے نیک اعمال کا تذکرہ ہے' تلاوت قرآن' تہجد کی نماز' دین کی تبلیغ وغیرہ تاکہ قرآن پڑھنے والے کافروں کے عیوب سے بچیں اور ان مومنوں کے صفات حاصل کریں' قرآن شریف' طب روحانی کی کتاب ہے۔ جس میں ایمانی دواؤں کا ذکر بھی ہوتا ہے اور ایمانی پرہیزوں کا بھی' چونکہ پرہیز دوا پر مقدم ہے اور اس کا فائدہ دوا سے بھی زیادہ ہے اس لئے پرہیز کا ذکر پہلے ہوا دوا کا بعد میں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت سے شبہ پڑتا تھا کہ مومن اہل کتاب بھی مذکورہ عتاب میں داخل ہوں گے' کیونکہ یہ بھی انہی قاتلین انبیاء کی اولاد میں ہیں جن کے باپ داروں نے مذکورہ بالا عیوب کئے' اس وہم کو دفع کرنے کے لئے ان بزرگوں کو اس جماعت سے نکالا گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس میں تفصیل۔ چوتھا تعلق: گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار اہل کتاب اپنے گزشتہ گناہوں اور حد سے بڑھنے کی وجہ سے ان عذابوں کے مستحق ہوئے' اس سے شبہ ہوتا تھا کہ مومنین اہل کتاب بھی انہی مذکورہ سزاؤں کے مستحق ہوں گے کیونکہ اسلام سے پہلے یہ بھی مذکورہ گناہ کرتے رہے ہیں اب اس آیت میں یہ شبہ دور کرنے کے لئے بتایا جا رہا ہے کہ ان کا اسلام اور بعد کے نیک اعمال' ان تمام چیزوں کا کفارہ بن چکے' جس لوہے کو پارس سونا بنا دے وہ لوہے کا ہم جنس نہیں رہتا' ان کا سر محبوب کے قدم پر پہنچ چکا' یہ تو فرشتوں سے افضل ہو گئے' ان کفار کو ان بزرگوں سے نسبت ہی کیا' محبوب اور مردود میں مناسبت کیسی۔

شان نزول: (1) جب سیدنا عبداللہ ابن اسلام ' ثعلبہ ابن شعبہ ' اسید ابن شعبہ ' اسید ابن عبید اور دوسرے علمائے یہود اسلام لائے تو یہود کے پوپ پادریوں نے کہا کہ یہ لوگ ہم میں سے بدترین جماعت ہیں اگر بدتر نہ ہوتے تو اپنے باپ دادوں کا دین کیوں چھوڑتے اور نیا دین اسلام کیوں قبول کر لیتے' ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں فرمایا گیا کہ بہترین خلق یہ لوگ ہیں بدترین خلق تم ' ابن اسحاق ' طبرانی ' بیہقی وغیرہ محدثین نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے اس کا شان نزول یہی بیان کیا۔ خیال رہے کہ یہ حضرات خصوصاً" سیدنا عبداللہ ابن اسلام بنی اسرائیل میں بڑی شان والے تھے' ان کے خاندانی عالم تھے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے ' اس لئے یہودی ان کا بہت ہی احترام کرتے تھے مگر اسلام لاتے ہی ان کے دشمن ہو گئے اور ان کے متعلق ایسی بکواس کرنے لگے۔ (2) ظہور اسلام سے قبل بھی نجران کے چالیس آدمی اور حبشہ کے بتیس ' روم کے تین آدمی ایسے تھے جو صحیح عیسائیت پر قائم تھے اور کچھ مدینہ کے یہودی بھی اصل یہودیت پر قائم تھے ' جو زمانہ پا اسلام پاتے ہی مسلمان ہو گئے ' ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ' یہ دونوں شان نزول تفسیر کبیر ' خازن ' خزائن ' روح المعانی ' روح البیان وغیرہ نے نقل فرمائے ' اور تفسیر کبیر نے فرمایا کہ عطاء نے دوسرے شان نزول کو ترجیح دی ہے۔

تفسیر: **لیسوا سواء" من اهل الکتب'** **لیسوا** کی ضمیر گزشتہ اہل کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے چونکہ اہل کتاب صورۃ" واحد ہے معنی" جمع ' اس لئے ادھر ضمیر جمع کا لوٹنا صحیح ہے **سواء"** مصدر ہے بمعنی **مستوی** چونکہ مصدر واحد جمع دونوں پر بولا جاتا ہے ' اس لئے **لیسوا** جمع کی خبر' یہ واحد ہی بن گیا ' اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں ' ایک یہ کہ **سواء"** پر وقف ہو ' اور **من اهل الکتب** سے الگ جملہ شروع ہو یعنی اہل کتاب سارے برابر نہیں ' یا یہ مومن اہل کتاب کفار کے برابر نہیں ' یا مومنین اہل کتاب کے برابر نہیں ' یا تو یہ مومنین اہل کتاب پہلے ہی سے دوسرے اہل کتاب کے برابر نہیں تھے یا اب اسلام لانے کے بعد برابر نہ رہے ' دوسرے یہ کہ **سواء"** پر وقف نہ ہو بلکہ **من اهل الکتب** اس کے متعلق ہو یعنی یہ مذکورہ بالا لوگ اہل کتاب کے برابر نہیں بلکہ ان سے افضل ہیں خیال رہے کہ **سواء"** مثلیت کے معنی میں ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ مومنین عقائد میں ' اعمال میں ' اخلاق میں غرضکہ کسی چیز میں کسی طرح کافر اہل کتاب کے مثل نہیں ' یہ مطلب نہیں کہ مجرم دونوں ہیں مگر برابر کے نہیں ' وہ زیادہ ہیں یہ تھوڑے ' جیسا کہ بعض بے وقوفوں نے وہم کیا **امة قائمة** امت کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں ' **قائمة** قیام سے بنا' قیام کے بہت معنے ہیں۔ (1) غیر اختیاری کھڑا ہونا جیسے **قائم و حصید**۔ (2) اختیار سے کھڑا ہونا جیسے **ساجدا" و قائما"**۔ (3) حفاظت کرنا و خیال رکھنا جیسے **اقیموا الصلوة**۔ (4) کسی چیز کا ارادہ کر لینا جیسے **اذا قمتم الی الصلوة**۔ (5) ٹھیک و درست ہونا جیسے **امة قائمة** (6) یا کسی چیز پر قائم اور پابند رہنا ' یہاں یا تو با اختیار نماز میں کھڑا ہونا مراد ہے ' یا درست و سیدھا ہونا ' یا حق عبودیت کی حفاظت کرنا یا اللہ کی اطاعت پر استقامت یعنی ان اہل کتاب میں ایک ایسی جماعت بھی ہے یا یہ مومنین وہ جماعت ہیں جو نماز میں کھڑے رہتے ہیں یا راہ حق پر قائم ہیں یا اللہ کے حقوق کے محافظ ہیں یا اطاعت پر مستقیم ہیں **یتلون ایت اللہ اناء الیل** ' **یتلون** امۃ کی دوسری صفت ہے تلاوت سے بنا جس کا مادہ **تلو** ہے بمعنی اتباع یا پیچھے ہونا چونکہ قرآن پڑھنے والا الفاظ قرآن کی اتباع کرتا ہے ' اس لئے اسے تلاوت کہا جاتا ہے۔ **ایت اللہ** قرآن شریف کی آیتوں کو بھی کہتے ہیں اور ہماری مخلوق کو بھی ' کیونکہ یہ سب قدرت خداوندی کی نشانیاں ہیں ' یہاں

قرآنی آیتیں مراد ہیں کہ تلاوت انہی کی ہوتی ہے' اس تلاوت سے یا تو نماز کی تلاوت مراد ہے یا علاوہ نماز تلاوت قرآن پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ **و ھم یسجدون** سے معلوم ہو رہا ہے (تفسیر کبیر) **اناء** انی کی جمع ہے یا انا کی یا انی کی' اس کے بہت معنی ہیں' وقت و ساعت' کسی چیز کا اپنی انتہاء کو پہنچ جانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **الم یان للذین امنوا** اہل عرب کہتے ہیں **انی الحر** گرمی انتہاء کو پہنچ گئی سخت گرم اور کھولتے پانی کو **ان** کہتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و بین حمیم ان** اور فرماتا ہے **عین انیہ** کھانا پک جانے کو **انا** کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **غیر نظرین انہ** اور **اناء** برتن کو کہتے ہیں جس کی جمع **انیہ** ہے کہ کھانا اس میں محدود رہتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و یطاف علیھم بانیۃ من فضۃ** یعنی رات کی گھڑیوں میں وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں' یا جب رات انتہاء کو پہنچ جائے اور صبح ہونے والی ہو تو نماز تہجد پڑھتے ہیں۔ **و ھم یسجدون** اگر واؤ حالیہ ہے' اور یہ جملہ **یتلون** کے فاعل کا حال ہے تو سجدہ سے مراد نماز ہوگی' کیونکہ سجدہ اور رکوع میں تلاوت منع ہے اور نماز سے مراد تہجد وغیرہ نفلی نمازیں ہوں گی نہ کہ نماز پنجگانہ فرضی کیونکہ یہ نمازیں وہ حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جماعت سے پڑھتے تھے' اور مقتدی نماز میں تلاوت کرتا نہیں' اور اگر واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ علیحدہ' تو سجدہ اپنے معنی میں ہے یعنی وہ حضرات نماز میں اور نماز سے علاوہ تلاوت قرآن بھی کرتے ہیں اور سجدے بھی (تفسیر کبیر) ان بزرگوں کے اعمال صالحہ اور بدنی عبادتیں بیان فرمانے کے بعد ان کے عقائد کی تعریف کی جارہی ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے **یؤمنون باللہ والیوم الاخر** اس کی تفسیر پہلے ہو چکی کہ ایمانیات کے دو کنارے بیان فرما کر سارے ایمانیات کی طرف اشارہ کر دیا یعنی ذات الٰہی سے لے کر قیامت تک کی ساری باتوں کو نبی کی معرفت سے مانتے ہیں کہ اسی معرفت کا نام ایمان ہے' نبوت کے بغیر ربوبیت وغیرہ ماننا توحید تو ہے مگر ایمان نہیں' ان بزرگوں کی لازمی صفات بیان فرما کر متعدی صفتوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ **و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر** ان جملوں کی تفسیر پہلے کی جاچکی ہے یعنی وہ لوگ خود اپنی اصلاح پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اپنی طرح بنانے کی کوشش کرتے ہیں' اسی لئے ہر شخص کو ہر اچھی بات کا مشورہ دیتے ہیں اور ہر بری بات سے روکتے ہیں **و یسارعون فی الخیرت** یسارعون سرعت سے بنا' بمعنی دوڑنا اور جلدی کرنا' جلدی ختم کرنے کی کوشش مراد نہیں' اس کا نام تو عجلت ہے بلکہ جلدی حاصل کرنے کی کوشش **خیرات** سے مراد ہر قسم کے نیک اعمال ہیں یعنی وہ لوگ ہر بھلا کام کرنے میں جلدی کرتے ہیں اپنی موت کے خوف سے یا اس کے فوت کے اندیشہ سے یا یہ مطلب ہے کہ سستی اور بے رغبتی سے نیکیاں نہیں کرتے بلکہ شوق' رغبت و ذوق کے ساتھ چہرے سے کرتے ہیں (کبیر) یا یہ مطلب ہے کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں **و اولئک من الصلحین** اولئک سے اسی مبارک جماعت کی طرف اشارہ ہے جن میں یہ آٹھ مذکورہ صفات ہوں **صلحین** یا **صلاح** بمعنی درستی و عمدگی اور خوبی سے بنا یا صلاحیت (بمعنی قابلیت و لیاقت) سے بنا یعنی یہ لوگ بہت نیک صالح جماعت میں سے ہیں یا اس جماعت میں سے ہیں جو بارگاہ الٰہی کی حاضری کے لائق ہے' چونکہ یہود نے انہیں اشرار کہا تھا' رب تعالیٰ نے ان کے جواب میں ان بزرگوں کو صالحین وا خیار فرمایا۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سارے صحابہ کی یا اہل کتاب صحابہ کی آٹھ صفات بیان فرمائیں۔ (1) حق پر قائم رہنا۔ (2) رات میں تلاوت کرنا۔ (3) نماز تہجد یا نماز اوابین پڑھنا۔ (4) اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانا۔ (5) لوگوں کو اچھی

باتوں کا حکم دینا۔ (6) سب کو بری باتوں سے روکنا و منع کرنا۔ (7) بھلائیوں میں جلدی کرنا۔ (8) ان سب کا صالح نیک و عادل ہونا یعنی اہل کتاب کے جو عیوب بیان کئے گئے وہ سب میں موجود نہیں کیونکہ سارے کتابی برابر نہیں ان میں بعض اعلیٰ صفات والے مومن بھی ہیں یا یہ صحابہ اہل کتاب کی مثل و برابر نہیں' یہ سارے حسب ذیل صفات سے موصوف ہیں' دین پر قائم ہیں کہ کسی لالچ و خوف سے بال برابر بھی دین سے نہیں ہٹتے' کوئی طاقت ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آنے دیتی' راتیں غفلت اور محض سونے میں نہیں گزارتے بلکہ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی میں گزارتے ہیں' جب سب سوتے ہیں تو یہ سجدوں میں سر رکھے روتے ہیں' اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر صحیح معنی میں ایمان رکھتے ہیں کہ نبی کی معرفت سے انہیں ذات و صفات اور قیامت کے احوال کے ساتھ مانتے ہیں اپنے دین کو چھپاتے نہیں بلکہ سب تک پہنچاتے ہیں کہ اچھی بری باتیں لوگوں کو سمجھا کر اچھائیوں کی رغبت اور برائیوں سے نفرت پیدا کرتے ہیں' اپنی زندگی پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ سانسوں کو غنیمت جان کر ہر نیک کام میں جلدی کرتے ہیں' اور نیکیاں سستی سے نہیں کرتے بلکہ ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے' ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ سارے لوگ متقی عادل پرہیزگار اور ہماری ہر نعمت خصوصاً صحبت پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہیں۔ خیال رہے کہ صالح ہونا وہ صفت ہے جو رب تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بیان کی ہے کہ حضرت اسمٰعیل و ادریس و ذی الکفل وغیرہم علیہم السلام کا ذکر فرماکر ارشاد فرمایا **وادخلنھم فی رحمتنا انھم من الصلحین** اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی تھی **وادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین** رب تعالیٰ کی طرف سے صالح کا خطاب ملنا آسان نہیں بحمدہ تعالیٰ ہے اس آیت کریمہ میں کفار کتابیوں کے عیوب بھی بیان فرمادیئے کہ وہ لوگ نہ تو دین پر قائم رہے کہ معمولی رقوم لے کر انہوں نے احکام الٰہی بدل دیئے' نہ انہوں نے آیات الٰہی کی تلاوت کی بلکہ انہیں چھپایا' رات کو نماز پڑھنا تو وہ جانتے ہی نہیں' وہ تو دن میں نہیں پڑھتے' صحیح معنی میں خدا پر ایمان نہیں رکھتے کہ اس کے لئے بیوی بچے ثابت کرتے ہیں' قیامت کا خوف تو ان کے قریب نہیں آتا' ورنہ ایسی حرکتیں کیوں کرتے' لوگوں کو تبلیغ تو کیا معنی انہیں الٹا ایمان سے روکتے ہیں' اور بری رسم و رواج میں پھنساتے ہیں' اگر کوئی نیکی کرتے بھی ہیں تو بوجھ سمجھ کر سستی سے یہ لوگ صالح نہیں بلکہ طالح یعنی بدکار و بدنصیب ہیں۔

فائدے: اس آیت سے بہت سے فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: صحابہ کرام کی تعریف کرنا سنت الٰہیہ ہے اور انہیں برا کہنا طریقہ یہود' دیکھو رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بدگویوں کی تردید فرمائی اور صحابہ کی آٹھ صفتیں بیان فرماکر ان کی ثناء خوانی کی۔ دوسرا فائدہ: جیسے نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے ایسے ہی مناقب اولیاء و صحابہ بیان کرنا بھی بہترین خدمت دین ہے' نعت و مناقب سے قرآن کی آیات بھرپور ہیں۔ تیسرا فائدہ: مومن و کافر' متقی و فاجر برابر نہیں' جیسا کہ **لیسوا سواء**" سے معلوم ہوا تو جو نبی اور امتی کو یکساں مانے وہ پرلے درجے کا بے وقوف ہے' جب ایمان اور تقویٰ کی صفت مومن کو دوسروں سے ممتاز و اعلیٰ کردیتی ہے تو نبوت کی صفت نبی کو غیر نبی سے کیوں ممتاز نہ کرے گی۔ چوتھا فائدہ: مومن کی امتیازی شان نیک اعمال سے ہے نہ کہ عزت و جاہ اور مال سے' دیکھو رب تعالیٰ نے ان کی صفات میں اعمال کا ذکر کیا نہ کہ مال کا۔ پانچواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل بھی کچھ لوگ راہ راست پر تھے' سارے ہی مشرک نہ ہوگئے تھے جیسا کہ **لیسوا سواء**" کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ پہلے ہی سے

برابر نہیں' چنانچہ انصار میں اسعد ابن زرارہ' براء ابن معرور' محمد ابن مسلمہ' ابو قیس ابن صرمہ ابن انس اسلام سے قبل بھی موحد تھے' جنابت سے غسل کرتے تھے بقدر معلومات' شریعت حنیفی پر عامل تھے (تفسیر خازن) چنانچہ حضرت آمنہ خاتون و سیدنا عبداللہ بھی دین ابراہیمی پر بقدر وسعت قائم تھے۔ **چھٹا فائدہ:** دین پر استقامت ساری عبادات سے افضل ہے کہ رب تعالیٰ نے پہلے اسی کا ذکر فرمایا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے۔ **ساتواں فائدہ:** صحابہ کرام محض دو چار نہیں بلکہ بہت ہیں انہیں رب تعالیٰ نے یہاں **امتہ** فرمایا' دوسری جگہ انہیں فوجیں کہا کہ ارشاد فرمایا **یدخلون فی دین اللہ افواجا**" چار پانچ آدمیوں کو نہ امت کہا جاتا ہے نہ فوجیں' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں' جو کہتے ہیں سوائے پانچ شخصوں کے باقی سارے منافق یا کافر تھے **العیاذ باللہ** - **آٹھواں فائدہ:** رات کی عبادات بہت افضل ہیں جیساکہ **و ھم یسجدون** سے معلوم ہوا جو یکسوئی و خلوص اس نماز میں میسر ہوتا ہے اوروں میں نہیں۔ **دسواں فائدہ:** تمام رات عبادت و نماز بہتر نہیں کچھ سونا بھی چاہئے جیساکہ **اناء الیل** سے معلوم ہوا' جن بزرگوں سے تمام رات عبادات منقول ہیں ان میں کچھ حکمتیں ہیں۔ **گیارہواں فائدہ:** تقیہ اور ایمان چھپانا بد ترین گناہ ہے' اپنے ایمان کا اعلان اور دوسروں کو تبلیغ کرنا ضروری ہے جیساکہ **یامرون** الخ سے معلوم ہوا' خوف جان پر بہتر تو یہی ہے کہ ایمان نہ چھپائے اور جان دیدے گو چھپانا جائز بھی ہے تو ایسا جیسے جان نکلنے پر مردار کھانا۔ **بارہواں فائدہ:** نیکیوں میں جلدی کرنا اور سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے جیساکہ **یسارعون** کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **تیرہواں فائدہ:** صحابہ کرام کا صالح' نیک ہونا ایسا ہی قطعی و یقینی ہے' جیسے رب تعالیٰ کی توحید اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت' کیونکہ یہاں انہیں **صالحین** فرمایا دوسری جگہ **صدقین** تیسری جگہ **مومنون حقا** کہ فرمایا **و اولئک من الصلحین** اور فرمایا **اولئک ھم الصدقون** اور فرمایا **اولئک ھم المومنون حقا**" اس آیت میں تو صحابہ کے مناقب کی حد ہو گئی۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ گنہگار تھے' مگر کفار سے کم ان کے برابر نہیں کیونکہ یہاں برابری کا انکار کیا گیا نہ کہ گناہ کا۔ **جواب:** **سواء**" نکرہ ہے' جو نفی کے تحت آکر عموم کا فائدہ دے رہا ہے یعنی وہ کسی بات میں کفار کے برابر نہیں' نہ کسی بد عقیدگی میں اور نہ کسی بد عملی میں' اگر ایک عیب بھی ان میں ہوتا تو اس عیب میں تو کفار کے برابر ہو جاتے' اگر ایسی آیتوں کے یہ معنی سمجھے جائیں تو مصیبت آجائے گی' رب تعالیٰ فرماتا **لا یستوی اصحب النار و اصحب الجنتہ** جنتی دوزخی برابر نہیں' کیا یہ کہو گے کہ جنتی بھی دوزخیوں کی طرح کافر فاسق تو ہیں' ہاں کچھ ان سے کم ہیں برابر نہیں **نعوذ باللہ** اس کا دوسرا جواب وہ ہے جو تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں **سواء**" سے مراد مشابہت ہے۔ **دوسرا اعتراض:** جو کتابی ایمان لا چکے تھے انہیں اہل کتاب کیوں کہا گیا' وہ تو مسلمان تھے مسلمانوں کو اہل کتاب کہا نہیں جاتا۔ **جواب:** یا نسب کے اعتبار سے یا پچھلی حالت کے لحاظ سے یعنی نبی اسرائیل میں سے بعض مومن ہیں' یا جو پہلے اہل کتاب تھے جیسے کہا جاتا ہے کہ بہت سے کافر مسلمان ہو گئے یعنی جو پہلے کافر تھے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکیوں میں جلدی کرنا اچھا ہے اور حدیث شریف میں ہے **العجلتہ من الشیطان** بزرگان دین فرماتے ہیں کہ تعجیل کار شیاطین بود' جلدی کرنا شیطانی کام ہے ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** نیکیوں میں سرعت اچھی ہے عجلت بری' سرعت

سستی کی مقابل ہے اور عجلت اطمینان کی' قرآن پاک نے سرعت کی تعریف کی اور حدیث شریف نے عجلت کی برائی' خلاصہ یہ ہے کہ نیکیوں میں جلدی کرو اپنی موت اور اس کے فوت سے پہلے کر لو' مگر اولئے اطمینان سے کرو' غالباً" یہ حدیث ہے کہ **عجلوا الصلوۃ قبل الفوت و عجلوا التوبۃ قبل الموت** یعنی فوت ہونے سے پہلے نماز پڑھ لو اور موت سے پہلے توبہ کر لو یہاں عجلت بمعنی سرعت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے تخم سے درخت کی پیدائش ہے کہ تخم ایک ہے مگر درخت کے اجزاء مختلف' شاخیں' تنا' پتے' پھل پھول' یہ آپس میں سب برابر نہیں' نہ ان کا مقام ایک ہے' شاخیں اور پتے جلائے جاتے ہیں۔ تنے کے تختے' کواڑ اور فرنیچر وغیرہ بنائے جاتے ہیں' پھل پھول عزت سے کھائے اور آنکھوں سے لگائے جاتے ہیں' کانٹے ہٹائے جاتے ہیں' ایسے ہی انسانی نسل کی اصل ایک ہی ہے مگر انسان مختلف' کوئی کانٹوں کی طرح ہٹانے کے لائق ہیں' کوئی بیکار شاخوں' پتوں کی طرح جلانے کے قابل' کوئی پھولوں کی طرح سر پر چڑھانے کے قابل اور کوئی پھلوں کی طرح آنکھوں سے لگانے کے قابل' ان کی صورتوں کا تحاد نہ دیکھو بلکہ سیرتوں کے اختلاف پر نظر رکھو' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **لیسوا سواء** " یعنی بنی اسرائیل اگرچہ ایک اصل یعقوبی کی نسل ہیں مگر برابر نہیں' ان میں کچھ پھول ہیں کچھ کانٹے' مولانا فرماتے ہیں۔

گر بصورت آدمی انسان بودے — احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

صوفیاء فرماتے ہیں تقویٰ کے بہت ارکان ہیں اور انسان کے بہت اعضاء' ان ارکان کا الگ مکان ہے' زبان تلاوت قرآن کی جگہ ہے' پیشانی سجدہ کا مقام' دل ایمان کا ٹھکانہ' سارے اعضاء تبلیغ قولی و عملی کی جگہ' دماغ سرعت خیرات کا مقام ہے۔ جب یہ سارے ارکان اپنے اپنے مقام پر فٹ ہو جائیں' تب صلاح کا پھل ملتا ہے' اور انسان صالحین میں سے ہوتا ہے' اس آیت میں ارکان تقویٰ کے ان ٹھکانوں کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ یہ سب کچھ تقویٰ کا قالب ہے' اس کا قلب و روح عشق و ادب ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب**

حکایت: امام ابو بکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک بہت حسین جوان دیکھا' میں نے پوچھا تو کون ہے؟ وہ بولا تقویٰ' میں نے پوچھا تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے کہا غمگین دلوں میں' پھر ایک بدشکل عورت کو دیکھا' میں نے پوچھا تو کون ہے وہ بولی میں ہنسی و خوشی ہوں۔ میں نے پوچھا تو کہاں رہتی ہے؟ بولی ہر غافل دل میں۔ تقویٰ اختیار کرو کہ یہ قبر کی وحشت میں انیس ہے اور حشر میں ساتھی۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ
اور جو کچھ کریں گے یہ بھلائی اس کا انکار نہ کئے جائیں گے اور اللہ جانتا ہے پرہیزگاروں کو بیشک وہ لوگ
اور وہ جو بھلائی کریں ان کا حق نہ مارا جائے گا اور اللہ کو معلوم ہیں ڈر والے وہ جو

كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ

جو کافر ہوئے ہرگز نہ دفع کریں گے ان سے اللہ کے مال اور نہ انکی اولاد اللہ کی کسی چیز کو اور یہ لوگ

کافر ہوئے ان کے مال اور اولاد ان کو اللہ سے کچھ نہ بچالیں گے اور وہ

أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں مومنوں کے نیک اعمال اور کفار کی بد عملیوں کا ذکر تھا ان آیتوں میں مومنوں کی جزاء اور کافروں کی سزا کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں کافر و مومن دو جماعتوں کا ذکر تھا اب ان آیتوں میں فرمایا جارہا ہے کہ مومنوں کی کوئی نیکی برباد نہ جائے گی اور کافروں کی کوئی بھلائی کام نہ آئے گی گویا ابتداء کا ذکر وہاں تھا اور انتہا کا یہاں۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مومنین صالح یعنی لائق ہیں جس سے معلوم ہوا تھا کہ کفار نالائق ہیں' اب اس لیاقت و نالائقی کی تفسیر بیان ہو رہی ہے کہ مومن کن جزاؤں کے لائق ہے جن کے کافر لائق نہیں۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں رب تعالیٰ نے مومنین کی آٹھ صفات بیان فرمائیں جن سے شبہ ہوتا تھا کہ جس میں یہ آٹھ صفات علی وجہ الکمال جمع نہ ہوں' وہ نہ مومن ہے نہ امت قائمہ ہے نہ کسی جزاء کا مستحق۔ اس خیال سے ہم جیسے گنہگاروں کی ہمت ٹوٹتی تھی' اب ہم جیسوں کی ہمت افزائی کے لئے فرمایا جارہا ہے کہ گھبراؤ مت' جو کچھ بن پڑے نیکی کئے جاؤ' جزاء ملے گی' جیسا کہ **من خیر** سے معلوم ہو رہا ہے۔

اترتے چاند' ڈھلتی چاندنی' جو ہو سکے کرلے   اندھیرا پاکھ آتا ہے' یہ دو دن کی اجالی ہے

شان نزول: جب سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تو علمائے یہود نے وہ اعتراضات کئے جن کا ذکر و تردید پہلے ہو چکی' عوام اور جہلائے یہود نے ان بزرگوں سے کہا کہ تم نے بڑے ٹوٹے و خسارہ کا سودا کیا کہ ہدایت چھوڑ کر گمراہی لے لی' ہدایت سے مراد انہوں نے یہودیت لی اور گمراہی سے مراد اسلام' ان کی اور ان بزرگوں کی حمایت میں یہ پہلی آیت اتری (کبیر و خازن)۔ (2) مکہ مکرمہ کے مشرکین خصوصاً" ابو جہل نے اسلام کے خلاف جانی و مالی زور لگائے اور اس پر وہ ثواب کی امید رکھتے تھے' نیز مشرکین مکہ کہا کرتے تھے **و قالوا نحن اکثر اموالا" و اولادا" وما نحن بمعذبین** یعنی ہماری اولاد اور مال زیادہ ہے' ہمیں عذاب نہ ہو گا کیونکہ ہم سے ہی خدا راضی ہے ورنہ ہمیں اتنا کچھ نہ دیتا' ان سب کی تردید میں دوسری آیت **ان الذین** الخ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی و صاوی و خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **وما یفعلوا من خیر** بعض قراتوں میں **تفعلوا** "ت" سے ہے جس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے یا عام مسلمانوں سے' ہماری قرات میں **یفعلوا** "ی" سے ہے یہی راجح ہے' کیونکہ گزشتہ آیات میں سارے صیغے غائب کے تھے' اور آئندہ بھی غائب ہی کے صیغے آرہے ہیں لہٰذا اس کا بھی صیغہ غائب ہونا مناسب ہے **ما** موصولہ ہے جس میں ابہام و پوشیدگی

ہے' اور فعل سے مراد قلبی' بدنی' اصلا" و خیانۃ" سارے کام ہیں' من بیانیہ تنکیریہ ہے' جس نے ما کا تو بیان کردیا اور خیر کا اطلاق و عموم دوبالا کردیا خیر کے بہت سے معنی ہیں جو پہلے بیان ہوئے' یہاں نیکی مراد ہے خواہ اعتقادی ہو یا بدنی یا مالی' چھوٹی ہو یا بڑی' خفیہ ہو یا علانیہ یعنی صحابہ کرام یا سارے مسلمان جب بھی کوئی بدنی' مالی' اعتقادی' چھوٹی بڑی کسی قسم کی کوئی نیکی کریں گے فلن یکفروہ' یکفروا' کفر سے بنا جس کے معنی ہیں انکار کرنا' چھپانا' نہ ماننا اسی لئے چھلکے کو کفری کہتے ہیں کہ وہ مغز کو چھپائے ہوتا ہے' اور ایک دوا کا نام کافور ہے' جو اپنی تیز بو سے دوسری خوشبوؤں کو چھپالیتی ہے' ناشکری کو کفران اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ناشکرا رب تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتا ہے' لوگوں پر ظاہر نہیں کرتا' حق مار لینے کو بھی کفران کہا جاتا ہے کہ وہاں دوسرے کے حق کا انکاری ہوتا ہے' رب تعالیٰ کے لئے یہ سارے معنی ناممکن ہیں نہ اس پر کسی کی نعمت و احسان ہے اور نہ کسی کا ذاتی استحقاق' اس لئے جب شکر و کفر کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی جائے تو وہاں شکر کے معنی ہوتے ہیں جزا دینا' قدردانی فرمانا' جیسے ان اللہ شاکر علیم رب تعالیٰ قدر فرمانے والا علم والا ہے' اور کفر کے معنی ہوتے ہیں جزاء سے محروم کر دینا یہاں یہی معنی مراد ہیں' اسی لئے یہاں کفر متعدی بدو مفعول کیا گیا اس کا مفعول اول ھم پوشیدہ ہے' جس کا مرجع مومنین ہیں اور دوسرا مفعول ہ ضمیر ہے' جس کا مرجع خیر ہے' یعنی وہ اس خیر کی جزاء سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے۔ (روح البیان) واللہ علیم بالمتقین اس جملہ میں لن یکفروا کی دلیل کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا' وہ یہ کہ کسی کے عمل کی جزاء نہ دینا یا مجبوری سے ہوتا ہے یا بخل سے' یا خیانت سے' یا بے علمی سے' ہم ان تمام عیوب سے پاک ہیں' نہ ہم بخیل ہیں نہ بدکار' نہ ظالم' کیونکہ ہم اللہ ہیں اور نہ ہم بے علم ہیں' کیونکہ ہم علیم بالمتقین ہیں' متقین فرما کر یہ بتلایا گیا کہ ہماری بارگاہ میں تقویٰ کی قدر ہے' اگر ہم سے کچھ لینا چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو' چونکہ اب تک نیکوں کی جزاء کا ذکر ہوا' اور ہر چیز کی پوری معرفت اس کے مقابل سے ہوتی ہے' اس لئے آگے کفار اور ان کی سزاؤں کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا کہ ان الذین کفروا چونکہ کفار اپنے کفر کو ذریعہ نجات اور بدکاریوں کو نیکی سمجھتے تھے' اس لئے اس مضمون کو ان سے شروع فرمایا گیا' کفر کے معنی انکار ہیں ایمان و اقرار کا مقابل' اس سے مراد ہر کفر ہے' خواہ الوہیت کا انکار ہو یا نبوت کا' یا ضروریات دین میں سے کسی مسئلہ کا' نماز' روزہ وغیرہ لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا" ' تغنی' اغناء سے بنا جس کا مادہ غنی ہے' بمعنی بے پرواہی و بے نیازی' باب افعال میں آ کر دفع ضرر کے معنی دیتا ہے' اسی لئے اس کے بعد عن آتا ہے کیونکہ دفع ضرر کے بعد انسان بے نیاز ہوتا ہے۔ من اللہ کا تعلق یا تو لن تغنی سے ہے یا ثابت پوشیدہ کا متعلق ہو کر شیئا" کا حال ہے اور شیئا" سے مراد دنیوی و اخروی عذاب ہے' یعنی ان کے مال و اولاد میں رب تعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ کسی عذاب کو دور کر سکیں یا ان کے مال و اولاد رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے کسی عذاب کو دفع نہ کر سکیں گے' تو وہ مال و اولاد پر اتنا کیوں پھولتے ہیں و اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون۔ اولئک میں ان مذکور کفار کی طرف اشارہ ہے' اصحب صاحب کی جمع ہے' بمعنی ساتھی اور والا' یہاں والا کے معنی زیادہ موزوں ہیں' نار سے مراد دوزخ کا عذاب ہے خواہ وہ گرم ہو یا سرد' کیونکہ ٹھنڈا عذاب بھی آگ کی وجہ سے ہی ہوگا' جیسے دنیا میں سردی کا موسم آفتاب سے ہی آتا ہے یعنی یہ لوگ آگ والے ہیں خلدون' خلود سے بنا جس کے معنی ہیں بہت رہنا یا ہمیشہ رہنا' جب گنہگار مومن کے لئے یہ لفظ آئے گا تو اس کے معنی ہوں گے بہت ٹھہرنا جیسے قتل" قاتل کے لئے فرمایا گیا خلدا" فیھا اور اگر کافروں کے لئے ہو گا تو معنی ہوں گے ہمیشہ

ٹھہرنا' یہاں چونکہ کفار کے لئے استعمال ہوا اس لئے معنی ہمیشگی ہے یعنی سارے کفار آگ میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے گنہگار مسلمانو ہمت نہ ہارنا' یہ نہ سمجھنا کہ جس میں یہ آٹھ خوبیاں جمع ہوں وہی ہماری رحمت کا مستحق ہے' ہمارا قانون رحمت یہ ہے کہ جو مسلمان کوئی معمولی سے معمولی بدنی' مالی کسی قسم کی نیکی کرے' وہ ہمارے آستانہ سے محروم نہیں کیا جاتا لہٰذا تم سے جو بن پڑے نیکی کرتے رہو ہم ہر متقی کے اعمال اور درجہ تقویٰ کو بخوبی جانتے ہیں' کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں تاکہ وہ ہماری رحمت سے رہ جائے۔ خیال رکھنا جیسے ہماری رحمت مومنوں متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس کے دائرہ سے کوئی خارج نہیں' ایسے ہی ہمارا عذاب بھی کافروں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ جس نے کسی قسم کا کفر اختیار کیا نہ اس کا مال عذاب الٰہی کو دفع کر سکے نہ اولاد' نہ جتھا نہ کنبہ' ان کے لئے ہمارا فیصلہ ہو چکا کہ وہ دوزخ والے ہیں کہ دوزخ انہی کے لئے بنائی گئی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کبھی وہاں سے رہائی نہ پائیں گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ اپنی زندگی کو غنیمت جانے اور جو چھوٹی بڑی نیکی ہو سکے کر گزرے' بڑی نیکی کے انتظار میں چھوٹی نیکیاں نہ چھوڑے' نامعلوم کون سی نیکی' بیڑا پار کر دے۔ جیسا کہ **من خیر** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** مومن کی کسی نیکی کو رب تعالیٰ ضائع نہیں کرتا جیسا کہ **فلن یکفروہ** سے معلوم ہوا بندہ خود ضائع کرے تو اس کی اپنی حماقت ہے' ہاں وہ کریم اپنے کرم سے ہمارے گناہ معاف کر دیتا ہے' فرماتا ہے **و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** رب تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے' اس کا رسول سچا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ **تیسرا فائدہ:** ایمان کے بعد تقویٰ اللہ کی بڑی نعمت ہے' یہ خوش نصیبوں کو ہی ملتا ہے' تقویٰ کے بہت درجے ہیں' تقویٰ عام' تقویٰ خاص' تقویٰ خاص الخاص' ان کی تشریح **هدی" للمتقین** کی تفسیر میں عرض کی گئی' یہ فائدہ **علیم بالمتقین** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** انشاء اللہ مومن کامل والولاد رب تعالیٰ کے حکم سے کام آئیں گے' عذاب الٰہی دفع کریں گے' مومن کے صدقات' نیک اولاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ عذاب دفع فرمائے گا کیونکہ اس آیت میں مال و اولاد کا دفع عذاب نہ کرنا کفار کے لئے عذاب کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے اور کفار کے عذاب سے مومن محفوظ ہیں جیسا کہ **لن تغنی عنهم** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کافر کی کوئی نیکی آخرت میں کام نہ آئے گی اس سے عذاب دفع نہ کر سکے گی کیونکہ اعمال کی قبولیت مومن کے لئے رحمت کے طور پر یہاں مذکور ہوئی جس سے کفار محروم ہیں جیسا کہ **فلن یکفروہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مومن کی نیکیوں کی برکت سے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحسنت یذهبن السیات** مگر کسی گناہ کی وجہ سے اس کی نیکیاں برباد نہ ہوں گی جیسا کہ **فلن یکفروہ** سے معلوم ہوا۔ خیال رہے کہ یہاں گناہ کا ذکر ہے ارتداد کا ذکر نہیں' وہ دوسری چیز ہے۔
ساتواں فائدہ: مومن کیسا ہی گنہگار ہو' انشاء اللہ تعالیٰ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا' آخر کار نجات پائے گا جیسا کہ **و اولئک اصحب النار** الخ سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ نے آگ والا کفار کو فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ مومن آگ والا نہیں' گھر والا وہ ہوتا ہے جو وہاں ہمیشہ رہے' جس کا گھر ہو مسافر گھر والا نہیں کہلاتا' مومن کو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ **اصحب الجنة** جنت والے ان کا گھر جنت ہے' دوزخ تو ان کے سفر کی ایک منزل ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: فلن یکفروہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ مومن کی کوئی نیکی رائیگاں نہیں جاتی' حدیث شریف میں ہے کہ ریاکار کے اعمال برباد ہیں' ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: ریاکار کی نیکیاں خیر ہی نہیں بلکہ شر ہیں' یہاں خیر کا ذکر ہے' اسی لئے رب تعالیٰ نے من عمل نہیں فرمایا' عمل عام ہے خیر خاص' خیر وہ نیکی ہے جس کے ساتھ نیت بھی نیک ہو۔ دوسرا اعتراض: اسی فلن یکفروہ سے معلوم ہوا کہ مومن کی نیکیاں ضبط نہیں ہوتیں' مگر قرآن شریف میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا و قدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنٰہ ھباء" منثورا " ہم نے ان کے اعمال اڑا کر رکھ دیئے' دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں مومنوں کے اعمال ضبط نہ ہونے کا ذکر ہے' وہاں کافروں کی ضبطی اعمال کا تذکرہ' اس آیت کی تفسیر یہ آیت ہے اولئک الذین کفروا بایت ربھم و لقائہ فحبطت اعمالھم الخ۔ تیسرا اعتراض: دوسرے مقام پر مسلمانوں سے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے نبی کی آواز پر آوازیں اونچی نہ کرو ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون معلوم ہوا کہ مسلمان کی نیکیاں بھی معمولی گناہ سے ضبط ہو جاتی ہیں۔ پھر فلن یکفروہ کا کیا مطلب؟ جواب: اس آیت میں بے ادبی کے طور پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچی آواز کرنا مراد ہے' اور نبی کی بے ادبی کفر ہے' کفر سے ضبطی اعمال' ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اذانیں دی جاتی تھیں جس کا سرکار آہستہ جواب دیتے تھے' بعد نماز پنجگانہ تمام صحابہ مل کر اونچی آواز سے ذکر اللہ کرتے تھے اور خود سرکار انور صلی اللہ علیہ وسلم اور یقیناً ان سب بزرگوں کی مجموعی آوازیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہوتی تھیں' یہ عمل نہ کفر تھا نہ گناہ بلکہ رب تعالیٰ کو محبوب تھا۔ چوتھا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ کفار کے مال و اولاد عذاب دفع نہ کر سکیں گے تو کیا ان کی دیگر چیزیں سلطنت' عزت وغیرہ عذاب دفع کریں گی؟ جواب: ہرگز نہیں' یہاں خصوصیت سے مال و اولاد کا ذکر اسی لئے کیا گیا کہ انسان اکثر انہی دو سے مصیبت میں کام لیتا ہے' جب کفار کو یہ دو چیزیں ہی کام نہ آئیں' تو بقیہ چیزیں کیا کام آسکتی ہیں۔ پانچواں اعتراض: تم نے فوائد میں کہا کہ مسلمانوں کی اولاد و مال عذاب الٰہی دفع کر دیں گی تو کیا مسلمانوں کی اولاد و مال میں خدا تعالیٰ سے زیادہ طاقت ہے؟ کہ خدا تعالیٰ نے عذاب بھیجا انہوں نے دفع کر دیا۔ جواب: ہرگز نہیں' ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ چیزیں بحکم پروردگار عذاب دفع کر دیتی ہیں مسلمانوں کے بعض گناہوں سے دریائے غضب جوش میں آتا ہے' مگر رب تعالیٰ ان کی برکت سے اسے ٹھنڈا کر دیتا ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے دوا نے بخار دفع کر دیا یعنی بحکم پروردگار نہ کہ اس کے مقابلہ میں۔ چھٹا اعتراض: کفروا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آن کے کفر سے انسان جہنم میں ہمیشہ رہے گا یہ تو ظلم ہے کہ جرم ایک منٹ اور سزا دائمی (آریہ)۔ جواب: یہ سزا اس قانون شکنی کی ہے' قانون شکنی ایک منٹ کی ہو یا ہمیشہ کی برابر ہے دیکھو چور آدھے گھنٹے میں چوری کرتا ہے مگر دو سال جیل پاتا ہے کوئی شخص دو منٹ میں زہر کھاتا ہے' ہمیشہ کے لئے یہاں سے روانہ ہو جاتا ہے' پنڈت جی سزائیں وقت کی نہیں ہوتیں بلکہ قانون شکنی کی ہوتی ہیں' تم بھی کہتے ہو کہ بعض گناہوں کے سبب دس بار ہاتھی کے جون میں آنا پڑتا ہے' ہاتھی کی عمر دو تین سو سال تک ہوتی ہے اور اگر کسی جرم کی وجہ سے دس مرتبہ گدھا یا سانپ بن کر آیا تب تو اس کا بیڑا ہی غرق ہو گیا کہ پاپ کئے سال دو سال' سزا بھگتی ہزاروں سال' گدھا اور سانپ کی عمر ہزار سال سے بھی زیادہ ہوتی ہے' بعض جرموں کی سزا عمر قید ہوتی ہے' کفر کی سزا رب تعالیٰ کے ہاں عمر قید ہے' مگر چونکہ وہاں کی عمر دائمی ہے لہذا وہ سزا بھی دائمی' غرضکہ ھم فیھا خلدون بالکل بے غبار ہے۔ ساتواں اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ اللہ پرہیزگاروں کو

جانتا ہے تو کیا وہ بدکاروں کو نہیں جانتا' اگر نہیں تو انہیں سزا کیسے دے گا؟ **جواب:** پروردگار پرہیزگاروں کو رحمت و کرم سے جانتا ہے اور بدکاروں کو قہر و غضب سے' یہاں رحم و کرم سے جاننا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جو شاخ جڑ سے وابستہ رہے وہ ہری بھری رہتی ہے اور پھل پھول والی بھی' جو جڑ سے علیحدہ ہو جائے' وہ نہ سرسبز رہ سکتی ہے نہ اس میں پھل پھول آ سکتے ہیں' اسی طرح جان والے جسم کے اعضاء سڑتے گلتے نہیں' اگر وہ جسم بیمار پڑ جائے تو دواؤں سے صحت کی امید ہوتی ہے لیکن اگر جسم سے جان ہی نکل جائے تو نہ اسے کوئی دوا مفید اور نہ اعضاء کے لئے بقا ہے' چند دن میں جسم گل کر مٹی ہو جاتا ہے ہم اور ہمارے اعمال شاخیں ہیں' ملت درخت اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اصل اصول' قبولیت اس درخت کے پھل پھول' یا ہم جسم ہیں' حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم روح رواں ہیں' توبہ وغیرہ شفا بخش دوا ہے اور نیک اعمال مقوی غذا' جس انسان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہے تو اس کی نیکیوں میں قبولیت کے پھل پھول بھی لگیں گے اور توبہ وغیرہ سے اس کے گناہوں کی معافی ہو گی' یہاں رب تعالیٰ نے انہی بندگان بارگاہ عالی کے متعلق فرمایا کہ تم اپنی کسی نیکی کے ثواب سے محروم نہ کئے جاؤ گے' رب تعالیٰ جانتا ہے کہ تم وابستہ ء شجر ہو' اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو — جان ہیں وہ جہاں کی جان ہے تو جہان ہے

لیکن جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ ء غلامی قائم نہ کیا وہ کٹی ہوئی شاخ ہیں' یہ سبز ہیں تو کیسے' کور ان میں قبولیت کے پھل لگیں تو کیونکر؟ زنگ آلود آئینہ شفاف ہو سکتا ہے' مگر پتھر کو آئینہ کون بنائے' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ — و لیکن نیاید ز سنگ آئینہ

بکوشش نروید گل از شاخ بید — نہ زنگی بگرما بہ گردد سفید

یعنی جیسے پتھر سے آئینہ نہیں بن سکتا' کتے کے دانت پہاڑ سکتے ہیں سی نہیں سکتے' بانس میں پھل پھول نہیں لگتے' حمام میں حبشی سیاہ فام سفید نہیں ہو سکتا' ایسے ہی بدگوہروں سے نیکی نہیں ہو سکتی اگر ہو جائے تو قبول نہیں ہو سکتی۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ

مثال اس کی جو وہ کفار خرچ کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں اس ہوا کی طرح ہے جس میں کڑک ہو لگ جائے

کہاوت جسے اس کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی سی جس میں پالا ہو۔ وہ ایک ایسی

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ

ایسی قوم کے کھیت کو جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر تو برباد کر گئی اسے اور ان پر نہیں ظلم کیا اللہ نے لیکن وہ

قوم کی کھیتی پر پڑی جو اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مار گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں

خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کے مال و اولاد آخرت میں انہیں عذاب سے نہ بچائیں گے اب اس غیبی خبر کو ایک عینی مثال سے سمجھایا جا رہا ہے۔ جس سے عقل بھی اسے قبول کرے کہ واقعی یہ بیکاری برحق ہے' گویا پہلے غیبی خبر تھی اب اس کی عینی مشاہدہ والی شہادت۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کے مال و اولاد دفع ضرر نہیں کر سکتے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ انہیں فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتے' انسان مال و اولاد سے دو قسم کی امیدیں رکھتا ہے 'مصیبت ٹالنا' فائدہ دینا' ایک امید کو گذشتہ آیت میں توڑ دیا' دوسری آس یہاں توڑی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کے مال و اولاد آخرت میں مفید نہیں' اب فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں بھی انہیں اس سے فائدہ نہیں پہنچتا' انہیں یہ دونوں چیزیں وقت پر دھوکا دے جاتی ہیں۔ **چوتھا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں کفار کے عام اخراجات کی بیکاری بیان ہوئی' اب ان کے صدقات و خیرات کی بیکاری کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **مثل ما ینفقون** عربی میں عام تشبیہوں کو مثال یا مثل کہتے ہیں جیسے **لیس کمثلہ شیء** مگر مثل میم و ث کے زبر سے اس عام تشبیہ کو کہا جاتا ہے جو ضرب المثل بن جائے جسے عام موقعوں پر لوگ استعمال کرتے ہوں اور عموماً سمجھانے کے لئے بولی جاتی ہو۔ **ما ینفقون** سے یا تو کفار کے وہ مال مراد ہیں جو وہ بدکاریوں میں خرچ کرتے تھے' جیسے جوئے بازی' شراب خوری وغیرہ' یا وہ مال جسے وہ دنیاوی مباح کاموں میں خرچ کرتے تھے' جیسے کھانا' پہننا وغیرہ' یا وہ مال مراد ہیں جنہیں وہ اپنے خیال میں اچھی جگہ خرچ کرتے تھے' مگر وہ مقامات تھے برے' جیسے بت پرستی اور اپنے پنڈتوں کی خدمات' یا وہ مال مراد ہیں جنہیں وہ واقعی اچھی جگہ خرچ کرتے تھے' جیسے مسافروں کی خدمت' یتیموں' بیوگان کی امداد' یا وہ مال مراد ہیں جنہیں وہ اسلام کا زور روکنے کے لئے خرچ کرتے تھے' جیسے نو مسلموں کو دے دلا کر اسلام سے بہکانا' اپنے پوپ پادریوں کو اس لئے تنخواہیں دینا کہ وہ مسلمانوں میں اپنی بدمذہبی کی تبلیغ کریں جیسے آج عیسائی مشنریاں مختلف رنگوں میں کر رہی ہیں' آخری تین احتمال زیادہ قوی ہیں' **ینفقون** کے مفعول حذف کر دینے میں انفاق کے عموم کی طرف اشارہ ہے' یعنی کفار کے تمام ادنیٰ' اعلیٰ اور ہر قسم کے مال خرچ کرنے کی کہاوت ایسی ہے **کمثل ریح فیھا صر** اگر یہاں تشبیہ مرکب ہے تو کسی جگہ کسی لفظ کے پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں' کیونکہ تشبیہ مرکب میں کسی پورے مجموعہ کو دوسرے مجموعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے نہ کہ اس کے اجزاء کو دوسرے اجزاء سے' اور اگر تشبیہ مفرد ہے تو مثل کے بعد کفر پوشیدہ ہوگا' کیونکہ ان کا کفر تباہ کن ہوا کی طرح ہے نہ کہ ان کے خرچ کئے ہوئے مال' وہ تو برباد شدہ کھیتی کی طرح ہیں' قرآن کریم میں عذاب کی ہوا کو ریح فرمایا جاتا ہے اور رحمت کی ہوا کو **ریاح** چونکہ یہاں عذاب کی ہوا مراد تھی اس لئے ریح ارشاد ہوا' عربی میں **صر** کے معنی ہیں' مضبوط باندھنا شدت سے پکڑنا' اسی لئے زیادہ زور دینے کو اصرار کہتے ہیں اور تھیلی کو **صرۃ** جس میں روپے باندھے جاتے ہیں' سخت سردی کو **صر** کہتے ہیں کہ اس میں شدت بھی ہے اور اس سے گھی بلکہ پانی بھی جم کر گویا بندھ جاتا ہے' آگ کے شعلہ کی آواز بلکہ خود آگ کو بھی **صر** کہہ دیتے ہیں' یہاں **صر** سے مراد یا پالا اور سخت سردی ہے یا بگولا اور سخت گرمی' صرصر تیز لو کو اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں شراٹا اور آواز ہوتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاقبلت امراتہ فی صرۃ** (تفسیر کبیر) یعنی ان کا کفر اس سخت پالے والی ہوا کی طرح **اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم** وہ پالے والی ہوا یا گرم آگ والی ہوا اس کھیت کو لگی جو ظالم قوم کا تھا' یہاں نفس پر ظلم

سے مراد یا تو کفر و شرک ہے یا کھیت کی زکوٰۃ نہ نکالنا ہے' یا دوسرے کی زمین میں ظلماً کھیت بو دینا ہے یا بے وقت اور بے موسم بونا ہے' چونکہ ان وجوہ سے اکثر کھیتی اس طرح برباد ہو جاتی' تو اسے صبر اور نقصان کا ثواب مل جاتا' مگر چونکہ یہ کھیت والے ظالم و کافر ہیں اس لئے انہیں ثواب بھی نہ ملا اور ساری محنت و خرچہ بھی ضائع ہوا۔ **فاھلکتہ** یہ لفظ ہلاک سے بنا' معنی بالکل برباد کر دینا کچھ نہ چھوڑنا یعنی اس ہوا نے کھیت بالکل برباد کر دیا' دانہ بچا نہ بھوسا' بلکہ کھیت کے آثار تک مٹا دیئے **وما ظلمھم اللہ** یعنی اس کھیت کی تباہی میں ہم نے ان کھیت والوں پر ظلم و زیادتی نہ کی۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ اپنے بندوں پر کوئی عتاب و عذاب بھیجے' ظالم نہیں سب اللہ کا ہے **ولکن انفسھم یظلمون**" انفس کو **یظلمون** پر مقدم کر دیا تو حصر کے لئے ہے یعنی وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے نہ کہ ہم' یا فاصلے کے لئے کہ گذشتہ اور آئندہ آیتوں کے آخری لفظ اسی وزن کے ہیں' اسے بھی **یظلمون** پر ختم فرمایا' یہاں ظلم سے مراد یا تو ان کا کفر و شرک ہے جس کی وجہ سے دنیا میں بھی کبھی عذاب مختلف شکلوں میں آجاتے ہیں یا بے موسم کھیت بونا ہے کہ جب پالے یا لو کا زمانہ تھا تب ان لوگوں نے کھیت بویا جس کا انجام یہ ہوا۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! خیال رکھو کہ کفار کے ان مالوں کی مثال جو وہ اسلام کے مقابلہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں خرچ کرتے ہیں' یا جو وہ اپنی دانست میں اچھی جگہ بت پرستی' اپنے دینی پیشواؤں کی خدمت میں خرچ کرتے ہیں' یا جو وہ صدقات و خیرات میں خرچ کرتے ہیں اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہیں' اس کھیت کی سی ہے جو لہلہا رہا ہے' مالک اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے' اس کے پھل پھول کی آس لگائے بیٹھا ہے' اس کی اور اس کے سارے خاندان بلکہ نوکروں چاکروں کی امیدیں اسی کھیت سے وابستہ ہیں مگر یہ شخص تھا ظالم' مشرک و کافر' جس سے رب تعالیٰ ناراض تھا کہ اچانک اس کے کھیت پر پالے والی ہوا یا بگولے والی سخت گرم آندھی لو آن پڑی۔ جس سے اس کا تمام کھیت ایسا برباد ہو گیا کہ نہ دانہ ہاتھ لگا نہ بھوسا بلکہ وہاں کھیت کا نشان بھی نہ رہا کہ کوئی اس کا اندازہ بھی لگا سکے کہ یہاں بھی کھیت تھا اب وہ اپنی اور اپنے بال بچوں' نوکروں' چاکروں یا جانوروں کی بربادی پر ہاتھ ملتا رہ گیا کہ انہیں کیسے پالے گا' مگر اب کف افسوس ملنے سے کچھ فائدہ نہیں کہ اس سے اجڑا ہوا کھیت ہرا نہیں ہو سکتا' اور برباد شدہ مال واپس لوٹ نہیں سکتا' ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ وہ کھیت والا خود ہی ظالم اور ہمارا نافرمان تھا جس کے گناہوں کے باعث اس پر یہ عذاب آیا ایسے ہی یہ کفار اپنے جائز یا ناجائز مقاصد میں مال خرچ کر کے آخرت میں ان کے ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں مگر جب مر کر بارگاہ الٰہی میں پہنچیں گے تو ان کا کوئی اجر و ثواب نہ پائیں گے گویا ان کے یہ خرچ و خیرات ان کے کھیت ہیں جنہیں وہ ہرا بھرا سمجھے ہوئے ہیں اس سے مختلف قسم کی آسیں لگائے بیٹھے ہیں' ان کا کفر و شرک وہ پالے والی یا بگولے والی ہوا ہیں جو اعمال برباد کر دیتی ہیں' پھر مر کر ان پر کچھ ثواب نہ ملنا اور وہاں جا کر مایوس ہونا' یا دنیا میں اسلام کا فروغ ہو جانا' ان کی کوشش بیکار ثابت ہونا' یہ ان کے کھیت کی بربادی اور ان کا کف افسوس ملنا ہے لہٰذا اے مسلمانو! تم راہ راست پر قائم رہو' بد عقیدگیوں سے بچو' تاکہ تمہارے اعمال کی کھیتیاں برباد نہ ہوں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اعمال کی قبولیت درستی ایمان پر موقوف ہے' ایمان اعمال کی قبولیت کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے نماز کے جواز کے لئے وضو۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے قبول اعمال کے لئے وجود ایمان لازم ہے' ایسے ہی بقائے اعمال کے لئے ایمان ضروری ہے' مرتد کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں' جیسا کہ اس مثال سے معلوم

ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے' اس لئے کوئی شخص ایمان پر خاتمہ سے پہلے اپنے اعمال پر اعتماد نہ کرے رب تعالیٰ سے ڈرتا رہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اور رب کے طفیل سے مجھ گنہگار کو خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔

ہری ہری کھیتی کا بھن گئے! جب جانو جب منہ تک جائے!

چوتھا فائدہ: سرداروں کی بے ایمانی ان کے ماتحتوں کا بیڑا بھی غرق کر دیتی ہے' جیسا کہ اس مثال سے معلوم ہوا کہ ظلم تو کیا کھیت والے نے اور عذاب آجانے کی صورت میں اس کے بال بچے' نوکر چاکر بلکہ جانور بھی مصیبت میں گرفتار ہو گئے کہ کھیت اجڑ جانے سے سب ہی بھوکے مریں گے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اذا اردنا ان نهلك قرية" امرنا مترفيها ففسقوا فيها** الخ لہٰذا سرداروں کو اپنی زندگی بہت احتیاط سے گزارنی چاہئے' علماء' صوفیاء' بادشاہ' امراء سب اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ **پانچواں فائدہ:** نیکیوں کی بالکل بربادی کفار کے لئے ہے' مومن کتنا ہی گنہگار ہو انشاء اللہ اس کی اصل نیکی برباد نہ ہو گی' کمی ثواب اور چیز ہے بالکل بربادی کچھ اور' کیونکہ قرآن کریم جو کفار کا عذاب بیان فرماتا ہے' مسلمان اس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** برباد کرنا' ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر رب تعالیٰ نے اسے پالے والی برفانی ہوا کی طرف نسبت کیا' معلوم ہوا کہ نسبت مجازی درست ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز ہلاک کرتی ہے' فلاں چیز برکت دیتی ہے' لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عزت' ایمان دیتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **يتخبطه الشيطن من المس** شیطان چھو کر دیوانہ کر دیتا ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **ابرئ الاكمه والابرص و احي الموتى باذن الله** میں اللہ کے حکم سے کوڑھیوں اور اندھوں کو شفا دیتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں' یہ سب اسنادیں مجازی ہیں' ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** کبھی انسان کے کفر و فسق کی وجہ سے کھیتیاں برباد' رزق میں کمی' بلاؤں کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ **ظلموا انفسهم** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں تشبیہ درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ یہاں کفار کے صدقات کو برفانی ہوا سے تشبیہ دی ہے' حالانکہ برفانی یا آتشی ہوا تباہ کن ہوتی ہے' اور یہ صدقات تباہ کن نہیں بلکہ تباہ شدہ ہیں۔ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں۔
جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اگر تشبیہ مرکب ہے' پھر تو بالکل ظاہر ہے کہ پورے واقعہ کو پورے واقعہ سے تشبیہ دی گئی ہے' جیسے گرم سرد ہوا سے لہلہاتا کھیت آن کی آن میں فنا ہو جاتا ہے' ایسے ہی ان کے صدقات کفر و شرک کی وجہ سے آناً "فاناً" ختم ہو جاتے ہیں اور اگر تشبیہ مفرد ہے تو مثل کے بعد کفر وغیرہ پوشیدہ ہے' یعنی کفار کے صدقات کے ساتھ کفر کرنے کی مثال اس ہوا کی سی ہے لہٰذا آیت واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں یہ تشبیہ واقع کے مطابق نہیں' کیونکہ کفار کا صدقہ اول ہی سے مردود ہے' درست ہی نہیں' پھر کفر سے برباد ہونے کے کیا معنی' برباد وہ ہو جو پہلے آباد بھی ہو تو یہ صدقات اس برباد شدہ کھیت کے مشابہ کیونکر ہوئے' کھیت تو پہلے موجود تھا' ہرا بھرا تھا' یہ صدقے پہلے ہی سے معدوم ہیں۔ **جواب:** یہاں بربادی کا ظہور مراد ہے' یعنی دنیا میں کافر اپنے صدقات و خیرات کو ہری کھیتی کی طرح آباد سمجھتا ہے' مگر بعد موت اسے معلوم ہو گا کہ سب کچھ برباد ہو چکا ہے' اس کا موت پر مرنا گویا برفانی ہوا ہے اور اگر کفار کے خرچ سے مراد خلاف اسلام مال صرف کرنا ہے تو تشبیہ ظاہر ہے کہ انہوں نے مال خرچ کر کے اسلام کے خلاف اسکیم تیار کی' یہ اسکیم ان کا ذہنی و خیالی باغ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کو فتح دے کر ان کی امیدوں کو فنا کر دیا' یہ اس باغ کی بربادی ہے' جیسا کہ غزوۂ خندق وغیرہ میں ہوا' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ مسلمان کی نیکیاں برباد نہیں ہوتیں' یہ بربادی کفار پر عذاب ہے' مگر قرآن کریم فرماتا ہے **یایها الذین امنوا لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذی** اے مسلمانو اپنے صدقات احسان جتا کر' ایذاء پہنچا کر باطل نہ کرلو' اور فرماتا ہے **کالذی ینفق ماله رئاء الناس** اس کی طرح جو ریاکاری کے لئے خرچ کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ طعنے' ایذاء اور ریا سے مسلمانوں کے صدقات کی کھیتی بھی جل جاتی ہے' اگر بربادی صدقات کفار پر عذاب ہے تو مسلمانوں پر کیوں آیا؟ **جواب:** کفر کی نحوست سے اصل نیکی ہی برباد ہو جاتی ہے' مگر طعنے' ایذاء اور ریاء وغیرہ سے مومن کی اصل نیکی ضائع نہیں ہوتی' قبولیت یا تو جاتی رہتی ہے یا اس میں کمی آجاتی ہے' دیکھو ریاء کار امام کے پیچھے مخلص مومن کی نماز درست ہے' اور ریاکار کی نمازیں' صدقے شرعاً" درست ہیں کہ اس کا فرض اسلام ادا ہو جاتا ہے' ریاکار کی زکوٰۃ اور اوائے حج درست ہو جاتا ہے' اور توبہ کرنے پر ان کا دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہوتا' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **لا تبطلوا** کا فاعل خود مسلمانوں کو بنایا' اور یہاں **فاهلکته** باطل کرنے اور ہلاک و برباد کرنے میں فرق ہے' نیز وہاں **لا تبطلوا** اور یہاں فرمایا **فاهلکته** کا فاعل ہوا کو قرار دیا' غرضکہ مومن کی ریاء اور کافر کے کفر میں بڑا فرق ہے' کفر سے اصل نیکی برباد ہوتی ہے اور ریاء سے یا ثواب ضائع ہوتا ہے یا اس میں کمی ہو جاتی ہے' اصل نیکی باقی رہتی ہے' یہ فرق باریک ہے خیال رکھنا چاہئے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کا صدقہ اور دوسری نیکیاں بالکل برباد ہیں جیسے جلا ہوا یا پالے سے مرا ہوا کھیت' جس میں نہ دانہ رہتا ہے نہ بھوسا' مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کافر ایمان لے آئے تو اسے زمانۂ کفر کی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے' اس زمانہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' جب اس کی نیکیوں کا کھیت بالکل جل ہی گیا تو جلے کھیت میں دانہ کیسے پڑ گیا۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ایمان اس بارش کی طرح ہے جو خشک کھیت میں بھی سبزی اور جلے کھیت میں بہار لگا دیتی ہے' بہت بار دیکھا گیا ہے کہ پالے کے مارے کھیت پر رحمت کی بارش پڑی اور وہ پھر ہرا ہو گیا' اللہ تعالیٰ ایمان کی بارش کی برکت سے اس کے کئے ہوئے گناہ' ان کے بنا دیتا ہے' اور برباد شدہ نیکیاں قبول فرما لیتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاولٰئک یبدل الله سیاٰتهم حسنٰت** اللہ تعالیٰ تو گناہوں کے خاردار درخت کو بھی باردار بنانے پر قادر ہے' دینے والے کو کون روک سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بارگاہ الٰہی میں کفر سے مراد اصل کفر ہے' جس پر کافر کا خاتمہ ہو جائے' عارضی کفر جس کے بعد کافر کو ایمان مل جائے' وہ مراد ہی نہیں' لہٰذا وہ کفر و شرک برفانی یا آتشی ہوا کی طرح اس کی نیکیوں کو برباد کرے گا جس پر کافر مر جائے' یہاں وہی مراد ہے۔ **چوتھا اعتراض:** **ظلموا انفسهم** سے معلوم ہوا کہ صرف کفار کے ہی کھیت برباد ہوتے ہیں حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ مسلمان پرہیزگار کے کھیت اجڑ جاتے ہیں اور فجار و کفار کے کھیت ہرے بھرے رہتے ہیں' یہ آیت واقعہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ **جواب:** یہاں اجڑنے کا ذکر نہیں' ہلاکت کا ذکر ہے' خدا تعالیٰ کے فضل سے مومن کا کھیت بلکہ سارا مال بھی ہلاک نہیں ہوتا' برباد ہو کر بھی آباد رہتا ہے' کیونکہ مومن آباد رہنے پر شکر کر کے شاکرین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اجڑ جانے پر صبر کر کے صابرین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ غرضکہ مومن اجڑے تو بھی آباد ہے اور کافر بسے تب بھی آباد نہیں

نقصان مومن کا امتحان ہے، جس کے ذریعہ نبھا کر اور اونچا ہو جاتا ہے۔

تندیء باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

خود رب تعالیٰ نے فرمایا ہے و لنبلونکم بشیء من الخوف الخ غرضکہ فاملکئے نے بہت سے معنے حل کر دیئے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہر انسان کسان ہے اس کی زندگی کھیت یا باغ ' اعمال اس کے پھل موت کھیت کٹنے کا دن ہے' آخرت ان پھولوں کے استعمال کا زمانہ ' جسے اللہ تعالیٰ ایمان پر موت نصیب کرے تو سمجھو کہ اس کی محنت کٹنے کا دن ہے' آخرت ان پھلوں کے استعمال کا زمانہ ' جسے اللہ تعالیٰ ایمان پر موت نصیب کرے تو سمجھو کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی اور اس کا کھیت بخیریت کٹا ' جیسے ایک شخص کے کھیت سے سینکڑوں فائدے اٹھاتے ہیں ' جانور ' فقیر ' بیوپاری اور عوام الناس ' ایسے ہی مومن کے اعمال کی کھیتی سے انشاء اللہ بہت لوگ فائدہ اٹھائیں گے ' جیسے معمولی کسان کی کھیتی ایک خاندان کو مفید ' مگر مربعے والوں کی کھیتیاں ملک بھر کو فائدہ مند ' ایسے ہی معمولی مسلمان کے اعمال کی کھیتی اور ہے ' اولیاء انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ و سلم کی کھیتیاں اور ہی کچھ ہیں ' انشاء اللہ ہم جیسے سینکڑوں گنہگار ان کے سوالی ' بھکاری بن کر مزے اڑائیں گے ' شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم!

لیکن اگر خدا نہ کرے خاتمہ بگڑ گیا تو اس کا سارا کھیت اجڑ گیا ' ہوئی محنت برباد ہو گئی کہ اب بجز کف افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا ' کیونکہ اب دوبارہ کھیت بونے کا وقت بھی نہ رہا ' اس آیت کریمہ میں ان دوسرے بدنصیب کسانوں کا ہی ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے پر ظلم کیا کہ کفر و شرک کرکے اپنے اعمال کی کھیتی برباد کرلی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ بناؤ اندرونی مشیر اپنے غیر کو وہ کوتاہی نہیں کرتے تمہارے متعلق

اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے

وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ

فساد میں پسند کرتے ہیں اسے جس سے تمہیں ایذاء ہو بیشک ظاہر ہو چکا بغض منہ سے انکے اور جو دشمنی چھپاتے ہیں

جتنی تمہیں ایذا پہنچے بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینہ میں چھپاتے ہیں بڑا ہے

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾

سینے انکے وہ بہت بڑی ہے بیشک بیان فرما دیں ہم نے تمہارے لئے نشانیاں اگر تم عقل رکھتے ہو

ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیت میں کفار کا اپنی جانوں پر ظلم بیان ہوا' اب ان کا ظلم و ستم مسلمانوں پر بیان ہو رہا ہے' یعنی پہلے ان کی لازم بیماری کا ذکر تھا اب متعدی بیماری کا تذکرہ ہے' یعنی وہ اپنے دشمن تو ہیں ہی' تمہارے بھی دشمن ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مومن و کافر کا فرق بیان کیا گیا تھا کہ یہ دونوں جماعتیں بالکل غیر جنس ہیں' ایمان نور ہے کفر اندھیری' ایمان دن ہے کفر رات' اب مسلمان کو کفار کی دوستی و مخالطت سے منع فرمایا جا رہا ہے کہ ناجنس کی صحبت اور غیر جنس سے الفت سخت نقصان دہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار کا مال و اولاد ان کے کفر کی وجہ سے ان کے لئے مفید نہ ہوئے' مضر ہوئے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! ان سے الفت و دوستی تمہارے لئے بھی مضر ہی ہو گی' مفید نہ ہو گی' جب انہوں نے اپنے کو برباد کر لیا تو تمہیں بھی برباد ہی کریں گے' ان کی متعدی بیماری سے پرہیز کرو۔

شان نزول: (1) بعض انصار کی یہود مدینہ سے پہلے کی دوستی و رشتہ داریاں رضاعت مسرالی رشتے وغیرہ تھے جن کے باعث یہ حضرات مسلمان ہونے کے بعد بھی ان یہود سے میل جول رکھتے اور ان سے مشورے وغیرہ لیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس میل جول' صلاح مشورہ سے روکنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (ابن اسحاق عن ابن عباس' تفسیر کبیر' صاوی' روح المعانی' خازن' خزائن وغیرھم)۔ (2) منافقین مسلمانوں سے ملے جلے رہتے تھے' حتیٰ کہ انہیں کے ساتھ نماز وغیرہ ادا کرتے تھے' جلیل القدر صحابہ تو ان سے متنفر بھی تھے' اور ان سے احتیاط بھی برتتے تھے' مگر بعض سیدھے اور سادے مسلمان انہیں مخلص مسلمان سمجھ کر ان سے خلط ملط بھی رکھتے تھے اور اپنے و مسلمانوں کے اسرار اور جنگی ارادوں و تیاریوں کا بھی ان سے تذکرہ کر دیتے تھے" یہ مردود فوراً" یہود کو ان رازوں سے مطلع کر دیتے تھے' گویا یہ منافقین یہود کے جاسوس تھے' اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان سادہ لوح حضرات کو اس سے روکا گیا اور منافقین کے دلی بغض و عناد سے انہیں آگاہ کیا گیا' جنگ میں رازداری ہی تو ایک چیز ہے' اگر راز فاش ہو گیا تو جنگ ناکام ہو کر رہ گئی۔

تفسیر: **یاایھا الذین اٰمنوا**' پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اظہار کرم یا مضمون کی اہمیت بتانے کے لئے مسلمانوں کو پکار کر حکم سنایا جاتا تھا' چونکہ پرانے رشتہ داروں کو بالکل چھوڑ دینا اور ان سے قرابت داریاں ختم کر دینا اہم بھی تھا اور مشکل بھی' اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو پکارا' پھر انہیں حکم سنایا کہ اس ندائے محبوب کی لذت سے مشکل کام آسان ہو جائے' یہ نداء اور اس کی لذت اس بنک کی طرح ہے جس کی وجہ سے آپریشن کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی **لا تتخذوا بطانۃ**" **تتخذوا** **اتخاذ** سے بنا جس کا مادہ **اخذ** ہے' معنی بنانا' پکڑنا' لینا' اختیار کرنا' یہ دو مفعول چاہتا ہے جیسے **جعل** دوسرے معنی میں آکر' **بطانۃ**" **بطن** سے بنا' معنی پیٹ' اصطلاح میں چیز کے ظاہر کو ظہارہ اور اندرون کو بطانہ کہا جاتا ہے' چنانچہ لحاف کے استر کو بطانہ کہتے ہیں اور ابرے کو ظہارہ' پھر بطور استعارہ دلی دوست کو جسے دل کی باتیں بتا دی جائیں' پیٹ کے خفیہ راز سنا دیئے جائیں بطانہ کہنے لگے یعنی رازدار اور مشیر کار' یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر' معانی وغیرہ) قبیلہ کے خاندان کو عربی میں بطن بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بطن یعنی پیٹ کی طرح ہوتا ہے' جیسے جسم میں پیٹ ایسے ہی قبیلہ میں دو خاندان **من دونکم**' من یا تو زائدہ ہے یا صلہ کا **یا تبیین** کا اور یا تو **لا تتخذوا** کے متعلق ہے' یا کسی پوشیدہ چیز کے' اور **بطانۃ**" کی صفت' یعنی

ایسوں کو دلی راز نہ بتاؤ جو تمہارے غیروں میں سے ہوں' **دون** کبھی غیر کے معنی میں آتا ہے' کبھی سواء کے معنی میں' اور کبھی **ادون یا دنی** کے معنی میں' اسی لئے کلمہ طیبہ میں **الا اللہ** کہا جاتا ہے **دون اللہ** نہیں کہا جاتا' اس کے لغوی معنی ہیں غیریت و علیحدگی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و وجد من دونہم امراتین** موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے علیحدہ اور دو دو لڑکیوں کو پایا۔ اور فرماتا ہے' **و ادعوا شہداء کم من دون اللہ** قرآن کریم کے مقابلہ کے لئے اللہ کے غیر جو اللہ تعالیٰ سے الگ ہوں ان معبودوں یا علماء کو بلالو' غرضیکہ ہر ماسوی **دون** نہیں بلکہ وہ **ماسوی دون** ہے جو اجنبی یا مقابل یا دشمن ہو' یہ معنی خیال میں رکھے جائیں' آج اسی لفظ سے دھوکا دیا جاتا ہے' چنانچہ یہاں **دونکم** سے مراد منافقین یہود یا دوسرے کفار ہیں نہ کہ مسلمان' حق یہی ہے کہ اگرچہ اس آیت کا نزول یہود یا منافقین کے متعلق ہے' مگر مراد سارے ہی کفار ہیں' کیونکہ آیات میں عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ خصوصی نزول کا (کبیر) چنانچہ **دونکم** میں خوارج کو داخل کیا گیا ہے (تفسیر روح المعانی) **لا یالونکم خبالا" یالون' الو** سے بنا بمعنی کوتاہی' باب نصر سے ہے **الا یالو** یہ خود در اصل لازم ہے' مگر کبھی حرف جر کے ذریعہ متعدی ہو جاتا ہے' کہا جاتا ہے **لم ال فی الجہد** اور اگر اس میں منع کے معنی کی تضمین ہو جائے تو متعدی بہ دو مفعول بن جاتا ہے' جیسے **لا الوک نصحا" یا لا الوک جہدا"** جب بمعنی ترک یا چھوڑنا ہو تو متعدی بہ یک مفعول (روح المعانی) یہاں منع کے معنی پر شامل ہے' متعدی بہ دو مفعول ہے **خبال** وہ فساد جو کسی جاندار میں اضطراب و بے چینی پیدا کر دے' جیسے جنون یا بے چین کر دینے والی بیماری' کبھی بمعنی مطلق فساد بھی آتا ہے۔ **خبالا یا لا یالون** کا مفعول دوم ہے یا یہاں **فی** پوشیدہ ہے یا **کم** ضمیر سے حال ہے یا تمیز یعنی وہ تمہاری برائی و فساد میں کوئی کمی نہیں کرتے **ودوا ما عنتم' ودوا' ود** سے بنا بمعنی محبت یا تمنا و آرزو **عنتم' عنت** سے بنا بمعنی سخت مشقت اور بہت محنت و تکلیف' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو شاء اللہ لاعنتکم' ما** مصدریہ ہے یا موصولہ یعنی انہیں تمہارا سخت مشقت و تکلیف میں پڑنا بہت پیارا ہے یا انہیں اس کی آرزو ہے یا انہیں ہر وہ چیز پیاری ہے جو تمہیں مصیبت و مشقت میں ڈالے **قد بدت البغضاء من افواہہم' بدت' بدو** سے بنا بمعنی ظاہر ہونا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و ان تبدوا ما فی انفسکم' بغضاء' بغض** دشمنی کے معنی میں ہے جیسے **ضر** سے **ضراء** سخت ہے' ایسے ہی **بغض** سے **بغضاء** شدید تر' **افواہ' فم** کی جمع اس کی اصل **فوہ** ہے بمعنی دہاں یا منہ' چہرہ کو وجہ کہتے ہیں لہذا فم اور وجہ میں فرق ہے یعنی یہ یہود و منافقین اگرچہ دلی عداوت چھپانے کی کوشش تو بہت کرتے ہیں' مگر قدرتی طور پر کبھی ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل ہی جاتی ہیں' جس سے ان کے دل کی آگ کا پتہ چل جاتا ہے' آگ کا پتہ دھوئیں سے لگ ہی جاتا ہے **وما تخفی صدورہم اکبر' تخفی' اخفاء** سے بنا بمعنی چھپانا **صدور' صدر** کی جمع ہے بمعنی سینہ اگرچہ محبت و عداوت' نفرت و رغبت دل میں رہتے ہیں' مگر چونکہ دل سینہ میں ہے اس لئے سینہ کو ان کی جگہ قرار دیا گیا' کہا جاتا ہے سینہ کینہ سے صاف کرو تاکہ اس میں انوار مدینہ دیکھو' یعنی ان بد نصیبوں کے سینوں میں جو تمہاری عداوت کی آگ جل رہی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو ان کے منہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ **قد بینا لکم الایت' بینا تبیین** سے بنا بمعنی خوب ظاہر اور واضح کر دینا **بین** کا معنی ہیں علیحدگی' و جدائی ظاہر ہو کر بھی ہر چیز الگ الگ اور ممتاز ہو جاتی ہے' **لکم** میں لام نفع کا ہے یا صلہ کا **کم** میں خطاب صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے **ایت** سے مراد قرآن حکیم کی آیتیں ہیں یا کفار کی عداوت و دشمنی کی علامتیں' یعنی اے مسلمانو! ہم نے تم سے یا تمہارے نفع کے لئے یہ آیتیں بیا

تمہارے دشمنوں کی دشمنی کی علامتیں واضح طور پر صاف صاف بیان فرمادی ہیں **ان کنتم تعقلون** یہاں عقل بمعنی جاننا ہے' یا سمجھنا' اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے' اور ان کی جزاء بھی مقدر ہے' یعنی اگر تم اللہ کے مواعظ یا قرآنی منافع یا دوست دشمن میں فرق کو جانتے' سمجھتے ہو تو ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آؤ اور ان سے دھوکا نہ کھاؤ۔

خلاصہ تفسیر: مدینہ منورہ میں مسلمان دو دشمنوں میں پھنسے تھے' یہودی اور مار آستین منافقین' یہود نے ادھر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدے کر رکھے تھے اور ادھر مسلمانوں کے دشمنوں سے ملے ہوئے تھے' کہ انہیں مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لئے اکساتے رہتے تھے' منافقین کی زبانیں بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھیں مگر ان کے دل یہود کے ساتھ۔ مسلمانوں میں رہتے تھے اور ان کے راز یہود تک پہنچاتے تھے' ادھر بعض سادہ لوح مسلمان منافقین کے ظاہری اسلام پر اعتبار کر کے اور یہود مدینہ سے پرانی رشتہ داریوں کا لحاظ کر کے ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی رکھتے تھے اور ان سے صلاح مشورہ بھی کرتے تھے۔ جس سے کبھی ان کے منہ سے مسلمانوں کے اسرار بھی ظاہر ہو جاتے تھے' رب تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ فرمایا اے مخلص مومنو! اپنے دشمنوں یعنی یہودیوں کو اور اپنے غیروں یعنی منافقین کو نہ اپنا مشیر کار بناؤ' نہ رازدار' کیونکہ یہ تمہارے دوست نہیں بلکہ کھلے وچھپے دشمن ہیں' یہ موقع پا کر تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانے میں کوتاہی نہ کریں گے' تمہاری ترقی انہیں کھٹکتی ہے' اور تمہاری تکلیف و مصیبت انہیں پیاری ہے' تم ان کی باتیں غور سے سنا کرو' کبھی کبھی ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جن سے ان کی چھپی عداوت جھلک جاتی ہے' یہ الفاظ تو ان کی خفیہ دشمنی کی ہلکی سے غمازی کرتے ہیں' ورنہ ان کے دلوں میں تمہاری طرف سے بڑی بھاری عداوت ہے' ایسوں کو اپنے رازوں سے مطلع کرنا در حقیقت اپنی موت کو دعوت دینا ہے' ہم نے تو ان کی دشمنی کی علامتیں اور ان کے قلبوں کے حالات واضح طور پر تمہیں بتا دیئے' اگر تم میں عقل ہے تو سمجھ جاؤ' اور اپنے دشمن میں فرق کر لو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار سے دوستانہ تعلقات ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' ان سے میل جول' انہیں اپنے دلی راز بتانا ناجائز ہے' تجربہ شاہد ہے کہ ان باتوں سے مسلمانوں کو ہمیشہ نقصان ہی پہنچا۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کے مقابلہ میں سارے کفار ایک ہیں اگرچہ ان کے آپس میں کتنے ہی اختلافات ہوں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **بعضهم اولياء بعض**' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **الكفر ملة واحدة** اسلام کے مقابلہ' سارے کفر ایک دین ہیں' دیکھو منافقین' یہود اور مشرکین مکہ نے متفق ہو کر ہمیشہ مسلمانوں کو مٹانے کی کوششیں کیں' جس کا نمونہ غزوۂ خندق میں نظر آیا' آج بھی تقسیم ملک کے وقت ہم نے دیکھ لیا کہ ہندو' سکھ' پارسی' آریہ وغیرہ مسلمانوں کے مقابل ایک ہو گئے تھے' اور ان سب سے ہی مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ **تیسرا فائدہ:** منافقین بھی مسلمانوں کے دشمن اور کفار کے دوست ہیں' اب بھی بعض اسلامی فرقوں کو دیکھا گیا کہ انہوں نے آڑے وقت میں مسلمانوں کے مقابل کفار کا ساتھ دیا اور دیتے ہیں' مذہبی مسلمان اور ہیں قومی مسلمان اور' منافقین قومی مسلمان تھے' دینی مسلمان نہ تھے نہ ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** تمام کفار خواہ یہودی ہوں یا اہل کتاب یا مشرکین یا منافقین' انہیں کلیدی آسامیاں دینا وزارت عظمیٰ و وزارت خارجہ یا اور ذمہ دار محکمے انہیں سونپنا سخت خطرناک ہے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ فلاں نصرانی (عیسائی) حیرہ میں ہے 'بڑا حساب دان اور بہترین کاتب ہے' اگر ارشاد فرمائیں تو اسے دیگر ممالک سے خط و کتابت کرنے کے لئے رکھ لیا جائے' جناب عمر نے منع فرمایا اور یہی آیت پڑھی **لا تتخذوا بطانتہ**" اور فرمایا کہ اگر یہ عیسائی مر گیا تو کیا کرو گے؟ (تفسیر کبیر) پانچواں فائدہ: اگرچہ اہل کتاب عورت سے مسلمان مرد نکاح کر سکتا ہے مگر اسے بھی اپنا قومی' سیاسی' ملکی' دینی مشیر اور رازدار نہ بنائے کہ وہ بھی ڈنگ مارنے میں کمی نہ کرے گی' وہ بمقابلہ شوہر اپنی قوم کی زیادہ خیر خواہ ہو گی' اسی طرح مسلمان اپنے کافر پڑوسیوں کو اپنا رازدار نہ بنائے ورنہ دھوکا کھائے گا۔ چھٹا فائدہ: اگر ہم کسی کافر کو اپنا دوست سمجھ لیں تو یہ ہماری غلط فہمی ہے' اور اس کافر کی عیاری و مکاری کیونکہ رب تعالیٰ سارے بندوں کا خالق ہے ان کی حقیقت جیسی وہ جانتا ہے ہم نہیں جانتے' رب تعالیٰ نے ان کی عداوت کو "اکبر" یعنی بہت بڑی فرمایا' جسے رب تعالیٰ اکبر کہے' سمجھ لو کہ وہ کیسی خطرناک و سخت ہو گی۔ ساتواں فائدہ: اگرچہ اہل کتاب کافر و مشرکین کفار کے احکام میں فرق ہے' اور یہود و عیسائیوں کی عداوت اسلام میں بھی فرق' کہ قرآن کریم نے دوسری جگہ یہود و مشرکین کو مسلمانوں کا سخت ترین دشمن بتایا اور عیسائیوں کو ان کا دوسرا درجہ دیا کہ فرمایا **لتجدن اشدالناس عداوۃ** " **للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا ولتجدن اقربھم مودۃ** " **للذین امنوا الذین قالوا انا نصری** ' مگر نفس عداوت میں سب برابر ہیں' کالے' پیلے بچھو زہریلے ہی ہیں' اگرچہ زہروں میں فرق ہے' اس کا تجربہ ہم کو تقسیم ملک سے ہوا کہ ہندوستان میں قریباً" سو برس تک عیسائیوں کی بادشاہت رہی' انہوں نے مسلمانوں کو دبایا تو مگر مٹایا نہیں' لیکن اب دس بارہ سال سے وہاں ہندوؤں کی بادشاہت ہے' اس دوران میں انہوں نے مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیا کہ وہاں اکثر صوبے مسلمانوں سے خالی ہو گئے۔ آٹھواں فائدہ: ہر ماسوئی کو **دون** نہیں کہتے' بلکہ اجنبی غیر اور دشمن و مقابل کو **دون** کہا جاتا ہے دیکھو یہاں **من دونکم** کفار و منافقین کے لئے فرمایا گیا نہ کہ مومنین کے لئے' لہذا جہاں کہیں قرآن کریم نے فرمایا **ومالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** وہاں دون کے معنی مقابل ہی ہیں' اور مطلب یہ ہے کہ خدا کے مقابل ہو کر نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار جو اس کے مقابل تمہیں عذاب سے بچا لے۔ **غیر' الا' سوی' دون' حاشا** ان سب کے معنی سوئی ہی ہیں' مگر ان کے استعمال کے مواقع الگ الگ ہیں' چنانچہ **الا** ہر **ماسوی** کو کہتے ہیں' اپنا ہو یا غیر' دشمن ہو یا دوست' مگر دون' اس ماسوی کو کہا جائے گا جو دشمن یا غیر یا بے تعلق ہو' اسی لئے کلمہ طیبہ میں **الا اللہ** ہے **دون اللہ** نہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں دیکھو۔ **دون** کا مادہ اشتقاق اور اس کے لغوی معنی ابھی تفسیر میں عرض کئے جا چکے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کو دوست و مشیر نہ بنایا جائے' تو آج زندگی کیسے گزاریں' پاکستان بلکہ تمام جہان کی اسلامی سلطنتیں عیسائیوں کی امداد پر قائم ہیں فی زمانہ اس آیت پر عمل ناممکن ہے۔ (نئی روشنی)
جواب: تعاون اور رازداری میں بڑا فرق ہے' یہاں رازدار بنانے سے روکا گیا ہے' تعاون تعلقات ملین دین جسے عربی میں **وقسط** کہتے ہیں کفار سے جائز تھا اور جائز ہے' خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے تجارتی لین دین کئے اور کفار سلاطین کے ہدیئے قبول فرمائے' اور انہیں ہدیئے دیئے ہیں' اور ان کی مہمانیاں کی ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا ینھکم اللہ**

عن الذین لم یقاتلوکم الخ ہجرت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کافر کی راہبری قبول فرمائی" (از شامی) انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق سورۂ ہود کی تفسیر میں کی جائے گی۔ **دوسرا اعتراض:** جب کفار خصوصاً یہود کو مشیر اور دوست بنانا منع ہے تو ان کی عورتوں سے نکاح کیوں جائز ہوا؟ بیوی لامحالہ مشیر و رازدار بھی ہوتی ہے۔ **جواب:** ان سے نکاح اس لئے جائز کیا گیا کہ وہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اسلام سے کچھ قریب ہیں" اور عورت مرد کے ماتحت ہوتی ہے" امید ہے کہ کتابیہ عورت مسلمان کی صحبت سے ہدایت پا جائے" کتابیہ عورت کو گھربار کے کاروبار کا مشیر بناؤ نہ کہ ملکی اور قومی سیاسیات کا" یاد رکھو کہ اگر کتابیہ سے نکاح میں مسلمان کے بہک جانے کا خطرہ ہو تو ہرگز ان سے نکاح نہ کیا جائے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں رب تعالیٰ نے کفار کی دو دشمنیاں بیان فرمائیں" برائی میں کمی نہ کرنا اور مسلمانوں کی ایذاء کو تمنا کرنا" ان دونوں میں فرق کیا ہے بظاہر دونوں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں۔ **جواب:** پہلی عداوت میں تو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش مراد ہے اور دوسری عداوت میں کوشش میں ناکام ہو کر مسلمانوں کی تکلیف کی تمنا کرنا مراد ہے" لہٰذا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر **دون** مقابل و دشمن کو کہتے ہیں تو رب تعالیٰ نے عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو **دون اللہ** کیوں فرمایا؟ کہ ارشاد ہوا **ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء** اور فرمایا **لا تعبدوا من دون اللہ** کیا خدا کے دشمنوں کی عبادت حرام ہے اور نبیوں کی جائز ہے؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں" ایک یہ کہ ان آیات میں غیر اللہ کی عبادت کو عبادت الٰہیہ کا مقابل قرار دیا گیا ہے" عبادت خدا تعالیٰ کے سواء کسی کی بھی کی جائے" عبادت الٰہیہ کے مقابل ہی ہو گی" کیونکہ عبادت کے معنی ہیں کسی کو خدا یا خدا کے برابر سمجھ کر اس کی تعظیم و فرمانبرداری کرنا تو جس کو رب تعالیٰ کے برابر سمجھا گیا وہ رب تعالیٰ کا مقابل ہوا اور اس کی عبادت رب تعالیٰ کی عبادت کے مقابل ہوئی" دوسرے یہ کہ یہود نے حضرت عزیر کو خدا تعالیٰ کا بیٹا مانا" عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا" مشرکین نے اپنے معبود کا رب تعالیٰ کو محتاج مانا اور فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا" لہٰذا انہوں نے ان بندوں کو رب تعالیٰ کے برابر یا مثل مانا اور برابر یا مثل مقابل ہوتا ہے نہ کہ محض بندہ" اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں **من دون اللہ** فرمایا" یعنی ان کے اعتقاد میں اللہ کے مقابل نہ کہ واقع میں بہرحال **دون** اس **ماسویٰ** کو کہتے ہیں جو برابر یا مقابل یا دشمن ہو" خواہ واقع میں یا کفار کے اعتقاد میں" ہر **ماسویٰ** **دون اللہ** نہیں ہے" یہ فرق خیال میں رکھنا چاہئے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا دل گویا مومن ہے نفس امارہ منافق" جو دل سے یارانہ جتاتا ہے اور شیطان سے دوستی گانٹھے ہوئے ہے" شیطان کھلا کافر ہے" قلوب سے خطاب ہے کہ اے مومنو! نفوس امارہ منافقوں کو اور شیاطین کفار کو اپنا جگری دوست اور مشیر کار" رازدار نہ بناؤ اگر نفس و شیطان تمہارے یار ہو گئے تو تمہیں وہاں ہی پہنچائیں گے" جہاں کے وہ لائق ہیں یعنی دوزخ میں" کو دوست ہو کر مراد پر لے جائے گا۔

اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم طریق الھالکین

یہ دونوں تمہیں بگاڑنے اور فاسد کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے نفس و شیطان اگرچہ تمہارے دوست بنکر سامنے آتے ہیں مگر بہت دفعہ ان کی دشمنی خود ان کے منہ اور حرکتوں سے ظاہر ہو جاتی ہے" تمہیں مصیبت میں ڈالنا شیطان کی عین مرضی ہے کیونکہ وہ تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا ہے تو وہ تمہارا دوست کیسے بن سکتا ہے؟ ہم نے

ہر بات دلیل سے تمہیں سمجھا دی اگر تم نے اب بھی دھوکا کھایا تو خود تم ہی ذمہ دار ہو گے اگر تم میں عقل رحمانی ہو تو دوست و دشمن کو پہچان لو اللہ تعالیٰ عقل نفسانی اور عقل شیطانی سے بچائے اور عقل رحمانی نصیب کرے۔

دوسری تفسیر صوفیانہ: ہر انسان دکاندار ہے' زندگی اس کی دکان ہے اور اعمال دکان کے سودے' دکان کے جیسے سودے ویسے ہی اس کے خریدار' مسجد و جاء نماز کی دکان پر نمازی گاہک ہوتے ہیں' اور شراب کی دکان کے گاہک شرابی' غرضکہ جیسی دکان ویسے خریدار' اسی طرح جس کی دکان میں نیک اعمال' عشق رسول کے سودے ہیں اس کا خریدار خود پروردگار ہے' خود فرماتا ہے ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ اور اگر اس دکان زندگی میں بدکاریوں کے سودے ہیں تو اس کا خریدار شیطان ہے' رب تعالیٰ اپنے سودوں کی قیمت جنت دے گا اور شیطان اپنے خریدے ہوئے سودوں کی قیمت میں دوزخ میں پہنچائے گا' یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! اپنی دکان زندگی کا گاہک کفار و شیاطین کو نہ بناؤ' ان گاہکوں سے تمہیں نفع نہ ملے گا بلکہ یہ تمہاری دکان کا دیوالہ نکال دیں گے یہ تمہاری دکان کے خیر خواہ نہیں بلکہ بدخواہ ہیں' ان کی عداوت و بددیانتی تو ان کے منہ سے ظاہر ہے۔ خدا تعالیٰ دکان کے خریدار اچھے عطا فرمائے۔

هَٰٓأَنتُمْ أُو۟لَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِٱلْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ وَإِذَا لَقُوكُمْ

سنتے ہو یہ جو تم ہو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے اور حال یہ ہے کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور

آگاہ رہو تم ہی وہ ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے

قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا۟ عَضُّوا۟ عَلَيْكُمُ ٱلْأَنَامِلَ مِنَ ٱلْغَيْظِ ۚ قُلْ

وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے تم فرما دو کہ

ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں غصہ کے باعث فرما دو مر جاؤ

مُوتُوا۟ بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١١٩﴾

مر جاؤ اپنی گھٹن میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات

اپنے غصہ سے بے شک اللہ جاننے والا ہے سینہ والی چیزوں کو

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گزشتہ آیت میں کفار و منافقین کو رازدار بنانے سے منع فرمایا گیا تھا جس کی ایک وجہ تو وہاں ہی بیان کی گئی اور دو وجہیں ان دو آیتوں میں بیان فرمائی جا رہی ہیں' وہاں بتایا گیا کہ یہ تمہارے بدخواہ ہیں خیرخواہ نہیں' اب بتایا جا رہا ہے کہ ان کے دل میں تمہاری محبت قطعاً نہیں گویا عملی دشمنی' بدخواہی کے بعد محبت کی نفی کا ذکر بہت موزوں ہے۔ دوسرا تعلق: گزشتہ آیت میں کفار و منافقین کی عملی دشمنی کا ذکر تھا اب ان کی دلی دشمنی کا تذکرہ ہے گویا ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ تیسرا تعلق: گزشتہ آیت میں کفار اور منافقین کی چالاکی و عیاری کا ذکر تھا اب اس آیت میں مسلمانوں کی سادگی کا تذکرہ ہے کہ مسلمان کفار کی زبانی چاپلوسی پر اعتبار کر جاتے

ہیں بلکہ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیت میں کفار و منافقین کی اس عداوت کا ذکر تھا جو مسلمانوں پر کبھی کبھی ظاہر ہو جاتی تھی' اب ان کی اس خفیہ عداوت کا تذکرہ ہے جس کا اثر ان کی خفیہ مجلسوں میں ہوتا ہے گویا جلوت کی حالت کے بعد خلوت کی حالت کا ذکر ہے۔

تفسیر: **ھانتم اولاء تحبونھم** ھا حرف تنبیہ ہے جو غافل کو بیدار کرنے یا سوتے کو جگانے کے وقت استعمال ہوتا ہے چونکہ بعض مسلمان کفار و منافقین کی چالوں سے غافل و بے خبر تھے اس لئے **ھا** فرمایا گیا' **انتم** سے ان ہی سیدھے سادے صحابہ کرام کو خطاب ہے جو ان کی چالوں سے بے خبر تھے نہ کہ تمام صحابہ سے' اور اب قیامت تک کے سیدھے سادے اور کفار کی چالوں میں آجانے والے مسلمانوں سے خطاب ہے' **انتم** مبتدا ہے اور **اولاء** اسم موصولہ **تحبونھم** صلہ' موصول صلہ سے مل کر **انتم** کی خبر ہے یعنی اے سیدھے مسلمانو! تم تو وہ غرو کریم ہو جو ان کفار سے محبت کرتے ہو' اس محبت سے مراد نہ تو ان کے کفر سے محبت ہے کہ یہ خود کفر ہے' اور نہ قوم کفار سے محبت نہ ان کی طرف میلان جو حرام ہے کہ صحابہ کرام ان دونوں جرموں سے محفوظ تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** بلکہ ان دونوں ناجائز محبتوں کے سواء کوئی اور محبت مراد ہے۔ جس کا ذکر ابھی آرہا ہے **ولا یحبونکم** سارے کفار و منافقین کا یہی حال ہے خواہ مشرکین ہوں یا یہود یا عیسائی وغیرہ' ایسے کفار کے جاسوس مسلم نما کافروں و منافقوں کا بھی یہی وطیرہ ہے' اس جملہ کے چند معنی ہیں' تم ان سب کے مسلمان ہو جانے کی رغبت رکھتے ہو' یہ ان سے اصل محبت و خیر خواہی ہے مگر وہ تمہارا کافر ہو جانا چاہتے ہیں' یہ ان کی دشمنی ہے' تم ان کی رشتہ داریوں و قرابت کی وجہ سے دنیاوی محبت طبعی رکھتے ہو مگر انہیں تم سے اس بناء پر مطلقاً" محبت نہیں' وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہیں' تم ان کے اظہار ایمان کے سبب محبت کرتے ہو' انہیں مسلمان سمجھتے ہو مگر وہ اپنے اندرونی کفر اور چھپے ہوئے نفاق کے سبب تم سے کوئی محبت نہیں رکھتے' تم انہیں آفات و مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتے' کیونکہ یہود مدینہ سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے' تم اپنے عہد کے پابند ہو مگر وہ تمہیں آفات میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ اس عہد و پیمان و معاہدہ کے باوجود تمہارے کھلے دشمنوں سے وہ سازباز رکھتے ہیں' کیونکہ وہ اپنے عہد و پیمان تو کیا اپنی قسموں کے بھی پابند نہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انھم لا ایمان لھم** ان کی قسموں کا بھی اعتبار نہیں' تم اپنی سادگی کی وجہ سے ان پر اپنے بعض اندرونی راز ظاہر کر دیتے ہو' مگر وہ عیار و چالاک لوگ تمہیں اپنے راز پر کبھی مطلع نہیں کرتے' غرضکہ تمہاری یہ محبتیں تمہاری سادگی کی بناء پر ہیں تم ہوشیار رہو **وتؤمنون بالکتاب کلہ** یہ مسلمانوں کا دوسرا حال ہے اور اس کے مقابل کفار و منافقین کا دوسرا فریب و مکر' **کتب** یا تو اسم جنس ہے یا اسم مصدر' اور اس سے مراد تمام آسمانی کتب ہیں یا قرآن شریف مراد ہے' یعنی تم تو تمام کتب آسمانی پر ایمان رکھتے ہو توریت ہو یا انجیل' مگر ان کا یہ حال ہے کہ وہ نہ تو تمہارے قرآن شریف پر ایمان رکھتے ہیں نہ توریت و انجیل پر اگر وہ توریت و انجیل پر ایمان رکھتے ہوتے تو مسلمان ہو جاتے کہ ان کتب نے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا' یا تم تو سارے قرآن شریف پر ایمان رکھتے ہو جس میں ذمی کفار کے حقوق کی ادائیگی معاہدین سے اچھے سلوک' عہد و پیمان کی پابندی کی تاکید ہے' وہ قرآن شریف کا ایک بھی حکم نہیں مانتے' انہیں کیا معلوم کہ عہد و پیمان کیا چیز ہے' اسلامیت تو کیا انسانیت سے بھی بے خبر ہیں' وہ باطل پر ایسے مضبوط ہیں' تم حق پر مضبوط کیوں نہیں رہتے (کبیر) **وانا لقوکم قالوا امنا**

یہ منافقین کا دوسرا حال ہے بلکہ یہود کی بھی دوسری چال یعنی جب منافقین تم سے مسجدوں یا کسی اور جگہ میں ملتے ہیں تو منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم قرآن و صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آئے' یا جب یہود تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہاری طرف سے اور تم ہماری طرف سے امن میں آگئے ہم اپنے معاہدہ پر پابند ہیں مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں اس جملہ کی پوری تحقیق الم پارہ اول کے شروع میں ہو چکی' **قالوا** فرماکر یہ بتایا کہ ان کا اقرار ایمان صرف زبانی ہے دل سے اس کا کوئی تعلق نہیں' **امنا** ماضی فرماکر یہ بتایا کہ پہلے ہم کافر تھے اب ایمان لاچکے ہیں **و اذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ خلو'** خلو سے بنا' بمعنی اکیلا ہونا' اسی سے ہے خلوت اور خالی **عضو'** عض سے بنا بمعنی دانت سے کاٹنا یا دانت سے پکڑنا' **انامل** انملہ کی جمع ہے' بمعنی پورے' انگلی کو اصبع کہتے ہیں' **علیکم** میں صحابہ کرام سے اور پھر سارے مسلمانوں سے خطاب ہے۔ **غیظ** سخت غصہ کو کہتے ہیں جس سے خون کھول جائے' معمولی یا درمیانی غصہ کو غضب کہتے ہیں' یعنی اکیلے میں یا اپنے ہم جنس کافروں کے ساتھ خلوت میں تم پر ہاتھ چباتے ہیں' ہاتھ چبانا سخت غضب بیان فرمانے کے لئے ہے' یہ لوگ مسلمانوں کے اتفاق و محبت اور اسلام کی ترقی کو دیکھ کر خون کے آنسو روتے اور غصہ میں اپنے ہاتھ کاٹتے تھے مگر کچھ کرنہ سکتے تھے **قل موتوا بغیظکم'** **قل** میں خطاب یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مسلمان سے اور قول سے مراد عملی فرمانا ہے نہ کہ زبانی یعنی آپ اور زیادہ مسلمانوں کو متفق و متحد کریں اور اسلام کو اور زیادہ فروغ دیں (روح المعانی) **موتوا بغیظکم** یا تو یہ بددعا ہے یا ان بے ایمانوں پر اظہار غضب یعنی خدا کرے تم اپنے غصہ کی آگ میں جلتے مرتے رہو یا انشاء اللہ اسلام یونہی ترقی میں رہے گا تم پڑے مرجاؤ۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم کافر رہو' اور جلتے رہو' حتی کہ مرجاؤ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کو ایمان لانے کی تلقین فرماتے تھے (تفسیر کبیر) **ان اللہ علیم بذات الصدور' ذات'** ذو کا مونث ہے' صدور' صدر کی جمع ہے' بمعنی سینہ اس سے مراد دل کے خطرات ہیں کیونکہ وہ بھی سینہ میں ہی ہوتے ہیں یا یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے پہلے جملہ سے علیحدہ یا یہ بھی **قل** کے تحت ہے یعنی رب تعالیٰ تمہارے انگلیاں چبانے کو بھی جانتا ہے اور تمہارے دلوں کے اس غیظ و غضب پر بھی مطلع ہے جو انگلیاں چبانے کا باعث ہے بلکہ اس نے ہم کو بھی تمہارے ان سارے حالات پر مطلع فرمادیا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم اپنی پاک فطرتوں کی وجہ سے منافقین کی باتوں اور اہل کتاب کی چالوں میں آجاتے ہو' اور ان سے گذشتہ تعلقات کی بناء پر قرابت داریوں کی محبتیں اور میل ملاپ رکھتے ہو مگر وہ ایسے کفر میں پکے اور ضد میں مضبوط ہیں کہ تم سے مطلقاً محبت نہیں کرتے' غضب تو دیکھو کہ تم ان کی کتابوں توریت و انجیل وغیرہ کو مانتے ہو' ان کے نبیوں پر ایمان رکھتے ہو' انہیں تو چاہئے تھا کہ بمقابلہ مشرکین کے تمہارا لحاظ کرتے اور ان کے مقابل تمہاری امداد کرتے' مگر معاملہ برعکس ہے کہ وہ تمہارے مقابل انہیں عزیز رکھتے ہیں' اور ان کی امداد کرتے ہیں' ان کی چال ڈھال یہ ہے کہ جب تم سے ملتے ہیں' تو منافقین تو کہہ جاتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے' اور تمہاری طرح ہم بھی مسلمان ہیں اور کھلے کتابی کہتے ہیں کہ ہم تمہاری طرف سے بالکل امن میں ہیں' اور تم ہماری طرف سے ہر طرح امان میں' ہم تم گویا ایک ہی ہیں' زبان تو ان کی یہ ہے' مگر دل کا یہ حال ہے کہ

جب اکیلے ہوتے ہیں یا آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں تو تمہارے اتفاق' اتحاد اور تمہاری فتوحات و دینی ترقیوں کا ذکر کر کے غصہ کے مارے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں' اور سوچتے ہیں کہ کوئی تدبیر ایسی بن پڑے' جس سے مسلمانوں کو ہلاک کر دیا جائے' جب وہ اپنے کفر میں اتنے پختہ ہیں' تم ایمان میں پختہ کیوں نہیں ہوتے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم ان جلنے والوں حاسدوں سے خواہ زبان سے صراحۃً" یا عمل سے اشارۃً' یا استغناء سے کنایۃً" فرما دو کہ تم غصہ اور جلن میں مر جاؤ' تمہارے جلنے سے مسلمانوں اور اسلام کا کچھ نہ بگڑے گا' چگادڑ جلتے رہیں گے اور قرآن پاک کا سورج چمکتا رہے گا' اللہ تعالیٰ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے' تمہاری خفیہ تدابیر پر مسلمانوں کو مطلع فرمادے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صحابہ کرام کامل الایمان اور سچے مخلص مسلمان تھے جیسا کہ **تئومنون** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا' جو ان کے ایمان میں شک کرے وہ اس آیت کا منکر ہے' صحابہ کرام پر ایمان لائے بغیر قرآن پر ایمان میسر نہیں ہو سکتا' ان بزرگوں کا ایمان ایسا ہی قطعی و یقینی ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت۔ **دوسرا فائدہ:** صحابہ کرام کا ایمان سارے قرآن پر پہلے ہی سے تھا جتنا نازل ہو چکا تھا اس پر تفصیلاً" اور جو نازل نہ ہوا تھا اس پر اجمالاً" (کہ جو کچھ آئے گا حق ہو گا) جیسا کہ **کلہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کفار قرابت داروں سے بھی دلی محبت حرام ہے جیسا کہ **تحبونھم** سے معلوم ہوا' مگر دلی محبت اور ہے ادائے حقوق کچھ اور ہو وقط کچھ اور اس کی تفسیر گذشتہ آیت میں گزر گئی' کفار مسلمان سے کبھی محبت نہیں کر سکتے اگرچہ عزیز و قرابت داری ہوں جیسا کہ **ولا یحبونکم** سے معلوم ہوا' تجربہ نے بھی بتا دیا کہ مسلمان کا کفار کی دوستی پر اعتماد کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' حال ہی میں تقسیم ملک کے موقعہ پر بہت مسلمان اپنے کافر دوستوں کے ذریعہ ہلاک ہوئے۔ **چوتھا فائدہ:** مسلمان فطرۃً" سیدھا اور دھوکا کھا جانے والا ہوتا ہے' کافر فطرۃً" چالاک اور دھوکا باز ہوتا ہے جیسا کہ **اولاء** الخ سے معلوم ہوا' حدیث شریف میں ہے **المومن غر کریم والکافر خب لئیم**۔ **پانچواں فائدہ:** قدرتی طور پر ایمان میں قوت ہے اور کفر بزدلی کا باعث' مومن بے دھڑک اپنے ایمان کا اظہار کرتا ہے۔ کافر کفر چھپاتا پھرتا ہے دیکھو فرعونی جادوگر ایمان لاتے ہی کتنے دلیر ہو گئے کہ بے دھڑک کہہ دیا **فاقض ما انت قاض**۔ **چھٹا فائدہ:** تقیہ بازی اور اپنا ایمان چھپانا طریقہ کفار ہے جیسا کہ **و اذا لقوکم** الخ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کفار کتنی ہی سازشیں کریں مگر اسلام انشاء اللہ نہیں مٹ سکے گا' اگر مسلمان اسلام پر قائم رہیں تو وہ بھی کفار کے شر سے محفوظ رہیں گے' رب تعالیٰ کا وعدہ ہے جیسا کہ **قل موتوا** الخ سے معلوم ہوا' مگر افسوس ہے کہ اب تو مسلمان ہی اسلام کو مسخ و تبدیل کرنے کی فکر میں ہیں' مسلمان خیال رکھیں کہ تبدیل کرنے والے انشاء اللہ تبدیل ہو جائیں گے اسلام تبدیل نہ ہو گا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یستبدل قوما" غیرکم** مروان نے نماز عید میں صرف اتنی تبدیلی کرنا چاہی تھی کہ خطبہ نماز سے پہلے کر دیا تھا مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ مروان اور مروانیت ختم ہو گئی مگر خطبہ نماز کے بعد ہی رہا' اللہ تعالیٰ خود اپنے محبوب کی سنتوں کا حافظ و ناصر ہے' مسلمانو! اسلام کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنے کو اسلامی سانچے میں ڈھالو ہمیشہ پھلو پھولو گے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دلوں میں کفار سے محبت تھی' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا

تحبونہم‘ اور کفار سے محبت رکھنے والا بحکم قرآن دوزخی ہے مومن نہیں ‘ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا** الخ۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ‘ ایک الزامی ‘ دوسرا تحقیقی ‘ جواب الزامی یہ ہے کہ اسی آیت میں صحابہ کرام کے ایمان کی بھی گواہی موجود ہے کہ فرمایا گیا ہے **و تؤمنون بالکتب کلہ** تم ساری کتاب کے پکے مومن ہو‘ دوسری جگہ ارشاد ہوا‘ **اشداء علی الکفار رحماء بینہم** یعنی حضرات صحابہ کرام کافروں پر سخت ہیں آپس میں نرم‘ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **تحبونہم** کی بہت تفسیریں ہیں ‘ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم چاہتے ہو کفار ایمان لے آئیں ‘ یہ محبت تو عین ایمان ہے ‘ جیسا کہ ہم نے **تحبون** کی تفسیر میں تفسیر کبیر و خازن سے نقل کیا ‘ اور اگر محبت بمعنی میلان قلب ہی ہو تو محبت بہت قسم کی ہوتی ہے کفر سے محبت (یہ کفر ہے) کفار سے محبت (یہ نفاق ہے) ‘ کسی کافر سے قرابت داری کی بناء پر غیر اختیاری طبعی محبت (یہ کفر ہے نہ نفاق) جیسے کافر بیٹے یا بیوی سے محبت ‘ یہاں یہ تیسری محبت ہی مراد ہے ‘ اسی لئے رب تعالیٰ نے ان بزرگوں کو اس محبت کی بناء پر عتاب نہ فرمایا بلکہ آئندہ احتیاط رکھنے کا حکم دیا ‘ اور ساتھ ہی ان کے ایمان کی گواہی بھی دے دی۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا **موتوا بغیظکم** جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے کافرو کفر پر قائم رہو ‘ اور غصہ میں مر جاؤ ‘ اس میں انہیں کفر پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا۔ ایسی بات شان نبوت تو کیا شان اسلام کے بھی خلاف ہے۔ **جواب:** اس میں انہیں کافر رہنے کا حکم نہیں بلکہ اسلام کی ترقی کی دعا ہے یا کفار کو ناکامی کی بددعا یعنی خدا کرے اسلام یونہی ترقی میں رہے ‘ یا تم بھی کامیابی کا منہ نہ دیکھو اور ایسے ہی جلتے رہو۔ خیال رہے کہ کفار کی ہلاکت کی دعا بھی جائز ہے ‘ اور ان کے کفر پر مرنے کی بددعا بھی ‘ موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی **فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم** یعنی خدایا انہیں عذاب آنے تک ایمان کی توفیق نہ ملے ‘ عذاب آنے پر ایمان لائیں اور قبول نہ ہو ‘ جناب کلیم کی دعا حرف بحرف قبول ہوئی کہ ڈوبتے وقت فرعون پکارا **امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل** مگر اس ایمان کو یہ فرما کر رد کر دیا گیا **الئن وقد عصیت قبل**۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے خبر دی کہ کفار تم سے محبت نہیں کرتے ‘ مگر دیکھا جا رہا ہے کہ بعض کفار ہم سے بڑی محبت کرتے ہیں ‘ بہت سے کافر ملک پاکستان کو امداد دے رہے ہیں۔ **جواب:** مسلمانو! یہ دھوکا ہے ‘ وہ تم سے محبت نہیں کرتے ‘ اور نہ تمہیں امداد دیتے ہیں ‘ بلکہ اپنی غرض کے لئے یہ سب کچھ امداد یں ہیں ‘ زیادہ کہنا مناسب نہیں ‘ ان تمام چیزوں کو ڈاکٹر اقبال ایک شعر میں اشارۃً بتا گئے ہیں۔

از جمل مصطفیٰ بے گانہ کرد   تو چہ دانی عہد مابا ماچہ کرد!

آج ہم اپنا سب کھو چکے ہیں ‘ ہم وہ لٹا ہوا قافلہ ہیں ‘ جس کے موتی اوروں نے لئے اور ان کی ٹھیکریاں ہم نے اٹھالیں ‘ دعا کرو ہمیں اپنے موتی سنبھالنے کی توفیق ملے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ظاہری حواس پر بعض بیماریاں چھا کر یا تو انہیں بیکار کر دیتی ہیں جن سے وہ حواس کام ہی نہیں کرتے ‘ یا انہیں بگاڑ دیتی ہیں ‘ جن سے الٹا اور غلط کام کرتے ہیں ‘ اندھا کچھ دیکھتا ہی نہیں ‘ اور احول (بھینگا) ایک کو دو دیکھتا ہے ‘ خشک زبان کسی چیز کا مزہ محسوس ہی نہیں کرتی اور صفراوی بخار والا کڑوی چیز کو میٹھی اور میٹھی چیز کو کڑوی محسوس کرتا ہے ‘ ایسے ہی اندرونی بیماریوں والے کے حواس بھی بگڑ جاتے ہیں ‘ جن سے وہ کڑوے کفر کو میٹھا سمجھنے لگتا ہے اور میٹھے ایمان و تقویٰ کو کڑوا جاننے لگتا ہے ‘ دشمن کفار کو اپنا دوست سمجھتا ہے اور اپنے دوست مسلمانوں کو دشمن تصور کرتا ہے ‘ اس آیت میں اور اس جیسی دوسری

آیات میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اپنے ذہنی احساسات نہ بگاڑیں دوستوں کو دشمن اور دشمنوں کو دوست نہ بنائیں ان کی دشمنی عیاں ہے نہاں نہیں اس عیاں کو جانیں اور پہچانیں صوفیائے کرام فرماتے ہیں اپنا حال اسرار اپنے ہم جنس کو بتاؤ اگر غیر جنس کو حال بتایا تو دھوکا کھاؤ گے امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسان کی ظاہری صورت سے دھوکا نہ کھاؤ جب تک کہ اس کی سیرت نہ آزماؤ آزمائش یا تو اس کے ساتھ رہنے سہنے سے ہوتی ہے یا اس کے فقر و غنا کے حالات دیکھنے سے یا اس کے ساتھ سفر کرنے سے یا اس کے ساتھ روپیہ پیسہ کا معاملہ پڑنے سے یا اور کام پڑنے سے اگر ان موقعوں پر تم اسے درست پاؤ اگر بڑا ہے تو اسے والد سمجھو اگر چھوٹا ہے تو اسے اپنا بیٹا جانو اگر برابر ہے تو بھائی جانو اور ایسے دوست کی صحبت غنیمت جانو۔

ان الرجال صناد یق مقفلة وما مفاتیحها الا التجارب

یعنی لوگ قفل لگے ہوئے صندوق ہیں تجربہ و آزمائش ان کی چابی ہے تصوف میں دو چیزیں بہت ضروری ہیں اچھوں کی صحبت اور محبت بروں سے علیحدگی و نفرت بروں کی صحبت اتنی ہی مضر ہے جتنی اچھوں سے دوری نقصان دہ رب تعالیٰ کا جس پر کرم خاص ہوتا ہے اسے اچھے ساتھی عطا فرماتا ہے۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ

اگر چھو جائے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر پہنچے تم کو کوئی برائی تو خوش ہوتے ہیں وہ اس سے

تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۲

اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو نہ نقصان دے گا تمہیں ان کا مکر کچھ بھی بیشک اللہ اس کو جو وہ کرتے ہیں گھیرے ہے

اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا بیشک ان کے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا گذشتہ آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ منافقین تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں اس میں ایک قسم کا اجمال تھا اس آیت میں اس کی تفسیر بیان ہو رہی ہے کہ تمہاری بھلائیاں دیکھ کر انہیں سخت رنج ہوتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ منافقین کے دلی حالات جانتا ہے اب ان حالات کی اطلاع مسلمانوں کو دی جا رہی ہے گویا پہلے رب تعالیٰ کے جاننے کا ذکر ہے اب اس کے بتانے کا تذکرہ۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں کفار کے کچھ عیوب اور برے حالات بیان کئے گئے ہیں اس آیت میں ان کے حسد اور عناد کا ذکر ہو رہا ہے یعنی لازمی عیوب کا ذکر پہلے تھا متعدی عیوب کا ذکر اب فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **ان تمسسکم حسنة** تمسس مس سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں لگنا و چھونا مگر اصطلاح میں ہر قسم کے چھونے لگنے اور پہنچنے کو مس کہہ دیتے ہیں خواہ بھلائی پہنچے یا برائی کبھی **اصابة** کے معنی میں آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما مسنا من لغوب** اور فرماتا ہے **واذا مسکم الضر فی البحر** اور کبھی **اصابة** کا مقابل یعنی پورا پورا پہنچنا

اصابت اور معمولی طور پر چھو جانا **مس** بعض مفسرین نے یہاں **مس** کو **اصابۃ** کا ہم معنی قرار دیا کہ اس کا مقابل ہے' **کم** یا سارے صحابہ سے خطاب ہے یا تاقیامت مسلمانوں سے **حسنۃ** حسن کا صفت مشبہ ہے' ہر دل خوش کن اور مرغوب چیز کو **حسنہ** کہا جاتا ہے' یہاں اس سے ہر دنیاوی نفع و بھلائی مراد ہے' تندرستی' ارزانی' جنگ میں فتح' غنیمت کا حصول' دشمنوں کا فرار' مسلمانوں کا آپس میں اتفاق' **حسنۃ** کی تنکیر تحقیر کے لئے ہے جیسا کہ **مس** سے معلوم ہوا یعنی اے صحابہ یا اے مسلمانو اگر تمہیں کبھی معمولی سے بھلائی چھو بھی جائے تو **تسوھم** سوء سے بنا بمعنی قباحت' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ساء ما یحکمون** یہاں **سوء** سے دلی صدمہ اور غم مراد ہیں' **ھم** کا مرجع یا منافقین ہیں یا یہود یا سارے کفار یا منافقین و کفار دونوں یعنی انہیں بہت برا لگتا ہے اور بہت صدمہ و رنج و غم پہنچتا ہے **و ان تصبکم سیئۃ** **تصب** **اصابۃ** سے بنا بمعنی پورا پورا پہنچنا **کم** میں یا صحابہ سے خطاب ہے یا سارے مسلمانوں سے **سیئۃ** **حسنۃ** کا مقابل ہے بمعنی برائی و غمگین کرنے والی چیز' جیسے **حسنہ** میں دنیوی نفعے مراد تھے ایسے ہی **سیئۃ** سے اس کے مقابل تکلیف دہ چیزیں مراد ہیں' بیماریاں' غربت' جنگ میں شکست' آپس کی نااتفاقی' قرابت داروں سے جدائی' قتل و غارت وغیرہ' **سیئۃ** کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے یعنی اے صحابہ یا اے مسلمانو اگر تمہیں بڑی سے بڑی آفت و مصیبت بھی پہنچے تو یہ منافقین و کفار غم نہ کریں گے' تم پر آنسو نہ بہائیں گے بلکہ **یفرحوا بھا** یہ **فرح** سے بنا بمعنی دلی خوشی و سرور و فرحت' اسی سے ہے تفریح' باغ کی سیر کو تفریح اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے دل خوش ہوتا ہے' **یفرحوا** کا فاعل منافقین یا سارے کفار ہیں ب سببیہ ہے اور **ھا** کا مرجع **سیئۃ** ہے یعنی یہ منافقین یا سارے کفار تمہاری مصیبتوں کی وجہ سے خوشیاں مناتے ہیں **و ان تصبروا و تتقوا** **تصبروا** **صبر** سے بنا بمعنی روکنا' نفس کو اطاعتوں پر روکنا یعنی قائم رکھنا' گناہوں سے روکنا یعنی بچانا' اپنے کو مصیبت میں گھبراہٹ سے روکنا' اور دشمن کے مقابل انتقام کے جوش سے اپنے کو روکنا' یہ سب صبر کی ہی قسمیں ہیں' یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں' **تتقوا** **اتقاء** سے بنا بمعنی بچنا و ڈرنا' اگر یہاں اس کا مفعول نار ہو تو بچنے کے معنی میں ہو گا اور اگر لفظ اللہ ہو تو ڈرنے کے معنی میں یعنی اے مسلمانو! اگر تم اطاعت الٰہی پر صبر کئے رہو یا گناہوں سے بچے رہو یا مصیبت کے وقت گھبراہٹ سے محفوظ رہو' یا ان ظالم کافروں کی سختیوں پر صبر سے کام لو' جوش میں نہ آجاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو' آگ سے بچے رہو تو **لا یضرکم کیدھم شیئا** **یضر** **ضرر** سے بنا بمعنی تکلیف و نقصان' **کید** کے معنی ہیں خفیہ تدبیر' اور کسی کے خلاف سازش' یہ اچھی بھی ہوتی ہے بری بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انھم یکیدون کیدا** " یہ کفار سازشیں کرتے ہیں' مسلمانوں کے خلاف چالیں چلتے ہیں' خفیہ تدابیر کرتے ہیں' اور فرماتا ہے **و اکید کیدا** " میں ان کے خلاف خفیہ تدبیر کرتا ہوں' پہلا کید برا ہے دوسرا اچھا' کبھی نزع اور جان کنی کو بھی کید کہہ دیتے ہیں' حدیث شریف میں ہے **دخل علی سعد و ھو یکید بنفسہ** یعنی سرکار حضرت سعد کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ حالت نزع میں تھے اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہے تھے' نیز کید بمعنی **سوق** یعنی چلانا اور بمعنی جنگ بھی آتا ہے' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں کید بمعنی عداوت ہے (از تفسیر کبیر) یعنی تمہیں ان کفار کی عداوت' ان کی چالیں ان کی خفیہ تدابیر کچھ نقصان نہ دیں گی **ان اللہ بما یعملون محیط** ہماری قرات میں **یعملون**' ی سے ہے' اس کا فاعل منافقین و کفار ہیں اور عمل سے ان کی بد عملیاں مراد ہیں' ایک قرات میں **تعملون** ت سے ہے اس کا فاعل مسلمان ہیں یا صحابہ کرام اور عمل سے ان کا تقویٰ اور نیک اعمال مراد ہیں' **محیط** **احاطہ** سے بنا بمعنی ہر طرف سے گھیرنا

کہ کوئی گوشہ خالی نہ رہ جائے چونکہ احاطہ اور گھیرنا جسم کی صفت ہے' رب تعالیٰ اس سے بری ہے اس لئے ان جیسی آیات میں احاطہ سے مراد رب تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت کا گھیرنا ہوتا ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ محیط بالکفرین** اور فرماتا ہے **و احاط بما لدیھم و احصی کل شیء عددا** " یعنی کفار و منافقین کی تمام بدعملیوں کو یا اے مسلمانو تمہارے تقویٰ' صبر و تمام نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت گھیرے ہوئے ہے لہ انھیں سزا پوری دے گا اور تمہیں جزاء مکمل۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! کفار و منافقین کا تم سے بغض و حسد اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اگر تمہیں معمولی سی بھلائی و راحت پہنچ جائے' تو ان کے دلوں پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں' ان کے دل رنج و صدمہ سے بھر جاتے ہیں' تمہارا اہل بیٹھنا جنگوں میں فتح پالینا' تمہارا مالدار ہو جانا' تمہارا تندرست و فربہ ہونا ان کے دل پر سانپ بن کر لوٹتا ہے' اور اگر تم پر کبھی بڑی سے بڑی آفت آ جائے' مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں' تو انھیں اس پر نہ کبھی غم ہوتا ہے' نہ رنج' نہ صدمہ بلکہ ان کے دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتے ہیں وہ اس پر خوشیاں مناتے ہیں' مگر خیال رکھو کہ اگر تم عبادات پر قائم رہے یا گناہوں سے بچے رہے یا مصیبتوں میں نہ گھبرا گئے یا کفار سے بدلہ لینے پر جوش میں نہ آ گئے اور پرہیزگاری و تقویٰ کا دامن نہ چھوڑا کہ تمہارے دلوں میں خوف خدا اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دریا موجزن رہا اور تمہارے اعضاء نیک اعمال میں مشغول رہے تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ کفار کی سازشیں' ان کی چالیں' ان کی تمہارے خلاف تدبیریں' کبھی تمہارا بال بیکا نہ کر سکیں گے' ان کی تدابیر خود ان پر پڑیں گی' اور وہ ہمیشہ تمہارے مقابلہ میں خائب و خاسر ہوں گے' تمہیں کس بات کی فکر ہے' رب تعالیٰ تمہارا والی و وارث ہے' اور ان کی تمام تدبیروں کو اپنی قدرت علم غضب کے احاطہ میں لئے ہوئے کہ وہ کسی طرح ان گھیروں سے نکل نہیں سکتے' انھیں دنیا میں بھی پکڑے گا اور آخرت میں بھی سزا دے گا' یا اے مسلمانو جو تم نیکیاں کر رہے ہو' وہ رب تعالیٰ کے علم' اس کی قدرت' اس کی رحمت کے احاطہ میں ہے' تمہیں دنیا و آخرت میں اس کی جزائیں دے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کی خوشی پر غم منانا طریقہ ء کفار ہے ان کی قومی دینی' دنیوی' جائز خوشیوں میں شرکت کرنی چاہئے' لہذا یادگاری خوشیوں میں شرکت کرنا شعار اسلامی ہے' جیسا کہ **ان تمسسکم** الخ سے معلوم ہوا' حصول پاکستان کے دن مسلمانوں کے ساتھ جائز خوشی مناؤ' اس دن شکریہ میں نوافل' صدقات' خیرات' چراغاں وغیرہ کرو' عید میلاد' عید معراج' عید الفطر' عید الاضحیٰ کی خوشیوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہو۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کی مصیبتوں پر خوشی منانا بھی طریقہ ء منافقین و کفار ہے' علماء فرماتے ہیں کہ عاشورہ کے دن خوشی منانا خارجیوں کا طریقہ ہے' اور اس دن کو نا پیٹنا روافض کا شعار' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں' جو حضرت فاروق کی شہادت کے دن عید مناتے ہیں۔

مسئلہ: خوشی کی یادگاریں قائم کرنا سنت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن موسیٰ علیہ السلام کی نجات کی خوشی منائی' اور روزہ رکھا مگر غم کی یادگاریں منانا منع ہے' اس میں صبر بہتر' دیکھو بارہ ربیع الاول کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک بھی ہے اور وفات بھی مگر مسلمان اس دن عید میلاد مناتے ہیں' وفات کا غم نہیں مناتے۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں

کو چاہئے کہ اپنے حالات درست رکھیں، محبت و اتفاق سے رہیں، تاکہ کفار کو ان پر ہنسنے کا موقع نہ ملے۔ **چوتھا فائدہ:** اگر مسلمان صبر و تقویٰ پر قائم رہیں تو کبھی بھی کفار ان پر غالب نہیں آسکتے اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں، تجربہ شاہد ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں نے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مار کھائی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** تقویٰ و پرہیزگاری مسلمان کے لئے مضبوط قلعہ ہے جس کی برکت سے مومن دنیاوی آفات سے بھی محفوظ رہتا ہے، جہاد میں تقویٰ وہ ہتھیار ہے جس سے کفار محروم ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا" و یرزقہ من حیث لا یحتسب**

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں بھلائی کے لئے **تمسسکم** اور برائی کے لئے **تصبکم** کیوں فرمایا گیا، دونوں کے لئے ایک ہی لفظ کیوں نہ آیا؟ **جواب:** اس کا جواب اشارۃ" تفسیر میں گزر گیا کہ اختلاف عبارت میں منافقین و کفار کی انتہائی عداوت بیان فرمائی گئی ہے کہ دوسرے دشمن معمولی خیر پہنچنے پر غم نہیں مناتے اور بڑی مصیبت و حادثہ پر ان کے بھی آنسو نکل پڑتے ہیں، مگر یہ یہود و منافقین تمہارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ اگر تمہیں معمولی بھلائی چھو بھی جائے تو یہ غمگین ہو جاتے ہیں اور تم پر مصائب کے پہاڑ بھی پڑ جائیں تو یہ بغلیں ہی بجاتے ہیں، ان کے دل انسانیت سے خالی ہیں، یہ انسان نما درندے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی مصیبتوں میں کفار حکومتیں بھاری بھاری امداد دیتی ہیں، مشرقی پاکستان میں سیلاب وغیرہ حادثات میں امریکہ وغیرہ عیسائی حکومتوں نے بڑی امداد کی، دوائیں، غذائیں، لباس و کپڑے مفت تقسیم کئے، تو یہ آیت کریمہ کیسے درست ہوئی کہ وہ تمہارے غم و مصیبت پر خوشی مناتے ہیں۔ **جواب:** اس آیت میں یہود مدینہ اور منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے، ان کی یہی کیفیت تھی، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہود و مشرکین مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں، عیسائیوں کا یہ حال نہیں، جس پر قرآن شریف گواہ ہے، امیر حمزہ کی بے کسی کی شہادت پر ہندہ نے جو اس وقت مشرکہ تھیں خوشی منائی، اس خوشی میں وحشی غلام آزاد کیا، اور ان کے اعضائے بدن کاٹ کر جائے اور گلے کا ہار بنائے، ہندوستان میں دیکھا گیا ہے کہ مقروض مسلمان کی قرقی، نیلامی اور خانماں بربادی پر ہندو مہاجن خوشیاں مناتے تھے، لہٰذا آیت بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** مسلمان بھی تو کفار کی ہلاکت پر خوشیاں مناتے ہیں، فرعون کی غرقابی پر اب تک خوشی منائی جاتی ہے کہ عاشورہ کا روزہ سنت ہے، ابوجہل کے قتل کی خبر پا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر ادا کیا، پھر قرآن کریم اس کی کیوں شکایت کر رہا ہے کہ کفار مسلمانوں کی مصیبتوں پر خوشی مناتے ہیں۔ **جواب:** یہ کفار کی ہلاکت پر خوشی نہ تھی بلکہ اسلام کے ان کی آفت سے بچ جانے پر خوشی تھی جیسے سانپ کے مر جانے یا چور کے پکڑے جانے پر خوشی منائی جاتی ہے ورنہ جب کفار مکہ قومی حیثیت سے مصیبت میں گرفتار ہوئے اور سخت قحط میں گھر گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک سے وہاں گندم اور جو بھیجے، خیال رہے کہ موذی شخص کے مارے جانے کی خوشی کچھ اور ہے اور قومی مصیبت پر خوشی منانا کچھ اور، پہلی خوشی اچھی ہے، دوسری بری، یہاں دوسری خوشی کا ذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ تم آفت زدہ کو دیکھ کر **الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا"** کسی کی بیماری دیکھ کر **الحمد للہ** پڑھنا خوشی ہی منانا ہے، یہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہاں اس کی بیماری پر خوشی نہیں بلکہ اپنی حفاظت کا شکریہ ہے، وہ خوشی بری ہے اور شکریہ اچھا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے فوائد میں کہا کہ غم کی یادگاریں قائم

کرنا منع ہے' حالانکہ مسلمان میت کا تیجہ' چالیسواں' برسی مناتے ہیں اور بزرگوں کی وفات کے دن عرس کرتے ہیں' یہ غم کی ہی یادگاریں ہیں۔ **جواب:** یہ مجلسیں غم منانے کی نیت سے نہیں کی جاتیں' بلکہ ایصال ثواب' بزرگوں کی یاد تازہ کرنے کو' فقہاء فرماتے ہیں کہ محرم شریف کی مجلس ذکر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایصال ثواب کے لئے منعقد کرنا بہتر ہے' اگر دوران ذکر آنسو نکل پڑیں تو حرج نہیں مگر رونے پیٹنے اور غم منانے کے لئے منعقد کرنا ممنوع ہے۔ (صواعق محرقہ وغیرہ)

تفسیر صوفیانہ: جیسے اعضاء ظاہری کے اعمال مختلف نسبتوں سے مختلف حکم رکھتے ہیں' کبھی حلال ہوتے ہیں' کبھی حرام' کبھی کفر و شرک' کبھی عبادت و فرض' کلمہ پڑھنا فرض و عبادت ہے' جھوٹ بولنا حرام ہے' کفری بات بکنا شرک و کفر ہے' رب تعالیٰ کے لئے سر جھکانا عبادت ہے' دوسرے کے سامنے تعظیماً پیشانی ٹیکنا حرام' بت کے سامنے سر جھکانا شرک' ایسے ہی دل کے اعمال خصوصاً خوشی و غم کبھی عبادت ہیں' کبھی حرام' کبھی کفر' جیسی نسبت ویسا حکم' عید کی خوشی منانا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر خوش ہونا' مسلمانوں کے ساتھ ان کی خوشی میں شریک ہونا عبادت ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا** اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ' دنیاوی ساز و سامان پر اترانا' خوشی منانا حرام ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** اتراؤ مت' ناجائز خوشیاں نہ مناؤ' اللہ تعالیٰ ایسی خوشی منانے والوں کو پسند نہیں فرماتا' مسلمانوں کی مصیبت خصوصاً صحابہ کرام یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف پر خوشی منانا کفر ہے کہ یہاں ارشاد ہوا **و ان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا** یہی غم کا حال ہے' اپنے گناہ و معصیت پر رنج و غم کرنا عبادت ہے' جس کا انجام مغفرت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست　　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

مسلمانوں کی قومی' ملکی' مذہبی خوشیوں پر غم کرنا حرام اور اسلام کی شوکت' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیوں پر غم کرنا کفر ہے کہ یہ ان محبوبوں سے عداوت کی نشانی ہے' یہاں اس آخری خوشی و غم کا ذکر ہے جو کفر اور طریقہ ء کفار ہے' صبر و تقویٰ وہ مضبوط قلعہ ہے' جس کی وجہ سے مسلمان ہر آفت سے محفوظ و مامون رہتا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تقویٰ دو قسم کا ہے' تقویٰ قلب' تقویٰ قالب۔ تقویٰ قالب تو ظاہری نیک اعمال سے میسر ہوتا ہے اور تقویٰ قلب اللہ والوں کی تعظیم و توقیر سے نصیب ہوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** محبوبوں کی محبت محبوب بناتی ہے اور جسے خدا تعالیٰ محبوب بنائے گا' اسے دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے' سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارو ترا　　　کہ در دست دشمن گذارو ترا

یہاں یہی فرمایا گیا کہ اگر تمہارے دل صبر اور تقویٰ سے لبریز رہے تو جہان بھر کے کافر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارے لئے یہ محفوظ قلعے ہیں محسن خلق اور برائی کا بدلہ بھلائی سے کرنا محبت خلق کا سبب ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا　　　اگر مردی احسن الی من اساء

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے ساتھ موافقت و اطاعت سے معاملہ کرو' خلق کے ساتھ خوش خلقی و خیر خواہی سے' نفس کے ساتھ مخالفت سے' شیطان کے ساتھ عداوت سے' متقین سے ہو جاؤ گے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ

اور جب روانہ ہوئے آپ اپنے گھر سے کہ قائم کرتے تھے آپ مسلمانوں کو جنگ کے لئے مورچوں پر اور اللہ

اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے برآمد ہوئے مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ

سننے والا جاننے والا ہے جب قصد کیا دو گروہوں نے تم میں سے یہ کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ والی ہے ان

کرتے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ جب تم میں سے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

دونوں کا اور او پر اللہ کے ہی توکل کریں توکل والے ۔

سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا کہ منافقین و کفار کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے' اب اس کے ثبوت کے لئے جنگ احد وغیرہ کے واقعات یاد دلائے جا رہے ہیں' جبکہ منافقین نے عین نازک موقعہ پر مسلمانوں سے بدعہدی کی' اور کفار کو قوت پہنچانے کی کوشش کی گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا' اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر صبرو تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں کفار نقصان نہ پہنچا سکیں گے' اب اس کے ثبوت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ مسلمان تھوڑی سی بے صبری کی وجہ سے فتح کے بعد ہزیمت اٹھا گئے' تاکہ اس واقعہ سے آئندہ کے لئے سبق لیں اور ایسے موقعوں پر صبرو تقویٰ کا دامن نہ چھوڑیں۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں اشارۃً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم اور مخالفت سے منع فرمایا گیا تھا' اب جنگ احد و بدر کے واقعات کا ذکر کر کے بتایا جا رہا ہے کہ غزوۂ احد میں تم ان کے فرمان عالی کی غلطی سے مخالفت کر بیٹھے' تو باوجود زیادہ ہونے کے مصیبت میں پڑ گئے اور جنگ بدر میں تم ان کی اطاعت پر قائم رہے تو باوجود تھوڑے اور بے سرو سامان ہونے کے بہت سے کفار پر جو سازو سامان سے لیس تھے غالب آگئے' یقین کر لو کہ تمہاری کامیابی کا دارومدار اللہ رسول کی اطاعت پر ہے محض سامان پر نہیں۔

تفسیر: **و اذ غدوت من اھلک** ' اذ ظرف ہے جس کا فعل اذ کریا ذکر پوشیدہ ہے' غدوت' غدو سے بنا بمعنی صبح کو جانا' سویرے روانہ ہونا' صبح صادق سے زوال تک کو غدا کہتے ہیں' اور بعد زوال سے رات تک کو عشاء کہا جاتا ہے' اسی لئے ناشتہ اور دوپہر کے کھانے کو غدا کہتے ہیں' اور بعد دوپہر کے کھانے کو عشاء' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتنا غداءنا** یعنی ناشتہ کرنا' عشی' بعد دوپہر کھانا کھانا' حق یہ ہے کہ واؤ ابتدائیہ ہے کسی جملہ پر یہ جملہ معطوف نہیں بلکہ مستقل نیا جملہ ہے' **من** ابتدائیہ ہے' **اھل** کے معنی ہیں گھر والے' یہاں حضرت عائشہ صدیقہ مراد ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

جنگ احد کے لئے ام المومنین عائشہ صدیقہ کے گھر سے ہی روانہ ہوئے تھے' قرآن شریف میں اھل یا اھل بیت صرف بیوی کو کہا جاتا ہے' جیسا کہ انشاء اللہ فوائد میں عرض کیا جائے گا' اور نبی کے اہل بیت صرف مومن بیویاں کہلاتی ہیں اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے' حضرت ابن عباس' سدی ابن اسحاق' ربیع عاصم' ابو مسلم وغیرھم فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کی طرف اشارہ ہے' خواجہ حسن بصری کا قول ہے کہ غزوۂ بدر مراد ہے' مجاہد فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کی طرف اشارہ ہے' مگر قول اول قوی ہے کیونکہ بعض لوگوں کا بزدلی کا ارادہ کرنا' پھر محفوظ رہنا اسی غزوۂ احد میں ہوا تھا' نیز احد ہی میں کفار کو ظاہری غلبہ ہو گیا تھا نہ کہ احزاب میں' نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی مخالفت اسی غزوہ میں ہو گئی تھی نہ کہ بدر و احزاب میں' بہرحال ظاہر یہی ہے کہ اس سے غزوۂ احد مراد ہے یعنی اے محبوب یاد کرو یا یاد رکھو مسلمانوں کو وہ واقعہ یاد دلاؤ جبکہ آپ حضرت عائشہ کے حجرہ سے اور عائشہ صدیقہ کے پاس سے بوقت صبح روانہ ہوئے تھے' مگر کس لئے' اس لئے کہ تبوىء المئومنين' تبوىء بوا ء سے بنا' بمعنی ہموار جگہ' کہا جاتا ہے بوات یعنی سویت میں نے ہموار کر دیا' یا میں نے اسے ہموار زمین میں بٹھا دیا' جما دیا جس سے اس کے پاؤں نہ اکھڑیں' پھر مطلقاً جگہ دینے' مکان دینے کو کہنے لگے' رب تعالیٰ فرماتا ہے و لقد بوانا بنی اسرائیل' اور فرماتا ہے یتبوا منها حيث يشاء (یوسف) اور فرماتا ہے ان تبوا لقومكما بمصر بيوتا" (یونس) یعنی آپ مسلمانوں کو مناسب جگہوں میں بٹھاتے تھے' مومنین سے مراد غازیان احد ہے' منافقین تو پہلے ہی دھوکا دے کر بھاگ گئے تھے' صرف مخلص مومن رہ گئے تھے' مقاعد للقتال' مقاعد' مقعد کی جمع ہے' بمعنی بیٹھنے کی جگہ چونکہ آگے ہے للقتال لہٰذا اس سے جنگی مورچے مراد ہیں یعنی آپ غازیان احد کو جنگ کے لئے مورچوں میں قاعدے قرینے سے بٹھال رہے تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے فی مقعد صدق خیال رہے کہ تبوىء غدوت کی ضمیر ت کی سے حال مقدم ہے (روح المعانی) یعنی آپ اس مقصد و ارادے سے گھر سے روانہ ہوئے تھے کہ غازیوں کو مورچوں میں بٹھا دیں تاکہ وہ مورچے سنبھال لیں واللہ سميع عليم یہ جملہ اسی عمل مبارک کی قبولیت کے اظہار کے لئے ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے جانثار صحابہ کے اقوال' اعمال' احوال' نیات' ارادوں کو سنتا اور جانتا ہے' وہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اور آپ کے یہ ساتھی قول' عمل اور ارادوں کے سچے تھے یا در احد پر بیٹھنے والے صحابہ کے قول کو سنتا تھا' جب وہ وہاں سے غلطی سے ہٹ گئے' اور ان کی نیت کو جانتا تھا کہ بدنیت نہ تھے غلطی کر گئے' غرض یہ کلمہ یا اظہار کرم کے لئے ہے' یا اظہار عفو کے لئے (از روح البیان) اذ همت طائفتن منكم' همت' هم سے بنا بمعنی غم' صدمہ' رنج' قلق' ارادۂ قلبی' خیال' اسی لئے مشکل کام کو مہم یا اہم کہتے ہیں کہ وہ انسان کو فکر و غم میں ڈال دیتا ہے' مضبوط ارادے کو ہمت کہا جاتا ہے' یہ اذ یا تبوىء کا ظرف ہے یا غدوت کا یا سميع عليم کا یا اذکر فعل پوشیدہ کا (کبیر و معانی) طائفتان' طائفة کا تثنیہ ہے جس کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے کہ یہ طوف بمعنی گھومنے سے بنا' اب قبیلہ و جماعت کو طائفہ کہا جاتا ہے' یہاں دو قبیلوں سے مراد خزرج کی جماعت بنو سلمہ ہے اور اوس کی جماعت بنو حارثہ' خیال رہے کہ یہاں هم سے مطلقاً خیال مراد ہے نہ کہ ارادہ' نہ غم' نہ صدمہ' رب تعالیٰ فرماتا ہے و لقد همت به و هم بها۔ همت بمعنی ارادہ ہے اور هم بمعنی خیال یعنی تم مسلمانوں میں سے دو جماعتوں نے یونہی معمولی سا خیال کر لیا ان تفشلا یہ جملہ همت کا مفعول ہے' تفشلا فشل سے بنا بمعنی بزدلی والی کمزوری' ان مذکورہ دو جماعتوں میں منافقین کے لوٹ جانے

پر کچھ کم ہمتی پیدا ہوئی 'جس کا ذکر انشاء اللہ آگے آرہا ہے **واللہ ولیھما** ولی کے بہت معانی ہیں 'یہاں بمعنی مددگار و دوست ہے یعنی یہ جماعتیں اس ارادے یا خیال کی وجہ سے ہماری دوستی و حمایت سے نکل نہ گئیں ہم ان کے ولی 'وارث 'حامی 'مددگار ' دوست ہیں 'ان سے غلطی ہو گئی جو معاف کر دی گئی (ان غلطی والوں پر قربان) **و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون** یہ جملہ مستقل اور پہلے جملے سے علیحدہ ہے **علی اللہ** کو فعل پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ **توکل' و کل** سے بنا بمعنی سونپنا 'سپرد کرنا یا بھروسہ کرنا 'اسی سے ہے وکیل 'جسے اپنا مقدمہ سپرد کر دیا جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے 'اللہ تعالیٰ کو وکیل اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سب کا متولی 'ولی 'وارث ہے 'اسی پر سب بندے بھروسہ کرتے ہیں **مؤمنون** سے مراد یا تو سارے مسلمان ہیں یا تمام صحابہ کرام یا تمام غازیان احد 'یا وہ دو جماعتیں جنہوں نے کم ہمتی کا ارادہ کر لیا تھا یعنی مسلمانوں کو خصوصاً غازیوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے وہ کافی و وافی ہے۔

جنگ احد کا واقعہ

آپ حضرات تفسیر نعیمی جلد سوم میں **قد کان لکم اٰیۃ** کے ماتحت جنگ بدر کا تفصیلی ذکر یہ تو پڑھ ہی چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 19 غزووں میں بنفس نفیس شرکت فرمائی 'جن میں سے نو میں باقاعدہ معرکہ کار زار و جنگیں ہوئیں۔ بدر 'احد 'احزاب 'بنی قریظہ 'بنی مصطلق 'خیبر 'فتح مکہ 'غزوہ حنین 'غزوہ طائف ان باقاعدہ غزووں میں پہلا غزوہ بدر ہے جو 17 رمضان جمعہ کے دن 2ھ میں واقع ہوا۔ دوسرا غزوہ احد ہے جو شوال 3ھ میں ہوا 'اس کا واقعہ بہت تفصیل چاہتا ہے 'ہم بقدر ضرورت یہاں عرض کرتے ہیں 'وہ یہ ہے کہ کفار قریش جب جنگ بدر میں شکست فاش کھا کر اور ستر (70) کافر جن میں ابو جہل ' امیہ ابن خلف عتبہ جیسے 24 سرداران قریش مروا کر جب مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں چین سے نہ بیٹھے 'غزوہ بدر سے پہلے ابو سفیان جو تجارتی مال مع منافع لائے تھے جس کی مقدار ایک ہزار اونٹ 'ستر ہزار مثقال چاندی سونا تھی دار الندوہ میں رکھ کر میدان بدر میں پہنچ گئے تھے 'وہاں سے واپسی پر کفار مکہ نے ابو سفیان سے مطالبہ کیا کہ اس سارے مال کو یا اس کے نفع کو لشکر پر خرچ کر کے ابھی سے دوسری جنگ کا انتظام کیا جائے اور مدینہ کے مسلمانوں سے بدر کا بدلہ لیا جائے چنانچہ عرب کے تیز زبان خطیب جن میں عمرو ابن عاص بھی شامل تھے سارے علاقہ میں گشت کر کے کفار عرب کو مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آراء کرنے میں مشغول ہو گئے 'مقتولین بدر کے نوحہ کے قصیدے لکھے گئے اور گانے والی عورتوں کو حفظ کرائے گئے 'یہ عورتیں ان خطیبوں کے ساتھ گشت میں مشغول ہوئیں 'جو عربی قبائل میں اس دردناک لہجہ سے گاتی تھیں کہ ان قبیلوں میں آگ لگا دیتی تھی 'ان گانے والیوں کا انتظام ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ ابن ربیعہ نے کیا 'ہندہ کا باپ عتبہ بدر میں حضرت امیر حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا ' غرض تھوڑے عرصہ میں تین ہزار جنگجو مردوں کا لشکر جن میں سات سو زرہ پوش تھے اور تین ہزار اونٹ 'دو سو گھوڑے تھے تیار ہو گیا اس لشکر کے ساتھ پانچ سو عورتیں بھی تھیں تاکہ جوانوں کو لڑنے پر اکسائیں اور دوران جنگ سپاہیوں کی خوراک و مرہم پٹی کا انتظام کریں 'حضرت عباس ابن عبد المطلب نے جو اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے خفیہ طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی تیاریوں اور ان کے لشکر کی تعداد کی خبر دے دی 'حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پا کر حضرت خباب ابن منذر کو جو

عزم و رزم و بزم کے بڑھے دھنی تھے حکم دیا کہ وہ اس خبر کی تحقیقات کریں کچھ روز کے بعد حضرت خباب نے خبر دی کہ لشکر کفار جن کے سردار ابو سفیان ہیں اتنے سپاہیوں اور اتنے ساز و سامان کے ساتھ ذوالحلیفہ پہنچ چکا ہے، جو مدینہ منورہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے' یہاں پر شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ شریف میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ یہ لشکر کفار جب مقام ابواء سے گزرا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی والدہ مطہرہ آمنہ خاتون کی قبر انور ہے تو انہوں نے چاہا کہ اس قبر اطہر کو اکھیڑ کر حضرت آمنہ کی لاش یا ہڈیاں اپنے ساتھ لے لیں تاکہ اگر اس جنگ میں ہمارے کچھ لوگ مسلمانوں کے قیدی ہو جائیں تو ہم ان سے کہہ سکیں کہ ہمارے قیدی ان ہڈیوں کے عوض چھوڑ دو اور ہم سے ان کی ہڈیاں یا لاش وصول کر لو ابو سفیان نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا' اور کہا کہ اگر تم نے یہ حرکت کی' تو بنو بکر اور بنو خزاعہ جو محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم) کے حلیف ہیں' تمہارے مردوں کی ساری قبریں اکھیڑ کر ہڈیاں باہر پھینک دیں گے' غرضیکہ جب حضرت خباب نے یہ خبر سنائی تو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے مہاجرین اور انصار کو جمع فرمایا' اور آج اس مجلس میں عبداللہ ابن ابی منافق کو بھی بلایا اور ان سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے' عبداللہ ابن ابی اور کچھ صحابہ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ ہم اس جنگ میں باہر نہ جائیں بلکہ مدینہ منورہ میں رہ کر دشمن کا مدافعانہ جواب دیں گے کہ اگر وہ یہاں آکر جنگ کرے گا تو ہم محفوظ جگہ میں ہوں گے' اور اگر مدینہ کا وہ محاصرہ کرے تو کچھ روز بعد پریشان ہو کر خود لوٹ جائے گا' خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی رائے مبارک بھی یہی تھی' مگر حضرت حمزہ سعد ابن عبادہ' مالک ابن سنان (ابو سعید خدری کے والد) اور بہت سے جوشیلے نوجوانوں کی رائے باہر نکل کر جنگ کرنے کی ہوئی' چونکہ کثرت رائے اس جانب تھی' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے بھی اسی کو قبول فرمالیا' اور فرمایا ہم نے خواب دیکھی ہے کہ ہمارے سامنے کچھ گائیں ذبح کی جارہی ہیں' اور دیکھا کہ ہماری تلوار ٹوٹ گئی ہے مگر بعد میں پہلے سے بھی بہتر ہو گئی ہے نیز دیکھا کہ ہمارے ہاتھ میں ایک مضبوط زرہ ہے اور فرمایا **حسبنا اللہ و نعم الوکیل اللھم بک احول و بک اصول**۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا جو پہلے منبہ ابن حجاج سہمی کی تھی بدر کی غنیمت میں آئی تھی' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس رہتی تھی اور سرکار نے غزوۂ خندق میں امیر المومنین علی المرتضیٰ کو بخش دی تھی' چونکہ اس کے مختلف پرت تھے' اس لئے اسے ذوالفقار کہتے ہیں یعنی جوڑ و پرت والی تلوار فقرہ معنی جوڑ اسی تلوار کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ خواب دیکھا تھا (مدارج) الغرض بدھ کے دن چار شوال 3ھ کو یا بقول مدارج جمعہ کے دن لشکر کفار احد شریف کے اس جانب بطن وادی کے میدان ممینین میں نازل ہوا' احد مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جانب شمال ایک پہاڑ ہے' چونکہ یہ تمام پہاڑوں سے علیحدہ ہے' اس لئے اسے احد کہتے ہیں یعنی اکیلا' نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو خبر دی اگر تم ثابت قدم رہے تو فتح انشاء اللہ تمہاری ہو گی' اور بعد نماز عصر حجرہ شریف میں تشریف لے گئے' حضرت صدیق و فاروق ساتھ تھے' ان دو بزرگوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے سر مبارک پر عمامہ باندھا' زرہ پہنائی اور حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم تلوار حمائل کئے' ہاتھ میں برچھا لئے دو زرہیں زیب تن کئے' چمڑے کی پیٹی کمر پر کسے ہوئے مجاہدانہ شان سے باہر تشریف لائے' یہاں صحابہ کی بڑی جماعت حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی منتظر تھی' جب صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو اس لباس میں دیکھا تو حیران رہ گئے' اور حضرت سعد ابن معاذ و اسید ابن حضیر نے تمام صحابہ کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہم سے بڑی گستاخی ہو گئی جو ہم نے آپ

کی رائے کے خلاف رائے قائم کی' اب ہماری رائے بھی یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کی جائے (مدارج) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نبی کی یہ شان نہیں کہ ہتھیار جنگ پہننے کے بعد بغیر جنگ کئے کھول دے' چلو اللہ پر توکل ہے (تفسیر کبیر) یہ تمام کلام جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ہوئے۔

لشکر کی بھرتی: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار جانباز صحابہ کرام کا لشکر جمع فرمایا' عبداللہ ابن عمر' زید ابن ثابت' اسامہ ابن زید' زید ابن ارقم' براء ابن عازب' ابو سعید خدری' سمرہ ابن جندب' رافع ابن خدیج وغیرہم چونکہ یہ بہت چھوٹے تھے انہیں واپس جانے کا حکم دیا' لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رافع ابن خدیج اگرچہ کمسن ہیں مگر غضب کے تیر انداز ہیں انہیں لشکر میں شامل کر لیا جائے' فرمایا منظور ہے' سمرہ ابن جندب نے عرض کیا' جب رافع کو بھرتی کر لیا گیا تو مجھے بھی کر لیا جائے' کیونکہ میں طاقت میں ان سے زیادہ ہوں' کشتی میں انہیں گرا سکتا ہوں' چنانچہ ان دونوں کمسنوں کی کشتی کرائی گئی' اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ لیا' یا رافع سوچی ہوئی تدبیر کے مطابق خود ہی پچھڑ گئے' تو انہیں بھی بھرتی کر لیا گیا' یہ واقعہ ہفتہ کی رات منزل شیخین میں پیش آیا' سرکار نے تین جھنڈے بنائے' مہاجرین کا جھنڈا بروایت مدارج النبوۃ علی المرتضیٰ کو دیا اور بروایت تفسیر روح المعانی مصعب ابن عمیر کو عطا فرمایا' اور انصار میں سے اوس کا جھنڈا اسید ابن حضیر کو اور خزرج کا حباب ابن منذر کو مرحمت فرمایا' عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ منورہ کا خلیفہ بنایا اور جانب احد روانہ ہو گئے' میدان احد میں پہنچ کر لشکر کی ترتیب یوں کی کہ عبداللہ ابن جبیر کو مع پچاس سپاہیوں کے کوہ عینین (احد کا ایک حصہ) کے شگاف پر مقرر کیا جدھر سے خطرہ تھا کہ دشمن یہ شگاف عبور کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دے' اور انہیں تاکید فرمائی کہ ہم فتح پائیں یا شکست تم یہاں سے نہ ہٹنا جب تک کہ ہم تمہیں نہ بلائیں' عکاشہ ابن حصن اسدی کو میمنہ پر (صف کا داہنا حصہ) اور ابو سلمہ ابن عبدالاسد مخزومی کو میسرہ پر (بائیں جانب) ابو عبیدہ ابن جراح' سعد ابن ابی وقاص' مقدمہ پر' اور مقداد ابن عمر کو ساقہ پر مقرر کیا۔ مشرکین نے اپنی صفیں یوں مرتب کیں کہ خالد ابن ولید کو میمنہ میں' عکرمہ ابن ابو جہل کو میسرہ میں' صفوان ابن امیہ اور عمرو ابن عاص کو پہاڑ کے شگاف کی جانب' ابو سفیان کو قلب میں' اور عبداللہ ابن ربیعہ کو تیر اندازوں میں مقرر کیا' طلحہ ابن طلحہ کو پرچم عطا فرمایا' اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو تلوار تھی اس پر یہ شعر کندہ تھا۔

فی الجبن عار و فی الاقبال مکرمۃ　　والمرء بالجبن لا ینجوا من القدر

یعنی بزدلی میں شرم ہے' بہادری میں عزت ہے' انسان بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا' سرکار نے فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو تھامے اور اس کا حق ادا کرے' ابو دجانہ اٹھے' عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا لڑتے لڑتے ٹیڑھا کر دینا' آپ نے تلوار لے لی' اور اس کا حق ادا کر کے دکھلایا' کہ کفار کو مارتے ہوئے ابو سفیان کی زوجہ ہندہ تک پہنچ گئے' جو عورتوں کے ساتھ دف بجا کر مقتولین بدر کے مرثیے گا رہی تھیں اور سپاہیوں کو لڑنے مرنے پر ابھار رہی تھیں' ان پر تلوار اٹھائی' مگر ہندہ پکار اٹھی میں عورت ہوں' اسلام میں عورتوں کو قتل نہیں کرتے' آپ نے چھوڑ دیا۔

منافقین کی غداری اور بعض مسلمانوں کی گھبراہٹ: یہ تو عرض کیا جا چکا ہے کہ عبداللہ ابن ابی کی رائے مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے کی تھی جو کثرت رائے کی مقابل فیل ہو گئی اسے اس کا غصہ تھا' دوسرا واقعہ یہ ہو گیا کہ ابن ابی کے حلیف یہودی احد

میں مسلمانوں کی امداد کو حاضر ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ہم کو کفار کے مقابل کفار کی مدد نہیں چاہئے' تم واپس جاؤ' یہ لوگ چلے گئے' اس پر یہ منافق اور بھی بھن گیا' احد کے ایک ہزار سپاہیوں میں تین سو اس کے ساتھی یعنی منافقین تھے۔ اس نے اپنی جماعت سے کہا کہ قریش بہت زیادہ ہیں ان سے لڑنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے' میں نے پہلے ہی اچھی رائے دی تھی جو جوشیلے لڑکوں نے نہ مانی ہم کو یہ جنگ پسند نہیں' ہم اپنی موت خود نہیں چاہتے' یہ کہہ کر اپنی جماعت کے تین سو افراد کے ساتھ عین موقعہ پر مدینہ منورہ واپس ہو گیا' اب اسلامی لشکر بجائے ایک ہزار کے صرف سات سو رہ گیا' انہیں تو مرتب کیا گیا' اس بھاری جماعت کے غداری سے منہ موڑنے پر حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن حزام سلمی نے کہا اے قوم خدا سے ڈر' اس وقت دھوکا نہ دے' مگر انہوں نے ایک نہ سنی' اس واقعہ پر انصار کی دو جماعتیں کچھ گھبرائیں' انہوں نے بھی واپس جانے کا ارادہ کیا' مگر رب تعالیٰ نے انہیں ثابت قدم رکھا' یہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے' اس آیت میں انہی کا ذکر فرمایا گیا' بہرحال اب مسلمانوں کا لشکر سات سو رہ گیا' اسی نے غزوہ کیا۔

بزم کے بعد رزم: سب سے پہلے ابو عامر راہب جسے ابو عامر فاسق کہتے تھے پچاس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ آگے بڑھا' اور بہت کچھ بکواس کر کے مسلمانوں پر پتھر برسائے' ادھر سے بھی پتھروں کا جواب پتھروں سے دیا گیا' تھوڑی ہی دیر میں یہ مردود مسلمانوں کے جواب کی تاب نہ لا کر مع اپنی جماعت کے پیچھے ہٹ گیا' ابو عامر کا بیٹا حضرت حنظلہ مسلمان صحابی تھے انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ ابو عامر کے مقابل جا کر اس سے جنگ کرنے کی اجازت مانگی' مگر اجازت نہ ملی' پھر مبارزت کی جنگ شروع ہوئی' پہلے طلحہ ابن طلحہ جو قریش کا علمبردار تھا میدان میں آیا' اپنا مقابل مانگا' ادھر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر ببر کی طرح گئے' ایک ہی وار میں اس کا سر چیر کر صفوف اسلام میں واپس آئے' لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے طلحہ کو قتل کیوں نہ کر دیا صرف زخمی کرنے پر ہی کفایت کی؟ فرمایا ضرب حیدری کا مارا ہوا جیا نہیں کرتا' اب وہ عنقریب مر جائے گا' مگر ہوا یہ کہ جب وہ زخم کھا کر گرا تو ننگا ہو گیا' مجھے اس کا ستر دیکھ کر شرم آئی اور چھوڑ دیا' کچھ دیر کے بعد طلحہ مر گیا۔ پھر حضرت حمزہ نے عثمان ابن طلحہ کو' اور سعد ابن ابی وقاص نے ابو سعید ابن طلحہ کو یکے بعد دیگرے قتل کیا' یہ کفار آگے پیچھے قریش کی علمبرداری کرتے' علم لے کر آتے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے آخر میں کفار کا علم ایک عورت عمرہ نے لیا جو علقمہ حارثی کی بیٹی تھی' آخر کار دونوں طرف سے گھمسان کا رن پڑا اور نقشہ یہ ہوا

مسلمانوں کا کوئی تیر بھی خالی نہ جاتا تھا دلوں میں بیٹھتا تھا یا کلیجوں میں سماتا تھا!
قریشی حملہ آور زخم کاری کھا کے گرتے تھے پیادے چیخ کر اور گھوڑچڑھے لہرا کے گرتے تھے

حضرت حمزہ نے بڑی بہادری سے کفار کے چوٹی کے بہادر ابو شیبہ کو اس طرح قتل کیا کہ آپ کی تلوار نے اس کا خود کاٹا' سر چیرا' حلق پھاڑا' سینہ چاک کیا اور کھیرے کی طرح اس کے جسم کے برابر دو ٹکڑے کر دیئے' کفار کی طرف سے دس سپاہیوں نے اکیلے حمزہ پر حملہ کیا جن میں سے آپ نے سات کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور تین بھاگ گئے' پھر اسلام و کفر گتھم گتھا ہو گئے' مغضب کا رن پڑا' بہت سے کفار مارے گئے اور ان کے قدم اکھڑ گئے' سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے' قریشی عورتیں بجائے دف بجانے اور گانے کے سر پیٹتی روتی چیختی بھاگیں' مسلمان ان کا پیچھا کرتے بہت دور تک انہیں لے گئے' صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ گویا میدان احد

سے ہم اب کفار کو بدحواسی میں بھاگتے دیکھ رہے ہیں' غرضکہ اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو شاندار غلبہ عطا فرمایا اور کفار میدان سے بھاگ نکلے۔

اچانک نقشہ جنگ کا رخ بدل گیا: عبداللہ ابن جبیر کے پچاس ساتھیوں نے جو درہ پہاڑ پر متعین تھے جن سے فرمایا گیا تھا کہ درہ نہ چھوڑنا' جب کفار کو بھاگتے اور مسلمانوں کو بھگاتے' مال غنیمت حاصل کرتے دیکھا تو یہ بھی درہ سے نکل کھڑے ہوئے تا کہ مال غنیمت حاصل کرنے میں فاتح مسلمانوں کا ہاتھ بٹائیں' حضرت عبداللہ ابن جبیر نے بہت کچھ سمجھایا کہ درہ نہ چھوڑو' سرکار نے منع فرمایا ہے' مگر وہ کہنے لگے کہ فتح تو ہو چکی' مقصد حاصل ہو گیا۔

ہوئی فضل خدا سے ہم کو حاصل آج فیروزی کریں مال غنیمت سے نہ کیوں اب بہرہ اندوزی

غرضکہ حضرت ابن جبیر اور ان کے ساتھ سات صحابہ رہ گئے باقی تمام نے یہ درہ چھوڑ دیا' ادھر خالد ابن ولید نے درہ خالی دیکھا' عکرمہ ابن ابوجہل اور دوسرے کفار کے ساتھ اسی درہ پر دھاوا بول دیا' یہ آٹھ حضرات جو درہ پر رہ گئے تھے شہید ہو گئے اور مسلمانوں کی پشت سے خالد ابن ولید کا حملہ ہو گیا اس اچانک حملہ سے جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ بدل گیا اس سراسیمگی کی حالت میں کچھ مسلمان تو بھاگ اٹھے کچھ آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے' حتی کہ حضرت حذیفہ کے والد یمان کو مسلمانوں نے ہی مار دیا' حضرت حذیفہ چیختے ہی رہے کہ یہ میرے والد ہیں' یہ تو مسلمان ہیں مگر اس شور میں کون سنتا تمام کے قدم اکھڑ گئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آٹھ مہاجر سات انصار جو آپ کے ساتھ تھے اپنے مقام پر جمے رہے مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر' علی مرتضی اور عبدالرحمن بن عوف' سعد ابن ابی وقاص' زبیر ابن عوام' طلحہ ابن عبداللہ' ابوعبیدہ ابن جراح تھے' اور انصار میں سے خباب ابن منذر' ابودجانہ' عاصم ابن ثابت' سہل ابن حنیف' اسید ابن حضیر' سعد ابن معاذ' حارث ابن صمہ تھے' غرضکہ مسلمان چار گروہ میں بٹ گئے' کچھ تو جمے رہے اور شہید ہو گئے' کچھ پہاڑوں' غاروں میں چھپ گئے' کچھ کے قدم اکھڑ گئے اور وہ مدینہ منورہ چلے گئے' حضرت عثمان اس تیسرے گروہ میں تھے اور کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے' حضرت ابوبکر و عمر اور علی اس چوتھے گروہ میں تھے (مدارج) اس جماعت پر کفار نے سخت یلغار کی حتی کہ ایک بدبخت کا پتھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پڑا' دوسرے کا پتھر دندان مبارک پر لگا جن سے خود ٹوٹ کر اس کی کچھ کڑیاں سر شریف میں گڑھ گئیں' اور ایک دانت مبارک کا کنگرہ شہید ہو گیا' سر اور منہ سے خون جاری ہو گیا اور آپ ایک غار میں آ گئے' کفار نے شور مچا دیا **الا ان قتل محمد** یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید کر دیئے گئے' جس سے مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا' وہاں کے مرد و زن جن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بھی تھیں احد شریف پہنچے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ پا کر خدا کا شکر بجا لائے۔

حضرت حمزہ کی شہادت: جناب حمزہ نے جنگ بدر میں طعیمہ ابن عدی ابن خیلد اور عتبہ کو جو ہندہ کا باپ تھا قتل کیا تھا جبیر ابن مطعم جو طعیمہ کا بھتیجا تھا اس نے اپنے غلام وحشی سے کہا کہ اگر تو حضرت حمزہ سے میرے چچا طعیمہ کا بدلہ لے لے اور انہیں شہید کر دے تو تو آزاد ہے' ادھر ہندہ زوجہ ابوسفیان نے وحشی سے کہا کہ اگر تو میرے باپ عتبہ کا بدلہ جناب حمزہ سے لے لے تو میں تجھے بہت سا سونا اور موتی دوں' حضرت حمزہ نے اپنے ایک مقابل سباع نامی کافر کو دامن احد میں قتل کیا' جب آپ اس قتل

سے لوٹے تو وحشی دامن کوہ میں ایک بڑے پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا' جب حضرت حمزہ ادھر سے گزرے تو وحشی نے پتھر کی آڑ سے آپ پر نیزہ کا وار کیا جو زیر ناف لگا اور آرپار ہو گیا' آپ وحشی کے پیچھے بھاگے' وحشی آگے آگے تھا آپ پیچھے ایک جگہ وحشی مڑا' آپ بھی مڑے وہاں ایک خندق تھی جس میں آپ پھسل کر گرے اور اللہ کو پیارے ہو گئے **انا للہ و انا الیہ رجعون** وحشی لوٹ کر اس غار کے منہ پر پہنچا' جہاں مرد مجاہد ہمیشہ کی میٹھی نیند سو رہا تھا' موت پر یقین نہ آیا' تو کنکری ماری مگر جب جسم شریف میں حرکت ہوتی نہ پائی تو تب اسے شہادت کا یقین ہوا تو غار میں اتر کر نہایت بے دردی سے آپ کا سینہ چاک کیا' کلیجہ نکال کر ہندہ زوجہ ابو سفیان کے پیش کیا' ہندہ نے کچا کلیجہ دانتوں سے چبایا' پھر حضرت حمزہ کی نعش شریف پر آئی' چھری سے آپ کے کر دیے' کان' ناک' اعضائے نہانی کاٹے' ان سب کو ایک دھاگے میں پرو کر اپنے گلے میں ہار بنا کر پہنا اور اپنے گلے کا طلائی ہار وحشی کو انعام میں دیا اور مکہ پہنچ کر دس اشرفیاں اور دینے کا وعدہ کیا' اللہ تیری شان' یہ ہندہ ابو سفیان کی بیوی اور امیر معاویہ کی ماں ہے جس نے آج یہ حرکت کی۔ اور پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئی' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے اسے معافی دیدی۔ پھر عہد فاروقی میں اسی ہندہ نے اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہو کر بڑی اسلامی خدمات سرانجام دیں اور بار بار کہتی تھی کہ میں اپنے پرانے گناہوں کا کفارہ کر رہی ہوں۔ جنگ قادسیہ اور جنگ یرموک میں ہندہ کے کارنامے قیامت تک یاد رہیں گے' اب ہم اس کے لئے کہتے ہیں کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' وحشی بھی مسلمان ہو گئے اور عہد صدیقی میں مسلیمہ کذاب کو اسی نیزہ سے قتل کر کے بولے کہ یہ قتل حضرت حمزہ کے قتل کا بدلہ ہے' غرضکہ ان لوگوں نے اپنے گناہوں کے کفارے خوب ادا کئے۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید کہ مسلماں بودنش باشد امید!

حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو حضرت حمزہ کی شہادت اور آپ کے مثلہ یعنی اعضاء کٹ جانے کا بہت صدمہ ہوا' جب حضرت صفیہ یعنی جناب حمزہ کی بہن ادھر آنے لگیں' جہاں حضرت حمزہ کی نعش اسی حالت میں پڑی تھی تو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے زبیر ابن عوام سے فرمایا کہ اپنی والدہ صفیہ کو یہاں نہ آنے دو' وہ اپنے بھائی کا یہ حال دیکھ کر صبر نہ کر سکیں گی' آپ پر حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے ستر بار نماز جنازہ پڑھی کہ ہر شہید کے جنازہ کے ساتھ ان پر نماز پڑھی' اور احد کے میدان میں ہی دامن کوہ میں دفن فرمایا' فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے' جب سرکار مدینہ واپس ہوئے تو وہاں کی عورتوں کو اپنے عزیز شہداء پر روتا پایا' غمگین ہو کر فرمایا **اما حمزۃ فلا بوا کی لہ** کیا آج بیکس حمزہ پر رونے والی کوئی آنکھ نہیں۔

احد میں صحابہ کرام کی جانثاریاں: غازیان احد میں سے جن خوش نصیب صحابہ کرام نے مجاہدانہ سرفروشی کا ثبوت دیا ان کے نام قیامت تک چمکتے رہیں گے۔

حضرت علی حیدر کرار: جب حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم پر کفار کے پے در پے حملے ہو رہے تھے' حضرت علی آپ کے پہلو بہ پہلو تھے' فرمایا علی کفار کو مجھ سے دور رکھو' اور یہی وقت مدد کا ہے' کمر ہمت باندھو' اکیلے حضرت علی نے بہت کفار کو جہنم رسید کر کے ان کی جماعت کو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے دور کیا' بعض روایات میں ہے کہ اس حملہ حیدری کے وقت حضرت جبریل و میکائیل بھی جناب علی کے ساتھ تھے (مدارج)۔

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار (مدارج)

اس مقابلہ میں اس شیر خدا نے سولہ زخم کھائے' چار زخموں میں تو آپ زمین پر آرہے' پڑھتے اور کفار کو روکا۔

حضرت طلحہ: آپ نے اس وقت جب کفار ہر طرف سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنادیا' کفار کے سارے وار اپنے جسم پر لئے' آپ نے سی زخم کھائے' مگر اس کے باوجود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد ایسے گھومتے تھے جیسے حاجی طواف میں کعبہ کے گرد گھومتا ہے' اور ہر طرف سے حملے اپنے پر لیتے ہر وار خود سہتے تھے اچانک دو تلواریں آپ کے سر پر پڑیں' بیہوش ہو کر گرے' حضرت صدیق اکبر نے آپ پر پانی چھڑکا' ہوش آنے پر پوچھا' ابو بکر! بتاؤ رسول اللہ تو خیریت سے ہیں' صدیق نے جواب دیا' بخیریت ہیں اور تمہارے لئے دعائیں فرماتے ہیں' طلحہ نے کہا' جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں تو ہر مشکل آسان ہے۔

حضرت انس ابن نضر: آپ کو خبر پہنچی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو بے تاب ہو گئے حضور کے بعد زندگی بیکار ہے' جس راستہ پر حضور گئے ہیں میں بھی جاتا ہوں' تلوار اٹھائی' حضرت سعد بن ابی وقاص سے ملاقات ہوئی' فرمایا اے سعد مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ صف کفار میں گھس گئے' اسی زخم کھائے اور شہید ہو گئے' بعد شہادت آپ کی نعش پہچانی نہ جاتی تھی' زخموں سے کوئی جگہ خالی نہ تھی' آپ کی بہن نے آپ کی انگلی کے تل سے آپ کو پہچانا۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص: آپ تیر اندازی میں مشہور تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے فرماتے تھے **ارم فداک ابی و امی** اے سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان خوب تیر چلا' مالک ابن زہیر کافر کے ہاتھوں بہت مسلمان شہید و زخمی ہوئے تھے' آپ نے تاک کر اس کی آنکھ پر تیر مارا جو سر سے پار ہو گیا اور جہنم رسید ہو گیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی کہ اے سعد اللہ تمہیں مقبول الدعاء بنائے چنانچہ آپ ایسے مقبول الدعاء تھے کہ صحابہ آپ سے دعا کرانے آتے تھے' آخر میں نابینا ہو گئے تھے' کبھی اپنے لئے دعا نہ فرمائی' کہتے تھے یار کا بدیہ مجھے قبول ہے۔

حضرت ابو طلحہ انصاری: آپ احد کے دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور عرض کرتے تھے کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رب تعالیٰ میرے جسم و جان کو آپ کے لئے ڈھال بنادے' آپ کمال کے تیر انداز تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو لکڑیاں اٹھا کر دیتے تھے' جب آپ کمان میں لگاتے تو وہ لکڑی تیر بن جاتی تھی وہ آپ دشمن پر چلاتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کھجور کی شاخ دی جو آپ کے ہاتھ میں پہنچتے ہی تلوار بن گئی' جیسے کہ بدر کے دن حضرت عکاشہ کے ہاتھ میں لکڑی تلوار ہو گئی تھی' چنانچہ اس تلوار کا نام عرجون تھا' یہ **شمشیر عرجون معتصم باللہ** نے دو سو دینار میں خریدی۔

حضرت حنظلہ: جنگ احد سے ایک دن پہلے آپ کی شادی ہوئی' آج شب زفاف تھی' آپ صبح کے وقت غسل کی تیاری کر رہے تھے' بعض روایات میں ہے کہ سر کا ایک حصہ دھو بھی لیا تھا کہ اچانک صحابہ کی تنگ حالت کا آپ کو پتہ چلا' بعض روایات میں ہے کہ آپ نے غیبی آواز سنی **یا خیل اللہ ارکب** بے قرار ہو کر اسی حال میں احد کی جانب روانہ ہو گئے' تلوار لے کر کفار پر ٹوٹ پڑے' بہت سوں کو جہنم واصل کر کے شہید ہو گئے' جنگ کے بعد جب شہداء کی لاشیں جمع کی گئیں تو آپ کی لاش

مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا' آپ کی زوجہ جمیلہ سے پوچھا گیا' انہوں نے فرمایا کہ یہ جنابت کی حالت میں تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' انہیں جبریل و میکائیل نے دوسرے فرشتوں کے ساتھ (علیہم السلام) کوثر کے پانی سے غسل دیا ہے' یہ وہی پانی ٹپک رہا ہے' اسی دن سے آپ کا لقب **غسیل الملائکہ** ہوا' اسی حدیث کی بناء پر ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ جنبی شہید کو غسل دیا جائے گا' آپ کی بیوی کا نام جمیلہ ہے' آپ عبداللہ ابن ابی منافق کی سگی بہن تھیں فرماتی ہیں کہ میں نے اسی رات حضرت حنظلہ کی روانگی سے پہلے خواب دیکھا کہ آسمان میں شگاف ہوگیا' حنظلہ اس میں غائب ہوگئے' پھر شگاف بند ہوگیا' میں سمجھ گئی کہ یہ میرے پاس سے شہید ہونے چل دیئے' چونکہ ایک شب کی بیاہی تھی شرم سے زیادہ بات بھی نہ کرسکی' کسی شاعر نے یہ پورا واقعہ ہندی میں نظم کیا جس کا ایک شعر درج ذیل ہے۔

جو میں جانتی سیاں روٹھت ہیں نگری میں شور مچا دیتی جو میں جانتی سیاں بچھڑت ہیں گھنگٹا میں آگ لگا دیتی

حضرت مصعب ابن عمیر: جب احد میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو مہاجرین کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا' ابن قمیہ جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا تھا آپ پر پل پڑا' تلوار کے ایک وار سے آپ کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا' آپ چیخ کر بولے **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل** حالانکہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی تھی مگر آپ کے لب پر جاری ہوگئی اور جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا' ابن قمیہ نے وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ آپ نے کٹے ہوئے بازوؤں سے جھنڈا سینہ سے لگالیا' اس ملعون نے تاک کر سینہ پر وار کیا' آپ یہی آیت پڑھتے ہوئے چکر کھا کر گرے۔ ایک فرشتہ مصعب کی شکل میں نمودار ہوا جس نے جھنڈا پکڑ لیا' مسلمان اس فرشتہ کو مصعب ہی سمجھتے رہے مگر وہ تو کبھی کے شہید ہوچکے تھے۔

حضرت ام عمارہ: آپ کا نام نصیبہ بنت کعب ہے' آپ جنگ احد میں زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں' آپ کے خاوند زید ابن عاصم اور دونوں بیٹے عمارہ و عبداللہ بھی جنگ میں مشغول تھے' جب آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں میں گھرا دیکھا تو مشکیزہ پھینک کر چادر سے اپنی کمر باندھ لی اور نہتی اس ہجوم میں کود پڑیں' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے آس پاس گھومنے لگیں' ہر وار اپنے پر لیتی تھیں' اس خدمت میں تیرہ زخم کھائے' ایک کافر نے آپ پر تلوار کا وار کیا۔ آپ نے ایک ہاتھ سے اس ظالم کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا اور دوسرے سے تلوار چھین کر اسی تلوار سے اس کا سر کاٹ کر رکھ دیا۔ ایک کافر بھاگا جا رہا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام عمارہ اس نے تمہارے بیٹے کو زخمی کیا ہے' آپ نے بڑھ کر جو زور کا وار کیا تو اس ملعون کی دونوں ٹانگیں کاٹ ڈالیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا' شکر ہے تم نے اپنے بیٹے کا قصاص لے لیا۔ خیال رہے کہ جنگ احد وسط شوال 3ھ میں ہوئی' تاریخ اور دن میں مورخین کا اختلاف ہے' راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ دس شوال 3ھ بروز اتوار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میدان احد میں وارد ہوئے' گیارہ یا تیرہ شوال کو غزوہ ہوا' **واللہ اعلم بالصواب** ' مسلمان ان واقعات سے صحابہ کرام کی بہادری و جانثاری کا اندازہ لگائیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور تاریخی واقعات یاد رکھنا لوگوں کو یاد دلانا خواہ قول سے ہو یا عمل سے حکم خداوندی ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ **اذ غدوت** سے معلوم ہوا' زندہ قومیں اپنی یادگاریں زندہ رکھتی ہیں اور مردہ قومیں اپنی تاریخ بھلا دیتی ہیں' عید میلاد و عید معراج و عرس بزرگان کی اصل

یہ آیت اور اس جیسی دوسری آیتیں ہیں۔ دوسرا فائدہ: حضرت عائشہ صدیقہ مومنہ' متقیہ اور صالحہ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت' رب تعالیٰ نے انہیں یہاں من اھلک فرمایا' کافر اولاد اور کافر بیوی نبی کے اہل بیت نہیں ہوتے' رب تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے ان کے بیٹے کنعان کے متعلق فرمایا انه لیس من اھلک اور لوط علیہ السلام سے ان کی کافرہ بیوی کے متعلق فرمایا الا امراتک قرآن کریم نے حضرت عائشہ کو حضور علیہ السلام کی اہل بیت فرما کر ان کے ایمان و تقویٰ سب کی گواہی دیدی۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں صرف بیوی کو اہل بیت کہا جاتا ہے' چنانچہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت کہا گیا' دوسری جگہ ارشاد ہوا' اذ قال لاھله امکثوا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا یہاں ٹھہرو' ایک جگہ فرماتا ہے کہ فرشتوں نے بیوی سارہ سے کہا رحمت اللہ وبر کاته علیکم اھل البیت' تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی علوم بھی سارے عطا فرمائے' جیسا کہ تبوی ء الخ سے معلوم ہوا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نماز کی امامت فرماتے تھے' دین کی تعلیم دیتے تھے' جھگڑوں کے فیصلے کرتے تھے' میدان جہاد میں اعلیٰ درجہ کے جرنیل یا کمانڈر کا کام کرتے تھے' سپاہیوں کو مورچوں پر جمانا' میدان جنگ کا نقشہ' خطرناک دروں کو سنبھالنا' یہ تمام کام بذات خود انجام دیتے تھے۔ چوتھا فائدہ: غزوہ احد میں شریک ہونے والے تمام صحابہ مخلص مومن تھے اور ایمان پر ان کا خاتمہ ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں مومنین فرمایا' اگر ان کا ایمان آئندہ بھی مشکوک ہوتا تو علام الغیوب انہیں ہرگز مومن نہ فرماتا' جو شخص ان میں سے کسی کے ایمان میں شک کرے' وہ اس آیت کا منکر ہے۔ جنگ احد میں کوئی منافق و کافر شریک نہ ہوا۔ تین سو منافقین جو مدینہ منورہ سے لشکر اسلام کے ساتھ چلے تھے وہ جنگ سے پہلے ہی مخلصین سے چھٹ کر لوٹ گئے ایسے ہی بیعت الرضوان میں کوئی منافق یا کافر شریک نہ ہوا۔ پانچواں فائدہ: خیال گناہ' گناہ نہیں اور نہ اس سے کوئی شخص مجرم ہو سکتا ہے' دیکھو بنی سلمہ اور بنی حارثہ نے بھاگ جانے کا قصد کیا تھا مگر رب تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا طائفتن منکم اے مسلمانو وہ دونوں تمہاری ہی جماعتیں ہیں' اور فرمایا اللہ ولیھما اللہ ان دونوں کا ولی و وارث ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ مومن ہی کا ولی ہے نہ کہ کفار کا' اب جو انہیں برا کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ چھٹا فائدہ: خطاء اجتہادی معاف ہے اگرچہ کتنی ہی سخت ہو اور اس کا نتیجہ کتنا ہی خطرناک ہو' دیکھو احد میں درہ والے مسلمانوں کی غلطی سے کتنا نقصان ہوا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے' مگر رب تعالیٰ نے ان غلطی کرنے والوں کو بھی مومنین ہی فرمایا اور ان پر کسی قسم کا عتاب نہ کیا' کیونکہ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کا مطلب سمجھنے میں غلطی کی' وہ سمجھے کہ فتح تو ہو ہی چکی ٹھہرنے کی علت جاتی رہی۔ ہمارے لئے اب یہاں سے ہٹ جانا جائز ہو گیا' یہی مجتہدین کیا کرتے ہیں' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آئمہ مجتہدین پر کیچڑ اچھالتے ہیں یا صحابہ کرام پر ان کی جنگوں کے باعث تبرا کرتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: جہاد کے وقت غنیمت پر ہرگز نظر نہ کی جائے بلکہ دشمن کا مقابلہ ڈٹ کر کیا جائے ورنہ مسلمان نقصان اٹھائیں گے' دیکھو جنگ احد میں درہ والے صحابہ نے غنیمت کے لئے درہ چھوڑا تو جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ آٹھواں فائدہ: غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہرگز نہ ہوئی' کچھ سپاہیوں کے بھاگ جانے سے شکست نہیں ہوا کرتی' شکست ہوتی ہے سپہ سالار کے بھاگنے سے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام سے ایک انچ بھی نہ ہٹے' پھر شکست کیسی؟ علماء فرماتے ہیں جو کہے کہ احد میں مسلمان ہار گئے' وہ توبہ کرے' اگر نہ کرے تو حاکم اسلام اس کو سزا دے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ (مدارج) ہو لیہ کہ

کفار موقعہ پاکر چوروں کی طرح پیچھے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے' کچھ کو شہید و زخمی کرکے بھاگ گئے' جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مسلمان پھر جمع ہو گئے' تو کفار میں وہاں ٹھہرنے کی بھی ہمت نہ رہی' اگر انہوں نے فتح پائی ہوتی' تو کچھ علاقہ پر قبضہ کرتے' وہاں رہ کر جشن اور رنگ رلیاں مناتے' جیسا کہ اس زمانہ میں فاتحین کیا کرتے تھے لہذا حق یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہرگز شکست نہ کھائی' ہاں اپنی غلطی سے کچھ تکلیف اٹھائی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے روانگی صبح کے وقت ہے کہ ارشاد ہوا "غدوت" غدو صبح کے جانے کو کہتے ہیں مگر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نماز جمعہ کے بعد ہتھیار پہنے اور روانہ ہوئے۔ **جواب:** یہاں **غدوت** میں تجرید ہے صرف روانگی کے معنی ہیں' جیسے کہ کبھی **اصبح' ظل' بات'** صرف **صار** کے معنی میں آتے ہیں' رات یا صبح کے معنی سے خالی ہو جاتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **من اهلك** کیوں فرمایا گیا **من بيتك** یا **من بلدك** فرمانا زیادہ مناسب ہوتا کیونکہ انسان گھر سے جاتا ہے نہ کہ گھر والوں سے؟ **جواب:** تاکہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے حجرہ کی عظمت ظاہر ہو کر یہ وہ حجرہ ہے جہاں سے اس غزوہ کے سفر کی ابتداء ہوئی' اور جناب عائشہ کی وہ ذات گرامی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے روانہ ہوئے' رب تعالیٰ نے سفر معراج کی ابتداء مسجد حرام سے بیان فرمائی تاکہ اس مسجد کی عظمت کو چار چاند لگ جائیں۔ **تیسرا اعتراض:** غزوہ سے بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے جیسے زنا وغیرہ اور گناہ کبیرہ کرنے والا فاسق ہے' تو جو حضرات صحابہ جنگ احد سے بھاگ گئے وہ فاسق ہوئے نیز جب تم عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے تین سو ساتھیوں کو اس لئے فاسق کہتے ہو کہ وہ جنگ احد سے پیٹھ دکھا گئے تو حضرت عثمان وغیرہ کو فاسق کیوں نہیں کہتے' وہ بھی اللہ کے رسول کو میدان میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے' اس کی کیا وجہ ہے کہ جرم ایک مگر تمہارے فیصلے مختلف (روافض و خوارج)۔ **جواب:** غزوہ سے بھاگ جانے کی تین نوعیتیں ہیں' غداری کرکے بھاگنا تاکہ دوسرے مجاہدین پر برا اثر پڑے' بزدلی سے بھاگ جانا' کسی اچانک حادثہ جانکاہ پیش آجانے پر حواس باختہ ہو جائیں اور اسی مدہوشی کی حالت میں قدم اکھڑ جائیں' خبر ہی نہ رہے کہ کون کہاں ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں' کدھر جا رہے ہیں' پہلی دو صورتیں گناہ و فسق ہیں' پہلی صورت تو بہت ہی بڑا گناہ قریب کفر ہے' دوسری صورت اس سے کم گناہ' مگر تیسری صورت نہ جرم ہے نہ گناہ' عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کا فرار پہلی قسم کا تھا یعنی غداری کی بناء پر مسلمانوں کو شکست اور کفار کو فتح دلانے کے لئے مگر ان حضرات کا قدم اکھڑ جانا تیسری قسم کا تھا کہ اچانک پیچھے سے حملہ ہوا جس کا نہیں وہم و گمان بھی نہ تھا' اوپر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت مشہور ہو گئی' ان پر غم پر غم ایسے پڑ گئے کہ ان کے ہوش و حواس ہی جاتے رہے' اس افراتفری کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے ہی یمان کو قتل کر دیا' جناب حذیفہ پکارتے ہی رہے یہ تو میرے والد ہیں' مومن ہیں مگر کسی نے سنا بھی نہیں' ایسی مدہوشی کے اعمال نہ جرم ہوتے ہیں نہ گناہ' اسی لئے ان بزرگوں سے حضرت یمان کا نہ قصاص لیا گیا' نہ دیت' نہ فدیہ' نہ کفارہ' ابھی تقسیم ملک کے موقعہ پر مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو ہندوستان چھوڑ کر پاکستان بھاگ آئیں' اور حدود پاکستان میں آکر معلوم ہوا کہ میری گود میں بچہ نہیں ہے' یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ بچہ میں نے کہاں پھینکا' اور وہ کہاں گرا' یہاں آکر روئیں' خداوند تعالیٰ ایسا وقت نہ دکھائے' اچھے اچھوں کے ہوش جاتے رہتے ہیں' اور اگر ان کا یہ عمل صورۃً گناہ بھی تھا تو رب تعالیٰ نے ان کی معافی کا

اعلان فرمایا **ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعن انما استزلهم الشیطن ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنہم** اے محبوب جو ان دو جماعتوں کے ٹکراؤ کے وقت پیٹھ پھیر گئے انہیں ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے شیطان نے پھسلا دیا اور ضرور ضرور اللہ نے انہیں معاف کر دیا' کہو اب ان پر کیا اعتراض ہے' درہ خالی کر دینا ان کی اجتہادی غلطی تھی' اس سے ان کے قدم اکھڑ جانا' نتیجہ نکلا' رب تعالیٰ کی معافی اس کا انجام ہوا' ان بزرگوں پر یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدم علیہ الصلوۃ والسلام پر آج گندم کھانے کا اعتراض کرے' ان کی وہ خطائیں جن کی معافی کا قرآن شریف میں اعلان ہو گیا ہماری ان عبادات سے افضل ہیں جن کی قبولیت کی خبر نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر فرمایا کہ آج حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں' معلوم ہوا کہ شہیدوں پر رونا پیٹنا ماتم کرنا اچھی چیز ہے' اسی لئے آج ہم امام حسین رضی اللہ عنہ پر پیٹتے ہیں (روافض)۔ **جواب:** بوقت موت میت پر آنسو بہا کر رونا اس کے درست حالات بیان کرنا سنت سے ثابت ہے مگر نوحہ پیٹنا' ماتم کرنا' سر کے بال نوچنا' کپڑے پھاڑنا حرام ہے' اور تین دن کے بعد تو رونا بین کرنا بھی منع' تمہارے بناوٹی رونے اور اجرت دے کر ماتم کرانے میں اور ان بیبیوں کے گریہ میں آسمان و زمین کا فرق ہے' وہ بین ایمان تھا یہ بین حرام اس حدیث کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے بیبیو! حمزہ جیسے مظلوم شہید پر ہمارے گھر میں رونا پیٹنا نہیں پڑا تم اپنے شہداء پر کیوں رو رہی ہو' اس صورت میں یہ فرمان انہیں رونے سے روکنے کے لئے ہے نہ کہ ترغیب کے لئے۔ **پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے ایسے نازک موقعہ پر مسلمانوں کو شکست دی ہی کیوں؟ یہ تو محبت کے تقاضے کے خلاف ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب بھی ہیں اور ان کے صحابہ کو جنگ احد میں شکست بھی دیدی گئی اس میں حکمت کیا ہے؟ **جواب:** اس واقعہ میں تاقیامت مسلمانوں کے لئے نمونہ قائم کرنا تھا کہ جہاد میں غنیمت پر دھیان کرنا شکست کا باعث ہوتا ہے' غنیمت بعد کی چیز ہے' نیز درہ خالی کر دینا سخت مصیبت کا سبب ہے' نازک مورچے جہاد میں کبھی خالی نہ چھوڑنا' نیز ہمارے محبوب کے فرمان پر عمل کرتے رہنا ان کے حکم کی ادنیٰ معمولی سی مخالفت بڑی مصیبت کا باعث ہے کہ درہ والے صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تھوڑی سی مخالفت کی وہ بھی غلطی سے' تو اس کا انجام یہ ہوا' یہ شکست بھی عملی تبلیغ ہے' جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فجر قضا ہو گئی' مسلمانوں کو قضا کے احکام بتانے کے لئے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
اور البتہ تحقیق مدد کی اللہ نے بدر میں حالانکہ تم تھوڑے تھے بس ڈرو اللہ سے شاید تم شکر کرو
اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکرگزار
اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ
جب فرماتے تھے آپ مسلمانوں سے کیا نہیں کافی نہیں یہ کہ مدد کرے تمہاری رب تمہارا تین ہزار
ہو جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار

اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ

فرشتوں سے	جو اتارے ہوئے ہوں
فرشتے	اتار کر

تعلق: ان آیات کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گذشتہ آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف کرنے کا نتیجہ دکھایا گیا یعنی احد میں ناکامی' اس آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا نتیجہ یاد دلایا جارہا ہے یعنی بدر میں کامیابی' تاکہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور مخالفت سے بچیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو توکل کا حکم دیا گیا تھا' اب توکل کا فائدہ بتایا جارہا ہے کہ توکل کی برکت سے تم نے بدر میں فتح حاصل کی تھی اگرچہ تم تھوڑے بھی تھے اور بے سامان بھی گویا پہلے توکل کا حکم تھا اور اب توکل کے مثالی فوائد کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ احد میں مسلمانوں کی دو جماعتوں نے اپنی کم تعداد دیکھ کر بھاگ جانے کا ارادہ کرلیا تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ جہاد میں فتح کمی بیشی سے نہیں ہوتی' ہمت اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوتی ہے' دیکھو تم بدر میں بہت ہی تھوڑے تھے مگر جیت گئے لہٰذا آئندہ کمی بیشی کا خیال نہ کرنا۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں جنگ احد کا ذکر تھا جس میں مسلمان صابر' شہید' زخمی ہوئے' اب بدر کا ذکر ہے جس میں مسلمان شاکر' غازی فاتح بنے تھے یعنی عملی صبر کے بعد عملی شکر کا ذکر ہے تاکہ مسلمان ہمیشہ آرام و فتح میں شکر اور تکلیف یا ناکامی میں صبر کیا کریں۔

تفسیر: ولقد نصرکم اللہ میں لام اور قد مضمون کی تاکید کے لئے آتے ہیں' تاکید کبھی شک دفع کرنے کے لئے ہوتی ہے اور کبھی مضمون کی اہمیت دکھانے کے لئے' یہ تاکید صحابہ کرام کے اعتبار سے اظہار اہمیت کے لئے ہے' کفار و مشرکین کے لحاظ سے دفع شک کے لئے' چونکہ فتح بدر بہت اہم واقعہ ہوا' اس لئے لقد سے شروع فرمایا گیا' اور چونکہ مشرکین و کفار اس فتح کو اتفاقی واقعہ کہتے تھے کہ قضاءً ابوجہل پہلے مارا گیا' اس لئے مسلمان جیت گئے' ورنہ احد میں کیوں نہ جیتے' حالانکہ احد میں مسلمان بمقابلہ بدر قوی تھے' یہ وہم دفع فرمانے کے لئے لقد فرمایا گیا' نصر' نصرت سے بنا' بمعنی امداد خواہ ظاہری امداد ہو یا غیبی' یہاں غیبی امداد مراد ہے' کم میں سارے صحابہ سے خطاب ہے' خواہ بدر میں شریک تھے یا نہ تھے کیونکہ ایک جماعت کی امداد سب کی امداد ہے' اگرچہ بدر میں فرشتوں نے امداد کی تھی مگر چونکہ وہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے تھے' نیز ان مقبولوں کا کام رب تعالیٰ کا کام ہے' اس لئے اس امداد کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا' بدر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک میدان کا نام ہے' اس میدان میں ایک کنواں ہے جسے بدر ابن عامر نے کھدوایا تھا' کھدوانے والے کے نام سے اس کنوئیں کا نام بدر ہوا' اور کنوئیں کے نام سے سارے میدان کا نام بدر ہوا اب وہاں چھوٹی سی بستی ہے' مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے اب نئے راستہ میں آتی ہے' جنگ بدر جمعہ کے دن اکیسویں یا سترھویں رمضان 2ھ میں ہوئی' مسلمان 313 تھے اور بے سروسامان' کفار ایک ہزار تھے اور سامان جنگ سے لیس' اس کا پورا واقعہ تفصیل وار تفسیر نعیمی پارہ سوم: میں بیان ہوچکا وہاں مطالعہ کرو۔ انتم اذلۃ واؤ حالیہ ہے۔ یہ جملہ نصر کے مفعول کا حال ہے' انتم میں غالباً شرکاء بدر سے خطاب

ہے اور ہو سکتا ہے کہ سارے صحابہ یا سارے مسلمانوں سے خطاب ہو کیونکہ فوج کی کمزوری ساری قوم کی کمزوری ہوتی ہے' **اذلۃ** جمع ذلیل کی ہے جس کا مادہ ذل ہے' عز کا مقابل' ذل کے معنی ہیں عجز و کمزوری' عاجزی و مہربانی' حقارت و ذلت' بے سرو سامانی و قلت' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و لم یکن لہ ولی من الذل** رب تعالیٰ کے کمزوری و عجز کی بنا پر اپنا ولی کسی کو نہیں بنایا ہے' اور فرماتا ہے **اذلۃ علی المومنین** مسلمانوں پر نرم اور مہربان' اور فرماتا ہے **لیخرجن الاعز منہا الاذل** مدینہ سے عزت والے ذلیلوں یعنی حقیروں کو نکال دیں گے' یہاں ذلیل بمعنی قلیل و کمزور ہے اور اگر بمعنی حقیر بھی ہو تو نظر کفار میں حقیر مراد ہے نہ واقع میں یعنی تم واقع میں بے سامان و قلیل تھے' یا متکبر کفار کی نگاہوں میں تم حقیر تھے۔ خیال رہے کہ ذلیل بروزن فعیل ہے' اس کی جمع کثرت یا تو بروزن **فعلاء** آتی ہے' جیسے ظریف کی جمع **ظرفاء** اور شریک کی شرکاء' یا بروزن **افعلاء** جیسے قریب کی جمع اقرباء' اور جمع قلت یا بروزن **افعلۃ** آتی ہے جیسے جریب کی **اجربۃ** اور قفیز کی **اقفزۃ** یا بروزن فعلی جیسے قریب کی **قربی** لہذا یہ جمع قلت ہے۔ رب تعالیٰ نے انہیں ذلیل فرما کر ان کا بے سامان ہونا بتایا اور جمع قلت فرما کر ان کی تعداد کی کمی ظاہر کی۔ **فاتقوا اللہ**' ف جزائیہ ہے یا ترتیب کی اور یہ جملہ یا شرط محذوف کی جزاء ہے' یا **نصرکم** پر مرتب' تقویٰ کا معنی ہیں ڈرنا اور اگر عذاب پوشیدہ ہو تو معنی ہوں گے بچنا یعنی جب اللہ نے تم پر ایسے آڑے وقت میں کرم فرمایا تو تم اللہ سے ڈرتے رہو یا اللہ کے عذاب سے بچے رہو۔ **لعلکم تشکرون**' لعل امید کے لئے ہے' مگر یہ امید بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے لحاظ سے' شکر کے معنی اور اس کی اقسام اس کے درجے و احکام' نیز اس کے مقابل کفر کے احکام و اقسام دوسرے پارے **و اشکروا لی ولا تکفرون** کی تفسیر میں بیان ہو چکے **اذ تقول للمومنین** اذ یا تو **نصر** کا ظرف ہے یا **اذکر** فعل پوشیدہ کا' پہلی صورت میں یہ واقعہ بھی جنگ بدر کا ہی ہے اور دوسری صورت میں یہ واقعہ جنگ احد کا ہے' عام مفسرین نے پہلی صورت کو ترجیح دی ہے' **تقول** میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' اور **مومنین** سے مراد یا غازیان بدر ہیں یا مجاہدین احد' یعنی رب تعالیٰ نے بدر میں اے مسلمانو! تمہاری اس وقت مدد کی' جبکہ اے محبوب تم مسلمانوں سے یہ کہتے تھے' یا اے محبوب انہیں احد کا وہ واقعہ بھی یاد دلاؤ' جب آپ مسلمانوں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے تھے' خیال رہے کہ اگر بدر کا واقعہ ہے' تو آیت میں التفات ہے کہ پہلے مسلمانوں سے خطاب تھا پھر محبوب کو خطاب اور مسلمانوں کا بطریق غائب ذکر فرمایا گیا **الن یکفیکم ان یمدکم ربکم** ہمزہ انکاری استفہام کا ہے' **یکفی** کفایت سے بنا بمعنی حاجت پوری کرنا اور کسی کے معاملہ کا انتظام کرنا' اس کے اوپر غنی کا درجہ ہے' **یمد** امداد سے ہے' جس کا مادہ **مدد** ہے' جس کے معنی ہیں مسلسل دینا یا جاری رکھنا' کہا جاتا ہے **مد فی السیر** سفر جاری رکھا' برابر چلتا رہا' بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ امداد بھلائی میں مدد دینے کو کہتے ہیں' مد برائی میں ڈھیل دینے کو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یمدہم فی طغیانہم یعمہون** بعض نے فرمایا کہ قوت دینے کے لئے مدد امداد کہلاتی ہے' اور زیادتی کے لئے مد و مد' کہلاتی ہے' ان سے معلوم ہو رہا ہے کہ مسلمان اس وقت گھبراہٹ میں اپنی فتح سے مایوس ہو چکے تھے (تفسیر روح البیان و روح المعانی و کبیر وغیرہ) یعنی اے مسلمان غازیو! کیا تمہیں یہ کافی نہ ہو گا کہ تمہارا مہربان رب تمہیں ایسے نازک موقعہ پر مدد دے' مدد بھی معمولی صرف ہتھیاروں وغیرہ سے نہیں بلکہ **بثلثۃ الاف من الملئکۃ منزلین** تین ہزار زمینی فرشتوں سے نہیں بلکہ آسمانی اتارے ہوئے فرشتے' ملائکہ ملک کی جمع ہے' ملک کے معنی

ان کی اقسام' ان کے نام و کام ہم پہلے پارہ میں **و اذ قال ربک للملئکۃ** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں' ہماری قرات میں **منزلین**' ز کے فتح سے ہے' یعنی آسمان سے اتارے ہوئے' بعض میں **منزلین**' ز کے کسرہ سے ہے' یعنی وہ فرشتے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور کفار کے قلب میں رعب اتارنے والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے غزوہ احد کے غازیو! تم اس غزوہ میں منافقین کے دھوکہ دے جانے سے اور اپنی غلطی کی بناء پر اپنے قدم اکھڑ جانے سے بددل نہ ہو' فتح و شکست جنگ میں ہوتی ہی ہے' مگر یقین کر لو کہ فتح و کامرانی تعداد کی زیادتی یا سامان کی کثرت پر موقوف نہیں' بلکہ ہمارے رحم و کرم پر موقوف ہے' جس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ غزوہ بدر میں تم لوگ تعداد میں تھوڑے تھے کہ صرف 313 تھے' اور سامان بھی کم' کہ تمہارے پاس دو گھوڑے' چھ زرہیں' آٹھ تلواریں تھیں' باقی کھجوروں کی شاخوں سے ہی لڑ رہے تھے مگر رب تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی اور تمہیں شاندار فتح دی' کہ تم ایک ہزار مسلح کفار پر اس طرح غالب آئے کہ تم نے ان کے ستر پہلوان مار دیئے' جن میں 24 چوٹی کے سردار تھے' اور ستر قید کر لئے' جس کے ذریعہ تمہیں بہت مال ہاتھ آیا' لہذا آئندہ ہمیشہ تقویٰ و پرہیزگاری اور خوف خدا کا ہتھیار اپنے ساتھ رکھو' کہ سارے ہتھیار اس کے مقابل ہیچ ہیں' اور تقویٰ اس امید پر اختیار کرو کہ تم بندہ شاکر بن جاؤ' اے محبوب انہیں وہ وقت بھی یاد دلاؤ جبکہ جنگ احد میں عبداللہ ابن ابی منافق اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر غداری کر کے چلا گیا' اور غازیوں کو اتنی بھاری جماعت کم ہو جانے سے سخت صدمہ ہوا تو آپ نے ان پیارے غازیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا' تم گھبراتے کیوں ہو' اگر تین سو منافق تمہیں پیٹھ دکھا گئے تو رب العالمین نے تین ہزار فرشتے تمہاری امداد کے لئے آسمان سے اتار دیئے' کیا تمہیں اتنی بھاری غیبی امداد کافی نہیں؟ یقیناً کافی ہے' تو پھر منافقوں کے نکل جانے پر کیوں رنج کرتے ہو۔

دوسری تفسیر: رب تعالیٰ نے بدر کے میدان میں غازیوں کی مدد اس موقع پر کی تھی' جب انہیں پتہ لگا تھا کہ کرز ابن جابر محاربی مشرکین مکہ کی امداد کے لئے بڑی بھاری کمک بھیج رہا ہے' اس خبر سے غازیان بدر گھبرا گئے' کہ پہلے ہی کفار کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا تھی' اور اب انہیں مدد پہنچ رہی ہے' کیا بنے گا! تب آپ نے اے محبوب غازیوں کو خوشخبری دی تھی کہ تمہاری کمک آسمان سے آ رہی ہے کہ رب تعالیٰ تمہاری مدد کے لئے تین ہزار فرشتے اتار رہا ہے' کیا تمہیں کرز ابن جابر کی کمک کے مقابلہ میں یہ مدد کافی نہیں؟ ضرور کافی ہے' نتیجہ یہ ہوا کہ کرز کو خود اپنی پڑ گئی اور وہ کفار مکہ کی کوئی امداد نہ کر سکا' مگر تمہارے رب نے فرشتوں سے تمہاری امداد فرمائی' یہ باتیں سوچو اور ہمیشہ رب تعالیٰ پر توکل رکھو (تفسیر کبیر و روح المعانی و خازن وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مقبول بندوں کو رب تعالیٰ سے ایسا قرب ہے کہ ان کا کام رب تعالیٰ کا کام کہلاتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کے کام کو وہ اپنا کام کہتے ہیں' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے فرشتوں کی امداد کو اپنی امداد کہا کہ فرمایا **نصرکم اللہ** اور بی بی مریم رضی اللہ عنہا سے جبریل امین نے کہا تھا **لاھب لک غلاما زکیا**" میں تمہیں ستھرا بیٹا بخشوں گا' بیٹا بخشنا رب تعالیٰ کا کام ہے' فرماتا ہے **یھب لمن یشاء الذکور**" الایہ مگر جبریل امین نے کہا کہ فرزند میں بخشتا ہوں۔ **دوسرا فائدہ**: رب تعالیٰ کی نعمتوں کا بہترین شکریہ یہ ہے کہ بندہ گناہ چھوڑ دے اور نیک اعمال اختیار کرے' جیسا کہ **فاتقوا اللہ** سے معلوم ہوا' بعض لوگ اپنی حاجت پوری ہونے پر شکریہ کے نوافل پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں' میلاد

شریف یا ختم پڑھواتے ہیں اُن سب کا ماخذ یہ آیت بھی ہے کہ یہ اعمال صالح تقوٰی میں داخل ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی متقی اپنے نیک اعمال پر ناز نہ کرے' قبولیت کی امید رکھے' تخم ڈالنا ہمارا کام ہے' پیداوار رب تعالٰی کے قبضہ میں ہے جیسا کہ **لعلکم** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** غازیان بدر و احد سب کے سب مومن تھے' مومن رہے اور دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے' ان دونوں غزووں میں کوئی منافق شامل نہ ہوا' ان دو غزووں کی شرکت ان حضرات کے ایمان کی قوی دلیل ہے' دیکھو رب تعالٰی نے ان سب کو مومن فرمایا' کہ فرمایا **اذ تقول للمؤمنین** خیال رہے کہ رب تعالٰی اس کو مومن فرماتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا ہو' شیطان کے متعلق رب تعالٰی نے فرمایا **و کان من الکافرین** وہ اپنے عبادت کے زمانہ ہی میں ہماری بارگاہ میں کافر تھا' دوسرے مقام پر رب تعالٰی جنگ احد کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے **و لیعلم المؤمنین و لیعلم الذین نافقوا** الخ یعنی غزوہ احد کی تکلیف مومن و منافقین کی چھانٹ کے لئے تھی' منافقین پہلے ہی بھاگ گئے' مومنین جنگ میں شریک ہوئے۔ **پانچواں فائدہ:** جنگ احد میں بھی فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے آئے تھے' سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جنگ مسلمانوں کے ساتھ مل کر صرف بدر میں ہی کی ہے دیگر غزوات میں آئے ہیں مگر انہوں نے جنگ نہ کی (تفسیر کبیر)۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں دو چٹے کپڑوں والے شخصوں کو دیکھا' جنہیں نہ پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں' وہ تھے جبرئیل و میکائیل (تفسیر خازن)۔ حضرت سعد ابن مالک فرماتے ہیں کہ جب احد میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' کفار پر تیر برسا رہا تھا' ایک اجنبی جوان میرے سامنے تیر بکھیر رہا تھا اور کہتا تھا اے ابو اسحاق مارے جاؤ وہ فرشتہ تھا جسے میں نے اس سے قبل و بعد کبھی نہ دیکھا (تفسیر خازن)۔ **چھٹا فائدہ:** خدا تعالٰی کی بارگاہ میں مسلمانوں کی بڑی عزت ہے کہ ان کے دوش بدوش لڑنے کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے کمک اپنے پیاروں کو پہنچائی جاتی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلقت سے افضل و اشرف ہیں کہ فرشتے آپ کی ماتحتی میں سپاہی بن کر جنگ کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کے بھی جرنیل اعظم ہیں' دیکھو فرشتے یہاں جرنیل بن کر نہ آئے' سپاہی بن کر آئے' لڑانے نہ آئے بلکہ لڑنے آئے۔ **آٹھواں فائدہ:** جنگ احد یا بدر میں زمینی فرشتوں نے مسلمانوں کی امداد نہ کی' بلکہ آسمانی فرشتوں نے کی تھی جیسا کہ **منزلین** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اگر خدا تعالٰی ہزاروں فرشتوں سے مسلمانوں کو امداد دیتا ہے تو ان کی بادشاہتیں برباد کیوں ہو رہی ہیں؟ یہ صرف جاہلوں کو لالچ دے کر پھنسانے کا ڈھکوسلہ ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** افسوس پنڈت دیانند عربی زبان سے بالکل ناواقف ہوتے ہوئے قرآن کریم پر اعتراض کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ یہاں یہ کب فرمایا گیا کہ ہم ہمیشہ فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی امداد کیا کریں گے اور مسلمان کبھی جنگ میں شکست نہ کھائیں گے **ان یمدکم** میں دوام یا استمرار کہاں سے نکال لیا' یہاں تو صرف جنگ بدر یا احد میں امداد کا وعدہ ہے جو پورا کیا گیا' اگر پنڈت جی نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہوتا تو وہ اس آیت کی حقانیت پر ایمان لے آتے' صرف تین سو تیرہ (313) آدمیوں کا آٹھ تلواریں لے کر ایک ہزار مسلح پہلوانوں پر فتح پانا غیبی امداد نہیں تو اور کیا ہے؟ بلکہ حق یہ ہے کہ اگر مسلمان اخلاص کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کریں تو اب بھی ان کی امداد کے لئے فرشتے آتے

ہیں "کیا پنڈت جی! تم محمد بن قاسم کے معرکے بھول گئے؟ کیا تمہیں سلطان محمد غوری اور محمود غزنوی کے معرکے یاد نہ رہے" کیا پانی پت اور سومنات کی لڑائیاں تمہارے سامنے نہیں" جن میں مٹھی بھر مسلمانوں نے تمہارے لاکھوں جوانوں کو وہ سبق پڑھایا جو تمہیں اگلی جونوں تک یاد رہے گا اب ہماری خانماں بربادی اور خراب حالی اس لئے ہے کہ ہم ہم نہ رہے۔ پنڈت جی مہاراج اگر ہم "ہم رہتے تو پھر تم نہ رہتے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر جنگ احد میں مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتے آئے تھے تو انہیں ہزیمت کیوں ہو گئی" کیا فرشتے بھی کفار سے ہار گئے (آریہ) **جواب:** مسلمانوں کو احد میں اسی امداد کی برکت سے فتح ہو گئی تھی بعد میں ان کی ہزیمت ان کی اپنی جنگی غلطی سے ہوئی کہ اہم مورچہ یعنی درہ خالی کر دیا" اور یہ ہزیمت بھی آئندہ نسلوں کو جنگی قانون سکھانے کے لئے تھی کہ کبھی اہم مورچے نہ چھوڑیں" بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہزیمت کے بعد بھی رب تعالیٰ نے مدد کی" ورنہ کفار مکہ اس وقت سارے مدینہ پر ٹوٹ پڑتے اور اسے برباد کر ڈالتے مگر ہمت نہ پڑی" حتیٰ کہ کچھ دور پہنچ کر ابو سفیان اس ارادہ سے پھر لوٹے اور زخمی مسلمان یہ خبر پا کر پھر تیار ہوئے مگر ابو سفیان آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے جیسا کہ اس کا ذکر قرآن شریف میں ہی آئے گا۔ **تیسرا اعتراض:** کفار کی ہلاکت کے لئے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا" تین ہزار فرشتوں کی کیا ضرورت تھی" قوم لوط کی بستیوں کو ایک فرشتے نے ہی الٹ کر رکھ دیا تھا (بعض جہلا)۔ **جواب:** یہاں کفار کا ہلاک کرنا مقصود نہ تھا" بلکہ فقط مسلمانوں کی ہمت افزائی اور ان کا حوصلہ بڑھانا منظور تھا" ہلاکت کے لئے ایک فرشتہ کافی ہے" عزت افزائی کے لئے فرشتوں کی برات چاہئے" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے جانے کے لئے لاکھوں فرشتے براتی بن کر آئے تھے حالانکہ لے جانے کے لئے ایک براق ہی کافی تھا" ان کفار کو ہلاک بھی کیوں کیا جاتا" ان میں سے اکثر وہ تھے جو آئندہ مسلمان ہو کر اسلام کی خدمت کرنے والے تھے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں تو فرمایا گیا کہ تمہاری مدد تین ہزار فرشتوں سے ہو گی" اور اگلی آیت میں آرہا ہے کہ پانچ ہزار فرشتوں سے امداد ہو گی" آیتوں میں تعارض ہے! **جواب:** اس کا جواب اگلی آیت میں ہی دیا جائے گا" انشاء اللہ کہ تین ہزار کی امداد غیر مشروط ہے اور پانچ ہزار کی مشروط" لہذا دونوں آیات درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مومنوں کو توکل کا حکم بھی دیا اور اس کا نتیجہ بھی دکھایا اور بتایا" جس سے معلوم ہوا کہ توکل مومن کا زیور ہے اور ایمان کا نشان" توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کرے" رب تعالیٰ پر اعتماد کرے اور اپنے عجز کا اظہار" گھبراہٹ سے دور رہے۔ سہل ابن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں کہ سارے علوم عبادت سے لوئی ہیں اور ساری عبادتیں ورع سے لوئی اور سارے ورع زہد سے لوئی اور سارے زہد توکل سے لوئی" توکل کے تین درجے ہیں" پہلا درجہ اسباب جوڑنا" دوسرا درجہ اسباب چھوڑنا" تیسرا درجہ اسباب توڑنا۔

حکایت: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گوپھن کے ذریعہ نمرودی آگ میں پھینکا گیا" تو راستہ میں جبریل امین ملے عرض کیا کچھ آپ کو حاجت ہے" فرمایا تم سے کچھ نہیں۔ عرض کیا رب تعالیٰ سے ہے" فرمایا **حسبی عن سوالی علمہ بحالی** " وہ میری حالت کو جانتا ہے" پھر مانگنے کی حاجت نہیں" یہ ہے توکل کا آخری درجہ" کبھی رب تعالیٰ سے دعا کرنا عبادت ہے" کبھی دعا نہ کرنا اطاعت" صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس توکل کی تین نشانیاں ہیں" کسی سے نہ مانگنا" بغیر مانگے جو ملے اسے رد نہ کرنا" جو آجائے اس پر بخل نہ کرنا اور جو کچھ رکھنا نفس کے واسطے نہ رکھنا رب تعالیٰ کے لئے رکھنا" حضرت ابراہیم خواص متوکلین کے سردار تھے

کہ کبھی نہ گھر بنایا نہ سامان رکھا مگر اس کے باوجود سوئی دھاگہ، قینچی اور کوزہ ساتھ رکھتے تھے، کسی نے پوچھا کہ یہ سامان بھی کیوں رکھا ہے؟ فرمایا کوزہ وضو کے لئے اور سوئی دھاگہ پھٹا کپڑا سی کر تن ڈھکنے کے لئے تاکہ نماز درست ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ متوکلین کا لشکر ملائکہ ہیں، جو اپنے پر ادھر کا دروازہ بند کرتے ہیں، ان پر رب تعالیٰ اس طرف کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

ہاں اگر تم صبر کرو اور پرہیزگار رہو اور آجائیں تم پر کفار اپنے اس جوش سے تو مدد کریگا تمہاری

ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقوای کرو اور کافر اسی دم تم پر آپڑیں تو تمہارا

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

رب تمہارا پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں

پروردگار تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گذشتہ آیت میں استفہام انکاری کے طریقے پر سوال کیا گیا تھا کہ کیا تمہیں تین ہزار فرشتوں کی امداد کافی نہیں؟ اب بغرض تعلیم اس کا اقراری جواب دیا جارہا ہے کہ ہاں یہ امداد بہت کافی ووافی ہے، گویا گذشتہ آیت میں سوال تھا اس آیت میں اس کا جواب۔ دوسرا تعلق: گذشتہ آیت میں تین ہزار فرشتوں کی امداد کی بشارت تھی، اس آیت کریمہ میں اس پر ترقی فرماتے ہوئے پانچ ہزار فرشتوں کی امداد کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: گذشتہ آیت میں رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ذکر فرمایا تھا کہ آپ نے ان مسلمانوں کو تین ہزار فرشتوں کی امداد کی خوشخبری دی، اس آیت میں رب تعالیٰ مع اضافہ امداد کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تائید فرما رہا ہے مگر کچھ شرائط کی ترمیم کے ساتھ۔

شان نزول: اس آیت کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کون سی امداد کا ذکر فرمارہی ہے اور اس کا ظہور کب ہوا، تفسیر خازن و کبیر وغیرہ نے تین چار قول نقل فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ جب جنگ بدر میں مسلمانوں کو پتہ لگا کہ کرز ابن جابر محاربی مشرکین مکہ کی امداد کے لئے بہت بڑی کمک بھیج رہا ہے، تو انہیں سخت تردد و پریشانی ہوئی کہ ہم تو پہلے ہی مشرکین کے مقابلہ میں تہائی بھی نہ تھے، کفار ہم سے تین گنا سے بھی زیادہ، ہم بے سروسامان، اور وہ سامان والے تھے، اب اگر انہیں اور بھاری مدد پہنچ گئی تو کیا بنے گا، تب مسلمانوں کی تسلی کے لئے رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ اگر کرز کی امداد مشرکین مکہ کو پہنچی، تو ہماری پانچ ہزار فرشتوں کی مزید امداد تمہیں پہنچے گی بے فکر رہو، دوسرے یہ کہ ابوسفیان جب جنگ احد سے واپس گئے اپنے کو فتح یافتہ اور کامیاب سمجھ کر تو کچھ دور پہنچ کر خیال آیا کہ ہم نے لوٹنے میں جلدی کی، موقع اچھا تھا ہمیں مدینہ تباہ کردینا چاہئے تھا اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہئے تھا یہ سمجھ کر مع لشکر کے پھر چڑھائی کا ارادہ کیا، ادھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دیدی گئی آپ نے انہی مجروح صحابہ کو پھر جنگ کی تیاری کا حکم دیا، یہ حضرات پھٹے ہوئے سروں، ٹوٹے ہوئے

بازوؤں' زخمی پاؤں میں پٹیاں باندھ کر اسی طرح پھر مقابلہ کے لئے چل دیئے' رب تعالیٰ کو صحابہ کرام کی فرمانبرداری اور یہ ادا بہت ہی پسند آئی' اس لئے اس آیت میں ان سے وعدہ کیا گیا کہ اگر کفار پھر لوٹ کر آئے تو ہم تمہاری امداد کے لئے پانچ ہزار فرشتے بھیجیں گے' تم بے فکر رہو' تمہیں جو کچھ تکلیف پہنچ گئی اتفاقی بات تھی تمہاری غلطی کی بناء پر' اب تمہیں فتح دی جائے گی چنانچہ کسی شخص نے جو مسلمانوں کی یہ شان دیکھ کر گیا تھا ابو سفیان کو خبر دی کہ مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہیں' ان میں سرفروشی و جانبازی کا جذبہ پہلے سے بھی زیادہ ہے' ابو سفیان اس خبر سے گھبرا گئے اور بہت تیزی سے مکہ معظمہ بھاگ گئے اس خوف سے کہ کہیں مسلمان ہمیں یہاں ہی نہ آلیں اور ہم پر یہاں ہی نہ ٹوٹ پڑیں (تفسیر روح المعانی) مرے شیر کی بھی ہیبت ہوتی ہے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

تیسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ جنگ احزاب یعنی غزوۂ خندق کی خبر دے رہی ہے کہ اے مسلمانو! خیال رکھنا کہ مشرکین عرب بہت ساز و سامان اور بہت ہجوم کے ساتھ پھر تم پر چڑھائی کریں گے تم صابر و متقی رہنا ہم تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کریں گے (تفسیر خازن)۔ خیال رہے کہ کفار عرب صرف تین بار مدینہ طیبہ پر چڑھ کر آئے' بدر میں ایک ہزار نفری کے ساتھ تو رب تعالیٰ نے بدر میں ایک ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجے' خود فرماتا ہے **انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین** (انفال) احد میں تین ہزار نفری کے ساتھ' تو رب تعالیٰ نے بھی احد میں تین ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد فرمائی جیسا کہ ابھی پچھلی آیت میں گزر گیا **بثلٰثۃ الاف من الملئکۃ منزلین** احزاب (خندق) میں اس موقعہ پر تو بہت زیادہ تعداد میں کفار باہر سے حملہ آور ہوئے' اور یہود و منافقین اندرون مدینہ سے مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے' جس سے مسلمانوں کے دل گلے میں آ گئے اور ان کی سخت آزمائش ہوئی' کفار دس ہزار' اور بعض روایات کی بناء پر چوبیس ہزار تھے جن میں قریش پانچ ہزار تھے۔ باقی دوسری قومیں۔ رب تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی امداد کے لئے پانچ ہزار فرشتے نازل فرمائے' پھر غزوۂ خندق کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دیدی کہ آئندہ کفار مدینہ پر حملہ نہ کریں گے بلکہ اب ہمارے حملے ان پر ہوں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا' چوتھے یہ کہ یہ پانچ ہزار ملائکہ کی امداد کا وعدہ قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم سب تقویٰ و اخلاص کے ساتھ کبھی بھی جنگ کرو گے' تو تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کی جائے گی' یہی قول خواجہ حسن بصری کا ہے۔ (تفسیر خازن)۔

تفسیر : **بلی** دوسری زبانوں میں جواب دینے کا ایک ہی حرف ہوتا ہے' جیسے اردو میں ہاں' فارسی میں بلے' پنجابی میں آہو وغیرہ' مگر عربی میں آٹھ حرف ہیں **نعم' بلی' اجل' ای' جیر** وغیرہ' اور ان حروف کے استعمال کے موقع علیحدہ' چنانچہ **بلی** استفہام انکار کے بعد منفی کے اقرار کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے' اور **نعم** سے نفی کا ہی اقرار ہوتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارا رب نہیں' تو سب روحوں نے کہا **بلی** یعنی ہاں' تو ہمارا رب ہے' اگر **نعم** کہہ دیتے تو معنی ہوتے' ہاں تو ہمارا رب نہیں' یہاں بھی پہلے **الن یکفیکم** میں نفی کفایت کا سوال ہو چکا ہے' اب جواب آیا **بلی** تو معنی یہ ہوئے کہ ہاں ضرور یہ مدد تمہیں کافی ہے' یا تو یہ کلام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے' **تقول** کا مفعول جسے رب تعالیٰ نے نقل فرمایا' یا

رب تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں ارشاد ہوا' **ان تصبروا و تتقوا**' صبر کے معنی ہیں روکنا' اپنے کو اللہ کی اطاعت پر روکنا' نفس کو گناہوں سے روکنا' اور آفت و مصیبت میں دلوں کو گھبراہٹ و بے قراری سے روکنا' یہاں تیسرے معنی مراد ہیں' کیونکہ پہلے دو معنی تو **تتقوا** میں داخل ہیں' صبر کی تحقیق و تقسیم دوسرے پارے میں **استعینوا بالصبر والصلوٰۃ** کی تفسیر میں ہو چکی ہے' **تتقوا** کا مفعول پوشیدہ ہے' اگر مخالفت' نافرمانی' گناہ مفعول ہو' تو تقویٰ کے معنی ہوں گے بچنا' اور اگر اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنے ہوں گے ڈرنا' یعنی تم مصیبتوں میں صبر کئے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچتے ہو۔ خیال رہے کہ یہاں خطاب یا غازیان بدر سے ہے یا غازیان احد سے' یا سارے ان صحابہ سے جنہیں' غزوہ خندق پیش آنا تھا' یا تاقیامت سارے مسلمانوں سے' جیسا کہ ابھی نزول کے ماتحت عرض کیا گیا' پہلی تین صورتوں میں صبر و تقویٰ سے مراد ہو گا ان پر قائم رہنا جیسے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا النبی اتق اللہ** کیونکہ صحابہ خصوصاً" غازیان بدر و احد و احزاب اول درجہ کے صابر' متقی تھے جن کی تعریف خود قرآن کریم جگہ جگہ فرما رہا ہے' اگر وہ حضرات صابر و متقی نہ ہوں تو دنیا میں پھر کوئی صابر و متقی نہیں' ہم نے صبر و تقویٰ سیکھا ہی ان سے ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ تارے ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے' وہ حضرات ایمان' اعمال' صبر و شکر' تقویٰ سب میں ہی ہمارے لئے رہبر تارے ہیں' اور اگر ہم لوگوں سے خطاب ہو تو اس سے صبر و تقویٰ کرنا مراد ہے **و یاتوکم من فورھم ھذا**' **یاتوا** کا فاعل یا کرز ابن جابر کی وہ کمک کی فوج ہے جس کے آنے کا اندیشہ جنگ بدر میں تھا یا جنگ احد سے گئے ہوئے کفار ہیں یا جنگ احزاب میں آنے والے کافر یا قیامت تک کے وہ کفار جو مسلمانوں کے مقابلہ میں آئیں' اس لحاظ سے **کم** میں چار قسم کے مسلمانوں سے خطاب ہے **فور** کے لغوی معنی شدت و جوش ہیں' چنانچہ آگ کی بھڑک کو **فور** کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و ھی تفور** پانی کے جوش اور ابال کو بھی **فور** کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و فار التنور** پھر سخت غصہ کو **فور** کہنے لگے کہ اس وقت بھی نفس میں جوش ہوتا ہے' پھر جلدی کام کو **فی الفور یا فورا**" کہنے لگے کہ وہ بھی جوش میں کیا جاتا ہے' یہاں **فور** بمعنی جوش و غضب ہے یا بمعنی اسی وقت و فوراً" **ھذا** میں اسی جوش کی طرف اشارہ ہے' جس کا مظاہرہ کفار جنگ احد میں کر چکے تھے یا اس وقت کی طرف اشارہ ہے' جس کا مسلمانوں کو خطرہ تھا یعنی اگر کفار کی کمک یا جنگ احد سے گئے ہوئے کفار اسی وقت یا اسی جوش سے تم پر آ پڑیں یا اگر کفار احزاب میں یا تاقیامت اسی اعد والے جوش سے تم پر پڑیں تو **یمدد کم ربکم** تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا' مدد کے معنی اور اس کی صورتیں پہلے بیان ہو چکیں' **ربکم** فرمانے میں ایک عجیب نکتہ ہے' وہ یہ کہ جسمانی و ظاہری ربوبیت کا فیض تو سارے عالم کو مل رہا ہے کیونکہ وہ رب العالمین ہے' مگر باطنی و روحانی ربوبیت کا فیض صرف تم مسلمانوں کو حاصل ہے' رب کے معنی اور ربوبیت کی اقسام سورۂ فاتحہ کی تفسیر **رب العلمین** کے ماتحت بیان ہو چکے **بخمسۃ الاف من الملئکۃ مسومین**' **مسومین**' **سوم** سے بنا' **سوم** کے پانچ معنی ہیں' (1) جانور کو چرنے کے لئے چھوڑنا' اسی لئے جنگل میں چھوڑے ہوئے جانور کو **سائمۃ** کہتے ہیں۔ (2) طلب کرنا' (3) عذاب چکھانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یسومونکم سوء العذاب** ۔ (4) بیچنا' اسی لئے بھاؤ و نرخ کو **سوم** کہتے ہیں' (5) نشانی' علامت اسی سے ہے **سیما**' رب تعالیٰ فرماتے ہیں **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود** یہاں آخری معنی میں ہے' ہماری قرأت **مسومین** واؤ کے کسرہ سے ہے' یعنی وہ فرشتے اپنے پر یا اپنے گھوڑوں پر نشان لگائے ہوئے

ہوں گے ' چنانچہ جنگ بدر میں فرشتے سیاہ پگڑیوں میں اور جنگ احد میں سرخ پگڑیوں میں دیکھے گئے ' اور ان کے گھوڑے چتکبرے رنگ میں تھے (ابن ابی شیبہ وغیرہ عن علی رضی اللہ عنہ ، روح المعانی) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں ملائکہ کی پگڑیاں زرد تھیں (تفسیر کبیر) بعض قراتوں میں **مسومین** واؤ کے فتح سے ہے یعنی یہ امدادی فرشتے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام فرشتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں کہ ان پر افضلیت کے نشان لگا دیئے گئے ہیں جیسے بہترین گھوڑوں پر خصوصی شاہی نشان ہوتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ کی چار تفسیریں ہیں جیسا کہ شان نزول کے ماتحت عرض کیا گیا ہم یہاں ایک اجمالی تفسیر عرض کرتے ہیں ' ہاں تمہیں فرشتوں کی مدد ضرور کافی ہو گی اے جماعت صحابہ اگر تم اسی طرح صابر و پرہیزگار رہے ' اور اگر تم نے ایسے ہی صبر و تقویٰ کے مظاہرے کئے جیسے بدر و احد میں کئے ہیں اور اگر کفار کی کمک یا کفار اسی جوش کے ساتھ تم پر آ پڑیں جس جوش سے وہ جنگ احد میں یا بدر میں آئے تھے یا تم پر اسی وقت ٹوٹ پڑیں ' تو تمہارا رب تم سے وعدہ فرماتا ہے کہ تمہاری امداد ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو بارگاہ الہٰی میں دوسرے فرشتوں سے اعلیٰ ان سے افضل اور نشان یافتہ ہیں یا اے مسلمانو! اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو ' اخلاص کے ساتھ جہاد کرو اور کفار تم پر اسی جوش سے ٹوٹ پڑیں جیسے صحابہ پر احد میں ٹوٹ پڑے تھے ' تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم پانچ ہزار نشان یافتہ فرشتوں کے ذریعہ تمہاری امداد کریں گے ' بشرطیکہ تم ان شرائط کو پورا پورا کرو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بدر و احد میں شرکت کرنے والے تمام صحابہ مہاجرین و انصار متقی ہیں ' ان کے صبر و تقویٰ کا قرآن کریم گواہ ہے ' کیونکہ ملائکہ کی امداد صبر و تقویٰ سے مشروط تھی اور رب تعالیٰ نے ان کی بذریعہ ملائکہ امداد کی کہ خود صحابہ کرام نے ان جنگوں میں فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ' پتہ لگا کہ وہ حضرات بھی صابر و متقی تھے ورنہ فرشتے نہ اترتے۔ **دوسرا فائدہ:** یہ امداد کرنے والے فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں کہ ان پر رب تعالیٰ نے خاص نشان لگا دیئے ہیں جن سے وہ دوسرے فرشتوں سے ممتاز معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ **مسومین** کی دوسری قرات سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اعلیٰ عبادت ہے کہ یہ خدام فرشتے دوسرے عابد فرشتوں سے افضل ہیں لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سارے مسلمانوں سے افضل کہ انہیں سرکار کی خدمت میسر ہوئی ' جب سرکار کی خدمت فرشتوں کو افضل کر دیتی ہے تو انسانوں کو افضل کیوں نہ کرے گی۔ **چوتھا فائدہ:** بلکہ جس کو صحابہ کرام کی خدمت نصیب ہو جائے وہ بھی بڑا خوش نصیب ہے ' بدر اور احد میں فرشتے در حقیقت صحابہ کرام ہی کی خدمت کرنے آئے تھے جنہیں رب تعالیٰ نے تمام فرشتوں سے افضل قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ:** جب صحابہ کرام کے خدام سب سے افضل ہیں تو ان کے دشمن سب سے بدتر بھی ہیں کہ جس کی نسبت بہت اونچا کرتی ہے اس کی عداوت بہت نیچا بھی کرتی ہے ' پہاڑ سے گرنے والے کی ہڈیاں بھی سلامت نہیں رہتیں۔ **چھٹا فائدہ:** مسلمانوں کو ہمیشہ اور خصوصاً جہادوں میں صبر و تقویٰ ضرور اختیار کرنا چاہئے ' اسی کی برکت سے ربانی نصرت و فتح اترتی ہے ' یہ جو مشہور ہے کہ فوجیوں پر نماز فرض نہیں کہ وہ مجاہد ہیں غلط ہے ' انہیں نماز وغیرہ کی زیادہ پابندی چاہئے کہ موت ہر وقت سامنے ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمان غازیوں پر انشاء اللہ

ہمیشہ ہی آسمانی امداد آتی رہے گی۔ جس کا اب بھی مشاہدہ ہو رہا ہے۔ فقیر سے جنگ کشمیر کے موقعہ پر بعض غازیوں نے غیبی امداد کے عجیب و غریب نظارے بیان کئے، مجھ سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم نے بارہ مولا کے محاذ پر ایک دفعہ گیارہ غازیوں نے بارہ ہزار کے جرار لشکر کو بھگا دیا اور بہت سوں کو قیدی بھی کر لیا۔ ان قیدیوں کا بیان تھا کہ ہم نے اس میدان میں ہزاروں فائروں کی آوازیں سنیں، اور بھی کئی عجیب کرشمے ان غازیوں نے ہم سے بیان کئے، بہرحال آیت بالکل حق ہے اور رب تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا، مسلمان جہاں بھی شکست کھاتے ہیں اپنی حرکتوں سے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نہ صابر تھے نہ متقی، ان کا صبر و تقویٰ مشکوک بلکہ معدوم ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو تو تمہاری مدد ہو گی نہ انہوں نے صبر و تقویٰ کیا نہ ان کی مدد ہوئی، اسی لئے جنگ احد میں شکست ہو گئی (روافض)۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی، الزامی جواب تو یہ ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نہ متقی ہوں نہ صابر کیونکہ یہاں **ان تصبروا و تتقوا** میں سب ہی سے خطاب ہے، اور بقول تمہارے جنگ احد میں سب ہی کو شکست ہوئی بلکہ حضرت علی مرتضیٰ اور خود حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو سخت زخم پہنچے۔ جواب تحقیقی: تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اگر یہاں تاقیامت مسلمانوں سے خطاب ہے تو آیت بالکل واضح ہے، اور اگر صحابہ کرام سے خطاب ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہو تو تمہاری مدد ہو گی، رب تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ و سلم سے فرمایا **یا یھا النبی اتق اللّٰہ** اے نبی پاک اللہ سے ڈرے جاؤ، نیز بیان قانون کے لئے معصوموں، محفوظوں سے اس قسم کے کلام فرما دیئے جاتے ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب آپ کی طرف اور دوسرے انبیاء کی طرف وحی کی گئی تھی **لئن اشرکت لیحبطن عملک** اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ضبط ہو جائیں گے، میثاق کے دن حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے فرمایا **فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون** اس کے بعد جو عہد سے پھرے گا وہ ظالم ہو گا، حالانکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پھرنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا، نیز اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں بھی صحابہ کی مدد فرشتوں کے ذریعہ فرمائی اور بعد کی دوسری جنگوں میں بھی، اسی لئے حضرات صحابہ کو احد میں شکست نہ ہوئی، نہ کوئی صحابی کفار کے ہاتھوں قید ہوا، نہ کفار مکہ نے کسی علاقہ پر قبضہ کیا، نہ انہوں نے مدینہ طیبہ کو تباہ کیا، وہ صرف مسلمانوں پر غفلت میں پیچھے سے حملہ کر کے بھاگ گئے، غزوۂ خندق وغیرہ میں رب تعالیٰ نے جیسی ان کی مدد فرمائی وہ سب کو معلوم ہے، ان واقعات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام صبر و تقویٰ پر قائم رہے اسی لئے رب ان کی مدد فرماتا رہا۔ دوسرا اعتراض: سورۂ انفال میں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائیں گے، یہاں سورۂ آل عمران میں پچھلی آیت میں فرمایا تین ہزار فرشتوں سے مدد کریں گے، اور اب فرما رہا ہے کہ پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کریں گے، آیات میں تعارض ہے؟ جواب: اس اعتراض کے جوابات تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ یا تو غزوۂ بدر میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی، احد میں تین ہزار سے، خندق میں پانچ ہزار سے، یہ تین امدادیں تین جنگوں میں ہیں اور اگر تینوں امدادیں جنگ بدر میں ہی ہوں تو اسی دن پہلے ہزار سے مدد فرمائی پھر تین ہزار سے، پھر پانچ ہزار سے، غرضیکہ تین امدادیں تین وقتوں میں ہیں۔ تیسرا اعتراض: **مسومین** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جنگوں میں امدادی فرشتوں کے خاص نشان تھے، جب وہ فرشتے اور ان کے نشانات لوگوں

کو نظر ہی نہ آئے تو ان نشانوں سے فائدہ کیا ہوا' نشان تو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے ہوتے ہیں! **جواب:** یہ نشان افضلیت و بہتری کی علامت تھی' کہ یہ فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل تھے' ان کے یہ نشانات فرشتوں کو نظر آتے تھے' انہیں کو دکھانے کے لئے تھے' بعض صحابہ نے بھی وہ فرشتے دیکھے ان کے نشانات بھی دیکھے۔ جیساکہ ابھی تفسیر میں گزر چکا' لہٰذا یہ نشانیاں عبث یا بیکار نہ تھیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار فرشتوں کی مدد تین شرطوں پر موقوف تھی' صبر' تقویٰ اور کفار کا جوش سے یا اسی دم آپڑنا تو کیا اگر کفار جوش سے یا اسی دم نہ آتے تو ان کی مدد بھی نہ ہوتی' یہ شرط خلاف عقل معلوم ہوتا ہے' جب ان کی مدد ہی کرنا تھی تو یہ بہرحال کرنا چاہئے کفار جوش سے آئیں یا ٹھنڈے ہو کر ابھی آئیں یا بعد میں (آریہ) **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اگر جنگ احد کے موقعہ پر یہ آیت آئی تب تو مطلب یہ ہے کہ اگر ابو سفیان مدینہ منورہ کو برباد مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے پھر واپس آئے تو اے زخمی مسلمانوں گھبراؤ مت ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری امداد کے لئے بھیجیں گے' اور اگر آئندہ جنگوں کے متعلق یہ وعدہ ہے' تو مطلب یہ ہے کہ اگر کفار احد جیسے جوش سے آپڑے تو پانچ ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد ہوگی' اگر ٹھنڈے ہو کر آئے تو کم فرشتوں سے امداد ہوگی' بہرحال یہ قید اس بھاری امداد کے لئے ہے نہ کہ مطلق مدد کے لئے' بھاری مصیبت میں بھاری مدد قرین قیاس ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بدن انسان گویا احد کا میدان ہے' نفس و شیطان و دنیاوی الجھاوے گویا لشکر کفار ہے' روح اور آخرت کے اعمال گویا لشکر مومنین ہے' ہمارا دل گویا احد پہاڑ ہے' جس کے اس جانب لشکر مومنین ہے اس طرف لشکر کفار' اس دل کے درے میں کفار کے گھس آنے کا خطرہ ہے' اگر ان مذکورہ کفار کا دل کے اس درہ پر دخل ہو گیا تو مومنین کے لشکر کو سخت خطرہ ہے' اس لئے اس دل کے درہ پر سخت مضبوط پہرہ لگانا ضروری ہے۔ دل کے درہ پر پہرہ اپنا محاسبہ ہے اور کبھی نفس سے غافل نہ ہونا اگر ہم نفس سے بے خبر نہ رہیں' اپنے اعمال کا حساب لیتے رہیں یہ درہ خالی نہ چھوڑیں' تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے ذریعے جو فرشتوں کی طرح محفوظ و مامون ہے ہماری مدد ضرور فرمائے گا' مرتے دم تک یہ جنگ جاری رہتی ہے اور ہر شخص کو اپنی آخری سانس تک اس درہ دل کی نگرانی رکھنا لازم ہے' یہ جنگ اس دن فتح ہوگی جس دن ہم خیریت سے ایمان لے کر یہاں سے نکل جائیں اور ہم کو خاتمہ بالخیر میسر ہو جائے' حدیث شریف میں ہے **الامر بالخواتیم** اعتبار خاتمہ کا ہے' امدادی فرشتوں کی طرح جو نیک بندے ہم گنہگاروں کی مدد کے لئے مقرر ہیں ان کی خاص نشانیاں رب تعالیٰ نے مقرر فرما دی ہیں **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دل کا یہ چور درہ' جس کی طرف سے کفار نفس کے گھس آنے کا خطرہ ہے' ہر وقت ہی خطرہ میں ہے مگر خوشی و غم کے وقت اس کا خطرہ بڑھ جاتا ہے' اس لئے ان اوقات میں اس درہ کی نگرانی سخت چاہئے۔

حکایت: حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تیلن نے پوچھا کہ حضرت آپ کی داڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دم؟ آپ نے فرمایا کہ مائی اگر مجھے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو جائے تو میری داڑھی تیرے بیل کی دم سے کہیں بہتر ہے' اور اگر خاتمہ بالخیر میسر نہ ہو تو تیرے بیل کی دم میری داڑھی سے افضل ہے کہ پھر دوزخ میرے لئے ہے اس کے لئے نہیں' وہ تو خاک کر دیا جائے گا (از شرح فقہ اکبر مصنفہ مولانا علی قاری) رب تعالیٰ خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ

اور نہیں بنایا اس کو اللہ نے مگر خوشی تمہارے واسطے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں دل تمہارے اس کی وجہ سے اور نہیں

اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لئے اور اسی لئے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے اور مدد نہیں

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ

ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو غالب حکمت والا ہے۔ تاکہ قطع کر دے اللہ ایک کنارہ ان کا جو کافر ہیں یا

مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے۔ اس لئے کہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ دے یا

یَكْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآىٕبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾

سرزنش فرمائے انہیں پس لوٹیں وہ نقصان والے ہو کر

انہیں ذلیل کر دے کہ نامراد پھر جائیں

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں رب تعالیٰ نے جنگ بدر و احد میں اپنی آسمانی مدد اور غیبی تائید کا ذکر فرمایا تھا اب اس آیت میں اس مدد و تائید کی حکمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ اس امداد میں یہ حکمتیں ہیں۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں ان فرشتوں کی تعداد کا ذکر تھا جو مسلمانوں کی امداد کے لئے آئے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ تعداد اس لئے رکھی گئی کہ ان کفار کا ہلاک کر دینا منظور نہ تھا ورنہ ایک فرشتہ ہی یہ کام کر سکتا تھا بلکہ اس کا مقصد تمہاری ہمت افزائی، عزت افزائی، تمہارے دلوں کو چین دینا مقصود تھا اس لئے فرشتوں کی اتنی بھاری جماعت بھیجی گئی۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے ان نازک موقعوں پر تمہاری امداد کے لئے فرشتے بھیجے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ فرشتے بذات خود تمہارے مددگار نہیں، مددگار تو تمہارے ہم ہیں، یہ فرشتے ہماری مدد کے مظہر ہیں، تمام عالم کے مددگاروں کا یہی حال ہے کہ حقیقی مددگار رب تعالیٰ ہوتا ہے باقی چیزیں مجازی ناصر اور رب تعالیٰ کی مدد کی مظہر۔ **چوتھا تعلق:** کچھ پہلے فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل و بھروسہ کرنا چاہئے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ جو چیز بھی مدد کرتی ہے وہ رب تعالیٰ کی مہربانی سے ہی کرتی ہے۔

گرچہ تیر از کماں ہے گذرد　　از کماں دار بیند اہل خرد

پانچواں تعلق: گزشتہ آیات سے معلوم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی لائق توکل ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ توکل کے معنی یہ نہیں کہ اسباب سے منہ موڑ لیا جائے ہم غنی ہیں، بے نیاز ہیں مگر اپنی امداد فرشتوں وغیرہ کے وسیلے سے بھیجتے ہیں، مددگار ہم ہوتے ہیں، وسیلہ فرشتے، تو تم محتاج ہو کر وسائل سے مستغنی کیسے ہو سکتے ہو؟ غرضیکہ پہلے توکل کا حکم دیا گیا اب توکل کے معنی سمجھائے گئے۔

تفسیر: **وما جعلہ اللہ** جعل کے معنی کرنا بھی ہیں اور بنانا بھی، پہلی صورت میں اس کا مفعول صرف ایک ہوتا ہے، دوسری

صورت میں یہ دو مفعول چاہتا ہے' ہ ضمیر کا مرجع وہ امداد یا فتح ہے جو پہلی آیت سے معلوم ہوئی ان یمدکم سے یا یمددکم سے' چونکہ فعل کے ضمن میں مصدر آجاتا ہے' اس لئے فعل کے بعد مصدر کی طرف ضمیر لوٹ سکتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے اعدلوا ھو اقرب للتقوی ھو ضمیر عدل کی طرف ہے جو اعدلوا امر کے ضمن میں مذکور ہوا' اور فرماتا ہے انہ لفسق ھو ضمیر اکل کی طرف راجع ہے جو لا تاکلوا کے ضمن میں آگیا' الا بشری لکم بشری بشارت سے بنا بمعنی ایسی خوشی جس کا اثر بشرہ یعنی ظاہری کھال پر نمودار ہو جائے کہ چہرہ کھل جائے' ایسی خوشخبری کو بھی بشارت کہتے ہیں جس سے انسان کا چہرہ چمک جائے' اگر جعل کے معنی تھے کرنا تو بشری جعل کا مفعول لہ ہے' اور اگر اس کے معنی تھے بنانا تو یہ بشری جعل کا مفعول دوم یعنی اس مدد کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بشارت ہی بنایا یا رب تعالیٰ نے یہ مدد تمہاری بشارت کے لئے کی کہ اس غیبی مدد سے تم کو اپنی آئندہ فتح کی امید غالب بلکہ یقین ہو جائے' لکم فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ مدد اور خوشخبری تم مسلمانوں کے لئے ہے' ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں' ان کے دل پر ایسی باتوں سے فکر و غم نہیں ہوتا' نیز فرشتے تمہاری مدد کے لئے آئے تھے کہ کمزور تم تھے' حضور اس سے غنی ہیں ان کی تائید روحانی ہمیشہ رہتی ہے۔ (روح المعانی) و لتطمئن قلوبکم بہ یہ جملہ بشری پر معطوف ہے' اگرچہ بشری مفرد ہے اور یہ جملہ مستقل اور مفرد کا مفرد پر اور جملہ کا جملہ پر عطف بہتر ہوتا ہے مگر چونکہ اس غیبی امداد کا اصل مقصود یہ اطمینان دل اور قلوب کا چین ہی ہے بشارت بھی اطمینان ہی کے لئے ہے' اسی لئے اطمینان کو مستقل جملہ سے اور لام تعلیلیہ کے ساتھ لایا گیا' بعض مفسرین نے فرمایا کہ واو عاطفہ نہیں بلکہ زائدہ ہے اور یہ جملہ بشری کی علت ہے' مطلب یہ ہے کہ مدد کو بشارت کے لئے اور بشارت کو اطمینان قلب کے لئے نازل فرمایا (تفسیر کبیر) کہ اس اطمینان کے ذریعہ تمہیں دشمن کی زیادتی' اپنی کمی و بے سروسامانی کا خیال تک نہ آنے پائے' اطمینان باب افعلال کا مصدر ہے جس کا مادہ طمن ہے بمعنی برابری' ہمواری اسی لئے ہموار میدان کو ارض مطمئنہ کہتے ہیں' اس سے مراد دل کا سکون و چین ہے جس سے دل ہموار ہے قلوبکم فرما کر بھی اسی جانب اشارہ ہے کہ اس امداد غیبی سے تمہارے دلوں کو چین و سکون و اطمینان میسر ہوگا' ہمارے محبوب کا دل تو پہلے ہی سے چین میں تھا' انہیں بے چینی تھی ہی نہیں' ان کی نگاہ کرم سے تو دوسرے بے چینوں کو چین نصیب ہوتا ہے اگر وہی بے چین ہو جائیں تو دوسرے بے چینوں کو چین و قرار کیسے میسر ہو وما النصر الا من عند اللہ النصر میں الف لام یا عہدی ہے اور اس سے جنگ بدر و احد کی نصرت و فتح مراد ہے یا استغراقی ہے اور اس سے تا قیامت فتح و نصرت مراد یعنی مذکورہ امداد یا تمام امدادیں الا سے حصر کا فائدہ ہوا' یہ حصر حقیقی امداد کے لحاظ سے ہے یعنی حقیقی مدد صرف رب تعالیٰ کی طرف سے ہے' یہ فرشتے بھی اسی کے حکم اسی کی دی ہوئی قوت سے ہے۔

گر تو کرم کرے تو زمانہ ہو مہرباں تیرا کرم نہ ہو تو کوئی مہرباں نہیں

العزیز الحکیم عزیز عزت سے بنا' حکیم حکمت سے' عزت کے معنی ہیں غلبہ' پیاری چیز کو اسی لئے عزیز کہتے ہیں کہ اس کی محبت دل پر غالب ہوتی ہے' نادر الوجود کو بھی عزیز کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی پیاری اور اس کی الفت دلوں پر غالب ہوتی ہے' حکمت کے معنی ہیں مضبوطی و پختگی' اسی سے ہے محکم' مصلحت کو بھی حکمت کہتے ہیں' کیونکہ مصلحت والا کام مضبوط ہوتا ہے اور لغو کام کمزور' حکیم وہ جس کا کام و کلام مصلحت آمیز ہو' یہاں یہ دو صفتیں بیان فرما کر بتایا گیا کہ احد کے اس واقعہ میں بھی ہماری حکمتیں' مصلحتیں اور راز ہیں یا ملائکہ کے بھیجنے اور تمہاری مدد کرنے میں صدہا راز ہیں لیقطع طرفا " ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ

و لقد نصرکم اللہ ببدر کے متعلق ہے اور اس میں فتح بدر کا مقصد بیان ہو رہا ہے محققین و مفسرین کا یہی قول ہے' بعض نے **ما جعلہ** کے متعلق کیا' بعض نے **یمددکم** کے اور بعض نے **لتطمئن** کے متعلق مان کر اس کا تعلق غزوہ احد سے قرار دیا مگر ان سب صورتوں میں بہت بعد ہے' **یقطع قطع** سے بنا' معنی کاٹنا مگر یہ ہلاک کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے' کیونکہ ہلاک شدہ چیز موجود چیز سے کٹ جاتی ہے' یہاں یہی معنی مراد ہیں' مفردات راغب میں ہے **لیقطع ای لیہلک** روح المعانی میں ہے **والقطع الاہلاک'** **طرف** کے معنی ہیں جانب و کنارہ' اس کا استعمال جسم و وقت اور اس کے ماسوئی بھی ہوتا ہے' بھی جماعت کے ایک حصہ کو بھی طرف کہتے ہیں (غیاث) یہاں طرف سے مراد سرداران قریش ہیں جو جنگ بدر میں مارے گئے' اساس میں ہے **اطراف العرب ای اشرافہا'** کیونکہ سردار عوام سے کنارے پر ہی رہتے ہیں' یعنی کنارہ پر رہنے والی سرداروں کی جماعت میں **من الذین کفروا** یہ "ثابتا" کے متعلق ہو کر **طرفا** "کی صفت ہے یا اس کا حال' اس سے کفار مکہ مراد ہیں یعنی جنگ بدر میں تمہیں فتح دینے کا ایک مقصد سرداران کفر کی ایک جماعت کا ہلاک کر دینا ہے۔ **او یکبتہم فینقلبوا خائبین' یکبت کبت** سے بنا جس کے معنی ہیں پچھاڑنا' رسوا کرنا' شکست دینا' ذلیل کرنا چنانچہ لسان العرب میں ہے **الکبت الصرف والاذلال** (کبیر و معانی وغیرہ) انقلاب کے معنی ہیں جدھر سے آیا تھا ادھر لوٹ جانا' خائبین **خیبۃ** سے بنا ظفر کا مقابل' خیبہ کے معنی ہیں محرومی' جو محرومی توقع کے بعد ہو وہ خیبہ ہے' اور مطلقاً" محرومی یاس" خیبہ کا مقابل ظفر ہے اور **یاس** مقابل **رجاء** چونکہ کفار بدر اپنی فتح کا یقین کر کے آئے تھے' حتی کہ بعد فتح جشن منانے کے لئے شراب اور رنڈیاں بھی ساتھ لائے تھے' مگر کھا گئے شکست' اس لئے ان کے لئے خائبین فرمانا بہت ہی موزوں ہے' یعنی اس فتح کا دوسرا مقصد بقیہ کفار کو ذلیل کر کے واپس لوٹا دینا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان دونوں آیتوں میں یا تو جنگ احد کا ہی ذکر ہے یا جنگ بدر کا یا پہلی آیت میں جنگ احد کا ذکر ہے اور دوسری میں جنگ بدر کا ہم تیسرے معنی کی بناء پر خلاصہ و تفسیر لکھ رہے ہیں' اے بدر و احد کے غازیو! جنگ احد میں فرشتوں کا تمہارے پاس آنا اور ان کا تمہاری امداد کرنا کفار کو ہلاک کرنے کے لئے نہ تھا ورنہ ایک فرشتہ ہی زمین کا طبقہ لوٹ سکتا ہے' ان کی جنگ احد میں شرکت اس لئے تھی کہ تمہیں خوشی نصیب ہو' اور تمہارے دلوں کو چین میسر ہو' چنانچہ اسی جنگ احد میں صحابہ کرام کو ایسا سکون نصیب ہوا کہ بعض حضرات کھڑے کھڑے اونگھ رہے تھے اور ظاہر ہے کہ اونگھ و نیند بے چینی میں نہیں آتی' خیال رکھنا کہ فتح و نصرت محض زیادتی تعداد و اسباب سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اللہ غالب ہے' اگر کمزور پر کرم فرمائے تو وہ غالب ہو جائے لہذا وہ اس پر قادر ہے کہ تمہیں جنگ احد کی تکالیف کا بدلہ دلا دے' اور وہ حکمت والا بھی ہے' جو کچھ احد میں پیش آیا' اس میں اس کی ہزاروں حکمتیں ہیں' اور اے مسلمانو جنگ بدر میں جو تمہیں شاندار فتح دی گئی' اس کا مقصد بھی کفار کو بالکل تباہ کرنا نہ تھا' بلکہ اس سے دو مقصد تھے' ایک تو سرداران کفر کو ہلاک کرنا' چنانچہ اس جنگ میں 70 کافر مارے گئے' جن میں 24 سردار تھے' اور ان 24 میں اٹھارہ روسائے عرب تھے' دوسرا باقی ماندہ کفار کو ذلیل کرنا' اور جو امیدیں باندھ کر وہ آئے تھے ان میں انہیں ناکام بنا کر واپس کر دینا' چنانچہ ان میں سے 70 گرفتار کئے گئے اور باقی بہت برے حال میں بھاگ گئے۔

فائدے: ان دو آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ والوں کا قرب اور رحمت کے فرشتوں کا نزول دل

اطمینان اور قلبی خوشی کا ذریعہ ہے کہ اس کی برکت سے قدرتی طور پر چین و سکون میسر ہوتا ہے جیسا کہ **الا بشری** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: جنگ احد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً "گھبراہٹ" بے چینی نہ ہوئی اور نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چین کے لئے فرشتے نازل ہوئے جیسا کہ **لکم** اور **قلوبکم** سے معلوم ہوا کہ اس میں رب تعالیٰ نے صحابہ کرام سے خطاب فرمایا نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے' ابھی ہم تفسیر میں بحوالہ روح المعانی عرض کر چکے۔ تیسرا فائدہ: عموماً" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے خطابات عامہ میں داخل نہیں ہوتے یہ بھی **قلوبکم** اور **لکم** سے ہی معلوم ہوا' اس کی تحقیق اسی تفسیر میں کچھ پہلے کی جا چکی ہے' اور ہم نے اپنی دیگر تصانیف میں بھی کر دی ہے۔ چوتھا فائدہ: بارگاہ الٰہی میں صحابہ کرام کی وہ شان ہے کہ انہیں مصیبتوں کے موقعہ پر خوش و مطمئن رکھنے کے لئے آسمان سے فرشتے اترتے ہیں جن کے خدام فرشتے ہوں وہ مخدوم حضرات کس شان کے مالک ہوں گے' اور جب ان مخدوم ملائکہ کی عظمت و قربت کا یہ حال ہے تو ان مخدوموں کے مخدوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و حرمت تو ہماری عقل و وہم سے وراء ہے۔ پانچواں فائدہ: اگرچہ فرشتے مدد کرتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **والملئکۃ بعد ذلک ظھیر**' مگر حقیقی مددگار رب تعالیٰ ہی ہے' جیسا کہ **الا من عند الله** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: جنگ احد میں مسلمانوں کا غلطی کر جانا اور بعد فتح تکلیف پا جانا رب تعالیٰ کی طرف سے تھا جس میں اس کی صدہا حکمتیں تھیں جیسا کہ **الحکیم** سے معلوم ہوا' ہمیں ان بزرگوں کی خطاؤں کو اپنی غلطیوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے' ہماری غلطیاں نفسانی و شیطانی بھی ہوتی ہیں' ان محبوبین و مقبولین کی غلطیاں رحمانی یعنی رب تعالیٰ کی طرف سے' تمام عالم کا ظہور آدم علیہ السلام کی ایک خطاء کی برکت سے ہوا۔ ساتواں فائدہ: صحابہ کرام کی فتح و نصرت ایک لحاظ سے کفار کے لئے رحمت تھی کہ وہ خارق العادت یہ فتح دیکھ کر یقین کر لیتے تھے کہ ان نورانی لوگوں کے ساتھ روحانی طاقت ضرور ہے' چنانچہ جنگ بدر کے حالات دیکھ کر ہی حضرت عباس و خالد ابن ولید بلکہ عکرمہ ابن ابی جہل کے دلوں میں اسلام کا وقار پیدا ہو گیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں یہ سب لوگ ایمان لے آئے' ان بزرگوں کے دلوں میں جنگ بدر میں ایمان کی جڑ قائم ہوئی اور مختلف اوقات میں اس میں پھل پھول لگے۔ آٹھواں فائدہ: جنگ بدر میں کفار کے تین گروہ ہو گئے تھے' ایک گروہ مارا گیا' دوسرا قید ہوا' تیسرا بست ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گیا' **لیقطع** الخ میں ان تینوں گروہوں کی جانب اشارہ ہے۔ نواں فائدہ: جنگ میں اپنی قوت و طاقت پر ناز کرنا' اترانا' رب تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنا طریقہ ء کفار ہے' اکثر اس کا انجام شکست ہوتی ہے جیسا کہ بدر کے کافروں کا حال ہوا' یہ فائدہ **خائبین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ **و لتطمئن** الخ **بشری** پر معطوف ہے حالانکہ نحوی قاعدے سے جملہ کا عطف مفرد پر ناجائز ہے' پھر یہ عطف جائز کیوں ہوا؟ جواب: تفسیر کبیر میں اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں' ایک یہ کہ یہ عطف ناجائز اس وقت ہوتا ہے جب فائدہ سے خالی ہو' مگر جب مفید ہو تو جائز ہے یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ جنگ احد میں فرشتوں کے نزول کی دو حکمتیں تھیں' ایک مسلمانوں کو بشارت' دوسرے ان کے دلوں کا اطمینان' مگر اطمینان کا مقصد اصلی تھا اور بشارت اس کے تابع' اس لئے بشارت کو مفرد فرمایا گیا اور اطمینان کو پورے جملہ سے' اور اس پر لام داخل فرما کر تاکہ اصلی اور عارضی میں فرق ہو جائے' جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا **لترکبوھا و زینۃ**" یعنی ہم نے گھوڑے' گدھے' خچر تمہاری سواری

اور زینت کے لئے پیدا فرمائے' چونکہ سواری اصل مقصود تھا' اسے جملہ سے بیان فرمایا' اور زینت کا مقصد عارضی تھا' اس کا ذکر مفرد سے ہوا' دیکھو یہاں زینت جو مفرد ہے لتر کبوا جملہ پر معطوف ہوا' دوسرے یہ کہ یہ واو عاطفہ ہے ہی نہیں بلکہ زائدہ ہے' اور و لتطمئن' بشری کی علت' خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کا اترنا بشارت کے لئے ہے' اور بشارت اطمینان قلب کے لئے۔ **دوسرا اعتراض:** جب غازیان احد و بدر نے فرشتوں کو دیکھا ہی نہیں' تو انہیں فرشتوں کی وجہ سے اطمینان قلبی کیسے نصیب ہوا؟ **جواب:** اس طرح کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول ملائکہ کی خبر دی' اور مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر اپنی آنکھوں سے زیادہ اعتماد ہے' آج بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں پر مسلمان جان سے کھیل جاتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** خدا کے سوا مددگار کوئی نہیں' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما النصر الا من عند اللہ** جو ولیوں' نبیوں کو مددگار مانے' وہ اس آیت کا منکر ہے۔ **جواب:** جی ہاں! جب ہی تو جنگ بدر میں امداد کے لئے فرشتے بھیجے گئے اور تبھی تو آپ حضرات مدرسوں کی امداد کے لئے مالداروں کو پکارتے ہو' جناب! حقیقی امداد تو صرف رب تعالیٰ کی ہے' مجازی بندوں کی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **والملئکۃ بعد ذلک ظھیر**۔ **چوتھا اعتراض:** کیا صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اطمینان قلبی نصیب نہ ہوا' جو ان کے اطمینان کے لئے فرشتے اتارے گئے' **جواب:** اطمینان کی بہت قسمیں ہیں' دیکھو ہم لوگوں کو کوئی اطمینان تو مال سے حاصل ہوتا ہے' اور کوئی اطمینان وطن پہنچ کر' اور کوئی اطمینان دوست و احباب سے مل کر' ان حضرات کو تلاوت قرآن شریف سے بھی اطمینان ہوتا تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے بھی' اور ملائکہ سے بھی' یہ سارے اطمینان مل کر **نور علی نور** ہو جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے' جسم اس دنیا کا دیس ہے' اور روح یہاں پردیسی' روح کا دیس عالم بالا ہے' ہر شخص کو اپنے وطن پہنچ کر بلکہ اپنے وطن کا ذکر سن کر اپنے وطن کے لوگوں کو دیکھ کر چین ہوتا ہے' پردیس میں بے قراری ہے' دیس میں قرار' کوئی دل روح کی منزل ہے اور کوئی نفس امارہ کی' جسم و نفس کی راحت دنیوی سامان ہیں' مگر روح کی راحت و چین اخروی سامان' جس دل پر روح کی جلوہ گری ہے' اس دل کو روحانیات سے چین ملتا ہے' اور جس دل پر نفس امارہ چھایا ہوا ہے' اس کے لئے دنیاوی مشاغل باعث راحت ہیں' چونکہ صحابہ کرام کے دلوں پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے روحانیت غالب تھی' بلکہ وہ حضرات سراپا روحانیت بن چکے تھے' اس لئے ان کا چین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت' اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ملائکہ کے نزول سے تھا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** کفار کے دلوں پر ان کے نفوس چھائے ہوئے تھے' اس لئے انہیں دنیا و دنیاوی سامان میں لذت آتی تھی' دنیا مثل دریا کے ہے اور مومن کا قلب کشتی' اگر کشتی دریا میں رہے تو پار لگ جائے گی لیکن اگر دریا کشتی میں آجائے تو غرق ہو جائے گی' مومن کا دل دنیا میں رہتا ہے' مگر اس کے دل میں دنیا نہیں رہتی' بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' طاعت کا جذبہ رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است

بدر کے میدان میں جسموں ہی کی جنگ نہ تھی' بلکہ روحانی و نفسانی دلوں کا بھی مقابلہ تھا' اللہ تعالیٰ نے روحانی دل والوں کے لئے

سامان فتح و نصرت اتارا' جس کے مقابلہ میں نفسانی دل والے شکست کھا گئے' یہ خیال نہ کرو کہ جنگ بدر و احد ایک مرتبہ ہی ہو چکیں بلکہ یہ معرکے ہوتے ہی رہتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ روحانی دلوں کی غیبی امداد فرماتا ہی رہتا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عقل اس جنگ کا ہتھیار ہے' اگر عقل نفس کے قبضہ میں آگئی تو اس کی امداد کرے گی' اگر روح کے قبضہ میں آگئی تو اس کی ممدو معاون ہوگی' ابو جہل کی عقل اس کے نفس کا ہتھیار تھی' اور صدیق اکبر کی عقل ان کے روح و دل کا اسلحہ بنی' اسلحہ جس کے قبضہ میں ہو' اسی کی مدد کرتا ہے' عقل کا بھی یہی حال ہے' اسی لئے عقل کو نفس کے تابع نہ کرو' عقل روحانی اللہ کی رحمت ہے' عقل نفسانی رب تعالیٰ کا عذاب۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ
نہیں ہے آپکو لائق اس کام میں سے کوئی چیز یا تو اللہ توبہ ڈالے ان پر یا عذاب دے انہیں کیونکہ وہ
یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ
ظالم ہیں اور اللہ کا ہی ہے وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے' بخشے گا جس مجرم کو
ظالم ہیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جسے
يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾
چاہے اور سزا دے گا جسے چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے
چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار بدر کے تین حصے ہو گئے' ایک وہ جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے' دوسرے وہ جنہیں مسلمانوں نے قید کر لیا' تیسرے وہ جو بھاگ گئے' اب اس تقسیم کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ جو کفر پر مرنے والے تھے اور ان کی پشت سے اب کوئی مومن پیدا ہونے والا نہ تھا' انہیں تو بدر میں قتل کرا دیا گیا' اور جنہیں خود مسلمان ہونا تھا یا ان سے مسلمان پیدا ہونے تھے انہیں قتل سے بچا لیا گیا۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ احد کا واقعہ ہونے میں بھی ہماری حکمت ہے' کیونکہ ہم عزیز و حکیم ہیں' ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا' اب اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** گذشتہ آیات میں جنگ بدر و احد کا ذکر کیا گیا' جن میں سے بدر میں کفار نے شکست فاش کھائی تھی' اور احد میں مسلمانوں نے تکلیف اٹھائی تھی' اب اس آیت میں رب تعالیٰ کی سلطنت قاہرہ کا ذکر ہے کہ ہم مالک حقیقی ہیں' جس کو چاہتے ہیں اونچا کرتے ہیں اور جسے چاہیں نیچا دکھاتے ہیں' ہم پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔

شان نزول: اس آیت کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ (1) ایک وہ جو مسلم و بخاری میں بروایت انس ابن مالک ہے' کہ جنگ احد میں عتبہ ابن ابی وقاص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم بھی پہنچایا اور اسی کے پتھر سے آپ کا دانت مبارک بھی شہید ہوا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے خون پونچھتے تھے اور سالم یعنی ابو حذیفہ کے غلام اور جناب علی مرتضیٰ خون دھوتے تھے' اسی حال میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگ دیا' حالانکہ نبی ان کے خیر خواہ ہیں بد خواہ نہیں' وہ تو انہیں دوزخ سے بچانے جنت میں لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (2) دوسرے یہ ہے کہ جنگ احد ختم ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کی لاش پر تشریف لائے' دیکھا کہ آپ کا مثلہ کیا گیا تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا' تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس کے بدلہ میں کفار کے تیس مقتولوں کا مثلہ کریں گے' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (3) تیسرے یہ کہ صفر ۴ھ کے درمیان بیر معونہ سے جو کہ مکہ معظمہ اور عسفان اور علاقہ ہذیل کے درمیان ہے کچھ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے کہ ہم لوگ مسلمان ہو چکے ہیں' ہمیں علم سکھانے کے لئے کچھ علماء دیئے جائیں' اس علاقہ میں رعل' ذکوان' عصیہ' بنی لیان قبیلے آباد تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر (70) قاری بھیج دیئے' جن کا امیر حضرت منذر ابن عمرو کو بنایا' جب یہ حضرات بیر معونہ پہنچے تو ان کو ان قبائل نے بد عہدی کی اور عامر ابن طفیل کی سرکردگی میں ان سب کو شہید کر دیا' صرف کعب ابن زید نجاری بچے وہ بھی آخری سانسوں میں' جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی' آپ کو سخت صدمہ ہوا' اور آپ نے ان قبیلوں پر ایک ماہ تک بددعا فرمائی' اس طرح کہ جماعت نماز فجر میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھا کر قنوت نازلہ پڑھتے تھے' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور قنوت نازلہ منسوخ فرمائی گئی۔ (بخاری و مسلم وغیرہ و تفسیر کبیر و خازن و بیضاوی و روح المعانی و تفسیر صاوی وغیرہم) مگر ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بیر معونہ کا واقعہ جنگ احد سے صرف چار ماہ بعد ہوا' ابھی جنگ احد کے زخم ہرے تھے کہ بیر معونہ والوں نے یہ چرکے اور لگا دیئے تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے کفار احد اور قبائل بیر معونہ سب پر ہی بددعا فرمائی' کفار احد پر احد کے واقعات کی بناء پر اور ان قبیلوں پر بیر معونہ کے واقعات کی وجہ سے' غرضیکہ یہ تمام واقعات ہی اس آیت کے نزول کا باعث ہیں۔

تفسیر: لیس لک من الامر شیء' لیس فعل ناقصہ ہے شی اس کا اسم موخر لک خبر مقدم ہے۔ من الامر شیء کا حال مقدم' اصل عبارت یوں تھی لیس شیء لک من الامر۔ الامر میں الف لام عہدی ہے جس سے یا تو مذکورہ بالا چیزوں کی طرف اشارہ ہے' بعض کفار بدر کا قتل ہونا' بعض کفار کا قید ہونا اور بعض کا بھاگ جانا یا آئندہ دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے' یعنی کفار کو توبہ کی توفیق ملنا' یا ان پر عذاب آنا' یا اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس روز تک پڑھی یعنی قنوت نازلہ' اگر الامر سے وہ بددعائیں مراد ہیں تو لک یا تو مناسبا " محذوف کے متعلق ہے یا لائقا " وغیرہ کے اور اگر پہلی دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے تو لک ملکا " کے متعلق ہوگا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان بددعاؤں میں سے کوئی چیز آپ کی شان کے لائق نہیں' کیونکہ آپ رحمت عالمین ہیں' یا ان عمل گذاشتہ واقعات پر اتنا رنج و غم کرنا آپ کی شان استقامت کے لائق نہیں' آپ کا دل تو پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے' یا ان کفار بدر کا ہلاک ہونا' قید ہونا'

بھاگ جانا' یا ان کفار کو آئندہ توبہ کی توفیق مل جانا' یا ان کا کفر پر رہنا اور اس کے باعث دنیا و آخرت میں عذاب پانا آپ کے ملک و قبضہ میں نہیں' یہ تو ہمارے قبضہ کی چیزیں ہیں' اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ اس چوتھے معنی کی طرف مشیر ہے (از تفسیر کبیر و بیضاوی و مدارک وغیرہ) **او یتوب علیھم او یعذبھم** اس جملہ کی ترکیب میں بہت اضطراب ہے اور مفسرین کے اس میں بہت سے قول ہیں' تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ دونوں **او** حرف عطف ہیں اور یہ **الامر** پر معطوف ہیں' اور دونوں **او** کے بعد **ان** پوشیدہ ہے' جس کی وجہ سے **یتوب** توبہ کے معنی میں ہو گیا' اور **یعذب** عذاب کے معنی میں' اور آیت کے معنی یوں ہوئے' کہ اے محبوب ان کفار کے گذشتہ معاملات یا ان کی آئندہ توبہ یا عذاب میں سے کوئی چیز آپ کی ملکیت میں نہیں' تفسیر کبیر و معانی و خازن اور بیضاوی وغیرہ نے فرمایا کہ پہلا **او**' **الی ان** یا **الا ان** کے معنی میں ہے' اور دوسرا **او** عاطفہ' اور یہ جملہ **لیس** کی انتہاء ہے' یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کی توبہ یا عذاب تک آپ ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں' اگر انہیں توبہ کی توفیق مل جائے تو آپ شکریہ ادا کریں' اور اگر یہ عذاب پا جائیں تو آپ ان کی تکلیف سے چھوٹ جائیں' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں **او** عاطفہ ہیں' اور یہ جملہ **لیقطع طرفا**" پر معطوف ہے اور **لیس** سے **شیء** تک کا جملہ معترضہ ہے' یعنی بدر کا یہ واقعہ اس لئے ہوا تاکہ کفار کا ایک حصہ کٹ جائے یا توبہ کرے یا عذاب پائے (کبیر وغیرہ) بہر حال آیت کی ترکیب پیچیدہ ہے' اور ہو سکتا ہے کہ پہلا **او** زائدہ ہو' اور دوسرا عاطفہ' جیسا کہ **اما** عاطفہ میں ہوتا ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی جانب اشارہ کر رہا ہے **فانھم ظلمون** یہ جملہ **یعذبھم** کی علت ہے' ظالم بمعنی کافر و مشرک ہے یعنی انہیں توبہ کی توفیق ملے گی' تو اس۔ لئے کہ ہم **تواب و رحیم** ہیں' اور اگر عذاب دیں تو اس لئے' کہ یہ کفار ظالم ہیں **و للہ ما فی السموات وما فی الارض** یہ جملہ گذشتہ جملہ کی دلیل ہے' لام ملکیت کا ہے اور **ما** سے مراد آسمانی و زمینی ساری مخلوق ہے عاقل ہو یا غیر عاقل' چونکہ غیر عاقل مخلوق کے اقسام زیادہ ہیں' اور عاقل مخلوق کے اقسام تھوڑے' اس لئے یہاں **ما** فرمایا گیا' اگرچہ آسمان و زمین کے علاوہ عالم انوار' عالم امر وغیرہ میں بھی مخلوق ہے' مگر چونکہ ہمارے سامنے آسمان و زمین ہی ہیں' اس لئے انہی کا ذکر فرمایا گیا' ہوا' فضا اور پانی میں رہنے والی مخلوق بھی زمینی مخلوق ہی ہے' یعنی ہم توبہ کی توفیق اور عذاب دینے پر قادر ہیں' کیونکہ ہم ہر چیز کے مستقل مالک ہیں ہمارے فیصلہ میں کسی کو دخل نہیں **یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء**' **یغفر** کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے' مغفرت و عذاب کے اقسام بھی ذکر کئے جا چکے ہیں دونوں جگہ **من** سے مراد مجرمین و گنہگار ہیں' کیونکہ بخشش بھی گناہوں کی ہوتی ہے' اور عذاب بھی گناہوں پر' بخشش کے معنی کیا ہیں؟ گناہ معاف کر دینا' عذاب کے معنی کیا ہیں؟ گناہوں پر سزا دینا' لہٰذا یہ دونوں کام بغیر گناہ ہو سکتے ہی نہیں' یعنی اللہ پاک جس مجرم کو چاہے گا بخشے گا' اور جس مجرم کو چاہے گا دنیا یا آخرت میں دونوں جگہ سزا دے گا' خیال رہے کہ اس آیت مغفرت سے وہ لوگ علیحدہ ہیں جو کفر پر مر گئے' کافر کی بخشش نہیں ہو سکتی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے **واللہ غفور رحیم** رب تعالیٰ کی صفت بخشنا بھی ہے اور عذاب دینا بھی' بخشش اس کی رحمت کا ظہور ہے اور عذاب اس کے غضب کی جلوہ گری' مگر اس کی رحمت غضب پر غالب ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے توبہ کا ذکر پہلے فرمایا' عذاب کا بعد میں اور مغفرت کا ذکر پہلے کیا' عذاب کا بعد میں' اور آیت کو صرف رحم و کرم پر ختم فرمایا' نہ کہ قہر و غضب پر' اس لئے فرمایا کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم احد کے ظالم کافروں کے لئے بددعا کرنا یا ایک مثلہ کے عوض تمیں مقتول کفار کا مثلہ کرنا یا بیر معونہ کے غدار کافروں کے لئے فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کی شکل میں بددعا فرمانا وغیرہ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کی شان رحیمی کے لائق نہیں' ان معاملات کو آپ رب تعالیٰ پر چھوڑ دیں کہ رب تعالیٰ انہیں یا تو توبہ کی توفیق دے جس سے وہ مسلمان ہو کر آپ کے قدموں میں آگریں اور آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہو جائیں' یا پھر انہیں عذاب دے کہ وہ ظالم تو ہیں ہی۔

دوسری تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار بدر کے تین حصے کرنا کہ بعض مقتول ہو گئے' بعض گرفتار اور بعض فرار' ان میں سے کوئی چیز آپ کے بس کی نہیں' یہ تو رب تعالیٰ ہی کے قبضہ کی بات ہے' ان بھاگے ہوؤں اور قیدیوں کو رب تعالیٰ ہی یا توبہ کی توفیق دے گا یا عذاب' اگر تمہارے قبضہ میں یہ بات ہوتی تو تم سب کو مسلمان ہی کر لیتے' ہم رحمت جو ہوئے' ہمیں جبار بھی ہوں' غفار بھی' اگر میں انہیں توبہ کی توفیق دوں تو یہ میری غفاری ہے' اور اگر انہیں عذاب دوں تو میری جباری ہے۔

تیسری تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو توبہ کی توفیق دینا ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کی ملک نہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے' آپ تو ہادی و راہبر ہیں۔

چوتھی تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب تک کہ ہم ان کفار کو توبہ کی توفیق یا عذاب نہ دیں تب تک آپ کو ان میں سے کسی چیز میں کچھ رائے قائم کرنا مناسب نہیں' آپ آئندہ کا انتظار فرمائیں' کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ آپ ان کے متعلق بددعا کریں' اور ہم قبول نہ فرمائیں' آپ کی زبان خالی جانا ہمیں پسند نہیں' آپ ان کا معاملہ رب تعالیٰ پر چھوڑ دیں' اگر ہم توبہ کی توفیق دیں تو ہم غفور رحیم ہیں' یا انہیں عذاب دیں تو وہ اسی کے مستحق ہیں کہ وہ ظالم ہیں یعنی مشرک و کافر ہیں اور ستمگار و غدار بھی خیال رکھئے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ کی مخلوق' اللہ کی مملوک اور اسی کے قبضہ میں ہیں' کوئی شے اس کے احاطہ قدرت سے خارج نہیں' وہ مالک و مختار ہے' جس کافر کو چاہے توبہ کی توفیق دے کر بخش دے اور جس کو چاہے کفر پر مار کر دائمی عذاب دے یا جس گنہگار کو چاہے معافی دیدے اور جس مجرم کو چاہے سزا دیدے' اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے مگر اس کی رحمت غضب پر غالب ہے' کہ وہ بخشنے والا غفور بھی ہے اور مہربان رحیم بھی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تمام جہان سے علاوہ نرالی ہے' بہت سی باتیں دوسروں کے لئے مناسب ہیں' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے غیر مناسب' جیسا کہ لیس لک کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا' دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی تباہی کی بددعا فرمائی' رب تعالیٰ نے حرف بحرف قبول فرمائی' انہیں بددعا سے روکا نہیں' حتی کہ آپ نے عرض کیا' مولا فرعونیوں کا دل سخت کر دے کہ ان میں ایمان داخل ہی نہ ہو سکے' اور یہ بھی عرض کیا کہ وہ عذاب دیکھ کر ایمان لائیں اور وہ قبول نہ ہو' میں دیکھوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوں اور عذاب آ رہا ہو' فرماتے ہیں فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم خیال تو کرو کیسی خطرناک بددعا ہے' مگر رب تعالیٰ نے قبول فرمائی' ہو بہو اور سو بہو ایسا ہی ہوا کہ وہ چیخ چیخ کر ایمان لاتا اور روتا رہا' اور آپ اور سارے بنی اسرائیل دیکھتے رہے' مگر اپنے

حبیب کو ہلاکت جان کی بددعا سے بھی سمجھا کر روک دیا گیا کہ اے حبیب! وہ جلال والے تھے 'تم جمال والے' وہ کلیم تھے 'تم رؤف و رحیم ہو' اور رحمتہ للعالمین ہو غرضیکہ یہ آیت کریمہ اعلیٰ درجہ کی نعت ہے' دیکھو ہم لوگوں کو شادی بیاہ میں نیوتے دیئے پھر ان سے زیادہ وصول کرنے کی اجازت ہے مگر اپنے پیارے محبوب کو اس کی بھی اجازت نہیں 'کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **ولا تمنن تستکثر** اے محبوب کسی سے زیادہ وصول کرنے کے لئے اس پر احسان نہ کرو تم دینے کے لئے ہو 'مخلوق لینے کے لئے

وہی رب نے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

دوسرا فائدہ: عذاب و توبہ کا حقیقی اختیار رب تعالیٰ ہی کو ہے 'حضرات انبیائے کرام مصلحین و راہنما ہیں 'جیسا کہ **لیس لک** الخ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انک لا تھدی من احببت** اور دوسری جگہ فرماتا ہے **انک لتھدی الی صراط مستقیم** وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حقیقیہ کی نفی ہے 'اور یہاں آپ کے لئے ہدایت مجازی یعنی راہبری کا ثبوت' وہ آیت اس کی تفسیر ہے۔ تیسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مقبول بارگاہ الٰہی ہیں' آپ سیف زبان ہیں 'کہ جو دعا قابل قبول نہ ہو اس سے آپ کو روک دیا جاتا ہے 'دعا سے روکنا اور ہے اور دعا کا رد کرنا کچھ اور' دعا سے روکنے میں محبوبیت کا اظہار ہے جیسا کہ **لیس لک** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: نیک روحیں دنیا میں آنے سے پہلے بھی فیض پہنچاتی ہیں' دیکھو مومن روحوں کی برکت سے وہ کافر عذاب سے بچ گئے جن کی پشت میں یہ روحیں تھیں' کفار بدر جو وہاں سے بچے' وہ بعد میں یا خود مسلمان ہو گئے یا ان سے مسلمان اولاد پیدا ہوئی جیسا کہ **یتوب علیھم** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: کافر بحالت جنگ مسلمانوں پر کتنے ہی ظلم کرلیں 'مگر اسلام لانے سے سب معاف ہو جاتے ہیں یہ بھی **یتوب علیھم** سے معلوم ہوا' دیکھو ہندہ' وحشی وغیرہم نے جنگ احد میں مسلمانوں پر کیسے ظلم ڈھائے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی ایذائیں پہنچائیں 'مگر جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا' سب کچھ معاف کر دیا گیا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا من تاب و امن و عمل صالحا** " وہ آیت اس **یتوب علیھم** کی تفسیر ہے۔ چھٹا فائدہ: رب تعالیٰ کے سوا کوئی ایک ذرہ کا بھی دائمی و حقیقی مالک نہیں' جیسا کہ للہ کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا' جس کو جو ملکیت ملی وہ عارضی ملی اور رب تعالیٰ کی عطاء سے۔ ساتواں فائدہ: رب تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر اور اس کی بخشش اس کے عذاب پر غالب ہے' دیکھو ان آیات میں توبہ کا ذکر پہلے ہے عذاب کا بعد میں' ایسے ہی مغفرت کا ذکر پہلے ہوا اور سزا کا بعد میں" آیت کے خاتمہ پر اس کی مغفرت و رحمت کا ہی ذکر ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں' آپ ہماری ہی طرح بندۂ مجبور ہیں' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیس لک من الامر شیء** آپ کو کسی معاملے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں' جو انہیں مختار مانے' وہ اس آیت کا منکر ہے نیز نبی مقبول الدعاء بھی نہیں ہوتے' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ بھر تک بیر معونہ والوں کے لئے بددعا کی' کچھ بھی نہ ہوا؟! (بعض گستاخ) نوٹ: تفسیر صاوی شریف نے اس آیت کے ماتحت فرمایا کہ جو شخص **لیس لک** الخ کی بناء پر یہ کہے کہ نبی عام لوگوں کی طرح ہیں ان سے کچھ نفع نقصان نہیں پہنچتا' وہ کسی چیز کے مالک و

مختار نہیں **فھو کافر خاسر فی الدنیا والاخرۃ و استدلالہ بھذہ الایۃ ضلال مبین** وہ کافر ہے' دنیا و آخرت میں ٹوٹے میں ہے اور اس کا اس آیت کو بطور دلیل پیش کرنا کھلی گمراہی ہے۔ (تفسیر صاوی) جواب: اس آیت کے وہ معنی نہیں جو معترض نے کئے' یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے اور اس معنی سے یہ آیت بہت آیتوں کے خلاف ہو جائے گی' آیات قرآنیہ' انبیائے کرام کے اختیارات خداداد' ان کی سیف زبانی و ملکیت کی اعلان فرما رہی ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے (1) **انا اعطینک الکوثر** ہم نے آپ کو کوثر بخشا' حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ کوثر کے معنی ہیں خیر کثیر' جس میں حوض کوثر بھی داخل ہیں (بخاری شریف) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ (2) **و سخرنا لہ الریح تجری بامرہ** ہم نے ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی' اور فرماتا ہے (3) **والشیطن کل بناء و غواص و اخرین مقرنین فی الاصفاد** یعنی ہم نے تمام جنات کو ان کے قبضہ میں دیدیا جو بڑے مستری غوطہ خور تھے اور آپ نے قید کر دیئے تھے' اور فرماتا ہے (4) **اغنھم اللہ و رسولہ من فضلہ**۔ (5) **ما اتھم اللہ و رسولہ** اور فرماتا ہے (6) **و کان فضل اللہ علیک عظیما**" اور فرماتا ہے (7) **و لسوف یعطیک ربک فترضی** ان آیات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غنی فرما دینے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا بڑا فضل ہونے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رب تعالیٰ کی بیشمار عطاؤں کا ذکر ہے' ان کی سیف زبانی بھی قرآن کریم نے جگہ جگہ بیان فرمائی' یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا **قضی الامر الذی فیہ تستفتین** اے خواب بیان کرنے والے قیدیو! جو میرے منہ سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا' یعنی ایک کی پھانسی' ایک کی بحالی' موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے کہ آپ نے سامری سے ناراض ہو کر فرمایا (9) **اذھب فان لک فی الحیوۃ ان تقول لا مساس** جا تو زندگی بھر لوگوں سے کہتا پھرے گا کہ مجھے مت چھو یعنی تیرا جسم ہو بیمار یا گیا کہ جو تجھے ہاتھ لگائے وہ بھی بیمار تو بھی' بہرحال ان حضرات کے خداداد اختیارات و سیف زبانی پر بے شمار آیات قرآنیہ شاہد ہیں' دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ۔ اگر اس آیت کریمہ کے وہ معنی ہوتے جو تم کہتے ہو' تو آیت یوں ہوتی **لیس فی یدک من الامر شیء** اس آیت کریمہ کے وہی معانی ہیں جو تفسیر میں عرض کئے گئے کہ **الامر** میں الف لام عہدی ہے' اور **لیس لک** میں مطلق ملکیت کی نفی نہیں' بلکہ موافق شان ہونے کی نفی ہے' یعنی یہ باتیں آپ کی شان کے لائق نہیں' یا توبہ و عذاب آپ کی مخلوق و ذاتی مملوک نہیں وغیرہ لہذا یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے ثبوت کے لئے ہے نہ کہ نفی اختیارات کے لئے' اس جگہ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفع و نقصان کے خلق و ایجاد کے مالک نہیں' شفاعت و رہبری کے لحاظ سے آپ نفع کے بھی مالک ہیں اور نقصان کے بھی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے والوں پر کوئی عذاب نہیں آتا اور نہ آپ کی دعا یا بددعا میں کوئی تاثیر ہے' دیکھو ہندہ اور وحشی نے جنگ احد میں' اور بیر معونہ والوں نے اس واقعہ بیر معونہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا مگر ان کا کچھ نہ بگڑا' بیر معونہ کے لئے بددعا بھی کی مگر آپ کو بددعا سے روک گیا' وہ سب مزے میں رہے۔ جواب: بالکل غلط' یہ عقیدہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے حدیث شریف کے بھی' رب تعالیٰ ایذا دینے والوں کے بارے میں فرماتا ہے **والذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم** جو رسول اللہ کو ایذا دیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے' اور فرماتا ہے **لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم** اے نبی کا مذاق اڑانے والے منافقو! بہانے نہ بناؤ' تم اظہار ایمان کے بعد کافر ہو چکے' اور فرماتا ہے **ان**

تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون اے مسلمانو! اگر تم نے ہمارے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کیں 'یا انہیں معمولی القاب سے پکارا جس سے انہیں تکلیف پہنچی تو تمہاری ساری نیکیاں ضبط ہو جائیں گی اور تمہیں خبر بھی نہ ہو گی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ سرکار نے تبدیلی قبلہ کی دعا نہ کی تھی 'صرف آرزو فرماتے ہوئے آسمان کی طرف نگاہ کی تھی قبلہ تبدیل کر دیا گیا' فرمایا گیا **فلنولینک قبلۃ ترضھا** ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ابھی پھیرے دیتے ہیں جو آپ کو پسند ہے' دوران خطبہ میں بارش کی دعا فرمائی 'ابھی خطبہ ختم نہ ہوا تھا کہ بارش سے مسجد ٹپکنے لگی 'اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں' یہاں تو واقعہ ہی کچھ اور تھا' مرضی الٰہی یہ تھی کہ ان میں سے اکثر لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر آپ کے قدموں میں گریں 'اور بعض کی اولاد آپ پر ایمان لائے 'اس لئے اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا روا نہ فرمائی 'بلکہ انہیں بددعا کرنے سے روک دیا گیا' جیسے ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے لئے دعائے نجات کرنا چاہی 'تو ان سے فرمایا گیا **یا ابرھیم اعرض عن ھذا انہ قد جاء امر ربک و انہم اتیھم عذاب غیر مردود** اے ابراہیم یہ دعا نہ کرو اب ان پر عذاب ہی آئے گا۔

حکایت: ایک گستاخ نے کہا کہ تم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مال و اولاد مانگتے ہو 'اگر ان سے کچھ ملتا ہو تا تو حضرت عائشہ صدیقہ کو ضرور بیٹا ملتا (نعوذ باللہ) میں نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو جنت بھی دے دیتے ہیں۔ حضرت ربیعہ نے کہا تھا **اسئلک مرافقتک فی الجنۃ** یا رسول اللہ میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں 'کیا مال و اولاد جنت سے بڑھ کے ہے؟ عائشہ صدیقہ یا خود سرکار نے بیٹے کی دعا کب مانگی؟ جن نبیوں نے بیٹے کی دعائیں مانگیں انہیں فوراً" بیٹے کی بشارت اور بعد میں فرزند دیا گیا اگرچہ وہ حضرات اس وقت بوڑھے تھے اور ان کی بیویاں بوڑھی بھی 'اور بانجھ بھی' دیکھو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اور بی بی سارہ نے تو اسحاق علیہ الصلوۃ والسلام کی خوشخبری پا کر حیرت سے کہا تھا کہ کیا میں بوڑھی اور بانجھ بچہ جنوں گی 'قرآن کریم فرماتا ہے **و انا عجوز عقیم** تعجب ہے کہ حضرت طلحہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سو اولادیں ملیں یعنی اولاد اور اولاد اور اولاد 'اور بی بی عائشہ صدیقہ کو ایک بیٹا بھی نہ ملے 'یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخش دے اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو 'اور جسے چاہے عذاب دے اگرچہ نبی ہی کیوں نہ ہو 'لٰہذا مسئلہ امکان کذب ثابت ہو گیا۔ **جواب:** مسئلہ امکان کذب کی مکمل بحث ہم پہلے پارے میں **ان اللہ علی کل شیء قدیر** کی تفسیر میں کر چکے 'اس سوال کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں گنہگار مسلمانوں کا ذکر ہے 'کیونکہ معافی اور سزا گناہ کی ہوتی ہے 'اس آیت کو نہ حضرات انبیاء سے کوئی تعلق ہے 'نہ کفار سے کوئی واسطہ 'ورنہ یہ آیت تمہارے بھی خلاف ہے 'کیونکہ تم بھی کذب کا امکان مانتے ہو نہ کہ وقوع 'اور یہاں وقوع کا ذکر ہے کہ رب تعالیٰ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ **چوتھا اعتراض:** مسلمانوں کے خدا کے راج میں بڑی اندھیر نگری ہے کہ جسے چاہے عذاب دیدیا جائے اگرچہ اس نے کوئی پاپ نہ کیا ہو 'اور جسے چاہے جنت دیدی جائے اگرچہ وہ مہاپاپی ہو 'ایسا اندھیر مچانے والا خدا انہیں ہو سکتا' ہمارا پرماتما انصاف والا ہے کہ اچھوں کو جزا اور بروں کو سزا ضرور دیتا ہے (آریہ از ستیارتھ پرکاش) **جواب:** ہم اس کا تحقیقی و تفصیلی جواب سورہ بقر کے آخر میں دے چکے ہیں کہ یہاں گنہگاروں کا تذکرہ ہے کیونکہ معافی و سزا کا ذکر ہو رہا ہے 'معافی بھی گناہ کی ہوتی ہے اور سزا بھی بھولے نا سمجھ پنڈت نے مغفرت اور عذاب کے معنی

ہی نہ سمجھے۔ **پانچواں اعتراض:** بتاؤ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا قنوت نازلہ پڑھنا اور کفار کو بددعائیں دینا غلط تھا یا صحیح اگر صحیح تھا تو رب تعالیٰ نے اس سے روکا کیوں' اور اگر غلط تھا تو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے کیا کیوں؟ آپ کا تو ہر قول وحی الٰہی سے ہے اور ہر عمل رب تعالیٰ کی طرف سے' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم تو معصوم ہیں۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا وہ عمل بھی درست تھا اور یہ بھی' مگر وہ اچھا تھا' یہ بہت اچھا' رب تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب تم بہت ہی اچھے رسول ہو' اس لئے بہت ہی اچھا عمل کرو' یہ ایسا ہی ہے جیسے رب تعالیٰ نے صحابہ کرام سے فرمایا **و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصبرين** اے مسلمانو! اگر تم کفار سے بدلہ لو تو برابر لینا' زیادہ نہ لینا' اور اگر تم صبر کرو' تو یہ اور بھی اچھا ہے۔ **نوٹ:** یہ سوال جواب تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے نقل فرمایا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو غیب کا علم نہیں دیا گیا' اگر علم غیب ہوتا تو آپ بیر معونہ والوں کی منافقت کو جان لیتے' اور ان کے ساتھ قاری صحابہ کی اتنی جماعت کو نہ بھیجتے' اور وہ حضرات اس طرح شہید نہ ہوتے۔ **جواب:** ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں اس کے تین جواب دیئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو علم تھا کہ ان حضرات کی شہادت کا وقت آچکا ہے' آپ راضی برضائے الٰہی تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے تو بدر میں مرنے والے کافروں کی موت کی جگہ اور وقت ایک دن پہلے ہی بتادیا تھا' اس کے اور بھی بہت جواب ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہم بذات خود بے قدرے اور بے قیمتے ہیں' ہم وہ کھوٹا مال ہیں جسے کوئی نہ لے' لیکن اگر رب تعالیٰ فضل کر دے تو ہماری قدر بھی ہے اور قیمت بھی' وہ قدر ہماری نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے فضل کی ہے' نوٹ کا کاغذ قیمتی نہیں' اس کی سرکاری مہر قیمتی ہے' یہی حال ہماری ذات' ہمارے مال اور ہمارے سارے اعمال کا ہے' حضرت سید بھیک صاحب فرماتے ہیں۔

سائیں اکھاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام ۔۔۔ ذرا سی جھاتی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

سائیں تیری روٹھ سے میرا آدر کرے نہ کوئے ۔۔۔ در در کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

اس آیت کریمہ میں **یتوب** اور **یغفر** میں رب تعالیٰ نے اپنے اس فضل کا ذکر فرمایا' جس سے ہماری قدر و قیمت ہو جاتی ہے' اور **یعذب** میں اپنے اس عدل کا ذکر فرمایا جس سے ہماری اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے' اسی لئے فرمایا **فانهم ظلمون** ایک مخلص دعا کرتا تھا کہ مولیٰ ببول کے درخت میں آم یا پھول نہیں لگ سکتے اور درخت آم کانٹوں سے پاک ہے' مولیٰ میں ظالم و جاہل تو غفور و رحیم' مجھ درخت خار دار میں بار و بر کہاں سے آئیں' جس لائق ہم ہیں وہ ہم نے کرلیا' جو تیری شان کے لائق ہے وہ تو کر' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ما خطا آریم تو بخشش کنی ۔۔۔ نعرۂ انی غفور ے زنی

مولیٰ ہمارا حساب نہ لے' ہمارے جرم و گناہ بے حساب ہیں تو بے حساب ہی بخشش کردے' کریم کے دروازہ پر جب بھکاری آتا ہے تو وہ بھکاری کو نہیں دیکھتے اپنے دروازہ کو دیکھتے ہیں' اور اپنی شان کے لائق دیتے ہیں' حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں بیمار دل کی پانچ دوائیں ہیں' سمجھ کر قرآن شریف پڑھنا' قدرے پیٹ خالی رکھنا' آخر رات میں عبادت کرنا' صبح کے وقت رب تعالیٰ سے معافی مانگنا' اچھوں کی صحبت میں بیٹھنا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی صفائی اور دماغ کی مالش' اللہ کے ذکر' تلاوت قرآن' کثرت درود شریف سے ہے' اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ کھاؤ تم سود بڑھند در بڑھند اور ڈرو اللہ سے

اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

شاید تم کامیاب ہو اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی واسطے کافروں کے

اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کر رکھی ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی وہ مال کی بے جا محبت کی وجہ سے پہنچی کہ غنیمت لینے کے لئے درہ چھوڑ بیٹھے' اب سود کی ممانعت فرمائی جارہی ہے کہ یہ بھی مال کی ناجائز محبت کی وجہ سے وصول کیا جاتا ہے اور یہ بھی ایسا ہی نقصان دہ ہے جیسا جہاد میں بے موقعہ غنیمت کے پیچھے پڑنا اور اپنے مورچہ چھوڑنا۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں بدر و احد جیسے عظیم الشان غزووں کا ذکر ہوا' اب حرمت سود کا تذکرہ ہے' کیونکہ اکثر قومیں سود کے بل بوتے پر جنگیں کرتی ہیں' کہ سودی روپے سے سامان جنگ خریدتی ہیں' اور فوجوں کو تنخواہیں وغیرہ دیتی ہیں' مسلمان کو اس سے منع کیا گیا کہ تم ان پاک لڑائیوں کے لئے ناپاک کمائی مت حاصل کرنا' سورۂ بقر میں جنگ جہاد کے تذکرہ میں شراب جوئے سے منع کیا گیا تھا' اسی طرح اب جنگ ہی کے تذکرہ کے ضمن میں سود سے منع کیا گیا۔ **تیسرا تعلق:** جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے کفار مکہ نے سود سے روپیہ کمایا اور اسے جنگ احد پر خرچ کیا' اندیشہ تھا کہ مسلمان بھی جنگ احد کا بدلہ لینے کے لئے سود کی طرف مائل ہو جاتے اور سودی روپے سے آئندہ جنگیں کرتے' اس لئے رب العالمین نے جنگ احد کے ذکر کے بعد سود سے ممانعت فرمائی۔ **چوتھا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں جنگوں کا ذکر تھا اور جنگ اگر ضرورت ہو تو مفید ہے بلا ضرورت ہو تو مضر' بلا ضرورت جنگوں کا باعث اکثر سود ہوتا ہے کہ جب کسی قوم کے پاس سودی سرمایہ بہت بڑھ جاتا ہے تو آخر کار وہ قوم یہ روپیہ یا لڑنے پر خرچ کرتی ہے یا لڑانے پر' ان غیر ضروری جنگوں کو روکنے کے لئے رب تعالیٰ نے حرمت سود کا ذکر یہاں فرمایا' گویا ضروری جنگوں کا ذکر فرمانے کے بعد غیر ضروری جنگوں کے اسباب سے روکا گیا تاکہ پتہ لگے کہ مسلمان کی جنگ بجائے قوم یا قیام امن کے لئے انسانی ہمدردی کے ماتحت ہوتی ہے نہ کہ عالم میں فساد برپا کرنے کے لئے۔ شعر۔

جنگ شاہاں فتنہ و غارت گری است　　جنگ مومن سنت پیغمبری است

شان نزول: کفار عرب کا دستور تھا کہ جب ان کے قرض کی مدت پوری ہوتی' اور وہ مقروض سے تقاضا کرتے' اور مقروض ادا پر قادر نہ ہوتا اور معذرت کرتا' تو اس سے کہتے کہ تو قرض بڑھادے' ہم ادا کی مدت بڑھا دیتے ہیں' چنانچہ مقروض اپنے پر دوگنا قرض مان لیتا' تو یہ اسے دوگنی مہلت دے دیتے' بارہا ایسا ہی ہوتا' وصول ہونے تک قرض کئی گنا ہو جاتا' اور یہ ظالم اس بیچارے مقروض سے ایک ایک کے پچاس بلکہ سو سو وصول کرتے' اس ظلم کو روکنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر

صاوی' کبیر' خازن' مدارک' بیضاوی وغیرہا)۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** چونکہ مال سے انسان کو فطری طور پر محبت ہے اور عرب میں صدیوں سے سود کا رواج تھا گویا
سود ان کی گھٹی میں پڑا تھا اس بنا پر ایک دم سود کا بند کرنا آسان نہ تھا اس لئے رب العالمین نے پہلے مومنوں کو پیارے خطاب
سے پکارا' پھر یہ سخت حکم سنایا' تاکہ اس خطاب کی برکت سے وہ خلاف نفس امر آسان ہو جائے' کڑوی دوائیں شکر میں لپیٹ کر
کھلائی جاتی ہیں اور آپریشن سے پہلے ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے' ایسے ہی سخت احکام پیارے خطاب کے ساتھ سنائے جاتے ہیں' تفسیر
تنویر المقباس میں ہے کہ یہاں خطاب قبیلہ بنی ثقیف کے مالداروں سے ہے' جو اسلام سے پہلے سودی کاروبار بہت کرتے تھے
لا تاکلوا الربوا کے معنی اور اس کے اقسام و احکام ہم اسی تفسیر کے تیسرے پارے میں **الذین یاکلون الربوا** کی
تفسیر میں نہایت تفصیل سے عرض کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرماؤ' یہاں اتنا سمجھ لو کہ سود دو قسم کا ہے' ایک زیادتی کا' دوسرے
ادھار کا' زیادتی کے سود میں دو طرفہ مال کا جنس و وزن میں ایک ہونا ضروری ہے' مگر ادھار کے سود میں ان دونوں میں سے ایک
میں اتحاد کافی ہے' یہاں دونوں قسم کے سودوں کو حرام فرمایا جا رہا ہے اور **اکل** یعنی کھانے سے مراد لینا ہے' چونکہ سود لینے کا
مقصد اس کا کھانا ہوتا ہے' نیز اہل عرب عموماً" دانہ وغیرہ میں سود لیا کرتے تھے اور یہ کھانے کی چیز ہے اس لئے یہاں کھانے کا ذکر
فرمایا گیا **اضعافا" مضعفة"** یہ دونوں ربوا کے حال ہیں **اضعاف' ضعف** کی جمع ہے' بمعنی مثل جس کے ساتھ مل کر
چیز دو گنی ہو جائے' ایک مثل کو ضعف کہتے ہیں' دو کو ضعفین' اور بہت سی مثلوں کو اضعاف (روح المعانی) چونکہ اضعاف جمع
قلت تھی جو نو تک بولی جا سکتی تھی' اور مقصود تھا بہت زیادتیوں کا بیان کرنا اس لئے ساتھ میں **مضاعفة** بھی فرمایا گیا'
مضاعفة اسم مفعول ہے نہ کہ مصدر اور **اضعافا"** کی صفت ہے' دونوں مل کر ربوا کا حال' خیال رہے کہ یہ
اضعافا" بیان حالت کے لئے ہے نہ کہ حقیقت کے لئے' یعنی یہ مطلب نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا سود کھا لیا کرو **اضعافا"
مضعفة"** یعنی زیادات مکررہ تگنا چوگنا نہ کھایا کرو کہ یہ منشائے کلام کے خلاف ہے' چونکہ جن کے متعلق یہ آیت کریمہ
اتری ہے' ان کا عمل ہی یہ تھا کہ ایک ایک کے پچاس پچاس بلکہ سو سو لے لیتے تھے' اس حالت کے بیان کے لئے یہ فرمایا گیا'
چنانچہ حرمت سود کی دوسری آیات میں قید نہیں' رب تعالیٰ نے فرمایا **الذین یاکلون الربوا لا یقومون** الخ اور فرمایا **و
حرم الربوا** الخ اور فرمایا **یمحق اللہ الربوا** اور فرمایا **و ذروا ما بقی من الربوا** ان تمام آیتوں میں نہ دو گنے تگنے
کی قید ہے' نہ سوائے ڈیوڑھے کی' معلوم ہوا کہ سود کا ایک پیسہ بھی ایسا ہی حرام ہے جیسے اس کے لاکھ روپے **واتقوا اللہ**
اگرچہ ہر گناہ سے بچنا تقویٰ ہے لیکن یہاں خصوصیت سے سود سے بچنا مراد ہے اور عموماً" دوسرے گناہوں سے بچنا یعنی اللہ سے
ڈرو کہ سارے گناہوں خصوصاً" سود لینے سے بچو (روح البیان و معانی) **لعلکم تفلحون لعل** بمعنی کے ہے یا بمعنی امید
تفلحون' فلاح سے بنا بمعنی کامیابی **فلاح** کی تحقیق و بیان اقسام پہلے پارہ میں زیر آیت **اولئک ھم المفلحون** ہو چکا
یعنی اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو' یا اس امید پر کہ تمہیں کامیابی ملے **واتقوا النار التی اعدت للکفرین** پہلے کہا جا چکا
ہے کہ اگر تقویٰ کے بعد اللہ کا ذکر ہو تو بمعنی ڈرنا ہوتا ہے' اور اگر آگ کا ذکر ہو تو بمعنی بچنا' لہذا یہاں بمعنی بچنا ہے' آگ سے
مراد مطلقاً دوزخ ہے' خواہ وہاں کا گرم طبقہ ہو یا ٹھنڈا' آگ سے بچنے سے مراد ان اعمال سے بچنا ہے جو جہنم میں جانے کا ذریعہ

ہیں یعنی سارے گناہ خصوصاً سود خواری' **اعدت** ' **اعداد** سے بنا بمعنی تیاری' **کافرین** سے مراد سارے غیر مومن ہیں یعنی آگ کے اس طبقہ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کیا گیا ہے' یا مطلقاً آگ سے بچو کہ ہم نے آگ بنائی تو کافروں کے لئے ہے' اب جو ان کی سی حرکتیں کرے گا اسے بھی وہاں جانا پڑے گا۔

خلاصہ تفسیر: گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ جس گنہگار کو چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا' اس آیت کریمہ میں اس کی بخشش حاصل کرنے اور عذاب سے بچنے کی تدبیر بتائی جا رہی ہے یعنی گناہوں خصوصاً سود خواری سے بچنا کہ ارشاد فرمایا گیا اے ایمان والو! اندھا دھند' دوگنا دون سود خواری سے بچو' اپنے مال کے ذریعہ غریبوں کا خون نہ چوسو' خیال رکھو کہ تمہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں' رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے' اور وہاں اپنی کرنی بھرنی ہے' لہٰذا اللہ سے ڈرو تاکہ کامیابی پاؤ' محض مالداری کامیابی نہیں' ورنہ قارون و فرعون بڑے کامیاب ہوتے' کامیاب وہ ہے جو اپنے رب کو راضی کرے' دوزخ کی آگ سے بچو جو تیار تو کی گئی ہے کافروں کے لئے' مگر جو مسلمان سود کی حرمت کا انکار کر کے کافر ہو جائے' وہ بھی اس میں ہمیشہ رہے گا اور جو سود خواری وغیرہ کی حرکتیں کرے وہ بھی اس میں جائے گا' اگرچہ عارضی ہی طور پر ہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سود کا لین دین مسلمانوں کے لئے حرام ہے' جیسا کہ **امنوا** سے معلوم ہوا' اگر کفار آپس میں یہ لین دین کریں تو کریں' ہاں اسلامی حکومت میں کفار کو مسلمانوں سے سود لینے کی اجازت نہ ہوگی' اور نہ مسلمانوں کو اجازت ہوگی کہ ان کے سودی لین دین میں ان کا ہاتھ بٹائیں' نہ اس میں ان کے گواہ کاتب وغیرہ بنیں بلکہ اسلامی حکام ان کے سودی مقدمات طے بھی نہ کریں گے کہ یہ بھی سود میں امداد ہے۔ **دوسرا فائدہ:** گنہگار کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا' جب تک عقیدہ میں فساد نہ ہو' دیکھو یہاں سود خواروں کو **الذین امنوا** کے خطاب سے پکارا گیا' آج سود خوار مسلمان بھی اس آیت میں داخل ہوں گے اور اسی آیت کا نہیں وعظ سنایا جائے گا۔ **تیسرا فائدہ:** سود لینا سود دینے سے زیادہ خطرناک ہے' کہ رب تعالیٰ نے ہر جگہ سود لینے کی ممانعت پر زور دیا ہے اور انہی سود خواروں کو اعلان جنگ بھی دیا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اگرچہ سودی پیسہ کا استعمال مطلقاً حرام ہے' مگر اس کا کھانا بہت برا' کہ حرام غذا سے جو خون و گوشت بنے گا' وہ بہت ہی برا ہوگا' بری خصلتیں' برے خیالات' بری عادات اکثر بری غذا سے پیدا ہوتی ہیں' خراب پٹرول موٹر کی مشین کو خراب کر دیتا ہے' حرام غذا کا خون انسانی مشین کو خراب کر دے گا' یہ فائدہ **لا تاکلوا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سود کا پیسہ حرام' اور اس پیسہ سے جو چیز خریدی جائے' اس کا استعمال حرام' خود سود خوار کو بھی اور دوسروں کو بھی' جیسا کہ **لا تاکلوا** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** سود کھانا گناہ کبیرہ ہے' اس میں خطرہ ہے کہ سود خوار جہنم کے تحت طبقہ میں جو کافروں کے واسطے ہے جائے' جیسا کہ **اعدت للکافرین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرمت سود کی آیتوں میں یہ آیت سخت خوفناک ہے' کہ اس میں ڈرایا گیا ہے' کہ سود خوار کہیں کافر ہو کر نہ مرے اور کہیں کافروں والی آگ میں نہ جائے (روح المعانی و خازن وغیرہ) **ساتواں فائدہ:** دوزخ میں عذاب آگ کا ہی ہوگا خواہ ٹھنڈا عذاب ہو یا گرم' آگ کے قرب سے گرم عذاب ہوگا اور آگ کی دوری سے ٹھنڈا' جیسا کہ **واتقوا النار** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** دوزخ اور وہاں کی آگ و عذاب سب پیدا ہو چکے ہیں' جیسا کہ **اعدت** ماضی سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:**

تقویٰ بذات خود کامیابی نہیں' بلکہ حصول کامیابی کا ذریعہ ہے' جیسا کہ **لعلکم تفلحون** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: کوئی شخص اپنی نیکیوں پر نازاں نہ ہو' بلکہ قبولیت کی امید رکھے' اور مردودیت سے ڈرتا رہے' یہ بھی لعل سے معلوم ہوا۔ عمل کی قبولیت کامیابی ہے۔ گیارھواں فائدہ: ایمان امید و خوف کے درمیان ہے' بے ڈر اور مایوس مومن نہیں' جیسا کہ **تفلحون** اور **اتقوا النار** کے یکجا بیان کرنے سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دگنا' چوگنا سود کھانا حرام ہے' سوایا ڈیوڑھا جائز' کیونکہ **"اضعافا مضاعفة"** یہاں ربوٰ کا حال ہے' اور حال قید ہوتا ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ قید کبھی اتفاقی ہوتی ہے' کبھی احترازی' کبھی بیان واقعہ کے لئے' یہاں بیان واقعہ کے لئے قید ہے نہ کہ احترازی۔ دوسرا اعتراض: کلام الٰہی میں لعل نہ آنا چاہئے' کیونکہ لعل امید کے لئے ہوتا ہے اور امید بے علمی سے ہوتی ہے' علم سے تو یقین ہوتا ہے' امید کیسی؟ جواب: یہ لعل بندوں کے لحاظ سے ہے' یعنی تم تقویٰ اور نیک اعمال کامیابی کے یقین پر نہ کرو' بلکہ امید فلاح پر کرو۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومن کتنا ہی بڑا گنہگار ہو' دوزخ میں کبھی نہ جائے گا' ایمان کے ہوتے گناہ مضر نہیں' کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا **اعدت للکفرین** آگ کافروں کے لئے بنی۔

نوٹ: مسلمانوں میں ایک فرقہ مرجیہ بھی ہے' جس کا عقیدہ ہے کہ مسلمان کچھ بھی کرے جنتی ہے' ان کی دلیل یہ آیت ہے' آج کل کے بھنگی چرسی' دہ شاہی' نوشاہی فقیروں کا بھی قریباً" یہی عقیدہ ہے' جو نماز روزہ کے قریب نہ جائیں' نشہ میں مست رہیں اور اپنے کو جنت کا ٹھیکیدار جانیں' جن کا نعرہ یہ ہوتا ہے "گھٹے بھنگ" "تو چڑھے رنگ" "یا علی مدد" "پنجتن پاک کی بچے" یہ مردود ترین فرقہ ہے۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ جو سود کو حلال جانے' وہ کافر ہو گا' پھر آگ کے اس طبقہ میں جائے گا جو کافروں کے لئے تیار کیا گیا ہے' آگ کے بہت طبقے ہیں' جن میں سے بعض طبقے منافقوں کے لئے ہیں بعض کھلے کافروں کے لئے' بعض گنہگار مسلمان کے لئے' رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ **ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار** دوسرے یہ کہ دوزخ بنی کافروں کے لئے ہی ہے' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' جو مسلمان ان کی سی حرکتیں کرے' وہ بھی کچھ روز کے لئے وہاں جائے گا' جیل چوروں کے لئے ہے' مگر چوروں کے مددگار بھی جیل کے مستحق ہیں' تیسرے یہ کہ واقعی آگ ہے کفار کے لئے' مگر ان کے لئے منحصر نہیں' جائیں گے اس میں اور لوگ بھی' جیسے جنت بنی تو متقیوں کے لئے' مگر مسلمان بچے اور دیوانے بھی وہاں جائیں گے' کسی کے لئے ہونا اور چیز ہے اور کسی کے ساتھ خاص ہونا کچھ اور' چوتھے یہ کہ دوزخ کافروں کا ٹھکانہ ہے' گنہگار مسلمانوں کی منزل' لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ دوزخ کافروں کے لئے بنائی گئی' اگر ہمارے گھر میں ایک دو دن کے لئے کوئی مہمان ٹھہر جائے' تو وہ گھر مہمان کا نہ ہو گا بلکہ ہمارا ہی ہے اور ہمارے لئے ہی بنا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فکبکبوا فیھا ھم والغاون**' وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ظاہری جسم پر صدہا بیماریاں آتی ہیں' بعض معمولی' بعض تکلیف دہ' بعض مہلک' ایسے ہی نفس کی بیماریاں بہت ہیں' جن میں سے خطرناک بیماری دنیا کی محبت اور مال کی ہوس ہے' جوا' سود بلکہ آخر میں قتل و خون کے نتیجے اسی کے ہیں' صوفیاء تو فرماتے ہیں کہ ایک حرص سود کی رغبت دیتی ہے اور دوسری قسم کی حرص سود سے پیدا ہوتی ہے' وہ حرص

اضعافا" مضاعفته" ہو کر دوحتی ہی چلی جاتی ہے' وہ قبر میں پہنچ کر ہی ختم ہوتی ہے' اسی کی جانب اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر انسان۔ کے پاس سونے کا جنگل ہو تو دوسرے جنگل کی بھی تلاش کرے گا انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پرکند یا خاک گور

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

قناعت کن اے نفس بداند کے کہ سلطان و درویش بینی یکے

اس کا علاج قناعت و ایثار ہے' ہوس سے بھوک بڑھتی ہے گھٹتی نہیں' قناعت و توکل سے پیٹ بھرتا ہے' زیادتی کچھ اور ہے برکت کچھ اور' زیادتی کی کوشش نہ کرو' برکت کی کوشش کرو حضرت سید بھیک صاحب فرماتے ہیں۔

عیکا بھوکا کوئی نہیں ہے سب کی گٹھڑی لال گرہ کھول نہیں جانتے تم ہوئے کنگال

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادتی گناہوں کی وجہ سے کبھی مرتے وقت ایمان سلب ہو جاتا ہے خصوصاً ظلم کہ یہ اکثر ایمان سلب کروتا ہے۔

لطیفہ: کسی نے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سید دوزخ میں جائیں گے یا نہیں؟ فرمایا رب تعالیٰ تو نہیں چاہتا کہ یہ دوزخ میں جائیں اگر خود چھلانگ لگادیں تو ان کی مرضی' رب تعالیٰ نہیں چاہتا کہ مسلمان دوزخ میں جائیں' اس نے دوزخ کافروں کے لئے بنائی ہے' اگر یہ خود کافروں کے سے کام کرکے دوزخ میں جائیں تو ان کی خوشی۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى

اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تاکہ تم رحم کئے جاؤ اور جلدی کرو طرف

اور اللہ اور رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کئے جاؤ اور دوڑو اپنے رب

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ

بخشش کے اپنے رب کی طرف سے اور طرف جنت کے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین میں تیار کی گئی واسطے

بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان و زمین آجائیں پرہیزگاروں کیلئے

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

پرہیزگاروں کے

تیار کر رکھی ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بدکاروں کو دوزخ سے ڈرایا گیا تھا' اب اس آیت میں نیک کاروں کو جنت کا وعدہ دیا جا رہا ہے' تاکہ مسلمان بدکاری سے پرہیز کریں' اور نیک کاری اختیار کریں' قرآن کریم کا اکثر طریقہ یہی ہے کہ وعدہ کو وعید کے ساتھ' تقویٰ کو فسق کے ساتھ بیان فرماتا ہے' یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو' تقویٰ حاصل کرو' اب تقویٰ کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ رسول کی اطاعت کرو' گویا تقویٰ کا اجمالی حکم دے کر اب اس کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو سود سے منع فرمایا گیا' یہ ممانعت نفس امارہ پر بھاری و گراں تھی' اب ارشاد ہو کہ نفس کے مقابلہ میں اللہ رسول کی اطاعت کرو کہ تمہیں اس میں فائدہ ہے' گویا نفس امارہ کی اطاعت سے روک کر اللہ رسول کی اطاعت پر لگایا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو غزوہ احد کی تکالیف کی وجہ بتائی گئی یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم عالی پر عمل نہ کرنا اور حکم آنے بغیر درہ احد خالی چھوڑ دینا کہ یہی معمولی سی مخالفت بڑی بڑی تکالیف و نقصانات کا باعث بنی' اب بطور نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اس واقعہ احد سے عبرت پکڑو اور آئندہ زندگی میں اللہ رسول کی اطاعت کو لازم سمجھو۔

شان نزول: عبد ابن حمید وغیرہ محدثین نے حضرت عطاء ابن ابی رباح سے روایت کی کہ ایک بار صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی شریف میں عرض کیا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے تھے' کہ جب ان میں سے کوئی رات میں گناہ کر لیتا' تو سویرے ہی اس کا کفارہ ادا ہو جاتا' کہ رب تعالیٰ اس کے دروازے پر اس کا گناہ تحریر فرما دیتا' جس سے وہ گنہگار بدنام ہو کر آئندہ کے لئے تائب اور گذشتہ پر نادم ہو جاتا تھا' ہماری پردہ پوشی تو فرمائی مگر اس سے کفارہ گناہ تو ادا نہ ہوا' اس پر یہ آیات نازل ہوئیں' جن میں اللہ رسول کی اطاعت اور نیک اعمال میں سبقت کا حکم دیا گیا' فرمایا گیا کہ یہی تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے (روح المعانی)۔

تفسیر: و اطیعوا اللہ والرسول واؤ اگر ابتدائیہ ہے' تو یہ جملہ مستقل ہے' اور اگر عاطفہ ہے' تو یہ جملہ پہلے جملہ **واتقوا اللہ** پر معطوف' **اطیعوا** اطاعت کا امر ہے' اطاعت طوع سے بنا' بمعنی خوشی اور رغبت' رغبت و خوشی سے کسی کا حکم ماننا اطاعت کہلاتا ہے' اب مطلقاً" حکم ماننے کو اطاعت کہا جاتا ہے' خوشی سے ہو یا ناخوشی سے' مگر یہاں بخوشی فرمانبرداری مراد ہے' کہ رحم و کرم اسی فرمانبرداری سے ہوتا ہے' ناخوشی کی اطاعت تو منافقین بھی کر لیتے تھے' مگر وہ رحمت کے مستحق نہ ہوئے' چونکہ اللہ کا درجہ رسول سے بڑا ہے' نیز اسی کا احسان بندوں پر زیادہ' اس لئے اللہ کو مقدم فرمایا گیا' یا تو اللہ کی اطاعت سے مراد قرآنی احکام کی پابندی ہے اور رسول کی اطاعت سے مراد احادیث شریف پر عمل' یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی در حقیقت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے' کیونکہ ہم کو رب تعالیٰ نے کوئی حکم بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ نہ دیا' جو کچھ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت فرمایا۔ خیال رہے کہ **الرسول** میں الف لام عہدی ہے' اور اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' کیونکہ پچھلے رسولوں پر ہمارا ایمان تو ہے کہ وہ سب حضرات برحق ہیں' مگر ان میں سے کسی کی اطاعت ہم پر فرض نہیں' صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایسی ہی فرض ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی' اس لئے دونوں ذاتوں کے لئے ایک ہی **اطیعوا** ارشاد ہوا' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے ان رسول کی

اطاعت یکساں کرو' ماں باپ' سلطان' حکام کی اطاعت بھی چاہئے مگر وہ اطاعتیں دین کا رکن نہیں' کہ ان کا انکار کفر ہو' مگر جیسے رب تعالیٰ کی اطاعت سے انکار کفر ہے' ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی و انکار کفر' اسی لئے اطاعت ایک اور مطاع دو بیان ہوئے' یہ بھی خیال رہے کہ اطاعت تو اللہ تعالیٰ کی بھی ہو گی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی' اور اولو الامر علماء و سلاطین کی بھی' رب تعالیٰ کا ارشاد ہے **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**' مگر اتباع صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہو گی' نہ اللہ تعالیٰ کی اتباع ہو گی' نہ ماں باپ کی' نہ سلطان کی' نہ پیر و استاد کی' اطاعت کے معنی ہیں فرمان ماننا' اتباع کے معنی ہیں کسی کے قدم بہ قدم چلنا' یعنی اندھا دھند اسی کی تقلید کرنا جو اسے کرتے دیکھا خود کرنے لگے' اسی لئے اتباع کے موقعہ پر صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی** اتباع کی نفیس تحقیق اسی **قل ان کنتم** الخ کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔ **لعلکم ترحمون** یہاں بھی لعل میں دو احتمال ہیں' تاکہ شاید کہ رب کے لحاظ سے تاکہ کے معنی میں ہے' اور ہمارے لحاظ سے شاید کہ معنی میں' یعنی اللہ رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحمت ہو' ہمارے ہاں رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ از روئے قانون اطاعت ہے' یا اللہ رسول کی تابعداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم کیا جائے' یعنی اطاعت کرو اور رب سے ڈرو' اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو' رحمت کا ذکر فرما کر اشارہ اس جانب ہے کہ اس اطاعت پر تمہیں جو کچھ ملے گا' دنیا میں ترقیاں' مرتے وقت ایمان پر قیام' قبر میں کامیابی' محشر میں معافی' بعد میں دوزخ سے امان' پھر پل صراط پر خیریت سے گزر' پھر جنت کا داخلہ' یہ سب ہمارے رحم خسروانہ سے ہی ملے گا' **ترحمون** ان دنیاوی و اخروی لاکھوں رحمتوں پر مشتمل ہے' حق تو یہ ہے کہ ہر رحمت کا ذریعہ اطاعت ہے' اللہ رسول کو منالو' سب کچھ لے لو۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست بحر و بر در گوشہ دامان اوست

و سارعوا الی مغفرۃ من ربکم' **سارعوا**' **مسارعتہ** کا امر ہے' جس کا مادہ سرعت بمعنی جلدی و تیزی ہے' مفاعلت مقابلہ کے لئے ہے' تو معنی ہوئے دوڑو' بھاگو' ایک دوسرے پر سبقت کرو' دوسروں سے آگے رہنے کی کوشش کرو' **مغفرۃ** کی تنوین تعظیم کی ہے' **من ربکم** **مغفرۃ** کا حال ہے' یعنی اس بڑی بھاری بخشش کی طرف دوڑو جو تمہارے رب کی طرف سے تم کو نصیب ہو گی' تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں **مغفرۃ** سے پہلے مضاف پوشیدہ ہے' یعنی ان اعمال کی طرف دوڑو جو مغفرت الٰہی کا ذریعہ و سبب ہیں' اس میں گفتگو ہے کہ وہ ذریعہ و سبب ہے کیا چیز' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ اسلام ہے' حضرت علی فرماتے ہیں' ادائے فرائض' اور حضرت عثمان غنی کا قول ہے کہ اخلاص فی العمل' ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ ہجرۃ' امام ضحاک و محمد ابن اسحاق کہتے ہیں جہاد' سعید ابن جبیر کا فرمان ہے نماز با جماعت کی تکبیر اولیٰ پانے کی پابندی' بعض کا قول ہے نماز پنجگانہ' امام اصم فرماتے ہیں گناہوں خصوصاً سود سے توبہ (تفسیر کبیر و روح المعانی و خازن وغیرہ) حضرت عشق کا فتویٰ یہ ہے کہ سبب اعلیٰ ان تمام نعمتوں کا عشق جناب مصطفیٰ اور فنا در ذات حبیب کبریا ہے' کہ جسے یہ مل گیا وہ سب کچھ پالے گا' **و جنۃ عرضہا السموت والارض** یہ مغفرت پر معطوف ہے چونکہ جنت کا ملنا گناہوں کی بخشش کے بعد ہو گا' اس لئے پہلے مغفرت کا ذکر فرمایا پھر جنت کا' بعض نے فرمایا کہ پل صراط سے بخیریت گزر جانا مغفرت ہے' جنت کا داخلہ اس کے بعد ہے۔ عرض کے لغوی معنی ہیں چوڑائی یعنی جسم کا دوسرا بعد۔ پہلا بعد طول یعنی لمبائی۔ دوسرا بعد فاصلہ عرض ہے یعنی چوڑائی'

تیسرا بعد عمق یعنی گہرائی' عموماً" چوڑائی لمبائی سے کم ہوتی ہے' عرض عموماً" جسم کے لئے بولا جاتا ہے' مگر کبھی غیر جسم پر بھی بول دیتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فذو دعاء عریض** پھر انسان لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے' کبھی وسعت و فراخی کو بھی عرض کہہ دیتے ہیں' کبھی عوض و معاوضہ کو بھی عرض کہا جاتا ہے' یہاں عرض کے کئی معنی ہو سکتے ہیں' جنت کی وسعت تمام آسمانوں و زمین کے برابر ہے' اگر ساتوں آسمان اور زمین کے طبقے بنا کر ملا دیئے جائیں' تو وہ سب مل کر جنت کی چوڑائی کے برابر ہوں' سمجھ لو کہ اس کی لمبائی کتنی ہوگی' ساتوں آسمان اور زمین جنت کی قیمت ہیں' سارے آسمان و زمین ملا کر جنت کے مقابلہ میں رکھے جائیں' تو اس کی چوڑائی میں آجائیں' بعض کا خیال ہے کہ یہ کلام جنت کی وسعت دکھانے کے لئے بطور تمثیل بولا گیا' یعنی تمہاری نگاہ میں سب سے بڑی اور فراخ چیزیں آسمان و زمین ہیں' مگر جنت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ یہ سب مل کر اس کی چوڑائی میں سما جائیں **اعدت للمتقین** حق یہ ہے کہ یہاں **متقین** سے مراد پرہیزگار انسان ہیں' خواہ حضرات انبیاء ہوں' یعنی معصومین یا خاص اولیاء اللہ یعنی محفوظین یا وہ حضرات جو گناہوں پر قائم نہیں رہتے رہے' چھوٹے بچے یا دیوانے یا ہم جیسے گنہگار' وہ انشاء اللہ ان پرہیزگاروں کے تابع ہو کر جنت میں جائیں گے' جنت بنی تو پرہیزگاروں کے لئے ہے' دوسرے بھی وابستگان دامن وہاں چلے جائیں گے' **متقین** میں گناہوں سے بچنا' نیکیاں کرنا' ان سب کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے انسانو یا اے مسلمانو یا اے عقل رکھنے والی مخلوق' بقدر طاقت ہر طرح اللہ تعالیٰ کی اور ان رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو' جس کا حکم دیں کرو' جس سے منع کریں اس سے بچو تاکہ تم پر تمہاری حیثیت کے لائق رحم کیا جائے' جنات پر اور رحم ہے انسانوں پر کچھ اور' پھر انسانوں میں صدیق و شہداء پر رحم کی نوعیت اور ہے اور ہم جیسے گنہگاروں پر رحم کی نوعیت کچھ اور' اور ان اسباب کے حاصل کرنے میں جلدی کرو' ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو' جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کا ذریعہ ہیں یعنی اسلام' ادائے فرائض' اخلاص' ہجرت' جہاد' باجماعت نمازوں کی تکبیر اولیٰ' گناہ سے توبہ' اپنی مرضی کو مرضی محبوب میں فنا کر دینا وغیرہ' جنت کی کیفیت یہ ہے کہ سارے آسمان و زمین کی وسعتیں اگر ملا لی جائیں تو یہ سب مجموعہ اس کی چوڑائی ہیں' پھر لمبائی تو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتی یا جنت ایسی قیمتی چیز ہے کہ تمام آسمان و زمین اس کی قیمت ہیں مگر خیال رکھنا کہ جنت بنی پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

لطیفہ: ابن جریر نے تنوخی سے روایت کی' کہ میں شاہ روم ہرقل کی طرف سے قاصد بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' ہرقل نے میرے ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عریضہ بھی بھیجا تھا' جس میں دیگر معروضات کے سوا یہ بھی لکھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں کہ آسمان و زمین کی وسعتیں اس کی چوڑائیں کے برابر ہیں' جب جنت اتنی وسیع ہے تو دوزخ کہاں ہے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال ملاحظہ فرما کر تبسم فرمایا' اور فرمایا سبحان اللہ جب دن آتا ہے' تو رات کہاں ہوتی ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) کتنا حکیمانہ فیصلہ کن جواب ہے' کہ جیسے آفتاب کے نور کا پھیلاؤ' باوجود اس قدر وسیع ہونے کے رات کی ہستی کو فنا نہیں کر دیتا' بلکہ زمین کے ایک جانب دن ہوتا ہے تو اس کے مقابل نچلی طرف رات' اسی طرح جنت کی یہ وسعت دوزخ کی ہستی کے منافی نہیں' جنت کے نچلے حصہ میں دوزخ ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ وسعت ساری جنت کی نہیں بلکہ جو جنت متقیوں کو ملے

گی اس کی وسعت یہ ہے اور جو ہم گنہگار طفیلیوں کو ملے گی وہ اس کے علاوہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ **اعدت للمتقین** اس جنت کی صفت ہے، جس کی وسعت پہلے مذکور ہوئی بعض کا خیال ہے کہ ہر متقی کو اتنی بڑی جنت ملے گی جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہیں، بعض کا خیال ہے کہ یہ وسعت جنت الفردوس کی ہے جس کے اوپر عرش رحمان ہے، رہے جنت کے اور طبقے وہ اس کے علاوہ ہیں جیسے جنت عدن، جنت نعیم، جنت الماویٰ وغیرہ، بہرحال جنت کی وسعت رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ساری مخلوق پر لازم ہے، جیساکہ **اطیعوا** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس کا فاعل ساری خلق ہے، جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے اس کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں، خود فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا**" اور فرماتا ہے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین**، اور فرماتا ہے **وما ارسلنک الا کافۃ" للناس بشیرا" و نذیرا**" ۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم یکساں ہے کہ دونوں تقویٰ و ایمان کے لئے ضروری ہیں، دیکھو یہاں صیغہ **اطیعوا** ایک ہے مگر مطاع دو، اللہ تعالیٰ بھی اور اس کے رسول بھی، دوسروں کی اطاعتیں اگرچہ کبھی ضروری ہوں مگر داخل فی الدین نہیں، بادشاہ کا سرکش باغی ہے کافر نہیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سرکش کافر ہے۔ تیسرا فائدہ: جس قسم کی اطاعت رب کی واجب ہے، اسی قسم کی اطاعت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی واجب ہے، یعنی محبت کے ساتھ ایمانی و اتقائی اطاعت، اور جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نتیجہ ہے، وہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی انجام ہے یعنی رحمت و مغفرت اور جنت۔ چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا شرک نہیں بلکہ سنت الہیہ ہے جیساکہ **والرسول** کی واؤ سے معلوم ہوا، حق تو یہ ہے کہ اللہ رسول کو ملانے کا نام ایمان ہے اور انہیں الگ کرنے کا نام کفر ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ** کفار چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کردیں، ان پر خود فتویٰ دیتا ہے **اولئک ھم الکفرون حقا** یہ پکے کافر ہیں۔ پانچواں فائدہ: ایمان لانا سارے رسولوں پر ضروری ہے، مگر اطاعت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم، اسی لئے ایمان کے موقعہ پر فرمایا جاتا ہے **و رسلہ**، مگر اطاعت کے موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے **والرسول**۔ چھٹا فائدہ: ہر قسم کی رحمتیں خواہ دنیا میں ہوں یا مرتے وقت یا قبر میں یا حشر میں یا پل صراط پر یا جنت میں ابدالآباد تک، سب اللہ رسول کی اطاعت سے ملتی ہیں، جیساکہ **ترحمون** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: دینی کاموں میں جلدی کرنا اور ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرنا رب تعالیٰ کو پسند ہے جیساکہ **سارعوا** کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا، رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاستبقوا الخیرت** انسان ہر سانس کو آخری جانے۔ آٹھواں فائدہ: جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں، جیساکہ **اعدت** ماضی فرمانے سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: جنتیں اور وہاں کی نعمتیں مستحقین کے نامزد ہو چکی ہیں، اور یہ مستحقین ان کے مالک بن چکے ہیں، قیامت کے بعد قبضہ دیا جائے گا، جیساکہ **للمتقین** کے لام سے معلوم ہوا، رب تعالیٰ فرماتا ہے **و زوجنھم بحور عین** ہم نے آنکھ والی حوروں سے ان کا نکاح کردیا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جنتیوں کے مکانات اور ان کی منکوحہ حوروں کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا۔ دسواں فائدہ: دنیا کے میدان میں دوڑ لگانا اور ایک دوسرے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرنا عبث ہے، مگر آخرت کے معاملہ میں دوڑ اور سب

سے آگے بڑھنے کی کوشش عین عبادت ہے' مال کی حرص بری' اعمال و کمال کی حرص اچھی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ایک صیغہ **اطیعوا** کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے اور اس کے رسول کا بھی' مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے الگ اطاعت کا صیغہ استعمال ہوا' اور رسول کے لئے الگ' اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ جواب: یہاں دونوں اطاعتوں کا متحد النوع ہو بتایا گیا یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت ایک ہی قسم کی ہے' کہ جس کا بھی انسان انکار کرے کافر ہو جائے' قرآن و حدیث دونوں کی اطاعت یکساں فرض ہے' دیکھو حضرت ابو خزیمہ کی گواہی دو کے برابر حدیث سے ہوئی' جسے تمام صحابہ نے بلا تامل قبول کر لیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ ہونا حدیث سے ثابت تھا' صدیق اکبر و تمام صحابہ نے بلا تامل مان لیا' مگر ان آیات میں دونوں اطاعتوں کی کیفیتوں کا فرق بتانا مقصود ہے' اطاعت خدا کی اور کیفیت ہے' اطاعت رسول کی دوسری' رب تعالیٰ کی اطاعت صرف اس کے فرمان و احکام میں ہے' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرمان' اعمال' سکوت سب میں ہے' جو حکم دیں وہ مانو' جو کر کے دکھائیں وہ مانو' اور جو صحابہ کرام کو کرتے دیکھیں' مگر منع نہ فرمائیں وہ مانو۔ دوسرا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ اطاعت میں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے' رسول کا بھی اور امر والوں کا بھی' مگر اتباع میں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر ہے **فاتبعونی**۔ جواب: جیسے عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے' دوسرے کی نہیں' نہ رسول کی' نہ ولی کی' نہ کسی اور کی' ایسے ہی اتباع صرف رسول کی ہو سکتی ہے' نہ خدا تعالیٰ کی ہو سکتی ہے نہ کسی اور بندے کی' اتباع کے معنی ہیں کسی کے سے اعمال کرنا' ہم خدا کے سے کام نہیں کر سکتے' موت' زندگی' روزی کسی کو نہیں دے سکتے' رہے دوسرے بندے' ان کے کام اچھے بھی ہو سکتے ہیں برے بھی' برے کام میں اتباع نہیں ہو سکتی' بلکہ اس کی اصلاح کی جائے گی' اگر بادشاہ نماز نہ پڑھے' تو تم نماز نہ چھوڑو بلکہ اسے سمجھاؤ اور نماز پڑھاؤ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل برا ہو سکتا ہی نہیں' کیونکہ ان کا ہر قول و فعل رب تعالیٰ کی طرف سے ہے' ان کے اعمال کی بے دھڑک نقل کرو' جب تک کہ وہ خود منع نہ فرما دیں اور یہ نہ فرما دیں کہ یہ میرے لئے خاص ہے' تم نہ کرنا' جیسے **خالصۃ لک من دون المومنین** اگر وہ کوئی نماز قضا کریں' تو تم رب کی اس نماز کا قضا کرنا فرض ہے' کیا تمہیں نہیں خبر کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں عرفہ کے دن نماز مغرب قضا کر کے مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں پڑھی' تو حجاج پر یہ نماز قضا کرنا قیامت تک فرض ہے' مگر خیال رہے کہ قضاء کرنا اور ہے' قضا ہو جانا کچھ اور' اگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں رمل کریں (اکڑ کر چلنا) تو قیامت تک اس طواف میں مسلمانوں پر رمل ہی لازم ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں   خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

یعنی اگرچہ قناعت اچھی چیز ہے لیکن اگر کبھی کسی چیز کی طمع کا سرکار ہی حکم فرما دیں تو قناعت کے سر پر خاک' یہ ہے **فاتبعونی** کی جلوہ گری' خیال رکھئے کہ جیسے ریل کا ڈبہ لائین کٹ کر انجن سے آگے نہیں نکل سکتا' کہ اس کا راستہ لائن کے سوا کچھ ہے ہی نہیں' ذرا ہٹا اور گرا' وہ تو انجن کی اتباع ہی کرے گا' ایسے ہی کوئی شخص راہ ہدایت طے کرتے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر' یا آگے آ سکتا ہی نہیں' پیچھے ہی رہے گا' کیونکہ اگر برابر آئے یا آگے بڑھنے کی کوشش میں ذرا کترائے گا جہنم میں گرے گا' اس لئے فرمایا گیا **فاتبعونی**۔ تیسرا اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے **واتبعوا النور الذی انزل معہ** اس

آیت میں ہمیں اس نور کی اتباع کا حکم دیا گیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کی بھی اتباع جائز ہے۔ جواب: پہلے تو اس نور میں ہی گفتگو ہے کہ وہ کیا چیز ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کریمہ ہیں یا اقوال طیبہ یا افعال یا احوال یا قرآن شریف اگر مان لو کہ قرآن شریف ہی مراد ہے تو قرآن شریف ہے کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور العمل 'پھر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع ہوئی ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں **و کان خلقہ القران**۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت کی چوڑائی و فراخی آسمانوں و زمین کے برابر ہے اور تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ جنت آسمان میں ہے یعنی آسمان اس کا ظرف ہے اور جنت اس کا مظروف 'چنانچہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ جنت چوتھے آسمان میں ہے تو بڑی چیز چھوٹی میں کیسے سمائی؟ جواب: جنت کے آسمان میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آسمان کی جانب میں ہے یعنی اوپر ہے 'جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے آسمان سے بارش اتاری یعنی آسمان کی طرف سے 'چنانچہ انہی حضرت انس سے سوال کیا گیا کہ کیا جنت آسمان میں ہے تو آپ نے فرمایا کہ جنت کو کون سا آسمان گھیر سکتا ہے 'پوچھا گیا پھر کہاں ہے؟ فرمایا ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش اعظم کے نیچے (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) یا مطلب یہ ہے کہ آسمان میں جنت کا دروازہ (راستہ) ہے 'جیسے کہا جاتا ہے ہمارا گھر باغ میں ہے یعنی گھر کا دروازہ باغ کی طرف ہے (معانی) پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت متقیوں کی ملک ہے 'جیسا کہ **للمتقین** کلام بتا رہا ہے 'مگر دوسرے مقام پر قرآن فرماتا ہے **نزلا" من غفور رحیم** جنت میں رب تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مہمانی ہوگی 'مہمان مالک نہیں ہوا کرتا۔ جواب: اس آیت میں خاطر مدارات کے لحاظ سے مہمانی فرمایا گیا 'مالک مکان کی روزانہ خاطر نہیں ہوتی مہمان کی خاطر خوب ہوتی ہے 'مقصد یہ ہے کہ تم ہوگے تو وہاں کے مالک 'مگر تمہاری خاطر ہمیشہ مہمانوں کی طرح ہوگی 'دنیا کی طرح نہیں کہ دو دن بعد خاطر میں کمی ہو جائے۔ چھٹا اعتراض: ان دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ دوزخ کافروں کے لئے بنی ہے اور جنت پرہیزگاروں کے لئے تو وہ لوگ کہاں جائیں گے 'جو نہ کافر ہیں نہ پرہیزگار بلکہ مومن ہیں اور گنہگار۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ذکر جانے کا نہیں بلکہ بنائے جانے کا ہے یعنی دوزخ کافروں کے لئے بنی ہے 'اور جنت متقیوں کے لئے 'اب دوسرا کوئی جائے تو ان کی وجہ سے جائے 'برات کی دھوم دھام دولہا کے لئے ہے 'کوئی اور بھی اس سے فائدہ اٹھائے تو دولہا کی طفیل اٹھائے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیاوی راستے مختلف طریقوں سے طے کئے جاتے ہیں 'کوئی پیدل طے کرتا ہے 'کوئی گھوڑے پر 'کوئی موٹر میں 'کوئی ریل میں 'پھر سمندری راستے 'کوئی کچھ دور تیر کر طے کرتا ہے 'کوئی لانچ یا کشتی میں 'کوئی بڑے جہاز میں 'یہ اختلاف کار ان لوگوں کے لئے ہیں 'جو زمین یا پانی میں رہ کر انہیں طے کریں 'مگر پر والے شاہباز ان تمام خشکی و تری کے راستوں کو اڑ کر نرالے انداز سے طے کرتے ہیں 'کیونکہ ان کا مقام دوسرا ہوتا ہے 'اسی طرح راہ جنت طے کرنے والے مختلف الحال ہیں بعض لوگ عبادت کے قدموں سے اطاعت کی سواریوں میں فرمانبرداری کے جہازوں میں یہ راہ طے کرتے ہیں 'پھر جیسی ان کی اطاعت و عبادت ویسی ان کی رفتار 'بعض خوش نصیب بندے وہ بھی ہیں 'جو فنا کے پروں سے عشق کی فضاء میں شاہباز لامکانی ہو کر اڑتے ہوئے یہ راستہ طے کر کے جنت کی منزل سے گزرتے ہوئے قرب یار تک پہنچتے ہیں' **اطیعوا اللہ** الخ میں ان پہلے مسافروں کا ذکر ہے 'جو سواریوں سے یہ راہ طے کر رہے ہیں اور **سارعوا** الخ میں ان لامکانی شاہبازوں کا ذکر ہے 'جو اڑ کر یہ راہ

طے کر رہے ہیں' چونکہ ان کی رفتار پہلوں سے زیادہ اور تیز ہے' اس لئے ان کے متعلق سارعوا فرمایا گیا' قرآن کریم گواہ ہے' کہ فرعونی جادوگر نگاہ موسوی کی برکت سے چند گھنٹوں میں جست لگا کر وہاں پہنچے' جہاں خشک زاہد عمر گزار کر نہیں پہنچ سکتے' اور حدیث گواہ ہے کہ میدان جنگ میں ایک کافر سپاہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہو گیا' مسلمان ہوا' فوراً شہید ہوا' یعنی دل نگاہ یار سے گھائل ہوا اور جسم تلوار کفار سے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر اپنے زانو مبارک پر رکھ کر فرمایا کہ مبارک ہو' تیرے اعمال تھوڑے تیری جزاء زیادہ' یہاں فرمایا گیا کہ اے عقل والو! عبادت و اطاعت کی سواریوں میں مجھ تک پہنچو' اور اے عشق والو! جنہیں اپنے تن بدن کی ہوش نہیں' فناء کے بازوؤں سے بقاء کے میدان میں داخل ہو کر لقاء سے کامیاب ہوؤ۔

الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ
وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی اور غم میں اور ضبط کرنے والے غصہ کے اور معاف کرنے
وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے

عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾
والے لوگوں سے اور اللہ محبت کرتا ہے نیک کاروں سے
درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کا اجمالی حکم دیا گیا تھا' اب اس اطاعت کی کچھ تفصیل بیان کی جا رہی ہے' گویا یہ آیت کریمہ پچھلے اجمال کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ کے رحم و کرم کا امیدوار بنایا گیا' اب اس آیت میں انہیں لوگوں پر رحم کرنے کا حکم دیا گیا' جو رب تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے' یعنی مخلوق پر تم رحم کرو' خالق تم پر رحم فرمائے گا' رحم چاہتے ہو تو رحم کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو' اس آیت میں اس دوڑ کا طریقہ بتایا جا رہا ہے' یعنی اس دوڑ کے لئے بدن کے یہ پیر کافی نہیں' بلکہ اس کے لئے اعمال کے قدم چاہئیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جنت پرہیز گاروں کے لئے بنی' اب پرہیز گاروں کے اوصاف کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ جنت پرہیز گاری سے کمائی جاتی ہے' اور پرہیز گاری ان اعمال سے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں جنت کی وسعت کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں متقی مومن کے قلب کی وسعت کا ذکر ہے' یعنی اگر ایسی وسیع جنت چاہتے ہو تو ایسے وسیع اخلاق اختیار کرو۔

تفسیر: **الذین ینفقون** ظاہر یہ ہے کہ **الذین** مجرور ہے **المتقین** کی صفت یا بدل یا بیان ہے' اور ہو سکتا ہے کہ منصوب ہو اعنی پوشیدہ کا مفعول' یا مرفوع **ھم** کی خبر' **ینفقون** مضارع استمراری ہے' کیونکہ ایک بار خیرات کر دینا کمال نہیں' بلکہ خرچ کرتے رہنا کمال ہے' اس کا مفعول پوشیدہ ہے' جس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوا' اور یہ مال اعمال علم' عزت' سب کے خرچوں

کو شامل ہے' یعنی متقی وہ لوگ ہیں' یا جنت ان متقیوں کے لئے ہے' یا ہم متقی انہیں کہتے ہیں' جو اپنی ہر چیز مال' علم وغیرہ خرچ کرتے رہتے ہیں' **فی السراء والضراء**' **و سراء** سرور سے ہے' جس کا مادہ سرو ہے' بمعنی چھپانا' چھپے بھید کو سر کہتے ہیں اور دل کی چھپی خوشی کو سرور' **ضراء**' ضرو سے بنا' **ضراء** کا مقابل سراء بھی آتا ہے اور نعماء بھی' یہاں تو مقابلہ میں سراء آیا ہے' دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولئن اذقنه نعماء بعد ضراء** وہاں **ضراء** کا مقابل **نعماء** آیا' ان دو لفظوں کی بہت سی تفسیریں ہیں' عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیری میں اور فقیری میں' بعض نے فرمایا خوشی میں اور غم میں' بعض کے ہاں زندگی میں اور بعد وفات' بعض نے فرمایا کہ جہاں دل چاہے وہاں' اور جہاں دل نہ چاہے وہاں' جیسے اپنے دوستوں پر خرچ کرنا اور دشمنوں کو دینا' بعض کہتے ہیں کہ مالداروں' تندرستوں پر خرچ کرنا اور غریبوں و بے چاروں پر صرف کرنا' مگر ان سب میں حضرت ابن عباس کی تفسیر زیادہ ظاہر ہے (روح المعانی و کبیر و خازن وغیرہ) چونکہ ہر حال میں خرچ کرنا نفس پر گراں تھا' اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے اسی کا ذکر فرمایا **والکاظمین الغیظ** کا ظمین **کظم** سے بنا' کظم لغت میں سانس کی نلی کو کہتے ہیں' **کظوم** سانس روکنا یا خاموش ہو جانا' اصطلاح میں اس کے معنی ہیں بھرنا' روکنا' بھرے ہوئے مشکیزے کا منہ باندھ دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وابیضت عینه من الحزن فهو کظیم** یعنی یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں غم سے سفید پڑ گئیں' اور وہ غم کھاتے رہے' یا ان کا دل صدموں سے بھرا رہا' اہل عرب کہتے ہیں **کظم فلانا** "اس کا گلا گھونٹ دیا (معانی و کبیر)۔ غیظ کے لغوی معنی ہیں دل کا جوش و نفس کی بھڑک' عرف میں تیز غصہ کو غیظ کہتے ہیں' جو ناپسندیدہ چیز دیکھ کر دل میں جوش پیدا کر دے' غیظ و غضب قریب المعنی ہیں یعنی سخت غصہ' مگر غیظ عام ہے' اور غضب وہ غصہ ہے جس کے ساتھ بدلہ لینے کا ارادہ پیدا ہو جائے' بعض نے فرمایا' غضب وہ غصہ ہے جس کی علامات ظاہر ہو جائیں' غیظ میں یہ قید نہیں' خیال رہے کہ غضب خدا کی صفت بھی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **غضب اللہ** مگر غیظ رب کی صفت نہیں' یعنی متقیوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ غصہ پی جاتے ہیں' سامنے والے سے بدلہ نہیں لیتے **والعافین عن الناس**' **عافین عفو**' سے بنا' مٹانا اور چھوڑنا' کہا جاتا ہے **عفت اثارها** اس کی نشانیاں مٹ گئیں' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **قصوا الشوا رب واعفوا اللحی** مونچھیں کٹواؤ' داڑھیاں چھوڑو یعنی بڑھنے دو' خطاء بخش دینے کو بھی عفو یا معافی کہتے ہیں کہ اس میں مجرم کو سزا سے چھوڑ دیا جاتا ہے اور غصہ کو مٹا دیا جاتا ہے' **ناس** سے مراد یا تو اپنے غلام اور ماتحت ہیں' جو ہمارا اپنا قصور کریں' یا مطلقاً" زیادتی کرنے والے لوگ یعنی متقیوں کی تیسری صفت یہ ہے کہ قصورواروں سے درگزر کرتے ہیں اور انہیں معاف کر دیتے ہیں' **واللہ یحب المحسنین** المحسنین میں الف لام یا جنسی ہے یا استغراقی ہے یا عہدی یعنی رب تعالیٰ تمام نیک کاروں سے محبت کرتا ہے یا ان نیک کاروں سے جن میں یہ گذشتہ صفات ہوں' **احسان** حسن سے بنا' بمعنی اچھا ہونا' یا اچھائی کرنا' اسی لئے حدیث شریف میں احسان کی تفسیر اخلاص فی العمل سے کی گئی' کہ ارشاد ہوا یہ سمجھ کر عبادت کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو' اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہی خیال کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ دوسروں سے بھلائی کرنے کی دو صورتیں ہیں' انہیں نفع پہنچانا' اور ان سے نقصان و تکلیف دور کرنا' رب تعالیٰ نے یہاں ان دونوں کا ذکر فرمایا' چنانچہ ہر حال خرچ کرنے میں نفع رسانی کا ذکر ہے' اور غصہ پی جانے و معاف کر دینے میں دفع ضرر کا تذکرہ' لہٰذا محسن کامل وہ ہے' جس میں دونوں صفتیں جمع ہوں۔

خلاصہ ء تفسیر: رب تعالیٰ نے اس آیت میں متقیوں کی چار صفتیں بیان فرمائیں ' چنانچہ فرمایا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو امیری غریبی ' یا خوشی و غم ' یا شادی و موت ' یا راحت و مصیبت ' یا زندگی و موت و بعد موت ہر حال میں بقدر طاقت اپنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور سخت غصہ کی حالت میں ' آپے سے باہر نہیں ہو جاتے ' بلکہ نفسانی غصہ پی جاتے ہیں کہ باوجود قدرت کے غصہ جاری نہیں کرتے ' اور اپنے ماتحتوں کی خطاؤں یا دوسروں کی ایذاؤں یا مجرموں کے جرموں کو بخش دیتے ہیں کہ باوجود قادر ہونے کے اپنے نفس کا بدلہ نہیں لیتے ' اللہ تعالیٰ ایسے نیک کاروں کو جو مخلوق کے لئے مضر نہ ہوں بلکہ مفید ہوں بہت ہی پسند فرماتا ہے کہ ان پر اس احسان کے بدلے احسان فرمائے گا اور انہیں انعام دے گا ' یہ لوگ اپنی حیثیت کے لائق نیکیاں کر لیں ' رب تعالیٰ اپنی شان کے لائق انہیں انعام دے گا۔

حکایت: بیہقی میں ہے کہ امام زین العابدین کی لونڈی آپ کو وضو کرانے کے لئے بھرا لوٹا لائی اس کے ہاتھ سے وہ لوٹا آپ پر گر گیا ' اور آپ زخمی ہو گئے ' آپ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا ' وہ بولی **والکاظمین الغیظ** ' آپ نے فرمایا ' میں نے غصہ پی لیا ' وہ بولی **والعافین عن الناس** ' آپ نے فرمایا میں نے معاف کیا ' رب تجھے معاف دے ' وہ بولی **واللہ یحب المحسنین** آپ نے فرمایا جا تو فی سبیل اللہ آزاد ہے (روح المعانی) اسی کے قریب امام حسن رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے خادم کے ہاتھ سے آپ کے سر پر شوربہ گر گیا۔ آپ کو ناگوار گزرا تو خادم نے یہی آیت پڑھی ' آپ نے فرمایا ' تجھے معاف کرتا ہوں ' آزاد کرتا ہوں ' اور تیرا نکاح اپنی فلاں لونڈی سے کرتا ہوں ' اور تم دونوں کا خرچ تا زندگی میرے ذمہ۔ **حکایت:** حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہ کے ایک مرید خاص نے کوئی بڑا ہی سخت قصور کیا ' آپ نے ناراض ہو کر اسے لنگر سے نکال دیا ' اس نے بہت تدبیریں کیں ' آپ راضی نہ ہوئے ' آپ کے محبوب خلیفہ حضرت محمد عالم صاحب قدس سرہ نے آپ کی خدمت میں یہی آیت تلاوت کی ' اور حضرت امام حسن و امام زین العابدین رضی اللہ عنہما کے یہ واقعات سنائے ' سائیں صاحب رو پڑے ' نکالے ہوئے خادم کو بلایا ' اسے کھانا کھلایا اور کچھ نقدی و کپڑے دیئے ' اور معافی بخشی ' کچھ دیر کے بعد بہت روپے اس شکریہ میں خیرات کئے کہ مجھے رب تعالیٰ نے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی اتباع کی توفیق بخشی ' اور مجھ سے ان کی طرح عمل کرا لیا (ذکر خیر)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مہربانی کرنا بہترین عبادت ہے کہ رب تعالیٰ نے متقین کی صفت میں پہلے اس کا ذکر کیا ' شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خواہی کہ خدائے بر تو بخشد ۔ با خلق خدائے کن نکوئی

اگر خالق کی بخشش چاہتے ہو ' تو مخلوق سے بھلائی کرو۔ **دوسرا فائدہ:** خوشحالی و تنگی ' امیری و غریبی ' ہر حال میں جو بن پڑے خیرات کرنا چاہئے ' جیسا کہ **سراء و ضراء** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا ' انسان دو ہی وقت میں خدا کو بھولتا ہے ' حد درجہ کے آرام و راحت میں ' اور حد درجہ کی تنگی و تکلیف میں ' جو ان دو وقتوں میں رب تعالیٰ کو یاد رکھے ' وہ مرد کامل ہے ' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ پیاز کی گانٹھ خیرات فرمائی ' سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک بار انگور کا ایک دانہ خیرات کیا (از کبیر) رب تعالیٰ کے ہاں مقدار خیرات نہیں دیکھی جاتی ' دل کا ولولہ دیکھا جاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** شادی بیاہ کے

موقعہ پر ولیمہ کرنا، نعمتیں ملنے پر اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنا یونہی مصیبتوں میں ختم پڑھوانا طلباء کو کچھ دینا میت کو ایصال ثواب کرنا رب تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں کہ پہلے دو خرچ انفاق فی السراء میں داخل ہیں، یعنی خوشی کے خرچ اور آخری خرچ انفاق فی الضراء میں شامل، جو لوگ بہانے بنا بنا کر مسلمانوں کو ان چیزوں سے روکتے ہیں وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں، ان عقلمندوں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ بے نمازیوں کو نمازی بنائیں، یا بخیلوں کو سخی کریں، بلکہ لوگوں کو سخاوت سے روکتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: جن لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے سے نفس روکے ان سے سلوک کرنا بڑی بہادری ہے جیسا کہ **والضراء** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ کیا تمہیں نہیں خبر کہ حضرت مسطح، جناب صدیق اکبر کے عزیز قریب تھے اور فقیر تھے، ان کا سارا خرچ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھاتے تھے، یہی مسطح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت میں شریک ہو گئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان سے سلوک کروں اور یہ میری بیٹی کو عیب لگائیں" آپ نے ان کا وظیفہ بند کر دیا، تب یہ آیت کریمہ اتری **ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ** الایۃ یعنی جنہیں اللہ پاک نے تمام جہان پر بزرگی دی ہے وہ ان غریبوں کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں۔ پھر غصہ پی جائے، تو رب تعالیٰ اس کا دل امن و امان سے بھر دے گا" (عبدالرزاق و ابن جریر عن ابی ہریرۃ) نیز احمد نے حضرت انس سے مرفوعاً" روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قادر ہو کر غصہ پیئے تو رب تعالیٰ قیامت میں تمام مخلوقات کے سامنے اس سے فرمائے گا تو جنت کی جو حور نعمت چاہے لے لے (روح المعانی)۔ چھٹا فائدہ: اپنے ذاتی معاملات میں لوگوں کو معافی دینا بہت محبوب ہے، جیسا کہ **والعافین** سے معلوم ہوا، طبرانی نے حضرت ابی ابن کعب سے مرفوعاً" روایت کی کہ جو اپنے مرتبوں کی بلندی اور دین و دنیا میں عزت چاہتا ہو وہ اپنے ظالم کو معافی دے۔ ساتواں فائدہ: اللہ کی راہ میں ہر حال میں خرچ کرنا تمام خوبیوں سے بہترین خوبی ہے "دیکھو رب تعالیٰ نے خرچ ہی کا ذکر پہلے فرمایا، باقی غصہ پینے، معافی دینے کا ذکر بعد میں فرمایا اور خرچ کا ذکر **ینفقون** مضارع استمراری سے فرمایا، اور ان صفات کا ذکر **کاظمین، عافین** اسم فاعل سے فرمایا یعنی خرچ ہمیشہ کریں، خیرات و صدقات میں بہت کوشش کرنی چاہئے (روح المعانی)۔ آٹھواں فائدہ: جو کوئی خدا تعالیٰ کا محبوب بندہ بننا چاہے، وہ نیک اعمال کرکے محسن بنے اگر کوئی بدعمل ہو کر اپنے کو رب تعالیٰ کا پیارا جانے وہ بہت ہی بے وقوف ہے، اس سے وہ بدعمل علماء یا بدکار بھنگی چرسی عبرت پکڑیں، جو ان بدکاریوں پر بھی اپنے آپ کو ولی اللہ سمجھتے ہیں، نیز وہ بھی عبرت پکڑیں جو اپنے نسب پر نازاں ہو کر اپنے کو اعمال سے بے نیاز جانتے ہیں، رب تعالیٰ نے قانون فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نیک کاروں کو پسند فرماتا ہے، بدعمل، بے دین عالم فاضل، فقیر سے باعمل جاہل دنیادار بہتر ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خوشی غمی میں خوب خرچ کرنا چاہئے لہذا بیاہ شادی، ختنہ، عقیقہ میں باجے بجانا، آتشبازی، کنجر نچانا چاہئے کہ یہاں مطلق خرچ کی تعریف کی گئی ہے، خوشی غمی میں ہر طرح کا خرچ چاہئے۔ (بعض بے دین)۔ جواب: یہ فضول خرچیاں انفاق نہیں بلکہ اسراف یا تبذیر ہے، انفاق اچھی راہ میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں، ان فضول خرچیوں کو قرآن شریف نے اسراف یا تبذیر فرمایا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے **کلوا واشربوا ولا تسرفوا** اور فرماتا ہے **ولا تبذر تبذیرا**" اور فرماتا ہے **ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین** خدا تعالیٰ توفیق دے تو شادی میں

خیرات اور غمی میں صدقات دو' اپنی قوم پر' دین پر خرچ کرو' ان فساق پر خرچ کرنا گناہ ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غصہ پینا اچھی صفت ہے' تو کیا ہم کافروں اور فاسقوں پر بھی غصہ نہ کیا کریں' جو اپنی بیوی کے پاس غیر مرد کو دیکھ کر غصہ نہ کرے اسے دیوث کہا جاتا ہے۔ جواب: کفار' فساق پر غصہ کرنا عبادت ہے' یہاں وہ غصہ مراد ہے جو اپنے ذاتی مجرم پر آئے' شریعت' دین' قوم' ملک کے مجرموں پر غصہ نہ کرنا گناہ ہے۔ الغیظ میں الف لام عہدی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اشداء علی الکفار رحماء بینهم** مومن کفار پر سخت' آپس میں ایک دوسرے پر رحیم ہوتے ہیں' وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرموں کو معافی دینا اچھی صفت ہے۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کو معافی نہ دی' اس کے ہاتھ کٹوا ہی دیئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل اس آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ جواب: مجرم تین قسم کے ہیں' ذاتی مجرم' دینی مجرم قومی و ملکی مجرم' پہلے مجرم کو معافی دے دینا کمال ہے' وہی یہاں مراد ہے' باقی دو قسم کے مجرموں کو معافی دینا بے امنی اور فساد کا باعث ہے' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کو معاف نہ کیا کہ وہ قانون کا مجرم تھا' مگر فتح مکہ فرما کر تمام ان خون کے پیاسوں کو معافی دیدی' جنہوں نے عمر بھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تھا' کہ وہ ذاتی دشمن تھے' دیکھو شریعت نے قاتل کی معافی کی سبیل رکھی ہے کہ مقتول کے وارث معاف کر سکتے ہیں' مگر زانی و چور کی معافی کا کوئی ذریعہ نہیں رکھا' اسے سزا ہی ہوگی کہ قاتل مجرم ذات ہے' مگر یہ دونوں مجرم ملک و قوم۔ چوتھا اعتراض: یہاں معافی کے ساتھ ناس یعنی انسانوں کی قید کیوں لگائی' کیا غیر انسان کو معافی نہ دینا چاہئے۔ جواب: انسان کو معافی دینا خوبی ہے' سانپ' شیر' خونخوار جانوروں کو معافی دینا انسانوں پر ظلم ہے' حلال جانوروں کا ذبح' موذی جانوروں کا قتل تو ثواب ہے' کیا تمہیں خبر نہیں کہ ایک عراقی حاجی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بحالت احرام مچھر یا مکھی مارنا کیسا ہے' آپ نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ تم لوگوں نے حضرت حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا' اور آج مجھ سے مکھی مارنے کا مسئلہ پوچھ رہے ہو' واقعہ کربلا کے وقت یہ مسئلہ کیوں نہ پوچھا؟ تم لوگ پرہیزگار کب کے ہوئے؟ بہرحال انسانوں پر ظلم کر کے جانوروں پر رحم کرنا ہنود کا طریقہ ہے' ان کے ہاں چیونٹی کو مارنا بتیا ہے' بے گناہ مسلمانوں کا قتل ثواب۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص میں یہ تین مذکورہ صفات ہوں وہ محسن ہے' امیری غریبی میں خیرات' غصہ پینا' لوگوں کو معافی دینا اور اللہ تعالیٰ ہر محسن کو پسند فرماتا ہے' جیسا کہ **المحسنین** کے الف لام سے معلوم ہوا تو جس کافر میں یہ تین صفات ہوں کیا وہ بھی خدا تعالیٰ کو پیارا ہے' یہ خوبیاں بہت سے کفار میں بھی ہیں' اگر ایسے کفار بھی رب تعالیٰ کو پیارے ہیں تو اسلام لانے کی ضرورت ہی کیا؟ جس مذہب میں رہ کر نیکیاں کرلو' خدا کے پیارے بن جاؤ گے۔ نوٹ: یہ اعتراض ان لوگوں کی اختراع ہے جو کہتے ہیں کہ ہر مذہب کا نیک کار بخشا جائے گا' ان کے خیال میں ہر مطیع مسلم ہے اور ہر اطاعت اسلام' جیسے ہمارے مولوی ابوالکلام آزاد وغیرہ۔ جواب: استغفر اللہ! اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں دین اسلام پیش نہ فرماتے' بلکہ کفار کو ان کے دین میں رہتے ہوئے نیک اعمال کی ہدایت دیتے' جسے کفار بخوشی قبول کر لیتے' نہ جہادوں کی ضرورت پیش آتی نہ ہجرت کی' یہاں **اللذین** میں **مومنین** مراد ہیں' کیونکہ یہ **متقین** کی تفسیر ہے' جو جنت کے مستحق ہیں' آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جن مسلمانوں میں یہ تین صفتیں ہوں وہ محسن ہیں اور محسن خدا کو پیارے ہیں' لور وہ مسلمان جن میں یہ صفات نہ ہوں وہ محسن نہیں گنہگار ہیں' رب تعالیٰ ان سے ناراض ہے' وہ توبہ کریں' توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کا دل یار کا کاشانہ ہے' جس میں یا یار رہتا ہے یا یار کے اسباب و سامان' یار کا سامان خوف امید اور عشق و درد ہے۔

بے تحجابانہ درآ اندریں کاشانہ ء ما ۔۔۔ کہ بجز درد تو کس نیست دریں خانہ ء ما

یا رسول اللہ میرے دل میں بے پردہ تشریف لاؤ' کہ اس میں آپ کے درد کے سوا کوئی اور نہیں' امیری فقیری' خوشی و غم صحت و بیماری وغیرہ یار کے مہمان ہیں' جو بھی نہ بھی اس منزل میں کچھ دیر ٹھہر کر چلے جاتے ہیں' مومن کو یار پیارا یار کے مہمان بھی پیارے' وہ ان دونوں کی آمد پر خرچ ہی کرتا ہے' دل تنگ نہیں ہوتے' بلکہ ان سراء اور ضراء میں خرچ کرنا ان کی عادت ہے' معافی و درگزر ان کی غذائے روحانی ہے' اور غیظ و غضب ان کا پانی ہے جسے بے تکلف پیتے رہتے ہیں' بعض بزرگوں کی غذا و پانی ایسی چیزیں ہیں جن کا انجام احسان جاودانی ہے' وہ ہر حال میں اور ہمیشہ محسن ہیں' اللہ تعالیٰ کو محسن پیارے ہیں' حضرت فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ احسان کے عوض احسان کرنا بدلہ ہے' اور برائی کے عوض برائی کرنا مجازات ہے یا سزا۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء! ۔۔۔ اگر مردی احسن الی من اساء

رب تعالیٰ فرماتا ہے' جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا بھلائی کے عوض برائی کرنا خباثت ہے' مگر برائی کے عوض بھلائی کرنا کرم و جود کی بڑا کمال ہے' اس آیت میں کرم و جود ہی کا ذکر ہے' انہی کو محسن فرمایا گیا' آیت کا مطلب یہ ہے کہ غصہ پینے والے اور مجرموں کو معافی دینے والے تو متقی ہیں' مگر ان کے ساتھ سلوک کرنے والے محسن ہیں اور محسن خدا تعالیٰ کو بڑے پیارے' تفسیر کبیر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں احسان یہ نہیں کہ تو بھلائی کے عوض بھلائی کر دے' یہ تو بدلہ چکانا ہے' احسان یہ ہے کہ جو تیرے ساتھ برائی کریں تو ان سے بھلائی کر' اگر حضرت روح اللہ کے فرمان کی عملی تفسیر دیکھنا ہے تو حبیب اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی زندگی پاک میں غور کرو' وہ اس آیت کی زندہ جاوید تفسیر ہے اور اس قول کی نہ مٹنے والی شرح' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا! ۔۔۔ دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ!
ترا کے میسر شود ایں مقام! ۔۔۔ کہ با دوستانت خلاف است جنگ

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
اور وہ لوگ جو جب کبھی کریں فحش یا ظلم کریں اپنی جانوں پر تو اللہ کو یاد کریں پھر
اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ يُصِرُّوْا
معافی مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہ سوائے اللہ کے اور نہ اڑیں اس پر جو
معافی چاہیں اور گناہ کون بخشے اللہ کے سوا اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر نہ

عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ

کریں حالانکہ وہ جانتے ہوں یہ وہ ہیں جن کا عوض بخشش ہے انکے رب کی طرف

اڑ جائیں ایسوں کو بدلہ ان کے رب کی بخشش اور

رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ

سے اور باغات ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور اچھا ہے

جنتیں ہیں ان کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیوں کا کیا

اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

ثواب (بدلہ) کام کرنے والوں کا

اچھا نیگ ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی اور متقی دو قسم کے ہیں' ایک نیکیاں کرنے والے' گناہوں سے بچنے والے' دوسرے گناہ کرکے توبہ کرلینے والے' پہلی قسم کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اور دوسری قسم کے متقیوں کا ذکر اس آیت میں' چونکہ پہلی قسم کے متقی اعلیٰ درجہ کے ہیں' اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا' اور ان متقیوں کا درجہ ان کے بعد' اس لئے ان کا ذکر بھی بعد میں ہوا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں لوگوں پر احسان کرنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی رغبت دی گئی تھی۔ اب اس آیت میں خود اپنے نفس پر احسان کرنے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی دعوت دی جارہی ہے کہ توبہ کرنے والا اپنے پر احسان کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں معافی اور غصہ پینے کا ذکر تھا جس سے لوگوں کے ٹوٹے دل جڑ جاتے ہیں اور بچھڑے مل جاتے ہیں' اب توبہ و شرمندگی کا ذکر ہے' جس سے گنہگار کا اپنے رب غفار کے ساتھ ٹوٹا ہوا رشتہء عبدیت پھر قائم ہو جاتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں خوشی و غم میں خرچ کرنے کی ترغیب تھی' خرچ مال کا بھی ہوتا ہے' اعمال کا بھی' احوال کا بھی' الفاظ کا بھی' اب توبہ کا ذکر ہے' جس میں الفاظ و احوال کا خرچ ہوتا ہے' گویا عام خرچوں کے بعد خاص خرچ کا ذکر ہے' **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ متقی وہ ہیں جو ایسے اعلیٰ کام کریں' اب گنہگاروں کو خوشخبری دی جارہی ہے کہ اگر تم وہاں تک نہ پہنچ سکو تو گناہوں سے توبہ کرلو ان کے ساتھ ملحق کردیئے جاؤ گے۔

شان نزول: ان آیات کے شان نزول کے متعلق تین روایتیں ہیں۔ (1) ایک تو وہی جس کا ذکر پہلی آیت کے شان نزول میں کیا جاچکا ہے کہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا گیا کہ بنی اسرائیل بہت خوش قسمت تھے جن کے گناہوں کی معافی یہاں کی بدنامی کے ذریعہ کردی جاتی تھی' ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ اتری کہ نہیں بلکہ خوش نصیب تم ہو کہ تمہارے بڑے سے بڑے گناہ صرف سچی توبہ سے معاف کردیئے جاتے ہیں' تمہاری بدنامی بھی نہیں ہوتی' اور معافی بھی ہو جاتی ہے' حضرت

ابن مسعود کا یہی قول ہے کہ اس سوال پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (2) دوسرے وہ جو کلبی نے روایت کی' کہ ایک انصاری اور ایک ثقفی جن میں گہری دوستی و بھائی چارہ تھا' وہ کبھی آپس میں جدا ہوتے ہی نہ تھے' ایک بار ثقفی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں گئے اور اپنے گھر کا انتظام و کاربار انصاری کے سپرد کر گئے' چنانچہ وہ انصاری کام کاج کے لئے ثقفی کے گھر پردہ کے ساتھ جاتے آتے رہے' ایک دن گوشت یا کوئی اور چیز ثقفی کے گھر دینے گئے' ثقفی کی بیوی نے اندر سے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا' انہوں نے اس کا ہاتھ چوم لیا' فوراً ہی شرمندہ ہو گئے اور جنگل کی طرف چلے گئے' اپنے سر پر خاک ڈالتے تھے' منہ پر طمانچے مارتے تھے' کہتے تھے کہ میں نے غازی بھائی کی خیانت کی' کئی روز تک ان کا یہی حال رہا' جب ثقفی اپنے گھر واپس آئے' تو اپنی بیوی سے پوچھا میرے انصاری بھائی کا کیا حال ہے' وہ بولی خدا ایسے بھائی کسی کو نہ دے' اور تمام ماجرا سنا دیا' ثقفی اس انصاری کی تلاش میں نکلے' انہیں پہاڑوں میں سجدہ ریز اور آنسو بہاتے پایا' جو چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے' الٰہی لٹ گئی میری ساری کمائی' میں اپنے مجاہد و غازی بھائی کا خائن ہوں' اس درد سے عرض کر رہے تھے کہ ثقفی رو پڑے' محسوس یوں ہوتا تھا کہ پہاڑوں کے پتھر بھی ان کے ساتھ رو رہے تھے' ثقفی نے انصاری کو سجدہ سے اٹھایا اور کہا کہ یہاں سجدے نہ کرو' اس شفاخانہ میں چلو جہاں ہر دردمند کا علاج اور ہر بیماری کی دوا ہے' وہاں چلو جہاں گنہگار جایا کرتے ہیں' وہاں چلو جہاں گنہگاروں کو قرآن بھیج رہا ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک** الخ غرضکہ انہیں مدینہ منورہ لے آئے' اتفاقاً عصر کی نماز کے وقت یہ دونوں حضرات مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے' ادھر پہاڑ سے یہ دونوں آئے' ادھر سدرہ سے جبریل امین یہ دونوں آیتیں لے کر آئے' حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔ (3) تیسرے یہ کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص تیہان تھے' جنہیں تیہان تمار کہا جاتا تھا' کیونکہ ان کی کھجوروں کی دکان تھی' ان کی دکان پر ایک حسین عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی' انہوں نے اس سے کہا کہ یہ کھجوریں ردی ہیں' اعلیٰ کھجوریں گھر میں ہیں' وہاں چلو' لے لو' اس بہانے سے اسے گھر میں لے گئے اور اس کا بوسہ لے لیا۔ عورت نے کہا' اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ سے ڈر' کل قیامت میں اللہ کو کیا منہ دکھائے گا' اور اللہ تعالیٰ کا نام سنتے ہی اسے پسینہ آ گیا' رونگٹے کھڑے ہو گئے' شرمندہ ہو کر بارگاہ نبوی شریف میں حاضر ہوئے' تب یہ آیتیں نازل ہوئیں (تفسیر کبیر' خازن' خزائن' روح المعانی وغیرہ) لیکن ان روایتوں میں تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات بیک وقت یا قریب وقت میں پیش آئے ہوں' اور ان تینوں واقعات پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہو۔

تفسیر: **والذین اذا فعلوا فاحشۃ**" واؤ عاطفہ ہے' اور یہ **الذین** پہلے **الذین** پر معطوف ہے اور جو اس **الذین** کا حال تھا پیش یا کسرہ یا زبر' وہی اس کا بھی حال ہے' **اذا** یہاں عموم زمان کے لئے ہے' یعنی جب کبھی **فاحشۃ**" فحش سے بنا' معنی بوجھ' وزن' یا بھاری ہونا' یا برائی میں حد سے بڑھ جانا' یہ پوشیدہ موصوف کی صفت ہے' **فعلۃ**" **فاحشۃ**" موصوف اپنی صفت سے مل کر یا **فعلوا** کا مفعول مطلق ہے یا مفعول بہ' یعنی جب کبھی کوئی فحش حرکت لیں **او ظلموا انفسھم** یہ جملہ **فعلوا** الخ پر معطوف ہے' **ظلموا**' ظلم سے بنا' جس کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں' **انفس**' نفس کی جمع ہے' نفس کے معنی سانس' دل اور ذات وغیرہ ہیں' یہاں بمعنی ذات ہے' فاحشہ اور ظلم میں چند طرح فرق کیا گیا ہے۔ (1) گناہ کبیرہ فاحشہ ہے اور گناہ صغیرہ ظلم۔ (2) عملی گناہ فاحشہ ہے اور قولی گناہ ظلم۔ (3) متعدی گناہ فاحشہ ہے' جس کا اثر دوسروں پر پڑے' لازم گناہ ظلم

جس سے دوسرے متاثر نہ ہوں۔ (4) زنا فاحشہ ہے اور مقدمات زنا' بد نظری وغیرہ ظلم۔ قرآن کریم میں زنا کو فاحشہ بھی کہا گیا ہے' فرماتا ہے **ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ**" ۔ (5) حد سے بڑھنے والا گناہ فاحشہ ہے اور حد کے اندر والا گناہ ظلم **ذکروا اللہ** ذکر سے مراد یا تو دل کا ذکر ہے اور عذاب' جلال' سزا پوشیدہ ہے' یا زبان کا ذکر مراد ہے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا اس کی غفاری ستاری کا بیان کرنا یعنی گناہ کرتے ہی انہیں رب تعالیٰ کا عذاب' حساب یاد آجاتا ہے' یا وہ اس گناہ کی معافی کے لئے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں **ذکر** کے بہت سے معنی ہیں جو ہم دوسرے پارہ میں **فاذکرونی اذکرکم** کے ماتحت بیان کر چکے ہیں' یہاں یاد کرنا مراد ہے یا یاد کرنا یا سوچنا اور غور کرنا۔ **فاستغفروا لذنوبھم**' **ف** تعقیبیہ ہے استغفار کے معنی ہیں بخشش و معافی مانگنا' اس کا مفعول نہ پوشیدہ ہے جو لفظ اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے' **ل** یا تعلیلیہ ہے یا صلہ کا یعنی پہلے وہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں' پھر اپنے گناہوں کی وجہ سے اس سے معافی مانگتے ہیں' یا اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں' **ذنوب** سے سارے چھوٹے بڑے' نئے' پرانے' کھلے چھپے حقوق اللہ' حقوق شرع اور حقوق عباد سارے ہی مراد ہیں' خیال رہے کہ اس جیسی آیات میں **ذنوب** کی نسبت فاعل کی طرف ہے' یعنی گناہ کی گنہگار کی طرف اور **واستغفر لذنبک** میں **ذنب** کی نسبت مفعول کی طرف ہے' وہاں یہ معنی ہیں کہ یا رسول اللہ! گنہگاروں نے جو آپ کی خطائیں اور گناہ کئے ہیں' آپ شفاعت کرتے ہوئے ان کے لئے ہم سے معافی مانگو **و من یغفر الذنوب الا اللہ** یہ جملہ معطوف معطوف علیہ یا ذو الحال اور حال کے درمیان معترضہ ہے' **من** استفہام انکاری کے لئے ہے' خیال رہے کہ یہاں خبر کو بطریق انشاء بیان کیا گیا اور اس میں بھی نفی و اثبات سے کام نہ لیا گیا یعنی نہ تو یہ کہا گیا کہ اللہ گناہ معاف کرتا ہے' نہ یہ کہ خدا کے سواء کوئی گناہ معاف نہیں کرتا' بلکہ بندوں سے پوچھا گیا' اے بندو! بتاؤ خدا کے سوا ایسا کون ہے' جس کی بارگاہ میں مجرم و گنہگار پناہ لیں اور جو گناہوں میں لتھڑے ہوئے کو اپنی بخشش کے پانی میں غسل دے کر پاک و صاف کرے تاکہ بندہ خود اقرار کرے اور جواب دے کہ مولا تیرے سوا موذیوں کو ترانے والا گرتوں کو اٹھانے والا اور مجرموں کو معافی دینے والا اور کوئی نہیں' اور یہ اقرار ہی ایمان و تقویٰ کی اصل ہے **الذنوب** کو جمع اور معرف باللام فرمانے میں وسعت مغفرت کی طرف اشارہ ہے کہ گناہ بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا ہو' معاف فرمانے والے ہم ہی ہیں اس جگہ روح المعانی نے عجیب و غریب نکات لکھے ہیں' جو ہم طوالت کے خوف سے بیان نہیں کرتے **ولم یصروا علی ما فعلوا** یہ جملہ یا تو **فاستغفروا** کا معطوف ہے یا **فاستغفروا** کی ضمیر سے حال ہے' جو شرط کے معنی کا مفید ہے' **لم یصروا** اصرار سے بنا' جس کا مادہ صر ہے' جمعنی مضبوط باندھنا' مضبوط ہو جانا' کسی کے ساتھ ایسا وابستہ ہونا کہ اس سے جدا نہ ہو سکنا' اصطلاح میں خطا پر جم جانے کو اصرار کہتے ہیں' ضد' ہٹ دھرمی کرنا (غیاث) **ما** سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا' یعنی وہ اپنے کئے ہوئے گناہوں پر اڑتے نہیں' ضد نہیں کرتے' بلکہ شرمندہ ہو کر توبہ کرتے ہیں **و ھم یعلمون** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ **لم یصروا** کے فاعل کا حال ہے' اور ہو سکتا ہے کہ **استغفروا** کے فاعل کا حال ہو **یعلمون** کا مفعول بہ پوشیدہ ہے' اس میں بہت سے احتمال ہیں' یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ ہمارا کوئی رب ہے' یا یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے' یا یہ جانتے ہوئے کہ ہم گناہگار ہیں' یا یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے گناہوں سے اس کی رحمت زیادہ ہے' یا یہ جانتے ہوئے کہ بڑے سے بڑا گناہ بخشنا رب تعالیٰ کو آسان ہے' یا یہ جانتے ہوئے کہ میں اگرچہ گنہگار ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں' قابل معافی ہوں یا یہ مطلب ہے کہ وہ جانتے ہوئے گناہ پر ضد نہیں کرتے اگر بھولے

سے دوبارہ گناہ ہو جائے تو دوسری بات ہے **اولئک جزاؤھم مغفرۃ من ربھم** **اولئک** سے ان متقین کی طرف اشارہ ہے جن میں مذکورہ بالا سارے صفات جمع ہوں' ہر حال میں خیرات کرنا' غصہ پینا' لوگوں کو معافی دینا' گناہ کر کے توبہ کر لینا' گناہ پر ضد نہ کرنا بعد میں **ابدا** " بھی فرمایا گیا ہے۔ یعنی جنتی وہاں پہنچ کر نہ مریں گے' نہ کبھی نکالے جائیں گے' نہ منتقل ہوں گے' نیز نہ ان کے باغوں کے پھل کبھی ختم ہوں گے' نہ نہروں کے پانی وغیرہ کبھی خشک ہوں **و نعم اجر العملین** یہ گذشتہ مضمون کا بقیہ ہے' جس میں بتایا یہ ہے کہ ان کا اجر و ثواب نہ بیان میں آسکتا ہے' نہ تو بیان میں یوں سمجھ لو کہ ان کا ثواب بہت ہی اچھا ہے' جسے رب تعالیٰ اچھا فرمائے' سمجھ لو کہ وہ کیسا ہو گا **عاملین** فرما کر یہ بتایا گیا کہ یہ ثواب اعمال کا ہے' اگر تمہیں چاہئے تو نیک عمل کرو۔

خلاصہ ء تفسیر: جن متقیوں سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے' ان میں وہ نیک کار بھی ہیں جن میں مذکورہ بالا صفات ہوں' اور وہ گنہگار بھی داخل ہیں' جن کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ کبیرہ یا صغیرہ سرزد ہو جائے تو فوراً ان کو حیان اللہ کے جلال' اس کے عذاب اور اس کی پکڑ کی طرف جائے اور وہ دل میں سوچیں کہ آج تو ہم نے یہ کر لیا کل حساب کیا دیں گے' اور رب تعالیٰ کے سامنے کیونکر پیش ہوں گے' یہ سوچ کر فوراً اپنے گناہوں کی معافی مانگیں' یا جب بھی ان سے کوئی گناہ ہو جائے تو پہلے اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں' پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں' کیونکہ حمد کے بعد معافی مانگنا زیادہ مفید ہے' خود سوچ لو کہ اے بندو اللہ تعالیٰ کے سواء تمہارا بخشنہار کون ہے' جو تمہاری خطاؤں سے درگزر کرے اور تمہیں معافی دے اور ان کی صفت یہ بھی ہے کہ اپنے کئے ہوئے گناہوں پر اڑ نہیں جاتے' دیدہ و دانستہ پھر گناہ کی ہمت نہیں کرتے' یہی متقی وہ مقبول بندے ہیں' جن کی جزا یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان کے سارے گناہ بخش دے گا' اور بجائے عذاب دینے کے ان میں سے ہر ایک کو ایسے باغات دے گا جن کے نیچے یا جن میں کوثر' سلسبیل' شراب طہور' دودھ اور شہد کی نہریں رواں ہیں' کبھی خشک نہیں ہوتیں' یہ لوگ ان باغوں اور نہروں میں ہمیشہ رہیں گے' نہ مریں' نہ نکالے جائیں' اور نہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کئے جائیں' نہ بیمار پڑیں اور نہ کسی چیز سے انہیں پرہیز کرنے کی ضرورت پڑے' ان کا ثواب اور جنتوں کی تعریف احاطہ ء بیان میں نہیں آسکتی' الفاظ کا دائرہ تنگ ہے' یہ سمجھ لو کہ ایسے اعمال والوں کی بہت ہی اچھا ثواب دیا جائے گا' ترمذی نے حضرت عطاف ابن خالد سے روایت کی' وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث پہنچی ہے' جب یہ آیت کریمہ اتری تو ابلیس چیخنے چلانے' رونے پیٹنے اور سر پر خاک ڈالنے لگا' اس کی ذریت جمع ہو گئی' بولی تجھے کیا ہوا؟ وہ بولا کہ قرآن میں ایسی آیت اتری ہے کہ اب کوئی گنہگار سزا نہ پائے گا' مغفرت کا بڑا عظیم الشان دروازہ کھول دیا گیا ہے' وہ بولے فکر نہ کر ہم ان انسانوں کو حتی الامکان توبہ کی طرف آنے ہی نہ دیں گے' بلکہ ان کے برے اعمال کو ان کی نگاہوں میں اچھا کر دکھائیں گے' جس سے وہ اپنے گناہوں پر بجائے ندامت کے فخر کیا کریں گے' اس پر وہ بہت خوش ہوا (روح المعانی) ابو داؤد نے حضرت ابو بکر صدیق سے روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص گناہوں کی معافی مانگتا رہے' وہ گناہوں پر مصر نہیں اگرچہ دن میں (70) ستر بار گناہ کرے (خازن)۔ بیہقی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے موقوفاً" روایت کی" کہ گناہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور جس سے بندہ توبہ کرے وہ کبیرہ نہیں رہتا (روح المعانی)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** توبہ و استغفار اسلام میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے' ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام نے جنت سے زمین پر آکر پہلی عبادت یہی کی کہ اپنی لغزش کی معافی مانگتے رہے استغفار ہی ایک ایسا وظیفہ ہے۔ جس کے فضائل و فوائد قرآن کریم نے بیان فرمائے کہ ارشاد فرمایا **فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا " یرسل السماء علیکم مدرارا "** الایہ۔ اور استغفار ہی ایسا وظیفہ ہے۔ جس کا وقت بھی قرآن شریف نے بتایا' کہ فرمایا **والمستغفرین بالاسحار** استغفار ہی ایسا عمل ہے۔ جس کی جگہ بھی قرآن شریف نے ہی بتائی کہ فرمایا **جاء وک فاستغفروا اللہ** الایہ۔ استغفار کے فضائل' مسائل اور اس کا تفصیلی بیان ہم تیسرے پارے کی تفسیر میں زیر آیت **والمستغفرین بالاسحار** کر چکے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** صحابہ کرام کی خطائیں ہمارے لئے عطاؤں کا باعث ہیں' دیکھو ان ثقفی یا تمار صاحب کی خطا پر یہ آیات نازل ہوئیں جن سے ہم جیسے گنہگاروں کی ڈھارس بندھ گئی' چنانچہ اس آیت کے نزول پر حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بشارتیں صرف ان کے لئے ہیں یا سب کے لئے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری امت کے لئے۔ **تیسرا فائدہ:** صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ گنہگاروں کا شفا خانہ ہے' وہ خود اپنا علاج نہ کر لیتے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کی نبض دکھا کر دوا کراتے تھے' دیکھو وہ انصاری ان ثقفی کو پہاڑوں سے اٹھا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر توبہ کے لئے لائے۔ **چوتھا فائدہ:** استغفار سے پہلے حمد الٰہی کرنا بہتر ہے' جیسا کہ **ذکروا اللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** گناہ کرتے وقت یا کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ہیبت دل میں آجانا خدا کی خاص رحمت ہے' جیسا کہ **ذکروا اللہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ہر چھوٹا بڑا گناہ قابل معافی ہے' جیسا کہ **فاحشۃ** " اور **او ظلموا** کی تفسیر سے معلوم ہوا' مومن کسی گناہ پر بھی رحمت خدا سے مایوس نہ ہو۔ **ساتواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ اپنے سارے گناہوں کی معافی مانگا کرے ان کی تفصیل یاد ہو یا نہ ہو' جیسا کہ **ذنوب** جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** گناہ کی معافی دینا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے' کسی بندے کو اس کا اختیار نہیں جیسا کہ **الا اللہ** سے معلوم ہوا' عیسائیوں کے ہاں پوپ صاحب گناہ معاف کیا کرتے ہیں' یہ خبر نہیں کہ خود پوپ صاحب کے گناہ کون معاف کرتا ہے' خود ہی کر لیتے ہیں یا کسی اور سے معاف کراتے ہیں۔ **نواں فائدہ:** گناہ صغیرہ پر اڑ جانا اس کو گناہ کبیرہ بنا دیتا ہے' جیسا کہ **لم یصروا** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** توبہ کے لئے اصرار مضر ہے' توبہ کی شرط یہ ہے کہ گذشتہ گناہ پر نادم ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا مضبوط ارادہ ہو' گناہ بھی کرتا جائے اور توبہ بھی' تو یہ توبہ مقبول نہیں' یہ بھی **لم یصروا** سے معلوم ہوا' مگر خیال رہے کہ توبہ کے وقت ہی گناہ کرنے کا ارادہ بھی ہو' یہ برا ہے' لیکن اگر توبہ کے وقت نہ کرنے کا ارادہ مکمل تھا بعد میں پھر گناہ ہو گیا تو یہ توبہ کے لئے مضر نہیں ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ دن میں ستر (70) بار بھی توبہ و گناہ کرتے رہنا قابل معافی ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** نادانی' بے خبری میں بغیر ارادہ برائی سرزد ہو جانا گناہ نہیں' جیسا کہ **وھم یعلمون** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ بخشا جاتا ہے' مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض وغیرہ حقوق العباد بغیر ادا کئے' یا حق والے سے معافی مانگے ادا نہیں ہوتے' وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں

گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر ہے اور حدیث شریف میں حقوق معاف نہ ہونے کا ذکر تھا اور رہیں حقوق کچھ اور حقوق تو حق والے کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فمن عفی لہ من اخیہ شیء** الایہ دیکھو یہاں حق خون کی معافی بندہ کی طرف منسوب کی گئی اور فرماتا ہے **الا ان یعفون** یہاں مہر کی معافی دینے والا بیوی کو قرار دیا گیا ہے' یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گناہ توبہ سے معاف ہوتا ہے اور حقوق العباد سے توبہ کے لئے معافی حاصل کرنا یا حق کا ادا کر دینا شرط ہے تو گویا یہ معافی وغیرہ اس توبہ کا رکن ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر ہمیشہ کا بے نمازی صرف منہ سے توبہ کرے تو کیا چھوڑی ہوئی نمازیں معاف ہو جائیں گی اگر نہیں تو کیوں؟ یہاں **ذنوب** تو مطلق ہے۔ **جواب:** ہرگز معاف نہیں ہوں گی' بلکہ نمازیں قضا کرے' پھر تاخیر کی معافی مانگے' نماز حق ہے اور اس کا چھوڑنا حق شریعت مارنا ہے' حق کی معافی ادا کے بغیر کیسی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ کٹوایا' پھر اس سے توبہ کرائی' معلوم ہوا کہ ہاتھ کٹنا حق کے لئے تھا اور توبہ گناہ کی معافی کے لئے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ گناہ معاف کرنا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے' کسی بندہ کو اس کا اختیار نہیں اور **الا اللہ** سے معلوم بھی یہی ہوا مگر تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گناہ معاف کیا کرتے ہیں' تم لوگ پڑھا کرتے ہو

بخش دو میری خطائیں — دور ہوں غم کی گھٹائیں
بھیج دو اپنی عطائیں — **صلوات اللہ علیک**

یہ عقیدہ اور یہ اشعار صریح شرک ہے اور اس آیت کے خلاف۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک عالمانہ' دوسرا عاشقانہ۔ **جواب عالمانہ:** تو یہ ہے کہ شریعت کے سارے احکام اللہ کا بھی حق ہیں اور اس کے رسول کا بھی' عبادات کرنا اللہ رسول کا حق ہے اور گناہوں سے بچنا اللہ رسول کا حق ہے' اسی لئے رب تعالیٰ نے عبادات کے بارے میں فرمایا **واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** اللہ رسول اس کے حق دار ہیں کہ انہیں لوگ راضی کریں' اور گناہوں کے بارے میں فرمایا **ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ** یعنی جسے اللہ رسول نے حرام کیا اسے یہ حرام نہیں سمجھتے ہیں' اور فرمایا **و یحرم علیھم الخبائث** یہ نبی ان پر گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں' اور سارے احکام شرعیہ کے لئے فرمایا **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** معلوم ہوا کہ ہر حکم شرعی میں اللہ کی بھی اطاعت ہے' اس کے رسول کی بھی' اب ہر نیکی کرنے والا دو حق ادا کرتا ہے حق اللہ اور حق الرسول' اور ہر گناہ کرنے والا دو حق مارتا ہے اللہ کا اور اس کے رسول کا' گنہ گار مجرم جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی چاہتے ہیں' وہ ان کے حق کی معافی چاہتے ہیں' اب پڑھو' بخش دو میری خطائیں' یعنی یا رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے جو گناہ کئے ان سے آپ کو تکلیف پہنچی' مجھے معافی دے دو' دیکھو ہجرت اللہ کی عبادت ہے' مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یخرج من بیتہ مہاجرا الی اللہ و رسولہ** **جواب عاشقانہ:** یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فنا فی اللہ ہیں' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل رب تعالیٰ کا قول و فعل ہے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** اور فرماتا ہے' اے محبوب جو کنکر تم نے پھینکے تھے وہ تم نے نہ پھینکے تھے **ولکن اللہ رمی** (اللہ نے پھینکے) اور جو تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے **ید اللہ فوق ایدیھم** جب یہ معلوم ہو گیا تو سمجھ لو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاف فرمانا رب

تعالیٰ ہی کا معاف فرمانا ہے' جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں معاف کر دیا' وہاں فرما رب رہا ہے' اور زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا ہو رہا ہے' بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ نقش آئینہ کی ہر حرکت و سکون اس نقش کی نہیں بلکہ آئینہ دار کی ہے۔

چوتھا اعتراض: ہر جگہ جنتوں کی تعریف میں یہی آتا ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' یہ کیوں نہیں کہ دریا بہہ رہے ہیں' دریا میں پانی نہر سے زیادہ ہوتا ہے۔ جواب: اس کے جوابات غالباً ہم جلد سوم میں دے چکے ہیں کہ نہر میں حسن ہے' بحر میں نہیں کہ نہر سیدھی خوشنما ہوتی ہے' اور بحر ٹیڑھا کچا' نہر فائدہ مند ہی ہوتی ہے مگر بحر نقصان دہ بھی کہ سیلاب میں شہروں کو بہا لے جاتا ہے' نہر کا پانی اپنے قبضہ میں ہوتا ہے جتنا چاہو چھوڑو مگر بحر کا پانی قبضہ سے باہر۔ نیز باغوں' کوٹھیوں اور محلات میں نہر ہی جاتی ہے' بحر نہیں' جیسا کہ دہلی کے لال قلعہ اور لاہور کے شالامار باغ میں دیکھا گیا' لہٰذا جنتوں میں بھی نہریں ہی چاہئیں۔

تفسیر صوفیانہ: بندہ پر سب سے پہلے اپنی ذات کا حق ہے' دوسرے بندوں کا حق بعد میں' گنہگار اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اسی لئے حضرات انبیاء نے اپنی لغزشوں کو جو در حقیقت گناہ نہ تھیں اپنے نفوس پر ظلم قرار دیا کہ عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** اور عرض کیا **انی کنت من الظلمین** اور یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **او ظلموا انفسہم** ہر زنگ کے لئے ایک میقل ہے' ہر میل کے لئے علیحدہ صابن' ہر منکوث کے لئے علیحدہ پالش' غسل کا صابن اور ہے کپڑے دھونے کا اور' اور چمڑے کی پالش اور ہے' لکڑی و پیتل کی اور' میلے دل کا صابن اللہ کا ذکر ہے' اور زنگ آلود نفس کا میقل استغفار' بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو' گناہوں پر اصرار اور ہمیشگی دل کے لئے ایسی ہے جیسے لوہے کے لئے کٹ۔ کٹ خوردہ لوہے سے کوئی ہتھیار نہیں بنتا' ایسے ہی کٹ خوردہ دل کے ساتھ انسان کچھ بھی نہیں بن سکتا' اگر کچھ بننا چاہتے ہو' تو دل سے یہ سب کچھ نکال دو' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **و لم یصروا** الآیہ' صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گناہ کرکے استغفار پڑھتے ہیں' مگر مقبولین بارگاہ گناہ نہ کرکے بلکہ عبادتیں کرکے استغفار پڑھتے ہیں۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند   عارفاں از اطاعت استغفار

محل میں بیٹھ کر شکار نہیں کھیلا جا سکتا' شکار کے لئے جنگل جانا پڑتا ہے' ایسے ہی غفلت کی کوٹھڑی میں رہ کر قبولیت کا شکار کیسے مل سکتا ہے' اگر قبولیت چاہتے ہو تو بیداری کی وادی میں آؤ' اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت سے نکلنے اور بیداری میں آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

بے شک گزر چکے تم سے پہلے طریقے   پس سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا

تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آ چکے ہیں تو زمین میں چل کر دیکھو کیسا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ

ہوا نتیجہ جھٹلانے والوں کا   یہ بیان ہے واسطے لوگوں کے اور ہدایت اور

انجام ہوا جھٹلانے والوں کا   یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور

مَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝
نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے
پرہیزگاروں کو نصیحت ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جنت و مغفرت کی خوشخبریاں دے کر توبہ اور نیک اعمال کی رغبت دی گئی' اب گذشتہ بدکار کفار کی سزاؤں کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو گناہوں پر اڑنے اور توبہ نہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے' کہ بعض لوگ بشارتوں سے مانتے ہیں اور بعض ڈر سے' پہلے قسم کے لوگوں کے لئے پچھلی آیتیں تھیں' اور دوسروں کے لئے یہ آیتیں ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں اور نیک کاروں کو ثواب (مغفرت و جنت وغیرہ) قیامت کے بعد ملے گا' اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان اعمال کا کچھ فائدہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے' تم لوگ گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالو' پتہ لگے گا کہ بدکار ہلاک ہوئے اور نیک کار محفوظ رہے' گویا ادھار معاوضہ کا ذکر پہلے تھا' نقد کا ذکر اب کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ عمل والوں کا ثواب اچھا ہے اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' چنانچہ اس آیت میں بد عملیوں کی سزا کا ذکر ہے' تاکہ نیک عملوں کی جزاء پہچانی جائے۔

تفسیر: **قد خلت** یہ **قد** یا تقریب کے لئے ہے یا تحقیق کے لئے **خلت'** **خلو** سے بنا بمعنی اکیلا و علیحدہ ہونا۔ اسی سے ہے خلوت' جلوت کا مقابل' مکان خالی وہ جگہ ہے جو رہنے والوں سے الگ ہو' جب یہ لفظ زمانہ کے لئے بولا جائے گا تو گزرنے کے معنی میں ہو گا کیونکہ گذری ہوئی چیز بھی موجود چیزوں سے الگ ہو جاتی ہے (کبیر) یعنی بے شک تم سے پہلے گزر چکے ہیں یا ابھی قریب میں ہی گزرے ہیں **من قبلکم سنن** جار مجرور **خلت** فعل کے متعلق ہے اور **سنن** اس کا فاعل' **سنن سنته** کی جمع ہے جس کا مادہ ہے **سن'** **سن** کے بہت معنی ہیں۔ (1) ایک رخ پر پانی بہانا۔ (2) تیر یا تلوار تیز کرنا۔ (3) جانور کو اچھی طرح چرانا اور اس کی حفاظت کرنا۔ (4) بدلنا و بگڑنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **من حما مسنون'** اصطلاح میں سنت سیدھے راستہ کو بھی کہتے ہیں' اچھے طریقہ کو بھی' عبرتناک واقعہ کو بھی' جماعت اور امت کو بھی' ایک شاعر کہتا ہے۔

ما عاین الناس من فضل کفضلکم　　　ولا راد مثلکم فی سالف السنن!

اس شعر میں **سنن** بمعنی جماعتیں اور امتیں ہے' نیز سنت شرعی احکام کو بھی کہتے ہیں اور دین کو بھی' یہاں **سنن** میں بہت احتمال ہیں' تم سے پہلے امتیں گزر چکیں یا شریعتیں اور دین گزر چکے یا لوگوں کے برے طریقے یا ہماری سزاؤں کے واقعات' سنت حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے اعمال طیبہ و طاہرہ کو بھی کہتے ہیں اور رب تعالیٰ کی عادت کریمہ کو بھی اور لوگوں کے اچھے برے اعمال کو بھی' یہ لفظ قرآن شریف میں ان سب معنی میں آیا ہے (کبیر' خازن' روح المعانی و بیان وغیرہ) **فسیروا فی الارض'** **سیروا** سیر سے بنا بمعنی چلنا اور دوڑنا' اسی عربی میں موٹر کو سیارہ کہتے ہیں' کہ وہ چلتی اور دوڑتی رہتی ہے' **الارض** سے مراد وہ زمین ہے جہاں گذشتہ قومیں آباد تھیں' چونکہ اہل عرب اپنے سفروں میں ان زمینوں پر گزرتے تھے' اس لئے خصوصیت سے

انھیں یہ حکم دیا گیا' تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں سیروا میں صرف قدموں سے چلنے کا ہی حکم نہیں' بلکہ وہاں چل کر جاننا' جاننے والوں سے ان کے حالات پوچھنا' حتی کہ صحیح تاریخ سے ان کے حالات معلوم کرنا سب مراد ہیں' ایک شاعر کہتا ہے۔

ان آثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الآثار

یعنی ہمارے بعد ہمارے نشان و آثار تمہیں ہمارے حالات بتائیں گے' اگر تمہیں ہم کو دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارے نشانات دیکھ لیا کرنا **فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین۔ فاء تعقیبیہ ہے' انظروا** نظر سے بنا' بمعنی دیکھنا' غور کرنا' عبرت پکڑنا' یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں' **کیف** انظروا کا مفعول ہے' **عاقبۃ** عقب سے بنا' بمعنی پیچھے' اسی لئے ایڑی کو عقب کہتے ہیں' کیونکہ وہ قدم کے پیچھے ہوتی ہے' اگلی دنیا کو عاقبت کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کے بعد ہے' نتیجہ اور انجام کو عاقبت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کام کے بعد ہوتا ہے' یہاں بمعنی انجام و نتیجہ ہے' **مکذبین** سے مراد نبیوں اور ان کے علماء کو جھوٹا کہنے والے کفار ہیں یعنی زمین میں اس لئے چلو پھرو اور سیر کرو' تاکہ تم آنکھوں سے دیکھو' دل میں سوچو اور عبرت پکڑو' کہ ان جھٹلانے والے کفار کا جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھوٹا کہا کیا انجام ہوا' ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کو ہے' کیونکہ ابھی ان کا ہی ذکر ہو چکا ہے' اور ہو سکتا ہے کہ کفار کو حکم ہو' اور ممکن ہے کہ سب ہی کو یہ حکم ہو **ھذا بیان للناس' ھذا** سے اشارہ یا تو سارے قرآن شریف کی طرف ہے یا ابھی گذری ہوئی آیتوں کی طرف' **بیان' بین** سے بنا' بمعنی علیحدگی و کشف' کسی چیز کی حقیقت واضح کر دینے کو بیان کہا جاتا ہے' **بیان** نطق سے عام ہے' کیونکہ نطق انسان کے بولنے کو کہتے ہیں' مگر بیان کسی خاص حالت پر دلالت کرنے اور خبر دینے کو بھی کہتے ہیں' خواہ نطق کے ذریعہ ہو یا لکھ کر یا اشارۃ" و کنایتہ" پھر بیان ہدایت سے عام ہے' بیان ہر اظہار کو کہتے ہیں' خواہ کسی قسم کا ہو' مگر ہدایت کامیابی کا راستہ بتانے کو کہا جاتا ہے' حق یہ ہے کہ **للناس** میں الف لام استغراق ہے' یعنی یہ قرآن شریف یا یہ آیتیں بیان تو سارے ہی لوگوں کے لئے ہیں' مومن ہوں یا کافر مگر **و ھدی" و موعظۃ للمتقین** ہدایت کے معنی اور اقسام سورہ فاتحہ کی تفسیر زیر آیت **اھدنا الصراط المستقیم** بیان ہو چکے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ وہ بیان جو کامیابی کا راستہ دکھائے ہدایت کہلاتا ہے' اور وہ بیان جو برے راستہ سے بچائے **موعظت** کہلاتا ہے' گویا **بیان** ایک جنس ہے جس کے نیچے دو نوعیں ہیں' ایک ہدایت دوسرے موعظت' خیال رہے کہ **موعظۃ' وعظ** سے بنا' بمعنی پند و نصیحت و خیر خواہی' **متقین** سے مراد یا سارے مسلمان ہیں یا وہ کفار بھی جن کے نصیب میں ایمان لکھا ہے' یعنی یہ قرآن ہدایت و نصیحت صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے کہ قرآن سے یہ نعمتیں صرف پرہیزگاروں کو ملتی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! نیک اعمال کئے جاؤ' بد عملی سے بچتے رہو تاکہ رب تعالیٰ تم سے راضی رہے' اور تم اس کے عذاب سے محفوظ رہو' کوئی طاقت و قوت کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی' چنانچہ تم سے قبل بہت سی امتیں گزر چکیں' ان کے تکبر' غرور ان کی حرکات بھی گزر چکیں' ان کی حرکتوں پر جو عذاب الٰہی آئے' وہ بھی گزر گئے' تم زمین میں چلو پھرو اور غور کرو' کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا' کہ جب ان پر عذاب الٰہی آیا' تو نہ ان کے مال بچا سکے' نہ کوٹھیاں' نہ جتھے قبیلے' ان چیزوں میں غور کرو' اور اپنے حالات کو درست رکھو' بعد مرے نیک نام انہی کا ہوتا ہے' جو کچھ اچھے کام کر کے جاتے ہیں' کھایا پیا' مال جمع کیا' لوگوں کو ستایا' کفر و بدکاریاں کیں اور چلے گئے' اس کا انجام دائمی لعنت ہی ہے' یہ قرآن کریم بیان واضح تو سارے لوگوں کے

لئے ہے' مگر ہدایت و نصیحت صرف شرک و کفر سے بچنے والے مسلمانوں کے لئے ہے کہ اس سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں' جیسے سورج کی روشنی تو سارے عالم کے لئے ہے مگر راہ دکھانے والا صرف آنکھوں والوں کے لئے ہے نہ کہ اندھوں کے لئے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھنا ہو اور اس کے قہر و غضب کا نظارہ کرنا ہو تو عذاب والی اجڑی بستیوں کو جا کر دیکھنا چاہئے' جیسا کہ سیروا سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا پتہ لگانا ہو تو سفر کر کے رحمت والی بستیوں کو جا کر دیکھو' اور ان بزرگوں کے آستانوں پر حاضری دو' جو خود تو صدیوں سے قبور میں سو رہے ہیں' مگر ان کے مزارات پر رونقیں لگی ہوئی ہیں' یہ بھی سیروا ہی سے معلوم ہوا' حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں سنن سے مراد کافر پر عذاب اور مومنین پر رحمت بھی کچھ ہے کہ دنیا نہ تو مومنوں کے ساتھ رہی نہ کافروں کے ساتھ' مگر مومن کی ثنائے جمیل دنیا میں اور ثواب جزیل آخرت میں رہ گئے' اور کافر پر لعنت دنیا میں اور عذاب آخرت میں رہے (تفسیر کبیر)۔ تیسرا فائدہ: بزرگوں کے عرسوں پر سفر کر کے جانا باعث ثواب ہے کہ یہ بھی سیروا فی الارض کی ایک قسم ہے' جب عبرت حاصل کرنے کے لئے کفار کی بستیوں میں سفر کر کے جانا جائز ہوا تو امید و رجا حاصل کرنے کے لئے ان مقدس مقامات کا سفر کیوں حرام ہو گا۔ چوتھا فائدہ: علم تاریخ مبارک ہے' اس کا پڑھنا سعادت اگرچہ کفار کی ہلاکت کی ہی تاریخ ہو' بشرطیکہ تاریخ درست ہو' کہ اس سے بہت عبرتیں نصیب ہوتی ہیں' جیسا کہ فانظروا سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: گذشتہ امتوں نے اگرچہ بڑی بدکاریاں کیں' مگر عذاب الٰہی صرف نبی کو جھٹلانے پر آیا' فرعون بنی اسرائیل کے بچے ذبح کراتا رہا' قوم شعیب ناپ تول میں بے ایمانیاں کرتی رہی' قوم لوط صدیوں سے بدکاریوں میں مبتلا رہی' مگر عذاب میں اسی وقت گرفتار ہوئی جب پیغمبر کے مقابلہ میں آئی' جیسا کہ عاقبة المکذبین سے معلوم ہوا' مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد   میلش اندر طعنۂ پاکاں دہد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد   تا دلے صاحب دلے نامد بدرد

چھٹا فائدہ: قرآن شریف کا عام فیض تو عام لوگوں کے لئے ہے یعنی ہر چیز کا بیان واضح' مگر خاص فیض خاص لوگوں کے لئے یعنی ہدایت دینا اور راہ راست پر لگا دینا' جیسا کہ ھذا بیان الخ سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: قرآن کریم کا بیان یا ہدایت ہونا عام لوگوں کے لئے ہے نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے سب کچھ سکھا پڑھا اور سمجھا دیا تھا' اور آپ پہلے ہی سے ہدایت پر تھے' جیسا کہ للناس اور للمتقین سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: سیروا صیغہ امر ہے' اور امر وجوب کے لئے آتا ہے تو چاہئے کہ نماز و روزہ کی طرح کفار کی اجڑی بستیوں پر سفر کر کے جانا بھی ہر شخص پر فرض ہو' حالانکہ اسے کوئی فرض نہیں مانتا۔ جواب: امر صرف وجوب کے لئے نہیں آتا' بلکہ استحباب و اباحت کے لئے بھی ہوتا ہے' یہاں استحباب کے لئے ہے' اور اگر وجوب کے لئے بھی ہو تو یہ وجوب ان لوگوں کے لئے ہو گا جنہیں بغیر یہ نظارے کئے ہوئے خوف خدا میسر نہ ہو سکے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عذاب کی زمینوں میں سفر کر کے جانا جائز' بلکہ بہتر ہے' مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ سوائے تین مساجد کے اور کسی طرف سفر نہ کرو' وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: حدیث شریف میں ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنے کی

ممانعت ہے' وہ بھی اس وقت جبکہ دوسرے شہر کی مسجدوں میں نماز کا زیادہ ثواب ملنے کا عقیدہ ہو 'مثلاً کوئی سمجھے کہ دہلی کی جامع مسجد میں لاہور کی مسجد سے نماز کا زیادہ ثواب ملتا ہے پھر لاہور سے سفر کرکے وہاں نماز پڑھنے جائے' یہ سفر منع ہے کہ بد عقیدگی پر مبنی ہے' ورنہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد' تجارتوں وغیرہ کے لئے بہت سفر کئے ہیں' قرآن شریف سے بہت سفر ثابت ہیں' سفر کے اقسام و احکام ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھئے۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم نے یہ تو فرمایا کہ زمین میں چلو پھرو اور وہاں کے واقعات سے عبرت پکڑو' مگر جغرافیائی حیثیت سے نہ زمین کا پتہ بتایا' نہ وہاں کے باشندوں کا' مضمون ناقص رہا' یہ فرمانا چاہئے تھا کہ فلاں قوم فلاں جگہ آباد تھی جو تباہ کردی گئی۔ **جواب:** یہ بتانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ عرب میں یہ واقعات اور ہلاک شدہ قوموں کے مقامات مشہور تھے' سب کو معلوم تھے' ان میں کا ہر شخص جانتا تھا کہ یہ جگہ فلاں قوم کی ہے' اور اس جگہ فلاں قبیلہ آباد تھا' اور نسب و نسبت' شہرت سے بھی معتبر ہے' دیکھو ہم کہتے ہیں فلاں شخص فلاں کا بیٹا ہے' محض شہرت سے' ورنہ ہم نے اس کے والدین کا نکاح نہ دیکھا' فلاں جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف ہے کیوں؟ فقط شہرت سے' ہم نے اس بال شریف کی اسناد نہ پڑھی' آج فلاں تاریخ فلاں دن' فلاں مہینہ ہے' کیوں؟ فقط شہرت سے' ہم نے یہ اس دن و تاریخ اور مہینہ کی پیدائش دیکھی' نہ اس کا تقرر' اس کی پوری بحث ہماری کتاب **جاء الحق** حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم صرف لوگوں کے لئے بیان ہے' حالانکہ یہ تو جنات اور فرشتوں کے لئے بھی بیان ہونا چاہئے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے نبی ہیں' تو قرآن بھی ساری مخلوق کی کتاب ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اصل مقصود انسان ہیں' دوسری مخلوق ان کے تابع ہے' جب یہ انسانوں کے لئے بیان ہوا' تو دیگر مخلوقات کے لئے بھی ہو گیا' نیز قرآن کریم کے سارے احکام صرف انسانوں پر جاری ہیں' دیگر مخلوق پر نہیں' روزہ و زکوٰۃ فرشتوں پر نہیں' حج مع ان شرائط کے جنات پر فرض نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ **ھٰذا** سے مراد وہ عذاب ہیں' جو پچھلی قوموں پر آئے' چونکہ عذاب انسانوں پر ہی آئے تھے' جنات یا فرشتوں پر نہ آئے تھے لہذا ان سے عبرت بھی انسان ہی پکڑیں' لہذا ان ہی کے لئے اس کا بیان مناسب ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم صرف پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے نصیحت بھی' وہ تو پہلے ہی سے پرہیزگار ہیں' انہیں ہدایت و نصیحت کی ضرورت ہی کیا' **جواب:** اس کا تفصیلی جواب سورہ بقر کے شروع میں **ھدی** " **للمتقین** کی تفسیر میں گزر گیا کہ متقین سے مراد مومنین ہیں اور ہدایت سے مراد اعمال کی ہدایت ہے' واقعی عمل کی ہدایت مومن ہی کو ہو سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: سیر دو قسم کی ہے قلب کی اور قالب کی' قالب کی سیر تو قدموں سے ہے' مگر قلب کی سیر فکر و نظر کے قدموں سے ہے' قالب کی سیر کے لئے یہ زمین ہے' جس پر یہ ظاہری آسمان سایہ فگن ہے' مگر قلب کی سیر کے لئے زمین ہی دوسری ہے' جس کا آسمان ہی نرالا ہے' اور اس آسمان پر چاند سورج تارے جداگانہ ہی ہیں' اس آیت میں اسی سیر قلب کا حکم دیا گیا ہے' یعنی اے وہ لوگو جو وطن قالب سے منتقل ہو کر خالق کی طرف جانا چاہتے ہو' تم نفسانی محبوبوں سے جدا ہو کر اور نفسانی وطن کو چھوڑ کر نظر و فکر کے قدموں سے زمین معرفت میں چلو اور سیر کرو' مگر اس سیر میں وہ راستہ اختیار نہ کرنا جو تم سے پہلے والے بوالہوسوں کا تھا' حیوانیت کے عیوب سے گزر کر روحانیت کے آسمان تک پہنچو اور اخلاق ربانی اختیار کرو' وہاں پہنچ کر تمہیں پتہ

گے کہ ان جھوٹوں کا انجام کیا ہوا جو نفسانیات میں پھنس کر روحانیات کے مدعی تھے' یہ قرآن کریم ناسی یعنی عہد و میثاق کو بھول جانے والوں اور غفلت میں پھنس جانے والوں کے لئے کھلا بیان ہے' اور دنیا سے بچنے والوں کے لئے رب تعالیٰ تک پہنچنے کا ہادی ہے' اور بدیوں سے بچنے کا صحیح واعظ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک اس آیت کریمہ میں کسی اور ہی زمین کی سیر کا حکم دیا گیا ہے' مولانا فرماتے ہیں کہ اس زمین کے حالات اس زمین سے جدا گانہ ہیں' اس زمین کی بارشیں' کھیتیاں' باغات کچھ اور ہی ہیں۔

نیست ایں باراں ازیں ابر شما ہست باراں دیگر و دیگر سما!

رب تعالیٰ ہمیں بھی اس قال کو حال بنائے اور وہ سفر نصیب کرے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ
اور نہ سست پڑو اور نہ غمگین ہو اور تم ہی غالب ہو اگر ہو تم ایمان والے اگر
اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو اگر
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِ
پہنچی ہے تم کو تکلیف تو بے شک پہنچی تھی اس قوم کو تکلیف اسی طرح کی اور یہ زمانہ ہے کہ گھماتے ہیں
تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو بے شک وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پاچکے ہیں اور یہ دن ہیں جنہیں ہم نے
لُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
ہم ان کو درمیان لوگوں کے اور تاکہ جان لے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور بنائے تم میں سے
لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں اور اس لئے کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو
شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
شہید اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو اور تاکہ صاف کردے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان
شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کو نکھار

اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾
لائے اور مٹادے کافروں کو
دے اور کافروں کو مٹا دے

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ گذشتہ زمانہ میں کفار ہلاک کیے گئے' اور مومن غالب رکھے گئے' اب نتیجے کے طور پر مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ تم احد کی تکلیف پر پریشان نہ ہو' یہ ایک عارضی چیز تھی جو گزر گئی' آخر کار فتح اور غلبہ تمہارے ہی لئے ہے' گویا پچھلی آیت میں مثال تھی اور اس آیت میں

اس کے نتیجہ کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ قرآن کریم پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ پرہیزگار وہ ہے جو دنیا کے ہر زم و گرم برداشت کرنے کا عادی ہو کہ اس کے بغیر تقویٰ پر استقامت ناممکن ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں گذشتہ کافروں کے انجام میں غور کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب اس آیت میں موجودہ کافروں کا انجام دیکھنے کے لئے مسلمانوں کو تیار کیا گیا۔

شان نزول: ان آیات کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔ (1) ایک یہ کہ جنگ احد کے مسلمانوں کو پتہ لگا کہ ابوسفیان مع اپنے لشکر کے پھر مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آ رہے ہیں' وہ میدان احد میں اپنے ظاہری غلبہ سے دھوکا کھا گئے ہیں اور اب مدینہ کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صرف وہی حضرات جو غزوۂ احد میں شریک تھے فوراً" روانہ ہو جائیں اور ابوسفیان کے مقابلہ میں پہنچیں اور پتہ کریں کہ ان کی فوج کہاں ہے' اس حکم پر ان مسلمانوں کو بہت تکلیف کا احساس ہوا' ان کی تسلی کے لئے یہ آیات کریمہ اتریں۔ (2) غزوۂ احد میں عین جنگ کی حالت میں جبکہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے' اور ان میں افراتفری پھیل گئی تھی کہ خالد ابن ولید نے مشرکین کی ایک جماعت لے کر احد کے ایک ٹیلہ پر چڑھنے اور وہاں سے مسلمانوں پر بھرپور حملہ کرنے کی کوشش کی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے تھے" آپ نے یہ سخت خطرہ محسوس فرما کر دعا کی' خدایا تو ہی ہماری طاقت و قوت ہے' اس وقت سوا ان مسلمانوں کے تیری عبادت کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' اور اس دعاء شریف کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پریشاں حال مسلمانوں میں سے ہی ایک جماعت خالد ابن ولید سے پہلے احد پر چڑھ گئی اور انہوں نے حضرت خالد کی اس فوج پر حملہ کر دیا' جس سے مشرکین کی یہ جماعت بھاگ نکلی' اور مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکی' اگر خدا نخواستہ یہ حملہ ہو جاتا تو مسلمانوں کو بے اندازہ تکلیف پہنچ جاتی (تفسیر کبیر' روح المعانی' تفسیر خازن وغیرہ)۔ (3) جنگ احد ختم ہونے کے بعد ابوسفیان نے تین آوازیں دیں' کیا قوم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ کیا قوم میں ابوبکر ہیں؟ کیا قوم میں عمر ابن خطاب ہیں؟ اودھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ خاموش رہو' جب ادھر سے کوئی جواب نہ دیا گیا تو ابوسفیان بولے' یہ تینوں قتل کر دیئے گئے' حضرت عمر سے نہ رہا گیا' چیخ پڑے' کہ اے **عدوا اللہ** اللہ کی قسم یہ تینوں زندہ ہیں' اور تیرے سینہ میں کھٹکتے رہیں گے' تب ابوسفیان فخریہ یہ گانے لگے **اعل ھبل اعل ھبل** یعنی اے ہبل اونچا ہو جا اونچا ہو جا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب دو **اللہ اعلی و اجل** یعنی ہبل بے چارہ کیا اونچا ہو گا' اونچا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے' ابوسفیان بولے **ان لنا عزی ولا عزے لکم** یعنی ہمارے پاس تو عزی بت ہے تمہارے پاس کچھ بھی نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب دو **اللہ مولانا ولا مولی لکم** ہمارا والی اور وارث اللہ تعالیٰ ہے تمہارا کوئی والی وارث نہیں' تب ابوسفیان بولے کہ بدر کا بدلہ ہو گا' ہم تم برابر ہو گئے' عمر فاروق بولے ہرگز نہیں' ہمارے مقتول جنتی' تمہارے مقتول جہنمی' پھر برابری کیسی؟ تب دریائے رحمت الٰہی جوش میں آ گیا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں حضرت فاروق اعظم کی تائید فرمائی گئی اور مسلمانوں سے اس تکلیف کے عوض آئندہ فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا (تفسیر صاوی و کبیر)۔

تفسیر: **ولا تھنوا ولا تحزنوا' لا تھنوا** وھن سے بنا' بمعنی ضعف و کمزوری' زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی رب

انی وھن العظم منی خدایا میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں' دراصل **لا توھنوا** تھا واؤ گر گیا **یعد** کے قاعدے سے' **لا تحزنوا حزن** سے بنا' بمعنی غم و رنج کرنا' **وھن** کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہے اور حزن کا تعلق گذشتہ سے' ظاہر یہ ہے کہ دونوں خطاب غازیان غزوۂ احد کو ہیں پھر تمام صحابہ کو' پھر سارے مسلمانوں کو' یعنی اے غازیان احد تم احد کی تکلیف سے آئندہ کے لئے ضعیف' بلاداں' کمزور نہ ہو جاؤ' آئندہ جملوں کے لئے تیار رہو' اور نہ اس احد کی تکلیف کا غم و پرواہ کرو' **و انتم الا علون** واؤ حالیہ ہے' **انتم** میں غازیان احد' پھر تمام صحابہ پھر سارے مسلمانوں سے خطاب ہے' **اعلون' اعلیٰ** کا جمع مذکر ہے' **اعلیٰ علو** کا اسم تفضیل' اس جملہ میں یا ماضی کی طرف اشارہ ہے' یا زمانہ حال کی جانب یا استقبال کی طرف' یعنی جنگ بدر میں تم ان سے اعلیٰ رہے تھے کہ تم نے کفار کے ستر (70) سپاہی مارے تھے اور ستر (70) قید کئے تھے اور بہت سے زخمی' تم نے ستر قیدیوں کا فدیہ لیا تھا' جنگ احد میں کفار صرف ستر مسلمانوں کو شہید کر گئے' تمہارا کوئی قیدی ان کے ہاتھ نہ لگا' نہ تم نے انہیں کوئی فدیہ دیا' یا جنگ احد میں بھی تم ہی اعلیٰ ہو' کہ تمہارے مقتول شہید ہیں' شہادت بڑی اعلیٰ نعمت ہے' ان کے مقتول حرام کی موت مرنے والے' تمہاری ظاہری شکست بھی تمہاری بلندی ہے' نیز تمہاری جنگ اللہ کے لئے ہے' کفار کی جنگ شیطان کے لئے' تم لڑو تو غازی ہو' وہ لڑیں تو فسادی' کنز الاعلیٰ تم ہی ہو یا آئندہ تم سربلند رہو گے' چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ احد کے بعد صحابہ نے کفار سے کبھی شکست نہ کھائی' غزوۂ حنین میں اگرچہ اولاً مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' مگر پھر تم گئے اور مظفر و منصور ہوئے بلکہ عہد صدیقی و فاروقی میں بھی شکست نہ کھائی' خصوصاً غازیان احد میں سے اگر ایک صحابی بھی کسی جنگ میں شریک ہو گئے' تو فتح و نصرت نے اس لشکر کی قدم بوسی کی (روح المعانی' کبیر وغیرہ) **ان کنتم مؤمنین** اگر **انتم الا علون** ماضی یا حال تھا تو اس میں ان کی جزا پوشیدہ ہے اور اگر مستقبل تھا تو وہ جملہ اس شرط کی جزاء ہے' یعنی اگر تم مومن ہو تو ایمان لاؤ اور مان جاؤ کہ پہلے بھی تم ہی اعلیٰ تھے اور اس جنگ احد میں بھی تم ہی اعلیٰ رہے' غازی اور شہید بنے' یا اگر تم مومن رہے تو اعلیٰ اور فتح یاب تم ہی رہو گے' یا اے مسلمانو! اگر تم کامل مسلمان ہو تو فتح و غلبہ تمہارا حق ہو گا **ان یمسسکم قرح** یہ تمام آیت **اعلون** کا ثبوت ہے یا **لا تھنوا** کی وجہ' **ان** شک کے لئے نہیں بلکہ تسلی و تشفی کے لئے ہے کیونکہ غازیان احد کو تکلیف تو یقیناً پہنچی تھی' **یمسس مس** سے بنا' بمعنی چھونا یا پہنچنا' یہاں دوسرے معنی میں ہے' **قرح' ق** کے فتح سے زخم اور پیش سے بھی' یا تو دونوں ہم معنی ہیں جیسے **جھد و جھد** یا **ضعف و ضعف** اور **وجد و وجد** یا **قرح** فتح سے زخم اور پیش سے زخم کا درد تکلیف' بعض نے کہا کہ **قرح** فتح سے وہ زخم جو خارجی وجہ سے پہنچے' اور **قرح** پیش سے' وہ زخم جو داخلی وجہ سے لگے' یہاں وہ تکلیف مراد ہے جو مسلمانوں کو احد میں پہنچی **فقد مس القوم قرح مثلہ' فقد** کی فاء تعلیلیہ ہے جزائیہ نہیں' گذشتہ شرط کی جزا تو پوشیدہ ہے' یہ جملہ اس جزاء کی علت ہے' **قوم** سے مراد کفار مکہ ہیں جو احد میں آئے تھے' اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کفار کی کون سی تکلیف مراد ہے' جو انہیں پہنچی' بعض فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کی تکلیف مراد ہے' تو **مثل** سے مراد برابری نہیں بلکہ تشبیہ دینا مقصود ہے' کیونکہ کفار کو بدر میں مسلمانوں سے زیادہ تکلیف پہنچی تھی اور احد میں مسلمانوں کو کم' بعض کے خیال میں خود جنگ احد کی تکلیف مراد ہے' کیونکہ احد کے شروع میں کفار قریباً پچیس چھبیس مارے گئے تھے جن میں ان کا علمبردار بھی تھا' اور بہت سے زخمی ہوئے تھے' بعد میں درہ خالی چھوڑ دینے پر مسلمان ستر شہید اور ستر زخمی ہو گئے' اب بھی **مثل** سے مراد برابری نہیں' بلکہ تشبیہ ہے' ورنہ احد میں مسلمانوں کو زیادہ تکلیف پہنچی تھی' یعنی اے غازیان

احد اگر تمہیں احد میں تکلیف پہنچ گئی تو غم نہ کرو کیونکہ ان کفار کو بھی بدر میں یا خود احد میں اول وقت اسی طرح تکلیف پہنچی (کبیر و معانی)۔ **و تلک الایام نداولها بین الناس**' **تلک** مبتدا ہے اور **ایام** خبر' **نداول** ایام کی صفت یا **تلک الایام** مبتداء ہے اور **نداول** خبر **تلک** سے مراد یا تو تکلیف کے دن ہیں یا راحت کے' **ایام** یوم کی جمع ہے یوم دن کو بھی کہتے ہیں' وقت کو بھی اور وقت میں ہونے والے واقعات کو بھی خواہ واقعات رحمت کے ہوں یا عذاب کے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وذکرهم بایام اللہ** یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور رحمت کے واقعات یاد دلاؤ' **نداول دول** سے بنا بمعنی پھیرنا' گھمانا' منتقل کرنا اسی لئے گردش یا باری و نوبت کو دولہ یا دولتہ کہتے ہیں' مال کو دولت اسی لئے کہتے ہیں کہ گھومتا رہتا ہے' رہٹ کو دولاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ گھومتا رہتا ہے' اور پانی گھماتا رہتا ہے' یہ دول اور آب سے بنا' **ناس** سے مراد سارے ہی انسان ہیں مومن ہوں یا کافر' یعنی یہ فتح و ظفر یا شکست اور تکلیف کے زمانے یا ان کے واقعات ہم لوگوں میں گھماتے اور چکر دیتے رہتے ہیں **و لیعلم اللہ الذین امنوا** واؤ عاطفہ ہے' اور یہ جملہ ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہو کر **نداول** کی علت ہے اور **لیعلم** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے' **الذین امنوا** اس کا مفعول' **امنوا** سے مراد مخلص مومن ہیں منافقوں کے مقابل' یا یہ جملہ **ان یمسسکم** کی علت ہے' یعنی فتح و ظفر کا قوموں میں الٹتے بدلتے رہنا یا احد میں مسلمانوں کو تکلیف اور ظاہری شکست پہنچ جانا بہت سی حکمتوں سے ہے اور اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر ظہور مخلص مسلمانوں کو منافقوں سے چھانٹ کر جان لے کہ منافق تو ان تکالیف پر چیخ اٹھیں یا گھبرا جائیں' مگر مخلص مومن اللہ پر صابر شاکر رہیں' یا اللہ کے دوست صحابہ کرام مخلص مومنوں کو ان علامات سے پہچان لیں' صحابہ کا جاننا پہچاننا گویا رب تعالیٰ ہی کا جاننا ہے (کبیر) **و یتخذ منکم شهداء** یہ جملہ **لیعلم** الخ پر معطوف ہے' اور **نداول** کی دوسری حکمت کا بیان' **یتخذ' اتخاذ** سے بنا بمعنی بنانا ہے' **باتخاذکم العجل منکم**' کا من ابتدائیہ یا تبعیضیہ ہے **شهداء شهید** کی جمع ہے' جس کے لغوی معنی ہیں حاضر' گواہ' اور اصطلاحی معنی ہیں' وہ مسلمان جو ظلماً" مارا جائے' یہ جمع ایسی ہے جیسے کریم کی جمع **کرماء**' اور رحیم کی جمع **رحماء**' ظریف کی **ظرفاء**' یعنی غزوہ احد کی تکالیف میں یا ان واقعات فتح و شکست کے الٹتے بدلتے رہنے میں دوسری حکمت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مسلمانوں کو درجہ شہادت ملتا ہے' جو اسلام میں بہت اعلیٰ ہے' بعض صحابہ کو غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکنے پر افسوس ہوا تھا' اور ان کے دلوں میں شوق شہادت تھا' اس غزوۂ احد میں وہ حضرات اپنی مراد کو پہنچ گئے **واللہ لا یحب الظلمین**' **ظالمین** سے مراد یا تو منافقین ہیں' جو احد کی جنگ سے عین موقعہ پر لوٹ گئے یا کفار' یعنی ان کفار احد کے ظاہری غلبہ یا منافقوں کے ان تکالیف سے بچ جانے کی وجہ یہ نہیں' کہ ہم کفار یا منافقین سے محبت کرتے ہیں' یہ تو ہمارے ہاں بڑے مردود ہیں' ان کی وجہیں وہ ہیں جو بیان ہوئی ہیں' ان کفار کو حقیقی فتح نہ ملی ہے نہ ملے گی' حقیقی فتح تو تمہاری ہوگی **و لیمحص اللہ الذین امنوا** یہ جملہ **و یتخذ** پر معطوف ہے' اور واقعہ احد کی تیسری حکمت کا بیان' **یمحص تمحیص** سے بنا جس کا مادہ **محص** ہے' جس کے لغوی معنی ہیں خالص کرنا' نکھارنا' صاف کرنا' کسی چیز کا ہر عیب سے پاک کر دینا یہاں جماعت صحابہ کو منافقین سے پاک و صاف کر دینا' مخلص و منافق سے پہچان کرا دینا مراد ہے' یعنی واقعہ احد میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ مخلصین کو نکھار دیا' منافقوں سے پاک و صاف کر دیا' اور مخلصین کا چھٹ جانا رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے **و یمحق الکافرین** یہ جملہ **لیمحص** پر معطوف ہے اور واقعہ احد کی چوتھی حکمت' **محق** کے معنی ہیں کم کرنا' بے برکت کرنا یا بتدریج بالکل فنا کر دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے

یمحق اللہ الربوا ' **کافرین** سے مراد یا تو غزوہ احد میں آنے والے کفار ہیں یا سارے کفار عالم ' اس واقعہ احد میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس سے کفار کو کم یا فنا کر دیا جائے گا کہ وہ کفار اس غلبہ سے خوش ہوں گے ان کے حوصلے بڑھیں گے ' پھر مسلمانوں سے جنگ کی ہمت کریں گے اور خوب مار کھائیں گے ان کا یہ غلبہ آئندہ مغلوبیت کا پیش خیمہ ہو گا اگر اب بھی وہ بدر کی طرح شکست ہی کھا جاتے تو آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ کی شاید ہمت نہ کرتے اور محفوظ رہتے ' یہ مطلب نہیں کہ احد کے سارے کفار ہلاک کر دیئے جائیں گے ان میں سے اکثر بعد میں مسلمان ہو گئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! اس غزوہ احد کے پیش آنے والے واقعات کی بناء پر تم نہ تو آئندہ کے لئے کمزور و سست پڑو اور نہ گزشتہ تکلیف کی کچھ پروا کرو ' تم ہی پہلے بھی غالب تھے اور احد میں بھی غالب رہے اگر سچے مومن ہو تو یہ بات مان لو ' یا اگر تم سچے پکے مومن رہے تو ہمیشہ غالب تم ہی رہو گے ' یہ سوچ لو کہ اگر احد میں تمہیں کچھ تکلیف پہنچ گئی تو بدر میں یا خود جنگ احد کے شروع میں یوں ہی کفار کو بھی تکالیف پہنچی ' وہ تو سست نہ پڑے ' حالانکہ وہ جھوٹے ہیں ' تو تم سچے ہو کر ان کی عارضی مغلوبیت پر سست کیوں پڑے جاتے ہو ' خیال رکھو کہ یہ فتح و شکست کے واقعات تو قوموں میں اولتے بدلتے ہی رہتے ہیں ' کبھی کوئی قوم غالب ہے تو کبھی وہ مغلوب ' کبھی دن ہے کبھی رات ' کبھی چاند پورا ہے کبھی ناقص ' کبھی کوئی صحت مند ہے کبھی بیمار ' کبھی کوئی دولت مند تو کبھی وہ فقیر ' ان عارضی حالات کا دل پر کیوں اثر لیتے ہو ' احد شریف کے ان واقعات میں بہت سی مصلحتیں ہیں ' جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ ان تکالیف سے مخلص و مومن ممتاز ہو گئے ' اب تک رلے ملے تھے ' اب چھٹ گئے اور مخلصین کو ہمیشہ کے لئے منافقین کی چالوں سے امن مل گئی ' دوسرے یہ کہ اسی احد شریف میں بعض مخلصین کو اللہ نے درجہ ء شہادت نصیب کیا کہ یہ حضرات مر کر بھی نہ مرے ' اور کفار جی کر بھی مر گئے ہم کافروں سے محبت نہیں فرماتے ' ان کا یہ غلبہ محبوبیت کی علامت نہیں ' تیسرے یہ کہ اس واقعہ احد کی برکت سے نکھار ہو گیا کہ مسلمان تو اپنے تمام گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے ' منافقوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور کفار کے آئندہ مار کھانے ' کفر مٹنے کا سامان ہو گیا کہ اب کفار اسی غلبہ سے دھوکا کھا کر پھر مسلمانوں کے مقابل آئیں گے اور مار کھائیں گے خیال رہے کہ احد شریف میں پچھتر (75) مسلمان شہید ہوئے ' جن میں سے پانچ مہاجرین تھے ' جن میں حضرت حمزہ ابن عبد مطلب اور مصعب ابن عمیر بھی تھے اور ستر (70) انصار (تفسیر خازن)۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کل شہداء احد ستر (70) ہیں ' جن میں سے پانچ مہاجر اور پینسٹھ (65) انصار واللہ اعلم ' ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا کہ مدینہ منورہ کی عورتوں میں ایک عورت انصاری میدان احد میں پہنچی اپنے بیٹے اور خاوند کو مقتول و شہید پایا ' دوسری عورتوں نے بتایا کہ یہ تیرے جوان لخت جگر اور خاوند کی نعشیں ہیں ' وہ بولی یہ بتاؤ کہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ اسے بتایا گیا کہ زندہ ہیں ' وہ بولی کہ جب وہ زندہ ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے (روح المعانی) یہ تھا ان بیویوں کا کمال ایمان ' ورنہ ماں کو اولاد سے خصوصاً جوان بیٹے سے جو محبت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے ' اللہ تعالیٰ ان بیویوں کا چھینٹا ہم کو نصیب فرمائے اور ان کے طفیل ہمارے بگڑے حال بنائے ' آمین۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صحابہ ء کرام رب تعالیٰ کے ایسے محبوب و پیارے ہیں کہ جب ان پر کوئی رنج و غم آتا ہے ' تو رب تعالیٰ ان کی تسلی و تشفی کے لئے قرآنی آیتیں اتارتا ہے ' تاکہ قیامت تک لوگ یہ آیتیں

پڑھتے رہیں اور ان کی محبوبیت کے گیت گاتے رہیں جیسا کہ **ولا تحزنوا** سے معلوم ہوا اپنے پیاروں کو ہم تسلی دیتے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غلاموں کو رب تعالیٰ تسلی دیتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام کامل مومن تھے' کامل مومن رہے' اور انہوں نے کمال ایمان پر وفات پائی' کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا' اگر تم مومن رہو گے تو **وانتم الاعلون** سربلند رہو گے' اور ' حضرات سربلند تو رہے' کہ تخت و تاج و خلافت الیہ کے مالک رہے' معلوم ہوا کہ وہ کامل مومن بھی رہے' دیکھو رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم مومنین کو زمین کی خلافت دیں گے' اور انہیں یہ خلافت کامل طور پر عطاء فرمائی۔ **تیسرا فائدہ:** دنیوی تکلیف پر بھی دین میں سستی نہ کرنی چاہئے' اور نہ اس کا اثر دل میں لینا چاہئے' دنیا کچھ بھی رنگ دکھائے' مگر مسلمان دین پر قائم رہے' یہ بھی **لا تهنوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** مسلم قوم کو کفار کے حالات سنا کر جوش دلانا سنت الیہ ہے' جیسا کہ یہاں **مس القوم** فرمانے سے معلوم ہوا' **پانچواں فائدہ:** دنیا میں بلندی اور پستی باری باری سے قوموں کو ملتی ہے' اس پر کسی ایک قوم کا اجارہ نہیں' جیسا کہ **نداولها** سے معلوم ہوا' یہ قانون قدرت قیامت تک جاری ہے' اخبارات دیکھنے والوں کو معلوم ہو گا کہ آج کل بعض بادشاہ اور شہزادے نوکری (مزدوری) کر کے پیٹ پال رہے ہیں' اور ان کے ملک پر ان کے جیتے جی دوسرے قابض ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** مسلمانوں کے لئے اتفاقی شکست بھی ترقی درجات کا باعث ہے' جیسا کہ **و يتخذ منكم** سے معلوم ہوا' مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ مار آئے تو غازی' مر گئے تو شہید' لٹ گئے تو روزہ' لوٹ لائے تو عید۔ **ساتواں فائدہ:** مصیبت و تکلیف کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہے' جیسا کہ **و ليعلم الله الخ** سے معلوم ہوا' سچا وہ ہے جو تکلیف میں ساتھ رہے' دیکھو فتح مکہ سے پہلے جن صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانی و مالی خدمات کیں ان کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا **اولئک اعظم درجة** " لہٰذا کوئی مسلمان صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا' کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکلات کے ساتھی ہیں' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کو کبھی نہ بھولے' کیوں؟ اس لئے کہ وہ مصیبتوں کی ساتھی تھیں' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

سب سے پہلی ماں کہف امن و اماں　　　حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام

آٹھواں فائدہ: کافر خواہ کتنی ہی نیکیاں کرے مگر رب تعالیٰ کو پیارا نہیں' جیسا کہ **لا يحب الظلمين** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** مومن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو مگر اسے رب تعالیٰ نکالتا نہیں' جیسا کہ **و يتخذ الخ** سے معلوم ہوا' دیکھو جو حضرات غلطی سے احد کا درہ چھوڑ گئے تھے' انہی کی غلطی سے یہ تمام تکلیف آئیں' مگر انہیں بھی شہداء فرما کر اپنے دامن کرم میں لے لیا۔ **دسواں فائدہ:** رب تعالیٰ کے ہاں شہید کا بڑا درجہ ہے' جیسا کہ **شهداء** سے معلوم ہوا' اسے شہید اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جان نکلتے ہی جنت بلکہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو جاتا ہے' (شہید بمعنی حاضر) یا اس لئے کہ دوسرے تو اپنی زبان ارکان جنان سے توحید و رسالت کی گواہی دیتے ہیں' مگر شہید اپنے خون کے قطروں سے یہ گواہیاں دیتا ہے' دیکھو سب کا خون ناپاک' شہید کا خون پاک' اسی لئے رب تعالیٰ نے شہید کو تیسرے نمبر پر رکھا' کہ فرمایا **من النبين والصديقين والشهداء**۔ **گیارھواں فائدہ:** جہاد میں مومن کا قتل اس کے گناہوں سے نکھر جانے کا ذریعہ ہے' جیسا کہ **وليمحص** سے معلوم ہوا' حتیٰ کہ امام شافعی کے ہاں شہید پر نماز بھی نہیں پڑھی جاتی کہ اس کے سارے گناہ تلوار سے معاف ہو چکے' اب نماز کی ضرورت ہی کیا رہی' اور اسے غسل و کفن تو ہمارے ہاں بھی نہیں' سبحان اللہ شہید ایسا نکھرا کہ اس کے کپڑے و بدن بھی نکھر گئے' دل' نفس اور روح کے نکھار

کاٹو کیا پوچھنا۔ **بارھواں فائدہ:** کافر کا قتل اس کے مٹانے کا ذریعہ ہے' جیسا کہ **ویمحق** سے معلوم ہوا' کیا لطف ہے کہ قتل ایک ہے مگر نتیجے اس کے دو کہ اس سے مومن بڑھتے اور نکھرتے ہیں' مگر کافر گھٹتے اور بگڑتے ہیں' مومن راہ خدا میں مر کر دین و قوم کو زندہ کر جاتا ہے۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا ایمان مشکوک تھا جسے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ بیان فرمایا کہ فرمایا **ان کنتم مئومنین**' **ان** شک کے لئے آتا ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ **الزامی:** تو یہ ہے کہ تم صحابہ کے ایمان کی فکر تو پیچھے کرنا' پہلے خدا کے علم کی خیر مناؤ کہ اسی تقریر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ **ان** شک کے لئے آتا ہے' اور شک بے علم کرتا ہے' معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو خبر نہ تھی کہ یہ ایمان پر رہیں گے یا نہیں؟ **العیاذ باللہ**: **جواب تحقیقی:** یہ ہے کہ ایسے مقام پر **اگر** مگر شک کے لئے نہیں ہوتا بلکہ سننے والے کو جوش دلانے کے لئے ہوتا ہے' ماں اپنے سگے بیٹے سے کہتی ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری نافرمانی نہ کرنا' کیا اسے اس کے بیٹا ہونے میں شک ہے' کتاب اللہ کی فہم کے لئے عقل کے ساتھ ایمان کی بھی ضرورت ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصیبتوں پر غم کرنا ایسا ہی ممنوع ہے' جیسے دیگر محرمات شرعیہ' کیونکہ وہاں بھی صیغہ نہی آیا ہے' یہاں بھی پھر تو سارے مسلمان فاسق ہوئے کہ مصیبت پر غم ایک غیر اختیاری چیز ہے' جو سب ہی کو ہوتا ہے۔ **جواب:** مطلقاً" غم ممنوع نہیں' بلکہ غم کے باعث دین میں سستی کرنا ممنوع ہے' اسی لئے یہاں **لا تحزنوا** کو **لا تھنوا** کے ساتھ جمع فرمایا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو واقعات عالم کا پہلے سے علم نہیں ہوتا بلکہ ہو چکنے پر وہ جانتا ہے' دیکھو یہاں فرمایا گیا **لیعلم اللہ** تاکہ اللہ جان لے اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا** اب تک اللہ نے مجاہدین کو نہ جانا' ایک جگہ فرمایا گیا **الا لنعلم من یتبع الرسول**۔ **نوٹ:** مسلمانوں میں ایک ملحد گزرا ہشام ابن حکم' اس نے ان آیات کی بناء پر یہی مذہب اختیار کیا کہ رب تعالیٰ کو علم واقعات ہو چکنے کے بعد ہوتا ہے' اور اس زمانہ میں واں بھچراں کے بعض جہلاء نے بھی یہی عقیدہ اختیار کیا۔ **جواب:** اس اعتراض کے علماء نے مختلف جواب دیئے ہیں' جن میں سے بڑا پیارا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ کے پیاروں یعنی صحابہ کرام کا جاننا مراد ہے' ان کی عزت افزائی کے لئے رب تعالیٰ نے ان کے علم کو اپنی طرف منسوب فرمایا' لہذا مطلب یہ ہوا کہ تاکہ صحابہ کرام مخلصوں و منافقوں کو جان پہچان لیں' (تفسیر کبیر و خازن)۔ جیسے **یخدعون اللہ** کی تفسیر میں خازن نے فرمایا' **یخدعون رسول اللہ** بعض نے فرمایا کہ اللہ ممتاز کر دے' اللہ ظاہر کر دے' اللہ ظاہر کر کے جان لے وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** جب مسلمان خدا کے پیارے ہیں تو ان پر گردشیں آتی ہی کیوں ہیں؟ **نداولھا** سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی مسلمانوں کا مددگار ہو جاتا ہے' کبھی کافروں کا' یہ عجیب دوستی ہے کہ دوست کو دشمنوں سے پٹوایا جائے' تمہارے بزرگوں کا کلام بھی اس کے خلاف ہے' چنانچہ سعدی کہتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا کہ در دست دشمن گذارد ترا (آریہ)

جواب: اس کا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے' پنڈت جی بولو! تم لوگ خدا کے پیارے ہو یا نہیں؟ اگر

نہیں تو چھوڑو اس دھرم کو' جس میں رہ کر تم مردود بن گئے' اور اگر ہو تو پھر دوسروں کے ہاتھ مار کیوں کھا جاتے ہو' پرماتما تمہاری مدد کیوں نہیں کرتا؟؟ قریباً" آٹھ سو سال تک تم پر ہتیارے مسلمانوں نے حکومت کیوں کی؟ **جواب تحقیقی:** یہ ہے کہ دنیا میں ایمان بالغیب ضروری ہے' اگر ہمیشہ مسلمانوں کو ہی فتح ہوا کرے' تو یہ دیکھ کر سارے کافر مسلمان ہو جائیں یعنی اسلام کی حقانیت شہادت بن جائے' اس لئے کبھی مسلمانوں سے ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جس سے مسلمان شکست کھا جاتے ہیں' شیخ سعدی نے اس کے خلاف نہیں فرمایا' وہ تو فرما رہے ہیں' کہ اگر تم خدا کے دوست ہو تو وہ تمہیں دشمنوں میں چھوڑے گا نہیں' کبھی پھنس جاؤ گے تو رہائی دے گا' اور صحابہ کرام کی تکالیف تاقیامت مسلمانوں کے لئے مثال ہے' کہ آئندہ مسلمان تکالیف میں گھبرایا نہ کریں' بلکہ ایسے حالات میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیا کریں۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کا دل کاشانہ یار ہے' جس میں سوائے محبوب اور اس کے سامان کے دوسرے کی گنجائش نہیں دنیا کے رنج و غم' راحت و خوشی دل میں نہیں جانے پاتے' کہ وہاں ان کی جگہ ہی باقی نہیں رہی' چاہئے یہ کہ دل دنیاوی خوشی و غم میں رہے' خوشی و غم دل میں نہ رہے۔

دیکھ اے آتش سوزاں میرا گلشن نہ جلے چاہے رگ رگ جلے پر یار کا مسکن نہ جلے

اسی لئے فرمایا گیا اے مسلمانو! تم تو بہت اونچے پہنچ چکے ہو' دنیوی رنج و غم تو بہت نیچے کی چیزیں ہیں' وہ تم تک کیسے پہنچ سکتے ہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے نمک کی کان میں جو چیز پہنچے نمک بن جاتی ہے اور کیمیا سے جو دھات لگے سونا بن جاتی ہے' ایسے ہی جو مصیبت و راحت مومن کو پہنچے' وہ اس کا ایمان بن جاتی ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ گیرد علتے علت شود کفر گیرد ملتے ملت شود!

حضرت مولانا حسن رضا خان صاحب فرماتے ہیں۔

جو کچھ نمک کی کان میں آیا نمک ہوا قاتل کے تیر بھی مرے ارمان ہو گئے

دیکھو رب تعالیٰ نے غازیان احد کے لئے وہاں کی تکلیف کو شہادت' نکھار' علم یقین کا ذریعہ بنایا' روح البیان نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک جنگل میں ایک شخص کو حیرانی کی حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا' جو برابر آسمان کو دیکھ رہا تھا' دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا' آپ نے اسے آواز دی' بازو پکڑ کر ہلایا' مگر اسے مطلقاً" خبر نہ ہوئی' وحی آئی کہ اے عیسیٰ! اگر تم اسے قتل بھی کر دو تو اسے خبر نہ ہو گی' کیونکہ ہم نے اس کے دل میں اپنی معرفت کا ایک ذرہ رکھ دیا ہے' جسے اوھر کی خبر ہو جائے وہ اوھر کا نہیں رہتا' مگر خیال رہے کہ مجاہدہ کے بعد مشاہدہ ملتا ہے' ان نعمتوں کو حاصل کرنے کے لئے محنتوں کی ضرورت ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
کیا تم نے خیال کر لیا ہے کہ داخل ہو جاؤ تم جنت میں حالانکہ ابھی تک نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو جو
کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ

جہاد کریں تم میں سے اور نہ جانا صبر والوں کو اور بے شک تم تمنا کرتے تھے موت کی

نہ کیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی اور تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

اس سے پہلے کہ تم ملو اس سے پس بیشک دیکھ لیا تم نے اسے حالانکہ تم نظر کر رہے تھے

اس کے ملنے سے پہلے تو اب وہ تمہیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں جنگ احد کی مصیبتوں کی تین حکمتیں ارشاد ہوئیں، اب چوتھی حکمت کا ذکر ہو رہا ہے، یعنی پچھلی آیتیں بھی بیان حکمت کی تھیں، اور یہ آیت بھی اسی کی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں واقعات احد کے دنیاوی فوائد کا ذکر ہوا، اب اس آیت میں انہی کے دینی فائدے کا ذکر ہے، یعنی وہاں شہادت و کھرے کھوٹے کی چھانٹ وغیرہ مذکور تھے، اب جنت میں داخلے کا ذکر ہے، جس کا ظہور قیامت کے بعد ہوگا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ ان واقعات سے مومنوں کا نکھار اور کافروں کا مٹانا مقصود ہے، اب اس آیت میں اس نکھار کا مقصد بتایا جا رہا ہے کہ جنت کا داخلہ نکھرے ہوئے اور ستھرے ہوئے مسلمانوں کو میسر ہوگا۔

تفسیر: **ام حسبتم ان تدخلوا الجنة** ظاہر یہ ہے کہ **ام** منقطعہ ہے بمعنی بل وہمزہ استفہام، **حسبتم**، **حسبان** سے بنا بمعنی خیال و گمان، خیال درست ہو یا غلط، مگر یہاں غلط خیال مراد ہے، غالباً اس میں خطاب ان غازیان احد سے ہے جن کے قدم اکھڑ گئے تھے یا جنہیں ان مصیبتوں سے کچھ دل تنگی ہو گئی تھی، صابرین و شاکرین سے نہیں (معانی و کبیر وغیرہ) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ بظاہر خطاب غازیان احد سے ہے، مگر درحقیقت آئندہ مسلمانوں کو سنانا ہے کہ ان لوگوں نے تو صبر و جہاد کا حق ادا کر دیا، **داخلہ** سے مراد جزاء کے لئے داخلہ ہے، آدم علیہ السلام کا کچھ روز جنت میں رہنا اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کی شب جنت میں جانا جزاء نہ تھا، **جنت** سے مراد کسبی جنت ہے نہ کہ وہبی و عطائی، لہٰذا آیت بالکل صاف ہے، خیال رہے کہ جنت میں روحانی داخلہ شہداء وغیرہ کو مرتے ہی مل جاتا ہے مگر جسمانی داخلہ سب کو بعد قیامت ملے گا، یعنی اے غازیان احد یا اے گھبرا جانے والو! کیا تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ تم جنت میں یونہی پہنچ جاؤ گے **ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم**، **لما**، **لم** اور **ما** سے بنا، **لم** مطلقاً ماضی کی نفی کے لئے آتا ہے، **لما** ماضی میں نفی کے استغراق اور آئندہ کی توقع کے موقع پر استعمال ہوتا ہے، **لم یضرب** اس نے نہ مارا، **لما یضرب** اس نے اب تک تو نہیں مارا، آئندہ مارنے کی توقع ہے، **زجاج** کہتے ہیں کہ اگر کہا جائے کیا فلاں نے یہ کام کیا؟ تو جواب ہوگا **لم یفعل** نہ کیا اور نہ کہا جائے کیا فلاں نے یقیناً یہ کام کیا تو جواب ہوگا **لم یفعل** نہ کیا اور یہ کہا جائے کیا فلاں نے یقیناً یہ کام کیا تو جواب ہوگا **لما یفعل** ہرگز نہ کیا (کبیر و معانی) گویا **لما** میں نفی مع مبالغہ ہوتی ہے، یہاں اللہ کے علم کی نفی سے مراد یا ظہور علم کی نفی ہے یا خود واقعہ کی نفی کیونکہ علم الٰہی واقعہ کے مطابق ہونا ضروری ہے بلکہ واقعہ کا علم الٰہی کے موافق ہونا لازم اور لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی خود بخود ہو جاتی

ہے لہٰذا اللہ کے نہ جاننے سے مراد اس کا واقع نہ ہونا ہے کہ اگر واقع ہو تا تو اللہ یقیناً جان لیتا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے علم سے مسلمانوں کا علم مراد ہو' حضرت مترجم قدس سرہ نے ان دونوں علموں کا ترجمہ امتحان و آزمائش فرمایا' جس سے معلوم ہو تا ہے کہ علم سے علم ظہور مراد ہے' جو آزمائش کے بعد ہو تا ہے' کیونکہ رب تعالیٰ کا علم ازلی قدیم ہے' لہٰذا آیت بالکل بے غبار ہے' **جاھدوا** جھد سے بنا' بمعنی مشقت اللہ کی راہ میں کفار سے لڑنے کو جہاد اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں جانی و مالی بہت مشقتیں ہوتی ہیں' یعنی اب تک رب تعالیٰ نے ظاہر کر کے تمہارے غازیوں کو نہ جانا' یا رب تعالیٰ نے ابھی غازیوں کی آزمائش نہیں فرمائی' یا اب تک مسلمانوں نے غازیوں کو نہیں جانا **و یعلم الصبرین**' **یعلم** سے پہلے **ان** مقدر ہے' کیونکہ یہ واؤ صرف ہے' جس کے بعد **ان** پوشیدہ ہو تا ہے' جیسے کہا جاتا ہے **لا تا کل السمک و تشرب اللبن** امام حسن کی قرات میں اس **یعلم** کے میم کو زیر ہے' کیونکہ ان کے ہاں واؤ عاطفہ ہے' اور یہ **یعلم** پہلے **یعلم** پر معطوف ہے اور **لما** کی وجہ سے مجزوم' **صبرین** سے مراد یا شہداء ہیں کہ وہ لوگ صابروں کے سردار ہیں یا جہاد میں جم کر لڑنے والے غازی یا مطلقاً ہر مصیبت میں صبر کرنے والے لوگ یعنی نہ اب تک اللہ نے صابروں کو ظاہر طور پر جانا ہے یا آزمایا ہے' خیال رہے: کہ ایک قرات اس **یعلم** کے پیش سے ہے' اس صورت میں یہ واؤ ابتدائیہ ہے اور جملہ نیا' اب معنی یہ ہوں گے کہ رب تعالیٰ صابروں کو جانتا ہے' انہیں بقدر صبر اجر دے گا **ولقد کنتم** اس میں خطاب یا تو ان صحابہ سے ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے' کیونکہ اس وقت نہ جنگ کا اعلان تھا نہ اس کا ارادہ' صرف ابو سفیان کے قافلہ کو روکنے کا قصد تھا' کچھ صحابہ نکلے تھے' کچھ نہ گئے تھے واقعہ بدر کے بعد نہ جانے والے بہت پچھتائے اور روئے اے کاش! ہم بھی وہاں ہوتے' تو جام شہادت پیتے' یا ان صحابہ سے ہے' جنہوں نے غزوۂ احد کے موقعہ پر شوق شہادت میں مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کی مخالفت کی تھی' میدان کارزار میں جا کر جارحانہ جنگ پر زور دیا تھا **تمنون الموت تمنون**' **تمنی** سے بنا جس کا مادہ **منی** ہے' بمعنی آرزو' خواہش جمع امانی' تمنا ممکن بات کی بھی ہوتی ہے ناممکن کی بھی مگر امید صرف ممکن کی ہوتی ہے' یہ کہا جا سکتا ہے کہ کاش جوانی لوٹ آتی' مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ شاید جوانی لوٹ آئے' **موت** سے مراد راہ خدا میں موت یعنی شہادت ہے' اس کی تمنا بری نہیں بلکہ عبادت ہے' اور ہو سکتا ہے کہ اس سے جنگ مراد ہو' کیونکہ یہ سبب موت ہے' یعنی اے بدر سے رہ جانے والے صحابہ یا اے میدان احد میں آنے کی کوشش کرنے والے جانثارو! تم تو شہادت یا جہاد کی تمنا کرتے تھے **من قبل ان تلقوہ** جار مجرور **تمنون** کے متعلق ہے' **تلقوہ** لقاء سے بنا **ہ** کا مرجع موت ہے یعنی تمہاری آرزوئے شہادت موت یا علامات موت یا اسباب موت (جنگ) دیکھنے سے پہلے تھی' وقت پڑنے پر تم گھبرا گئے **فقد رایتموہ و انتم تنظرون**' **فقد** کی فاء تعقیبیہ ہے یا جملیہ اور **و انتم** کا واؤ حالیہ ہے' اور ما بعد واؤ ہے' یا تو **رایتموہ** کے واؤ سے حال ہے یا **ہ** ضمیر سے۔ رویت اور نظر' قریب المعنی ہیں' یہاں یا تو رویت سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے' اور نظر سے مراد دل سے دیکھنا اور غور کرنا یا دونوں بالکل ہم معنی ہیں' اور دوسرا جملہ پہلے کی تاکید جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا یا آنکھیں کھول کر دیکھا' یا ایسی آنکھوں سے دیکھا جن میں کوئی بیماری نہیں یعنی تم نے اس تمنا کی ہوئی موت کو ظاہر ظہور آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا یا آنکھوں سے دیکھا اور دل سے پہچان لیا کہ موت ایسی سخت چیز ہے' بعض لوگوں نے فرمایا کہ **تنظرون** کا مفعول لفظ محمد ہے' یعنی تم نے موت کو اس حال میں دیکھا کہ تمہاری نظریں حضور انور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگی ہوئی تھیں۔ (معانی)۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! کیا تمہیں یہ خیال ہو گیا ہے کہ تم جنت جیسے اعلیٰ مقام میں یونہی پہنچ جاؤ گے' تمہارا امتحان آزمائش کچھ نہ ہوگی؟ ابھی تو رب تعالیٰ نے یہ دیکھا بھی نہیں ہے کہ تم میں مجاہد کون ہے' غیر مجاہد کون' صبر والا کون ہے گھبرانے والا کون' جب تک کہ یہ چھانٹ نہ ہو' تب تک جنت میں داخلہ کیسا؟ وہاں تو چھنے ہوئے' نکھرے ہوئے' نکھرے ہوئے مسلمانوں کی جگہ ہے' خیال رہے کہ یہ سوال بمعنی نفی ہے یعنی ایسا خیال کبھی نہ کرنا' جنت میں جانا ہے تو اس کے لئے مشقتیں برداشت کرنا پڑیں گی' جب دنیا کی فانی نعمت بغیر محنت نہیں ملتی' تو وہ نعمت لازوال بغیر کمال کیسے ملے گی' تم تو اس سے پہلے جہاد کی شہادت کی تمنائیں کرتے تھے اور تمہاری آرزو تھی کہ کبھی ہمیں جانثاری کا موقع ملے' اب تم نے ظاہر ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جہاد یہ ہے اور موت ایسی ہوتی ہے' تمہیں یہ دکھانے کے لئے یہ واقعات پیش آئے آئندہ کبھی مصیبت میں گھبرا نہ جانا' اور آفات ناگہانیہ میں دل چھوڑ نہ دینا' ہمیشہ ثابت قدمی سے جہاد کرنا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رب تعالیٰ سے امید ایمان کا رکن ہے' مگر صحیح امید یہ ہے کہ پہلے اس کی فرمانبرداری کرے' پھر اس کے کرم سے امید رکھے' نیکی نہ کرنا اور امید رکھنا بوالہوسی ہے' بدکاریاں کرنا اور امید رکھنا گویا اسلام کا مذاق اڑانا ہے' جیسا کہ **ولما یعلم اللہ** سے معلوم ہوا' ایک شاعر کہتا ہے۔

ترجوا النجاۃ ولم تسلک مسالکھا ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

امید کی کشتی نیکیوں کے دریا میں تیراؤ' ریتے میں کشتی نہیں تیرتی' حضرت شہر ابن حوشب فرماتے ہیں کہ گناہ کر کے جنت کی طلب' یہ بھی گناہ ہے' شفاعت کا انتظار بغیر سبب دھوکا ہے' جس کی اطاعت نہ کی جائے' اس کی رحمت کا انتظار حماقت ہے (روح المعانی)۔ **دوسرا فائدہ:** جنتیوں اور دوزخیوں کی حقیقی چھانٹ تو قیامت ہی میں ہوگی' کہ جنتیوں کے منہ اجیالے' دوزخیوں کے کالے ہوں گے وغیرہ' مگر اس چھانٹ کی علامات دنیا میں بھی قائم ہیں' جن سے یہاں ہی جنتی' دوزخی کا اندازہ' پتہ لگ جاتا ہے' ان علامات میں سے جہد اور صبر بڑی علامتیں ہیں' انشاء اللہ مجاہد اور صابر جنتی ہیں' جیسا کہ **جاھدوا** اور **صابرین** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہمیشہ نیک اعمال میں رب تعالیٰ کی رضا کی نیت کرنی چاہئے' دکھلاوے اور دنیاوی نام و نمود کا ارادہ ہرگز نہ کرے' یہ بھی **ولما یعلم اللہ** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** تمنائے شہادت جائز بلکہ بہتر ہے' جیسا کہ **الموت** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جنگ کی تمنا بہتر نہیں' جیسا کہ **الموت** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' کہ موت سے مراد جنگ ہے' اور یہ کلام عتابانہ ہے' اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنگ کی دعائیں نہ کرو' اللہ کریم سے امن و عافیت مانگو' اور جب جنگ آپڑے تو صبر و استقامت سے کام لو۔ **چھٹا فائدہ:** بارگاہ الٰہی میں حضرات صحابہ کا بڑا احترام ہے' کہ ان کی خطاؤں کا ذکر بھی اس طرح فرماتا ہے' کہ ان کے احترام و عزت میں فرق نہ آئے' دیکھو جن کے قدم جنگ احد میں اکھڑ گئے تھے' ان سے یہ نہ فرمایا کہ تم نے بغیر عمل جنت میں جانے کی نیت کر رکھی ہے بلکہ استفہام انکاری کے طریقہ پر یہ مضمون ادا کیا' یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لئے ہے' دیکھو داؤد علیہ السلام کو ان کی ایک لغزش یا خطاء پر خبردار کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے ان کی خدمت میں دو فرشتے فتویٰ لینے بھیجے' جنہوں نے عرض کیا کہ اس کے پاس 99 بکریاں ہیں' میرے پاس ایک' مجھ سے وہ یہ ایک بھی لینا چاہتا ہے' فرمایئے اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں' جو بے دھڑک حضرات انبیاء کرام یا

صحابہ عظام پر زبان طعنہ دراز کرتے رہتے ہیں' رب تعالیٰ تو رب تعالیٰ ہو کر ان کا احترام فرمائے اور یہ بندے ہو کر بے لگام ہو جائیں' **ساتواں فائدہ:** سارے صحابہ جنتی ہیں' جیسا کہ **ان تدخلوا** الخ سے معلوم ہوا' کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں ان حضرات کے جنتی ہونے کی نفی نہ فرمائی' بلکہ انہیں جنت میں جانے کی تدبیر بتائی کہ تم جنت کے لئے منتخب ہو چکے ہو فلاں فلاں نیکیاں کرو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام آرام طلب تھے' بغیر محنت جنت میں جانا چاہتے تھے' اس میں ان کی بدعقیدگی بھی تھی اور بد عملی بھی' ورنہ رب تعالیٰ اس آیت میں ان کی تردید **ام حسبتم** الخ سے نہ فرماتا۔ **جواب:** یہ آیت ہی بتا رہی ہے کہ ان کے دل میں آرام طلبی اور بغیر عمل جنت میں جانے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا' اسی لئے رب تعالیٰ نے انکاری سوال کے ذریعہ انہیں آئندہ کے لئے اس سے منع فرمایا' یہ فرمایا کہ تم ایسا گمان کئے بیٹھے ہو' اور بہت دفعہ نیک کاروں کو بھی برائیوں سے منع فرمایا جاتا ہے' حضرت لقمان نے اپنے مومن بیٹے سے کہا تھا **یا بنی لا تشرک باللہ** بیٹا! کبھی شرک نہ کرنا' رب تعالیٰ نے میثاق کے دن حضرات انبیاء علیہم السلام سے فرمایا تھا' جو اس عہد سے پھرے گا وہ فاسق ہو گا' حالانکہ وہاں پھرنے کا احتمال بھی نہ تھا' افسوس کہ معترض کی نظران بے عیبوں کی طرف تو اٹھتی ہے مگر کبھی اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالا جاتا کہ ہم نے اسلام کی خدمات میں کون سی قربانیاں پیش کیں' اور کیا بہادری دکھلائی وہ حضرات تو قرآن شریف جمع کر کے' ملک فتح کر کے لاکھوں کو مسلمان بنا کر دین کو دنیا میں پھیلا کر ہم تک اسلام پہنچا کر دنیا سے گئے ہم نے کون سا کام کیا اللہ تعالیٰ انہیں ہم سب کی طرف سے جزائے خیر دے' کہ ہمیں ان کی بدولت ہی دولت ایمان ملی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو واقعات عالم کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی' جب واقعات عالم رونما ہو جاتے ہیں تب جانتا ہے' جیسا کہ **لما یعلم اللہ** سے پتہ لگا۔ **جواب:** اس کی جوابات تفسیر میں گزر گئے' یہاں ایک مثال سمجھ لو' ایک شخص ایک مکان بنانا چاہتا ہے' تو پہلے اس کا نقشہ اپنے ذہن میں لیتا ہے' پھر اسے کاغذ پر کھینچ کر اپنے ذہنی نقشے کے مطابق کرتا ہے' پھر مکان بنا کر اسے دیکھتا ہے' اور اپنے ذہنی اور کاغذی نقشوں کے مطابق پاتا ہے' اس شخص کو اس مکان کے تین علم ہوئے ایک ذہنی نقشہ قائم کرتے وقت' دوسرا کاغذ کا نقشہ دیکھ کر' تیسرا اس مکان کو دیکھ کر ان تینوں علموں کے اوقات جداگانہ ہیں' رب تعالیٰ کو عالم کے ذرہ ذرہ کا پہلے ہی سے علم تھا' یہ علم قدیم ہے' پھر اس کا نقشہ لوح محفوظ پر کھینچا گیا اور اس کھینچے ہوئے نقشہ کا علم بھی خدا کو ہوا' مگر نقشہ کھینچنے کے بعد پھر ان نقشوں کے مطابق عالم ظہور میں آیا' اس عالم کو دیکھ کر بھی رب تعالیٰ کو مشاہدہ سے علم ہوا' مگر عالم بن جانے کے بعد یہ آخری دونوں علم حادث ہیں' جہاں کہیں قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا' تاکہ ہم جان لیں یا اب تک ہم نے نہیں جانا' اس سے یہ تیسرا علم ہی مراد ہوتا ہے جسے علم ظہور کہتے ہیں' ہم کو بھی یہ تین قسم کے علوم حاصل ہیں جسے علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین کہا جاتا ہے' ہم کو جنت کا آج بھی علم ہے اور دیکھ کر بھی علم ہو گا' مگر ان دونوں علموں میں فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بغیر جہاد و صبر کے اور نیک اعمال کے جنت نہیں مل سکتی تو چاہئے کہ مسلمانوں کے فوت شدہ بچے دیوانے اور گنہگار جنہوں نے اپنی عمریں گناہوں میں گذاریں' جنت میں نہ جائیں' حالانکہ تمہارا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں جنت عملی و کسبی کا ذکر ہے' جنت عطائی وہبی کا ذکر دوسری آیتوں اور احادیث میں ہے' واقعی جنت کسبی بغیر

اعمال نہیں ملتی' اچھوں کے طفیل ہم بروں کا جنت میں جانا عطائی یا وہبی طور پر ہوگا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام موت کی تمنا کرتے تھے' حالانکہ حدیث شریف میں اس سے منع فرمایا گیا ہے اور اسے جرم قرار دیا گیا۔ **جواب:** حدیث شریف میں تمنائے موت سے ممانعت اس صورت کی گئی' جبکہ دنیوی تکلیف سے پریشان ہو کر ہو' لیکن شہادت کے شوق' دیدار مصطفوی کے ذوق اور رب تعالیٰ سے ملنے کی خواہش کی بناء پر یہ تمنا ہو تو بہت بہتر ہے' اس آیت میں یہ آخری تمنا ہی مراد ہے' حضرت خالد ابن ولید' ضرار ابن ازور' عبداللہ ابن رواحہ وغیرہم جلیل القدر صحابہ سے یہ تمنا بلکہ شوق شہادت ثابت ہے' خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میری تمنا یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل ہوؤں' پھر زندہ ہوؤں' پھر قتل ہوؤں' پھر زندہ ہوؤں' پھر قتل ہوؤں۔ حضرت عمر فاروق نے دعا مانگی تھی کہ خدایا مجھے اپنے حبیب کے شہر میں شہادت کی موت دے' جو قبول ہوئی' اور آپ کو بے مثال شہادت نصیب ہوئی۔ **پانچواں اعتراض:** اپنی شہادت کی تمنا در پردہ کفار کے غلبہ کی تمنا ہے' لہذا یہ بھی منع ہونی چاہئے۔ **جواب:** ہرگز نہیں' بلکہ اس میں اپنی بلندی درجات کی نیت ہے' جو شہادت سے نصیب ہوتی ہے' اس میں غلبہ ء کفار کا خیال بھی نہیں ہوتا' جیسے بیمار مسلمان کافر حکیم سے علاج کرائے تو اس کی نیت اپنی شفاء ہے نہ کہ اس کافر کی نفع رسانی یا اس کی دکان چمکانا۔

تفسیر صوفیانہ: گرنا آسان ہے مگر چڑھنا مشکل' کنوئیں میں گرنے کے لئے فقط چھلانگ لگا دینا ہی کافی ہوتا ہے' مگر وہاں سے نکلنے کے لئے سیڑھی یا رسی' پھر اس کا پکڑنا' پھر اس پر چڑھنا غرضیکہ بہت چیزیں درکار ہیں' ہمیں دنیا میں گرانے کی کوشش نفس کر رہا ہے اور رب تعالیٰ ہمیں اونچا کرنا پسند کرتا ہے' اس لئے اس کریم نے یہاں اعمال کی سیڑھی بھی لگائی ہے اور کرم کی ڈور بھی لٹکائی ہے' اور ہمیں اس رسی کے پکڑنے کا بھی حکم دیا ہے اور اس سیڑھی پر چڑھنے کا بھی' اس آیت کریمہ میں اس سیڑھی کا ہی ذکر فرمایا گیا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حب دنیا اور سعادت آخرت کبھی جمع نہیں ہو سکتے' ان دونوں میں سے ایک جس قدر زیادہ اور قوی ہوگی' اسی قدر دوسری کم اور کمزور' رب تعالیٰ نے اس آیت میں ہمیں آرام طلبی سے منع فرمایا' حب الٰہی اور حب آخرت ایک دعویٰ ہے' جس کے دلائل نیک اعمال اور مکروہات میں صبر اور حرام چیزوں سے اپنے کو روکنا ہیں' محبت کامل وہ ہے جو یار کی جفا سے کم نہ ہو' اور اس کی وفا سے زیادہ نہ ہو' یہاں فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! تم ایمان لا کر میری محبت کے دعویدار بنے' اس کے کچھ دلائل تو دو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا و هم لا یفتنون** کسی نے حضرت شبلی سے پوچھا کہ عارف کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا جس کی زبان ناطق ہو' دل صادق ہو' سر واثق ہو' روح سابق ہو' جو اللہ کی راہ میں سبقت کرے اور وہ خود اللہ پر عاشق ہو' جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ معرفت کا مدعی ہے عارف نہیں' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

تحمل چو زہرت نماید نخست　　ولے شہد گردد چو در طبع رست

زعلت مدار اے خرد مند بیم　　چو داروئے تلخت فرستد حکیم!

یعنی مصائب بظاہر زہر ہوتے ہیں' حقیقت میں شہد' عقل مند کو چاہئے کہ آفات سے گھبرا نہ جائے' یہ تو کڑوی دوا ہے' جو حکیم نے ہماری شفاء کے لئے بھیجی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ

اور نہیں ہیں محمد مگر پیغمبر بے شک گزر گئے ان سے پہلے بہت رسول تو اگر وہ

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ

مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَیْهِ

وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم لوٹ جاؤ گے اپنی ایڑیوں پر اور جو لوٹ چلے اپنی ایڑیوں

انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا

فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْــٴًـا ؕ وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾

پر تو وہ ہرگز نہ نقصان دے گا اللہ کو کچھ بھی اور عنقریب جزا دے گا اللہ شکر گزاروں کو

اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو آئندہ جنت کی بشارت دے کر بہادر بنایا گیا کہ اگر تم جنتی بننا چاہتے ہو' تو ثابت قدمی اور بہادری دکھاؤ' اب اس آیت میں پچھلی امتوں کا اجمالی ذکر سنا کر انہیں بہادر بنایا جا رہا ہے کہ پہلے بہت رسول گزرے' اور ان کی امتوں نے بڑی دینی خدمات کیں' تم خیر الامم ہو کر ان سے بڑھ کر بہادر و دلیر بنو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اخلاص کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہر نیکی رب تعالیٰ کو دکھانے کے لئے کرو' اب انہی کو استقامت کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہمارے محبوب زندہ رہیں یا وفات پا جائیں' تم دین پر قائم رہو' ان کی وفات کی خبر سن کر گھبرا نہ جاؤ' اخلاص و استقامت ہی کامیابی کی چابی ہے۔ **تیسرا تعلق:** اس سے پچھلی آیت میں مسلمانوں کو خبر دی گئی تھی کہ تمہاری چھانٹ کرنے کے لئے کچھ آزمائشیں آئیں گی تاکہ منافق و مخلص الگ ہو جائیں' اب ایک بڑی آزمائش کی خبر دی جا رہی ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف جو مسلمانوں کے لئے تمام آزمائشوں سے بڑی آزمائش ثابت ہو گی' گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیت **و لیمحص اللہ** الخ کے اجمال کی کچھ تفصیل ہے۔

شان نزول: ہم جنگ احد کے بیان میں بدر کے غازیوں پر مصیبتوں کی تفصیل اور ان کی وجہ' صحابہ کرام کی جانثاری و فداکاری تفصیل وار عرض کر چکے ہیں کہ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنے بدن سے کی' کفار کے تیر اپنے پر لئے' جس سے آپ کا ایک ہاتھ شل (خشک) ہو گیا' حضرت قتادہ ابن نعمان بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آپ کی حفاظت کے لئے کھڑے تھے' ایک تیر آپ کی آنکھ پر لگا' جس سے آپ کی آنکھ نکل کر رخسارہ پر آ گئی' اگرچہ احد کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نکلی ہوئی آنکھ اس کی جگہ پر فٹ کر کے اس میں اپنا لعاب دہن لگایا' جس سے وہ دوسری آنکھ سے زیادہ روشن اور تندرست ہو گئی (روح المعانی) اور حضرت انس ابن مالک کے چچا انس ابن نضر نے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سنی' تو بولے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جی کر کیا ہو گا' میں بھی آپ ہی کے

راستہ پر جاؤں گا' یہ کہہ کر کفار کی بھیڑ میں مار دھاڑ کرتے گھس گئے' 83 زخم کھا کر شہید ہو گئے' ایک مہاجر ایک انصاری کے تڑپتے ہوئے لاشہ پر گزرے' جو اپنے خون میں لوٹ رہے تھے' مہاجر نے اس لوٹنے والے سے کہا' سنا گیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم شہید ہو گئے' اس نے آخری ہچکیوں میں جواب دیا کہ اگر یہ صحیح ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم تو اپنے مقام پر پہنچ گئے' اب تم ان کے دین پر قائم رہو' اور آخر دم تک جہاد کرتے رہو (تفسیر کبیر) ایک کافر ابی ابن خلف تھا جو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے عرض کیا کرتا تھا کہ میں یہ گھوڑی اس لئے پال رہا ہوں کہ اس پر بیٹھ کر آپ کو قتل کروں گا' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم فرمایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ تو ہی میرے ہاتھوں قتل ہو گا' آج جب حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو اسی ابی ابن خلف شقی نے کفار میں گھرا ہوا دیکھا' تو نعرے بولا' او محمد سنبھل جاؤ' آج یا تم نہیں یا میں نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم اس وقت خالی ہاتھ تھے' آپ نے حارث ابن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر جو اس کی گردن پر مارا ہے تو نیزہ اس کے آر پار ہو گیا' اور وہ بیل کی طرح چیختا ہوا گھوڑے سے گرا' اس کے ساتھی اسے اٹھا کے لے گئے' ایک دن وہ مقام سرف میں مر گیا۔ (تفسیر خازن و معانی)۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے ہاتھ سے صرف یہی ایک کافر مارا گیا' اور ایک ہی زخمی ہوا ہے' جب یہ حالات رونما تھے' تو اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی حفاظت طلحہ ابن عبید اللہ' ابو بکر صدیق' علی ابن ابی طالب' مصعب ابن عمیر کر رہے تھے' کہ ایک کافر عبد اللہ ابن قمیئہ' اور بروایت روح المعانی عتبہ ابن ابی وقاص' اور ممکن ہے کہ یہ دونوں ہی ہوں' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم پر ٹوٹ پڑے' پہلے تو اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم پر پتھر سے حملہ کیا' جس سے آپ کی ناک شریف میں زخم آیا' دانت شریف شہید ہوا اور خود شریف ٹوٹ کر سر مبارک میں گڑھ گیا' پھر اس نے قتل کے ارادہ سے حملہ کیا کہ حضرت مصعب ابن عمیر نے جو اس دن بھی اور بدر کے دن بھی مسلمانوں کے علمبردار تھے بڑھ کر اس کا وار اپنے پر روکا' اور شہید ہو گئے' ابن قمیئہ سمجھا کہ میرا وار حضور (صلی اللہ علیہ و سلم) پر ہوا' اور آپ شہید ہو گئے' وہ چیخا محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کو میں نے شہید کر دیا' ابلیس نے یہ شہادت کی خبر اس زور سے دی کہ مدینہ میں پہنچ گئی' اس پر بعض منافقین نے مدینہ والوں سے کہا کہ جن کے دم کی بہار تھی وہ چلے گئے ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اب اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ' اگر وہ سچے نبی ہوتے تو کفار کے ہاتھوں شہید کیوں ہوتے' بعض ضعفاء بولے کہ عبد اللہ ابن ابی (منافق) سے کہو کہ ہمیں ابو سفیان سے امان دلوا دے' ہم ان کی اطاعت قبول کر لیں گے' مگر راسخ العقیدہ مخلص مسلمان بولے اگر حضور شہید ہو گئے تو اللہ تو زندہ ہے' پھر سب سے پہلے حضرت کعب ابن مالک نے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی سلامتی کی لوگوں کو خبر دی اور حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا' اے مسلمانو! میرے پاس آؤ' چنانچہ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے' تب یہ آیت کریمہ اتری' جس میں راسخین کی تائید کی گئی' منافقین کی تردید' اور ضعفاء مومنین پر عتاب فرمایا گیا (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی' روح البیان' صاوی وغیرہ) اس جگہ خازن و معانی میں بہت تفصیلی واقعات ہیں جو ہم نے اختصاراً چھوڑ دیئے۔

تفسیر: **وما محمد الا رسول** مانافیہ ہے' محمد حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا اسم ذات ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم کے ذاتی نام دو ہیں۔ **محمد** ' **احمد** ' باقی صفاتی نام دو سو ایک ہیں (دلائل الخیرات ' اور بروایت مدارج النبوۃ ایک ہزار ہیں ' قرآن شریف میں **محمد** چار جگہ آیا ہے ' ایک تو اس آیت میں ' دوسرے **محمد رسول اللہ والذین معہ** میں ' تیسرے **بما نزل علی محمد** میں ' چوتھے **ما کان محمد ابا احد من رجالکم** میں ' اور احمد ایک جگہ سورہ صف میں **یاتی من بعدی اسمہ احمد** ' **محمد** ' **حمد** بمعنی تعریف سے بنا ' باب تفعیل میں آکر مبالغہ اور استمرار کا مفید ہے ' اس کے معنی ہوئے ہمیشہ تعریف کئے ہوئے کہ جب سے نام رکھا تب سے ان کی حمد و ثناء ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں ' قیامت میں ' جنت میں مقام محمود پر ان کی حمد و ثنا ہوتی رہے گی ' اور ہر طرح حمد کئے ہوئے ' کہ آپ کی ذات و صفات احوال کی تعریفیں ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے ساتویں دن عبدالمطلب نے یہ نام رکھا ' لوگوں نے اس انوکھے نام کی وجہ پوچھی ' تو بولے کہ میں نے خواب میں حکم پایا ہے کہ یہ نام رکھوں ' اور مجھے امید ہے کہ میرے اس فرزند کی ہمیشہ اور ہر طرح تعریفیں ہوا کریں گی ' **احمد** کے معنی ہیں بہت حمد کرنے والے ' کس کی اپنے رب تعالیٰ کی ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محمدیت کا ظہور تو دنیا میں بھی ہو رہا ہے کہ ہر زبان پر آپ کی تعریفیں ہر زبان میں ہر جگہ ہو رہی ہیں اور احمدیت کا ظہور قیامت میں ہوگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کی ایسی حمد کریں گے کہ کسی نے نہ کی ہوگی ' رب تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے یہ نام اپنے محبوب کے لئے نکالے ' رب تعالیٰ حامد ہے ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محمود ' رب تعالیٰ محمود ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احمد ' انشاء اللہ العزیز اس نام پاک کے فضائل و فوائد ہم خلاصہ تفسیر سے متصل عرض کریں گے '

الا رسول ' **الا** قصر و حصر کے لئے ہے ' اور حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہیں اور کچھ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپ خدا نہیں ' خدا تعالیٰ کے فرزند نہیں بلکہ رسول ہیں ' اگرچہ رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کروڑوں صفات بخشیں مگر صفت رسالت بہت جامع ہے کہ رسول کی نسبت رب تعالیٰ سے بھی ہے اور ساری خلقت سے بھی رسول خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں ' کہ رب تعالیٰ جسے جو دے ' وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دے ' اور خلقت جو لے ' وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے لے ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دم سے خالق و مخلوق کا تعلق قائم ہے ' اگر یہ واسطہ درمیان میں نہ ہو تو مخلوق خالق سے علیحدہ ہو جائے دیکھو مختلف ممالک کے درمیان ڈاک ' ریل اور تار وغیرہ ہی ایسے وسائل ہیں جن سے ممالک ملتے رہتے ہیں ' کہ خبر ' مال ' انسان ان ہی کے ذریعہ ایک دوسرے ملک میں آتے جاتے ہیں ' اسی لئے رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں **رسول** فرمایا اور کلمہ طیبہ میں بھی آپ کا وصف رسالت ہی بیان ہوا ' **محمد رسول اللہ** کہ تمام اوصاف اس میں میں آجاتے ہیں ' خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ' وکیل نہیں ' وکیل وہ جو اپنی ذمہ داری پر کام کرے ' رسول وہ جو بھیجنے والے کی ذمہ داری پر کام کرے ' وکیل وہ جس سے خود اسی کے معاملہ کا مطالبہ ہو اور رسول وہ جس کے معاملہ کا مطالبہ بھیجنے والے سے ہو ' **رسول** کی تنوین عظمت کے لئے ہے ' یعنی بہت بڑے اور شان والے رسول ' اور رسالت کا اطلاق عموم کے لئے یعنی ساری خلقت کے رسول ' حتیٰ کہ رسولوں کے بھی رسول ' انشاء اللہ العزیز اس کی تحقیق **لقد جاء کم رسول** کی تفسیر میں ہوگی ' اگر زندگی رہی **قد خلت من قبلہ الرسل** ' **قد خلت** کی تحقیق ابھی کچھ پہلے ہو چکی ہے ' **من قبلہ** میں **ہ** ضمیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے ' **رسل** سے مراد سارے نبی ہیں خواہ رسول بھی ہوں یا مرسل بھی ہوں یا صرف نبی

ہوں' یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سارے رسول گزر چکے ' کہ نہ تو کوئی رسول آپ کے زمانہ میں تشریف فرما ہیں ' کہ ان کے احکام جاری ہوں ' اور نہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نبوت پا کر آنے والا ہے ' رسولوں کا گزر جانا یا تو اس طرح ہے کہ وہ حضرات وفات پا چکے ' جیسے حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام وغیرھم ' یا زمین سے آسمان پر اٹھائے جا چکے ' جیسے حضرت عیسیٰ و ادریس علیہما السلام یا اس طرح کہ زمین پر وہ حضرات ہوں ' مگر ان کی نبوت منسوخ ہو چکی ' اور وہ لوگوں کی نگاہوں سے روپوش ہو گئے ' جیسے حضرت خضر اور الیاس علیہم السلام ' غرضکہ قد خلت بہت جامع کلمہ ہے ' اسی لئے رب تعالیٰ نے یہاں موت کا صیغہ استعمال نہ فرمایا کہ ابھی بعض رسول زندہ ہیں مگر چونکہ ان کی نبوت منسوخ ہو چکی ' اور ان کے احکام نافذ نہ رہے ' ان کی اطاعت لوگوں پر واجب نہ رہی ' اور فرمایا گیا قد خلت وہ حضرات گزر گئے افائن مات او قتل یہاں لفظ ان جو شک و تردد کے لئے آتا ہے ' ہم بندوں کے لحاظ سے ہے ' کہ رب تعالیٰ شک و تردد سے پاک ہے ' وہ تو جانتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شہادت کے ذریعہ نہ ہو گی ' طبعی ہو گی ' وہ تو خبر دے چکا ہے واللہ یعصمک من الناس ' رب تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا ' اور فرما چکا ہے انک میت و انہم میتون اور فرما چکا ہے لیظھرہ علی الدین کلہ یعنی اگر ہمارے محبوب اپنی طبعی وفات سے وفات پائیں یا جام شہادت نوش کریں تو انقلبتم علی اعقابکم ' انقلاب قلب سے بنا ' بمعنی لوٹ جانا اور اعقاب عقب کی جمع ہے ' بمعنی ایڑی ' انسان جہاں سے آیا ہو بالکل ادھر ہی لوٹ جانے کو ایڑیوں پر لوٹ جانا کہا جاتا ہے ' کہ اگر ایڑی اپنی جگہ رہے ' باقی جسم پھرے ' تو اسے مڑنا اردو میں کہتے ہیں ' اور التفات عربی میں ' جب ایڑی بھی گھوم جائے ' تو اسے اردو میں پھر جانا ' اور عربی میں انقلاب کہا جاتا ہے ' یہاں انقلاب سے مراد یا تو دین اسلام سے پھر کر مرتد ہو جانا ہے ' یا بزدل ہو کر جہاد نہ کرنا ' یا جہاد سے بھاگ جانا ہے ' روح المعانی نے فرمایا کہ الٹے پاؤں چلے جانے کو ایڑی پر لوٹ جانا کہتے ہیں ' اگرچہ یہ حضرات احد شریف میں صرف گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے ' مگر رب تعالیٰ نے سختی سے روک دینے کے لئے یہ صیغہ استعمال فرمایا ' کہ تم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی خبر سن کر جب ایسا گھبرا گئے تو کیا جب سچی خبر شہادت کی سنو گے ' تو اسلام ہی چھوڑ دو گے ' یا جہاد ہی بند کر دو گے ؟ خبردار ! ایسا ہرگز نہ کرنا ! یا روئے سخن ان ضعفاء کی طرف ہے ' جو گھبرا کر کہہ اٹھے تھے کہ ہم کو ابو سفیان سے امان دلوا دو ' یا ان لوگوں سے کلام ہے ' جن سے منافقین نے کہا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو شہادت ہو چکی ' اب تم لوگ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ ' مقصد یہ ہے کہ نبی تبلیغ کے لئے تشریف لاتے ہیں نہ کہ امت کے پاس ہمیشہ رہنے کے لئے ' جیسے پچھلے رسول تشریف لائے اور تبلیغ فرما کر چلے گئے ' ہمارے یہ محبوب بھی آخر وفات پائیں گے ' نبی کی وفات سے دین ختم نہیں ہو جاتا و من ینقلب علی عقبیہ اس من میں سارے مسلمان داخل ہیں ' صحابہ کرام ہوں یا بعد کے لوگ ' انقلاب سے مراد اسلام چھوڑ دینا ہے ' یا جہاد چھوڑ بیٹھنا ' یا جہاد سے بھاگ جانا یعنی جو بھی اسلام سے ' یا جہاد سے ' یا جہاد میں بہادری دکھانے سے لوٹ جائے تو فلن یضر اللہ شیئا وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا سکے گا ' یا اللہ تعالیٰ کے حبیب کا ' یا دین اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا کہ اللہ تعالیٰ کا دین حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا علو تو ہمیشہ پھیلتا ہی رہے گا ' اور قومیں پیدا ہو کر دین کی خدمت کریں گی ' ضر ' ضرر سے بنا بمعنی نقصان یا کمی ' خواہ بدنی نقصان ہو یا جانی یا مالی یا عزت و آبرو کا بھاری ہو یا معمولی ' شیئا فرما کر عموم کی طرف اشارہ کیا ' یعنی معمولی سا نقصان بھی نہ کر سکے گا ' خود اپنا ہی نقصان کرے گا ' کہ دارین کی سعادت سے محروم ہو جائے گا ' و سیجزی اللہ الشکرین ' س قرب استقبال کے لئے ہے ' جزاء

مطلقاً بدلہ کو کہتے ہیں ' ثواب ہو یا سزا مگر یہاں اچھا بدلہ مراد ہے ' شکرین ' سے مراد دین پر قائم رہنے والے یا جہاد کرنے والے یا جہاد میں ثابت قدم رہنے والے مسلمان ہیں کیونکہ ہر نیک عمل رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ہے ' شکر قولی بھی ہوتا ہے ' عملی بھی اعتقادی بھی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خدا نہیں ہیں کہ انہیں وفات نہ ہو ' وہ تو خاص بندے اور تمام جہان کے شاندار رسول ہیں ' ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزرے ' جو دنیا میں تشریف لائے اور اپنا فرض تبلیغ ادا کرکے تشریف لے گئے اور ان کے بعد ان کی امتوں نے دین پر استقامت کی ' دینی خدمات انجام دیں ' اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ وفات پا جائیں ' یا فرض کرو شہادت کا جام نوش فرمالیں ' تو کیا تم اسلام سے یا جہاد سے یا جہاد میں استقامت سے پھر جاؤ گے ' ہرگز نہ پھرو گے ' پھر تم غزوہ احد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر گھبرا کیوں گئے ' اور تم میں بعض نے ابو سفیان سے امان کی درخواست کرنے کا خیال بھی کیوں کیا ' اور تم سے منافقین نے یہ کیوں کہا کہ اسلام چھوڑ کر اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ ' ان بدنصیبوں کو تم سے یہ کہنے کی ہمت و جرات ہی کیوں ہوئی؟ خیال رکھو کہ اسلام تو قائم رہے گا اور پھولتا پھلتا رہے گا ' اگر کوئی اسلام یا جہاد سے پھر بھی جائے ' تو نہ اللہ کا کچھ بگاڑ سکتا ہے ' نہ اس کے حبیب کا اور نہ اسلام کا بلکہ اپنا ہی بگاڑے گا دیکھو کہ معظمہ کے سرداران قریش نے اسلام کی خدمت نہ کی ' بلکہ اسے بگاڑنا اور فنا کرنا چاہا تو وہی ختم ہو گئے ' اسلام کی خدمت کرنے کے لئے مدینہ منورہ کے غریب انصار مقرر فرما دیئے گئے ' اس سے عبرت پکڑو اور اسلام و جہاد پر استقامت اختیار کرو ' تاکہ تمہارا نام شاکر بندوں کی فہرست میں آئے ' اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو دنیا میں بھی بدلہ دیتا ہے اور آخرت میں بھی ثواب ' لہذا شاکر رہو ' ناشکرے نہ بنو۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ کے ہوش اڑ گئے ' حضرت عمر فاروق تک کا بھی یہ خیال ہو گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو سکتی ہی نہیں ' آپ سو گئے ہیں یا رب تعالیٰ سے ملنے گئے ہیں ' پھر آتے ہی ہوں گے ' جناب فاروق کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا ' حضرت ابو بکر صدیق نے اس وقت لوگوں کو یہی آیت سنائی ' صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت آج نازل ہوئی ہے ' ہم لوگ یہ آیت بھول ہی گئے تھے ' حضرت عمر کو جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہوا تو آپ غش کھا کر گر گئے ' فرماتے ہیں کہ میرے قدم مجھے اٹھا نہ سکے ' اس وقت ایک صدیق اکبر کا دم تھا جن کے ہوش و حواس قائم رہے ' اور آپ ہی نے تمام بوجھ اٹھائے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہم لفظ محمد کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ اس کے معنی ہیں ہر طرح تعریف کیے ہوئے' ہر وقت' ہر زمانہ' ہر زبان میں حمد و ثناء کیے ہوئے' اب اس لفظ پاک کے فضائل عرض کیے جاتے ہیں' سنو اور ایمان تازہ کرو' حقیقت یہ ہے کہ جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلقت سے افضل' تمام رسولوں کے سردار ہیں' اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف بھی تمام نبیوں کے بلکہ تمام خلق کے ناموں کا سردار ہے' اس نام پاک کے بے شمار فضائل ہیں' جن میں سے چند یہ ہیں۔ (1) اس نام پاک کو اللہ تعالیٰ کے نام یعنی لفظ اللہ سے بہت مناسبت ہے' اللہ میں حرف چار' چاروں حرف نقطوں سے خالی' ان میں ایک شد' دو حرکتیں' ایک سکون ہے' اسی طرح لفظ محمد چار حرف' چاروں حرف نقطوں سے خالی' ایک شد' دو حرکتیں' ایک سکون' ہاں اللہ کے شد پر کھڑا الف بھی ہے' مگر محمد کی شد پر الف نہیں کہ بادشاہ رب تعالیٰ ہے' اور مملکت الٰہیہ کے مختار وزیر اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (2) اللہ بولنے سے دونوں ہونٹ جدا ہو جاتے ہیں' محمد کہتے ہیں تو دونوں لب مل جاتے ہیں' کہ وہ مخلوق کو خالق سے ملانے ہی تو آئے ہیں' اگر ان کا واسطہ نہ ہو' تو مخلوق خالق سے بہت ہی دور ہے۔ (3) لفظ اللہ اپنے دلالت میں حرفوں کا محتاج نہیں' اگر اول کا الف نہ رہے تو للہ بن جاتا ہے' اگر اول کا لام بھی نہ رہے تو لہ ہے' اگر درمیان کا الف بھی نہ ہو تو ہ ہے' یونہی لفظ محمد دلالت میں حرفوں کا حاجت مند نہیں' اگر اول کی میم الگ ہو جائے تو حمد رہتا ہے' اگر ح بھی اڑ جائے تو' مد ہے یعنی کھینچنا' مخلوق کو کھینچ کر خالق تک پہنچانا' اگر یچ کی میم بھی نہ رہے' تو دال باقی رہے' بمعنی رہبر۔ (4) محمد کے عدد 92 ہیں' اور 92 میں اکائی 2 کی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

دوسرے درجہ والے' اور دہائی 9 کی' 9 میں یہ خصوصیت ہے' کہ سارے پہاڑے میں کہیں فنا نہیں ہوتا' چنانچہ 1+8 اور 3+6 اور 4+5 نو ہی بنتے ہیں۔ اسی طرح 9 کا پہاڑہ گنو تو ہر درجہ میں 9 ہی حاصل ہوں گے۔ 9 دونا 18' 9 بن گئے یونہی 3x9=27' 4x9=36 سب کی تعداد میں 9 ہی ہیں' جب ان کے نام کے عدد کو ایسی بقا ملی ہے' تو ان کے خدام کو بھی بقاء ملے گی' دیکھ لو تمام بادشاہوں کے فتح کیے ہوئے ملک دوسرے کے پاس پہنچ گئے' مگر حضرت عمر کے فتوحات اب تک مسلمانوں ہی کے پاس ہیں اگرچہ چودہ سو برس کا زمانہ گزر چکا' مگر ان کے فتوحات ان کی قوم یعنی مسلمانوں کے پاس رہی یہ ہے بقاباللہ کا ظہور۔ (5) لا الہ الا اللہ میں حرف 12' اسی طرح محمد رسول اللہ' ابو بکر الصدیق' عمر ابن الخطاب' عثمان ابن عفان' علی ابن ابی طالب' سب میں حرف 12 ہی ہیں۔ محمد کے زبر والے عدد 314 ہیں' کہ تین میم ہیں' ہر میم کے عدد (90) نوے حلقہ کے دس دال کے چونتیس (34) تین سو تیرہ رسولوں کی تعداد ہے' اور ایک مرسل خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' گویا آپ کے نام کے ایک عدد میں ایک کمال ہے' دوسرے عدد میں دوسرا کمال۔ (6) سب کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں' لقب قوم دیتی ہے' خطاب

حکومت سے ملتا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لقب و خطاب سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں کہ عبدالمطلب نے فرشتے کی بشارت سے یہ نام رکھا۔(7) دوسروں کے نام پیدائش سے ساتویں دن رکھے جاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رب تعالیٰ نے عالم کی پیدائش سے پہلے عرش اعظم پر لکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قریباً چھ سو برس پہلے اپنی قوم کو فرمایا **اسمہ احمد** ان کا نام پاک احمد ہے' پچھلی قومیں آپ کے نام کی برکت سے دعائیں مانگتی تھیں'(8) کوئی شخص آپ کو **محمد** کہہ کر انہیں کہہ سکتا اگر کہے گا تو خود اپنے منہ سے جھوٹا ہوگا' کہ انہیں کہتا تو ہے **محمد** لائق حمد اور کرتا ہے برائیاں' اسی لئے کفار مکہ نے آپ کا نام مذمم رکھ کر آپ کی شان اقدس میں بکواس کی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو ہم کو ہمارے رب تعالیٰ نے ان کفار کی گالیوں سے بچالیا' یہ لوگ مذمم کو برا کہتے ہیں' ہوگا کوئی مذمم ہم تو محمد ہیں۔(9) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام **محمد** بہت ہی جامع ہے' جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار فضائل بیان ہو گئے' آدم کے معنی تھے مٹی سے پیدا ہونے والے' ابراہیم کے معنی ہیں مہربان باپ' اب' رحیم' نوح کے معنی ہیں خوف خدا سے گریہ وزاری و نوحہ کرنے والے' عیسیٰ کے معنی ہیں بہت شریف النفس کریم الطبع ان تمام ناموں میں ایک ایک وصف کی طرف اشارہ ہے' مگر **محمد** کے معنی ہیں ہر طرح ہر وصف میں بے حد تعریف کئے ہوئے' اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعداد کمالات و خوبیوں کی طرف اشارہ ہو گیا۔(10) لفظ **محمد** میں غیبی خبر بھی ہے کہ ہمیشہ یعنی دنیا و آخرت میں ان کی ہر جگہ ہر طرح حمد و ثناء ہوا کرے گی' اسی خبر کی صداقت ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آج بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کی تعریف نہیں ہوتی' بلکہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے ان کی بھی تعریف ہو گئی' فرش پر ان کی' سوم' عرش پر ان کے چرچے' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

فرش پہ طرفہ دھوم دھام عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ — کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

(11) **محمد** ایسا انوکھا نام ہے کہ رب تعالیٰ نے کسی نبی کو نہ دیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے منتخب فرمایا' بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی اور عام انسان کا نام بھی **محمد** نہ ہوا' لسان العرب سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سات آدمیوں نے اپنے بچوں کے نام محمد رکھے' اس امید پر کہ نبی آخر الزمان وہی ہوں' مگر وہ لوگ اس نام میں مشہور ہی نہ ہوئے۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب — نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود!

(12) جو اپنے بیٹے کا نام محبت میں **محمد** رکھے' اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا کہ مجھے ایسے شخص کو عذاب دیتے شرم آتی ہے جس نے میرے محبوب کی محبت میں اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا تھا۔(13) جس دستر خوان پر **محمد** نام کا مسلمان ہو اس کھانے میں برکت ہوتی ہے۔(14) جس کا نام **محمد** ہو اس کا بھی احترام کرنا چاہئے اور اس کے نام کا بھی کہ یہ نام بگاڑ کر نہ لے' چنانچہ تفسیر روح البیان نے سورۂ احزاب **ما کان محمد ابا احد** کی تفسیر میں فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک بار ایاز کے بیٹے کو پکارا اے ایاز کے بیٹے! استنجے کے لئے پانی لا' ایاز نے تھوڑے دنوں بعد عرض کیا کہ حضور مجھ سے یا اس سے کیا قصور ہوا کہ آپ نے اس کا نام نہ لیا؟ فرمایا تیرے بیٹے کا نام **محمد** ہے' میں اس دن بے وضو تھا' میں نے کبھی بغیر وضو **محمد** نام کو اپنی زبان

سے لوانہ کیا۔

ہزار بار بشویم دہن عشک و گلاب! ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایک اسرائیلی سو برس کا گنہگار تھا' بعد موت اسے لوگوں نے گھورے (روڑی) پر ڈال دیا' رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے اس بندے کو غسل' کفن' نماز کے بعد دفن کرو' اس نے ایک بار توریت میں **محمد** نام دیکھ کر اسے بوسہ دیا تھا' آنکھوں سے لگایا تھا' ہم نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے (روح البیان سورۂ احزاب)۔ (15) جس شخص کے لڑکیاں ہی ہوتی ہوں بیٹا نہ ہو' وہ شروع زمانہ حمل میں اپنی بیوی کے پیٹ پر انگلی سے یہ عبارت لکھ دیا کرے **من کان فی هذا البطن فاسمه محمد** جو اس پیٹ میں ہے اس کا نام محمد ہے' انشاء اللہ بیٹا ہو گا اور زندگی والا ہو گا' یہ عمل مجرب ہے' مگر حمل کے چار ماہ کے اندر یہ عمل چالیس دن تک کرے۔ (16) سکھوں کے گورو نانک صاحب نے **محمد** کے متعلق ایک عجیب بات بیان کی' وہ کہتے ہیں۔

نام لیو جس چیز کا کرو چوگنا تاہ دو ملاؤ پنچگن کرو کاٹو بیس بنا
نانک بچے سو نو گنے دو اس میں اور ملا اس بدہر کے نام سے نام محمد بنا

یعنی کسی نام کے عدد نکال کر انہیں چوگنا کرو' پھر دو ملا کر پنچ گنا کرو' پھر اس مجموعہ سے بیس بیس نکالتے چلے جاؤ' جو بچیں کہ بیس ان سے نہ نکل سکیں' انہیں نو گنا کرے' دو اور ملاؤ' تو 92 کا عدد حاصل ہو گا' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالم کی اصل ہیں کہ سب کچھ انہیں کے نور سے بنا' غرضکہ لفظ محمد بڑی خوبیوں والا نام ہے' اس نام کو لے کر سو برس کا کافر گنہگار' مومن متقی بن جاتا ہے' جب نام کا فیض یہ ہے تو نام والے کا فیض کیسا ہو گا۔

چو نام ایں است نام آورچہ باشد گرامی تر بود از ہرچہ باشد!

اللهم صل علی سیدنا و مولنا محمد و علی اٰله و اصحابه و بارک وسلم

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کو ہر نیک کام میں استقامت چاہئے' کسی خوشی و غم میں اپنے راستہ سے نہ ہٹے' دیکھو مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تھی' فرمایا گیا کہ اس وفات سے اپنی راہ سے نہ ہٹنا اس کے لئے حضرت ابو بکر صدیق کی زندگی شریف اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں زیادہ جی نہ سکے' مگر جس قدر جئے دین کے کام جہاد وغیرہ کرتے رہے' پھر اور غموں کا کیا پوچھنا۔ دوسرا فائدہ: تمام نبی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزر چکے' ان کی نبوتیں منسوخ ہو چکیں' نہ تو آپ کے زمانہ میں کوئی نبی شان نبوت سے موجود تھے' نہ آپ کے بعد کوئی نبی بنے گا' نہ نبی بن کر آئے گا' آپ کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے' اگر کوئی دین آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد ہوتا' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اسے ناسخ نہ ہوتا' جیسا کہ **قد خلت** الخ سے معلوم ہوا' اسی لئے پہلے انبیاء دوسرے انبیائے کرام کے مبشر تھے' مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے مصدق تو ہوئے کسی کے بشارت رساں نہ ہوئے' تصدیق کی جاتی ہے پچھلوں کی' بشارت دی جاتی ہے اگلوں کی۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام ہم سے بے نیاز ہیں' انہیں ہماری ضرورت نہیں' ہم کو ان کی ضرورت

ہے 'دین رہے گا 'ہم دین پر رہیں یا نہ رہیں جیسا کہ **فلن یضر اللہ الخ** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** امت کے فساد کے وقت دین پر قائم رہنا 'سنت پر عمل کرنا بڑے ثواب کا باعث ہے 'جیسا کہ **و سیجزی اللہ الشکرین** سے معلوم ہوا 'حدیث شریف میں ہے کہ فساد امت کے وقت سنت پر عمل کرنے والے کو سو شہیدوں کا ثواب ہے 'وجہ ظاہر ہے کہ شہید تو ایک بار تلوار کا گھاؤ کھا کر دنیا سے چلا گیا 'مگر یہ بہادر عمر بھر لوگوں کے طعن و تشنیع کے گھاؤ کھاتا رہتا ہے 'مگر صبر کے ساتھ دین پر قائم رہتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** گذشتہ انبیائے کرام کی امتوں کے حالات سنا کر مسلمانوں میں دلیری پیدا کرنا سنت الہیہ ہے 'دیکھو رب تعالیٰ نے غزوۂ احد کے غازیوں کو گذشتہ امتوں کی استقامت سنائی 'کہ وہ لوگ اپنے رسولوں کے گزر جانے پر دین سے نہ ہٹے 'تم اپنے محبوب کی وفات کی خبر سن کر کیوں گھبرا گئے؟ اسی لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ گذشتہ امتوں کے تاریخی حالات بیان ہوئے 'اس نیت سے صحیح تاریخ کا مطالعہ بھی عبادت ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی خصوصی صفت نہیں 'صرف وہ رسول ہیں باقی جو ہم ہیں وہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں 'ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا ہے؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں 'ایک الزامی 'دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع المذنبین 'رحمۃ للعالمین بھی 'خاتم النبیین 'شاہد 'بشیر 'نذیر 'سراج 'منیر بھی نہ مانو 'حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صفات قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہیں 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا یھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا** الاٰیۃ۔ جناب یہاں رسول کی تنوین تعظیم کی ہے 'شاندار رسول میں یہ تمام صفات داخل ہیں 'جواب تحقیقی: یہ ہے کہ یہاں حصر اضافی ہے الوہیت کے لحاظ سے یعنی اہلوے **محمد صلی اللہ علیہ وسلم** نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے 'صرف رسول ہیں 'اور رسول کی وفات کے بعد امت کو دین سے پھر جانا نہ چاہئے 'بقاء تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے 'باقی سب کی وفات ہونی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سارے نبی وفات پا چکے 'اب کوئی زندہ نہیں 'عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر ماننا اس آیت کے خلاف ہے۔ **نوٹ:** اس جگہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اسی آیت سے وفات مسیح پر زور دیا۔ **جواب:** اس سوال کا تفصیلی جواب ہم تیسرے پارہ کی تفسیر حیات مسیح کے مسئلہ میں زیر آیت **اذ قال اللہ یعیسی** دے چکے ہیں 'یہاں اتنا سمجھ لو کہ **خلت** خلو سے بنا 'خلو کے معنی موت نہیں بلکہ علیحدگی اور خالی ہونا ہیں 'اسی لئے بیت الخلاء پاخانہ کو کہتے ہیں 'نہ کہ پھانسی گھر کو 'لہذا اس کے معنی ہوئے گزر گئے 'گزرنے سے مرجانا لازم نہیں 'گذشتہ انبیائے کرام کا دین منسوخ ہو جانا 'ان کا دنیا سے روپوش ہو جانا 'خواہ موت سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے 'یہی ان کا گزر جانا ہے 'دوسری آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کی حیات صراحۃً مذکور ہے جو ہم تیسرے پارہ میں پیش کر چکے ہیں 'اگر مان بھی لیا جائے کہ یہاں خلو سے موت مراد ہے 'تو بھی یہ واقعہ کلیہ نہیں 'بلکہ اکثریہ ہے 'چونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں صرف تین چار پیغمبر ہی زندہ ہیں 'اس لئے انہیں **خلت** فرما دیا گیا 'دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج** ہم نے انسان کو مخلوط منی یعنی ماں باپ کے نطفے سے پیدا فرمایا 'حالانکہ حضرت آدم و عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش نطفہ سے نہیں 'وہاں عام قانون کا ذکر ہے 'ایسے ہی قانون کا ذکر یہاں بھی ہے 'قانون اور ہے قدرت کچھ اور 'ہم قانون پر بھی ایمان

رکھتے ہیں اور رب تعالیٰ کی قدرت پر بھی۔ بہرحال **قد خلت** سے موت تمام انبیاء کی ثابت نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض:** اسی مضمون کی ایک آیت قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی ہے مگر تم نے وہاں **خلت** کے معنی موت کئے ہیں تو یہاں موت کے معنی کیوں نہیں کرتے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل** (مائدہ) دیکھو اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان سے پہلے رسول گزر چکے' تم مانتے ہو کہ حضرت مسیح سے پہلے تمام رسول وفات پا چکے تو جیسے تم عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمام رسولوں کو وفات یافتہ مانتے ہو' ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کو مان لو۔ **نوٹ:** مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی نے بہت فخر سے یہ دلیل اپنی تفسیر بیان القرآن میں پیش کی ہے۔ **جواب:** معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو ہمارے مذہب کا پتہ نہیں' یا اگر ہے تو وہ دیدہ دانستہ دھوکا کھا رہے ہیں' جناب! ہم چار پیغمبروں کو زندہ مانتے ہیں' دو کو آسمان میں' حضرت ادریس و عیسیٰ علیہما السلام' اور دو کو زمین میں حضرت الیاس و خضر علیہما السلام۔ حضرت ادریس' الیاس اور خضر علیہم السلام یہ تینوں پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے پیغمبر ہیں' لہٰذا وہاں بھی **خلت** کے معنی ہیں گزر گئے' وفات پانے یا مرجانے کے معنی وہاں بھی نہیں ہیں' بہرحال یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اور آپ سے نفع' یہ تمام چیزیں آپ کی حیات شریف میں ہی تھیں' بعد وفات تمام فیوضات و برکات ختم ہو چکے' اب آپ سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں' دوسرے مردوں کی طرح آپ بھی ہیں۔ **جواب:** آپ کی یہ بکواس اس آیت کے کسی لفظ سے ثابت نہیں' یہاں ذکر صرف وفات کا ہے' باقی بعد وفات فیوض بند ہو جانے کا ذکر یہاں تو کیا کسی آیت میں بھی نہیں' اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض وفات کے بعد بند ہو چکے' تو اب ان کے نام کا کلمہ کیوں پڑھتے ہو' یہ بھی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فیض ہے کہ ان کے نام سے کافروں کو ایمان مل جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا! **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین** جب حضور انور تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں' تو جہان تو اب بھی موجود ہیں' لہٰذا آپ کی رحمتیں اب بھی موجود ہیں' اس جگہ تفسیر صاوی شریف میں ہے کہ جو شخص اس آیت کی بناء پر کہے کہ **حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم** کے فیوض وفات شریف کے بعد بند یا ختم ہو گئے' وہ گمراہ اور گمراہ کن ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ حیات النبی غلط ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسروں کی طرح وفات یافتہ ہیں' کہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں' **نوٹ:** یہ اعتراض آج کل بعض گجراتی جہلاء کو سوجھا کہ اس جیسی آیات کی بناء پر وہ مسئلہ **حیات النبی** کے منکر ہو گئے' خود ان کے ہم مذہبوں نے بھی ان کی تردیدیں کیں۔ **جواب:** مسئلہ حیات النبی اور حیات الشہداء کی پوری تحقیق ہم اسی تفسیر کے دوسرے پارے آیت **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' نیز اس کی اور زیادہ تحقیق ہم نے اپنی کتاب مرات شرح مشکوٰۃ جلد دوم باب الجمعۃ میں **فنبی اللہ حی یرزق** کے ماتحت کی ہے' یہاں مختصراً اتنا سمجھ لو کہ موت کے دو معنی ہیں روح کا جسم سے نکل جانا' جسے موت حسی کہتے ہیں' جس پر شرعی احکام غسل' کفن' دفن وغیرہ مرتب ہوتے ہیں' دوسرے روح کا جسم کو چھوڑ دینا' جس سے جسم کے احساسات ختم ہو جائیں' سننا' دیکھنا' سونگھنا وغیرہ اور جسم گل سڑ جائے' پہلی موت کا نام موت حسی ہے اور یہ موت حقیقی' پہلی موت ہر نفس کو آتی ہے انبیاء ہوں یا غیر انبیاء اور دوسری موت سے حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء

محفوظ ہیں' انک میت لا یتہ الا من مات لاتہ کل نفس ذائقۃ الموت وغیرہ آیتوں میں پہلی موت ہی مراد ہے' اور بل احیاء ولکن لا تشعرون جیسی آیات میں دوسری یعنی موت حقیقی کی نفی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو ایسی یقینی اور قطعی ہے کہ اس پر بہت سے شرعی احکام موقوف ہیں' اگر آپ حیات نہیں تو اسلام کا کلمہ محمد رسول اللہ غلط ہو گیا کہ اس کے معنی ہیں محمد اللہ کے رسول ہیں' پھر تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ محمد اللہ کے رسول تھے' نیز نماز بھی غلط ہو جائے گی' کیونکہ ہر نماز میں التحیات واجب ہے اور التحیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام ہی کیا جاتا ہے' نہ سننے والے اور بے جان کو سلام کیا معنی' نیز آپ کی میراث کا تقسیم نہ ہونا' آپ کی بیویوں کا نکاح سے نہ نکلنا اور آپ کے ذمہ بعد وفات اپنی بیویوں کا نان نفقہ واجب ہونا' زائرین کا روضہ اطہر پر آپ کے سامنے باادب کھڑا ہونا اسی حیات النبی کے مسئلہ کی بناء پر ہے' یہ احکام قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہیں' اور اس بارے میں احادیث تو بے شمار ہیں' یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ معراج کی شب سارے نبیوں نے بیت المقدس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی' اور آسمان پر آپ کا استقبال کیا گیا' لہذا بے جان جسم نہ نماز پڑھ سکتے ہیں نہ کسی کا استقبال کر سکتے ہیں ہم نے یہاں اشارات کر دیئے ہیں' اس مسئلہ کی تفصیل و تصریح ہماری فہرست القرآن اور تفسیر نعیمی جلد دوم و مرات جلد دوم میں دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں بظاہر خطاب غازیان بدر سے ہے لیکن در حقیقت خطاب تقلیدی ایمان والوں سے ہے' جن کے دل میں نور ایمانی نہیں پہنچا' اور جنہوں نے اپنے خانہ دل کو دوسروں کے گزرتے ہوئے چراغ سے عارضی طور پر روشن کر لیا' ماں باپ یا استاد یا شہر والوں یا قوم کی دیکھا دیکھی ایمان لے آئے' خود لذت ایمان سے واقف نہ ہوئے' اس قسم کے لوگ ان رشتوں کو ٹوٹتے ہی اور موت کے آتے ہی اندھیرے میں رہ جاتے ہیں' حتی کہ قبر میں منکر نکیر کے سوالات پر یوں کہتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں یہ کون ہیں' لوگ ان کے متعلق کچھ کہتے تھے میں بھی وہی کہہ دیا کرتا تھا' خیال رہے کہ روح کے بغیر جسم کی کوئی قیمت نہیں' پرندہ کے بغیر پنجرہ کی کوئی قیمت نہیں' ایسے ہی نور تحقیق کے بغیر ایمانی کلمہ منہ سے نکالنے اور تقلیدی ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

غنیمت شمار ایں گرامی نفس	کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس!

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تم محض اس بناء پر ایمان لائے ہو کہ تم میں ہمارے نبی جلوہ گر ہیں اور تم پر اپنی نعمتوں کی بارشیں کرتے رہتے ہیں اور تمہارے دل میں ایمان پہنچا نہیں ہے' تو تمہارا یہ ایمان بہت کمزور ہے' سخت خطرہ ہے کہ تم محبوب کی وفات کے بعد ایمان سے پھر جاؤ' جو ایمان سے پھرے گا' سخت سزا پائے گا' بچہ کو ماں ہمیشہ گود میں نہیں رکھتی' آخر کار اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑتا ہے اور ہمیشہ اسے دودھ نہیں دیتی' کبھی تو اسے خود کھانا اور کمانا پڑتا ہے۔ (از روح البیان مع زیادت)۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ
اور نہیں ہے واسطے کسی جان کے یہ کہ مر جائے بغیر حکم اللہ کے تحریر ہے مقرر اور وہ جو
اور کوئی جان بے حکم خدا کے مر نہیں سکتی سب کا وقت لکھا رکھا ہے اور جو

مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ

ارادہ کرے گا دنیا کے بدلے کا ہم اسے دیں گے اس سے اور جو ارادہ کرے گا آخرت کے ثواب کا

دنیا کا انعام چاہے ہم اس میں سے اُسے دیں گے اور جو آخرت کا انعام چاہے ہم اس میں سے

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝

تو ہم اسے دیں گے اس سے اور عنقریب ہم شکر کرنیوالوں کو جزا دیں گے

اسے دیں اور قریب ہے کہ ہم شکر والوں کو صلہ عطا کریں

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غازی مسلمانوں کو گزشتہ بہادر مومنوں کے اجمالی حالات سنا کر انہیں جنگ پر دلیر کیا گیا' وہ لوگ اپنے نبیوں کی وفات پر بزدل نہ ہوتے تھے تم فقط حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سن کر میدان سے کیوں بھاگ پڑے' اب آئندہ کے متعلق کچھ قانون بتا کر انہیں دلیر کیا جارہا ہے کہ کوئی شخص بغیر عمر ختم ہوئے مر نہیں سکتا' پھر جہاد سے بھاگنے میں سوائے گناہ اور ثواب سے محرومی کے کچھ حاصل نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر اشارۃً دی گئی' اب فرمایا جارہا ہے کہ چونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا اس لئے انہیں رب تعالیٰ نے محفوظ رکھا' ورنہ وفات یا قتل کے سارے اسباب جمع ہو چکے تھے' کہ غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' کفار نے گھیر لیا تھا' بھرپور حملہ کر دیا تھا' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچاؤ کا سامان کوئی نہ تھا مگر پھر بھی محفوظ رہے' گویا پچھلی آیت میں ایک واقعہ کا اجمالی ذکر تھا اور اس آیت میں اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اشارۃً منافقین کا وہ قول نقل کیا گیا جو انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت سن کر کہا تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہوتے تو شہید کیوں ہوتے یا اے مسلمانو! اب تم اسلام سے پھر جاؤ' اور فرمایا جارہا ہے کہ ہر نفس کو موت تو آتی ہے' نبی کی وفات سے دین ختم نہیں ہو جاتا۔

تفسیر: **وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ** اس جملہ کی نحوی ترکیبیں بہت کی گئی ہیں' آسان ترکیب یہ ہے کہ **کان** فعل ناقصہ ہے' اور **ان تموت الا** اس کا اسم **لنفس** ممکنا کے متعلق ہو کر خبر مقدم' باقی دیگر ترکیبوں میں اشکال زیادہ ہے اور معنی میں پیچیدگی' حق یہ ہے کہ نفس سے مراد مطلقاً جان ہے' انسان ہو یا جانور یا جنات وغیرہ' بعض مفسرین نے بلاوجہ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لی' **اذن** کے معنی حکم بھی ہیں' اجازت بھی' ارادہ بھی' علم بھی' بتانا بھی اور چھوڑ دینا بھی' یہاں سارے ہی معنی بن سکتے ہیں' رب تعالیٰ جب کسی کی موت کا ارادہ کرتا ہے' تو ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام کو قبض روح کا حکم دیتا ہے' اجازت دیتا ہے انہیں اس مرنے والے پر مسلط کرتا ہے' حق یہ ہے کہ ہر ایک کی روح قبض کرنے والے صرف حضرت عزرائیل علیہ السلام اکیلے ہیں' ان کے ساتھی فرشتے قبض روح نہیں کرتے' بلکہ قبض روح کے انتظامات کرتے ہیں' جیسے ہڈی' پٹھوں' گوشت اور رگوں سے روح کو سمیٹنا' روح نکالنے کا کام صرف حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ہی ہے' معتزلہ کہتے ہیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام صرف جن و انس کی جان نکالتے ہیں' بعض بے

دین کہتے ہیں کہ جانوروں کی جان حضرت عزرائیل کے خدام فرشتے نکالتے ہیں مگر یہ سب باطل ہے حق یہی ہے کہ ہر جاندار کی جان صرف اکیلے حضرت عزرائیل قبض کرتے ہیں حتی کہ اپنے جان بھی خود ہی نکالیں گے (تفسیر روح المعانی)۔

لطیفہ: اس زمانہ کے بعض جہلا کہتے ہیں کہ چونکہ ایک فرشتہ بیک وقت ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا اور نہ سب کی جان نہیں نکال سکتا اس لئے رب تعالیٰ نے جان نکالنے کے لئے کروڑوں فرشتے مقرر کئے ہیں جن کے علاقے اور ایریئے (AREAS) بٹے ہوئے ہیں مگر یہ سب باتیں ملائکہ کی طاقت کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے ہیں سارا جہان ملک الموت کے سامنے دسترخوان کی طرح ہے کہ جہاں سے چاہا لقمہ اٹھالیا اور بیک وقت بیسیوں چاول اپنی انگلیوں میں لے لئے انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق اس آیت میں کی جائے گی قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم' کتبا" موجلا' کتاب کتب فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ متوجل' تاجیل سے بنا جس کا مادہ اجل ہے بمعنی مدت مقررہ' کبھی انسانی زندگی کو بھی اجل کہہ دیتے ہیں اور کبھی موت پر یہ لفظ بولا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے اذا جاء اجلھم (اجل بمعنی موت) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی موت مقرر کرکے کتاب لوح محفوظ میں لکھ دی ہے کہ کون کب' کہاں اور کس طرح مرے گا' کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے جس میں قیامت تک کے سارے واقعات من وعن لکھ دیئے گئے ہیں یا ہر شخص کی اپنی کتاب مراد ہے جو کاتب تقدیر نے ماں کے پیٹ میں ہی بچے کی پیشانی پر لکھ دی ہے۔ جس میں اس کے سارے حالات من وعن درج ہیں' یا وہ کتاب مراد ہے جو ہر سال شب قدر میں فہرست کے طور پر ملک الموت کو دے دی جاتی ہے۔ جس میں سال بھر میں مرنے والوں کے نام' موت کی جگہ اور وقت کا ذکر ہوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے فیھا یفرق کل امر حکیم اس شب قدر میں تمام کام تقسیم کردیئے جاتے ہیں'

خیال رہے: کہ اس رات میں ساری ہی فہرستیں تیار ہوتی ہیں' پیدائش' موت' رزق' عمل' عزت' ذلت وغیرہ ان میں سے ہر فہرست اس فرشتے کو ملتی ہے۔ جس کے ذمہ یہ کام ہے' اسی لئے اس رات کو شب قدر کہتے ہیں یعنی مقرر کرنے کی رات انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق سورۂ دخان میں اسی آیت کے ماتحت کی جائے گی' ومن یرد ثواب الدنیا ظاہر یہ ہے کہ من سے مراد مومن انسان ہیں' ارادہ سے مراد نیت ہے' ثواب' ثوب سے بنا بمعنی لوٹنا' کپڑے کو ثوب اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ لوٹ لوٹ کر بستا جاتا ہے یا تہہ کرنے میں لوٹا جاتا ہے' اصطلاح میں ثوب کے دو معنی ہیں' کسی چیز کا اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جانا کہا جاتا ہے۔ ثاب فلان الی دارہ فلاں شخص اپنے گھر لوٹ گیا دوسرے کسی چیز کا اپنی مقدر حالت کی طرف آجانا جس کے لئے وہ بنی تھی' عمل کے بدلہ کو خواہ اچھا ہو یا برا اسی لئے ثواب کہا جاتا ہے کہ وہ عمل کے نتیجہ کے طور پر انسان کی طرف لوٹ کر آتا ہے' گویا عمل خود نتیجہ کی شکل میں عمل والے کی طرف لوٹتا ہے' خیال رہے کہ انسان سمجھتا ہے میرا عمل ایک چڑیا تھی جو کرتے ہی میرے ہاتھ سے نکل گئی' مگر حقیقت یہ نہیں ہے' اس کا عمل اس کے گلے کا ہار بن جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے و کل انسان الزمنہ طٰئرہ فی عنقہ یعنی ہم نے ہر انسان کے اعمال کو جسے وہ پرندہ سمجھتا تھا اس کے گلے لگادیا' ثواب دنیا سے مراد یا غنیمت ہے یا دنیاوی عزت و نیک نامی وغیرہ یعنی جو کوئی جہاد وغیرہ سے صرف دنیوی فائدوں کی نیت کرے گا تو نوتہ منھا' ہ ضمیر کا مرجع من ہے اور منھا کی ضمیر دنیا کی طرف لوٹتی ہے یعنی ہم اسے دنیا میں سے ہی کچھ دے دیں گے اس طرح کہ یہاں کے عیش و آرام اور نعمتوں کو اس کے اعمال میں وضع کردیں گے یا اگر چاہیں گے تو جتنا چاہیں گے اسے دنیا سے

دے دیں گے' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید الایہ** 'یہ مطلب نہیں کہ ایسے شخص کو اس کی خواہش کے مطابق دنیا دے دی جائے گی بہت لوگ دنیا کی خاطر نماز روزے ادا کرتے ہیں' مگر دنیا نہیں پاتے' اس جملہ میں اشارۃً ان حضرات پر عتاب ہے' جو غزوہ احد میں مسلمانوں کی فتح ہو جانے پر مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے درہ سے ہٹ گئے' جس کی وجہ سے جنگ کا نقشہ بدل گیا **و من یرد ثواب الاخرۃ** یہاں بھی **من** سے مراد مسلمان ہیں' کفار ثواب آخرت کے لئے کوئی بھی نیکی کریں' انہیں وہاں کا ثواب نہیں ملتا' ان کے اعمال برباد ہیں کہ اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان ایسا شرط ہے جیسے نماز کے لئے وضو' ثواب آخرت سے مراد جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں' عشاق کے نزدیک رب تعالیٰ کی رضا کہ اصل ثواب یہی ہے کہ پیارا راضی ہو جائے' منھا کی ضمیر آخرت کی طرف لوٹتی ہے' **من** ابتدائیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ' کیونکہ رب تعالیٰ نیت خیر والے مومن کو اس کی امید سے زیادہ ثواب دے گا نہ کہ کم' اور ہو سکتا ہے کہ یہ ضمیر بھی دنیا کی طرف راجع ہو یعنی جو آخرت کے ثواب کی امید سے نیکیاں کرے گا ہم اسے ثواب آخرت ضرور دیں گے' یا جو آخرت کے ثواب کی نیت سے نیکیاں کرے گا اسے دنیا بھی ضرور دیں گے' ثواب آخرۃ اس کے علاوہ' یہ تفسیر بہت بہتر ہے' اس جملہ میں ان غازیان احد کی تعریف ہے جو احد میں ثابت قدم رہے' اگرچہ آیت کا نزول خاص طور سے غزوہ احد کے متعلق ہوا' مگر تمام نیکیوں کو شامل ہے' کہ عموم عبارت کا اعتبار ہوتا ہے' نہ کہ خصوصی شان نزول کا خیال رہے: کہ آخرت سے مراد قبر سے اٹھنے سے ابد الآباد تک کا زمانہ ہے' کبھی برزخی زندگی بھی آخرت میں شامل ہوتی ہے' انسان کی زندگیاں تین ہیں' دنیاوی برزخی' اخروی' دنیاوی اور برزخی زندگیاں تو محدود ہیں' مگر اخروی زندگی غیر محدود **و سنجزی الشکرین** یا تو شاکرین سے مراد یہی دوسری جماعت ہے' آخرت کے لئے نیکیاں کرنے والے تب تو یہ جملہ اس آخری جملہ کی تفسیر ہے' یا شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو محض رضاء الٰہی کے لئے فرائض سے زیادہ نیکیاں کریں' اس صورت میں یہ عاملین کی مدح ہے یعنی ان شاکرین کو جو آخرت کے لئے عمل کریں پورا پورا بلکہ زیادہ بدلہ عطا کریں گے' یا جو لوگ شاکر ہو کر ہماری رضاء کے جویاں ہیں ان کو وہ بدلہ دیں گے' جو ان کے خیال سے وراء ہے' بہر حال یہ جملہ شاکرین کے بڑے فضائل بیان فرما رہا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! خیال رکھو کہ کوئی جاندار بغیر حکم الٰہی' بغیر ارادہ خداوندی مر نہیں سکتا' ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے' جو لوح محفوظ میں یا اس کی پیشانی میں لکھ دیا گیا' اس سے آگے پیچھے مرنا ناممکن ہے' لہٰذا جہاد میں ثابت قدم رہنے سے کوئی مر نہیں جاتا اور اگر موت آگئی ہے تو خواہ تم کیسے ہی آرام کی جگہ میں ہو اور خواہ تم جہاد سے بھاگ بھی جاؤ بچ نہیں سکتے' غرضکہ ثابت قدمی مار نہیں دیتی' اور گھبراہٹ بچا نہیں لیتی' خوب یاد رکھو کہ جو شخص دنیاوی عیش و آرام پر نگاہ رکھے گا' اسی کی نیت سے جہاد وغیرہ نیک اعمال کرے گا تو اسے کچھ دنیا ہی مل جائے گی جتنی ہم چاہیں' اور جو آخرت کے ثواب کی نیت سے کرے گا تو اسے دنیا بھی ملے گی اور آخرت بھی' ہم شکر گزار بندوں کو بہت بڑا اجر دیں گے' اور عنقریب دیں گے' لہٰذا ہمیشہ نیک اعمال میں آخرت کی نیت کیا کرو' دانہ کی نیت کرو بھوسہ اپنے آپ مل جائے گا' حدیث شریف میں ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو کچھ عالم میں ہونے والا ہے اس سب کی تحریر پہلے ہی ہو

چکی ہے' جیسا کہ کتبا" مئوجلا " کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا' یہاں واقعات یونہی اتفاقاً" نہیں ہو رہے ہیں بلکہ طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہو رہا ہے۔ دوسرا فائدہ: سال بھر کے واقعات کی فہرستیں بنا کر متعلقین فرشتوں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں جس کے مطابق وہ فرشتے سال بھر تک عمل درآمد کرتے رہتے ہیں' جیسا کہ کتبا" مئوجلا " کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: ہر شخص کے پورے حالات زندگی' رزق' زندگی و موت' سعادت' بدبختی اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دی جاتی ہے' جس کے مطابق اس کی زندگی گزرتی ہے' جیسا کہ کتبا" مئوجلا " کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا' خیال رہے کہ انسان کے اعمال وغیرہ کی تحریر ایک تو اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکی ہے جسے محض تقدیر کہہ سکتے ہیں گو دوسری تحریر اس کے عمل کرنے پر ہوتی ہے جسے نامہ اعمال کہا جاتا ہے' پہلی تحریر فرشتہ کاتب تقدیر ماں کے پیٹ میں کر جاتا ہے' دوسری تقدیر نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے کرتے رہتے ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں' ان کے قلم اور بندے کے اقوال و اعمال میں ایک بجلی کا سا کنکشن (CONCUTION) ہے' کہ بندے نے کوئی بات یا عمل کیا' اور ان کے قلم کو حرکت ہوئی' بندہ خاموش ہوا کہ ان کا قلم بھی رکا' رب تعالیٰ فرماتا ہے ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید یہ دوسری تحریر یعنی نامہ اعمال کل قیامت میں ہر شخص کو دیئے جائیں گے اور حکم ہو گا اقرا کتابک اپنی تحریر پڑھ' یوں سمجھو کہ پہلی تحریر کے عمل مطابق اور دوسری تحریر عمل کے مطابق ہے۔ چوتھا فائدہ: ہر جاندار کی قبض روح حضرت ملک الموت فرماتے ہیں' جیسا کہ کتبا" مئوجلا " کی دوسری تفسیر کے ماتحت بیان کیا گیا' وہ تمام عالم میں حاضر و ناظر ہیں' جیسے سورج ہر جگہ حاضر ہے اور وہ سارے عالم پر تصرف کرتے ہیں' لہٰذا کسی بندے کا بحکم پروردگار عالم میں حاضر' ناظر' متصرف ہونا شرک نہیں کہ یہ سب طاقتیں بہ عطاء الٰہی ہیں' دیکھو حضرت آصف بن برخیا جو بنی اسرائیل کے ولی تھے' فرشتہ یا نبی نہ تھے' مگر ایک آن میں تخت بلقیس یمن سے شام میں لے آئے' معلوم ہوا کہ وہاں حاضر بھی تھے ناظر بھی' پھر ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الانس والجان ہیں' ان کی شان کا کیا پوچھنا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے سارے علوم غیب اپنے بعض محبوب بندوں کو بخشے' جیسا کہ کتبا" مئوجلا " سے معلوم ہوا کہ یہ تحریر وغیرہ انہیں کو بتانے کے لئے تو ہے اگر کسی کو بتانا نہ تھا تو تحریر کیوں کی گئی' کیا خدا تعالیٰ کو اپنے بھول جانے کا خطرہ تھا؟ لوح محفوظ پر رہنے والے فرشتے یہ تمام علوم رکھتے ہیں' کاتب تقدیر فرشتہ سارے لوگوں کے سارے حالات جانتا ہے کہ وہ خود ہی تو لکھ کر گیا ہے۔ چھٹا فائدہ: ہر شخص اپنی ہی موت سے مرتا ہے' خواہ خدا مارے یا اسے کوئی قتل کر دے' جیسا کہ الا باذن اللہ سے معلوم ہوا' یہی اہلسنت کا مذہب ہے' (تفسیر کبیر وغیرہ)۔ ساتواں فائدہ: نماز استسقاء' نماز حاجت' نماز غوثیہ وغیرہ میں اور تمام ان وظائف میں جو دفع حاجات یا حصول مرادات کے لئے جاتے ہیں' ثواب آخرت کی ہی نیت کرنی چاہئے' ساتھ میں رب تعالیٰ حاجتیں بھی پوری فرماوے گا' یہ حاجتیں و مرادیں ان عبادات کا مقصود نہ ہوں جیسا کہ ثواب الاخرۃ سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جہاد وغیرہ عبادات میں غنیمت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو' صرف تبلیغ اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت ہو لہٰذا غنیمت بھی دے گا۔ نواں فائدہ: جو آخرت کی نیت کرے گا اسے دنیا بھی ملے گی' بلکہ دنیا اسے دوسروں سے زیادہ ملے گی' جیسا کہ منها کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عمر موت اور زندگی تحریر میں آ چکی ہے جس میں زیادتی کی ناممکن ہے' مگر

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال اہل قرابت سے سلوک کی برکت سے عمر رزق بڑھ جاتے ہیں' وہ احادیث اس آیت کے خلاف ہیں۔ جواب: اس کا جواب تفصیل وار تفسیر جلد سوم میں مسئلہ تقدیر میں عرض کیا جاچکا ہے' یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا سے شفا ملتی ہے یا روٹی سے پیٹ بھرتا ہے یا پانی سے پیاس بجھتی ہے' ایسے ہی کہا جاتا ہے کہ نیکیوں سے عمر بڑھتی ہے' جیسے مرض اور دوا دونوں لوح محفوظ میں تحریر ہیں کہ فلاں شخص فلاں تاریخ بیمار ہو گا اور فلاں دوا سے شفا پائے گا' ایسے ہی وہاں یہ موجود ہے کہ فلاں شخص نیکی کرے گا اور اس قدر عمر پائے گا یا فلاں کی دعا سے اس کی یہ بگڑی بنے گی غرضیکہ کتبا " مئوجلا " میں سب چیزیں موجود ہیں' لہذا احادیث و قرآن میں تعارض نہیں۔ دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ ہر جاندار کی جان حضرت عزرائیل نکالتے ہیں' حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **توفتہ رسلنا** ہمارے بہت سے فرشتے اسے موت دیتے ہیں' اس سے پتہ لگتا ہے کہ موت کے فرشتے بہت ہیں' جواب: اس کا جواب تفسیر میں عرض کیا جاچکا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام جان نکالتے ہیں ان کے مددگار فرشتے ان کا تعاون کرتے ہیں' جیسے آپریشن (OPREATION) بڑا ڈاکٹر کرتا ہے' مگر دوسرے کمپونڈر وغیرہ اس کا تعاون کرتے ہیں' اس لئے دوسرے مقام پر ارشاد ہے' **قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم** اگر یہ مطلب نہ ہو تو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو گا۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ تمام کی روح ملک الموت ہی قبض کرتے ہیں' مگر حضرت جریر ابن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ دریا کے شہید کی جان خود رب تعالیٰ قبض فرماتا ہے' وہ حدیث اس تفسیر کے خلاف ہے۔ جواب: وہاں اضافت اور نسبت تشریفی ہے یا حقیقتہ "فاعلی مراد ہے" کہ تمام کاموں کا فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے' خود رب تعالیٰ فرماتا ہے **ھو الذی یتوفکم باللیل ویعلم** الخ اور فرماتا ہے **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا** - **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال میں آخرت کے ثواب کی نیت چاہئے' دنیا کی نیت نہ کرے' مگر بعض نمازیں بارش' حاجت کے لئے پڑھی جاتی ہیں' ایسے ہی بہت سے وظیفے' عملیات بھی دنیاوی مقاصد کے لئے پڑھے جاتے ہیں وہ سب ان آیات کے خلاف ہیں۔ جواب: یہ اعمال بھی رضائے الٰہی کے لئے کرنے چاہئیں' خیال یہ کرے کہ اس کے طفیل رب تعالیٰ ہمارا کام بھی کر دے' جیسے جہاد رضائے الٰہی کے لئے کرے' پھر غنیمت اور فتح ملک بھی مل جاتے ہیں' لہذا وہ احادیث اس آیت کے خلاف نہیں' ہم کو دعا کی تعلیم خود رب تعالیٰ نے دی **ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ" و فی الاخرۃ حسنتہ"** رب تعالیٰ سے دنیا بھی مانگو' آخرت بھی' یہاں ان کی برائی ہو رہی ہے جو رب تعالیٰ سے صرف دنیا مانگیں' آخرت نہ مانگیں یا نیک اعمال سے صرف دنیا کی نیت کریں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں' طالب دنیا' طالب آخرت' طالب مولا' طالب دنیا کا ثواب صرف دنیا ہے' آخرت میں اسے کچھ نہیں ملتا' طالب آخرت کا ثواب آخرت میں ملے گا' مگر طالب مولا کا ثواب دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وھو معکم اینما کنتم** بندے کو چاہئے کہ طالب مولا ہو' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بعض لوگ دنیا میں رہتے ہیں' اور بعض لوگوں میں دنیا رہتی ہے' جن میں دنیا رہے وہ غرق ہوں گے' اور جو دنیا میں ہیں وہ پار لگیں گے' جو کشتی دریا میں رہے پار لگے گی' جس کشتی میں دریا آجائے وہ ڈوبے گی' عصر کے وقت نمازی کے آگے سورج ہوتا ہے' اور سورج کے پجاری بھی سورج ہی کے آگے سجدے کرتے ہیں' مگر نمازی مسلمان اس سجدے سے مشرک نہیں متقی بن جاتا ہے' سورج

پرست اس سجدے سے مشرک ہو جاتا ہے' کیونکہ اگرچہ مومن کے آگے بھی سورج ہے' مگر اس کا مقصود رب تعالیٰ ہے' مشرک کا مقصود سورج ہے' موجود ہونے اور مقصود ہونے میں بڑا فرق ہے' مومن کا مقصود اللہ ہے' منافق کا مقصود دنیا' اگرچہ دونوں کے سامنے دنیا موجود تو ہے مگر مومن کی مقصود نہیں' اللہ تعالیٰ نیت خیر نصیب کرے۔

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ

اور بہت سے نبی جن کے ساتھ جہاد کیا بہت سے اللہ والوں نے پس نہ سست بڑے اس وجہ سے جو انہیں پہنچی

اور کتنے ہی انبیاء نے جہاد کیا ان کے ساتھ خدا والے تھے تو سست نہ پڑے ان مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ

فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾

اللہ کی راہ میں اور نہ ضعیف و ناتواں ہوئے اور نہ دبے اور اللہ پسند فرماتا ہے صبر والوں کو

میں انہیں پہنچیں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غازیان اسلام کو اخروی نعمتوں کا ذکر سنا کر انہیں بہادر و دلیر بنایا گیا' اب گذشتہ انبیائے کرام کے غازی امتیوں کا ذکر سنا کر انہیں بہادری کا سبق پڑھایا جا رہا ہے' کہ بہادر سپاہیوں کو کبھی لالچ دے کر کبھی دوسروں کی مثال دے کر دلیر کیا جاتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مخلصین شاکرین کی جزاء و ثواب کا ذکر تھا' اب اسی جزاء و ثواب کے مستحقین کا تذکرہ ہے کہ پچھلی امتوں میں لوگ بڑے کارنامے کرکے ان جزاؤں کے مستحق ہو گئے' منشاء یہ ہے کہ اے امت مصطفوی تم ان سے پیچھے نہ رہو' ان سے بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں جہاد میں بہادری کی ایک عظمت کا ذکر ہوا کہ یہ اخروی نعمتوں کا بھی ذریعہ ہے اور دنیاوی نعمتوں کا بھی' کہ اس سے فتح ملک' سلطنت' سرخروئی وغیرہ میسر ہوتی ہے' اور اس سے رضائے الٰہی' جنت وغیرہ نصیب ہوتی ہے' اب اس بہادری و استقامت کی دوسری عظمت بیان ہو رہی ہے' کہ گذشتہ نبیوں اور ان کے ساتھیوں کی سنت ہے' کسی چیز کا سنت انبیاء ہونا اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ایک عقیدے کا مسئلہ بیان ہوا کہ کوئی نفس بغیر عمر پوری کئے نہ مرے گی' اب اس کے معتقدین کا ذکر ہے کہ گذشتہ انبیاء اور ان کے ساتھیوں کا عقیدہ یہی تھا' کہ وہ حضرات یہی عقیدہ رکھ کر میدان جہاد میں جاتے تھے' اور بڑے بڑے کارنامے کر دکھاتے تھے تم نبیوں کے سردار کی امت ہو' چاہئے کہ تمہارے کارنامے ان سے بڑھ چڑھ کر ہوں۔

تفسیر: **وکاین من نبی** لفظ **کاین** میں اہل لغت و مفسرین کے بہت قول ہیں' جن میں دو قول قوی ہیں باقی ضعیف' ایک یہ کہ **کاین** مفرد لفظ ہے' جس کا نون اصلی ہے' اور خاص اپنے معنی کے لئے وضع ہوا ہے' ابن حیان وغیرہ یہی کہتے ہیں' دوسرے یہ کہ لفظ **کاف** تشبیہ اور **ای** استفہامیہ سے مرکب ہے' **ای** کی تنوین نے نون کی شکل اختیار کر لی ہے' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ سوائے اس لفظ کے اور کہیں تنوین نون کی شکل میں نہ لکھا گیا' جیسے **کذا** **کاف** تشبیہ اور **ذا** اسم اشارہ سے مرکب

ہے' **کاین** بمعنی کم ہے' یعنی کتنے ہی یا بہت سے' پھر اس میں گفتگو ہے کہ یہ کیا ہے' بعض کے خیال میں **اوی یا وی** کا مصدر ہے۔ اصل میں **اوی** تھا' **واؤ** ی ہو کر ی میں مدغم ہو گیا' جیسے **طی** اور **شی** کہ اصل میں **طوی** اور **شوی** تھے' مرکب ہو کر اس میں کثرت کے معنی پیدا ہو گئے' بہرحال اس کے معنی بہت سے یا کتنے ہی ہیں' بعض نے اسے **کائن** یعنی **کان یکون** کا اسم فاعل پڑھا مگر یہ ضعیف ہے' (معانی' کبیر وغیرہ) **من نبی**' **کاین** کا بیان ہے' جیسے کم خبریہ کی تمیز میں **من** آتا ہے' ایسے ہی یہاں آیا' خیال رہے کہ **نبی** سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بعد والے وہ پیغمبر ہیں جن کی شریعت میں جہاد تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جہاد تھا ہی نہیں' آپ ہی پہلے مجاہد ہیں' آپ کے بعد بعض نبیوں کی شریعت میں جہاد تھا' بعض کے ہاں نہ تھا **قتل معه ربیون کثیر**' **کاین من نبی** مبتدا تھا اور یہ جملہ خبر ہے' **قاتل** کا فاعل نبی کی ضمیر ہے' اور **معه ربیون کثیر** اس ضمیر کا حال' اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی ترکیب سے ہے' یعنی بہت سے نبیوں نے جہاد کئے اس حالت میں کہ ان کے ساتھ بہت سے مومنین تھے' ایک احتمال یہ ہے کہ **ربیون**' **قاتل** کا فاعل ہو اور معنی یہ ہوں کہ بہت سے نبی وہ ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا' ہمارا ترجمہ اسی ترکیب کی بناء پر ہے' خیال رہے کہ ایک قراۃ میں **قتل** ہے قصر کا ماضی مجہول' اس صورت میں **ربیون** ہی نائب فاعل ہو گا نہ کہ نبی' کیونکہ کوئی نبی جہاد میں شہید نہ ہوئے' (کبیر و صاوی) اب معنی یہ ہوئے کہ بہت نبی وہ ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والے شہید کر دیئے گئے' **ربیون**' **ربی** کی جمع ہے' حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **ربی**' **ربته** یا **ربوۃ** سے بنا' بمعنی کثرت و زیادتی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یربی الصدقت** اور فرماتا ہے **فلا یربوا عند الله** لہذا **ربی** کے معنی ہوئے بڑی جماعت اور **ربیون** کے معنی ہوئے بہت بڑی بڑی جماعتیں' ضحاک فرماتے ہیں کہ ایک ہزار کی جماعت **ربی** کے معنی ہوئے بڑی جماعت اور **ربیون** کے معنی ہوئے بہت بڑی بڑی جماعتیں' ضحاک فرماتے ہیں کہ ایک ہزار کی جماعت **ربی** ہے مگر امام راغب وغیرہ نے فرمایا کہ **ربانیون ربانیوں** کے معنی میں ہے۔ لہذا **ربی** کے معنی ہوئے اللہ والا' اگرچہ **رب** کی راء کو فتح ہے' مگر نسبت کے وقت راء کو کسرہ دے دیا گیا' جیسے **بصرہ** سے **بصری** اور دہر سے **دہری**' ربانی اور ربی' علماء' فقہاء' صوفیاء' مشائخ' مومن صالحین ہیں **فما وهنوا' لما اصابهم' و هنوا وهن** سے بنا' بمعنی ضعف و کمزوری یا بزدلی یا **جبن**' **ما** سے مراد تکالیف و مصیبتیں ہیں جو جہاد میں پیش آتی ہیں یعنی ان مصیبتوں و آلام کی وجہ سے جو انہیں اللہ کی راہ میں مصیبتیں پہنچیں وہ ان سے کمزور نہ ہوئے یا وہ لوگ اللہ کی راہ میں کمزور نہ ہوئے بلکہ قوی و بہادر رہے **وما ضعفوا وما استکانوا** اس **استکانوا** کا مصدر **استکانت** ہے' جس کا مادہ **سکون** یا **سکن** یا **سکون** ہے' بمعنی عاجزی و تضرع' بعض نے فرمایا کہ دلی کمزوری استکانت ہے' بعض کے نزدیک دشمن کے دین کی طرف منتقل ہو جانا استکانت ہے (کبیر) اس صورت میں **استکانوا** باب افتعال کا ماضی جمع مذکر غائب ہے' اصل میں **استکنوا** تھا الف اشباع کا ہے **والله یحب الصبرین صابرین صبر** سے بنا' بمعنی روکنا' اطاعت پر رکنا' گناہوں سے رکنا' آفات میں گھبراہٹ سے رکنا' یہاں تیسرے معنی مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مصیبتوں میں نہ گھبرانے والوں اور استقامت والوں کو دوست رکھتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے اللہ کے غازیو! تم تو اپنے نبی کی خبر شہادت پر گھبرا گئے' تم سے پہلے جن نبیوں نے جہاد کئے ان کے ساتھ

بڑے اللہ والوں نے شرکت کی' ان پر جہاد میں کیسی ہی مصیبت آئی مگر وہ نہ تو سست پڑے' نہ کمزور ہوئے' نہ دشمن کے آگے دبے' پھر تم تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ و سلم کی امت ہو' تمہیں چاہئے کہ ان سے بڑھ چڑھ کر صابر و شاکر اور بہادر رہو' تاکہ قیامت میں تم ان سے اول نمبر رہو' تم نے احد میں کیا کیا کہ بعض تو بھاگ پڑے' اور بعض نے ابو سفیان سے امان مانگ لینے کی خواہش کی' حالانکہ ابو سفیان بھاگ چکے تھے' بعض نے ابن ابی وغیرہ منافقین کو بیچ میں ڈالنے کی کوشش کی' آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا اگر ہمارے پیارے بننا چاہتے ہو تو ہر طرح کا صبر اختیار کرو' کیونکہ ہم صبر والوں سے محبت کرتے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** افضل شخص' افضل قوم کو اعلیٰ و افضل کام کرنے چاہئیں' صرف نسب یا نسبت پر قناعت نہ کرنا چاہئے' علماء' مشائخ' صوفیاء اور سادات کو چاہئے کہ ان کے اعمال دوسرے مسلمانوں سے زیادہ اعلیٰ ہوں' بڑا انعام لینا ہے تو بڑا کارنامہ کرو' جیسا کہ اس آیت کے مقصد سے معلوم ہوا' ہیڈ ماسٹر اپنے ماتحتوں سے زیادہ قابل ہونا چاہئے۔ **دوسرا فائدہ:** دوسروں کے کارنامے سنا کر مسلمانوں کو جوش دلانا سنت الٰہیہ ہے' بلکہ اس نیت سے تاریخی حالات جاننا' سیکھنا' عبادت ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جہاد بڑی پرانی سنت ہے کہ اسلام سے پہلے بھی حضرات انبیاء نے کیا' جیسا کہ **و کاین من نبی** سے معلوم ہوا' لہٰذا یہ سنت ہی نہیں بلکہ فطرت بھی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** سارے نبیوں کے دین میں جہاد نہ تھا' بلکہ بہت سے انبیاء کے دین میں جہاد تھا' بہت سوں کے دین میں نہ تھا' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے **کاین** فرمایا کل یا جمیع نہ فرمایا' چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کسی نبی پر جہاد نہ تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جہاد شروع ہوا' اور آپ کے بعد بھی ہر نبی پر جہاد فرض ہوا' کسی پر نہ ہوا' چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں جہاد نہیں' عیسائی لوگ سیاسی جنگیں کرتے ہیں مذہبی نہیں۔ **پانچواں فائدہ:** جہاد کے لئے طاقت و قوت شرط ہے' اور فوج بھی طاقت ہی کا ایک رکن ہے' جیسا کہ **ربیون** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان حضرات نے اکیلے جہاد نہ کیا' بلکہ جب مجاہدین کی جماعت کثیرہ ساتھ ہوئی' تب جہاد کے لئے قدم اٹھایا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے ہجرت سے پہلے جہاد نہ کیا' بلکہ آپ پر اس وقت جہاد فرض ہی نہ ہوا کہ طاقت نہ تھی۔ **چھٹا فائدہ:** غازی مجاہدوں کو بحالت جہاد نہایت' نیک صالح ہونا' اپنی نیت خیر رکھنا بہت ضروری ہے' اللہ والے بن کر میدان میں جائیں' جیسا کہ **ربیون** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' کہ رب تعالیٰ نے ان مجاہدین کو اللہ والا فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** تقویٰ اور طہارت سے دل میں ہمت و جرات پیدا ہوتی ہے' جس سے متقی کے دل میں غیر خدا کا خوف نہیں آتا' دیکھو ان مجاہدین پر بڑی سے بڑی آفت میں بھی دشمن کا خوف نہ ہوا' دیکھو فرعونی جادوگر ایمان لاتے ہی ایسے دلیر ہو گئے' کہ **فرعون کے دھمکانے** پر صاف بولے' کہ جو بھی تجھ سے ہو سکے کر لے' ہم تو ایمان لا چکے۔ **آٹھواں فائدہ:** بزرگوں کے ساتھ یا ان کے پاس نیکیاں کرنا بہت ہی بہتر ہے' اس قرب سے نیکیوں کو چار چاند لگ جاتے ہیں' جیسا کہ **معه** فرمانے سے معلوم ہوا' یعنی ان مجاہدین کی بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ انہیں نبی کی ہمراہی میں جہاد نصیب ہوا' آج مسجد نبوی کی عبادات کا ثواب بہت زیادہ ہے' کیوں؟ اسی قرب رسول کی برکت سے' کوئی ولی' کوئی غوث' کوئی قطب' صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا' کیوں؟ اس لئے کہ وہ صحبت مصطفوی کہاں سے لائے گا۔ **نواں فائدہ:** نبی بزدل نہیں ہوتے وہ بڑے بہادر اور شجاع ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو دوسری صفات کے ساتھ بہادری و شجاعت بھی عطا فرماتا ہے' جیسا کہ **وما ضعفوا** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** رب

تعالیٰ کے محبوب بندے بننے کے لئے صبرو نیک اعمال کرنے ضروری ہیں' جیساکہ یحب الصبرین سے معلوم ہوا' کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا۔

تعصی الرسول و انت تظهر حبه   هذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبک صادقا لا طعته   ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی تو دعویٰ تو کرتا ہے پیغمبر کی محبت کا' اور کرتا ہے ان کی نافرمانی' یہ عجیب بات ہے' اگر تیری محبت سچی ہوتی تو ان کی اطاعت ضرور کرتا' عاشق محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے' جب محبوب پیارا تو اس کے فرمان و اعمال بھی پیارے۔

پہلا اعتراض: ربیون خود جمع ہے' جمع میں کثرت و زیادتی آہی جاتی ہے' پھر اس کے ساتھ کثیر کیوں فرمایا گیا' یہ معنی تو ربیون ہی میں آگئے تھے۔ جواب: یہاں جمع تعداد افراد کے لئے ہے' اور کثیر تعداد انواع کے لئے یعنی نبیوں کے ساتھ بہت قسم کے بہت اللہ والے جہاد میں ہوتے تھے یا جمع کثرت افراد کے لئے ہے اور کثیر کثرت واقعات کے لئے یعنی بہت دفعہ بہت سے مجاہدوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر جہاد کئے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد صرف مولویوں' پیروں اور متقیوں کو ہی کرنا چاہئے' فاسق و فاجر لوگ نہ کریں' کیونکہ رب تعالیٰ نے مجاہدوں کو ربیون فرمایا یعنی اللہ والے' لہذا دنیا والے نفس والے لوگ چونکہ اللہ والے نہیں' وہ جہاد میں بھی نہ جائیں' حالانکہ اکثر جہاد میں گنہگار لوگ ہی زیادہ کام آتے ہیں' جیساکہ بارہا کا تجربہ ہے۔ جواب: معترض نے اوندھی بات کہی "گنہگاروں کو جہاد نہ چھوڑنا چاہئے" بلکہ جہاد کے موقعہ پر گناہ چھوڑ کر اللہ والا بن جانا چاہئے سو برس کا گنہگار جب سچے دل سے توبہ کرلے تو وہ اللہ والا بن جاتا ہے' اور پھر خشیت الٰہی اللہ والا بن کر میدان جہاد میں پہنچتا ہے' اگر کوئی کہے بے نمازی ہے' تو اسے نمازی بناؤ' مسجد نہ چھڑاؤ۔ تیسرا اعتراض: نبی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں' پھر انہیں جہاد کفار میں فوجوں کی کیا ضرورت' گذشتہ انبیاء ربیون یعنی اللہ والوں کی جماعت جہاد میں ساتھ کیوں رکھتے تھے' جب یوشع علیہ السلام ڈوبتے ہوئے سورج کو روک سکتے ہیں' کیا وہ کفار کی یلغار کو نہیں روک سکتے تھے (بعض بے دین)۔ جواب: تبلیغ و جہاد اسباب کے ماتحت ہوتے ہیں' تاکہ نبی کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہیں' اگر وہ حضرات معجزے کے طور پر کفار کو شکست دیدیا کرتے' تو بعد کے لوگ جہاد کی ہرگز ہمت نہ کرتے' بلکہ کہتے کہ جس ہتھیار سے جہاد ہوتا تھا یعنی معجزہ وہ تو چلا گیا' اب جہاد کیسا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں پتھروں کو کلمہ پڑھایا' مگر ابو جہل سے بطور معجزہ کلمہ نہ پڑھایا' کہ اس طرح کلمہ پڑھوانے میں ابو جہل کا ایمان شرعی نہ ہوتا' معجزے کا اظہار اپنی حقانیت دکھانے کو ہوتا ہے' نہ کہ کسی کو جبراً مسلمان بنانے کو' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ معظمہ سے بت معجزے سے نہ نکالے بلکہ لشکری طاقت سے' تاکہ تاقیامت جہاد پر عمل ممکن ہو۔ چوتھا اعتراض: معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بزدل تھے' جب ہی تو رب تعالیٰ انہیں بہادروں کے قصے سناکر لے فرما رہا ہے' اگر وہ خود ہی بہادر ہوتے تو انہیں یہ قصے سنانے کی کیا ضرورت تھی' تیز رفتار گھوڑے کو کوڑے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ جواب: اگر اس قسم کی قیاس آرائیاں کی گئیں تو پھر شان نبوت کی بھی خیر نہیں' رب تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا **فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل** اے محبوب صبر سے کام لو' جیساکہ پچھلے شاندار نبیوں نے صبر کیا' تو کیا کہو گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صابر نہ

تھے؟ کہو گے تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے صحابہ کرام جیسے بہادر شجاع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے والے جانباز نہ آسمان نے کبھی دیکھے تھے نہ دیکھے گا بہادروں کو دوسرے بہادروں کے کارنامے سنا کر اور زیادہ دلیر کیا جاتا ہے نیکی و خوبی کی جس قدر زیادتی ہو بہتر ہے نیز یہ آیات تاقیامت مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اگرچہ ان کا نزول صحابہ کرام کے لئے ایک خاص موقع پر ہوا" خیال رہے کہ جنگ احد میں بعض صحابہ کے پاؤں اکھڑ جانا بزدلی کی بناء پر نہ تھا بزدلی اور چیز ہے اور کسی اچانک حادثہ پر گھبراہٹ دوسری چیز' موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ مولیٰ ہم کو فرعون اور فرعونیوں سے ڈر لگتا ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا" یہ خوف ایک حادثہ کے احتمال پر ہے نہ کہ بزدلی کی وجہ سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بزدلی سے پاک ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عقل میں بزدلی ہے عشق میں دلیری و بہادری' جب عشق عقل پر غالب آجاتا ہے تو اسے دیوانہ بنا کر بہت دلیر کر دیتا ہے معمولی چڑیا کے بچوں کو جب چیل جھپٹ لیتی ہے تو چڑیا اپنے بچوں کے عشق میں دیوانی ہو کر چیل پر حملہ کر دیتی ہے اور چیل آگے آگے بھاگتی ہے' چڑیا پیچھے پیچھے تعاقب کرتی ہے گویا عشق نے شکار کو شکاری بنا دیا اور اسی کے مقابل شکاری کو شکار کر دیا' اللہ والے غازی مجاہد جب عشق الٰہی کے شراب سے متوالے ہو کر سروں سے کفن لپیٹ کر نکلتے ہیں تو ان کے دلوں میں دشمن کی قوت یا کثرت کا مطلقاً احساس نہیں ہوتا اور وہ حضرات آفات و مصیبتوں کے جام کے جام شیر کی طرح مزے لے کر پیتے ہیں انہیں کو رب تعالیٰ نے یہاں ربیون فرمایا یعنی عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار' جہاد میں یہی وہ ہتھیار ہے جس کا مقابلہ کفار کے ہتھیار نہیں کر سکتے' اگر راکھ میں شرر ہے تو آگ کا کام کرے گی' بجھی ہوئی راکھ خاک کے ڈھیر سے بدتر ہے کہ خاک تو گارے وغیرہ میں کام بھی آتی ہے مگر راکھ بجز گند ابرتن صاف کرنے کے کسی اور مصرف کی نہیں ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے! مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا
اور نہ تھا ان کا کہنا اس کے سوا کہ وہ بولے اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہوں کو اور ہماری زیادتیوں
وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے سوا اس دعا کے کہ اے رب ہمیں بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے
وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ
کو ہمارے کاموں اور ثابت رکھ ہمارے قدموں کو اور مدد فرما ہماری کافر قوم پر پس دیا اللہ نے
کام میں کیں اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں ان کافروں پر مدد دے تو اللہ نے انہیں

ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾
ان کو ثواب دنیا کا اور اچھا ثواب آخرت کا اور اللہ پسند کرتا ہے نیک کاروں کو
دنیا کا انعام دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی اور نیکی والے اللہ کو پیارے ہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں امت کے غازیوں کی عملی خوبیاں بیان ہوئیں یعنی مصیبت میں گھبرانہ جانا' سست نہ پڑنا اب اس آیت میں ان کی قولی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں' یعنی ایسے نازک حالات میں بھی رب تعالیٰ سے دعائیں کرنا گویا ارکانی نیکیوں کے بعد ان کی لسانی و زبانی نیکیوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گذشتہ غازیوں کی استقامت کا ذکر تھا اب بحالت جہاد ان کی عبادت کا ذکر ہے کہ وہ حضرات ایسی خطرناک حالت میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے اور جہاد میں دو ہی چیزیں لازم ہیں' استقامت و عبادت' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا** " جب کفار سے مڈ بھیڑ ہو تو ڈٹ جاؤ اور اللہ کا ذکر بہت کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گذشتہ غازیوں کی اعلیٰ عبادت یعنی جہاد میں ڈٹ جانے کا ذکر تھا' اب اس عبادت کی قبولیت کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے' یعنی مومن کا اپنی عبادت پر نازاں نہ ہونا' اپنے کو ہر حال میں گنہگار جان کر رب تعالیٰ سے توبہ کرنا کہ وہ حضرات اتنی بڑی نیکیاں کرنے کے بعد بھی توبہ و استغفار کرتے تھے' شیخی میں نہ آتے تھے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ غازیوں کے متعلق اپنا فیصلہ کا ذکر فرمایا کہ وہ حضرات صابر تھے' اور صابر ہمارے پیارے ہیں' لہذا ہمیں پیارے تھے' اب اس آیت خود ان کے فیصلہ کا ذکر ہے' جو انہوں نے اپنے متعلق کیا تھا کہ ہم گنہگار خطاکار ہیں' لطف جب ہی ہے کہ بندہ کہے میں گنہگار' رب تعالیٰ کہے تو متقیوں کا سردار تو پرہیزگار' غرضکہ ان کے ایک کمال کا ذکر پچھلی آیت میں تھا' رب تعالیٰ کے ہاں مقبول و صابر ہونا' دوسرے کمال کا ذکر اب ہے اپنے کو گنہگار جاننا۔

تفسیر: وما کان قولہم الا ان قالوا حق یہ ہے کہ **قولہم** کی ضمیر ربیون کی طرف راجع ہے' اس میں انبیائے کرام داخل نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں' ان کے نزدیک بھی گناہ و اسراف نہیں جاتے (صاوی و خازن) روح البیان نے فرمایا کہ یہ مناجات وہ حضرات سخت خطرناک حالت میں کرتے تھے' جبکہ جنگ خطرناک صورت اختیار کر جاتی تھی' اور غازیوں کو اپنی شکست نظر آتی تھی' تب یہ عرض کرتے تھے کہ مولیٰ ہماری یہ حالت ہمارے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے معاف دے' کرم کر' اور ہو سکتا ہے کہ وہ جہاد میں ہر وقت ہی یہ کہتے رہتے ہوں' **قولہم** کان کی خبر مقدم ہے' اور **ان قالوا** مصدر ہو کر اسم موخر' الا استثناء مفرغ ہے' یعنی وہ حضرات جہاد میں ان کلمات کے سوا اور کوئی بھی کلام منہ سے نہ نکالتے تھے **ربنا اغفرلنا ذنوبنا** یہ پورا جملہ **قالوا** کا مفعول بہ ہے' مغفرت اور ذنب کے معانی پہلے بارہا عرض کئے جا چکے ہیں' ان غازیوں کا یہ عرض کرنا اگلی دعا کی تمہید ہے' کہ دعا سے پہلے اپنے گناہوں کا اقرار و توبہ سنت بزرگان ہے اور ہر دعا پر اپنے رب کو ربنا کہہ کر پکارنا ذریعہ قبولیت ہے' یہ پکار اظہار عجز کے لئے ہے' نہ کہ رب تعالیٰ کو بے خبر جاننے کی بناء پر' ذنوب سے سارے گناہ مراد ہیں نئے ہوں یا پرانے' یا بحالت جہاد کوتاہیاں و غلطیاں کریم کو پکار کر اپنے قصور کا اقرار سنت ابرار ہے **و اسرافنا**

فی امرنا' واؤ عاطفہ ہے اور مابعد ذنوب پر معطوف' **اسراف**' سرف سے بنا بمعنی حد سے بڑھ جانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **کلوا و اشربوا ولا تسرفوا** اور فرماتا ہے' **قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم** اور فرماتا ہے **فلا یسرف فی القتل**' **امر** سے مراد اپنا ہر عمل ہے بدنی ہو یا دلی یا مالی اس میں گفتگو ہے کہ ذنب و اسراف میں کیا فرق ہے' امام ضحاک فرماتے ہیں کہ ذنب صغیرہ گناہ ہیں' اور اسراف کبیرہ' بعض کے نزدیک ذنب عام ہے اسراف خاص یعنی ذنب ہر گناہ' اسراف بڑا گناہ' بعض کے نزدیک نہ کرنے والے کام کرلینا ذنب ہے اور کرنے والے کام نہ کرنا اسراف' بعض کہتے ہیں بدنی گناہ' اختیاری اعمال ذنب ہیں' اور دلی گناہ حسد' بغض یا جہاد میں بے ہمتی اسراف ہے بعض کے نزدیک حقوق اللہ میں زیادتی کی ذنب ہے' حقوق العباد میں کج روی اسراف کچھ بھی سہی' ان حضرات نے اپنے ہر قسم کے سارے گناہوں سے معافی مانگ لی' خیال رہے کہ یہ لوگ افراط و تفریط سے پاک و صاف تھے' رب تعالیٰ نے انہیں ربیون یعنی اللہ والے فرمایا مگر پھر بھی ان کا اپنے کو گنہگار جاننا اور بھی کمال ہے' یعنی وہ لوگ جہاد کی حالت میں یوں کہتے تھے کہ خدایا ہمارے سارے چھوٹے بڑے' کھلے چھپے' شرعی اور حقوق العباد کے گناہ معاف فرمادے **و ثبت اقدامنا** وہ جملہ تمہید تھا یہ اصل دعا ہے' **ثبت**' تثبیت سے بنا بمعنی جمادینا' یہ لغزش کا مقابل ہے' اگرچہ ذکر تو قدموں کا کیا' مگر مراد دلی قوت و ہمت ہے' کہ دل میں ہمت ہو تو قدم جمے رہتے ہیں' دل گھبرایا کہ قدم اکھڑے' یہاں ثابت قدمی سے مراد جہاد میں جمے رہنا ہے' کسی آفت سے نہ گھبرانا' چونکہ یہ ثابت قدمی رب تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے' اس لئے بہت اہتمام سے ان بزرگوں نے اس کی دعا کی' یعنی اے مولیٰ' ہمیں جہاد میں ثابت قدمی نصیب کر کہ مضبوط دیوار کی طرح جمے رہیں' میدان سے بھاگ نہ جائیں **وانصرنا علی القوم الکفرین**' **نصرت** کے معنی مدد بھی ہیں اور فتح بھی' یہاں دونوں معنی درست ہیں' قوم کافرین سے مراد سارے ہی کفار ہیں' مشرکین ہوں یا اہل کتاب' اب ہمارے مقابل آگئے ہوں یا آئندہ آئیں' اور نصرت سے مراد غیبی امداد ہے' جو فرشتوں کے ذریعہ سے ہو' جس کا اثر یہ ہے کہ مومنوں کے دل قوی اور مضبوط ہو جاتے ہیں' اور کفار کے دلوں پر رعب و ہیبت چھا جاتی ہے' رب تعالیٰ کی امداد کی بہت صورتیں ہیں' جنگ بدر میں فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی اور غزوۂ خندق میں ہوا کے ذریعہ' موسیٰ علیہ السلام کو پانی کے ذریعے فرعون پر فتح بخشی' یعنی اے مولیٰ ہم کو اپنی کثرت' قوت' ہتھیاروں پر ناز نہیں' تیری بارگاہ میں التجا ہے کہ ہمیں فتح و نصرت نصیب کر **فاتھم اللہ ثواب الدنیا**' **فاء** ترتیب کی ہے اور یہ عطا پہلی دعا پر مرتب ہے' **ثواب** کے معنی ہم ابھی پہلے عرض کر چکے' کہ یہ ثوب سے ہے' بمعنی لوٹنا' پلٹنا' اب جزاء عمل کو ثواب کہتے ہیں' کہ یہ بندے کی طرف لوٹتی ہے' یہاں دنیاوی ثواب سے مراد فتح' غنیمت' ملک' نیک نامی' غلبہ وغیرہ سب ہی مراد ہیں' یعنی جب ان لوگوں نے ایسی استقامت دکھائی اور استقامت کے باوجود ایسی دعائیں مانگیں' تو ہم نے انہیں صرف اخروی ثواب ہی نہ دیا بلکہ دنیا میں بھی اچھا نتیجہ و ثواب بخشا **و حسن ثواب الاخرۃ** مرنے کے بعد سے ابدالاباد تک کا نام آخرت ہے' وہاں مختلف اوقات میں مختلف ثواب ہیں' نزع کی سختی سے حفاظت جانکنی کا ثواب ہے' قبر میں حساب و کتاب نہ ہونا یا آسان ہونا یا اس میں کامیاب ہو جانا قبر کا ثواب ہے۔ قیامت کی دھوپ سے بچ جانا حساب میں آسانی ہونا' پل صراط سے بخیریت گزر جانا' قیامت کا ثواب ہے' جنت کا داخلہ رب تعالیٰ کا راضی ہو جانا' یہ بعد کا ثواب ہے' اس ایک جملہ میں رب تعالیٰ نے ان تمام ثوابوں کا ذکر فرمایا' چونکہ دنیا کے ثواب سے آخرت کا ثواب زیادہ اہم ہے' کہ دنیا کی راحتیں فانی ہیں' مصیبتوں سے مخلوط ہیں' اور تھوڑی ہیں' آخرت کی نعمتیں بہت ہیں' باقی ہیں' خالص ہیں' اسی

لئے آخرت کے ثواب کے ساتھ لفظ حسن ارشاد ہوا' چونکہ دنیا پہلے ہے آخرت بعد میں' اس لئے ثواب دنیا کا ذکر پہلے ہوا' آخرت کا بعد میں' خیال رہے کہ آخرت کا ثواب ابھی ملا نہیں' آئندہ ملے گا' مگر چونکہ رب تعالیٰ کے وعدے یقینی ہیں' جن کے غلط ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں' اس لئے یہاں ماضی فرمایا گیا' یا یہ مطلب ہے کہ ثواب آخرت ان کے نامزد کر دیئے' یعنی رب تعالیٰ نے ان غازیوں کو آخرت کے ہر طرح کے ثواب بخشے **واللہ یحب المحسنین** یہ ان کا تیسرا انعام ہے' جو ان دونوں سے اعلیٰ و ارفع ہے' محسن احسان سے بنا' بمعنی نیک عمل کرنا' جس میں اخلاص بھی شامل ہے' یعنی یہ لوگ ہماری بارگاہ میں محسن و نیک کار ہیں' اور ہم کو نیک کار پیارے' لہٰذا یہ حضرات سب ہمارے محبوب و مقبول بندے ہیں' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے ان بزرگوں کی دعا نقل فرما کر انہیں محسن فرمایا' اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ وہ تو اپنے کو گنہگار' خطاکار کہہ کر ہم سے معافی کے خواستگار اور مغفرت کے طلبگار ہیں' مگر ہم انہیں محسن' نیک کار اور پرہیزگار فرما کر انہیں اپنی محبوبیت کا تمغہ عطا فرماتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** اور فرماتا ہے **للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ** جب یہ لوگ احسان والے اور محسن ہوئے تو ان پر اللہ تعالیٰ احسان ہی فرمائے گا اور انہیں جنت ہی بخشے گا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم غزوۂ احد میں ایک مصیبت دیکھ کر کیوں گھبرا گئے؟ تم سے پہلی امتوں کے غازیوں کا تو یہ حال تھا کہ وہ ہزارہا مصیبتیں دیکھ کر بھی دل نہ چھوڑتے تھے' اور ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے' ہر دکھ درد سہتے تھے' اور ان کی پاکبازی' نیک کاری کا یہ حال تھا کہ جب وہ لوگ جہاد میں صف آرا ہوتے' تو اس طرح عرض کرتے اور کچھ نہ کہتے تھے کہ اے ہمارے پالنہار! تو پالنے والا ہے' ہم پلنے والے اور پلنے والے پالنے والے سے مانگا ہی کرتے ہیں' تو ہم پر کرم فرما' ہمارے پچھلے چھوٹے گناہ بھی بخش دے اور بڑے گناہ بھی' جو کچھ ہم سے اپنے معاملات میں غلطیاں' زیادتیاں سرزد ہوئیں' اے مولیٰ تو ان سے درگزر کر' اور اس نازک موقعہ پر ہمارے دلوں کو مضبوط فرما کہ ان میں خوف و ہراس نہ آنے پائے' جس سے ہمارے قدم جمے رہیں' اور ہم کفار کے مقابلے میں ڈٹے رہیں' اور مولیٰ ہم کو اپنے جتھے' اپنی قوت اور اپنے ہتھیاروں پر ناز نہیں' ہم کو صرف تیری مدد و نصرت پر ناز ہے' مولیٰ تمام کفار پر ہم کو غلبہ عطا فرما' ان لوگوں کو ان کے اعمال و اقوال کی بناء پر رب تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی انعام دیئے کہ انہیں فتح و کامرانی بخشی' غنیمت دی' ملک عطا کئے' ان کا نیک نام قیامت تک کے لئے باقی رکھا' اور آخرت میں ہر موقعہ پر ثواب ان کے نامزد کر دیا' کہ انہیں جانکنی آسان ہو گی' حساب قبر ان سے بالکل نہ ہو گا' محشر کی آفتوں اور مصیبتوں سے انہیں دور کا واسطہ بھی نہ ہو گا' پل صراط پر آسانی سے گزر جائیں گے' جنت اور وہاں کی نعمتیں پائیں گے' سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نیک کار محسن ہیں' اور ہم کو نیک کار پیارے ہیں' لہٰذا یہ لوگ ہمارے محبوب بندے ہیں' ہم ان سے راضی ہیں' اور جس سے ہم راضی ہو جائیں' انہیں پھر کاہے کی کمی ہے' تم بھی انہیں کے سے اعمال کرو' تاکہ ان سے بڑھ کر ثواب پاؤ' کہ تم محبوب کی امت ہو' تمہیں تھوڑے عمل پر ثواب زیادہ دیں گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد کے وقت نیک دعائیں کرنا چاہئیں کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے' حدیث شریف میں ہے کہ بارش کے وقت' مرغ بولتے وقت' آخری شب میں اور جہاد کی حالت میں دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** جہاد کی حالت میں ناجائز باتیں نہ کی جائیں' محض تعلق کا ذکر اور دعائیں کرنا چاہئیں' مجاہد کی حالت

یہ ہونی چاہئے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار رہو اور منہ پر ذکر اللہ کیونکہ جہاد بھی روزہ و نماز کی طرح عبادت ہے اور عبادتوں میں اللہ کا ذکر بہتر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** دعا سے قبل رب تعالیٰ کو پکارنا چاہئے' جیسی دعا مانگنا ہو' ویسے ہی نام سے اسے پکارو' دعائے مغفرت میں یا غفار کو اور دعائے شفا میں یا شافی الامراض مگر یہ ہر دعا کے ساتھ استعمال ہو سکتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دعا سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے' دعا مانگنے والا پہلے حمد الٰہی کرے' پھر درود شریف پڑھے' پھر استغفار کرے' پھر دعا مانگے' کہ یہ سب دعا کے آداب ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** مجاہدین جہاد میں اپنے سامان اور فوج پر بھروسہ نہ کریں' بلکہ رب تعالیٰ کے کرم پر اعتماد کریں' اور اس سے ثابت قدمی مانگیں' جیسا کہ **ثبت اقدامنا** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کوئی نیک کار اپنی نیکی پر پھول نہ جائے' رب تعالیٰ کو بھی بھول نہ جائے بڑی سے بڑی نیکی کرنے کے بعد بھی اپنے کو خطاکار ہی جانے دیکھو ان نمازیوں کو رب تعالیٰ نے صابر اور محسن فرمایا مگر انہوں نے اپنے کو گنہگار ہی کہا۔ **ساتواں فائدہ:** دین کی خدمت کرنے والے کو دنیا بھی ملتی ہے' جیسا کہ **ثواب الدنیا** سے معلوم ہوا' تجربہ بھی ہے کہ دینی خدمت کرنے والے ننگے بھوکے نہیں رہتے' بلکہ بعض کی قبروں پر بھی زر و جواہر نثار ہوتے رہتے ہیں کہ ان کے نام سے دوسرے پلتے ہیں' یہ ہے **ثواب الدنیا** کا ظہور۔ **آٹھواں فائدہ:** نیک کاروں کی دنیوی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کو کم نہ کریں گی' بلکہ وہاں اس دنیا سے بڑھ چڑھ کر نعمتیں ملیں گی جن کے مقابلہ میں دنیاوی نعمتوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں' جیسا کہ **و حسن ثواب الاخرة** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** فتح' ظفر' غنیمت' نیک نامی' اچھی شہرت' اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں' جو اکثر مجاہدوں کو نصیب ہوتی ہیں' جیسا کہ **ثواب الدنیا** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** غازی و شہید' عند اللہ تعالیٰ جانکنی کی شدت' قبر کے حساب' آخرت کے عذاب ان سب سے محفوظ ہے' حدیث شریف میں ہے کہ شہید کو جانکنی میں صرف ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے چیونٹی کاٹنے کی۔ **گیارھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کو نیک کار پیارے ہیں' اگر رب تعالیٰ کا پیارا بننا ہے تو نیکیاں کرو' ہندی مثل و کہاوت ہے کہ چام پیارا نہیں "کام پیارے ہیں" جیسا کہ **یحب المحسنین** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: **ذنوب** کے بعد **اسراف** کا ذکر کیوں کیا گیا؟ **اسراف** بھی **ذنوب** میں داخل تھا۔ **جواب:** اس کے کئی جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ یا تو **ذنوب** اسراف سے عام ہے کہ اسراف بھی ذنوب میں داخل ہے تب تو اظہار اہتمام کے لئے بطریق تخصیص بعد تعمیم خصوصیت سے اس کا ذکر زیادہ کیا کہ **ذنوب** میں گناہ کبیرہ و صغیرہ سب داخل تھے' اور اسراف میں گناہ کبیرہ شامل' چونکہ گناہ کبیرہ دیگر گناہوں سے سخت ہیں' اس لئے ان کی معافی خصوصیت سے علیحدہ مانگی' اور اگر اسراف ذنب کا مقابل ہے تب تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں قوم کافرین پر فتح کیوں مانگی گئی؟ کافرین پر ہی فتح مانگنا چاہئے تھا یعنی یوں فرمایا جاتا **وانصرنا علی الکفرین** لفظ قوم کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ **جواب:** اس لئے کہ ان کافروں پر فتح مانگی گئی ہے' جو مجتمع قوم ہو کر ہمارے مقابلہ میں جنگ کے لئے آئے' رہے وہ کفار جو ہمارے ملک میں رعایا بن کر رہیں یا امن لے کر چند روز کے لئے ہمارے ملک میں آئیں یا جن سے ہمارا معاہدہ و صلح ہو' ان سے نہ جنگ ہے اور نہ ان کے مقابلہ میں دعائے فتح' اگر یہاں قوم کا لفظ نہ ہوتا تو اس میں سارے کافر داخل ہو جاتے۔ **تیسرا اعتراض:** قوم واحد ہے' پھر اس کی صفت کافرین جمع کیوں آئی؟ **جواب:** اس لئے کہ قوم لفظاً "واحد ہے مگر معنیً" جمع کہ اس میں اگرچہ افراد نہ سہی اجزاء

بہت زیادہ ہیں کہ ہر شخص قوم کا جزو ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے **ثواب الدنیا** کی تفسیر میں فتح غنیمت، عزت و شہرت کا بیان کیا، حالانکہ اسلام سے پہلے مجاہدین کے لئے غنیمت حلال تھی ہی نہیں، تا تعین مال غنیمت جمع کر کے پہاڑ پر رکھ آتے تھے، اور غیبی آگ اسے جلا جاتی تھی، پھر ان کے لئے غنیمت **ثواب الدنیا** میں داخل کیسے ہوئی۔ **جواب:** امام ابن جریج نے اس کی تفسیر فتح اور غنیمت سے کی، تفسیر روح المعانی نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ اس زمانہ میں غنیمت کے جانور مجاہدین کے لئے حلال تھے، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے حرام جانوروں کے علاوہ دوسرے مال سونا، چاندی وغیرہ مطلقاً حرام تھے، وہی پہاڑ پر رکھے جاتے تھے، اور انہی کو آکر آگ کھاتی تھی، یہ جواب قرین قیاس بھی ہے، کہ اس زمانہ میں بھی لڑاکے کفار غنیمتاً گرفتار کئے جاتے تھے، اور انہیں لونڈی و غلام بنا کر خدمتیں لی جاتی تھیں، تفسیر صاوی نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس زمانہ میں بھی غازی مال غنیمت کے مالک ہو جاتے تھے، اگرچہ اسے استعمال نہ کر سکتے تھے، ان بزرگوں کا مالک غنیمت بن جانا ہی ثواب دنیا تھا۔

تفسیر صوفیانہ: جہاد میں ظاہری ہتھیاروں کے ساتھ باطنی اسلحہ بھی ہونا چاہئے، ظاہری ہتھیار تو دنیوی کارخانوں کے بنے ہوئے توپ و تفنگ ہیں، اور باطنی ہتھیار کارخانہ قدرت کے ڈھلے ہوئے استغفار ذکر اللہ تقویٰ اور طہارت ہیں، کفار کے پاس جسمانی ہتھیاروں کا توڑ تو ہے، مگر روحانی ہتھیار کا توڑ کوئی نہیں، اگر مسلمان غازی اس ہتھیار سے بھی آراستہ ہوں تو انشاء اللہ مدد الٰہی ضرور ان کی دستگیری کرے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صبر و احسان خدا کی صفات ہیں اور خدا تعالیٰ کو پیاری، اسی لئے رب تعالیٰ نے پہلے فرمایا کہ ہم صابروں سے محبت کرتے ہیں، اور اب فرمایا کہ ہمیں احسان والے پیارے ہیں یوں تو ہر وقت ہی انسان کو ان صفات سے موصوف رہنا چاہئے، مگر جہاد میں تو ضرور یہ صفتیں اختیار کرنا چاہئیں، کہ اس وقت موت سامنے ہوتی ہے، شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

کنوں بایدت عذر تقصیر گفت — نہ چوں نفس ناطق ز گفتن بخفت

تو پیش از عقوبت در عفو کوب — کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ابھی زبان چل رہی ہے کچھ معذرت کر لو، زبان بند ہو جانے پر پچھتاؤ گے، سزا سے پہلے معافی مانگ لو کہ جب ڈنڈا پڑنے لگے تو شور مچانا بیکار ہوتا ہے، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو اپنے کو مسیء (گنہگار) سمجھے، وہی رب تعالیٰ کے ہاں محسن یعنی نیک کار ہے، دیکھو ان لوگوں نے اپنے گناہوں اور اسراف کا اقرار کیا، تو رب تعالیٰ نے انہیں محسن فرمایا، اور اپنی محبوبیت کا ان کو تمغہ عطا فرمایا، تمام اعمال کا بدلہ دنیوی و اخروی ثواب ہے، مگر عجز و انکسار کا بدلہ رب تعالیٰ کی محبوبیت، جو درخت جو اکڑے کھڑے ہوتے ہیں، انہیں چھوٹے پھل ملتے ہیں، کدو وغیرہ کی بیلیں جو زمین پر سجدہ کناں ہوتی ہیں، انہیں وزنی اور بڑے پھل ملتے ہیں، پھر لطف یہ ہے کہ پھل ان کے ہوتے ہیں اور پھلوں کا بوجھ زمین اٹھاتی ہے، کہ وہ زمین پر ہی رکھے ہوتے ہیں، یہ ہے عجز و انکسار کا انجام رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میں تم کو وہ مکان دوں گا، جس کی دیواریں چار ہیں۔ (1) آبادیوں کی ویرانی۔ (2) جن سے ملنا چاہتے ہو ان سے علیحدگی۔ (3) جن کو جنتے ہو، ان کی موت۔ (4) جس مال کو جمع کرتے ہو اس کی فنا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گنہگار کہا کرتا تھا کہ اے مولیٰ اگر تو مجھے نہ بچائے تو میں تو شکوہ کروں گا، پھر کروں

کا رب تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ ہم اسے بخشیں گے، پھر بخشیں گے، پھر بخشیں گے (از تفسیر روح البیان مع زیادت)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى
اے وہ لوگو جو ایمان لائے اگر تم بات مانو گے ان کی جو کافر ہیں تو لوٹا دیں گے وہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر کہ تم
اے ایمان والو اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے پھر ٹوٹا کھا کے
اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَیْرُ
لوٹو گے تم نقصان پاتے ہوئے بلکہ اللہ والی ہے تمہارا اور وہ تمام مددگاروں سے
پلٹ جاؤ گے بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر
النّٰصِرِیْنَ ﴿۱۵۰﴾
بہتر ہے
مددگار ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مقبول جماعتوں کا ذکر تھا اب مردودین بارگاہ یعنی منافقین و کفار کا تذکرہ ہے، تاکہ مسلمان پہلی جماعت سے بنیں اور ان سے دور رہیں۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں بہادر غازیوں کے بہادرانہ کلام اور دعاؤں کا ذکر تھا اس آیت میں منافقین و کفار کے بزدلانہ کلام اور غلط مشوروں کا تذکرہ ہے، وہ عمل کرنے کے لئے تھا اور یہ بچنے کے لئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دنیا اور آخرت میں ثواب حاصل کرنے کے لئے اسباب کا ذکر تھا اب اس آیت میں ان ثوابوں سے محروم کرنے والے اسباب کا تذکرہ ہے، یعنی کفار کی اطاعت و پیروی۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کو محسن پیارے ہیں، اب فرمایا جا رہا ہے کہ محسن وہ ہیں جو نرے اور کھرے ہوں کہ ان کے دلوں میں کفار کی طرف میلان بالکل نہ ہو۔ کھرا سونا قیمتی، خالص دودھ قابل قدر، یونہی خالص اور کھرا مومن رب تعالیٰ کو پیارا ہے۔

شان نزول: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی تو عبداللہ ابن ابی نے ضعفاء مومنین سے کہا کہ چلو ہم ابو سفیان کے پاس چلیں، اور ان سے اپنے جان و مال کے لئے امان لے لیں، میں تم سے تو پہلے ہی کہتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہیں، ورنہ وہ جنگ میں شہید نہ کئے جاتے اور دوسرے منافقین ان سے بولے کہ اسلام ایک عارضی چیز تھی جو آج ختم ہو گئی، چلو اپنے پرانے بھائیوں کے دین میں داخل ہو کر ان سے گلے مل لیں، ہمیں ان میں رہنا سہنا اور عمر گزارنا ہے، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر، مدارک، صاوی، بیضاوی، روح المعانی وغیرہ)

بعض روایات میں ہے کہ یہود مدینہ اسلام کی طرف سے نو مسلم مومنین کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالتے رہتے تھے' ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ ان یہودیوں نے احد کے اس واقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مسلمانوں کو شبہات میں ڈالنے کی کوشش کی ہو لہٰذا ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر: **یاایها الذین امنوا** ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب ان ہی نو مسلم مومنوں سے ہے جنہیں کفار و منافقین نے بہکانے کی کوشش کی تھی' یا تو اگلے مضمون کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے پہلے پکارا گیا' پھر ان سے کچھ فرمایا گیا' یا اظہار کرم کے لئے یا اظہار تعجب کے لئے یا عتابانہ انداز میں یہ خطاب ہوا یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے کیسے ہو سکتا ہے کہ تم ان کی اطاعت کر لو' یا اے ایمان والو تم مومن ہو کر ان بے ایمانوں کی بات سن لیتے ہو' یا اے ایمان والو تم احد میں بھاگ جانے اور منافقین کی یہ بات سن لینے یا ابو سفیان سے امن لینے کا ارادہ کر لینے پر ایمان سے خالی نہیں ہو گئے' تم سے غلطی ہو گئی' ہم تمہارے ہیں تم ہمارے ہو' بہرحال اس خطاب میں نرالے ناز ہیں اور انوکھے انداز **ان تطیعوا الذین کفروا**' **تطیعوا**' **اطاعت** سے بنا جس کا مادہ **طوع** ہے' اس کے معنی بارہا کئے جا چکے ہیں' یہاں اطاعت سے مراد یا تو کفار و منافقین کی بات مان لینا ہے' یا ان کے سامنے کمزور ہو کر عاجزی اختیار کرنا' یا ان کی ماتحتی قبول کر لینا' یا ان کی ہاں میں ہاں ملانا' یا ان کا دین اختیار کر لینا ہے' غرضکہ یہ کلمہ اطاعت قولی' عملی اور اعتقادی سب ہی کو شامل ہے' **کفروا** سے مراد یا تو منافقین ہیں کہ یہ حقیقت میں کافر ہی تھے' اگرچہ مسلمان بنتے تھے' یا یہود و نصاریٰ یا سارے کفار مراد ہیں' کوئی بھی ہو' بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد ابو سفیان ہیں' اس صورت میں اطاعت سے مراد جھک جانا اور ماتحتی قبول کر لینا' جس کا نتیجہ امان طلبی ہے' یعنی اگر تم کافروں کی رائے مانو گے یا اگر تم کافروں کے پیش کردہ شبہات کو اپنے دل میں جگہ دو گے یا اگر تم ان سے امان مانگ کر ان کی ماتحتی قبول کرو گے تو **یردوکم علی اعقابکم**' **یردوا**' **رد** سے بنا جس کے معنی ہیں پہلی حالت' پہلی جگہ' پہلے عقیدے کی طرف لوٹ جانا' چونکہ یہ مومنین پہلے مشرک ہی تھے اس لئے اب ان کے دوبارہ مشرک ہو جانے کو رد یعنی لوٹ جانا فرمایا گیا' **اعقاب**' **عقب** کی جمع ہے' بمعنی پیچھے' ایڑی کو عقب اس لئے کہتے ہیں کہ قدم کے پیچھے ہوتی ہے' اور اس پر گھوم جانے سے انسان پورا پیچھے پلٹ جاتا ہے' اس لئے اسے عقب کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ ایڑی پر گھومنے سے انسان رہتا اسی جگہ ہے' مگر اس کا رخ بالکل بدل جاتا ہے کہ پیٹھ کی طرف منہ اور منہ کی طرف پیٹھ ہو جاتی ہے' یہاں ایڑی کا ذکر فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ تم رہو گے تو مدینہ میں ہی' کھاؤ گے یہی روزی' پیو گے یہی پانی' مگر تمہارا رخ جنت سے دوزخ کی طرف اللہ سے ہٹ کر بتوں کی طرف رحمان سے پھر کر شیطان کی طرف ہو جائے گا جس کا انجام یہ ہو گا کہ **فتنقلبوا خسرین**' **خاسرین** **خسران** سے بنا' بمعنی بالکل خسارہ کہ نفع تو کیا آئے' اصل رقم بھی ہاتھ سے جائے' یعنی اگر تم اب مشرک ہو گئے' تو دنیا میں بھی پورا نقصان پاؤ گے اور آخرت میں بھی' کوئی عقل مند ایسا نقصان گوارا نہیں کرے گا **بل اللہ مولکم**' **بل** اضراب یعنی پھیرنے یعنی منتقل کرنے کے لئے آتا ہے' اور ہمیشہ دو کلاموں کے درمیان ہوتا ہے' ماقبل کی نفی کرتا ہے مابعد کا ثبوت' **مولی** کے معنی بارہا عرض کئے گئے کہ یہ لفظ یا تو **ولی** سے بنا ہے یا **ولایت** سے' **کم** میں خطاب انہی مسلمانوں سے ہے جن سے اب تک سارے خطاب ہوئے' **بل** سے پہلے ایک کلام پوشیدہ ہے' یعنی یہ منافقین' یہودی' نصاریٰ' مشرکین' سارے ہی کفار تمہارے دوست و مددگار نہیں' بلکہ تمہارا مددگار' تمہارا والی'

وارث صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ **وھو خیر النصرین** ھو کا مرجع یا اللہ ہے یا مولیٰ۔ **ناصرین** سے مراد ظاہری و عارضی مددگار ہیں' جو مدد و غیرہ کے وعدے کرتے ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمام مددگاروں میں بہترین مددگار ہے کہ اس کی مدد حقیقی اور اصلی ہے' دوسروں کی مدد ظاہری' عارضی' مجازی' اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی امداد کا سہارا کیوں لیتے ہو۔

خلاصہء تفسیر: اے وہ لوگو! جو ایمان لا کر ہمارے بندگان خاص میں داخل ہو چکے' اگرچہ تم سے خطائیں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں' مگر تم ان کے باعث ایمان سے نہیں نکلتے' ہاں ایک غلطی ایسی ہے کہ اگر تم سے وہ سرزد ہو گئی' تو پھر تمہارے ایمان کی خیر نہیں ہم تمہیں آگاہ کئے دیتے ہیں' خبردار رہنا' وہ یہ ہے کہ اگر تم ان بہکانے والے منافقوں اور چالباز سودیوں کی باتوں میں آ گئے یا اگر تم کفار مکہ کے سامنے کبھی بھی ہتھیار ڈال گئے' اور تم نے ان کی ماتحتی قبول کر لی' تو وہ تمہاری صرف اس اطاعت پر بس نہ کریں گے بلکہ وہ تم کو نور سے ظلمت کی طرف' ایمان سے کفر کی طرف' پرہیزگاری سے بدکاری کی طرف پورا پورا واپس کریں گے' اور تم کو تمہارے پہلے حال کی طرف لوٹا دیں گے کہ تم جیسے تھے ویسے ہی ہو جاؤ گے' اگر خدا نہ کرے' تم نے ایسی غلطی کی تو تم دنیا میں بھی نقصان میں رہو گے' کہ اپنے دشمن کے سامنے پیشانی رگڑنا انتہائی ذلت و خواری ہے' اور دوسری قوموں میں بدنامی' اور آخرت میں بھی ٹوٹا پاؤ گے' کہ بجائے وصال یار کے مستحق نار بن جاؤ گے' خوب خیال رکھو کہ تمہارے دوست و مددگار یہ لوگ نہیں' تمہارا اولیٰ و وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے' جو تمام مددگاروں سے اعلیٰ و بہتر ہے' اس کی مدد کے ہوتے ہوئے تمام جہان کی دشمنی بیکار ہے' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ چند وجوں سے رب تعالیٰ بہترین مددگار ہے' ایک یہ کہ وہ تمہاری مدد پر ہر طرح قادر ہے' تمہارے ہر حال کو جانتا ہے' تم پر تمہارے ماں باپ بلکہ اپنے آپ سے بھی زیادہ مہربان' اور دوسرے مددگاروں میں یہ بات نہیں' دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ ہماری زندگی' موت' قبر' حشر میں ہر جگہ مددگار ہے' دوسرے ایسے نہیں' تیسرے یہ کہ رب تعالیٰ کی مدد ہمارے مانگنے پر موقوف نہیں' جب ہمیں مانگنا بھی نہ آتا تھا' تب بھی اس کی امدادیں ہمیں اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھیں' مولانا فرماتے ہیں۔

ما نہ بودیم و تقاضائے ما نبود لطف تو ناگفتہ ما مے شنود

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غزوہ احد میں جن صحابہ کرام کے قدم اکھڑ گئے' اور جنہوں نے منافقین کے کہنے پر ابو سفیان سے امان حاصل کرنے کا خیال کر لیا' اور جنہوں نے یہودی بکواس پر دھیان دیا' وہ تمام کے تمام مومن متقی صالح رہے ان خطاؤں کی وجہ سے وہ حضرات ایمان و تقویٰ سے خارج نہیں ہو گئے' دیکھو رب تعالیٰ نے ان سب کو **الذین امنوا** فرما کر خطاب فرمایا' اور ان کی معافی کا اعلان اگلی آیات میں آ رہا ہے' جو ان میں سے کسی کو کافر یا فاسق مانے' وہ بے دین ہے' اور ان آیات کا منکر ہے۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کو کفار کی پیروی و اطاعت نہ کرنا چاہئے کہ یہ دین کے لئے خطرناک ہے' مسلمان صورۃ" سیرۃ" اخلاقا" اعمالا" کفار سے علیحدہ رہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کافر مسلمان کو نماز پڑھنے کے لئے بھی کہے' تو خود سوچ سمجھ کر عمل کرے' کہ وہ اس میں بھی کوئی داؤ کھیل رہا ہو گا' حضرت امیر معاویہ کو ابلیس نے نماز فجر کے لئے بیدار کیا' تو اس میں بھی اس کی چال تھی۔ **تیسرا فائدہ:** ہر کافر عداوت مسلمین میں یکساں ہے' مسلمانوں کا ہمدرد و خیر خواہ کوئی نہیں' جیسا کہ **کفروا** کے اطلاق سے معلوم ہوا' اگرچہ بعض کی عداوت سخت تر ہے' بعض کی نرم' سانپ

زہریلے سب ہیں' بعض زیادہ بعض کم' سب سے ہی احتیاط چاہئے۔ **چوتھا فائدہ:** کوئی مسلمان اپنے اسلام کو لازوال نہ سمجھے' اور اس اطمینان پر کفار سے دوستی نہ کرے' دیکھو صحابہ کرام جنہیں دوسرے مسلمانوں کا تارہ ہدایت قرار دیا گیا' ان سے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم کفار کے کہے میں آ گئے' تو وہ تمہیں اسلام سے پھیر دیں گے' حضرت آدم علیہ السلام خود معصوم نبی تھے' جنت محفوظ جگہ تھی' مگر وہاں بھی شیطان نے داؤ چلا دیا' اور آپ کو مصیبت میں ڈال دیا' ہم نہ معصوم ہیں' نہ دنیا جگہ محفوظ' پھر کس برتے پر اپنے کو شیطان سے محفوظ سمجھیں' لہٰذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ کفار کے مشورہ پر اندھا دھند عمل نہ کریں' ورنہ دھوکا کھائیں گے۔ **پانچواں فائدہ:** مومن اگرچہ گنہگار ہو' اللہ تعالیٰ اس کا والی وارث ہے' رب تعالیٰ کی ولایت منقطع نہیں ہوتی' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **مولکم**۔ **چھٹا فائدہ:** رب تعالیٰ کفار کا اگرچہ مالک' خالق' رازق وغیرہ ہے' مگر ان کا والی نہیں' والی صرف مومنوں کا ہے' یہ بھی **مولکم** سے معلوم ہوا' ربوبیت' رزاقیت اور ہے' ولایت کچھ اور۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمان کبھی اپنے کو لاوارث اور بے سہارا نہ سمجھے' جب رب تعالیٰ اس کا والی وارث ہے تو وہ اگرچہ اکیلا ہو سہارے والا ہے' اور کفار لاکھوں ہوں مگر بے سہارا ہیں' کہ رب تعالیٰ کی ولایت سے خالی ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** کافر مومن سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے' جب تک کہ مومن مومن ہے' جیسا کہ **یردوکم** سے معلوم ہوا' کافر و مومن ایسے ہی ہیں' جیسے سانپ اور انسان کہ سانپ پر کتنے ہی احسان کرو' مگر وہ حملہ کرنے سے باز نہیں رہتا۔ **نواں فائدہ:** مومن پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا مولیٰ ہے' اور غلام پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم ہے' نافرمان بندہ کتے سے بدتر ہے' کہ کتا اپنے مالک کے ٹکڑے کھا کر اس کی ہر طرح خدمت کرتا ہے' اور اس کی ہر سختی سہتا ہے' یہ رب تعالیٰ کی نعمتیں کھا کر سرتابی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنی فرمانبرداری کی توفیق دے' آمین۔ ہماری اطاعت بھی اسی کی کرم نوازی سے ہے' کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا۔

میری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے   قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

دسواں فائدہ: تمام جہان کی متفقہ مدد سے اکیلے رب تعالیٰ کی مدد اعلیٰ ہے' جیسا کہ **خیر الناصرین** سے معلوم ہوا' کہ **الناصرین** جمع **معرف** و جمع کثرت ہے' سب سے رب تعالیٰ قوی ہے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنوں کو کفار کی اطاعت نہ چاہئے' حالانکہ ہم کافر بادشاہوں کی اطاعت کرتے ہیں' ان کے قوانین پر عمل پیرا ہیں' تو کیا ہم سب مجرم ہیں؟ **جواب:** یہاں اطاعت سے دینی اطاعت مراد ہے' اور ان کے منشور قبول کرنا' کہ یہی خطرناک ہے' نیز ہم مسلمان جبراً کفار کے قوانین پر عمل کرتے ہیں نہ کہ خوشی سے ضرورات محذورات کو مباح کر دیتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمارا والی وارث صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام سے افضل و اعلیٰ ہے' پھر تم نبیوں' ولیوں سے مدد کیوں مانگتے ہو' کیا خدا تعالیٰ کی مدد کافی نہیں؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ **الزامی جواب:** تو یہ ہے کہ آپ حضرات حکیم و حاکم سے مدد کیوں لیتے ہو' مدرسہ کے لئے امیروں سے چندہ کیوں اکٹھا کرتے ہو' کیا حق تعالیٰ کی مدد کافی نہیں؟ ایسے ہی ہم نبیوں' ولیوں سے مدد لیتے ہیں' **جواب تحقیقی:** یہ ہے کہ یہ حضرات رب تعالیٰ کے خدام اور اس کے مظہر ہیں' خدام کی مدد مولیٰ کی مدد ہے' حکام کی امداد اور ان کی طرف رجوع کرنا سلطان ہی کی مدد ہے' اس کی طرف رجوع ہے' رب تعالیٰ خود ہی ہم کو ان بزرگوں کے آستانوں پر بھیج رہا ہے۔

مجرم بلائے آئے ہیں جاء وک ہے گواہ پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

تیسرا اعتراض: اس جگہ ینقلبوا کیوں فرمایا گیا؟ رد کے معنی ہیں پچھلی حالت پر پہنچا دینا کیا کفر پہلا حال ہے؟ اصلی حال تو اسلام ہے؟ جواب: یہاں روئے سخن ان غازیان احد سے ہے جو پہلے سے مومن نہ تھے' کفر میں مبتلا تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری پر ایمان لائے' ان کا پہلا حال کفر تھا' فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم ان کفار کی باتوں میں آگئے تو جیسے تم پہلے تھے' یعنی کفر میں' ویسا ہی تم کو پھر کردیں گے۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلام فطری دین ہے' اور اسلام ہی ہمارا اصلی حال ہے' وہاں اسلام سے مراد لغوی اسلام ہے' یعنی میثاق کے دن جو رب تعالیٰ سے سب نے اقرار توحید و رسالت کیا تھا' اس اقرار پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے' پھر یہاں آکر ماں باپ سے اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں' وہ حالت یہاں مراد نہیں۔ چوتھا اعتراض: احد کی ہزیمت پر نو مسلم حضرات کو ورغلانے والے عموماً منافقین تھے جو یہود تھے یا پہلے یہود ورغلاتے تھے' یہ دونوں ٹولے ان حضرات کا پھر مشرک بن جانا نہیں چاہتے تھے' یہ تو انہیں یہود بنانا چاہتے تھے' پھر ینقلبوا کہنا کیونکر درست ہوا' رد کے معنی ہیں پہلی حالت پر لوٹ جانا' پہلی حالت ان حضرات کی شرک تھی نہ کہ یہودیت۔ جواب: یہود چاہتے تھے کہ یہ حضرات مسلمان نہ رہیں' خواہ اپنے ہی دین میں لوٹ جائیں' یعنی مشرک بن جائیں' ہر کافر اسلام دشمنی میں یکساں ہے' الکفر ملۃ واحدۃ بالکل حق ہے' کہ وہ بہکانے والے یہود ان حضرات کو پھر دوبارہ مشرک کردینا ہی چاہتے تھے کہ اسلامی طاقت و جماعت کم ہو' کیا تمہیں خبر نہیں کہ یہود مدینہ مشرکین مکہ کے پاس جاکر ان کے بتوں کی قسمیں کھا آئے' اور بولے اے مشرکو تم حق پر ہو' مسلمانوں سے تم زیادہ ہدایت پر ہو جیسے قرآن کریم فرماتا ہے' یؤمنون بالجبت والطاغوت الایہ۔

تفسیر صوفیانہ: مال کا چور تین چیزیں دیکھ کر کسی گھر میں گھستا ہے' دولت اور غفلت و ظلمت یعنی گھر دولت سے بھرا ہو' مالک غافل ہو' وقت اندھیرے کا ہو' دنیا اندھیری جگہ ہے' دل دولت ایمان کا گھر ہے' اگر مومن بیدار و ہوشیار ہے' تو شیطان جو ایمان کا چور ہے' وہاں نہیں گھستا' اور اگر غافل ہے تو داؤ لگاتا ہے' دیکھو جنگ بدر کے شکست خوردہ کفار سے مدینہ کے منافقین یا یہودیوں نے نہ کہا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو شکست کیوں کھاتے' کیونکہ ان کے دل دولت ایمان سے پہلے ہی خالی تھے' وہاں جاکر چور لیتا کیا' اور جنگ احد کی ہزیمت پر حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما سے کسی بے دین کو ایسی گفتگو کرنے کی ہمت نہ پڑی کیونکہ وہاں خانہ و دل میں دولت تو تھی مگر مالک بیدار تھا' ہاں ضعفائے مومنین اور نو مسلم حضرات جن کی بیداری ابھی مکمل نہ ہوئی تھی' وہاں چور نے نقب لگانے کی کوشش کی' ان بے دینوں نے کہا' اگر تم حق پر ہوتے' تو شکست کیوں کھاتے یا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی تھے' تو وہ شہید کیوں ہو گئے وغیرہ وغیرہ' مگر چونکہ ان دلوں پر بھی آفتاب نبوت کی شعاعیں پہنچ ہی رہی تھیں' یہاں ظلمت نہ تھی' اس لئے چور یہاں بھی ناکام رہے' اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے ہم غافلوں کو جگایا ہے' اور فرمایا ہے کہ اے ایمان کی دولت والو! تمہارے گھر میں چونکہ دولت ہے' تمہارے واسطے غفلت اور ظلمت بڑی خطرناک ہے' اگر تم نے کفار کے مشوروں کو مان لیا' تو جان لو کہ چور تمہارے گھر میں داخل ہو گیا' اب تمہاری دولت کی خیر نہیں' دنیا کا یہ سنسان اور ویران جنگل بہت بیداری سے طے کرو' یہ جگہ سونے کی نہیں آنکھ سے سونا گانٹھ کے سونے کی چوری کرا دے گا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کا کیسا نفیس نقشہ کھینچا ہے کہ فرمایا۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے　　سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے　　تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے مت ہی تیری نرالی ہے

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ خاسرین فرمانے میں ایک لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ خاسر وہ ہوتا ہے جس کے پاس پہلے مال ہو پھر نہ رہے جو پہلے ہی سے قلاش تھا وہ خاسر کیسا؟ تمہارے پاس دولت ایمان ہے اگر کھو بیٹھے تو بڑا خسارہ اٹھاؤ گے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی دولت ایمان کا حافظ و ناصر ہے۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا
عنقریب ڈال دیں گے ہم ان کے دلوں میں رعب جو کافر ہوئے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک مانا ان چیزوں کو
کوئی دم جاتا ہے ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا جس پر اس نے
لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾
جن پر کوئی حجت نہ اتاری اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور بری ہے خواب گاہ ظالموں کی
کوئی سمجھ نہ اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا برا ٹھکانا ہے نا انصافوں کا

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان غازیوں کو گذشتہ زمانوں کے مجاہدین کے کارنامے سنا کر انہیں جہاد پر دلیر کیا تھا اب انہی غازیوں کو فتح و نصرت کے وعدے دے کر دلیر بنایا جا رہا ہے' غرضکہ پچھلی آیتیں بھی دلیری کے لئے تھیں اور یہ آیت بھی اسی لئے ہے مگر وہ آیتیں ماضی کے لحاظ سے تھیں اور یہ مستقبل کے لحاظ سے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین و یہود کی ان باتوں کا ذکر تھا جو غازیوں میں بزدلی پیدا کریں اب رب تعالیٰ کے ان وعدوں کا ذکر ہے جن سے غازیوں کی ہمتیں بڑھیں گویا زہر کا ذکر پہلے تھا' تریاق کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو تمہارا والی و وارث اللہ تعالیٰ ہے وہ ہی تمہارا مددگار ہے اب اس آیت میں اسی کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ہم تمہیں کفار کے سامنے شکست نہ کھانے دیں گے' تم یہاں رہو گے مگر تمہارا رعب کفار کے سینوں میں نیزہ بن کر گزارے گا۔

شان نزول: ابن جریر نے سدی سے روایت کی کہ جب ابو سفیان اور مشرکین مکہ احد کے میدان میں واپس مکہ کی طرف گئے تو ابو سفیان نے ایک مقام پر اپنے ساتھی کفار سے کہا کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ درخت اسلام تو کاٹ آئے مگر اس کا تنا اور جڑ باقی چھوڑ آئے' حالانکہ اس کا کاٹنا اس وقت نہایت آسان تھا لوٹو! اسلام کا خاتمہ ہی کر کے دم لیں گے' ایک اعرابی (بدوی) کو کچھ مزدوری دے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابو سفیان نے بھیجا کہ کہہ دینا ہم پھر آ رہے ہیں' سنبھل جائیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی صحابہ کو حکم دیا کہ چلو' یہ حضرات اسی حالت میں زخموں پر پٹیاں باندھے ہوئے

ابو سفیان کے مقابلے کے لئے نکل پڑے' حتی کہ منزل حمراء الاسد پر پہنچ گئے مگر کفار کا کہیں پتہ نہ لگا اسی منزل میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں فرمایا گیا گھبراؤ نہیں اب وہ تمہارے مقابلہ میں نہیں آسکیں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور پھر وہ مدینہ پاک کا رخ نہ کر سکے (تفسیر روح المعانی وغیرہ) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب (خندق) کے موقعہ پر اتری ہے مگر پہلا قول قوی ہے۔

تفسیر: **سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب** یہ' س قرب زمانی کے لئے ہے' **نلقی' القاء** سے بنا جس کا مادہ لقی ہے' بمعنی ملنا' **القاء** ملانا' اصطلاح میں گزرنے اور ڈالنے کو القاء کہتے ہیں' یہاں مراد ہے دل میں خاص کیفیت کا پیدا کرنا' کیونکہ یہ کیفیت دماغی خیال کے بعد قلب میں پیدا ہوتی ہے' اور دماغ اوپر ہے دل نیچے اس لئے اسے القاء کہہ دیتے ہیں' **نلقی** جمع متکلم فرما کر اشارۃ" بتایا کہ تمہاری قوت اور چیز ہے اور تمہارا رعب کفار کے دل میں پڑ جانا کچھ اور قوت جمع کرنا تمہارا کام ہے' اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب پڑ جانا ہماری طرف سے ہے' **الذین کافروا** سے مراد ابو سفیان اور ان کے ساتھی کفار مکہ ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ سارے ہی کفار مراد ہوں' اور یہ وعدہ تاقیامت مومن غازیوں سے ہو بشرطیکہ وہ نیت خیر سے جہاد کریں' رعب' ع کے سکون یا پیش سے بمعنی بھر جانا اور بھرنے کی وجہ سے دوسرے کٹ جانا' کہا جاتا ہے **رعبت الحوض** میں نے حوض بھر دیا' اور کہتے ہیں **سیل راعب** جنگل کو بھر دینے والا سیلاب' اصطلاح میں ہیبت اور ہیبت کی وجہ سے پیدا ہونے والی گھبراہٹ کو رعب کہا جاتا ہے' کیونکہ یہ دل کو بھر دیتی ہے اور کہتے ہیں **رعبت السنام** میں نے کوہان کاٹ دیا' چونکہ ہیبت کی وجہ سے مرعوب' سامنے والے سے الگ اور کٹا ہوا رہتا ہے' اس لئے اسے رعب کہا جاتا ہے **بما اشرکوا باللہ**' یہ جار مجرور **نلقی** کے متعلق ہیں' اور **ما** مصدریہ ہے' **اشرکوا** بمعنی **اشراک** شرک بمعنی کفر آتا ہے' جیسے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** (ان یکفر بہ) اور کبھی بمعنی شریک ٹھہرانا' یہاں دوسرے معنی میں ہے جیسا کہ اگلی عبارت سے ظاہر ہے **ما لم ینزل بہ سلطنا**" **ما** موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ **اشرکوا** کا مفعول ہے' اور **ینزل** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے' **سلطان' سلط** سے بنا' سلاطہ اور سلاطہ کے معنی ہیں غالب آکر مضبوط ہو جانا' لہذا سلطان کے معنی ہوئے غلبہ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لسلطھم علیکم** اور فرماتا ہے **فقد جعلنا لولیہ سلطنا**" حکومت کو سلطنت کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی وجہ سے مضبوط ہوتی ہے' اور بادشاہ کو سلطان" کہ وہ رعایا پر غالب ہوتا ہے' دلیل و حجت کو بھی سلطان کہا جاتا ہے کہ اس سے مدعی اپنے مقابل پر آجاتا ہے' یہاں بمعنی دلیل ہے' تیز زبان والے کو سلیط اللسان کہتے ہیں" کہ وہ اپنی زبان سے دوسروں پر غالب آجاتا ہے' لفظ یعنی آگ کا شعلہ جس سے چراغ روشن کئے جائیں سلیط کہلاتا ہے' غرضکہ اس کا استعمال بہت طرح ہوتا ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) اسی سے ہے مسلط کرنا یعنی کفار کے دلوں کا یہ رعب اس لئے ہے کہ انہوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک مانا جن کے شریک ہونے پر کوئی دلیل رب تعالیٰ نے نہ اتاری' نہ نقلی نہ عقلی' چونکہ مشرک کے عقیدہ میں الہ بہت ہیں' اس لئے وہ مصیبت کے وقت حیران رہتا ہے کہ میں کس خدا سے مدد مانگوں' چنانچہ وہ مرعوب رہتا ہے **وما وھم النار** یہ کفار کی اخروی خرابی ہے' یعنی دنیا میں مرعوب رہے' اور آخرت میں دوزخ میں گئے' **ماوی' اوی** کا اسم ظرف ہے' **اوی** کے معنی ہیں ملانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اوی الیہ اخاہ** یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے سے ملا لیا' اور فرماتا ہے **او اوی الی**

وکن شلید ٹھکانے کو ماوی اس لئے کہتے ہیں کہ ٹھکانے والا اسے جا کر ملتا ہے' اور وہیں ٹھہرتا ہے و بئس مثوی الظلمین' مثوی' ثوی سے بنا بمعنی مستقل ٹھہرنا یوں سمجھو کہ اوی عارضی طور پر ٹھہرنے کو کہا جاتا ہے اور ثوی مستقل طور پر ٹھہرنے کو چونکہ دوزخ کفار کی دائمی قیام گاہ ہے' اس لئے اسے مثوی کہا گیا یعنی کفار کا یہ دائمی ٹھکانہ بہت ہی برا ہے' ظالم' ظلم سے بمعنی کفر ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! احد کا واقعہ ایک عارضی تھا تم اس سے بد دل مت ہونا' اور جو خبریں کفار مکہ کے لوٹنے کی آ رہی ہیں' تم ان سے گھبرا نہیں جانا' ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمہارا رعب و ہیبت ان کے دلوں میں ایسا پیدا کر دیں گے کہ اب انہیں تمہاری طرف رخ کرنے کی ہمت ہی نہ پڑے گی' وہ سمجھیں گے کہ احد میں ہمارا یہ غلبہ ایک اتفاقی امر تھا جو ایک دھوکا کی بناء پر ہو گیا' ورنہ پہلے مسلمان ہی جیت گئے تھے' اب اگر مقابلہ ہوا' تو مسلمان ہمیں پیس کر رکھ دیں گے' ان کی یہ مرعوبیت اس بناء پر ہے کہ وہ ہیں مشرک' جنہوں نے بغیر نقلی یا عقلی دلیل کے محض اپنے وسوسوں سے بہت چیزوں کو خدا کا شریک مان لیا' اب مصیبت کے وقت انہیں یہ بھی نہیں سوجھتا کہ ہم جائیں کدھر' اور فریاد کون سے خدا سے کریں' چند گھروں کا مہمان بھوکا ہی رہتا ہے' خصوصاً" جب کہ ناخواندہ اور بن بلایا بھی ہو' دنیا میں تو ان کی یہ ذلت و خواری ہے اور آخرت میں ان کا یہ حال ہو گا کہ ان کا عارضی ٹھکانا یعنی جائے پناہ بھی آگ ہو گی' اور دائمی قیام گاہ بھی آگ کہ جب وہاں کی مصیبتوں سے گھبرائیں گے تو آگ ہی کے کسی طبقہ کی طرف بھاگیں گے' پیاسے ہوں گے' تو حمیم یعنی کھولتے پانی کی طرف بھاگیں گے' اور بھوکے ہوں تو زقوم یعنی تھوہر کی طرف پناہ لیں گے' جس کا کھانا پینا ان کے لئے بھوک سے زیادہ تکلیف دہ ہو گا' سوچ لو' ایسی جائے قرار کیسی بری اور کتنی تکلیف دہ ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: رعب یعنی دلوں میں ہیبت اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے' جو کسی کسی کو ملتی ہے' اس ہیبت سے دنیوی' دینی بہت کام نکلتے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اخلاق کے مالک تھے کہ جو آپ کے ساتھ رہتا' آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا' مگر ہیبت کی یہ کیفیت تھی' کہ ایک مہینہ کی راہ سے آپ کی ہیبت زائر کے دل میں بیٹھ جاتی تھی' چنانچہ احمد وغیرہ نے حضرت ابو امامہ سے مرفوعاً" روایت کی' کہ رب تعالیٰ نے میری ہیبت ایک ماہ کے راستہ سے قائم فرمائی' بلکہ اب بھی زائرین مدینہ کے دلوں میں راہ مدینہ میں ہی ہیبت بیٹھ جاتی ہے' بعض حضرات حاضری کے وقت باب السلام پر ہی کانپتے اور لرزتے دیکھے گئے ہیں۔ دوسرا فائدہ: ایمان و تقویٰ کی برکت سے متقی مومن کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھتی ہے' اگرچہ وہ مومن بالکل سیدھا سادھا ہی ہو بلکہ بعض اللہ والوں کی ہیبت تو جانوروں' دریاؤں' لکڑی' پتھروں میں بھی ہوتی ہے' اور وہ سب اس کی اطاعت کرتے ہیں' کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم اور ہیبت سے سوکھا ہوا دریائے نیل تا قیامت جاری ہو گیا' اور آپ کے خوف سے زمین نے چوسا ہوا تیل اگل دیا' تاریخ دان حضرات پر یہ باتیں مخفی نہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

اور پھر مولانا یوں فرماتے ہیں۔

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق! زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق!

بوستان میں شیخ سعدی نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو شیر پر سوار دیکھا تو میں گھبرا گیا اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے فرمایا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ! کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

تیسرا فائدہ: کفر میں قدرتی طور پر بزدلی ہے' اور کافر میں مرعوبیت' ایمان و تقوٰی وہ نور ہے جو کافر کے دل کی آنکھ کو خیرہ کر دیتا ہے' یہ تو قرآن شریف فرما رہا ہے کہ فرعون کے جادوگر بحالت کفر اس کی پرستش کرتے تھے' مگر ایمان لاتے ہی ایسے دلیر ہو گئے' کہ اسے للکار کر کہنے لگے **فاقض ما انت قاض** یعنی جو تجھ سے ہو سکے ہمارا بگاڑ لے' ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہتیں' ایک دل میں دو خوف جمع نہیں ہوتے' خوف خالق اور خوف مخلوق۔ **چوتھا فائدہ:** مشرکین نے جن چیزوں کو بھی خدا کا شریک ٹھہرایا' بلا دلیل محض اپنے خیال فاسد سے ٹھہرایا' جیسا کہ **ما لم ینزل بہ** الایہ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اگرچہ بعض گنہگار مسلمان بھی دوزخ میں جائیں گے' مگر دوزخ ان کا ٹھکانہ نہ ہو گا' محض عارضی منزل ہو گا' ٹھکانہ صرف کفار کے لئے ہے' جیسا کہ **ماوٰھم** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے دل میں مومنوں کا قدرتی رعب ہو گا' مگر اب معاملہ بالکل برعکس ہے کہ اب تو مسلمانوں کے دلوں میں کافروں کا رعب ہے اور کافر مسلمانوں پر دلیر ہیں' تو یہ آیت صحیح کیونکر ہوئی؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ یہ وعدہ غازیان احد کے لئے تھا' جو پورا ہو چکا کہ رب تعالٰی نے ابو سفیان وغیرہ کفار مکہ کے دلوں میں ان زخمی مسلمانوں کا ایسا رعب ڈالا کہ وہ واپس لوٹنے کا ارادہ کر کے نہ آسکے اور مسلمانوں پر دوبارہ حملہ نہ کر سکے' دوسرے یہ کہ یہ وعدہ تاقیامت مسلمانوں کے لئے ہے' مگر جب مسلمان صحیح طور پر مسلمان رہیں' اور اخلاص کے ساتھ جہاد کریں' لیکن اگر مسلمان خود ہی اپنا جوہر کھو دیں کہ نہ دل میں تقوٰی ہو نہ نیت میں اخلاص' تو ان کا اپنا قصور ہے' رب تعالٰی کی رحمت اب بھی تیار ہے' ہم لینے والے تو بنیں' حدیث شریف میں فرمایا گیا' ایک زمانہ وہ آجائے گا کہ کفار ایک دوسرے کو مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ایسی دعوت دیں گے' جیسے دستر خوان پر کھانے والوں کو بلایا جاتا ہے' عرض کیا گیا کیوں؟ فرمایا مسلمانوں کی ہیبت کفار کے قلب سے نکل جائے گی' عرض کیا گیا' کیوں نکلے گی' فرمایا دو وجہوں سے' محبت دنیا اور موت سے ڈر' ڈاکٹر اقبال اسی کو دیکھ کر روئے ہیں' کہ اپنی کتاب جواب شکوہ میں فرماتے ہیں۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک کی دلیل تو ہے مگر رب تعالٰی نے اتاری نہیں کیونکہ **ما لم ینزل** میں اتارنے کی نفی ہے نہ کہ ہونے کی۔ **جواب:** ہرگز نہیں' اگر کوئی دلیل ہوتی تو رب تعالٰی ضرور اتارتا' اس کا نہ اتارنا نہ ہونے کی دلیل ہے' جیسے بعض جگہ فرمایا گیا ہے کہ رب تعالٰی نے اپنے شریکوں کو نہ جانا' اس کا مطلب یہ نہیں کہ شریک تو ہیں مگر جانا نہیں بلکہ نہ جاننا' نہ ہونے کی دلیل ہے' مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم نے تو تمہیں شرک بتایا نہیں' نہ اس پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم فرمائی' اب شرک کا عقیدہ محض بے بنیاد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ عارضی پناہ گاہ کو **ماوٰی** کہتے ہیں' جیسے مسافر بارش میں درخت کے نیچے کھڑا ہو جائے' تو یہ درخت اس کا ماوٰی ہے' اور دائمی قیام گاہ کو **مثوٰی**

یہاں دوزخ کو کافروں کا ماویٰ بھی کہا گیا اور مثویٰ بھی ان میں سے کون سی بات درست ہے۔ **جواب:** دونوں ہی صحیح ہیں کفار کے لئے دوزخ میں بعض مقامات تو رہنے سہنے کے لئے ہوں گے اور بعض کچھ دیر کے لئے وہاں جانے اور خاص کام کرانے کے لئے ہوں گے جیسے قیدیوں کے لئے رہنے کی بارکیں علیحدہ ہوتی ہیں اور کام کرنے کی چکی گھر وغیرہ علیحدہ بارکوں میں ان کا مستقل قیام ہوتا ہے اور چکی گھروں میں روزانہ کچھ وقت کے لئے داخلہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پورا دوزخ ان کے لئے مثویٰ ہو اور دوزخ کے طبقات ماویٰ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابوسفیان ہندہ اور تمام وہ کفار مکہ جو جنگ احد میں شریک ہوئے تھے سب دوزخی ہیں ان میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوا دیکھو ان سب کے لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **ما وھم النار**۔ **جواب:** یہ جزاء ان لوگوں کے لئے بیان ہو رہی ہے جن کا کفر پر خاتمہ ہو جائے اسی لئے رب العلمین نے یہاں **الذین کفروا** فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے مقابلہ میں رعب تو ہر کافر پر پڑے گا خواہ کافر عارضی ہو یا اصلی مگر جہنم میں ہیشگی انہی کفار کے لئے ہے جن کا خاتمہ کفر پر ہو ابوسفیان اور ہندہ کا ایمان قرآن شریف کی صریح آیت سے ثابت ہے رب تعالیٰ فتح مکہ میں ایمان لانے والوں کے متعلق فرماتا ہے **ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا** معلوم ہوا کہ یہ لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو چکے جس کی خبر عالم الغیب رب تعالیٰ نے دیدی جیسے ان کفار مکہ پر مسلمانوں کا رعب بھی اسی وقت تک رہا جب تک وہ کافر رہے جب ایمان لائے تو نہ رعب رہا نہ وہ جنتی رہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا نفس کافر ہے دل مومن بدن میدان جنگ ان کی آپس میں ہمیشہ جنگ جاری رہتی ہے اگر قلب میں ایمان رہے تو نفس مرعوب ہو کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور اگر دل نفس کی خواہشات میں اس کی پیروی کرے تو اس پر نفس چڑھ جاتا ہے اور اسے بشریت کے اسفل السافلین میں پہنچا دیتا ہے نفس کا سرکش گھوڑا عقل کے قبضہ میں نہیں آتا جب تک کہ اس کے منہ میں شریعت کی لگام نہ ہو اور توفیق خداوندی دل کی امداد نہ کرے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نمی تاند ایں نفس سرکش چناں — کہ عقلش تواند گرفتن عناں!

کہ بانفس و شیطاں بر آید بزور — مصاف پلنگاں نیاید زمور

شیخ ابو علی رودباری فرماتے ہیں کہ دل کی آفتیں تین ہیں طبیعت کی بیماری عادت کی پیروی صحبت کی خرابی عرض کیا گیا طبیعت کی بیماری کیا ہے؟ فرمایا حرام غذا کھانا پوچھا گیا عادت کی پیروی کیا ہے؟ فرمایا ناجائز نگاہیں حرام چیزیں سننا غیبت کرنا عرض کیا گیا کہ صحبت کی خرابی کیا ہے؟ فرمایا جو نفس چاہے وہ کر لینا اس آیت میں فرمایا گیا کہ ہم مومن دلوں کا رعب نفس امارہ پر ڈال دیں گے نفس امارہ نے دنیا کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا کہ اسے اصل مقصود بنا لیا نفس امارہ کی پیروی کرنے والوں کا انجام فراق یار کی نار ہے جو ان کا برا ٹھکانہ ہے۔ (از روح البیان مع زیادت)۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ

اور یقیناً سچ کر دکھایا تم کو اللہ نے وعدہ اپنا جب قتل کرتے تھے تم انہیں اللہ کے حکم سے تا آنکہ جب بزدلی کی تم
اور بیشک اللہ نے تمہیں سچ کر دکھایا اپنا وعدہ جبکہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کرتے تھے یہاں تک کہ جب تم نے

وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَّا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ

نے اور جھگڑ پڑے تم حکم میں اور نافرمانی کی تم نے پیچھے اس کے کہ دکھا دی رب نے تمہیں وہ چیز جو پسند کرتے تھے تم میں

بزدلی کی اور حکم میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تمہیں دکھا چکا تھا تمہاری خوشی کی بات تم

مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

بعض وہ تھے جو ارادہ کرتے تھے دنیا کا اور تم میں بعض وہ تھے جو ارادہ کرتے تھے آخرت کا پھر پھیر دیا تم کو ان سے

میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا تھا پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا

لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

تاکہ امتحان کرے تمہارا اور یقیناً معاف کر دیا تم سے اور اللہ مہربانی والا ہے مسلمانوں پر

کہ تمہیں آزمائے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مسلمانوں پر فضل کرتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے ایک وعدہ خاص کا ذکر تھا اب اس وعدہ سے فائدہ اٹھانے کی شرط کا تذکرہ ہے یعنی وعدہ دینے کے بعد فائدہ لینے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ایک خصوصی وعدہ کا ذکر تھا اب اس کی تفصیل کا تذکرہ ہے کہ اس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ تم بزدلی وغیرہ نہ کرو گویا قانون کے بعد اس کی فہمائش فرمائی جارہی ہے' قانون اور ہوتا ہے اس کی فہمائش کچھ اور بغیر فہمائش قانون واضح نہیں ہوتا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ایک وعدہ کی خبر دی گئی تھی' اب اس خبر سے دفع اعتراض کیا جارہا ہے کہ اگر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب کفار کے قلب میں ڈال دیا ہے تو جنگ احد میں یہ رعب کیوں کام نہ آیا۔

شان نزول: محمد ابن کعب فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کبار غزوۂ احد سے سخت تکالیف پا کر مدینہ منورہ لوٹے تو بعض لوگوں نے آپس میں کہا کہ ہم سے رب تعالیٰ نے بھی فتح کا وعدہ کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی' پھر ہمیں شکست کیوں ہو گئی' اور یہ وعدہ ظاہر کیوں نہ ہوا' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان کے سوال کا جواب بھی دیا گیا اور انہیں سمجھایا بھی گیا' (تفسیر کبیر' روح المعانی' روح البیان' تفسیر صاوی' تفسیر خازن وغیرہ)۔ خیال رہے کہ ان حضرات کی یہ گفتگو وعدۂ الٰہی میں شک کی بناء پر نہ تھی کہ یہ شک تو کفر ہے' بلکہ اپنی کوتاہی میں غور و خوض کرنے کے لئے تھی کہ سوچو تو ہم سے کیا قصور ہوا' جو اس وعدہ کے ظہور کا مانع ہوا' اور اپنا قصور سوچنا عین عبادت ہے' بارگاہ صحابہ کا ادب ضروری ہے۔

تفسیر: **ولقد صدقکم اللہ وعدہ'** واؤ ابتدائیہ ہے نہ کہ عاطفہ' کیونکہ یہ جملہ نیا ہے' پہلے پر معطوف نہیں' لقد میں دو تاکیدیں ہیں' لام کی اور قد کی تاکیدیں کبھی شبہ دفع کرنے کے لئے ہوتی ہیں' اور کبھی مضمون کو ذہن نشین کرانے کے لئے یہاں دوسرے مقصد کے لئے ہیں' کیونکہ کلام ربانی میں صحابہ کرام کو شبہ ہو سکتا ہی نہ تھا' **صدق'** **صدق** سے بنا جس کے معنی ہیں سچا ہونا' سچا کرنا' سچا کر دکھانا' پہلے معنی کی بناء پر لازم ہے دوسرے معنی پر متعدی بیک مفعول اور تیسرے معنی پر متعدی بدو مفعول'

یہاں تیسرے معنی میں ہے' اسی لئے دو مفعول آئے' کم اور وعدہ وعدہ سے وہ وعدہ تو مراد ہو نہیں سکتا جو ابھی سابق لاآیہ میں گزرا' کیونکہ وہ آیت اس آیت کے بعد آئی ہے' بلکہ کوئی اور وعدہ مراد ہے جو اس آیت کے نزول سے پہلے ہوچکا تھا' یا تو **و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** والا وعدہ مراد ہے یا **ان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین** والا وعدہ مراد ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں وعدہ الٰہی سے مراد وعدہ رسول اللہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے درہ احد پر حضرت عبداللہ ابن جبیر کی کمان میں پچاس تیرانداز بٹھائے' اور فرمایا کہ تم ہی غالب رہو گے اگر یہاں سے نہ ہٹے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد سے کچھ پہلے صحابہ کرام کو اپنا خواب سنایا کہ ہم ایک بکرا ذبح کر رہے ہیں اور تعبیر دی کہ ہم جنگ احد میں کافروں کو ذبح کریں گے' رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی خواب سچی کر دکھائی کہ کفار مکہ کا علمبردار طلحہ ابن عثمان مع اپنے نو ساتھیوں کے جو جھنڈے کے آس پاس تھے پہلے ہی ہلہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور وعدہ درحقیقت رب تعالیٰ کا ہی وعدہ ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے اسے وعدہ فرمایا' **اذ تحسونہم باذنہ' تحسون'** حس سے بنا' حس اس قوت ادراکیہ کا نام ہے جس سے محسوس چیزوں کو جانا جاتا ہے' اسی سے ہے حاسہ جمع حواس' مفردات راغب میں ہے کہ حس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے ایک کسی چیز کو قوت حاسہ سے جان لینا' دوسرے کسی پر ایسی آفت ڈال دینا کہ اس کے حواس خراب ہو جائیں یعنی حواس باختہ کر دینا' یہاں حس دوسرے معنی میں ہے' یعنی کافروں کو اتنی تیزی سے قتل کرنا کہ ان کے حواس بگڑ جائیں' اہل عرب کہتے ہیں **بطنہ** اور **راسہ** یعنی اس کا پیٹ بگاڑ دیا اور سر فنا کر دیا' سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قتل ہے' اور آپ نے اپنی تائید میں عتبہ لیثی کا یہ شعر پڑھا۔

نحسہم بالبیض حتی کانما نفلق منہم بالجماجم حنز لا

عرب والے کہتے ہیں **جراد محسوس** یعنی سردی سے مری ہوئی ٹڈیاں' اور کہتے ہیں **سنۃ الحسوس** ہلاک کرنے والی قحط سالی' بہرحال حس بمعنی قتل واستیصال آتا ہے' **اذن** بمعنی ارادہ الٰہی ہے نہ کہ بمعنی حکم وامر' یعنی جبکہ تم رب تعالیٰ کے ارادہ سے کفار مکہ کو جلد جلد تہ تیغ کر رہے تھے **حتی اذا فشلتم و تنازعتم** یا تو **حتی** بمعنی **الی** ہے' **اذا** بمعنی **ان** اور یہ تمام جملے مصدر کے معنی ہیں' اور یہ سب **صدق** کی انتہاء کا بیان ہے' یعنی رب تعالیٰ نے تمہارے بزدل وغیرہ ہونے تک اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' اور یا **اذا** شرطیہ ہے اور **فشلتم** وغیرہ شرط' اور جزاء اس کی محذوف **منعکم اللہ نصرہ** یعنی جب تم نے بزدلی وغیرہ کی' تو ہم نے اپنی مدد روک لی' اہل کوفہ کہتے ہیں کہ **اذا** شرطیہ ہے' اور **فشلتم** شرط **و تنازعتم** اس کی جزاء' واؤ زائدہ ہے' قرآن کریم میں بہت جگہ جزاء پر واؤ زائدہ آیا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **حتی اذا جاءوھا و فتحت ابوابھا'** دیکھو **فتحت** جزاء ہے' اور واؤ اس کے اول میں آیا' اور فرماتا ہے **فلما اسلما و تلہ للجبین و نادینہ ان یا ابرھیم'** دیکھو **نادینا** جزاء ہے' اس پر واؤ آیا' یعنی جب تم بزدل ہو گئے' تو جھگڑ پڑے' بعض کے خیال میں **اذا** شرطیہ ہے اور **فشلتم' تنازعتم' عصیتم** یہ سب شرط' اور **منکم' من یرید** الآیہ جزاء' یعنی جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑ پڑے' اور نافرمانی کر بیٹھے' تو تم دو گروہ ہو گئے' بعض طالب دنیا بعض طالب آخرت اور بھی اس جملہ کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں' غرضکہ یہ آیت بہت معرکہ کی ہے (تفسیر کبیر) **فشلتم' فشل** سے بنا بمعنی وہ کمزوری جو بزدلی کے باعث پیدا ہو' **جبن' و فشل** اور ضعف میں یہ فرق ہے' **تنازعتم نزع** سے بنا بمعنی کھینچنا' یا کسی کو اپنے ٹھکانے سے ہٹانا' دل سے محبت یا عداوت نکال دینے کو

بھی نزع کہتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و نزعنا ما فی صدورھم من غل**' کسی چیز کے چھین لینے کو نزع کہا جاتا ہے' قرآن کریم میں ہے **و تنزع الملک ممن تشاء**۔ جھگڑے مجادلہ کو بھی **منازعت** کہہ دیتے ہیں کہ اس میں ہر جھگڑالو' دوسرے کو اپنی رائے اور جگہ سے کھینچتا ہٹاتا ہے' یہاں یہ آخری معنی ہی مراد ہیں' **امر** سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان عالی ہے کہ تم اس درہ سے نہ ہٹنا' یعنی تم محبت غنیمت میں بزدل ہو گئے' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کے متعلق آپس میں درہ والے ہی جھگڑ پڑے کہ کسی نے کہا منشا سرکار پورا ہو چکا' درہ چھوڑ دو' کسی نے کہا نہ چھوڑو **و عصیتم من بعد ما ارکم ما تحبون** یہ واؤ عاطفہ ہے' اور اس جملہ کی ترکیب پہلے بیان ہو چکی ہے' کہ یا تو **فشلتم** پر معطوف ہو کر شرط ہے' اور یا **تنازعتم** پر معطوف ہو کر جزاء' **عصیان** سے مراد دیدہ و دانستہ نافرمانی نہیں' بلکہ خطاء" سرکار کے فرمان پر عمل نہ کرنا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و عصی ادم ربہ فغوی** ان جیسے مقامات میں جو عصیان کے معنی نافرمانی کر کے صحابہ کرام یا آدم علیہ السلام کو فاسق یا کافر کہے وہ بے ایمان ہے' دونوں **ما موصولہ** ہیں' **ارکم** سے آنکھوں سے دکھانا مراد ہے' **ما تحبون** سے مراد کفار کا بھاگنا' مسلمانوں کا غلبہ اور غنیمت کا حصول ہے' یعنی تم نے اس وقت دھوکا کھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کر بیٹھے' جبکہ تمہیں رب تعالیٰ نے تمہاری پسندیدہ چیز' تمہاری فتح' کفار کی بھاگڑ' غنیمت کا حصول آنکھوں دکھا دیا تھا' خیال رہے کہ یہ تینوں خطائیں اگرچہ صرف ان چالیس حضرات سے سرزد ہوئیں' جنہوں نے درہ چھوڑ دیا' مگر چونکہ اس کا اثر ساری قوم پر پڑا' اس لئے ان سب سے ہی خطاب کیا گیا' ورنہ دوسرے غازی ان تینوں خطاؤں سے محفوظ تھے جیسے رب تعالیٰ نے مدینہ کے یہود سے فرمایا **و اذ قتلتم نفسا**" الایہ' **منکم من یرید الدنیا** یہاں بھی انہی صحابہ سے خطاب ہے' جو احد کے درہ پر حفاظت کے لئے کھڑے کئے گئے تھے۔ یہ حضرات پچاس تھے جن میں سے کفار کی بھاگڑ پر چالیس حضرات درہ چھوڑ گئے' دس وہاں رہ گئے' **دنیا** سے مراد مال غنیمت ہے اور ارادہ کرنے سے مراد اس کا حاصل کرنا ہے' یہاں دنیا سے مراد وہ دنیا نہیں' جو دین کے مقابل ہو کہ وہ تو بری چیز ہے' بلکہ غنیمت اگرچہ خلاف قانون حاصل کی جائے تو دنیا ہے' اور اگر قانون کے ماتحت لی جائے تو دین ہے' جیسے **قتل** کفار قانون کے ماتحت عبادت ہے' خلاف قانون جرم چونکہ ان حضرات کو یہاں سے ہٹنا ممنوع تھا' اس لئے ان کے حق میں غنیمت دنیا بن گئی' اور دوسروں کے لئے یہی غنیمت دین تھی **و منکم من یرید الاخرۃ** اس میں بھی انہی درہ والوں سے خطاب ہے' آخرت سے مراد درہ پر ڈٹا رہنا ہے اور وہاں سے نہ ہٹنا' چونکہ یہ عمل سرکار کے فرمان کے ماتحت تھا اور آخرت کے بڑے ثواب کا باعث' اس لئے اسے آخرت فرمایا گیا' یعنی اس موقعہ پر تم درہ والوں کی دو جماعتیں ہو گئیں' ایک وہاں سے ہٹ جانے والوں کی' جو خطائے اجتہادی کی بنا پر غنیمت لینے کے لئے درہ چھوڑ گئے اور دوسرے ڈٹے رہنے والوں کی جو وہاں شہید ہو کر بارگاہ الٰہی میں بہت سرخرو ہوئے **ثم صرفکم عنھم** ظاہر یہ ہے کہ **کم** میں خطاب ان غازیوں سے ہے جن کے قدم میدان سے اکھڑ گئے تھے' اور **عنھم** سے مراد کفار ہیں' چونکہ یہ واقعہ درہ چھوڑنے کی وجہ سے ہوا' اور اس کے بعد ہوا کہ بھاگے ہوئے کفار درہ میں گھس پڑے' وہاں ڈٹے ہوئے صحابہ کو شہید کر دیا' پھر ان کا پیچھا کرنے والے غازیوں پر ٹوٹ پڑے' اس لئے یہاں **ثم** فرمایا گیا' خیال رہے کہ اس موقعہ پر مسلمانوں کے منہ پھرنے کے اسباب تو ان کے اپنی طرف سے ہوئے' اور قیام اسباب کے بعد اس واقعہ کی خلق رب تعالیٰ کی طرف سے' اس لئے **صرف** کا فاعل رب تعالیٰ ہے' یعنی تمہاری ان غلطیوں کی بناء پر تمہیں رب تعالیٰ نے کفار سے پھیر دیا کہ پہلے کفار آگے تھے تم پیچھے'

کفار کی پشتیں تمہیں تمہارے چہرے' مگر اب جو حالات بدلے اور نقشہ ء جنگ نے پلٹا لیا تو اس کے برعکس ہو گیا کہ تم آگے ہو گئے' کفار تمہارے پیچھے' تمہاری پشتوں کی طرف ان کے منہ ہو گئے' تم پر غالیت کے بعد مغلوبیت کے آثار نمودار ہو گئے **لیبتلیکم** یہ لام تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ **صرفکم** کی وجہ۔ **ابتلاء** ' **بلاء** سے بنا بمعنی آفت اور امتحان و جانچ و چھانٹ' یہاں سارے معنی درست ہیں' یعنی یہ نقشہ ء جنگ کی تبدیلی اور تمہارا کفار سے پھر جانا اس لئے ہوا' تاکہ رب تعالیٰ تمہیں آفت میں مبتلا کر کے صابر و شہید بنائے یا تاکہ تم میں قوی الایمان اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کا امتحان لے کہ جو اس موقعہ پر حرف شکایت زبان پر لائے وہ ضعیف ہے' اور جو صبر و شکر سے کام لے وہ قوی الاعتقاد یا تاکہ اس کے ذریعہ مخلص و منافق میں چھانٹ فرما دے' کہ جو اس وقت اسلام کو برا' رب تعالیٰ کے وعدوں کو جھوٹا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے لگے وہ منافق ہے' اور جو اس سے محفوظ رہے وہ مخلص **و لقد عفا عنکم** حق یہ ہے کہ **عنکم** میں خطاب درہ چھوڑنے والوں سے بھی ہے' اور ان سے بھی جن کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے' چونکہ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بعض بدباطن ان بزرگوں کے ان اعمال پر اعتراضات کیا کریں گے' اس لئے اس جملہ کو لام اور قد کی تاکیدوں سے موکد کیا' **عفا** ' **عفو** سے بنا بمعنی مٹانا یہاں دنیاوی اور دینی دونوں مٹانے مراد ہیں' خیال رہے کہ اس موقعہ پر نہ درہ سے ہٹنے والے گنہگار تھے' کیونکہ وہ خطاء اجتہادی سے ہٹے تھے' اور خطاء اجتہادی گناہ نہیں' اور نہ وہ گنہگار تھے جن کے قدم یہاں سے اکھڑ گئے' کیونکہ یہ حضرات تحت اضطرار کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے وہاں سے ہٹے تھے' جب کفار کا زور بہت زیادہ بڑھ جائے تب میدان سے ہٹ کر جان بچانا گناہ نہیں ہوتا' اس وقت تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک غار کی آڑلی تھی' بلکہ ہجرت کی رات شر کفار سے بچنے کے لئے غار ثور میں کئی دن قیام فرمایا' مگر چونکہ یہ عمل صورۃً "غلط تھا" اور اگر یہ آیت نہ اترتی' تو تاقیامت بدباطن ان بزرگوں کے ان اعمال پر زبان طعن دراز کرتے رہتے' اس لئے رب تعالیٰ نے اس کی بھی معافی کا اعلان فرما دیا' یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے اس سید المعصومین سند المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا **عفا اللہ عنک لم اذنت لھم** حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تک کسی گناہ کی رسائی نہیں' یعنی اے درہ سے ہٹ جانے والو اور اے احد کے میدان سے چلے جانے والو! اللہ نے تمہاری ساری خطائیں مٹا دیں' کہ نہ تم دنیا میں خطاکار رہے نہ آخرت میں' جب ہم معاف کرتے ہیں تو کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے' تم سب ابرار' اخیار اور متقیوں کے سردار ہو **واللہ ذو فضل علی المؤمنین** اس آخری جملے نے گذشتہ ساری آیت کی تشریح کر دی' **فضل** کے معنی ہیں مہربانی یعنی کسی کو بلا استحقاق یا استحقاق سے زیادہ نعمت دے دینا' **المؤمنین** سے مراد یا وہی درہ والے اور قدم اکھڑنے والے صحابہ ہیں یا سارے غازیان احد یا وہ بھی اور ان کے طفیل ہم جیسے سارے گنہگار مسلمان بھی' یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑا ہی مہربان ہے' کہ اگر ان پر راحت آئے تو بھی اچھی' آفت آئے تو بھی اچھی' اگر فتح پائیں تو بھی کامیاب' اگر ان کے قدم اکھڑ جائیں تو بھی کامیاب ان کی شکستوں میں بھی رب تعالیٰ کی لاکھوں حکمتیں ہوتی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم واقعات احد کو دیکھ کر یہ کبھی خیال بھی نہ کرنا اور کسی کی اس بکواس پر دھیان بھی نہ دینا کہ رب تعالیٰ نے اپنا اور اپنے حبیب کا وعدہ سچا نہ کیا' احد کے اول واقعے پر دھیان دو' کہ تم فتح تو پا چکے تھے' کفار میدان چھوڑ چکے تھے' تم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں خوب قتل کیا تھا' حتی کہ وہ بھاگ رہے تھے اور تم ان کے تعاقب میں تھے' نقشہ ء جنگ

بدلا اس لئے کہ تم میں سے بعض لوگوں نے یعنی درہ والوں نے بزدلی کی کہ ان کے دل میں غنیمت کی محبت آگئی اور وہ اپنے امیر سے جھگڑ پڑے ان میں سے اکثر ہمارے محبوب کی نافرمانی کر بیٹھے کہ بغیر سرکاری حکم آئے درہ سے ہٹ گئے' یہ سب کچھ اس وقت ہوا' جب رب تعالیٰ نے تمہیں پیاری چیزیں اسلام کی فتح کفار کی شکست غنیمت کا حصول سب کچھ تمہاری آنکھوں دکھلا دیا' پھر درہ والوں کی غلطی کا انجام یہ ہوا کہ تم پر کفار کا پیچھے سے حملہ ہو گیا جس سے تمہارے رخ بدل گئے' جو بھاگ رہے تھے خود بھاگ پڑے' یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تاکہ رب تعالیٰ تمہیں جانچ لے' تمہیں چھانٹ دے' اور اس کے ذریعہ تمہارے درجے بلند کر دے' تم سے جو کچھ بھی ہو گیا رب تعالیٰ نے سب کچھ معاف کر دیا کہ نہ دنیا میں اس پر عتاب نہ آخرت میں اس کا حساب نہ تمہارے نامہ اعمال میں اس کی تحریر' بحمد اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا ہی مہربان ہے ان پر ہر طرح فضل و کرم فرماتا ہے۔

حکایت: بخاری وغیرہ میں حضرت عثمان ابن موہب سے روایت ہے کہ ایک خارجی حضرت عبد اللہ ابن عمر کی خدمت میں بیت اللہ شریف کے اندر حاضر ہوا اور بولا کہ آپ کو اسی کعبہ کے رب کی قسم کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان ابن عفان احد کے دن بھاگ گئے تھے' فرمایا ہاں' بولا آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ وہ جنگ بدر سے غائب رہے' فرمایا ہاں' بولا آپ کو اس کا بھی علم ہے کہ وہ بیعت رضوان میں شریک نہ ہوئے' فرمایا ہاں' اس نے خوشی میں نعرہ مارا اللہ اکبر (خارجی حضرت عثمان' علی' معاویہ' حسنین کریمین وغیرہم کے بدترین دشمن ہیں) آپ نے فرمایا' جواب بھی سنتا جا' جنگ احد میں بھاگ جانے کی رب تعالیٰ نے معافی دیدی ہے' جس کا اعلان قرآن کریم میں کئی جگہ ہوا ہے' جنگ بدر کے موقعہ پر آپ کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم یہیں رہو ان کی تیمارداری کرو' تمہیں غزوہ بدر کا ثواب گھر بیٹھے ملے گا' پھر بعد میں آپ کو غنیمت بدر کا حصہ بھی دیا' بیعت رضوان کے موقعہ پر حضرت عثمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ ہو کر کفار مکہ سے صلح کی بات چیت کے لئے تشریف لے گئے' اس کام کے لئے آپ ہی موزوں تھے' آپ کی غیر موجودگی میں بیعت الرضوان ہوئی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو فرمایا' یہ عثمان کا ہاتھ ہے' اور اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے' جا یہ جوابات ساتھ لے جا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رب تعالیٰ کے سارے وعدے برحق ہیں' اس کی وعدہ خلافی ایسی ہی ناممکن ہے' جیسے دو رب ہونا' اگر کبھی کسی وعدہ کا ظہور نہ ہو تو اس میں قصور ہمارا اپنا ہوتا ہے' جیسا کہ احد کے پورے واقعہ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے رب تعالیٰ کے ہی وعدے ہیں کہ ان کا پورا کرنا رب تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہے' جیسا کہ **وعدہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' ہم کو تو رب تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی **ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک** خدایا' ہمیں وہ سب چیزیں دے جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ کر لیا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت دنیاوی تکالیف کا بھی باعث ہے' جیسا کہ **و عصیتم** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے نعمتیں چھن جاتی ہیں' جیسا کہ **من بعد ما الخ** سے معلوم ہوا' آج ہم مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ اسی لئے ٹوٹ رہے ہیں کہ ہم نے اطاعت نبی کریم کی پناہ چھوڑ دی۔ **پانچواں فائدہ:** یوں تو جھگڑا و اختلاف ہر وقت ہی برا ہے' مگر بحالت جہاد بہت ہی برا' جیسا کہ **تنازعتم** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:**

بحالت جنگ مال پر نظر کرنا اور غنیمت حاصل کرنے کی کوشش کرنا سخت ہلاکت کا باعث ہے' پہلے دشمن کو شکست دے لو' پھر سب کچھ تمہارا ہے' احد کا سارا واقعہ صرف غنیمت حاصل کرنے کے باعث ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جنگ احد کی تکالیف بھی غازیان احد کے بلندی درجات کا سبب بنیں' جیسا کہ **لیبتلیکم** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** غازیان احد سے جو کچھ خطائیں سرزد ہوئیں' وہ سب معاف ہو چکیں' اب جو ان بزرگوں پر ان چیزوں کا طعنہ دے یا بہ نیت توہین بیان کرے' وہ بے ایمان ہے اور قرآن کریم کا مخالف ہے' جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا گندم کھالینا معاف ہو چکا' اور اب جو ان پر طعن کرے' وہ کافر ہے۔ **نواں فائدہ:** وہ خطائیں جن کی معافی کا قرآن کریم اعلان فرمادے' ہماری ان عبادات سے افضل ہیں جن کی قبولیت کی خبر ہی نہیں' جیسا کہ **ذو فضل** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** عمل میں نیت کا بڑا دخل ہے' ایک ہی چیز نیت خیر سے دین بن جاتی ہے' اور دوسری نیت سے دنیا' نیز ایک ہی چیز قانون کے ماتحت لی جائے تو دین ہے' خلاف قانون دنیا' دیکھو احد کی غنیمت درہ والوں کے لئے دنیا تھی' اور دوسرے غازیوں کے لئے عین ایمان' جیسا کہ **من یرید الدنیا** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بزدل بھی تھے' اور بات بات پر آپس میں جھگڑ بھی پڑتے تھے' دیکھو یہاں **فشلتم** اور **تنازعتم** فرمایا گیا (**العیاذ باللہ**)۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ **الزامی جواب** تو یہ ہے کہ اگر وہ حضرات بزدل تھے تو اتنے ممالک فتح کس نے کئے' ان جیسے بہادر تو آسمان نے کبھی نہ دیکھے' یہی تھے کہ بدر میں تین سو تیرہ بے سامانوں نے ایک ہزار سامان والوں سے ٹکر لے لی' یہی تھے کہ جنگ قادسیہ و یرموک میں چالیس ہزار نے سات لاکھ کا مقابلہ کیا' ان کی بہادری کی داستانیں رہتی دنیا تک رہیں گی۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ اگر یہاں **فشل** کے معنی بزدلی کر بھی لئے جائیں' تو یہ ایک بار کا واقعہ ہے' اور وہ بھی صرف درہ کے چالیس آدمیوں کا' بزدل وہ ہوتا ہے جو کبھی بہادری دکھا سکے ہی نہیں اور جھگڑے سے مراد دنگا فساد نہیں' بلکہ اجتہادی اختلاف مراد ہے' کہ بعض صاحبوں نے فرمایا' یہاں سے اب ہٹ جانا جائز ہے' کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک پورا ہو چکا' فتح ہو گئی' بعض نے فرمایا نہیں' جب تک خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بلائیں یہاں سے ہٹنا منع ہے ان میں ایک اجتہاد درست تھا ایک غیر درست' اگر اس طرح لفظی گفتگو کی جائے تو مصیبت آجائے گی' رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **یجادلنا فی قوم لوط** بتاؤ خدا تعالیٰ سے لڑنا جھگڑنا کیسا ہے' اور جناب خلیل علیہ السلام پر کیا فتویٰ لگاؤ گے؟ سچ ہے کہ بغیر محبت صحابہ قرآن کی فہم ناممکن ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **و عصیتم** سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان تھے اور نافرمانی کفر یا فسق ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ **عصیتم** سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں بلکہ اپنے امیر سیدنا عبداللہ ابن جبیر کی مخالفت مراد ہے' کہ ان چالیس درہ والوں نے ان کی بات نہ مانی اور درہ سے ہٹ گئے' دوسرے یہ کہ **عصیتم** سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نافرمانی مراد ہے' مگر سرکشی سے نہیں بلکہ غلط فہمی سے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و عصیٰ اٰدم ربہ فغویٰ** آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی' یہاں بھی غلط فہمی کی نافرمانی مراد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام دلوں میں حب دنیا رکھتے تھے' اور حب دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **منکم من یرید الدنیا** اور صوفیائے کرام فرماتے ہیں **حب الدنیا راس کل خطیئۃ**

جواب: دنیا کی بہت نوعیتیں ہیں اور محبت دنیا کی بھی بہت سے قسمیں ہیں' بعض دنیا کفر ہے' بعض فسق' بعض غفلت اور بعض دنیا عین ایمان' ابو جہل کی دنیا کفر تھی' اور حضرت عثمان غنی کی دنیا عین ایمان' یونہی قارون' فرعون کی دنیا کفر تھی' حضرت سلیمان علیہ السلام کی دنیا عین ایمان' ایسے ہی محبت دنیا اگر نفسانی یا شیطانی ہو تو بری' اور رحمانی یا ایمانی ہو تو اچھی' ان حضرات کی یہ محبت دنیا' ان کے خیال میں آخری قسم کی تھی' وہ سمجھے کہ ہم بھی یہاں سے ہٹ کر قتل و غنیمت میں حصہ لیں' تو کفار زیادہ مارے جائیں گے اور غنیمت زیادہ ہاتھ آئے گی' عتاب میں آگئے" آخر میں عرض ہے کہ براہ مہربانی صحابہ کرام کی غلطیاں مت پکڑو' اور ان کی فکر نہ کرو' ان کی خطاؤں کی معافی کا تو قرآن کریم نے اعلان کر دیا' اپنی فکر کرو' اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو احد میں رب تعالیٰ نے پھیر دیا کہ فرمایا **ثم صرفکم عنہم** مگر دوسرے مقام پر اسی واقعہ کے متعلق ارشاد ہوا **انما استزلہم الشیطٰن** انہیں شیطان نے پھسلا دیا' ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** ہر برے کام میں تین چیزیں ہوتی ہیں' ترغیب' کسب' خلق" ترغیب شیطان کی طرف سے ہوتی ہے' کسب بندہ کی طرف سے' خلق رب تعالیٰ کی طرف سے' غصہ میں کسی کے تلوار مار دی' جس سے وہ مر گیا' یہاں تلوار مارنے کی رغبت شیطان نے دی' تلوار انسان نے ماری' اور خلق موت رب سبحان کی طرف سے ہوا' کہ زندگی موت اسی کی طرف سے ہے' یہاں خلق کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہے' اور تمہاری پیش کردہ آیت میں ترغیب اور دھوکہ دینے کی نسبت شیطان کی طرف ہے' وہاں کی نسبت شیطان کی طرف ہے' اسی لئے یہاں **صرف** فرمایا اور وہاں **استزل** اس کی تحقیق ہم تیسرے پارے میں تقدیر کی بحث میں کر چکے ہیں' اور مرات شرح مشکوٰۃ **باب التقدیر** میں بھی اس کا مفصل ذکر کر چکے ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ صحابہ احد میں کوئی بھی گنہگار نہ تھا' نہ درہ چھوڑنے والے' اور نہ میدان چھوڑنے والے' تو پھر معافی کس کو دی گئی' اور کس جرم کی دی گئی' کہ فرمایا گیا **ولقد عفا عنکم** جناب جہاد سے بھاگنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ (کبیرہ) رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یولہم یومئذ دبرہ** الایہ غضب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں اور پھر بے گناہ رہیں (یہ مخالفین کا انتہائی اعتراض ہے)۔ **جواب:** حق یہی ہے کہ وہ حضرات اس موقعہ پر خطاکار تھے' گنہگار نہ تھے' معافی خطا کی ہے نہ کہ گناہ کی جیسا ہم تفسیر میں عرض کر چکے' کہ لفظ **عصی** قرآن کریم میں انبیائے کرام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے' حالانکہ وہ حضرات معصوم ہیں' وہاں بھی خطا کی معافی مراد ہے' تم نے یہ آیت پوری نہ پڑھی' وہاں ارشاد ہوا ہے **و من یولہم یومئذ دبرہ الا متحرفا" لقتال او متحیزا" الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ** اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں وہ بھاگنا برا ہے' جو بے وفائی یا بزدلی سے ہو' جنگی چال سے یا پناہ کی طرف دوڑ کر جانا ممنوع و گناہ نہیں' اس موقعہ پر صحابہ نے جس شان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ہے' اس کی مثال نہ ملے گی' کفار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی شہید کرنا چاہتے تھے' اسی لئے پوری یلغار سے انہوں نے آپ پر حملہ کیا' اور ہر طرف سے آپ پر وار کئے' ایک طرف ابو دجانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ اور کفار کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور کفار کے سارے وار اپنی پیٹھ پر لئے' دوسری جانب طلحہ نے اپنا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا دیا' اور اتنے زخم کھائے کہ ہاتھ شل (یعنی بیکار) ہو گیا' اور تمام جسم زخموں سے چور ہو گیا' جب احد سے لوٹے تو اپنے جسم سے خون اس طرح پونچھتے تھے' جیسے غسل کے بعد غسل کا پانی ہاتھ سے جھاڑا جاتا ہے اور فرماتے تھے خدا کا شکر ہے کہ میں نے وہ مقصد پورا کر دیا جس کے لئے

میری ماں نے مجھے جنا تھا' انہی ابو طلحہ کے متعلق قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی **منھم من قضی نحبہ** یعنی بعض صحابہ نے اپنی منت پوری کر دی اور تیسری طرف حضرت مصعب ابن عمیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فولاد کی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے' اور کفار سے' اراپنے پر لیتے رہے یہاں تک کہ ایک وار گردن پر پڑا' سر دھڑ سے الگ ہو گیا اور حفاظت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جان دیدی' حضرت صدیق و فاروق و علی مرتضیٰ اپنے اپنے مورچے سنبھالے ہوئے کفار سے لڑ رہے ہیں جو شجاعت' بہادری اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت صحابہ کرام نے اس میدان میں کی اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی' اس لئے رب تعالیٰ نے خوش ہو کر یہاں فرمایا **لیبتلیکم** احد میں تم سب کا امتحان تھا سارے ہی پاس ہوئے کوئی فرسٹ ڈویژن کوئی سیکنڈ' کوئی اس کے بعد' غرضکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال نبی ہیں' تو مہاجرین و انصار بے مثال یار۔

تفسیر صوفیانہ: صبر' یقین' توکل علی اللہ' دنیاوی ٹیپ ٹاپ سے بچنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز رہنا دینی و دنیوی فتح و نصرت کا ذریعہ ہے' گویا فتح کی عمارت ان چار ستونوں پر قائم ہے' اسی طرح محبت دنیا' دنگے فساد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی' دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں دل لگانا' ناکامی اور دشمن کے غلبہ کا سبب ہیں' جو شخص ظاہری باطنی دشمنوں پر فتح چاہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے راستہ کے سوا اور راستہ پر نہ جائے' رب تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مصیبت پر راضی رہے' دنیا کے غم پر آخرت کے غم کو ترجیح دے' صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے' مولانا فرماتے ہیں۔

صبر آرد آرزو را نے شتاب! صبر کن **واللہ اعلم بالصواب**

یعنی صبر تمام آرزوؤں کو پورا کرتا ہے' مگر جلدی نہیں' اس لئے صبر اختیار کرنا چاہئے' ذوالنون مصری فرماتے ہیں' مرید کامل وہ ہے' کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے زندہ آگ میں ڈال دے' تو یہ آگ اس کے عشق کی آگ کو اور بھڑکادے اور جو اپنے نفس کو اطاعت کی تختی چکھاتا رہے' ایسے ہی مرید کی رب تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت ہے' انہی کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے **یریدون وجہ اللہ** احد کا یہ واقعہ تاقیامت مریدین باصفا کے لئے راہنما ہے' زندگی کے ہر دن میں کار زار احد نمودار ہوتی ہے اور ہم اپنے نفس پر حملہ کرتے رہتے ہیں' کبھی غالب آجاتے ہیں' کبھی مغلوب ہو جاتے ہیں' کبھی بھاگ جاتے ہیں' کبھی پھر لوٹ آتے ہیں' غرضیکہ غزوۂ احد مرتے وقت تک ہوتا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں ہر مسلمان کو فتح کامل نصیب فرمائے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَٱلرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِىٓ

جب چلے جا رہے تھے تم اور نہ رخ کرتے تھے کسی پر حالانکہ رسول بلا رہے تھے تم کو تمہاری پچھلی

جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے اور پیٹھ پھیر کر کسی کو نہ دیکھتے تھے اور دوسری جماعت میں ہمارے رسول

أُخْرَىٰكُمْ فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا

جماعت میں تو پہنچایا تم کو غم پر غم تاکہ تم نہ غمگین ہو اس پر جو تم سے چھوٹ گیا اور نہ اس پر

تمہیں پکار رہے تھے تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور معافی اس لئے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو افتاد پڑی

مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

جو پہنچا تم کو اور اللہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو
اس کا رنج نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم غازیان احد میں بعض دنیا کا ارادہ کرتے تھے' بعض آخرت کا' اب ان دونوں جماعتوں کی تفصیل بتائی جارہی ہے کہ جو لوگ اس وقت بھاگ رہے تھے' وہ تو دنیا کے ارادہ و قصد میں تھے' اور جس جماعت میں ہمارے محبوب رہ گئے تھے' اور جو ان کے ساتھ تھے' وہ آخرت کے طالب تھے' گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم مومنوں پر بڑے فضل والے ہیں' اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ باوجودیکہ غزوۂ احد میں تم دو جماعتیں ہوگئے جن میں سے ایک جماعت خطا کار تھی' مگر ہم نے دونوں پر فضل و کرم فرمایا کہ خطا کاروں کو معافی دی' اور ان سب کو آئندہ فتوحات بھی بخشیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے تمہیں کفار سے پھیر دیا' اور اب اسی پھیرنے کا نقشہ کھینچ کر دکھایا جارہا ہے' گویا پچھلی آیت میں بیان تھا اور اس آیت میں عیان۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اس اختلاف کا ذکر تھا جو دو والوں میں پیدا ہوا کہ فرمایا گیا **و تنازعتم فی الامر** اب اس اختلاف کا ذکر ہے جو غازیوں میں پیدا ہوا یعنی بعض کا میدان سے بھاگ جانا اور بعض کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ جانا' غرضکہ ایک اختلاف کے بعد دوسرے اختلاف کا ذکر ہے۔

تفسیر: اذ تصعدون یا تو یہ **اذ** گذشتہ آیت کے **عفا** یا **لیبتلیکم** کا ظرف ہے' اور یہ ساری آیت پہلی آیت سے متعلق ہے' یا **اذکروا** فعل محذوف کا ظرف ہے' اور یہ آیت مستقل الگ جملہ **تصعدون** جمہور کی قرات میں ت کے پیش اور ع کے زیر سے ہے' باب افعال کا مضارع' بعض قراتوں میں ت اور ع دونوں کے زبر سے ہے یعنی باب **فتح** کا مضارع بہرحال یہ لفظ **صعد** یا **صعود** سے ہے' لطف یہ ہے' کہ **صعد** مجرد میں اگرچہ چڑھنے کے معنی دیتا ہے' اور باب افعال میں پہنچ کر بڑھنے کے معنی میں ہو جاتا ہے' بعض نے فرمایا کہ افعال میں بھی چڑھنے ہی کے معنی میں آتا ہے' مگر یہاں تجرید کے طریقہ پر بڑھنے کے معنی میں ہے' گویا اس کے معنی تھے اوپر جانا' اب معنی رہ گئے جانا' جیسے **تعال** کہ اس کی اصل علو ہے' اس کے معنی ہونے چاہئے تھے اوپر آؤ' مگر اب بطریق تجرید فقط آؤ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' بہرحال یہاں جانے' دوڑنے' بھاگنے کے معنی میں ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تو کمال ہی کر دیا کہ ترجمہ فرمایا' جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے' اس ترجمہ میں **صعود** کے اصلی معنی بھی رہے اور منشاء بھی حاصل ہو گیا' یہ تمام توجیہیں اس لئے کی گئیں کہ غزوۂ احد میں ہزیمت یافتہ حضرات پہاڑ پر نہ چڑھے تھے کہ ادھر سے تو کفار نے پیچھے سے یلغار کی تھی' بلکہ میدان ہی میں بھاگڑ پڑ رہی تھی یعنی ہم نے تمہیں اس وقت کفار سے پھیرا یا اس وقت تمہارا امتحان لیا یا اس وقت تم کو معافی دیدی تھی جبکہ میدان میں دوڑے چلے جارہے تھے یا یہ معنی ہیں کہ اے مسلمانو! یا اس وقت کو بھی یاد رکھو جبکہ تم میدان احد میں دوڑے چلے جارہے تھے تاکہ تم خدا کا شکر ادا کرو کہ اب اس نے تمہیں کتنی قوت دیدی' **ولا تلوٗن علی احد' تلوٗن' لوی** سے بنا' بمعنی پھیرنا اور موڑنا' اسی لئے رسی بٹنے کو بھی لو

کہا جاتا ہے کہ اس میں رسی کے اجزاء کو موڑ کر بل دیا جاتا ہے' کبھی ٹھہرنے اور انتظار کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے کیونکہ کسی کے لئے ٹھہرنے اور انتظار کرنے والا منہ پھیر پھیر کر اس کی طرف دیکھتا ہے' یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں' یعنی تم اس افراتفری کے عالم میں ایک دوسرے کو مڑ کر اور پھر کر بھی نہ دیکھتے تھے نہ انتظار کرتے تھے اگر اس وقت مڑ کر دیکھ لیتے تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا کیونکہ **والرسول یدعوکم فی اخرکم** دلاویا ملاحظہ ہے' اور یہ جملہ **تصعدون** پر معطوف یا حالیہ ہے' اور یہ جملہ **تصعدون** کی ضمیر **هم** سے حال' **الرسول** سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' آپ کو یہاں **الرسول** سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ نبی کی پکار سننا ہر امتی پر واجب ہے' نیز یہ پکار رب تعالیٰ کی طرف سے تھی' جسے آپ بطریق رسالت ادا کر رہے تھے' **یدعوا' دعو** سے بنا بمعنی پکارنا' بلانا' یا پوجنا' یہاں پہلے دو معنی میں ہو سکتا ہے' **اخری' اخر** کا مونث ہے' پچھلی جانب کو بھی اخری کہتے ہیں' جیسے کہا جاتا ہے **جاء فلان فی اخریات القوم** اور پچھلی جماعت کو بھی کہا جاتا ہے' **جئت فی اخر الناس و اخرهم هم** یہاں دوسرے معنی میں ہے' یعنی یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پچھلے لوگوں میں تشریف فرما ہو کر پکار رہے تھے' چنانچہ آپ فرما رہے تھے' اے لوگو! میں یہ ہوں! لوٹ آؤ! جو لوٹ آئے گا جنتی ہو گا **فاثابکم غما بغم' فیا** معقبیہ ہے یا جزائیہ' اور یہ جملہ یا پہلے جملہ پر معطوف ہے یا پوشیدہ شرط کی جزاء' **اثاب' ثوب** سے بنا بمعنی لوٹنا اسی سے ہے **مثاب** بمعنی جائے رجوع' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اذ جعلنا البیت مثابة للناس** اسی سے ہے ثیبہ بمعنی شادی عورت' جس کی طرف خاوند لوٹ کر جائے' اسی سے ہے **ثوب** بمعنی کپڑا کہ وہ بار بار پہنا جاتا ہے' اصطلاح میں بدلہ کو ثواب کہتے ہیں' خواہ بدلہ خیر ہو یا بدلہ شر یعنی جزاء یا سزاء' یہاں بمعنی سزا ہے' غم کے معنی ہیں ڈھانپنا' اسی لئے بادل کو غمام کہتے ہیں کہ وہ سورج کی روشنی کو ڈھانپ لیتا ہے' رنج کو اس لئے غم کہتے ہیں کہ وہ دل کی لذت و سرور کو ڈھانپ لیتا ہے' حق یہ ہے کہ کرب' غم' حزن سب قریباً ہم معنی ہیں' بغم کی ب یا ہمراہی کی ہے یا عوض کی' یا بمعنی **علی** یا **مع** ہے' تو پہلے غم سے مراد اس غنیمت اور فتح کے جاتے رہنے کا غم ہے جو انہیں حاصل ہو چکی تھی اور دوسرے غم سے مراد اپنا زخمی اور قتل ہونے کا غم ہے' یا پہلے غم سے مراد اپنی ان تکالیف کا غم ہے' اور دوسرے غم سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر کا غم ہے' یعنی تمہیں رب تعالیٰ نے عتاباً" غم پر غم دیئے **لکیلا تحزنوا** لام جارہ یا تو **اصاب** کے متعلق ہے یا **عفا** کے متعلق جو پہلی آیت میں گزر چکا' اعلیٰ حضرت نے دوسرا احتمال اختیار فرمایا ہے' اور یہی قوی بھی ہے' کیونکہ غم خوشی سے زائل کیا جاتا ہے' نہ کہ غم سے (تفسیر خازن) اور بھی یہاں بہت توجیہیں ہیں **علی ما فاتکم ولا ما اصابکم' لا تحزنوا** کے متعلق ہے' **ما** موصولہ ہے' **فات' فوت** سے بنا کسی چیز کا اس طرح دور ہو جانا کہ اس کا پانا محال ہو جائے فوت کہلاتا ہے' اسی لئے موت کو فوت کہا جاتا ہے' یہاں مال غنیمت اور فتح و نصرت کا جاتا رہنا مراد ہے' جو آ کر چلے گئے' اور ایسے گئے کہ پھر نہ آئے' اور پہنچنے سے مراد زخم و قتل کا غم پہنچنا ہے' یعنی فوراً" تمہاری معافی کا اس لئے اعلان کر دیا' تاکہ تم فوت شدہ نفعوں پر اور حاصل شدہ تکالیف پر غم نہ کرو' یہ معافی تمہارے ان زخموں کا مرہم بن جائے یا تمہیں یہ بھاری غم (یعنی خبر شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس لئے دیا' تاکہ تم اس بڑے غم کو دیکھ کر غنیمت وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے غم سب بھول جاؤ اور واقعی صحابہ کو اس خبر سے اتنا غم ہوا کہ بعض کو اپنوں کے قتل اور اپنے زخم کا نہ ہوا' چنانچہ جب ایک بی بی کو خبر دی گئی کہ تیرا باپ' بیٹا اور خاوند سب شہید

ہو گئے' تو اس نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہیں نا؟ لوگوں نے کہا ہاں! وہ بولی **کل مصیبتہ بعدک جلل** تمہاری خیر حیات کے بعد ہر غم حقیر ہے **واللہ خبیر بما تعملون** اس میں سارے مسلمانوں سے خطاب ہے' اور عمل سے دلی اعمال یعنی نیت' اور بدنی اعمال یعنی بعض کا نہ سننا اور بعض کا بھاگ جانا سب مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سارے عملوں سے خبردار ہے وہ جانتا ہے کہ بھاگنے والوں کی نیت خراب نہ تھی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! ہم نے تمہیں اسی وقت معافی دیدی تھی اور تم پر اسی وقت اپنا فضل کر دیا تھا' جبکہ تم میدان احد میں قدم اکھڑ جانے کی صورت میں بھاگے چلے جا رہے تھے' یا اے مسلمانو! تم اپنا وہ بے بسی کا وقت بھی یاد رکھو جب کہ قدم اکھڑ جانے پر تم دوڑے چلے جا رہے تھے' اور کسی کو پیٹھ پھیر کر دیکھتے بھی نہ تھے' حالانکہ کیفیت یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت میں خود بنفس نفیس تشریف فرما تھے' جو تم سے پیچھے تھی' اور تمہیں پکار رہے تھے' اللہ کے بندو! کہاں جاتے ہو' ارے میں یہ ہوں! میرے پاس آ جاؤ مگر تم تھے کہ کچھ سنتے ہی نہ تھے' چونکہ تمہارے اس عمل سے ہمارے محبوب کو غم ہوا اس لئے اس کے عوض رب تعالیٰ نے بھی تمہیں غم دیا' یا میدان احد میں تمہیں رب تعالیٰ نے غم پر غم دیا' آئی ہوئی غنیمت نکل جانے' حاصل شدہ فتح جاتی رہنے کا غم تو تمہیں تھا ہی' اپنے عزیزوں کے قتل اپنے زخمی ہونے کا غم بھی اور سب سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر کا غم تمہیں دیا' تاکہ تم اس بڑے غم کی وجہ سے فوت غنیمت فوت فتح کا غم بھی بھول جاؤ اور قتل و زخم کی تکلیف بھی محسوس نہ کرو' یا ہم نے اسی وقت تمہاری معافی کا اعلان اس لئے کر دیا کہ تم اس معافی کی خوشی میں یہ مذکورہ غم بھی بھول جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہارے سارے کاموں سے خبردار ہے ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ ہم تمہارے ظاہری و باطنی سارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں' تو تم کبھی بھی گناہ پر دلیری نہ کرو گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غازیان احد قدم اکھڑ جانے پر بھی غاروں یا پہاڑوں میں نہ چھپے بلکہ میدان ہی میں رہے جیسا کہ **تصعدون** کی تفسیر سے معلوم ہوا' بھاگڑ پڑ جانا اور ہے' چھپتا پھرنا کچھ اور' بھاگڑ اچانک آفت پر بھی پڑ جاتی ہے' اور چھپتا پھرنا بزدلی سے ہی ہوتا ہے' جو ان حضرات کو اس واقعہ کی بناء پر بزدل کہے' وہ اس آیت کا منکر ہے' یہی تو وہ حضرات ہیں جنہوں نے بعد میں تبوک' حنین' فتح مکہ کے میدان سر کئے' اور یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے بعد میں بزمانہ ء فاروقی یرموک و قادسیہ جیسے ہولناک معرکوں میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔ **دوسرا فائدہ:** اس وقت ان غازیوں پر پیچھے کے حملہ کی باعث مدہوشی سی چھا گئی تھی جس سے انہیں کچھ سوجھتا ہی نہ تھا جیسا کہ **ولا تلون** سے معلوم ہوا اسی وجہ سے اس افراتفری میں بعض مسلمانوں نے خود مسلمانوں ہی کو شہید کر دیا' چنانچہ حذیفہ ابن یمان فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے باپ یمان انہی حضرات کے گھیرے میں آ گئے میں چیختا ہی رہا کہ یہ میرے والد ہیں اور مسلمان ہیں مگر کسی نے نہ سنا اور انہیں شہید کر دیا۔ **تیسرا فائدہ:** مدہوشی اور بے خبری کی حالت میں کوئی کام گناہ نہیں ہوتا اور نہ اس پر شرعی احکام مرتب ہوں' دیکھو ان بزرگوں سے حضرت یمان وغیرہ مقتولین مومنین کا نہ قصاص لیا گیا' نہ دیت وغیرہ' نہ ان لوگوں پر کفارہ واجب ہوا' نہ کوئی اور چیز۔ **چوتھا فائدہ:** مصیبت کے وقت اللہ کے بندوں کو پکارنا سنت ہے' جیسا کہ **والرسول یدعوکم** سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آفت میں اپنے صحابہ کو پکارا' عیسیٰ علیہ السلام نے ایک مصیبت پر فرمایا تھا **من**

انصاری الی اللہ کون ہے میرا مددگار' سکندر ذوالقرنین نے آہنی دیوار بناتے وقت فرمایا اعینونی بقوۃ اپنی طاقت سے میری مدد کرو' جو شخص اس پکارنے کو شرک کہے' وہ ان آیات کا منکر ہے۔ پانچواں فائدہ: احد میں سارے صحابہ کے قدم نہ اکھڑے تھے بلکہ بہت لوگ اپنی جگہ قائم رہے تھے' اور ایک جماعت تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی' جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت آخر تک کرتی رہی' اسی جماعت کی کوشش سے کفار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھرپور وار نہ کر سکے' ورنہ وہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فکر میں تھے' یہ فائدہ فی اخرکم سے حاصل ہوا' چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سات انصاری جنگ کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہید ہوئے' اور حضرت طلحہ نے اس حالت میں ستر (70) سے زیادہ زخم کھائے' حتی کہ آپ کی انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ بعض مفسروں نے فرمایا کہ احد سے بھاگ کر مدینہ پہنچنے والوں کی تعداد کل سات یا دس ہے' باقی تمام حضرات اس میدان ہی میں رہے' کچھ تو اپنے مورچوں پر ہی جمے ہوئے لڑتے رہے جیسے حضرت صدیق و فاروق و علی مرتضیٰ' جو بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور بعض اسی میدان میں پریشان حال رہے۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ یا اٹھارہ آدمی رہے' جن میں سے حضرت طلحہ ایک آن کے لئے بھی آپ کے پاس سے نہ ہٹے' اگر سارے ہی بھاگ گئے ہوتے تو صرف ستر (70) شہید نہ ہوتے' بلکہ پورے سات سو (700) شہید ہو جاتے۔ چھٹا فائدہ: محبوبیت الٰہی کی علامت یہ ہے کہ دنیا میں اس کی معمولی خطا پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے' اور اس پر عتاب آ جاتا ہے' جیسا کہ فاصابکم الخ سے معلوم ہوا' دیکھو آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی معمولی خطا یعنی گندم کھانے پر عتاب آ گیا اور ہم ہزاروں گناہ کرتے رہتے ہیں' مگر ہمیں کچھ نہیں ہوتا' کیونکہ وہ' وہ تھے اور ہم ہم ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

ساتواں فائدہ: یہ عتاب اور دنیوی تکالیف ان بزرگوں کی خطاؤں کا کفارہ بن جاتے ہیں' جس سے یہ محبوبین پاک و صاف ہو کر بارگاہ الٰہی میں جاتے ہیں' جیسا کہ بغم سے معلوم ہوا' یعنی تم سے جو غم ہمارے نبی کو پہنچا' اس کے بدلہ میں رب تعالیٰ نے تم کو یہیں غم پہنچا دیا' تمہارا اگلا معاملہ بالکل صاف ہے۔ آٹھواں فائدہ: اس معرکہ میں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کے لوٹ آنے کا کوئی غم اور صدمہ نہیں ہوا' جیسا کہ اصابکم میں کم ضمیر سے معلوم ہوا' یعنی صرف تمہیں غم پہنچا' نہ کہ اپنے حبیب کو' نہ آپ سرکار اپنی جگہ سے ہٹے' لہذا احد میں مسلمانوں کو شکست نہیں کہ شکست جرنیل کے ہٹنے پر ہوتی ہے

ع

مصطفیٰ تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

نواں فائدہ: اس موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم تھا' مگر کس کا؟ ان صحابہ کی تکلیف کا' نہ کہ اپنا! جیسا کہ بغم کی تفسیر سے معلوم ہوا' اس کی شرح وہ آیت ہے عزیز علیہ ما عنتم۔ دسواں فائدہ: صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مال' اولاد اور جان سے زیادہ پیارے تھے' کہ آپ کی شہادت کی خبر سے وہ حضرات اپنے سارے غم بھول گئے' جیسا کہ لکیلا تحزنوا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' صحابہ کرام اس حدیث کی چلتی پھرتی اور زندہ جاوید تفسیر ہیں لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو

سکتا' جب تک میں اسے اس کے ماں باپ' اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں ان بزرگوں کی زندگی اس حدیث کا بیان بلکہ عیاں ہے۔ گیارہواں فائدہ: صحابہ ء کرام کی بارگاہ الٰہی میں وہ شان ہے کہ خود رب تعالیٰ ان کے غم دور فرماتا ہے' ذرا سی غلطی ہوئی کہ فوراً معافی کا اعلان' تاکہ زخم پر فوراً مرہم لگ جائے' جیسا کہ لکیلا تحزنوا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو پکارتے رہے مگر صحابہ نے آپ کی پکار بھی نہ سنی اور جو نبی کی پکار بھی نہ سنے' وہ بڑا گنہگار ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم**۔ جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ سنی خدا کی کیا سنے گا۔ **جواب:** گناہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ کانوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچے' اور بندہ بلاوجہ حاضر نہ ہو' اس افراتفری میں ایسا شور برپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی' ابھی تم نے جنگ کے حالات دیکھے نہیں' کمرے میں بیٹھ کر اعتراض ہی کرنا سیکھے ہیں' اور جن کے کانوں میں بھنک بھی پڑ گئی' وہ حاضر بارگاہ ہو گئے تھے' جیسے جناب صدیق و فاروق اور علی مرتضیٰ وغیرھم صحابہ ء کرام رضوان اللہ علیہم۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سے گناہ بھی ہوتے تھے اور انہیں ان کی سزائیں بھی ملتی تھیں' جیسا کہ خود تم نے **فاصابکم** الخ کی تفسیر میں بتایا' پھر تم کیوں انہیں پاکباز اور متقیوں کا سردار سمجھتے ہو۔ **جواب:** ہم نے ان تمام حضرات کو معصوم نہیں مانا ہے' بلکہ عادل و متقی مانا ہے' ان میں سے بعض سے گناہ سرزد ہوتے تھے مگر بفضلہ تعالیٰ وہ یہاں ہی پاک و صاف ہو جاتے تھے' یہ تو انسان کی خوش نصیبی ہے کہ گناہ سارے یہیں چھوڑ جائے صرف نیکیاں لے کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو' ہم گنہگاروں کو ان سے نسبت ہی کیا' ہم تو صرف گفتار ہیں وہ سراپا کردار تھے۔

تجھے باپ سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی   کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ!

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے' مگر دوسری آیت میں اس سے منع فرمایا گیا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تدعوا من دون اللہ**۔ **جواب:** ان تمام آیات میں دعا سے مراد عبادت ہے' یعنی خدا کے سواء کسی کی عبادت نہ کرو' اس کی شرح وہ آیت ہے **و کانوا بعبادتھم کفرین**۔

تفسیر صوفیانہ: بندوں کے مختلف حالات ہیں' بعض وہ ہیں جو مانگیں اور نہ ملے' بعض وہ ہیں کہ مانگتے ہی ان کی مراد پوری کر دی جائے' بعض وہ خوش نصیب ہیں کہ جن کے دل میں خیال آئے اور کام ہو جائے' بعض وہ بھی ہیں جو بحر عشق میں فنا ہو کر اس درجہ پر پہنچ گئے' کہ رب تعالیٰ انہیں دیدے کر بخششیں کر کر کے منائے' یہ حضرات غازیان احد ان آخری دو درجہ والوں میں سے ہیں' کہ رب تعالیٰ نے ان کی خطا کا ذکر تو کیا' مگر ان سے توبہ یا کفارہ کا مطالبہ نہ کیا' بلکہ بغیر توبہ کا مطالبہ فرمائے معافی کا اعلان کیا' پھر اس کی وجہ بھی بتا دی کہ یہ اس لئے کیا گیا' تاکہ تمہارے دلوں پر صدموں کا میل نہ آنے پائے' کہ فرمایا **لکیلا تحزنوا الخ**' یہ درجہ انسان کا انتہائی کمال ہے' جو بہت مشکل سے میسر ہوتا ہے' اس درجہ میں پہنچ کر رب تعالیٰ وہی کرتا ہے' جو بندہ چاہتا ہے' اس بارگاہ میں بعض مرید ہیں' اور بعض مراد' یہاں روح البیان نے فرمایا کہ ایک بار علی مرتضیٰ نے صدیق اکبر سے پوچھا کہ آپ کس وجہ سے ہم سب پر سبقت لے گئے؟ فرمایا پانچ وجہ سے' ایک یہ کہ میں نے کسی کو مرید دنیا پایا کسی کو مرید آخرت' مگر میں مرید مولا ہوا' دوسرے یہ کہ جب سے میں اسلام میں داخل ہوا' دنیا کے کھانوں سے سیر نہ ہوا' کیونکہ مجھے معرفت کی لذت نے

دنیا کی لذت سے بے نیاز کر دیا۔ تیسرے یہ کہ میں اسلام لا کر دنیا کے پانیوں سے سیراب نہ ہوا کہ عشق الٰہی کی شراب نے مجھے ان شربتوں سے بے نیاز کر دیا۔ چوتھے یہ کہ جب میرے سامنے دنیا اور دین کے اعمال آئے تو میں نے دنیا کے کاموں پر دین کے کام کو مقدم رکھا۔ پانچویں یہ کہ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی تو میں نے آپ کو راضی رکھنے کی کوشش کی سبحان اللہ' فقیر کہتا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غار ثور میں پہلے صدیق گئے بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور غار قبر میں پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے بعد میں صدیق کو بلایا' اور غار ثور میں ایک شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پہلو پر سلایا' اور غار قبر میں تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلو میں صدیق کو سلایا' صلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

پھر اتارا اللہ نے تم پر غم کے بعد امن یعنی اونگھ چھا جاتی تھی تم میں سے ایک گروہ پر

پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے تھی

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

اور دوسرا گروہ بے شک غم میں ڈال دیا تھا ان کو ان کی جانوں نے گمان کرتے تھے اللہ پر ناحق

اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے جاہلیت کے سے گمان

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

کہتے تھے کیا ہے ہمارے لئے اس کام میں کچھ اختیار فرماؤ بے شک اختیار سارا اللہ

کہتے کیا اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے تم فرما دو کہ اختیار تو سارا اللہ کا

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا

کا ہے چھپاتے تھے اپنے دلوں میں وہ جو نہیں ظاہر کرتے تھے آپ کے لئے کہتے تھے اگر ہوتا ہمارے لئے

ہے اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم

مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ

اس کام میں کچھ اختیار تو نہ قتل کئے جاتے ہم اس جگہ فرما دو اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں تو البتہ نکل آتے وہ جن

یہاں نہ مارے جاتے تم فرما دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ

پر قتل ہونا لکھا گیا تھا اپنی قتل گاہوں کی طرف اور تاکہ آزمائے اللہ وہ جو

تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل کر آتے اور اس لئے کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے

صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ ظاہر کرے وہ جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جانتا ہے سینہ والی

اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے کھول دے اور اللہ دلوں کی بات

باتوں کو

جانتا ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا' اور یہ فتح اسی وقت ہو سکتی ہے جب مسلمانوں کے دل سے کفار کا خوف جاتا رہے' اور انہیں امن چین میسر ہو' اب اس آیت میں اسی امن چین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ گویا فرمایا جا رہا ہے کہ فتح کی تمہید تو جنگ احد میں ہی قائم ہو چکی تھی کہ تمہیں وہاں نیند آ گئی تھی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں احد کے دو حالوں کا ذکر ہوا تھا' ابتدائی حال مومنوں کی فتح' درمیانی حال مومنوں کا اپنی غلطی سے ہزیمت پا جانا' اب آخری تیسرے حال کا ذکر ہے یعنی ہزیمت کے بعد دلوں میں قدرتی طور پر چین آ جانا' حتیٰ کہ ان کا اونگھ جانا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ نے تمہیں احد میں غم پر غم دیئے' جس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید رب تعالیٰ ان سے ناراض ہو گیا تھا' اب اس شبہ کو دور فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں ہم ان سے راضی ہی تھے' جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں سکینہ اور چین اتار دیا' جو پیاروں کے دلوں میں اتارا جاتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات سے شبہ ہوتا تھا کہ احد میں مسلمان شکست کھا گئے اور کفار جیت گئے' اس آیت میں یہ شبہ دفع کیا جا رہا ہے' اور بتایا جا رہا ہے کہ ان پر تکلیف آئی تھی' شکست نہیں آئی' شکست خوردہ قوم اپنی جگہ ڈٹی نہیں رہتی' اور وہاں چین سے سویا نہیں کرتی' جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت مورچوں پر قائم رہی اور کفار جلدی میدان سے نکل گئے تو مسلمانوں کو شکست کیسے ہوئی؟

شان نزول: ابن جریر نے سدی سے روایت کی' کہ مشرکین مکہ احد سے لوٹتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بولے کہ اگلے سال بدر میں پھر ہمارا آپ کا مقابلہ ہو گا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ضرور' مسلمانوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں یہ کفار ابھی جاتے ہوئے مدینہ پر حملہ نہ بول دیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا' اور فرمایا دیکھو تو وہ کیا کر رہے ہیں' اگر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے ہوں تو سمجھ لو کہ ان کی نیت بری ہے' وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں' ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ' اور اگر وہ سامان باندھ کر اونٹوں پر لاد رہے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ گئے' قاصد نے آکر بتایا کہ وہ مست تیزی سے سامان باندھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گئے مسلمان کچھ تو پہلے ہی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تھے اور جو متفرق بھی تھے' ان میں بھی اضطراب نہ رہا' الحمد للہ کی شان کہ اسی حال میں احد والوں کے دو گروہ ہو گئے' ایک وہ جن پر قدرتی طور پر اونگھ چھا گئی' ان کا یہ حال تھا کہ بار بار ان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ جاتی تھی' پھر

اٹھاتے تھے' چنانچہ حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ کئی دفعہ میرے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی' جسے میں نے کئی دفعہ اٹھایا' حالانکہ ابھی ہم صف بستہ ہی تھے' حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں' میں نے خود اپنے کو دیکھا کہ سخت خطرناک حالت میں اونگھ رہا تھا اور تلوار میرے ہاتھ سے گر گر جاتی تھی۔ ترمذی شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ احد کے دن سارے ہی مسلمان تلواریں اور ڈھالیں ہاتھوں میں لئے اونگھ رہے تھے' ان کا اونگھ سے جھومنا گویا میں اب دیکھ رہا ہوں' دوسری جماعت کا سخت خراب حال تھا' پراگندہ خیال تھا' چہرے اترے ہوئے تھے' سونا تو کیا انہیں قرار بھی نہ تھا' کبھی کہتے ہم ناحق یہاں آگئے' کبھی کہتے ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرو مگر ہماری نہ مانی گئی' کبھی کہتے کہ نہ مسلمان یہاں آتے' نہ مارے جاتے' اس دن امن چین اور نیند مخلص مومن کی علامت تھی اور بدحواسی' پریشانی منافق کی پہچان' اس آیت کریمہ میں یہی حالات دکھائے گئے ہیں' اور اسی موقعہ پر آیت کریمہ نازل کی گئی (تفسیر روح المعانی و خازن)۔

تفسیر: **ثم انزل علیکم'** **ثم** حرف عطف ہے' اور یہ جملہ **اثابکم** پر معطوف' چونکہ یہ نیند کو رہ غم کے کچھ بعد تھی' اس لئے **ثم** ارشاد ہوا' **انزل** کا فاعل رب تعالیٰ ہے' کیونکہ یہ نیند غیبی طریقہ پر رب تعالیٰ کی طرف سے اتری تھی' ورنہ ایسے مواقع پر نیند کسے آتی ہے نیند تو سکون و چین چاہتی ہے' **علیکم** میں مخلصین صحابہ سے خطاب ہے' کہ انہی کو نیند آئی تھی' جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے **من بعد الغم امنۃ نعاسا"** غم کی تحقیق اور اس کے معانی ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکے' بعض نے فرمایا کہ امان' امن' **امنۃ** تینوں ہم معنی ہیں' یہ **امن یامن** کا مصدر ہے جیسے **عظمۃ** اور **غلبۃ** مگر تفسیر صاوی و خازن نے فرمایا کہ امن وہ چین و سکون ہے جو زوال خوف کے ساتھ ہو' اور **امنۃ** وہ سکون قلبی ہے جو خوف و اسباب خوف کی موجودگی میں ہو' چونکہ احد میں مسلمانوں کو یہ امن خطرناک حالت میں ہی نصیب ہوا تھا اس لئے یہاں **امنۃ"** فرمایا گیا' **امنۃ"** **انزل** کا مفعول بہ ہے' اور **نعاسا"** اس کا عطف بیان یا بدل' بعض نے فرمایا کہ **انزل** کا مفعول بہ **نعاسا"** ہے اور **امنۃ"** اس **نعاسا"** کا یا حال مقدم ہے یا مفعول بہ' لہٰذا اس جملہ کے کئی معنی ہیں' یعنی اے مخلص غازیو! رب تعالیٰ نے تم پر یہ کرم کیا کہ ایسی پریشانی میں ایسے غم کے بعد تم پر اپنی طرف سے دلی چین و اطمینان اتارا' جو اونگھ کی شکل میں تھا' یا امن کے لئے اونگھ اتاری' **نعاس** ہلکی نیند کو کہتے ہیں یعنی اونگھ' **سنۃ** اور **نعاس** قریباً ہم معنی ہیں **یغشی طائفۃ"** **منکم' یغشی'** غشی سے بنا' معنی چھا جانا اور ڈھانپ لینا' اسی لئے موٹے پردے کو **غشاوہ** کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اندر کی چیز چھپائے ہوتا ہے' **طائفۃ'** **طوف** سے بنا' معنی گھومنا' اسی سے طواف ہے' چھوٹی جماعت کو طائفہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے معاملات و ضروریات آپس میں دائر ہوتے ہیں' کہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے' سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس طائفہ سے مراد مہاجرین اور عام انصار ہیں' **منکم** سے معلوم ہوا کہ یہ نیند سب کو نہیں آئی یعنی سب کے لئے تھی' چھائی بعض پر' اسی لئے **انزل** کے بعد **علیکم** تھا' اور **یغشی** کے بعد **منکم** ہماری قرات میں **یغشی** ہے' ی سے' جس کا فاعل **نعاس** ہے' بعض قراتوں میں **تغشی** ہے ت سے' جس کا فاعل **امنۃ** ہے' یعنی وہ نیند تم حاضرین احد میں سے ایک گروہ پر چھا گئی' یعنی **مخلصین** پر' **کم** سے مراد حاضرین احد ہیں اور **من** تبعیضیہ' اور ہو سکتا ہے کہ **کم** سے مراد مومنین ہوں' اور **من** بیانیہ' یعنی ساری مومن جماعت پر نیند چھا گئی **و طائفۃ قد اھمتھم انفسھم** اس طائفہ سے

مراد منافقین ہیں' عبداللہ ابن ابی معتب ابن قشیر کے ساتھی' چونکہ یہ مومن نہ تھے اس لئے یہاں منکم نہ فرمایا گیا' **اهمت** اهمام سے بنا' بمعنی غم میں ڈالنا' **انفس**' نفس کی جمع ہے' بمعنی جان و ذات طائفہ موصوف ہے' **قد اهمت** الخ صفت **یظنون** خبر اول' **یقولون** الخ خبر دوم (تفسیر کبیر) اور ہو سکتا ہے کہ **قد اهمت** بھی اس کی خبری ہو یعنی میدان احد میں ایک گروہ وہ بھی تھا جنہیں صرف اپنی جان کا غم اور ذات کی فکر تھی' نہ اسلام کی فکر تھی' نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی' اس لئے انہیں نیند اور چین کہاں۔ **یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاهلیۃ**' **یظنون** ظن سے بنا' بمعنی بدگمانی' اسی لئے آگے **غیر الحق** فرمایا گیا' جس سے مراد وہ بدگمانی ہے جو باعث کفر ہے' **ظن الجاهلیۃ غیر الحق** کا بدل ہے' جاہلیت سے پہلے اہل پوشیدہ ہے' یعنی یہ منافقین اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی بدگمانیاں کرتے تھے' جیسے جاہلیت والے یعنی مشرکین کیا کرتے تھے' مثلاً یہ کہ رب تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرے گا یہ کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہوتے تو کفار کے ہاتھوں شہید کیوں ہوتے یا یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے اسلام ختم ہو گیا' اب ہم کو پرانے دین کی طرف لوٹ جانا چاہئے' پہلی بدگمانی بلاواسطہ اللہ تعالیٰ پر بدگمانی ہے' اور دوسری' تیسری بدگمانیاں بلاواسطہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر ہیں' اور بالواسطہ رب تعالیٰ پر' بہرحال **باللہ** فرمانا بالکل درست ہے' **یقولون هل لنا من الامر من شیء**' **یقولون قول** سے بنا' بمعنی کہنا' یا تو اپنے دل میں کہنا مراد ہے' یعنی سوچنا' تب تو یہ **یظنون** کا بیان ہے' اور یا آپس میں ایک دوسرے منافق سے کہنا مراد' تب یہ ان کا دوسرا عیب ہے' **هل** استفہام انکاری ہے' **الامر** سے مراد فتح و نصرت ہے **شیء** سے مراد حصہ یعنی وعدہ تو ہم سے یہ کیا گیا تھا کہ پروردگار مسلمانوں کی مدد کرے گا' مگر دیکھ لو' پوری مدد تو کیا ہوتی' ہمیں مدد کا کچھ حصہ بھی ملا یعنی کچھ نہ ملا' سارے وعدے غلط تھے (روح المعانی) تفسیر کبیر و خازن نے اس جملہ کے کچھ اور بھی معنی بیان کئے' وہ یہ کہ **امر** سے مراد مشورہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مسلمانوں نے ہمارے مشورہ میں سے کچھ بھی مانا' ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرو میدان میں نہ جاؤ' یہ نہ مانے' اب سزا بھگتیں' اس صورت میں **لنا** سے پہلے **قبل** پوشیدہ ہے' **من شیء** اس کا نائب فاعل' اصل عبارت یوں تھی **هل قبل من امرنا و مشورتنا شیء** اور بھی اس جملے کے بہت معنی کئے گئے ہیں' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لو اطاعونا ما قتلوا**' **قل ان الامر کلہ للہ** یہ ان کی بکواس کا جواب ہے' جیسے ان کے کلام کے چند معنی تھے' ایسے ہی اس جملہ کے بھی چند معنی ہوں گے' کہ امر سے مراد یا نصر و ظفر ہے' یا قضاء و قدر یعنی نصرت و فتح سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے' اس پر کسی کا دعویٰ نہیں' جو اس کی اطاعت کرے گا فتح پائے گا' ہمارے بعض غلطی کر گئے' فتح نہ ہوئی' یا سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے' مدینہ سے نکل کر ہمارا یہاں آ جانا اس رب تعالیٰ کے ارادے سے ہوا' سبحان اللہ کیسا پاکیزہ جواب ہے **یخفون فی انفسہم ما لا یبدون لک**' **یخفون اخفاء** سے بنا' بمعنی دل میں چھپانا' یا کسی سے خفیہ" کہنا" **انفس** سے مراد یا ان کے دل ہیں یا دلی دوست' **یبدون**' **ابداء** سے بنا' بمعنی ظاہر کرنا **لک** سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا آپ اور آپ کے تابع سارے مسلمان' یعنی اپنے دلوں میں وہ بدعقیدگیاں اور برے خیالات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے' ظاہر تو یہی کرتے ہیں' کہ ہم مومن ہیں' مگر ہیں بڑے بے ایمان یا وہ آپس میں ایک دوسرے منافق سے ایسی بے ایمانی کی باتیں کرتے ہیں' جو مسلمانوں کے سامنے نہیں کر سکتے' **یقولون لو کان لنا من الامر شیء ما قتلنا ههنا** اس جملہ کے بھی کئی معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ **الامر** سے

مراد فتح و نصرت ہے' جس کا مسلمانوں سے وعدہ مشروط کیا گیا تھا' یا امر سے مراد ان کا وہی مشورہ ہے' جو ابھی عرض کیا گیا یا امر سے مراد اختیار ہے' یعنی اگر فتح و نصرت میں سے کچھ حصہ بھی ہمیں مل جاتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے' جھوٹے وعدوں نے ہمیں مروا دیا' یا اگر ہمارا مشورہ کچھ بھی مان لیا جاتا تو ہم یہاں یوں قتل نہ ہوتے' یا اگر ہمیں جنگ میں آنے نہ آنے کا اختیار ہوتا تو نہ ہم یہاں آتے اور نہ مارے جاتے' ہم آئے نہیں بلکہ لائے گئے ہیں' اور مرے نہیں' بلکہ مروائے گئے ہیں **قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیہم القتل الی مضاجعہم** یہ جملہ ان کی دوسری بکواس کا جواب ہے' اور **لو کنتم** میں منافقین سے خطاب ہے' **بیوت** سے مراد یا گھر ہیں یا گھروں کی اندرونی کوٹھڑیاں' **کنتم** کے معنی ہیں ہوتے تم یا رہتے تم' **لبرز' بروز** سے بنا بمعنی ظہور یا خروج' اسی لئے میدان کو براز کہتے ہیں کہ اس میں پہنچ کر آدمی ظاہر ہو جاتا ہے' **کتب** سے لوح محفوظ کی تحریر مراد ہے' **مضاجع مضجع** کی جمع ہے' جس کا مادہ **ضجع** ہے' بمعنی لیٹ جانا' کروٹ کو زمین پر لگانا' یا سو جانا' اسی لئے بستر کو **مضجع** کہا جاتا ہے کہ وہاں انسان سوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **تتجافی جنوبہم عن المضاجع** یہاں اس سے قتل گاہ مراد ہے' کیونکہ وہ انسان کی آخری آرام گاہ ہوتی ہے' یعنی اے منافقو! اگر تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں ہی بیٹھ رہتے اور احد کے میدان میں نہ آنے کا فیصلہ کر لیتے' جب بھی جس کی موت جہاں لکھی تھی' وہ کسی نہ کسی وجہ سے اپنی قتل گاہ تک ضرور پہنچتا اور وہیں جا کر مارا جاتا' تدبیر سے تقدیر نہیں بدلتی' موت کی جگہ اور وقت مقرر ہیں' یا اے منافقو! اگر تمہارا مشورہ مان لیا جاتا اور تمام لوگ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرتے' تب بھی جسے جہاں مرنا تھا' وہیں پہنچ کر مرتا اور بھی اس کے کئی معنی ہیں **و لیبتلی اللہ ما فی صدورکم** واؤ ابتدائیہ ہے اور **صدورکم** کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے (وقع ھذا) یا واؤ عاطفہ ہے' جس کا معطوف علیہ پوشیدہ ہے' **کم** میں خطاب منافقین سے ہے' **ما** سے مراد نفاق وغیرہ ہیں' یعنی بدر میں جو کچھ ہزیمت وغیرہ ہوئی' اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو چھوڑ دیا ہے' بلکہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تمہارے دلی نفاق کی جانچ ہو جائے اور سارے مسلمان تمہارے کردار سے تمہیں پہچان لیں **ولیمحص ما فی قلوبکم** یہ واؤ عاطفہ ہے اور جملہ **لیبتلی** پر معطوف' **یمحص' تمحیص** سے بنا بمعنی **تخلیص** یا اظہار' **ما** سے مراد وسوسے اور برے عقیدے ہیں چونکہ اعتقاد اور وسوسے دل میں رہتے ہیں' اس لئے یہاں **قلوب** فرمایا گیا' بعض نے فرمایا کہ اسلام کی جگہ سینہ ہے' اور ایمان کی جگہ دل' مشاہدہ کی جگہ فواد اور توحید کی جگہ لب' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام** جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا' اسلام کے لئے سینہ استعمال کیا گیا اور فرماتا ہے **اولئک کتب فی قلوبہم الایمان** ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا' دیکھو ایمان کے لئے دل فرمایا گیا' یعنی یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ اے منافقو! اللہ تمہارے دل کے نفاق اور وسوسے ظاہر فرمائے' یا اے مسلمانو! تمہارے دل کا ایمان و اخلاص اللہ ظاہر فرمائے' یہ سب کچھ تم پر ظاہر کرنے کے لئے ہے' ورنہ **واللہ علیم بذات الصدور** اللہ تو ہمیشہ سے ہی ہر ایک کے دل کی بات جانتا ہے' یہ امتحان وغیرہ اس کے علم کے لئے نہیں' **علیم' عالم' علام** کے فرق بارہا بیان کئے جا چکے ہیں' **ذات ذو** کا مونث ہے' اصل میں **ذوۃ** تھا' فتح ما قبل کی وجہ سے واؤ الف بن گیا **ذو** کے معنی والا اور **ذات** کے معنی والی۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! احد میں جو واقعہ درپیش آیا' اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہمارا وعدہ نصرت غلط تھا' یا ہم تم سے ناراض

ہو گئے تھے' تم تو ہمارے حبیب کے امتی ہو ہم تم سے ناراض کیوں ہوں' بلکہ تمہاری کچھ اپنی غلطی تھی جس سے یہ حادثہ پیش آیا' ورنہ ہم تو تم پر ویسے ہی مہربان ہیں' اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی احد کے میدان میں ایسی مصیبت کی حالت میں ہم نے تمہارے دلوں پر سکینہ اتارا' جس سے تمہارے قلبوں کو چین آگیا اور ایسا چین و سکون نصیب ہوا کہ تم اونگھنے لگے' حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ اس دن کیفیت یہ تھی کہ جس کو دیکھو وہ جھوکے کھا رہا ہے' اور اس کی ٹھوڑی سینہ سے لگی ہوئی ہے' حتیٰ کہ بعض خراٹے لے رہے تھے' ان اونگھنے والوں میں میں بھی تھا اسی حالت میں میں نے معتب ابن قشیر کا یہ کلام سنا کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ہم کیوں مارے جاتے' میں نے ایسے سنا جیسے خواب میں سن رہا ہوں (معانی) اے مسلمانو! یہ چین و سکون اور اونگھ کھرے کھوٹے میں فرق کا باعث تھی کہ مخلصین تو اللہ رسول کے وعدہ پر مطمئن تھے' مزے سے خراٹے لے رہے تھے' مگر منافقین جنہیں ان وعدوں پر اعتماد نہ تھا انہیں اس وقت اپنی جانوں کے لالے پڑے تھے' چہرے اترے ہوئے تھے' رنگ زرد تھے' دل میں سوچتے تھے کہ اللہ رسول نے ہم سے وعدے غلط کئے تھے' اگر وعدے سچے ہوتے تو ہم پر یہ آفت کیوں آتی' اور دبی زبان سے یہ کہتے تھے کہ پہلے ہماری رائے نہ مانی گئی' اگر مسلمان ہماری بات مان لیتے اور مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی' اے محبوب ان بے عقلوں سے فرما دو کہ ہر چیز کا اختیار اللہ کو ہے' اس کا فیصلہ اٹل ہے' اے محبوب یہ منافق بڑے بد طینت ہیں' ان کے دلوں میں وہ بھرا ہوا ہے جو زبان سے ظاہر نہیں کرتے' یہ جو کچھ ان کے منہ سے نکل جاتا ہے ان کے دلوں کی بات کا ایک شمہ ہے' یہ تو آپس میں یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو یہاں جبراً لائے گئے ہیں' اپنی خوشی اور اختیار سے نہیں آئے' اگر ہماری چلتی تو یہاں کیوں آتے اور کاہے کو مارے جاتے' فرما دو کہ بے وقوفو! کیا تم قدرت کا مقابلہ کر سکتے ہو' اور کیا تم حکم الٰہی پھیر سکتے ہو؟ اگر تم اپنے گھروں میں بھی رہتے تو بھی جس کو جہاں مرنا تھا' وہ کسی نہ کسی وجہ سے وہاں پہنچتا اور وہیں مارا جاتا' موت کا وقت اور اس کی جگہ کا پروگرام پہلے سے بن چکا ہے' جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی' اے مسلمانو! حادثات احد بیکار نہیں ہوئے' اس میں صدہا حکمتیں ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے تم سب کے دلوں کے حالات ظاہر کر دیئے' اور تمہارا امتحان بھی لے لیا' احد کا میدان ایک یونیورسٹی تھی' جس میں آکر مخلصین پاس ہوئے' منافقین فیل' اور یہاں کی آفات کسوٹی تھیں' جس سے کھرے کھوٹے پرکھ لئے گئے' یہ سب کچھ تمہارے لئے کیا گیا' تاکہ تم اپنے پرائے کو پہچان لو' ورنہ رب تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہر ایک کے دل کی ہر بات جانتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ مومنوں پر کبھی سکینہ نازل فرماتا ہے' جس کی برکت سے مصیبتوں میں مومن کا دل نہیں گھبراتا' یہ اس کی خاص مہربانی ہوتی ہے' دیکھو جب بنی اسرائیل طالوت کے ساتھ جالوت کے مقابل بھیجے گئے تو ان پر تابوت اور سکینہ اترا' جس کا ذکر تیسرے پارہ میں ہو چکا' ہجرت کی رات غار ثور میں صدیق اکبر پر سکینہ اتارا' جس کا ذکر سورۂ فتح شریف میں تفصیل سے ہے' ایسے ہی جنگ احد میں مسلمان غازیوں پر سکینہ اترا' جس سے انہیں چین آگیا' یہ سکینہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک مسلمانوں پر وقتاً "فوقتاً" آتا ہی رہے گا' بشرطیکہ مسلمان مسلمان رہیں۔ **دوسرا فائدہ:** جنگ احد میں اگرچہ عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا تھا' مگر پھر بھی کچھ منافق اپنی بدنامی کے خوف سے بادل ناخواستہ جنگ میں شریک ہو گئے تھے' جیسا کہ و طائفۃ الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات صحابہ پر

منافق اور مخلص ظاہر ہو چکے تھے' رب تعالیٰ نے بہت ذریعوں سے ان کی چھانٹ فرمادی' ان میں سے جنگ احد کی یہ نیند بھی تھی' جس پر نیند طاری تھی وہ مخلص تھا اور جس پر دہشت تھی وہ منافق تھا جو کہے کہ مخلص و منافق کی پہچان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ تھی' وہ اس آیت کا منکر ہے' اور جو کہے کہ حضرات صدیق و فاروق منافق تھے مگر اہل بیت کو اس وقت پتہ نہ چلا' وہ بھی ان آیات کا منکر ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **حتی یمیز الخبیث من الطیب** ہم مخلصین و منافقین کو مخلوط نہ رہنے دیں گے' ان کو چھانٹ دیں گے۔ **چوتھا فائدہ:** مصیبتوں میں گھبرا کر اسلام یا رب تعالیٰ پر اعتراض کرنا اور رب تعالیٰ کی شکایتیں کرنا منافقوں کا کام ہے' اور ایسے موقعہ پر اپنے کو گنہگار جان کر توبہ کرنا مخلصین کا طریقہ ہے۔ **پانچواں فائدہ:** نیکی کر کے پچھتانا یا گناہ نہ کرنے پر نادم ہونا طریقہ ء کفار ہے' جس سے کی ہوئی نیکی ناکردہ بن جاتی ہے اور ناکردہ گناہ کیا ہوا بن جاتا ہے' دیکھو جنگ احد میں شریک ہونا نیکی تھا اور یہاں نہ آنا گناہ' مگر منافقین یہاں آنے پر نادم ہوئے اور وہاں نہ رہ جانے پر پچھتائے' جس سے ان کا آنا بیکار ہو گیا' مومن کو چاہئے کہ گناہ کر لینے یا نیکی نہ کرنے پر پچھتائے اور نیکی کرنے و گناہ سے بچنے پر خدا تعالیٰ کا شکر کرے' یہ ندامت و پچھتاوا بھی عبادت ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ راضی برضا رہے' اور سمجھے کہ جو ہوا' وہ ہونا ہی تھا' اور جو نہ ہوا وہ ہو سکتا ہی نہ تھا' زیادہ اگر مگر بے توکلی بنا دیتی ہے' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے' دیکھو منافقین نے کہا تھا کہ اگر ہماری بات مانی جاتی' تو یہ تکلیف کیوں آتی' اگر ہم یہاں نہ آتے تو مارے کیوں جاتے' رب تعالیٰ نے ان کی اس بکواس پر عتاب فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** وقت موت کی طرح موت کی جگہ بھی مقرر ہے' جہاں انسان لا محالہ پہنچ کر مرتا ہے' جیسا کہ **الی مضاجعھم** سے معلوم ہوا ان باتوں کی اطلاع ملک الموت ان کے معاون فرشتوں اور حضرات انبیاء و اولیاء کو دے دی جاتی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے نقشے کھینچ کر بتا دیا تھا کہ یہاں کل فلاں کافر مارا جائے گا اور یہاں فلاں' حضرت علی شیر خدا نے ایک بار میدان کربلا سے گزرتے ہوئے خطے مقرر کر دیئے تھے' کہ یہاں فلاں شہید ہوں گے یہاں فلاں' اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ **آٹھواں فائدہ:** دوست و دشمن کی پہچان اور کھرے کھوٹے کی چھانٹ مصیبتوں میں ہوتی ہے' جیسا کہ **و لیمحص** الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** امتحان لینا ممتحن کی بے علمی کی دلیل نہیں' کبھی امتحان دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے لیا جاتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے' مگر اس نے احد میں اپنے بندوں کا امتحان لیا اور ہمیشہ لیتا رہتا ہے۔

پہلا اعتراض: منافقین تو احد سے پہلے ہی چلے گئے جن کی تعداد تین سو تھی' جو عبداللہ ابن ابی کے ماتحت تھے' پھر یہاں احد میں دو گروہوں کا ذکر کیوں فرمایا گیا؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی فوائد میں گزر گیا کہ بعض ڈرپوک منافق اپنا راز آؤٹ ہو جانے کے خوف سے احد میں رہ بھی گئے تھے' انہی کو یہاں طائفتہ فرمایا گیا' اور ہو سکتا ہے کہ لوٹ جانے والوں منافقوں کا ہی یہ حال ہوا ہو کہ مسلمان تو میدان جنگ میں بھی رو کر اونگھ رہے تھے اور چین میں تھے مگر منافق گھروں میں پہنچ کر بھی بے چین تھے' انہیں یہاں **طائفتہ** فرمایا گیا لہٰذا آیت واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تم نے اس سے قبل کہا ہے کہ احد میں کوئی منافق نہیں مارا گیا' وہاں شہید ہونے والے سارے مخلص مومن تھے مگر یہاں فرمایا گیا **ما قتلنا ھھنا** کہ اگر ہم اختیار والے ہوتے تو یہاں کیوں مارے جاتے۔ **جواب:** یہ منافقین اپنے کو زمرۂ مومنین میں ظاہر کرتے تھے اور مسلمانوں کے قتل کو اپنی جماعت کا قتل کہتے

تھے' یہ بھی ان کا فریب تھا' یہاں وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ ہائے افسوس ہمارے کتنے مسلمان شہید ہو گئے 'لہٰذا آیت واضح ہے۔
تیسرا اعتراض: یہاں منافقین کے دو قول نقل کئے گئے 'ایک **هل لنا من الامر من شیء** اور دوسرا **لو کان من الامر شیء** ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ بظاہر مکرر کلام معلوم ہوتا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ پہلے امر سے مراد وہ مشورہ ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو دیا تھا کہ جنگ کے لئے باہر نہ جاؤ اور دوسرے امر سے مراد خود ان کا اپنا جنگ میں آنا ہے' منافقین کو ایک رنج تو یہ تھا کہ اس مشورہ میں ہماری رائے کیوں قبول نہ ہوئی اس میں ہماری توہین ہو گئی' جسے انہوں نے **لو کان لنا** الخ سے بیان کیا لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں 'جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے 'مگر **یقولون** سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ ظاہر کر گئے تھے 'ان دو جملوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں 'ایک یہ کہ ظاہر کرنا اور ہے اور بے اختیار ظاہر ہو جانا کچھ اور 'مطلب یہ ہے کہ 'اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں ان کے منہ سے بے اختیار نکل جاتی ہیں 'جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو جاتا ہے' ورنہ وہ اپنا نفاق ظاہر کرنا چاہتے نہیں' دوسرے یہ کہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بہت کم ہے' جو ان کے دل میں ہے' وہ بہت زیادہ ہے' ظاہر صرف یہ کیا کہ ہم یہاں کیوں آگئے' نہ آتے تو اچھا تھا 'مگر دل میں یہ ہے کہ اسلام غلط ہے' رب تعالیٰ کے وعدے جھوٹے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول نہیں ہیں 'اگر یہ سب کچھ درست ہوتا تو ہم احد میں ہزیمت کیوں پاتے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **و لیبتلی** کے بعد **صدور** فرمایا گیا' اور **ولیمحص** کے بعد **قلوب** ارشاد ہوا' اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا جا چکا کہ سینہ محبت یا کینہ کا گنجینہ ہے' وسوسے یا الہامات سینہ میں ہوتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوسوس فی صدور الناس** 'اور کفر و ایمان 'نفرت و میلان دل میں رہتے ہیں' یہاں فرمایا یہ گیا کہ واقعہ احد میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے کفر کا بھی امتحان تھا 'اور ان کے نفرت و میلان' وسوسوں اور الہام کی بھی جانچ تھی 'بعض صرف مدینہ میں رہتے تھے' اور بعض کے سینوں میں مدینہ آباد تھا' ایک جنگ احد نے ان سب کو نکھار کر رکھ دیا 'اور سب کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے ایک جانور ایسا پیدا فرمایا جو پانی میں بھی رہتا ہے 'خشکی میں بھی اور ہوا میں بھی اڑتا ہے' جسے مرغابی کہتے ہیں 'کہ وہ مرغ بھی ہے اور آبی بھی 'یعنی تیرندہ اور پرندہ بھی بلکہ چلندہ بھی اسے قدرت نے اڑنے کے لئے پر بھی دیئے ہیں چلنے کے لئے پیر بھی اور تیرنے کے لئے پنجوں میں جالی بھی 'جس سے وہ دریا میں تیرنے کے لئے چپو کا کام بھی لیتا ہے 'ایسے ہی رب تعالیٰ نے مومن کامل کو وہ قوتیں بخشی ہیں کہ وہ مصائب کے سمندر میں صبر کے بازوؤں سے تیر بھی لیتا ہے' راحتوں کی فضاؤں میں شکر کے پروں سے اڑ بھی لیتا ہے 'اور نارمل حالات کے میدانوں میں عبادات کے پیروں سے چل بھی لیتا ہے ایسا بندہ کامل ہے' اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کو چھانٹنے کے لئے **بدر و احد** کے میدان قائم فرمائے 'کوئی کمزور صبر کے دریا کو طے نہیں کر سکتا 'اور کوئی ضعیف نعمتوں کی فضاؤں میں اڑ نہیں سکتا 'اور کوئی عبادات میں کچا نکلتا ہے' مبارک ہے وہ بندہ جو ہر طرح پختہ ہو' حضرات صحابہ نے بدر کے میدان میں شکر کے پروں سے اڑ کر دکھا دیا 'اور احد کے بحر ناپید اکنار میں صبر کے بازوؤں سے تیر کر دکھلا دیا' اب رب تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا' وہ رب تعالیٰ سے راضی' یہ مصیبتیں اور راحتیں انسان کی امتحان گاہ ہیں'

ہر حال میں راضی رہنے والے مرد کامل ہیں' انہی سے شیطان گھبراتا ہے۔

حکایت: حضرت جنید بغدادی نے شیطان کو خواب میں ننگا دیکھا' فرمایا تو لوگوں سے حیا کیوں نہیں کرتا؟ وہ بولا' یہ لوگ ہی نہیں بلکہ لوگوں کے لباس میں کوڑا ہیں' لوگ وہ ہیں جو شونیزیہ مسجد میں رہتے ہیں' انہوں نے میرا کلیجہ پھاڑ دیا اور میرا جسم فنا کر دیا' حضرت جنید فرماتے ہیں' میں بیدار ہو کر اس مسجد میں گیا' وہاں ایک قوم کو دیکھا' جو بحر فکر میں ڈوبی ہوئی ہے' وہ حضرات مجھے دیکھ کر بولے' اے جنید! اس خبیث کی حدیث (یعنی بات) سے دھوکا نہ کھانا' دل کے تنور میں نور معرفت چمکاؤ' تاکہ ناری شیطان اس کے قریب بھی نہ آسکے' شیطان لاٹھی سے نہیں ڈرتا' وہ نور معرفت سے خوف کرتا ہے (از روح البیان مع زیادت)۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ
بیشک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر کر تم میں سے اس دن کو پھر گئیں دو جماعتیں پھر اس کے نہیں کرا ہیں
بیشک وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں انہیں شیطان ہی نے لغزش
الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ
شیطان نے پھسلا دیا بوجہ بعض ان کے اعمال کے جو انہوں نے کئے اور بیشک معاف فرما دیا انکو اللہ نے
دی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا بے شک اللہ

غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾
بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے
بخشنے والا حلم والا ہے

تعلق: اس آیت کے گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہیں۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں میدان احد میں مسلمانوں کی ہزیمت کی حکمتیں بیان فرمائی گئیں کہ اس سے کھرے کھوٹے کی جانچ مقصود تھی' اب اس ہزیمت کا سبب بیان فرمایا جا رہا ہے' کہ یہ واقع کیوں ہوئی' تاکہ مسلمان آئندہ اس چیز سے بچیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں تقدیر خداوندی کا ذکر تھا کہ احد میں جو کچھ ہوا' ہمارے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوا' یہ پہلے ہی سے ہمارے علم میں آچکا تھا' اب بندہ کی تدبیر کا ذکر ہے کہ چونکہ تم سے تدبیر میں بعض غلطیاں ہوئیں' اس لئے ان چیزوں کا ظہور ہوا' تمہیں چاہئے کہ تم صرف تقدیر پر شاکر نہ رہو' بلکہ تدبیریں بھی ٹھیک کرو' مضر چیزوں سے پرہیز تقدیر کے خلاف نہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی ان نعمتوں اور رحمتوں کا ذکر تھا' جو احد میں غازیوں پر نازل ہوئیں' اب شیطان کے ان وسوسوں کا تذکرہ ہے' جن کی بناء پر اسے موقعہ ملا۔

تفسیر: **ان الذین تولوا منکم** چونکہ اس آیت کے مضمون کے انکاری زمانہ رسالت میں بھی تھے' اور آئندہ قیامت تک پیدا ہونے والے بھی تھے' کہ بعض بدبخت احد کے واقعہ کو آڑ بنا کر صحابہ کرام پر تبرا کرتے تھے اور کریں گے اس لئے رب

تعالیٰ نے اسے ان سے شروع کیا اور درمیان میں انما فرمایا اور آخر میں لقد کی تاکید فرمائی' تاکہ معلوم ہو کہ اس دھوکا کا ذمہ دار شیطان ہی ہے' اور اس دھوکہ کے کی بنا پر جو کچھ صحابہ سے ہوا' رب تعالیٰ نے بالکل معاف فرمایا الذین سے احد کے مخلص غازی مراد ہیں' منافقین اس میں داخل نہیں' کیونکہ معافی مخلصین ہی کی ہوئی' تولوا ولی سے بنا بمعنی قرب باب تفعل سلب کے لئے ہے' باب افعال بھی اسی لئے آتا ہے' تولی اور ایلاء کے لغوی معنی ہیں قرب نہ رہنا اصطلاح میں پیٹھ پھیرنے' منہ پھیرنے اور بھاگنے کو بھی تولی کہہ دیتے ہیں' تولی بمعنی محبت و دوستی ولا بمعنے بنانہ کہ ولی سے' رب تعالیٰ فرماتا ہے و من یتولھم منکم فانہ منھم جو کفار سے دوستی و محبت کرے گا وہ ان میں سے ہوگا' یہاں تولوا کا مفعول بہ' وجہ یا دبر ہ اور ظرف باحد پوشیدہ ہے' منکم میں خطاب مسلمانوں سے ہے' یوم سے مراد احد کا دن ہے' التقاء سے مراد بھڑ جانا' گتھم گتھا ہو جاتا ہے نہ کہ محبت کی ملاقات' جمعان سے مراد ایمانی اور ابو سفیانی لشکر ہیں' جن کا مقابلہ احد میں ہوا تھا' یعنی وہ مخلص مسلمان جنہوں نے احد میں اسلامی اور کفار کی فوج کی جنگ کے وقت اپنے چہرے یا پیٹھیں پھیر لیں' یہاں تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ غازیان احد کے تین حصے ہو گئے تھے' ایک حصہ جو وہاں جما رہا' اور ایک حصہ زخمی ہوا' اور ایک حصہ کے قدم اکھڑ گئے' قدم اکھڑنے والوں میں سے بعض وہ تھے جن کے پہلے قدم اکھڑے' مگر وہ فوراً ہی پہاڑ کے پاس جا کر جم گئے اور وہیں کفار سے جنگ کرتے رہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خبر پا کر فوراً وہاں حاضر ہو گئے' ان میں حضرت عمر فاروق بھی تھے' اور بعض وہ حضرات تھے جو قطعاً اپنی جگہ سے نہ ہٹے' بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے' اور آپ کی حفاظت کرتے رہے' یہ چودہ حضرات تھے' سات مہاجر' ابو بکر صدیق' علی مرتضیٰ اور عبدالرحمن ابن عوف' سعد ابن ابی وقاص' طلحہ ابن عبیداللہ' ابو عبیدہ ابن جراح' زبیر ابن عوام اور سات انصاری خباب ابن منذر' ابو دجانہ' عاصم ابن ثابت' حارث ابن صمہ' سہل ابن حنیف' اسید ابن حضیر' سعد ابن معاذ' یہ تفسیر کبیر اور روح المعانی کی تحقیق ہے' تفسیر خازن نے بھی اس کے قریب ہی کہا مگر فقیر کو اس میں دو طرح گفتگو ہے' ایک یہ کہ ٹھہرنے والے حضرات اگر صرف تمائی ہوتے تو ان کی تعداد قریباً دو سو تینتیس ہوتی' کیونکہ غازیان احد کل سات سو تھے اور کفار مکہ تین ہزار' اتنی تعداد کو کفار کی یہ جماعت بالکل فنا کر دیتی' یقیناً ڈٹے رہنے والے بہت زیادہ ہوں گے جنہوں نے کفار کی یلغار روک لی' دوسرے عمر فاروق کا وہاں سے ہٹنا مسلم بخاری کی روایت کے خلاف ہے' تفسیر روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر کچھ جرح کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے' لہٰذا حق یہی ہے کہ حضرت عمر اپنے مرکز سے قطعاً نہ ہٹے' ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہوں' اس کا نام بھاگنا نہیں' بلکہ اہم مقام پر پہنچ جانا ہے' کیونکہ جب ابو سفیان نے اعلان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر شہید ہو چکے تو اس وقت جناب عمر نے ہی انکار کر کہا ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کفار کو ذلیل کرنے کے لئے زندہ ہیں' (بخاری شریف) اس کے بعد ابو سفیان اور حضرت عمر کے درمیان تمام سوال و جواب نعروں کے جواب میں نعرے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ جماعت کرتی رہی' جس میں حضرت عمر بھی تھے انما استزلھم الشیطن' انما حصر کے لئے آتا ہے' جس سے پہلا جزو دوسرے میں منحصر ہو جاتا ہے' استزل زل سے بنا بمعنی لغزش و پھسل جانا' بغیر ارادہ پاؤں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا لغزش یا پھسلنا کہلاتا ہے' استزلال باب استفعال کا مصدر ہے' جس کے معنی ہیں لغزش دینا یا پھسلنے کے اسباب مہیا کرنا' یعنی ان لوگوں نے عمداً کوئی قصور نہ کیا' صرف لغزش کھا گئے' پھسل گئے اور

پھسلن بھی نفس یا ذاتی نفع یا خود غرضی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کے ارادے سے نہ ہوئی' بلکہ شیطان نے انہیں دھوکا دے دیا جس سے وہ پھسل گئے' سبحان اللہ کیسی زوردار حمایت ہے ان حضرات کی' اولاً تو ان کے عمل کو لغزش فرمایا جس میں قصد و ارادہ ہوتا ہی نہیں' پھر اس لغزش کا ذمہ دار بھی انہیں نہ بنایا' شیطان کو بنایا **ببعض ما کسبوا** جار مجرور **استزل** کا متعلق ہے با سببیہ ہے' جیسے **کتبت بالقلم** میں۔ ما یا مصدریہ ہے' یا موصولہ **کسبوا**' **کسب** سے بنا بمعنی اعضائے ظاہرہ سے عمل کرنا' یعنی انہیں شیطان نے ان کے بعض اعمال ظاہری کی وجہ سے پھسلا دیا لغزش دے دی' جیسے آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا **فازلهما الشیطن** خیال رہے کہ **منکم** میں **من** تبعیضیہ ہے فرمایا گیا کہ احد میں غلطی سب سے نہ ہوئی بلکہ بعض سے ہوئی' اور **ببعض** فرما کر یہ بتایا کہ ان بعض غلطی کھا جانے والوں کے بھی سارے کام غلط نہ تھے' صرف ایک آدھ کام غلط ہو گیا' بعض کام سے مراد رہ والوں میں سے چالیس حضرات کا مرکز چھوڑ کر ہٹ جانا اور دیگر حضرات کا اس خبر پر اعتماد کر لینا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے' اور یہ خبر سن کر بھاگ پڑنا ہے اس جگہ تفسیر روح المعانی نے فرمایا' میدان احد چھوڑ دینے والے حضرات عثمان ابن عفان' رافع ابن معلی' خارجہ ابن زید' ابو حذیفہ ابن عتبہ' ولید ابن عتبہ' سعد ابن عثمان' عقبہ ابن عثمان انصاری زرقی ہیں' اس لئے رب تعالیٰ نے **منکم** فرمایا' نیز یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس دن یعنی احد میں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے ناپاک ارادے سے گھیر لیا تو تیس صحابہ یکے بعد دیگرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح آتے اور شہید ہوتے رہے کہ ہر شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جم جاتا' اور کہتا **وجهی لوجهک الفداء** میری ذات آپ پر فداء اور **نفسی لنفسک الفداء** میری جان آپ کی جان پر نثار' **و علیک السلام غیر مودع** السلام علیکم مجھے قیامت میں نہ چھوڑنا' نہ کہتا اور جان دے دیتا۔

لے بجّاں اساں توڑ نبھائی جان دتی رہ تیرے حشر دے ساڑے شرہاں تیتوں پردے رکھ لئی میرے

یہ تھی صحابہ کرام کی بے مثال قربانی' کہ ایسی قربانی آسمان نے کبھی نہ دیکھی ہوگی' اسی لئے رب تعالیٰ نے **منکم** اور **ببعض** فرمایا **و لقد عفا اللہ عنهم** ابھی کچھ پہلے بھی ان بزرگوں کی معافی کا نہایت شاندار طریقہ سے اعلان ہو چکا کہ فرمایا گیا **ولقد عفا عنکم**' دوبارہ یہاں اسی معافی کا نہایت تاکیدی طریقہ سے اعلان ہو رہا ہے' آگے اپنے حبیب سے سفارش فرما کر ان حضرات کو معافی دلوائی جا رہی ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے **فاعف عنهم و استغفر لهم** اے محبوب آپ بھی انہیں معاف فرما دو' اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرما دو' یعنی ہم نے انہیں معاف کر دیا' تم بھی معافی دے دو' ہم سفارش کرتے ہیں' سبحان اللہ ایسی خطاؤں پر ہماری ساری عبادات قربان ہوں' جن کی معافی کا اتنا اہتمام ہے' لام اور **قد** کی تاکید سے اس مضمون کو اور زیادہ مؤکد فرمایا' رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بعض بدباطن ان حضرات پر زبان طعن دراز کریں گے' اس لئے معافی کا اتنا اہتمام فرمایا گیا **ان اللہ غفور حلیم** یہ جملہ **عفا اللہ عنهم** کی دلیل ہے' یعنی ہم نے ان حضرات کو معافی دے دی' اس لئے کہ ہم غفور بھی ہیں کہ جو توبہ کرے' اسے بخش دیتے ہیں اور حلیم بھی ہیں' کہ جو توبہ نہ کرے اپنے کئے پر ڈٹا رہے' اس پر عذاب جلد نہیں بھیجتے' اسے توبہ کا موقع دیتے ہیں کہ اب بھی باز آ جائے' یہ حضرات تو اپنی اس خطا پر نادم بھی ہیں شرمسار بھی ہیں' ہم غفور بھی ہیں' رحیم بھی' ہم نے سب کچھ معاف کر دیا۔

خلاصہ ء تفسیر: غزوۂ احد میں دو جماعتوں سے دو لغزشیں و خطائیں ہوئیں' درہ والوں میں سے چالیس حضرات سے تو یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر درہ چھوڑ دیا' جس پر بھاگے ہوئے کفار ٹوٹ پڑے اور گھبرا کر بھاگ پڑنے والوں سے یہ خطا ہوئی کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ بھاگے' بلکہ دوسری طرف ان کا رخ ہو گیا' اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھاگتے' تو سبحان اللہ بہت ہی اچھا ہوتا' اس آیت کریمہ **تولوا منکم** میں دوسری خطا کا ذکر ہے اور **ببعض ما کسبوا** میں پہلی لغزش کا ذکر اور دونوں لغزشوں کی معافی کا اعلان ہے' یعنی اے غازیان احد تمہاری جماعت میں سے جو مسلمان دو لشکر یعنی لشکر اسلام اور لشکر کفار کی گھمسان کی جنگ ہونے کی حالت میں منہ پھیر گئے یہ عمداً' یا ارادۃً' نہ تھا' وہ لغزش کھا گئے' پھسل گئے' اور لغزش و پھسلن بھی اپنی نفسانی وجہ سے نہ ہوئی انہیں شیطان نے دھوکا دے دیا' اس دھوکا کی وجہ یہ ہوئی کہ ان میں سے بعض غلطیاں سرزد ہو گئیں' جس سے شیطان کو انہیں لغزش دے دینے کا موقعہ مل گیا' تم لوگ کان کھول کر سن لو کہ یقیناً بے شک اللہ نے انہیں معافی دے دی' اب جو ان پر طعن کرے گا وہ مردود ازلی ہو گا' اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے کہ بڑے سے بڑے قصور کو بخش دیتا ہے' اور حلم والا بھی کہ سرکشوں کو بھی یکدم نہیں پکڑتا' انہیں بھی توبہ وغیرہ کا موقعہ بخشتا ہے' اب جو رب تعالیٰ کے معافی دے دینے کے بعد بھی ان حضرات کو برا کہے' وہ ہماری پکڑ میں یقیناً آئے گا' اگرچہ ہم اسے جلد نہ پکڑیں کہ ہم حلیم ہیں' مگر اسے چھوڑیں گے نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غازیان احد میں صرف معدودے چند حضرات سے غلطی ہوئی' تمام سے نہ ہوئی' جیسا کہ **منکم** سے معلوم ہوا' کہ **من** تبعیضیہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ان بعض حضرات سے بھی صرف ایک غلطی ہوئی' درہ والوں سے درہ چھوڑنے کی اور بھاگنے والوں سے رخ غلط ہو جانے کی' ان کے بقیہ تمام اعمال درست و صحیح باعث ثواب تھے جیسا کہ **ببعض ما کسبوا** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ان بزرگوں سے جو بھی غلطیاں ہوئیں وہ دانستہ طور پر نہ ہوئیں بلکہ خطاء اجتہادی یا غلط فہمی کی بناء پر ہوئیں' جیسا کہ **استزلھم** سے معلوم ہوا' کہ یہی کلمہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے لئے ارشاد ہوا' حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا تھا **وما انسنیہ الا الشیطن**۔ **چوتھا فائدہ:** ان حضرات سے بھی جو غلطی ہوئی' وہ دنیاوی لالچ یا نفسانی خواہش کی بناء پر نہ ہوئی بلکہ شیطان نے انہیں دھوکا دیدیا' جس سے وہ دھوکا کھا گئے' جیسے حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جو کچھ ان حضرات سے خطاء" سرزد ہوا' وہ معاف ہو چکا' جس کا اعلان قرآن کریم نے بار بار فرمادیا' اب کسی کو ان پر طعن کرنا اپنا ایمان برباد کرنا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** کبھی بعض کی خطا دوسروں کی خطا کا ذریعہ بن جاتی ہے' دیکھو درہ والوں کی خطا' ان بزرگوں کی خطا کا ذریعہ بن گئی جن کے قدم اکھڑ گئے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں خطا سے خطا سرزد ہوتی ہے' نیکیوں سے نیکیاں۔ **ساتواں فائدہ:** کبھی بعض صاحبوں کی خطا دوسروں کے لئے مصیبت کا ذریعہ بن جاتی ہے' دیکھو درہ والوں کی خطا غزوۂ احد کی ہزیمت کا سبب بنی' ایسے موقعہ پر ہر شخص کو نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ **آٹھواں فائدہ:** شیطان کا مکر و فریب بہت سخت ہے' کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے دیکھو حضرات صحابہ کرام جن میں سے ایک صحابی تمام جہان کے اولیاء سے افضل ہے' انہیں بھی اس مردود نے دھوکا دیدیا' تو ہم کس شمار میں ہیں۔ **نواں فائدہ:** کبھی ہمارے بعض اعمال سے شیطان کو ہم پر موقعہ مل جاتا ہے اور وہ ہم کو بہکا دیتا ہے' جیسے بعض

اعمال شیطان کے دفعیہ کا ذریعہ ہیں' ویسے ہی بعض اعمال شیطان کے تسلط کا سبب ہیں' ایسے اعمال سے بچنا چاہئے' جیسا کہ **ببعض ما کسبوا** کی ب سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: صحابہ کرام کا جنگ احد میں بھاگ جانا گناہ نہ تھا' دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں لغزش فرمایا' لغزش وہ جو بغیر ارادہ سرزد ہو جائے' اور گناہ میں ارادہ ضروری ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو شیطان نے بہکا دیا' اور دوسری جگہ ارشاد ہے **ان عبادی لیس لک علیہم سلطن** میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا' پھر ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے کہ شیطان اللہ کے خاص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا' معصومین و محفوظین سے عمداً گناہ نہیں کرا سکتا' رہیں غلطیاں و خطائیں وہ سرزد کرا سکتا ہے' یہاں خطا ہی سرزد ہوئی نہ کہ بد عقیدگی یا بد عملی لہٰذا دونوں آیتیں اپنی جگہ درست ہیں۔
دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ احد میں دو لشکر ملتے ہی یہ حضرات بھاگ پڑے' تاریخ کہتی ہے کہ اولاً مسلمانوں کو فتح ہو گئی تھی' کفار بھاگ گئے تھے' بتاؤ کہ ان دونوں واقعہ میں کونسا درست ہے؟ **جواب:** یہاں ملنے سے مراد کفار کا پیچھے سے حملہ کرنا ہے' اس وقت فوراً ہی مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے اور مسلمانوں کو فتح پہلی مڈ بھیڑ میں میسر ہوئی تھی' لہٰذا دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں' پہلی مڈ بھیڑ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی' اور دوسری مڈ بھیڑ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے' آیت واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان حضرات سے غلطی پہلے ہوئی اور ابلیس نے بعد میں بہکایا' کیونکہ ارشاد ہوا **ببعض ما کسبوا** کسب کو سبب فرمایا گیا' اور شیطان کے بہکانے کو مسبب' اور سبب پہلے ہوتا ہے حالانکہ شیطان بہکاتا ہے پہلے' اور انسان غلطی کرتا ہے بعد میں' ہماری غلطی یا گناہ شیطان کے بہکانے سے ہوتی تو آیت کیسے درست ہوئی؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک تو وہ جو تفسیر کبیر' خازن' روح المعانی وغیرہ نے دیا کہ یہاں **ببعض ما کسبوا** سے مراد ان حضرات کے وہ گناہ ہیں جو انہوں نے کبھی اپنی پہلی زندگی میں کئے تھے' جب ان بزرگوں کو اپنی شہادت یقینی معلوم ہوئی' تو وہ حضرات بزدلی یا بھاگ جانے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کی وجہ سے نہ بھاگے' بلکہ انہوں نے خیال کیا کہ ان گذشتہ گناہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا مناسب نہیں' بلکہ پہلے ہم ان سے توبہ کر کے پاک و صاف ہو لیں' ان کے کفارے ادا کر لیں' پھر کسی موقعہ پر شہید ہوں گے' غرضکہ توبہ و کفارہ کے لئے اس جگہ سے ہٹے' یہ گناہ یاد دلا کر وہاں سے ہٹانا شیطانی دھوکا تھا' ان کے سارے گناہ تو ایمان لاتے ہی معاف ہو چکے تھے' اور پھر شہادت تو تمام جرم و خطا کا کفارہ بن جاتی' شیطان نے انہیں اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا' اس صورت میں یہ اعتراض جڑ سے اکھڑ جاتا ہے' امام زجاج کا یہی قول ہے' اگرچہ وہ گناہ بھی شیطانی اثر سے ہوئے تھے مگر یہاں کچھ اور ہی بتانا مقصود ہے' دوسرا یہ کہ **ببعض ما کسبوا** سے مراد درہ والوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا ہے جو گناہ نہ تھا' اجتہادی غلطی سے تھا' کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا مقصد پورا ہو چکا' علت ختم ہو جانے سے حکم بھی اٹھ جاتا ہے' اب ہم کو یہاں سے ہٹ جانا ممنوع نہیں' پھر اس عمل پر غازیوں میں بھاگڑ پڑ جانا شیطانی اثر سے ہوا یہ غلط اجتہادی نہ تھی لہٰذا اسے شیطان کا پھسلانا قرار دیا گیا' اگرچہ درہ سے ہٹ جانے والے اور لوگ تھے' اور یہاں سے بھاگ جانے والے اور لوگ' مگر چونکہ دونوں ایک قوم تھے' ایک ہی مقصد کے لئے آئے تھے' اس لئے ایک کا قصور دوسروں کی طرف بھی منسوب کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے جسمانی غذائیں دو قسم کی ہیں بعض صحت کو مضر اور بعض صحت کے لئے مفید اطباء یونان مضر غذاؤں سے بچاتے ہیں اور مفید دوا و غذاؤں کی رغبت دیتے ہیں مضر غذا صدہا بیماریاں پیدا کرتی ہے ایسے ہی روحانی غذائیں یعنی اعمال و صحبت دو قسم کی ہیں، بعض دلی صحت کو نقصان دہ بعض مفید' نقصان دہ اعمال شیطان آور ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے شیطان قریب ہو جاتا ہے' اور بعض رحمت رحمان آور' جن کی برکت سے شیطان دور ہو جاتا ہے' اور رحمت الٰہی قریب تر ہو جاتی ہے' حدیث شریف میں ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے' اور تلاوت قرآن پاک کی حالت میں رب تعالیٰ بندے سے بہت ہی قریب ہوتا ہے' اور فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جب اجنبی مرد اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو شیطان بہت ہی قریب ہوتا ہے' غرضیکہ انسان کو ہر عمل سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ یہ عمل قرب شیطان کا باعث ہو گا یا قرب رحمان کا ذریعہ بنے گا' پہلی قسم کے اعمال سے بچے' دوسری قسم کے اعمال اختیار کرے' اس آیت میں یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ اے غازیان اسلام تم سے بعض اعمال وہ سرزد ہوئے جن کی باعث شیطان تم سے قریب ہو گیا اور اس کا داؤ تم پر چل گیا' چونکہ وہ اعمال بذات خود برے نہ تھے' اور نہ تمہاری نیت بری تھی' اسی لئے رب تعالیٰ نے تمہیں اس پر مرتب ہونے والی خطا سے معافی دیدی' اس آیت میں آئندہ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ ایسے جائز کاموں سے بھی بچیں جن سے شیطان کو تسلط کا موقعہ ملے سفر غزا شرعاً حرام نہیں ہوتی' مگر صحت کی حفاظت کے لئے اس سے بچو' تمام رات بیدار رہ کر اللہ اللہ کرنا حرام نہیں' بظاہر اچھا ہے' مگر عوام اس سے بچیں کہ اس کے ذریعہ آئندہ فرض نمازیں چھوٹ جانے کا خطرہ ہے' اللہ تعالیٰ شیطان کے اغواء سے بچائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو کافر ہوئے اور اپنے بھائیوں کے متعلق

اے ایمان والو ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا

اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا

بولے جبکہ وہ چلے زمین میں یا ہوئے غازی کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ

جب وہ سفر کو یا جہاد کو گئے کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے یا نہ

وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْىٖ

مرتے اور نہ قتل کئے جاتے تاکہ کر دے اللہ اس کو حسرت ان کے دلوں میں اور اللہ ہی زندہ رکھتا

مارے جاتے اس لئے کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھے اور اللہ جلاتا

وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

اور موت دیتا ہے اور اللہ دیکھنے والا ہے اسے جو تم کرتے ہو

اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے غازیان احد کو ان کی گزشتہ غلطی پر متنبہ فرمایا یعنی درہ چھوڑ دینا اب انہیں دوسری قسم کی غلطی سے بچنے کی ہدایت فرما رہا ہے یعنی توکل چھوڑ دینا کہ اس درہ کے چھوڑ دینے سے تو کفار مکہ لوٹ پڑے تھے مگر اس درہ کو چھوڑ دینے سے شیطان تم پر پلٹ پڑے گا اور مسلط ہو جائے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس قابل معافی قصور کا ذکر تھا جس کی رب تعالیٰ نے معافی دیدی یعنی میدان سے قدم اکھڑ جانا اب اس ناقابل معافی جرم کا ذکر ہو رہا ہے جو انسان کو تقدیر کا انکاری بنا دیتا ہے اور اپنی تدبیر پر اعتماد دلاتا ہے یعنی اگر مگر کے پھندے میں پھنسنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اسی عمل گناہ کا ذکر تھا جو کبھی کبھی انسان سے سرزد ہوتا ہے یعنی جہاد سے بھاگ جانا اب اس قولی گناہ کا ذکر ہو رہا ہے جو دن رات ہم سے ہوتا رہتا ہے جس سے بچنا بہت ہی مشکل ہے یعنی گزشتہ پر بلاوجہ ندامت کہ اگر ایسا ہوتا تو ویسا ہو جاتا اگر یہ نہ ہوتا تو وہ نہ ہوتا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی گزشتہ آیت میں منافقین کی اس بکواس کا ذکر تھا جو انہوں نے اپنے متعلق کی تھی کہ اگر ہم احد کے میدان میں نہ آتے تو نہ مارے جاتے اب انہی منافقین کی اس بکواس کا تذکرہ ہے جو انہوں نے دوسرے غازیوں کے متعلق کی کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو کیوں شہید ہوتے۔

تفسیر: **یایها الذین امنوا** چونکہ اس آیت میں مسلمانوں کو ایسی چیز سے بچنے کی ہدایت ہے جو ہم سے بہت ہی صادر ہوتی رہتی ہے بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہے مگر کبھی اس کا نتیجہ بڑا خطرناک نکلتا ہے اور اس سے بچارہنا بہت مشکل ہے اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو دل نواز ایمان پرور خطاب سے پکارا پھر حکم سنایا مشکل احکام پکار کر سنائے جاتے ہیں تاکہ خطاب کی لذت سے مشکل آسان ہو جائے اگرچہ بظاہر احد کے مسلمانوں سے خطاب ہے مگر در حقیقت سارے ہی مسلمانوں کی طرف روئے سخن ہے **لا تکونوا کالذین کفروا** **لا تکونوا** میں نہی استمراری ہے یعنی نہ تو اب ایسے ہو نہ آئندہ کبھی ہونا **کفروا** سے مراد یا تو سارے منافقین ہیں یا عبداللہ ابن ابی ابن سلول اور معتب ابن قشیر یا سارے ہی کفار تیسرا قول زیادہ قوی ہے چونکہ منافق زبان کے مسلمان تھے دل کے کافر اس لئے انہیں قرآن کریم کبھی **الذین امنوا** میں داخل فرماتا ہے اور کبھی **الذین کفروا** میں یہاں ان کے دل کا اعتبار فرماتے ہوئے **کفروا** فرمایا گیا یعنی اے ایمان والو! تم کبھی کافروں یعنی منافقوں کی طرح نہ ہونا یا کسی کافر کی مثل نہ ہونا **و قالوا لاخوانهم** واو عاطفہ ہے اور **قالوا** الخ **کفروا** پر معطوف ہے **لاخوانهم** کا لام صلہ کا نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے ابن حاجب فرماتے ہیں کہ بمعنی عن ہے کیونکہ منافقین کی یہ گفتگو فوت شدہ یا شہید شدہ لوگوں کے متعلق ہے لہذا ان سے نہیں کہا بلکہ ان کے بارے میں لوگوں سے کہا **اخوان** جمع اخ کی ہے بمعنی بھائی **اخ** کی جمع قلت **اخوة** ہے اور جمع کثرت **اخوان** یہاں یا تو منافقین کے نسبی بھائی مراد ہیں یعنی مومن انصار قرآن کریم میں نسباً کافروں کو مومنوں کا بھائی فرمایا ہے فرماتا ہے **والی عاد اخاهم هودا** یا دینی بھائی مراد ہیں یعنی وہ منافقین نفاقاً جہادوں میں آتے اور مارے جاتے **اذا ضربوا فی الارض او کانوا غزی** **اذا** **قالوا** کا ظرف ہے **ضرب** کے معنی ہیں کسی چیز پر واقع کرنا چلنے کو اسی لئے ضرب کہتے ہیں کہ اس میں پاؤں زمین پر واقع کئے جاتے ہیں مارنا اور بیان کرنا بھی ضرب کہلاتا ہے کہ مارنے میں مار مضروب پر اور کلمات کسی چیز پر واقع کی جاتی ہے چونکہ عرب

میں عام سفر خشکی میں ہوتے تھے' دریائی سفر بہت کم ہوتے تھے اس لئے یہاں زمین کی قید لگائی' غزی" غازی کی جمع ہے خلاف قیاس' جیسے عافی کی جمع عفا" ساجد کی جمع سجد اور راکع کی جمع رکع 'قائل کی جمع قول(کبیر) اصل میں غزوی تھا' واؤ زبر کر' زمیں مدغم ہو گیا اس کی جمع غزاۃ بھی آتی ہے جیسے قاضی کی جمع قضاۃ اور رامی کی جمع رماۃ نامی کی جمع نحاۃ اور غزی بھی آتی ہے جیسے حاجی کی جمع حجیج اور قاطن کی جمع قطین اور غزاء بھی جیسے فاسق کی جمع فساق اور غازون بھی جیسے داع کی داعون غرضیکہ غازی کی پانچ جموع ہیں' غزی" ' غزاۃ ' غزی' غزاء اور غازون ایک شاعر کہتا ہے۔

قیوما" بغزاء و یوما" بسریتہ و یوما" بخشخاش من الرجل هیضل

(روح المعانی)

اس جملہ میں فی الارض کے بعد فماتوا پوشیدہ ہے اور غزی" کے بعد قتلوا یعنی یہ منافقین اپنے نسبی بھائی مومنین یا دینی بھائی منافقین کے متعلق جبکہ وہ سفر میں فوت ہو جائیں یا غزوہ میں شہید ہو جائیں' تو ان کے عزیزوں سے یا آپس میں یوں کہتے ہیں لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا۔ یہ جملہ قالوا کا مفعول بہ ہے' لو یا شرطیہ ہے یا تمنا کا کانوا کے معنی ہیں ہوتے یا رہتے' ان تینوں فعلوں یعنی کانوا' ماتوا اور قتلوا کا مرجع علیہ اخوان ہیں یعنی کاش کہ یا اگر یہ مرنے اور شہید ہونے والے سفر اور جہاد میں نہ جاتے' بلکہ ہمارے پاس اپنے گھروں میں رہتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے' زندہ رہتے' مزے کرتے لیجعل اللہ ذلک حسرۃ" فی قلوبھم لام عاقبت و انجام کا ہے' یجعل' جعل سے بنا' اور جعل کبھی بمعنی خلق آتا ہے (پیدا کرنا) تب اس کا مفعول ایک ہوتا ہے اور کبھی بمعنی تصییر (بنانا) تب یہ دو مفعول چاہتا ہے' یہاں دوسرے معنی میں ہے' اسی لئے اس کے دو مفعول آئے' ایک ذلک اور دوسرا حسرۃ" یہ جملہ یا تو قالوا کے متعلق ہے' یا لا تکونوا کے' حسرت وہ دلی رنج ہے جو کسی محبوب چیز کے حاصل نہ ہونے پر ہو' اس کا مادہ حسر ہے' بمعنی کھلنا' چونکہ اس افسوس سے دلی میلان کھل جاتا ہے' اس لئے اسے حسرت کہتے ہیں یعنی اس کہنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ان کے دلوں میں حسرت اور افسوس پیدا ہوتا ہے' جس سے ان کی تکلیف اور بڑھ جاتی ہے' یا یہ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم منافقوں کی طرح بے صبرے نہ بننا' بلکہ صابر و شاکر رہنا' تاکہ تمہارا صبر و شکر ان کے لئے دلی حسرت کا باعث ہو واللہ یحی و یمیت یہ ان کے کلام کی تردید ہے' وہ سمجھتے تھے کہ سفر و جہاد سے موت آتی ہے اور بزدل ہو کر گھر میں بیٹھ رہنے سے زندگی مل جاتی ہے غلط ہے موت و زندگی اللہ کے قبضہ میں ہیں' وہ اگر چاہے تو دشوار سفر اور خطرناک جہاد میں بھی زندہ رکھے' اور اگر چاہے تو آرام سے گھر بیٹھنے والے کو موت دیدے' جیسا کہ دن رات دیکھا جا رہا ہے' خیال رہے کہ یحی کے دو معنی ہو سکتے ہیں' زندہ کرتا ہے اور زندہ رکھتا ہے واللہ بما تعملون بصیر اس جملہ کا مقصد کفار و منافقین کو ڈرانا ہے اور مسلمانوں کو رغبت دینا ہے ہماری قرات تعملون ت سے ہے' لا تکونوا سے تعلق رکھتی ہے' ابن کثیر' حمزہ اور امام کسائی کی قرات میں یعملون ی سے ہے' یحی و یمیت کے مناسب یعنی اے مومنو کافرو! جو کچھ تم نیک و بد اعمال کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے' یا وہ منافقین جو ظاہری و خفیہ حرکتیں کرتے ہیں ہم سے مخفی نہیں ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں ان سے نبٹ لیں گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم ان منافقوں کی طرح کبھی نہ ہونا' جن میں دو عیب خصوصیت سے ہیں' ایک یہ کہ وہ دلی کافر ہیں' اگرچہ بظاہر تمہارے ساتھ ہیں' دوسرے یہ کہ وہ بے صبرے ناشکرے ہیں' خود بھی بزدل ہیں دوسروں کو بھی بزدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں' چنانچہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کے ہم مذہب منافق یا ان کے رشتہ دار مسلمان کسی لمبے سفر میں جائیں کاروباری سلسلہ میں یا کسی اور وجہ سے' اور وہاں اتفاقاً" فوت ہو جائیں یا جہاد میں جائیں' اور وہاں شہید ہو جائیں تو ان مرحومین کے عزیزوں و قرابت داروں کے پاس بڑے خیر خواہ اور غمگسار بن کر پہنچتے ہیں' اور بظاہر خیر خواہی کرتے ہوئے' مگر درحقیقت انہیں بزدل بنانے کے لئے کف افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی انہیں منع کرتے تھے کہ نہ جاؤ' اگر وہ ہماری بات مان لیتے اور مدینہ منورہ ہی میں ہمارے پاس رہتے' تو نہ سفر میں مرتے اور نہ جہاد میں مارے جاتے' خیال رکھو کہ اس گفتگو سے کوئی فائدہ نہیں' یہ محض ایک حسرت ہے' جو ان کے دل میں رہ جاتی ہے رہا مرنا جینا' تو خیال رکھو کہ یہ اللہ کے قبضہ میں ہے' جسے چاہتا ہے زندہ رکھتا ہے' اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے' لہذا موت کا خوف تمہارے لئے دنیوی و دینی سفروں اور جہادوں سے رکاوٹ نہ بنے' کہ بات' بات میں ڈرنے والے کمزور دل ہو کر نکمے ہو جاتے ہیں اور نکما آدمی کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کھلے چھپے کام کو دیکھ رہا ہے' حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر تم نہ بھی شہید ہوئے تب بھی ضرور مر جاؤ گے قسم رب تعالیٰ کی تلوار کی ہزار ضربیں' بستر پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے آسان ہیں' جو موت کے خوف سے چھپ کر گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں' وہ جہالت اور ذلت کی زندگی میں رہتے ہیں' اور عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو لازم ہے کہ کافروں کی سی باتیں بھی منہ سے نہ نکالا کریں' صورت' سیرت' اعمال' افعال' اقوال میں ان سے ممتاز رہیں' جیسا کہ **لا تکونوا** الخ سے معلوم ہوا' جو لوگ مسلمان ہو کر وضع قطع اور لباس کافروں کے سے رکھتے ہیں' وہ اس سے عبرت پکڑیں۔ **دوسرا فائدہ:** کھلے کفار اور منافقین درپردہ ایک ہی ہیں' جیسا کہ **کفروا** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے منافقوں کو کافر فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** زیادہ اگر مگر کرنا کفار کی علامت ہے' مومن تدبیر کرکے تقدیر پر صابر ہوتا ہے' جیسا کہ **لو کانوا** الخ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** تقدیر پر صابر نہ ہونے سے غم و تکلیف زیادہ ہوتے ہیں' صبر و شکر دلی راحت کا ذریعہ ہیں' جیسا کہ **حسرۃ فی قلوبھم** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** دنیا میں زیادہ مشغولیت زندگی کی زیادہ چاہت موت کو سخت بنا دیتی ہے' اور آخرت سے تعلق موت کو آسان کر دیتا ہے' جیسا کہ **ما ماتوا** الخ سے اشارۃً" معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** موت زندگی حقیقتاً رب تعالیٰ ہی دیتا ہے' سانپ کو مارنے والا یا بعض نبیوں اور ولیوں کو زندہ کرنے والا مجازاً" کہا جاتا ہے جیسا کہ **یحیی و یمیت** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** زندگی کی چاہت اور موت سے کراہت انسان میں بزدلی پیدا کرتی ہے' جیسا کہ **لو کانوا** الخ سے معلوم ہوا' آرام طلب قوم کو دنیا میں رہنے کا حق نہیں' جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا بھی نہیں آتا۔ **آٹھواں فائدہ:** کوئی تدبیر موت سے نہیں بچا سکتی' موت آنی ہے اور ضرور آنی ہے' جیسا کہ اس آیت کے پورے مضمون سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** ایمان صرف زبانی اقرار کا نام نہیں' جب تک عقائد درست نہ ہوں' دیکھو رب تعالیٰ نے ان منافقوں کو کافر فرمایا' جو زبان سے ایمانیات کے اقراری تھے (کبیر)۔

پہلا اعتراض: تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں کفروا سے مراد منافقین ہیں حالانکہ وہ تو مسلمانوں میں شمار تھے' اور ان پر زندگی و موت میں اسلامی احکام جاری تھے' تو یہ تفسیر کیسے درست ہوئی؟ جواب: شریعت کا حکم ظاہر پر ہے مگر بارگاہ الٰہی میں حقیقت پر حکم ہوتا ہے' یہاں کفروا سے شرعی کفر مراد نہیں' بلکہ حقیقی کفر مراد ہے۔ دوسرا اعتراض: لاخوانھم کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ غازی مسلمان منافقین کے بھائی تھے' کیا کفار مسلمانوں کے بھائی ہیں اور کیا انہیں بھائی کہنا درست ہے؟ جواب: بھائی بہت سی قسم کے ہیں' نسبی' قومی' دینی' عملی' یہاں نسبی بھائی مراد ہیں' واقعی بعض منافقین مسلمانوں کے رشتہ میں بھائی تھے مگر محبت کے طور پر کفار و منافقین کو بھائی کہنا درست نہیں' بھائی ہونا اور ہے بھائی کہنا کچھ اور' دیکھو خاوند بیوی کا دینی قومی' وطنی بلکہ بعض صورتوں میں رشتہ کا بھی بھائی ہوتا ہے چچازاد وغیرہ' مگر اسے بھائی کہنا بیوی کے لئے درست نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت میں قالوا ماضی ہے' اور اذا ضربوا بمعنی مستقبل تو معنی کیسے درست ہوئے' اگر بجائے اذا ضربوا کے حین ضربوا ہوتا تو بہتر تھا۔ جواب: تفسیر کبیر و روح المعانی نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں' ایک یہ کہ یہ اذا بمعنی اذ ہے' لہٰذا ضربوا ماضی ہی رہا' دوسرے یہ کہ قالوا بمعنی یقولون ہے عربی میں کبھی یقینی مستقبل کو ماضی سے تعبیر کردیتے ہیں' آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان سفر یا جہاد میں جاتے ہیں' اور وہاں فوت یا شہید ہو جاتے ہیں' تو منافقین یہ کہا کرتے ہیں۔ چوتھا اعتراض: سفر کے بعد غزوہ کا ذکر کیوں کیا' غزوہ میں سفر بھی آگیا تھا کہ جہاد سفر ہی میں ہوتے ہیں؟ جواب: یہ غلط ہے' بہت دفعہ جہاد گھر میں یا گھر سے قریب ہی ہوتے ہیں' دیکھو غزوۂ خندق خاص مدینہ شریف ہی میں ہوا' اور غزوۂ احد مدینہ پاک سے بہت قریب تین میل کے فاصلہ پر ہوا' یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سفر سے مراد دنیاوی کاروباری سفر ہیں' اور غزوہ سے مراد جہاد کے سفر' اور ہو سکتا ہے ضرب فی الارض سے مراد عام سفر ہوں' اور غزی" سے مراد خاص جہاد کے سفر' چونکہ سفر جہاد تمام سفروں سے اعلیٰ ہے' اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ کیا گیا' کبیر ل آیت کا جواب بالکل واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں انسان دو قسم کے ہیں' واقفین اور سائرین۔ واقفین کو اغیار کہتے ہیں' اور سائرین کو اخیار' واقفین وہ ہیں جو دنیا پر قناعت کر گئے' اور سائرین وہ ہیں' جنہوں نے دنیا کو ایک منزل جانا' اور اپنے وطن کی طرف چلنے کی کوشش کی' ان سائرین میں بعضے طائرین ہیں' اور بعضے راجلین یعنی بعض پیدل جا رہے ہیں۔ آہستہ یا تیز' اور بعض اڑ کر' غرضکہ یہ راستہ کوئی پیروں سے طے کر رہا ہے' کوئی پروں سے' واقفین کم ہمت ہیں' وہ جب ان سائرین کے اس سفر کو دیکھتے ہیں' اور جب ان کے اس جہاد پر نظر کرتے ہیں' جو انہیں اس راستہ میں شیطان نفس اور دنیاوی الجھنوں سے کرنے پڑتے ہیں' تو کہتے ہیں' کہ یہ لوگ بلاوجہ یہ ریاضتیں مشقتیں کر رہے ہیں' کہ اگر ہماری طرح یہ بھی دنیا پر قناعت کرلیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں تو مزے سے کھائیں پئیں اور چین کریں' ان کم ہمتوں کی یہ باتیں کل قیامت میں حسرتیں ہوں گی کہ یہ لوگ سائرین کے درجات دیکھ کر کف افسوس ملیں گے کہ ہم نے بڑی غلطی کی' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے فنا فی اللہ کے ذریعہ بقا باللہ کی دائمی زندگی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے جہالت اور دوری بارگاہ کی موت دیتا ہے' اللہ تعالیٰ تمہاری ہمتوں کو بھی دیکھ رہا ہے اور کم ہمتیوں کو بھی (روح المعانی) امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا' کہ ابلیس نے زمانہ صحابہ میں اپنے شیطانی لشکر پھیلائے وہ سب نہایت

مایوس ہو کر لوٹے۔ ابلیس بولا کیا حال ہے۔ کہنے لگے کچھ نہ پوچھ ان صحابہ نے ہمیں تھکا دیا اور اپنی سیر سے باز نہ آئے' وہ بولا کہ تمہارا ان پر داؤں نہ چلے گا' یہ لوگ اپنے نبی کے صحبت یافتہ ہیں' انہوں نے وحی اترتے دیکھی جب زمانہ ء تابعین آیا' تو ابلیس نے پھر اپنے لشکر چھوڑے' وہ بولے کہ ان سے ہم گناہ تو کرالیتے ہیں مگر کریں کیا کہ شام کو یہ لوگ توبہ کر کے ہمارا کرا دھرا اکارت کر دیتے ہیں' کیونکہ ان کی توبہ سے گناہ نیکیاں بن جاتے ہیں' وہ بولا' یہ لوگ اپنی نبی کی سنت کے قلعہ میں ہیں' تم ان پر بھی کامیاب نہ ہو سکو گے' البتہ ان کے بعد ایسے مسلمان ہوں گے' جو گناہ کر کے توبہ نہ کریں گے' اپنی اکڑ کی وجہ سے تمہاری پکڑ میں آجائیں گے' تم انہیں جہاں چاہنا' لے پھرنا۔

نہ ابلیس درحق ما طعنہ زد! کزاینان نیاید بجز کار بد!
چو ملعون پسند آمدش قہر ما! خدائش بر انداخت از بہر ما
کجا سر برآریم ازیں عار و ننگ کہ با او بصلح و باحق بجنگ! (تفسیر روح البیان)

افسوس کہ رب تعالیٰ نے ہماری خاطر ابلیس کو جنت سے نکالا مگر ہم اسی ابلیس کو اپنے خانہ دل میں آباد کرتے ہیں۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

اور البتہ اگر تم قتل کیے جاؤ اللہ کے راستہ میں یا مر جاؤ البتہ بخشش اللہ کی اور مہربانی

اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت ان کے

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى

اچھی ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور البتہ اگر تم مر جاؤ یا قتل کیے جاؤ یقیناً اللہ کی طرف

سارے دھن دولت سے بہتر ہے اور اگر تم مرو یا مارے جاؤ تو اللہ ہی کی طرف

اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ہی جمع کیے جاؤ گے

اٹھنا ہے۔

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کی حوصلہ شکن گفتگو کا ذکر فرمایا گیا تھا جسے سن کر غازیوں کی ہمتیں پست ہو سکتی تھیں۔ اب رب تعالیٰ کے حوصلہ افزا وعدوں کا تذکرہ ہے' جسے سن کر غازیوں کی اور ہمت بڑھ جائے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کی بکواس کا ایک جواب دیا گیا تھا کہ موت و حیات اللہ کے قبضہ میں ہے' سفر یا گھر' میدان جہاد یا گھر کی کوٹھڑی اس میں فرق نہیں کر سکتی' اب ان کی اسی بکواس کا دوسرا جواب دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ کی موت دوسری موتوں سے افضل ہے' یہ بے وقوف اعلیٰ نعمت پانے والوں پر حسرت کر رہے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ ان کی گفتگو کے دو جواب دیئے گئے ایک جواب پچھلی آیت میں اور دوسرا جواب جو اس سے اعلیٰ ہے اس آیت میں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ سب کی زندگی اور موت اللہ کے قبضہ میں ہے اب موت کی ایک اعلیٰ قسم کا ذکر ہو رہا ہے یعنی اللہ کی راہ میں موت گویا موت کا عمومی حال بیان فرمانے کے بعد اس کی خصوصی صفت کا ذکر ہو رہا ہے بہرحال یہ آیت گزشتہ آیت سے پورا تعلق رکھتی ہے۔

تفسیر: **ولئن قتلتم فی سبیل اللہ** لئن کلام قسمیہ اور **ان** شرطیہ لہٰذا اس کے بعد جواب قسم کی بھی ضرورت ہے اور جزاء کی بھی قتلتم میں مسلمانوں سے خطاب ہے کیونکہ جہاد وغیرہ نیک اعمال مسلمان ہی کے لئے مفید ہیں اللہ کی راہ سے مراد جہاد ہے جیسا کہ اس موقعہ سے معلوم ہو رہا ہے یعنی اے مسلمانو! اگر تم جہاد میں شہید کر دیئے جاؤ **او متم** نافع حمزہ اور امام کسائی کی قرات میں **متم** میم کے کسرہ سے ہے باب سمع یسمع کا ماضی ان کے ہاں موت اسی باب سے ہے **مات یمات موتا** جیسے **خاف یخاف خوفا** مبرد نے بھی اسے نقل کیا ہے مگر جمہور کی قرات **متم** میم کے پیش سے ہے **مات یموت موتا** جیسے **قال یقول قولا** یہاں موت سے مراد غیر شہادت کی موت ہے کیونکہ شہادت کا ذکر تو ابھی ہو چکا خیال رہے کہ اس موت سے مراد بھی اللہ کی راہ میں موت ہے جو اللہ کا کام کرتے کرتے آئے (کبیر بیضاوی مدارک اور روح البیان وغیرہ) عبادت کرتے ہوئے ذکر الٰہی کرتے ہوئے علمی خدمات دینی خدمات کرتے ہوئے مرنا سب اللہ کی راہ میں موت ہے **لمغفرۃ من اللہ و رحمتہ** یہ جملہ جواب قسم ہے نہ کہ جزائے شرط اسی لئے اس پر لام آیا **ف** جزائیہ نہ آئی جزائے شرط پوشیدہ ہے **غفرتم و رحمتم** مغفرت کے معنی ہیں گناہ بخش دینا سزا نہ دینا اور رحمت سے مراد ہے کچھ انعام دے دینا چونکہ بخشش پہلے ہے اور رحمت بعد میں اس لئے بخشش کا ذکر پہلے ہوا ظاہر یہ ہے کہ مغفرت اور رحمت دونوں کی تنوین تقلیل کی ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی تھوڑی بخشش اور تھوڑی سی رحمت بھی **خیر مما یجمعون** ہماری قرات **یجمعون** ی سے ہے غائب کا صیغہ جس کا فاعل کفار و منافقین ہیں **ما** سے مراد ان کے مال دولت سلطنت جائیدادیں اور سارے اعمال ہیں کہ اگلی چیزیں وہ دنیا کے لئے جمع کرتے ہیں اور اعمال آخرت کے لئے ان سب سے مومن کی شہادت و موت افضل بعض قراتوں میں **تجمعون** ت سے ہے خطاب مسلمانوں سے اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ **ما** سے مراد دنیاوی مال و دولت آرائش و آسائش ہے نہ کہ اخروی اعمال کیونکہ مومن کے بعض اعمال ایمان معرفت الٰہی محبت مصطفوی شہادت سے بھی افضل ہے **و لئن متم او قتلتم** اس جملہ میں بھی وہی تحقیق ہے جو ابھی **لئن قتلتم** کی تفسیر میں کی گئی چونکہ قتل فی سبیل اللہ موت فی سبیل اللہ سے افضل ہے اس لئے پہلی آیت میں قتل کا ذکر موت سے پہلے ہوا اور چونکہ موت قتل سے زیادہ ہوتی ہے اور عام قتل موت سے کچھ افضل نہیں اس لئے یہاں موت کا ذکر پہلے ہوا اور قتل کا بعد میں **لا الی اللہ تحشرون** یہ جملہ بھی لئن کا جواب قسم ہے **تحشرون** حشر سے بنا بمعنی جمع ہونا یا جمع کرنا **لا الی اللہ** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی تم دنیا سے کیسے ہی جاؤ معمولی موت سے یا قتل کے ذریعہ تم سب کو جمع رب تعالیٰ کی بارگاہ ہی میں ہونا ہے اس دن رب تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کی راہ میں دنیا سے جاؤ تاکہ وہاں درجات پاؤ۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم منافقین و کفار کے بزدلانہ اور ہمت ہاری باتوں پر دھیان نہ دو بجائے دنیا جمع کرنے کے رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرو قسم ہے اسی کے وجہ کریم کی کہ اگر تم جہاد میں مارے گئے یا اللہ کی راہ میں رب تعالیٰ کا کام

کرتے ہوئے اپنے بستر ہی پر مرگئے‘ تو تم بخشے بھی جاؤ گے اور تم پر رحم بھی کیا جائے گا اور یقین رکھو کہ رب تعالیٰ کی تھوڑی بخشش اور تھوڑی مہربانی بھی ان سارے کفار کے سارے جمع کردہ مال‘ دھن دولت‘ ملک وغیرہ سے بہتر ہے‘ لٰہذا وہ اگر بہت جئیں اور بہت کچھ جمع کرلیں‘ اور تم تھوڑا ہی کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤ یا اللہ کی راہ میں مارے جاؤ اور دھن دولت جمع نہ کرو‘ تو نفع میں تم ہی ہو نہ کہ وہ‘ چند وجوہ سے (1) ایک یہ کہ مال جمع کرنے میں مشقت تو یقیناً ہے مگر اس سے نفع حاصل کرنا غیر یقینی‘ ممکن ہے کہ کل مال رہ جائے تم نہ رہو‘ لیکن رب تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت یقیناً تمہیں نفع دیدے گے‘ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ** ”مال بے وفا ہیں‘ رحمت ذوالجلال باوفا“ تم بے وفا کی محبت میں وفادار کو کیوں چھوڑتے ہو۔ (2) دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ تم رہو مگر مال نہ رہے‘ بہت دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان آج امیر ہے کل فقیر اور پرسوں امیر‘ رب تعالیٰ کی رحمت کا یہ حال نہیں‘ وہ تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑے گی‘ خود فرماتا ہے **ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق**۔ (3) تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تم بھی رہو اور مال بھی رہے‘ مگر نفع حاصل نہ کر سکو‘ دیکھا گیا ہے کہ لکھ پتی لوگ ایسی بیماری میں پھنس جاتے ہیں کہ ایک لقمہ نہیں کھا سکتے‘ آخرت کی رحمتیں ایسی نہیں۔ (4) چوتھے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تم ان سے نفع بھی حاصل کرلو‘ مگر دنیا کی لذتیں تکلیف سے مخلوط ہیں‘ یہاں کے پھول کانٹوں سے گھرے ہوئے ہیں‘ آخرت کے نفعے خالص ہیں۔ (5) پانچویں یہ کہ مان لو کہ کچھ دیر کے لئے دنیا میں نفع خالص بھی مل جائے‘ مگر وہ باقی نہیں فانی ہے‘ آخرت کی نعمتیں باقی۔ (6) چھٹے یہ کہ دنیا کے نفعے حسی اور خسیس ہیں‘ آخرت کے نفعے عقلی اور شریف ہیں‘ یہاں کے پیٹ بھرنے کی لذت دیدار الٰہی اور قرب مصطفوی کی لذتوں سے کچھ نسبت ہی نہیں رکھتی‘ اتنے فرق ہوتے ہوئے جو کوئی دنیا کو آخرت پر ترجیح دے بڑا بیوقوف ہے‘ قسم ہے اسی کی ذات کریم کی کہ تم سب کو جانا رب تعالیٰ کی بارگاہ ہی میں ہے‘ خواہ شہادت کے راستے سے جاؤ یا بیداری کی موت کے ذریعہ پہنچو یا غفلت کی موت مرو یا مجرمانہ زندگی بسر کرکے پکڑے ہوئے وہاں جاؤ‘ لٰہذا بہتر ہے کہ وہاں معزز مہمان کی شکل میں جاؤ قیدی کی شکل میں نہ جاؤ ع

جانا ہے انہیں کے دوا میں چاہے اس جائی چاہے بس جائی

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** زندگی بھی تین قسم کی ہے اور موت بھی تین طرح کی رحمانی‘ نفسانی‘ شیطانی۔ رحمانی زندگی اور موت تو وہ ہے جس سے رحمان راضی ہو جائے‘ ہم نے عرض کیا ہے۔

وہی موت ہے وہی زندگی جو خدا نصیب کرے مجھے!　　کہ مرے تو انہی کے نام پر جو جئے تو ان پہ نثار ہو

نفسانی زندگی وہ جو غفلت میں گزرے‘ اس کی حقیقت یہ ہے۔

عمر گراں مایہ دریں صرف شد　　تا چہ خورم صیف چہ پوشم شتا

شیطانی زندگی اور موت وہ ہے کہ زندگی گزرے گناہوں میں‘ اور موت آئے کفر پر‘ پہلی زندگی و موت مغفرت و رحمت کا ذریعہ ہے‘ دوسری زندگی و موت حسرت و ندامت کا وسیلہ‘ اور تیسری زندگی اور موت غضب و لعنت کا سبب‘ یہ فائدہ فی سبیل اللہ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کے تمام مال و منال سے مسلمان کی غریبی اور فقیری افضل ہے کہ کفار کے گھر میں مال رہتا ہے اور مومن کے خانہ دل میں نور ذوالجلال‘ یہ فائدہ **یجمعون** غائب فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کافر کے سارے

نیک اعمال صدقہ و خیرات وغیرہ سے مومن کا شہید ہو کر مرنا یا اللہ کی راہ میں جان دینا افضل ہے' یہ فائدہ قتلتم' اور متم کے حاضر فرمانے سے حاصل ہوا' لیکن شہادت یانی سبیل اللہ موت مومن کے سارے اعمال سے افضل نہیں' دیکھو حضرات صحابہ کرام کا ایک آن جمال مصطفائی دیکھنا ہماری لاکھوں شہادتوں سے افضل ہے اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ عہد پاک مصطفوی میں مومن کی زندگی موت سے افضل تھی' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد اکثر موت زندگی سے افضل ہوتی ہے کہ اب نظارۂ یار موت کے بعد ہے' اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ایک شعر میں یہ معنے حل فرمادیا ہے کہ فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے   کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا!

یہ فائدہ بھی **یجمعون** سے ہی حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سے رحمت دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے' جیسا کہ **رحمۃ** کی تنوین سے معلوم ہوا' لہٰذا مومن' فقیر' کافر امیر بلکہ بادشاہ سے بھی افضل ہے' بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں رحمت سے مراد جنت ہے' کہ رحمت جنت کا ایک نام ہے' تو خیال کرو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن پر خدا کی بڑی ہی رحمت ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی رحمتوں کا مرکز ہیں' رب تعالیٰ خود فرماتا ہے **و کان فضل اللہ علیک عظیما**" لہٰذا کوئی شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا' نہ کسی پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی رحمت ہوگی اور نہ کوئی آپ کی مثل ہوگا' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کہتے ہیں **انا بشر مثلکم** تو کہتے ہیں' **یوحی الی** پر نظر نہیں کرتے' حالانکہ وحی الٰہی نے نبی اور غیر نبی میں زمین و آسمان کا فرق کر دیا۔ پانچواں فائدہ: سب کو بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا ہے خواہ کیسی ہی زندگی گزارے' اور خواہ کیسی ہی موت آئے' مگر حساب سب کا نہیں' چنانچہ بچے' دیوانے' بعض اولیاء اور حضرات انبیاء کرام حساب سے مستثنیٰ ہیں' غرضکہ حشر سب کے لئے ہے' حساب سب کے لئے نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ کی رحمت کفار کے جمع کئے ہوئے مال سے زیادہ بہتر ہے' کفار کا مال اچھا ہے ہی کہاں' وہ تو خبیث ہے' لہٰذا یہ آیت کیسے درست ہوئی؟ جواب: یہ کلام کفار کی سمجھ کے لحاظ سے ہے' یعنی جس دولت کو وہ اچھا سمجھے ہوئے ہیں' اور جس کی وجہ سے وہ موت سے گھبراتے اور جنگ سے جان چراتے ہیں' اس سے جہاد کی موت اور مغفرت و رحمت بہتر ہے' اور اگر **تجمعون** ت سے ہو تو معنی بالکل ظاہر ہیں کہ اے مسلمانو! تمہاری جمع کی ہوئی دولت سے رب تعالیٰ کی رحمت زیادہ اچھی ہے' کہ یہ دولت بھی رحمت ہے' اور مغفرت بھی' مگر دولت سے یہ رحمت بڑی ہے۔ دوسرا اعتراض: **مما یجمعون** سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ان کے جمع کردہ مال سے بہتر ہے تو کیا خرچ کئے ہوئے مال سے بہتر نہیں۔ جواب: کفار جمع شدہ مال کو خرچ شدہ مال سے بہتر جانتے تھے' اسی لئے جہاں تک ہو سکتا تھا مال خرچ نہ کرتے تھے' اور خرچ کرتے بھی تھے تو بہت خساست سے جیسا کہ اب بھی ہندوؤں کو دیکھا جاتا ہے' جب رب تعالیٰ کی رحمت ان کی جمع شدہ دولت سے بہتر ہوئی تو خرچ شدہ سے تو بدرجۂ بہتر ہوگی۔ تیسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ اگر تم مرگئے یا مار دیئے گئے' تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کئے جاؤ گے' کیا موت و قتل حشر کی شرط ہے کہ اس کے بغیر حشر ہی نہ ہو۔

جواب: جی ہاں شرط ہے جیسے موت کے لئے یہ زندگی شرط ہے کہ اس کے بغیر موت آسکتی ہی نہیں' ایسے ہی اس زندگی یعنی حشروغیرہ کے لئے موت شرط ہے کہ جب تک ایک متنفس زندہ ہے' قیامت یعنی حشر نہ ہو گا' قیامت سے پہلے سب کو مار دیا جائے گا۔ **چوتھا اعتراض:** **الی اللہ** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا' اس میں کیا حکمت ہے؟ **جواب:** اس کی حکمت تفسیر میں عرض کردی گئی' کہ اگرچہ دنیا میں بھی سارے بندے رب تعالیٰ کے روبرو حاضر ہیں اور اس کے قبضہ میں ہیں' مگر یہاں اور بھی ظاہری حکام ہیں جن کی طرف حاجت مند حاجت روائی کے لئے رجوع کرتے ہیں' مگر قیامت میں یہ ظاہری سارے ختم ہو جائیں گے' ہر شخص کو صرف رب تعالیٰ سے ہی واسطہ ہو گا' حضرات انبیاء اس کی بارگاہ میں سفارشی ہوں گے' خود فیصلہ نہ فرمائیں گے' حاکم وہی ہو گا' بہرحال اس حصر میں بڑے فوائد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بندوں کی عبودیت تین قسم کی ہے بعض وہ ہیں جو عذاب کے ڈر سے عبادت کرتے ہیں' اور بعض وہ ہیں جو جنت کی امید میں اطاعت کرتے ہیں' غرضکہ عبادت خوف کی بھی ہوتی ہے' ذوق کی بھی اور شوق کی بھی' اس آیت کریمہ میں تینوں عبادتوں کا ذکر ہے اور تینوں جماعتوں کا تذکرہ' چنانچہ خوف والوں کے لئے فرمایا گیا **لمغفرة من اللہ** اور ذوق والوں کے لئے ارشاد ہوا **و رحمة** شوق والوں کے لئے فرمایا گیا **لا الی اللہ تحشرون** جس قسم کا آدمی ہو' اسی قسم کی عبادت سے فائدہ اٹھائے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں' دنیا زاد المعاد ہے یعنی مسافر کے راستہ کا توشہ' جو مراد کو پہنچ گیا' اسے زاد کی ضرورت نہیں' اس آیت میں یہی ارشاد ہوا ہے کہ مسافرو! زاد میں پھنس کر مراد کو نہ بھول جانا۔ مبارک ہے وہ بندہ جس کی مراد ذات الٰہی ہو' نہ دوزخ سے بچنا' نہ جنت حاصل کرنا' جس سے رب تعالیٰ راضی ہو گیا' اسے یہ سب کچھ خود ہی مل جائے گا۔

حکایت: عیسیٰ علیہ السلام عابدین کی ایک جماعت پر گزرے' جن کے بدن مشقت عبادت کی وجہ سے کمزور تھے اور چہرے پیلے' فرمایا تم عبادت سے کیا چاہتے ہو' وہ بولے' عذاب الٰہی سے پناہ' فرمایا رب تعالیٰ تمہیں اس سے پناہ دے' دوسری جماعت پر گزرے' جن میں یہی آثار عبادت تھے' فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟ وہ بولے' جنت و رحمت' فرمایا خدا تعالیٰ تمہیں نصیب کرے' تیسری جماعت پر گزرے' جن پر آثار عبادت پہلوں سے زیادہ تھے' پوچھا تم کیوں یہ مشقتیں کر رہے ہو؟ وہ بولے' اس لئے کہ ہم ہیں بندے' وہ ہے رب' بندے کا حق ہے مولیٰ کو راضی کرنا' ہم صرف اس کی رضا چاہتے ہیں نہ جہنم سے پناہ' نہ جنت کا حصول' آپ نے فرمایا کہ مخلص عابد تم ہی ہو' حافظ فرماتے ہیں۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ‌ ‌ ‌ ‌ که خواجه خود روش بنده پروری داند

یعنی رب تعالیٰ کی عبادت کرو' مزدوری نہ کرو' رب تعالیٰ سے دعائیں کرو' اسے رائے نہ دو' اس نے تم جیسے کروڑوں پالے ہیں' اسے بندہ پروری خوب آتی ہے' سر کا قبلہ بیت اللہ ہے' دل کا قبلہ رضاء اللہ ہونا چاہئے' جب ان دو قبلوں کا اجتماع ہو گا' تو عبادت مجمع قبلتین ہو گی' اور وہ بندہ مجمع بحرین ہو گا' اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنائے' اور ایسی جامع عبادت نصیب کرے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

پس بوجہ اللہ کی رحمت کے نرم ہوئے ان کے لئے اور اگر ہوتے آپ تیز مزاج سخت دل تو وہ ضرور بکھر

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے

مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ

جاتے آپ کے پاس سے لہذا آپ انہیں معافی دے دو اور معافی مانگو ان کے لئے اور مشورہ فرماؤ ان

تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

سے کاموں میں پھر جب مصمم ارادہ کرلو تو بھروسہ کرو اللہ پر بے شک اللہ پسند کرتا ہے توکل کرنیوالے کو

میں ان سے مشورہ کرو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان غازیان احد کی معافی کا اعلان فرمایا جن کے قدم میدان سے اکھڑ گئے' اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سفارش فرمارہا ہے کہ ہم نے تو انہیں معاف فرمادیا' اے محبوب تم بھی انہیں معاف فرمادو گویا پہلے معافی دینے کا ذکر تھا' اب معافی دلوانے کا۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے غازیان احد پر خصوصاً" اور عام مسلمانوں پر عموماً" اپنے احسانات کا ذکر فرمایا اب ایک اور احسان کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ انہیں ایسے رحمت والے نبی کی امت بنایا' جو اپنے مجرموں' خطاکاروں پر کبھی غصے ہوتے ہی نہیں' کریم ہیں رحیم ہیں' گویا فرمایا گیا کہ مسلمانوں تم دو کریموں کے درمیان ہو' تمہارا بیڑا پار ہے۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم   صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

تیسرا تعلق: گذشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے اپنی حمد فرمائی کہ ہم غفور ہیں رحیم' ہم نے احد والے غازیوں کو بالکل معافی دیدی' اب اپنے محبوب کی نعت خوانی فرماتا ہے کہ ہمارے حبیب نرم دل' نیک خصلت ہیں' گویا پچھلی آیتوں میں حمد الٰہی کا ذکر تھا' اور اب نعت مصطفوی کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے ان نعمتوں' رحمتوں کا ذکر فرمایا جو صحابہ پر کی گئیں' اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائی گئیں' گویا پہلے صحابہ کرام کے مناقب کا ذکر تھا' اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا تذکرہ ہے۔ خیال رہے کہ حمد الٰہی اور مناقب اولیاء تمام کا تتمہ نعت مصطفوی ہے' جو حمد یا جو منقبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے خالی ہو وہ ناقص بلکہ غیر مقبول ہے۔

شان نزول: حضرت عثمان ابن عفان کی زوجہ بعد غزوۂ احد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں' اور اپنے خاوند حضرت عثمان پر ناراضی کا اظہار فرما کر بولیں' کہ عفان کے فرزند نے یہ کیا' کیا وہ آئندہ کسی امامت اور کلیدی عہدے کے لائق نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ اس وقت اپنے ہتھیار دھو رہے تھے'

حضرت علی نے ان بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ آج ہم کو عثمان نے رسوا کردیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بزرگوں کو حضرت عثمان کے برا کہنے سے منع فرمایا' فرمایا مہ مہ یعنی بس بس آگے کچھ نہ کہنا' جب حضرت عثمان اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جو آپ کے ساتھ بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں دیکھ کر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ **لقد ذھبتم فیھا عریضۃ"** بھائی تم اس دن بہت ہی دور چلے گئے۔

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام!

اس آیت کریمہ میں یہ واقعہ مذکور ہے' اور رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خلق کریمانہ' اخلاق حمیدہ کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب یہ اخلاق بے مثال رب تعالیٰ کی رحمت ہیں (کبیر وغیرہ)۔

تفسیر: **فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم** اس جملہ میں **ف** ترتیب کے لئے ہے' تاکہ معلوم ہو کہ اس جملہ کا مضمون گذشتہ مضمون پر مرتب ہے' اجنبی نہیں' **ب** سببیہ ہے' اور **لنت** کا متعلق مقدم ہے' اس تقدیم سے حصر کا فائدہ ہوا' **فبما** کا **ما** یا تو زائدہ ہے' جیسے **عما قلیل** اور **جند ما ھنالک** اور **فبما نقضھم** اور **مما خطیئتھم** وغیرہ آیات میں **ما** زائد ہے' چونکہ قرآن شریف زبان عربی میں ہے' اور اہل عرب تاکید کے لئے کبھی کچھ حروف زائدہ بھی استعمال کرتے ہیں' لہذا قرآن کریم میں حرف زائدہ بھی ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما ان جاء البشیر** دیکھو یہاں **ان** زائدہ ہے' اور ہو سکتا ہے کہ ما نکرہ یہ ہو بمعنی **شی** یا **ما** استفہامیہ ہو' اور استفہام تعجب کے لئے **رحمۃ** کی تنوین تعظیم کی ہے' جس کے معنی ہیں بہت بڑی رحمت' **من اللہ** کا **من** ابتدائیہ ہے' **لنت** **لین** سے بنا بمعنی نرمی' اس کا مقابل ہے خشونت یعنی سختی' اگرچہ لین اور خشونت جسم کی نرمی و سختی کو کہتے ہیں' مگر اخلاق و طبیعت کی نرمی سختی پر بھی بول دیا جاتا ہے (لسان العرب) یعنی اے محبوب اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت کے سبب تم اپنے ان غلاموں کے لئے نرم ہو گئے یا بہت شاندار رحمت کی وجہ سے' یا تعجب ہے کہ کیسی رحمت کی وجہ سے تم ان پر نرم ہو گئے' خیال رہے کہ یہاں رحمت الٰہی سے مراد یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت ہے یا امت پر رحمت یعنی آپ پر یا آپ کی امت پر رب تعالیٰ کی بڑی ہی رحمت ہے کہ آپ ان پر نرم ہیں' گویا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر نرم ہونا رب تعالیٰ کی عنایت بے غایت ہے' ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کریم ہیں رب تعالیٰ کے فضل سے **ولو کنت فظا" غلیظ القلب** یہ علیحدہ جملہ ہے' جس میں نرمی اخلاق کے فوائد بتائے گئے' **فظ** اصل میں **فظظ** تھا بمعنی کلام سخت (لسان العرب) یا سخت عادت والا کریہہ الخلق (غیاث) غلیظ **غلظ** سے بنا' غلظت و خشونت قریبا" ہم معنی ہیں یعنی سختی' بعض نے فرمایا کہ فظ وہ بد خلق ہے' جو دوسروں سے سختی سے پیش آئے' اور غلیظ القلب وہ ہے' جس کا دل دوسروں کی مصیبت پر نہ دکھے' دوسرے کے لئے اس کے دل میں رقت و ہمدردی نہ ہو' امام کلبی نے فرمایا کہ فظ اقوال میں سختی کا نام ہے' اور غلیظ القلب افعال میں سختی کا نام دوسرا پہلے کا سبب ہے کہ جب دل سخت ہوتا ہے تو باتیں بھی کرخت نکلتی ہیں **لا نفضوا من حولک**' **لانفضو** **فض** سے بنا بمعنی بکھر جانا' کسی چیز کا ٹوٹ کر اس کے اجزاء الگ الگ ہو جانا' کہا جاتا ہے **انفض القوم** قوم بکھر گئی یعنی اس کے افراد منتشر ہو گئے' (غیاث) لسان العرب میں ہے کہ فض کے معنی ہیں' لوگوں کے حلقہ کو ان کے

اجتماع کے بعد پراگندہ کر دینا یعنی یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے الگ الگ ہو جاتے 'بکھر جاتے **فاعف عنهم و استغفر لهم و شاورهم فی الامر** اس جملہ میں رب تعالٰی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں کا حکم دیا معافی یعنی اپنے حقوق کی معافی دینا اس سے درگزر کرنا' استغفار حقوق اللہ کے متعلق' رب تعالٰی سے ان کی معافی کی درخواست کرنا اور آئندہ انہیں اپنے دامن کرم میں رکھنا اپنی مجالس میں ان سے مشورے کرنا تاکہ انہیں یہ محسوس نہ ہو کہ اس خطا کی وجہ سے ہم بارگاہ عالیہ سے علیحدہ کر دیئے گئے 'خیال رہے کہ **شاور** کا مصدر **مشاورة** ہے شور سے بنا' شور کے معنی ہیں چھتے سے شہد نکالنا' کہا جاتا ہے **شرت العسل** یا جانور پر اس کا قیام گاہ پیش کرنا اسی لئے اصطبل کو عربی میں مشوار کہتے ہیں (کیسا) رائے لینے کو مشورہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے دوسروں کے دل کی بات معلوم کی جاتی ہے' دلی خیالات نکلوائے جاتے ہیں' بعض نے فرمایا کہ یہاں مشورہ سے مراد آئندہ جنگوں' جہادوں میں مشورہ لینا ہے مگر حق یہ ہے کہ ہر مشورہ مراد ہے کیونکہ آیت میں مشورہ کے ساتھ کوئی قید کور نہ ہوئی' یعنی اے محبوب ان حضرات کو اپنے حقوق کی معافی دو اور حقوق اللہ کی معافی کے لئے ہم سے ان کی سفارش و شفاعت فرماؤ اور گذشتہ کی طرح پھر انہیں اپنا ہم نشین اور مشیر کار بناؤ' غرضکہ اس واقعہ کی بنا پر ان کے قرب حضوری میں کوئی فرق نہ آئے۔ خیال رہے کہ معافی اور استغفار تو ان سارے صحابہ کے لئے ہے' مگر مشورہ میں شریک فرمانا اہل الرائے صحابہ کے لئے ہے' کہ مشورہ ہر شخص سے نہیں کیا جاتا' اور ان امور میں مشورہ مراد ہے جو قابل مشورہ ہوں' احکام قرآنیہ یا احکام نبویہ میں مشورہ مراد نہیں' کہ یہ چیزیں مشورہ کے لائق نہیں **فاذا عزمت فتوكل على الله** عزم کے معنی ہیں عقد قلبی یعنی دل کا پختہ ارادہ' اسی لئے سخت جنگجو کو عزوم کہا جاتا ہے' حضور غوث پاک فرماتے ہیں **عزوم قاتل عند القتال** توکل کے معنی بارہا بیان ہو چکے' کہ توکل اپنا کام دوسرے کے سپرد کر دینے کو کہتے ہیں' اسی سے ہے وکیل یعنی اے محبوب جب آپ مشورہ وغیرہ کے بعد کسی کام کا مصمم ارادہ فرمالیں' تو رب تعالٰی پر بھروسہ کریں' نہ اپنی قوت پر' نہ دوستوں کی جماعت پر یعنی تدبیر کے بعد تقدیر پر صابر و شاکر رہیں' امر الٰہی کا انتظار فرمائیں **ان الله يحب المتوكلين** یہ جملہ توکل کی وجہ ہے' یعنی توکل اس لئے کریں کہ توکل رب تعالٰی کو پیارا ہے' اور متوکل لوگ رب تعالٰی کو محبوب' اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے محبوبوں کو دشمنوں کے حوالہ کر دیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا! کہ در دست دشمن گذارد ترا

لہذا آپ جہاد وغیرہ میں توکل کے ہتھیار ضرور ساتھ رکھیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالٰی نے غازیان احد جن کے میدان میں قدم اکھڑ گئے تھے' ان کی ہمت افزائی' بلکہ عزت افزائی کے لئے اپنی معافی کا دوبارہ اعلان فرما کر' اور کفار کے جوابات دے کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف فرما کر ان کے متعلق تین باتیں بیان فرمائیں' فرمایا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر یا آپ کی امت پر اللہ تعالٰی کی بڑی ہی رحمت ہے' کہ آپ قدرتی طور پر ان حضرات پر بہت ہی نرم دل واقع ہوئے' کہ جنگی حالات میں حکم سے سرتابی کرنے والے سپاہیوں کو نرم سے نرم بادشاہ و سلاطین بھی سخت سے سخت سزائیں دیتے ہیں' خصوصاً جبکہ ان کی غلطی سے سخت نقصان بھی پہنچا ہو' مگر آپ بفضلہ تعالٰی ایسے رؤف ہیں' ایسے رحیم و کریم ہیں کہ احد کی جنگ سے چلے جانے والے صحابہ پر بھی آپ نے کوئی سختی نہ کی'

حالانکہ ان کی اس غلطی سے جنگ کا نقشہ بھی بدل گیا' آپ کو بھی تکالیف پہنچیں' یہ وقت سخت سزا دینے کا تھا' مگر آپ نے اس وقت بھی کرم ہی سے کام لیا' اگر آپ سخت زبان یا سخت دل ہوتے' تو لوگ آپ پر ایسے فدا نہ ہوتے' سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے' لہٰذا اب ہم ان سب کی سفارش فرماتے ہیں' کہ آپ کو جو کچھ تکالیف پہنچیں انہیں معاف فرما دو' اور ان کے بھاگ جانے پر جو کچھ دین کا نقصان ہوا اس کی در گزر کے لئے ہم سے شفاعت کرو' تاکہ ہم بھی انہیں مزید معافی دے دیں' اور ان کے درجے بڑھا دیں' اور اس بار جو ان سے غلطی رائے ہوئی' اس سے انہیں منصب وزارت سے علیحدہ نہ کرو' بلکہ پہلے کی طرح آئندہ بھی انہیں اپنے مشوروں وغیرہ میں شریک رکھو' ہر قابل مشورہ چیز میں ان سے مشورے لو' اور جب مشورہ وغیرہ کے بعد کسی کام کا پختہ مصمم ارادہ فرمالو' تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو' نہ اپنی قوت پر' نہ ان کے مشوروں پر' اور پھر جو قدم اٹھ چکا ہے' اسے پیچھے نہ کرو' کیونکہ توکل کرنے والے رب تعالیٰ کو پیارے ہیں' اور پیارے دشمنوں کے حوالے نہیں کئے جاتے تو تم کیسے مغلوب ہو گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے اور صفات عالیہ میں کمال بخشا ہے' ایسے ہی نرمی طبیعت' اعلیٰ گفتار' خوش خلقی میں بھی کمال بخشا ہے' تفسیر کبیر نے یہاں فرمایا' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قوت نظری میں **نور علی نور** ہیں اور یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں ہے (کہ **نور علی نور**) اور قوت عملی میں انتہائی کمال کو پہنچے ہوئے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انک لعلی خلق عظیم** گویا آپ جسماً بشر اور روحاً فرشتہ ہیں' اسی لئے شہوت' غضب' حب مال اور حب جاہ سے آپ کی طبیعت پاک متاثر نہیں ہوتی (تفسیر کبیر) یہ فائدہ **لنت** الخ سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: نرمی دل اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے جو اس کے کرم ہی سے ملتی ہے' انسان فقط اپنی کوشش سے یہ وصف حاصل نہیں کر سکتا' جیسا کہ **فبما رحمۃ** سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: کسی کی طرف لوگوں کا میلان اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے' اور لوگوں کی نفرت خدا تعالیٰ کا عذاب جیسا کہ **لا نفضوا** الخ سے معلوم ہوا' اللہ والوں کی قبروں پر ہجوم' میلے لگے رہتے ہیں' یہ ان کی قبولیت کی علامت ہے۔ چوتھا فائدہ: حقوق العباد بندے ہی کے معاف کرنے سے معاف ہو سکتے ہیں' جیسا کہ **فاعف عنہم** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کے غضب سے پناہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلہ سے حاصل ہو سکتی ہیں' جیسا کہ **واستغفرلهم** سے معلوم ہوا' جب رب تعالیٰ اپنے بندوں کو معافی دینا چاہتا ہے' تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے فرماتا ہے **واستغفرلهم** ان کے لئے ہم سے معافی مانگو' معلوم ہوا کہ دروازۂ عطاء جناب مصطفیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ چھٹا فائدہ: غازیان احد جن کے قدم میدان سے اکھڑ گئے تھے بڑی ہی شان والے ہیں' کہ رب تعالیٰ نے پہلے تو اپنی معافی کا اعلان کیا' پھر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تم بھی انہیں معاف فرما دو' جنہیں اللہ بھی معاف کر دے اور اس کا رسول بھی' اس کی عظمت کا کیا پوچھنا۔ ساتواں فائدہ: حقوق اللہ کوئی بندہ معاف نہیں کر سکتا' اسی لئے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عفو کے بعد استغفار کا حکم دیا' یعنی اے حبیب اپنے حق تم معاف کرو' اور حقوق اللہ کے متعلق ہماری بارگاہ میں ان کی شفاعت فرماؤ۔ آٹھواں فائدہ: بڑا چھوٹے سے سفارش کر سکتا ہے' دیکھو اللہ تعالیٰ نے رب ہو کر اپنے حبیب سے خطا کاروں کی سفارش فرمائی' مگر اس کا نام سفارش ہو گا نہ کہ شفاعت ہو گا لہٰذا

رب تعالیٰ کو شفیع نہیں کہہ سکتے' وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے عرض کیا' یارسول اللہ میں رب تعالیٰ کو آپ کی بارگاہ میں شفیع لاتا ہوں' تو سرکار اس پر بہت ناراض ہوئے' اس کی یہی وجہ تھی' لہٰذا وہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔ نواں فائدہ: اہم کاموں میں مشورہ لینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور حکم خداوندی بھی مشورے سے کام کرنے والا نادم نہیں ہوتا۔ دسواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد جائز تھا جیساکہ **شاورهم** سے معلوم ہوا' کیونکہ مشورے میں ہر شخص اپنے اجتہاد سے ہی رائے دے گا۔ گیارھواں فائدہ: صحابہ کرام بڑی ہی عظمتوں کے مالک ہیں کہ رب العالمین نے انہیں اپنے حبیب کا مشیر بنایا' یہ دونوں فائدے تفسیر روح المعانی نے بیان کئے' اسی روح المعانی میں بروایت حاکم و بیہقی حضرت ابن عباس سے۔ سند صحیح روایت ہے کہ آیت **وشاورهم** میں حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم مراد ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان دو بزرگوں کے مشورہ سے کام کیا کریں' فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس چیز پر ابوبکر و عمر جمع ہو جائیں' تو میں اس کی مخالفت کبھی نہ کروں گا (احمد) اور فرمایا کہ جس پر یہ دونوں جمع ہو جائیں' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے' یہ تمام فائدے تفسیر روح المعانی وغیرہ میں مصرح ہیں۔ بارھواں فائدہ: مشورے اور اسباب پر عمل توکل کے خلاف نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے پہلے اپنے حبیب کو مشورہ کا حکم دیا' پھر توکل کا تیرھواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ خوب سوچ سمجھ کر کسی کام میں قدم رکھے اور جب قدم رکھ دے پھر پیچھے نہ ہٹائے' جیساکہ **فاذا عزمت** لخ سے معلوم ہوا بغیر سوچے ہر کام شروع کر دینا' پھر فوراً اسی چھوڑ دینا سخت غلطی ہے استقامت کے بغیر حکمرانی' تجارت' جہاد کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ چودھواں فائدہ: خوش خلقی بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے' افسوس کہ آج ہم مسلمان رفع یدین' آمین بالجہر پر ان کو سنت جان کر جھگڑا کرتے ہیں اور جھگڑوں میں آپے سے باہر ہو کر اخلاق محمدی کو طاق میں رکھ دیتے ہیں' یہ نہیں سوچتے کہ اخلاق کا یہ تو اعلیٰ تو سنت ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نرمی دل اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے' مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **واغلظ علیهم** اے محبوب ان پر خوب سختی کرو اور مسلمانوں کو حکم دیتا ہے **و لیجدوا فیکم غلظة**' ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں مسلمانوں پر نرمی کا ذکر ہے' اور ان آیات میں جنگجو کفار و منافقین پر سختی کا حکم ہے مسلمانوں پر نرمی اچھی ہے' کفار پر سختی ضروری' سانپ کا سر کچل دو' مفید جانوروں کی پرورش کرو اس کی تفسیر وہ آیت ہے **اشداء علی الکفار رحماء بینهم**۔ دوسرا اعتراض: اگر کفار پر سختی اچھی چیز ہے تو رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے کیوں فرمایا تھا **فقولا له قولا" لینا"** تم دونوں فرعون سے نرم گفتگو کرنا' فرعون بھی تو کافر تھا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام میں فرعون پر سختی کرنے کی طاقت نہ تھی' کفار پر سختی طاقت حاصل ہونے پر کی جاتی ہے' دیکھو ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پہلے حکم دیا گیا کہ جاہلوں سے چشم پوشی کرو ان سے درگزر کرو' کیوں؟ اس لئے کہ اس وقت جہاد کی قوت نہ تھی' بعد ہجرت جب اسباب جمع ہو گئے' تو جہاد کا حکم دیا گیا' دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی ہیں انہیں نرم کیا گیا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جمالی رسول ہیں' رحمت والے' کرم والے پیغمبر ہیں کہ طائف میں پتھر مارنے والوں کو رحمت کی دعائیں دیتے ہیں' انہیں فرمایا گیا محبوب کچھ تو سختی کرو' غرضکہ یہ مختلف احکام

مختلف طبیعتوں کے لحاظ سے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دل میں ایمان نہ تھا اور نہ وہ ایمان کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے' بلکہ فقط اپنے ذاتی فائدوں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے فائدے اٹھانے کے لئے آپ کے گرد جمع ہو گئے تھے' دیکھو رب تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اگر آپ سخت دل ہوتے' تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ **جواب الزامی:** تو یہ ہے کہ پھر حضرات اہل بیت کے ایمان کی بھی خیر نہیں کیونکہ یہاں کسی کا استثناء نہیں کیا گیا کہ سوائے فلاں فلاں چار پانچ شخصوں کے باقی سب بھاگ جاتے' **جواب تحقیقی:** یہ ہے کہ یہاں **لا نفضوا** کے معنی یہ نہیں جو تم سمجھے' بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر آپ اتنے بڑے اخلاق کے مالک نہ ہوتے' تو یہ حضرات آپ کے پاس اول سے آتے ہی نہ' اور جب آتے نہ تو ہدایت بھی نہ پاتے' اور آپ کے بھیجنے کا منشاء ہی فوت ہو جاتا' اور آجانے کے بعد بھی جب ان سے کوئی خطا سرزد ہو جاتی' تو خوف کی وجہ سے آپ کی بارگاہ میں حاضری کی ہمت ہی نہ کرتے' جب انہوں نے آپ کے عفو و کرم کو آزمالیا' تو ہزار دفعہ خطاء کر کے آپ کے دامن سے ایسے لپٹتے ہیں جیسے خطاوار بچہ اپنی ماں سے لپٹتا ہے' تمہاری شان تو یہ ہے۔

کر کے تمہارے گناہ' مانگیں تمہاری پناہ — تم کہو دامن میں آ' تم پہ کروڑوں درود!
چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف — تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا!

ان حضرات صحابہ نے اسلام کی خاطر وہ سختیاں برداشت کیں' جس کی مثال آسمان و زمین نے نہ دیکھی' انہی کی جانبازیوں اور سرفروشیوں کے صدقے میں ہم مسلمان نظر آرہے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** جب ان غازیان احد کی معافی کا رب تعالیٰ نے اعلان فرمادیا' تو پھر کیوں کہا کہ آپ ان کے لئے ہم سے معافی مانگیں۔ **جواب:** **استغفر لهم** میں اس خطا کی معافی مراد نہیں' وہ تو پہلے ہی ہو چکی' بلکہ اور خطاؤں کی معافی مراد ہے' کہ خدایا ان سے آئندہ جو بھی خطائیں ہوں انہیں معاف فرمادیا کرنا۔ **پانچواں اعتراض:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام سے مشورہ کی کیا ضرورت تھی' آپ تو صاحب وحی ہیں' جو چاہیں رب تعالیٰ سے پوچھ لیں۔ **جواب:** کام دو قسم کے ہیں دینی اور دنیاوی' دینی کام پھر دو قسم کے ہیں' منصوص اور اجتہادی' منصوص احکام میں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے مشورہ نہ فرماتے تھے' بلکہ جو حکم الٰہی آتا' عمل کرتے اور کراتے تھے' اجتہادی احکام میں اختلاف ہے' بعض علمائے کے ہاں اس میں مشورہ نہیں' بلکہ سرکار اپنے اجتہاد پر عمل فرماتے تھے' مگر بعض علماء کے نزدیک اس میں مشورہ کرنا جائز تھا' رہے دنیوی امور' نکاح شادی یا نوعیت جنگ' اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مشورے کئے' چنانچہ بدر کے قیدیوں' غزوۂ خندق کی نوعیت احد کے دفاع میں سرکار نے مشورے کئے ہیں' ان مشوروں میں ان حضرات کی عزت افزائی تھی' اور ہم لوگوں کو مشورے کی تعلیم' ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل تمام جہان سے اعلیٰ اور کامل ہے' خود رب تعالیٰ نے خلیفۃ اللہ پیدا فرماتے وقت فرشتوں سے مشورہ کیا' اسی لئے ان کو خلاف رائے دینے کی ہمت ہوئی' تفسیر کبیر نے یہاں بڑے مزے کی بات فرمائی' وہ فرماتے ہیں' کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے اپنا علم حاصل کرنے کے لئے نہ تھے' بلکہ ان حضرات کی ذہانت معلوم کرنے کے لئے تھے' کہ کن کی قوت اجتہادی کس درجہ کی ہے' اور بھی اس میں صدہا حکمتیں تھیں۔ **چھٹا اعتراض:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ کرام سے پہلے بھی مشورے لیا کرتے تھے' اب کیوں حکم ہو رہا ہے کہ ان سے مشورے لو۔ **جواب:** اس لئے کہ ان بزرگوں کے مشوروں سے احد کی جنگ

میدان میں لڑی گئی' جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا' انہیں خیال ہوا ہو گا کہ اب ہم بدنصیب نہ لئے جائیں گے' ہم اس لائق نہیں' اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا' اے محبوب آپ پہلے کی طرح اب بھی ان حضرات سے مشورے لیا کریں۔ **ساتواں اعتراض:** تم نے فوائد میں بیان کیا کہ شاورھم میں ھم سے مراد صدیق و فاروق ہیں' یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے قدم میدان سے اکھڑ گئے تھے' انہی کے لئے فرمایا گیا کہ انہیں معافی دے دو' ان کے لئے بخشش مانگو' ان سے مشورے کرو' جب یہ حضرات میدان سے ہٹے ہی نہیں' تو نہ ان کے لئے معافی' نہ ان سے مشورہ کا حکم۔ **نوٹ:** یہ اعتراض امام فخرالدین رازی علیہ الرحمتہ نے تفسیر کبیر میں کیا۔ **جواب:** چونکہ اس بارے میں سیدنا عبداللہ ابن عباس کی روایت آچکی' اس لئے اعتراض کی گنجائش ہی نہیں' اور حدیث کا منشاء یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات علیٰ وجہ الکمال مشورہ کے لائق ہیں' کہ صحابہ میں مجتہد اعظم ہیں' باقی دیگر حضرات بھی ان میں شامل ہیں' ہم تفسیر میں عرض کر چکے' کہ معافی اور استغفار سب کے لئے تھے مگر مشورہ اہل الرائے سے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نرم دل' خوش خلق تھے' باقی انبیائے کرام نہ نرم دل تھے' نہ خوش خلق' تو کیا وہ حضرات بد خلق تھے' بد خلقی تو عیب ہے۔ **جواب:** "لولا" تو آیت کریمہ میں حصر کا لفظ ہے نہیں' تاکہ اس سے دوسرے انبیائے کرام کی بد خلقی ثابت ہو' اگر بلا دلیل حصر مان بھی لیا جائے' تو یہ حصر دوسرے سلاطین' امراء و غیر ہم کے مقابلہ میں ہو گا' یعنی آپ دوسرے بادشاہوں' امیروں کی طرح کج خلق نہیں' جو بات بات میں اپنے ماتحتوں پر سختی کرتے ہیں' اور اگر حصر بھی مان لو' اور یہ بھی کہ یہ حصر دوسرے نبیوں کے مقابلہ میں ہے' تب بھی ان حضرات کی بد خلقی ثابت نہ ہو گی' بلکہ مطلب یہ ہو گا کہ بعض انبیائے کرام جلالی تھے' اور یہ جمالی رسول ہیں' جلالی نبیوں نے کفار کو بددعا فرما کر ہلاک کروا دیا' یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح و ہود اور صالح علیہم الصلوۃ والسلام کی طرح جلال والے رسول ہوتے' رحمۃ للعلمین نہ ہوتے تو ہم سب ہلاک ہو جاتے' ان جلالی پیغمبروں نے اپنے نافرمانوں کے لئے جو چیزیں رب تعالیٰ سے مانگیں' ہمارے رحمت والے رسول نے ان ہی چیزوں کے دفعیہ کی رب تعالیٰ سے سفارش فرمائی۔ **نواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت نرم دل ہیں' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چور اور زانی وغیرہ کو معافی نہ دی' بہت سخت پکڑ کی' یہ نرمی کیسی؟ اسلام کے قوانین جس قدر سخت ہیں' اتنے کسی دین کے قوانین سخت نہیں۔ **جواب:** اپنے معاملات میں درگزر اور اپنے ذاتی مجرم کو معاف کر دینا خوش خلقی ہے' مگر قوم و ملک کے دشمنوں سے درگزر کرنا لا قانونی ہے' جس سے فساد پھیلتا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نرم دل ہیں' لاقانونی نہیں ہونے دیتے' سخت قوانین سے ہی جرم رکتے ہیں اور امن قائم ہوتا ہے' نرم قوانین کا وہ انجام ہے' جو آج دیکھا جا رہا ہے کہ نہ کسی کی جان محفوظ ہے' نہ مال نہ آبرو۔

تفسیر صوفیانہ: حضرات انبیائے کرام صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں' اسی لئے ان کے رنگ مختلف ہیں' صفت قہر و جبر کے مظہر جلالی ہوتے ہیں' اور صفت رحم و کرم کے مظہر جمالی' تمام حضرات یک رنگ نہیں' پھر حضرات اولیاء حضرات انبیاء کے نقش قدم پر ہیں' اس لئے ان کے حالات بھی مختلف' ولایت نوحی والے ولی سخت جلالی' اور ولایت ابراہیمی والے ولی جمالی' ولایت سلیمانی والے اولیاء صاحب تخت و تاج ہوتے ہیں' اور ولایت عیسوی والے اولیاء تارک الدنیا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

مظہر ذات کبریا ہیں' اور رب تعالیٰ کی تمام صفات کے مظہر اتم ہیں' یہاں لنت لہم میں آپ کی صفت جمالی رحم و کرم کا ذکر ہے' اور **واغلظ علیہم** میں آپ کی صفت جلالی کا تذکرہ' چونکہ رحمت الٰہی غضب پر غالب ہے اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم و کرم غضب پر غالب' اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی کشش ہے کہ آپ کی طرف انسان تو کیا جنات' فرشتوں بلکہ لکڑی اور پتھروں کے دل بھی کھچتے ہیں' آپ کے نام پر آنسو نکل پڑتے ہیں' اس آیت میں اسی کشش کا ذکر ہے کہ اگر آپ پر غضب غالب ہوتا تو آپ کے زیر سایہ تمام خلق الٰہی یوں جمع نہ ہو جاتی بلکہ سب بکھر جاتے' اسی رحمت پر اور زیادتی فرماتے ہوئے فرمایا کہ محبوب انہیں خوب معافیاں دیا کرو' ان کے لئے دعائیں کیا کرو' تمہاری دعاؤں سے ہی ان بے سہاروں کا سہارا ہے' انہیں ہر موقعہ محل پر اپنے پاس رکھا کرو' محبوب کو انداز محبوبانہ اور زیادہ سکھائے جا رہے ہیں۔

حکایت: کسی جلسہ میں ڈاکٹر اقبال موجود تھے نعت خواں نے وہ مشہور نعت پڑھی ع

جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہے اجیالا

جب نعت خواں نے یہ شعر پڑھا کہ۔

حق نے کہا معراج آ جا پیاری لوا پیارے دکھلا جا — پردہ میں نہیں آ جا تو ہے دیکھا بھالا!

تو ڈاکٹر صاحب کو وجد آگیا بولے' دو شعر میرے' بھی اس نعت میں ملا دو۔

قدرت کی تحریریں جانے' ای اور تقریریں جانے — بخشش کی تدبیریں جانے' پھر ہے بھولا بھالا

آن کی آن میں عرش پہ جائے' پلک جھپکتے فرش پہ آئے — مکہ کا سورج کہلائے' یثرب کا اجیالا

غالباً' ڈاکٹر صاحب کو یہ خبر نہ ہوئی ہوگی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھولا بھالا اور مدینہ پاک کو یثرب کہنا منع ہے' اسی لئے یہ لفظ بول گئے' بہرحال محبوب اولاً' خود ہی حسین تھے' پھر ان آیات نے سونے پر سہاگہ یا حسن پر زیور کا کام دیا' مولانا محمد یار صاحب بہاولپوری فرماتے ہیں۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے — ای لقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے

ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا! — بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد و الہ و صحبہ وسلم

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ

اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو نہیں ہے کوئی غالب آنیوالا تم پر اور اگر وہ چھوڑ دے تم کو تو کون

اگر تمہاری مدد کرے اللہ تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ نہیں

ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

ہے وہ جو مدد کرے تمہاری اس کے بعد اور اللہ پر ہی بھروسہ کریں بھروسہ

چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو پھر تمہاری مدد کرے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
کرنے والے
چاہیئے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے کا حکم دے کر رب تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا تھا اب اس حکم کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ مشورہ وغیرہ اس وقت کام دیتے ہیں جب ہماری مدد شامل حال ہو' ورنہ یہ سب بیکار' بلکہ بعض حال میں وبال بلکہ نکال بن جاتے ہیں گویا پہلے دو حکم تھے' اب ان حکموں کی وجہ کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں رب تعالیٰ نے جنگ احد کے دو نقشے دکھائے اولاً فتح و غنیمت بعد میں ہزیمت' اب ان دونوں باتوں سے نتیجہ نکالا جا رہا ہے کہ سب کچھ ہمارے کرم پر موقوف ہے' اگر کرم کریں تو وہ ہو جو احد میں پہلے پہل ہوا' اگر نہ کریں تو وہ ہو جو بعد میں ہوا لہٰذا ہم پر نظر رکھو ہم کو راضی رکھنے کی کوشش کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائے خیر کرنے کا حکم دیا گیا اب مسلمانوں کو در پردہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ہمارے محبوب کی دعائیں لو اگر وہ دعا کریں گے تو ہم تمہاری مدد کریں گے' اور جب ہم مدد کریں گے تو تم پر کوئی غالب نہ آسکے گا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کسی کام کا ارادہ مصمم کرنے سے پہلے مشورہ وغیرہ کر لیا کرو' مگر جب عزم بالجزم کر لو' تو صرف توکل کرو' اب کسی مشورہ وغیرہ کی ضرورت نہیں' اب اس آیت میں اس حکم کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ ہماری مدد کے ہوتے تم پر کوئی غالب نہ آسکے گا۔ لہٰذا عزم کے بعد رزم ہی چاہیئے نہ کہ بزم۔

تفسیر: **ان ینصرکم اللہ'** **ان** شرطیہ ہے' جو شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے' مگر کلام الٰہی میں شک بندوں کے لحاظ سے ہوتا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے لحاظ سے' کہ وہ تو علیم و خبیر ہے' یہاں **ان** فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ تم ہماری مدد کی امید رکھو' یقین نہ کرو' اگر مدد نہ کریں' تو اس کی وجہ تمہاری اپنی غلطی پر ہوگی' **نصر** کے معنی مدد کرنا بھی ہیں' اور بچانا بھی' اور روکنا بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فمن ینصرنی من اللہ ان عصیتہ** اور فرماتا ہے **انی مغلوب فانتصر** یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں (صاوی) **کم** میں خطاب یا تو غازیان احد سے ہے یا تمام صحابہ کرام سے یا تاقیامت مسلمانوں سے' تیسری بات زیادہ قوی ہے' **نصر** سے مراد غیبی مدد بھی ہے' اور ظاہری سامان کی مدد بھی' کیونکہ ظاہری مدد جب کام آتی ہے جب غیبی مدد شامل حال ہو' یعنی اے غازیو یا اے صحابیو! یا اے مسلمانو! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری غیبی اور ظاہری مدد کرے' غازی کے دل میں ہمت' کفار کے دل میں ہیبت پیدا فرمانا' بھی غازیوں کے لئے حالات کا سازگار کر دینا' لوگوں کو ان کی مدد کی طرف راغب فرمانا' رب تعالیٰ کی غیبی اور ظاہری مددیں ہیں **فلا غالب لکم** یہ جملہ شرط مذکور کی جزاء ہے' **لکم** میں لام بمعنی **علی** ہے اور غالب میں کفار' شیاطین' جن وغیرہ تمام موذی مخلوق داخل ہے' یعنی ہماری مدد کی صورت میں تم پر کوئی جماعت' کوئی شخص' جن' موذی جانور بلکہ تمہارا نفس غرضیکہ کوئی چیز تم پر غالب نہیں آسکتی' خواہ وہ کتنی ہی قوی ہو' اور تم کتنے ہی کمزور ہو **و ان یخذلکم** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے' جس میں پہلی صورت کے مقابل کا مع اس کے نتیجے کے تذکرہ ہے' **یخذل'** خذل سے بنا' خذل

کے معنی ہیں کسی ایسے دوست کا چھوڑ دینا جس کی مدد کی امید ہو (غیاث) خزی خ اور ز سے اس کے معنی ہیں رسوائی اسی خذ ل سے خذلان بھی ہے ہماری قراءت میں یخذ ل ی کے فتح ذ کے پیش سے ہے یعنی نصر کا مضارع دیگر قراتوں میں ی کے پیش اور ذ کے کسرہ سے ہے یعنی باب افعال کا مضارع یعنی اگر رب تعالیٰ ہی تم کو چھوڑ دے کہ تمہاری مدد نہ کرے فمن ذا الذی ینصر کم یہ جملہ اس دوسری شرط کی جزاء ہے' من استفہامیہ ہے اور استفہام انکاری ہے' ذا اسم اشارہ ہے اپنے مشار الیہ سے مل کر من کی خبر ہے یعنی سوچو کہ پھر ایسا کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے' ظاہری یا باطنی یعنی کوئی انس و جن بلکہ تمام خلق تمہاری مدد نہیں کر سکتی لطف یہ ہے کہ یہاں لا غالب لکم کا متقابل بیان نہ ہوا یعنی یغلبکم بلکہ اس کا لازم ذکر فرمایا گیا کہ جب ہم مدد چھوڑ دیں تو تمہارا کوئی مددگار نہیں' جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم مغلوب یا ہلاک ہو جاؤ گے' من بعدہ جار مجرور ینصر کم کے متعلق ہے' اور بعدہ کی ضمیر خذلان کی طرف راجع ہے نہ کہ رب تعالیٰ کی طرف' تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ ہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے' پہلی صورت میں بعد ظرف زمان ہے' اور دوسری صورت میں ظرف مکان کے لئے مانی گئی' یعنی اللہ تعالیٰ کے مدد چھوڑ دینے کے بعد تمہارا کوئی مددگار نہیں' یا اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر اور جگہ چلے جانے پر تمہارا مددگار کوئی نہیں و علی اللہ فلیتو کل المومنون' علی اللہ متعلق مقدم ہے فلیتو کل کا' اس تقدیم سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی صرف رب تعالیٰ پر ہی ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے نہ کہ کسی اور پر کہ کارساز حقیقی وہی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! عاقل وہی ہے جو واقعات عالم سے سبق لے' عالم مدرسہ ہے واقعات اسباق' تم نے بدر و احد دونوں جنگوں کو دیکھا' نیز احد کا اول وقت بھی دیکھا اور آخر بھی کہ بدر میں تم تھوڑے تھے اور بے سامان' مگر بہت سامان والی جماعت پر غالب آ گئے' گویا تین سو تیرہ (313) نہتوں نے ایک ہزار ہتھیار بند فوج کو مار دیا' پکڑ لیا' بھگا دیا' اور احد میں تم زیادہ بھی تھے ہتھیار بند بھی اور جنگ کے لئے تیار بھی' مگر تم نے پہلے تو بھگایا اور بعد میں خود تمہیں بھاگنا پڑ گیا اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرے' تو خواہ تمام دنیا تمہارے مقابلہ میں جمع ہو کر آ جائے' مگر تم پر غالب نہیں آ سکتی' تم ہی غالب رہو گے' اور اگر تمہاری کسی غلطی کی وجہ سے کسی خاص موقعہ پر رب تعالیٰ تمہاری امداد چھوڑ دے' تو خود سوچ لو کہ زمین و آسمان میں ایسا کون ہے' جو رب تعالیٰ کے مقابل ہو کر اس کے چھوڑنے کے بعد تمہاری کسی قسم کی امداد کر سکے' ایسا نہ کوئی ہے' نہ ہو گا' نہ ہو سکتا ہے' جب یہ بات تمہارے ذہن نشین ہے' اور یقیناً ہے' کیونکہ تم مومن ہو تو چاہئے کہ سارے مومن اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں' اس کے سواء ساز و سامان' دوست' جماعت' زور وغیرہ کسی چیز پر بھروسہ و اعتماد نہ کرو' فتح و کامرانی فقط زور سے نہیں' بلکہ رب تعالیٰ کے آگے زاری سے بھی ہوتی ہے' رب تعالیٰ وہ قدرت والا ہے' جس نے ابابیل کے ذریعہ فیل مروا دیئے' تو تمہیں غلبہ دینا اس کے نزدیک کیا مشکل ہے؟

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جو رب تعالیٰ سے مدد چاہے' وہ رب تعالیٰ پر بھروسہ کرے' اس پر بھروسہ اس کی مدد کی شرط ہے' جیسا کہ فلیتو کل کی ف سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: مدد کے لئے توکل شرط' اور توکل کے لئے ایمان شرط' کافر کیسا ہی تارک الدنیا ہو' اور کتنا ہی رب تعالیٰ پر قانع ہو' مگر متوکل نہیں' جیسا کہ المومنون

سے معلوم ہوا جیسے ایمان کے بغیر نماز روزہ صحیح نہیں' ایسے ہی ایمان کے بغیر توکل درست نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** جب اللہ تعالیٰ کرم کرتا ہے' تو اس کے بندے مدد کرتے ہیں' ان بندوں کی مدد رب تعالیٰ ہی کی مدد ہے' جیسا کہ **من بعدہ** سے معلوم ہوا' کیونکہ آیت میں فرمایا یہ گیا کہ اگر ہم تمہیں چھوڑ دیں تو تمہارا مددگار کوئی نہیں یعنی اگر ہم تمہیں نہ چھوڑیں' تو تمہارے مددگار بہت ہیں' اگر نہ چھوڑنے پر بھی مددگار کوئی نہ ہو' تو **ان یخذلکم** شرط محض بیکار ہوگی' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا** تمہارے مددگار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنین ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** جن آیات میں آیا کہ تمہارا مددگار کوئی نہیں' وہاں یہی مراد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد چھوڑ دے' تو تمہارا مددگار کوئی نہیں یہ آیت کریمہ ان آیات کی تفسیر ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اللہ تعالیٰ کے سواء تمہارا دوست و مددگار کوئی نہیں' وہاں یہی مراد ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی اللہ تعالیٰ عارضی طور پر مسلمانوں کی امداد چھوڑ دیتا ہے' ان کی اپنی کسی غلطی اور خطاء کی وجہ سے' یہ چھوڑنا عارضی ہوتا ہے' وہ بھی آئندہ سمجھانے اور بتانے کے لئے' یہ چھوڑنا بھی اس کی رحمت ہے' جیسا کہ **ان یخذلکم** سے معلوم ہوا' بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ مہربان باپ اپنے عزیز بچے کو کبھی مٹھائی دے کر پڑھاتا ہے' اور کبھی چپت لگا کر' یہ دونوں طریقے تعلیم ہی کے لئے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** سمجھانا کبھی بتا کر ہوتا ہے کبھی پوچھ کر' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے ہمیں سمجھایا کہ ہمارے بغیر تمہارا مددگار کوئی نہیں' مگر **لا ناصر لکم** نہ فرمایا بلکہ اتنی بڑی عبارت فرمائی **فمن ذا الذی** الخ پوچھ کر سمجھانا ہی مفید ہوتا ہے کہ جب یہ شخص خود سوچ کر کوئی بات سمجھے گا تو اسے یاد بھی خوب رہے گی' غرضکہ منشاء ایک ہے یعنی بندوں کی تعلیم مگر طریقے مختلف۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** **من بعدہ** سے معلوم ہوا کہ یا تو رب تعالیٰ کے لئے فنا ہے یا اس سے کوئی چیز غائب ہے' کیونکہ **بعد** تو فانی کے لئے ہوتا ہے اور پیچھے غائب کے لئے تو کیا اسلام خدا کے لئے فنا مانتا ہے؟ (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ **بعدہ** کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے' بلکہ **یخذل** کے مصدر کی طرف یعنی رب تعالیٰ کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار کوئی نہیں' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے' قرآن شریف سمجھنے کے لئے روشن دماغ چاہئے' اس کے اور جواب بھی تفسیر میں دیئے گئے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ مسلمانوں کو چھوڑ بھی دیتا ہے' اور کفار کو اپنا لیتا ہے' جس سے مسلمان مغلوب ہو جاتے ہیں' کافر غالب' جب یہ ہے تو پتہ کیسے لگے کہ کون اللہ کا پیارا ہے' کون دشمن' رب تعالیٰ کبھی مسلمانوں کو اپناتا ہے' کبھی کافروں کو۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فوائد میں گزر گیا کہ رب تعالیٰ مسلمانوں کو نہیں چھوڑتا' بلکہ ان کی مدد چھوڑتا ہے' اور یہ مدد چھوڑنا بھی ان کی اپنی کسی غلطی سے ہوتا ہے' وہ بھی عارضی' اور وہ بھی تعلیم کے لئے انجام کار مسلمانوں ہی کی مدد ہوتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **العاقبۃ للمتقین** ایسی حالت میں رب تعالیٰ کافروں کو فتح نہیں دیتا بلکہ مسلمانوں کو سزا یا تادیب دیتا ہے' جیسے مہربان استاد اپنے بیٹے کی جو مدرسہ میں پڑھ رہا ہے کسی وقت دوسرے بچے سے کن پکڑی کرا دے یا دو چار چپت لگوا دے' اس وقت بیٹا ہی ذلیل ہوتا ہے اور اجنبی بیگانہ ہی' یا جیسے ماں ناراض ہو کر اپنے بچے کو کچھ دیر کے لئے گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیتی ہے' جب بچہ چیختا چلاتا ہے تو دروازہ کھول دیتی ہے' اسے پیار کر کے اپنے گلے سے لگا لیتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے چھوڑنے کے بعد کوئی امداد

نہیں کر سکتا تو کیا رب بھی نہیں کر سکتا اگر نہیں تو رب مجبور ہو؟ تو مجبور ہو وہ رب کیسا؟ **جواب:** ایسے مقامات پر چھوڑنے والے کے ماسوا مراد ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر رب چھوڑ دے تو کوئی دوسرا مدد نہیں کر سکتا رب نے تو پہلے ہی چھوڑ دیا ہے اگر وہ مدد کرے تو چھوڑنا ختم اجتماع ضدین اور اجتماع نقیضین دونوں ناممکن ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے سوا مددگار کوئی نہیں اور مومن وہ ہے جس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہو مگر تم لوگ نبیوں ولیوں کو مددگار بھی سمجھتے ہو اور ان پر بھروسہ بھی کرتے ہو تمہارا یہ عمل شرک ہے۔ (بعض انوکھی توحید والے)۔
جواب: جی ہاں! جسے خدا چھوڑ دے اس کا مددگار کوئی نہیں اور جس کا خدا تعالیٰ حامی ہو اس کے مددگار بہت ہیں مددگاروں کا انکار اپنے کفر کا اقرار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا آئینہ خانہ ہے اور رب تعالیٰ آئینہ دار سارے آئینوں میں اسی کی تجلی ہے اور اس تجلی کی ہی بہار اگر وہ کام نہ کرے تو سارے آئینے بیکار دنیا والوں کی دوستی محبت مدد اسی کے کرم کی جلوہ گری ہے ورنہ سب ہم سے اجنبی بیگانے بلکہ ہمارے دشمن ہیں اس لئے مومن کو چاہئے کہ بجائے آئینوں کے آئینہ دار پر نظر رکھے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گرچہ تیر از کماں ہے گزرد از کماں دار بیند اہل خرد!

حق یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتا ہے اور کفر و طغیان اس کے چھوڑ دینے سے ہمارے گلے پڑتے ہیں صوفیاء کے نزدیک توکل کی تین علامتیں ہیں ایک یہ کہ بندہ خدا کے غیر کو اپنا مددگار نہ جانے دوسرے یہ کہ بندہ خدا کے سواء کسی کو اپنے رزق کا مالک نہ سمجھے تیسرے یہ کہ خدا کے سواء کسی کو اپنے علم و عمل کا مقصود نہ جانے ایسا توکل بے حساب و کتاب جنتی ہونے کا ذریعہ ہے توکل دو قسم کا ہے عقلی اور عشقی عقلی توکل اسباب جمع کرنا اور اسباب میں مسبب اسباب کو دیکھنا ہے اور عشقی توکل اسباب کی آڑ کو پھاڑ کر یار تک پہنچنے کا نام ہے اللہ تعالیٰ سچے توکل کی توفیق بخشے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے ستر ہزار مسلمان بے حساب جنت میں جائیں گے عرض کیا گیا حضور وہ کون ہیں؟ فرمایا جو ناجائز منتر ٹوٹکے نہیں کرتے فال کے لئے پرندے نہیں اڑاتے اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں حضرت عکاشہ نے عرض کیا حضور دعا فرمادیں کہ میں بھی ان میں سے ہوں فرمایا! تم ان میں سے ہو دوسرے شخص نے عرض کیا حضور دعا فرمادیں میں بھی ان سے ہوں فرمایا عکاشہ پہل کر گئے اور فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر پورا توکل کرو تو تمہیں چڑیوں کی طرح روزی ملے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں شام کو سیر ہو کر واپس ہوتے ہیں غرضیکہ توکل اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۚ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور نہیں ہے ممکن کسی پیغمبر کے لئے کہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے وہ لائے گا وہ مال جو خیانت کیا قیامت کے دن

اور کسی نبی پر گمان نہیں ہو سکتا کہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

تو پورا دیا جائے گا ہر نفس کو وہ جو کمایا اس نے اور وہ نہ ظلم کیے جائیں گے
پھر ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد پر رغبت دی' اب جہاد کے کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں' یعنی غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو توکل کا حکم دیا گیا' اب خیانت سے روکا جا رہا ہے' کہ خیانت کرنے والا متوکل کبھی نہیں ہو سکتا' غرضیکہ توکل کی ترغیب کے بعد توکل سے مانع چیزوں کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر رب تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر رب تعالیٰ کی مدد چاہتے ہو تو خیانت وغیرہ گناہوں سے بچو غرضیکہ پہلے رب تعالیٰ کی مدد دینے کا ذکر تھا' اب اس سے مدد لینے کے طریقہ کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد تھی' اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے' کہ یہ محبوب تمام عیوب' خیانت وغیرہ سے پاک ہیں' حمد کے بعد نعت چاہئے کہ نعت حمد کا تکملہ ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو جہاد میں مستقل رہنے کا حکم دیا اور گھبراہٹ و بے صبری سے منع فرمایا گیا' اب مسلمانوں کو بد عقیدگی سے روکا جا رہا ہے کہ ہمارے نبی کو تہمت نہ لگاؤ' یعنی بد عملی سے بچانے کے بعد بد عقیدگی سے بچایا جا رہا ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق بہت روایات ہیں' جن میں سے کچھ یہاں عرض کی جاتی ہیں۔ (1) جنگ بدر کی غنیمت میں ایک چادر گم ہوئی' تلاش کرنے پر نہ ملی' بعض منافقین نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے لی ہوگی' انکی تردید میں یہ آیت اتری' جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلیٰ درجہ کی صفائی دی گئی' اور آپ کی شان بیان کی گئی۔ (2) جنگ احد میں جو پچاس حضرات درہ کی حفاظت پر مامور تھے' انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی' اور کفار بھاگ رہے ہیں' مسلمان انکا پیچھا کر رہے ہیں' غنیمت لے رہے ہیں' تو یہ حضرات درہ سے غنیمت لینے کیلئے ہٹ گئے اور درہ خالی چھوڑ گئے اس خیال سے کہ شاید بعد فتح غنیمت ان ہی لوگوں کو ملے جنہوں نے حاصل کی ہو' اور شاید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرمائیں کہ جو جس نے غنیمت لے لی وہ اسی کی ہے' اگر ہم لوگ یہاں ہی رہے اور مال نہ حاصل کیا تو ہم محروم ہو جائیں گے' اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ارشاد ہوا کہ یہ اعلان غنیمت میں خیانت ہے' ہمارے نبی ایسا کبھی نہیں کر سکتے' غنیمت کی تقسیم مطابق شرعی قانون کے فرمائیں گے۔ (3) کسی جہاد میں بعض بڑے لوگوں نے خواہش کی تھی کہ ہم کو غنیمت میں زیادہ حصہ دیا جائے' انکی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں انکی اس خواہش کی تردید کی گئی' کہ یہ غنیمت میں خیانت ہے' ہمارے محبوب یہ نہیں کر سکتے۔ (4) کسی جہاد میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی' بعد فتح کسی وجہ سے تقسیم غنیمت میں دیر ہوئی' بعض لوگ بولے کہ کیا غنیمت تقسیم نہ کی جائے گی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہمارے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو' تب بھی ہم تم میں تقسیم فرما دیں' کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ تمہاری غنیمت تم کو نہ

ملے گی ہم لے لیں گے' یہ تو خیانت ہے' اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خیانت سے محفوظ رکھا ہے' اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر' خازن' مدارک' جلالین' روح المعانی' روح البیان' بیضاوی وغیرہ) مگر دوسری روایت اس مقام کے زیادہ مناسب ہے' کیونکہ یہاں غزوۂ احد کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: وما کان لنبی ان یغل: لنبی جار مجرور کسی پوشیدہ لفظ کا متعلق ہے' بعض نے فرمایا کہ وہ پوشیدہ لفظ مناسب ہے' بعض نے فرمایا ینبغی ہے' بعض نے فرمایا جائز" ہے' مگر حق یہ ہے کہ "ممکنا" پوشیدہ ہے یعنی کسی نبی کیلئے ممکن نہیں کہ وہ خیانت کرلیں' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا** یا فرماتا ہے **ما کان لنا ان نشرک باللہ** یا فرماتا ہے **ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک** یا فرماتا ہے **ما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ** ان سب میں ممکن ہی پوشیدہ ہے' ایسے ہی یہاں بھی' نبی کی تنکیر سے معلوم ہوا کہ کوئی نبی کبھی خیانت نہیں کر سکتے' وہ حضرات معصوم ہیں' **ان یغل** غلول سے بنا جس کا مادہ غل ہے' معنی چھپا کر لے جانا' اسلئے چوری کو بھی غلول کہہ دیتے ہیں' درخت کی جڑ میں پانی جذب ہونے کو غل کہتے ہیں' دل کی عداوت کو غل کہا جاتا ہے کہ دل میں چھپی ہوتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** گرمی کو اور سخت پیاس کو غلیل کہا جاتا ہے' نیچے کے کپڑے کو جو جسم سے متصل ہو غلالہ کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں چھپی ہوتی ہیں' اب اصطلاح میں غنیمت میں خیانت کرنے کو غلول کہتے ہیں کہ وہ بھی خفیہ ہی کی جاتی ہے (معانی وغیرہ) بعض کا خیال ہے کہ یہاں مطلقاً خیانت مراد ہے نہ کہ غنیمت میں خیانت' کیونکہ اسلام سے پہلے کسی نبی کے دین میں غنیمت تقسیم نہ ہوتی تھی بلکہ غنیمت کا مال پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا' جسے غیبی آگ جلا جاتی تھی' جب ان دینوں میں تقسیم غنیمت کا رواج ہی نہ تھا تو وہاں اس میں خیانت کرنے نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' مگر صحیح تر یہی ہے کہ یہاں غلول سے غنیمت ہی میں خیانت مراد ہے' جیسا کہ شان نزول کی روایات سے معلوم ہوتا ہے' اگرچہ پچھلے دینوں میں تقسیم غنیمت نہ تھی مگر غنیمت کے مال آتے تو تھے' جمع تو کئے جاتے تھے' بعض دفعہ ان میں کچھ لوگ خیانتیں بھی کر لیتے تھے' جو بعد میں وصول کی جاتی تھیں' لہٰذا آیت بالکل درست ہے' اور رب تعالیٰ کا تمام نبیوں کی یہ صفائی بیان فرمانا بالکل برحق ہے۔ خیال رہے کہ ہماری قراءت **یغل** ی کے فتح اور غ کے پیش سے ہے نصر کا مضارع معروف' مگر بعض قراءتوں میں **یغل** ی کے پیش اور غ کے فتح سے باب نصر یا باب افعال کا مضارع مجہول' اس صورت میں اس لفظ کے تین معنی ہوں گے۔ (1) کسی نبی کے متعلق یہ جائز نہیں کہ انہیں خیانت سے متہم کیا جائے۔ (2) یا نا ممکن ہے کہ کوئی نبی خائن پائے جائیں۔ (3) کسی نبی کے متعلق یہ جائز نہیں کہ ان کی غنیمتوں میں خیانت کی جائے' یعنی تا قیامت جہاد کی غنیمتیں نبی کی زیر تصرف ہیں ان میں خیانت کرنے والا نبی کا مجرم ہو گا۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) اور نبی کا مجرم سخت سزا کا مستحق **ومن یغلل یات بما غل یوم القیمۃ** ظاہر یہ ہے کہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ' اور ہو سکتا ہے کہ واؤ حالیہ ہو' اور یہ جملہ گزشتہ کا حال۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا' کہ کوئی نبی خیانت کرے حالانکہ خیانت اتنا بڑا جرم ہے۔ جس کی سزا یہ ہے کہ' ظاہر یہ ہے کہ **ما غل** سے مراد خیانت کیا ہوا سارا مال ہے' جو بہت زیادہ اور وزنی ہو کر خائن کی گردن پر رکھا جائے گا' جس سے وہ رسوا بھی ہو گا اور بوجھ میں دب کر پریشان بھی' اور ہو سکتا ہے کہ **ما غل** میں ما مصدریہ ہو' اور **ما غل** سے مراد اس کا خیانت کرنا کیونکہ قیامت میں سارے اعمال کی شکلیں بھی ہوں گی' اور جسامت

بھی' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے' یوم قیامت سے مراد مخلوق کا قبروں سے اٹھ کر بعد فیصلہ جنت و دوزخ میں پہنچنے تک کا وقت ہے' یعنی پچاس ہزار سال کا زمانہ یعنی جو کوئی بھی خیانت کریگا' وہ قیامت کے دن خیانت کا سارا مال گردن پر لاد کر جائیگا' یا اس کا جرم خیانت اس کی گردن پر سوار ہو گا' یہ تو قیامت کا حال ہے' اس کے بعد جو رب کا فیصلہ ہو **ثم توفی کل نفس ما کسبت** حق یہ ہے کہ ثم اپنے ہی معنی میں ہے' یعنی مہلت والی ترتیب' جس سے معلوم ہوا کہ یہ سزا اس مذکورہ بالا سزا کے بہت عرصہ بعد ہو گی' جس کا ذکر ابھی پہلے جملہ میں گزرا' یعنی خیانت کا بوجھل مال گردن پر لادے پھرنا' **توفی'** وفاء سے بنا معنی پورا دینا' کمی نہ کرنا' ظاہر یہ ہے کہ **کل نفس** سے مراد سارے انسان ہیں نہ کہ فرشتے' جنات اور جانور کیونکہ پہلے سے انسانوں ہی کا ذکر ہو رہا ہے' نیز انسانوں سے بھی وہ انسان مراد ہیں جنکے اعمال قابل سزا و جزاء ہیں' ورنہ دیوانے اور بچوں کے گناہوں پر پکڑ نہیں' اور کافروں کی نیکیوں پر کوئی ثواب نہیں' ما سے دلی' بدنی' مالی سارے اچھے برے اعمال مراد ہیں' کہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کسب کو دخل ہے' یعنی خائن پچاس ہزار برس تک تو خیانت کیا ہوا سارا مال لادے پھرے گا' پھر اسکے بعد جو سزا ملے گی وہ بھگتے گا' کیونکہ قیامت کے بعد ہر عاقل بالغ انسان کو اس کے سارے دلی' بدنی' مالی اچھے برے کاموں کا پورا بدلہ دیا جائے گا' **وھم لا یظلمون** یہ جملہ توفی پر معطوف ہے یا کل نفس کا حال' ھم کا مرجع **کل نفس** ہے' کہ وہ اگرچہ صورۃً واحد ہے مگر معنیً جمع' **لا یظلمون'** ظلم سے بنا جس کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں' یہاں ظلم سے مراد غیر مجرم کو سزا دے دینا' یا مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دینا' یا نیک کار کو ثواب سے محروم کر دینا' یا اسکا ثواب بلا وجہ کم کر دینا مراد ہے' مجرم کو معافی دینا' یا سزا کم کر دینا' یا کسی کو نیکیوں سے زیادہ ثواب دے دینا' یا بغیر نیکیاں کئے جنت دے دینا فضل و کرم ہے' یہ سب قیامت میں انشاء اللہ ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگو! کبھی بھول کر بھی نبی کے دامن کو خیانت جیسے جرم سے داغدار نہ سمجھنا' یہ محبوب تو سید الانبیاء ہیں صلی اللہ علیہ وسلم انکی تو بہت اونچی شان ہے' یہ کیا کسی نبی کیلئے یہ بات ممکن ہی نہیں کہ وہ غنیمت میں یا کسی مال میں خیانت کرے' نبوت و خیانت کبھی جمع ہو سکتیں ہی نہیں' یہ دونوں چیزیں اندھیرے اجیالے کی طرح ضدین ہیں' اگر یہ حضرات پورے امین نہ ہوتے' تو وحی جیسی امانت انکے سپرد نہ کی جاتی' جب وہ خدا کے امین ہیں' وحی میں امین ہیں' تو حقیر مال میں امین کیوں نہ ہوں گے' یا یہ مطلب ہے کہ کوئی مومن و کافر انسان اتنی جرات نہیں کر سکتا کہ نبی کو خیانت کی تہمت لگائے' اگر ایسی حماقت کریگا تو خود اس کا نفس اسے ملامت کریگا' اور دنیا اسے تھوکے گی' کہ تو کیا کہہ رہا ہے' اسی لئے کفار مکہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر' شاعر' مجنون وغیرہ تو کہا' مگر اس قسم کا کوئی اتہام نہ لگا سکے' صادق الوعد اور امین وہ بھی کہتے تھے' خیال رکھو خیانت اتنا بڑا جرم ہے' کہ خائن قیامت کے دن اپنا سارا خیانت کا مال جو اس دن بہت ہی وزنی ہو گا' اپنے سر پر اٹھائے پھرے گا' جس سے وہ رسوا بھی ہو گا' اور بوجھ میں بھی دبے گا' اور یہ سزا اس کی اصل سزا نہ ہو گی' یہ تو دوران مقدمہ کی تکلیف ہے' جو اسے دی جائیگی' پھر ہر شخص کو اسکے سارے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائیگا کہ بے قصور کو سزا اور قصور مند کو زیادہ سزا نہ دی جائیگی' اس سلسلہ میں خیانت کی جو سزا ہو گی' وہ خائن کو پوری پوری ملے گی' خیال رکھو کہ پروردگار کے ہاں کسی پر ظلم نہ ہو گا کہ کوئی بے قصور پھانس دیا جائے' یا نیک کار کو بدلہ نہ دیا جائے' وہاں فضل و عدل ہے' ظلم نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضرات انبیاء رب تعالیٰ کے بڑے ہی پیارے بندے ہیں کہ لوگ جب انہیں تہمت لگائیں تو رب تعالیٰ انکی صفائی دے اور انکے الزاموں کو اٹھائے۔

لطیفہ: قرآن کریم میں اکثر جگہ رب تعالیٰ کے اعتراضوں کو نبی کی معرفت دفع کیا گیا ہے کہ جب لوگوں نے الوہیت پر اعتراض کئے تو قل فرما کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دلوائے گئے جیسے قل لو کان للرحمن ولد فانا اول العبدین یا قل ھو اللہ احد وغیرہ اور نبی کے اعتراضوں کو بغیر قل فرمائے خود رب تعالیٰ نے دفع فرمایا ہے جیسے تبت یدا ابی لھب وتب اور جیسے وما کان لنبی اس سے اندازہ کرو کہ حضرات انبیاء کا بارگاہ الٰہی میں کیا درجہ ہے۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگانا ان میں نقص ڈھونڈھنا سنت کفار و منافقین ہے اور انکی تعریفیں کرنا ان پر سے اعتراضات کو اٹھانا سنت رب العالمین ہے اللہ تعالیٰ سنت الٰیہ پر عمل کی توفیق بخشے۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء گناہ کر سکتے ہی نہیں خصوصاً وہ گھٹیا ئے بھی ہوں جیسے چوری اور خیانت وغیرہ جیسا کہ ماکان لنبی کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: علماء و مشائخ کو لوگوں کے الزام و اتہام پر ناراض نہ ہونا چاہئے جب لوگوں نے اللہ رسول کو الزام لگا دیئے تو ہم کس شمار میں ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

یا نجی اللہ والرسول معاً   من لسان الوری فکیف انا

قیل ان الالٰہ ذو ولد   قیل ان الرسول قد کہن

یعنی جب اللہ رسول مخلوق کی زبان سے نہ بچے تو میں کون ہوں دیکھو لوگوں نے کہا کہ خدا کے بال بچے ہیں اور کہا گیا کہ نبی جادوگر تھے اپنے کو لوگوں کے طعن سے بچانے کی کوشش کی جائے ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع ملے مگر اگر پھر بھی لوگ الزام لگائیں تو پرواہ نہ کرو۔ چھٹا فائدہ: غلول یعنی خیانت بدترین جرم ہے جس کی سزا بہت سخت ہے جیسا کہ ومن یغلل سے معلوم ہوا چنانچہ مسلم بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم میں سے کوئی اپنی گردن پر اونٹ لادے ہو جو آواز کر رہا ہو یا اس کی گردن پر گھوڑا ہو ہنہنا تا ہوا یا اسکی گردن پر بکریاں ہوں جو آواز کرتی ہوں یا اسکی گردن پر کپڑے کے تھان لدے ہوئے چرمر کرتے ہوں اور مجھے کہے اغثنی یا رسول اللہ تو ہم فرمائیں اب ہم تمہاری کسی چیز کے مالک نہیں اب ہم تم سے عذاب الٰہی دفع نہیں کر سکتے نیز انہی بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رفاعہ ابن زید ایک جنگ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک منزل پر اونٹ کس رہے تھے کہ غائبانہ تیر لگا شہید ہو گئے ہم لوگوں نے کہا مبارک ہو رفاعہ تو سیدھے جنت میں گئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کیونکہ انہوں نے خیبر کے دن ایک چادر مال غنیمت سے بغیر تقسیم کئے ہوئے لے لی تھی وہ چادر ان پر آگ کا کام دے رہی ہے یہ سن کر لوگ گھبرا گئے ایک صاحب ایک دو تسمہ حاضر لائے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میں نے خیبر کی غنیمت سے لے لیا تھا فرمایا کہ یہ تسمہ بھی آگ بن جاتا اچھا کیا جو واپس کر دیا بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کا منتظم ایک شخص تھا جسے کرکرہ کہا جاتا تھا جب وہ فوت ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آگ میں ہیں

لوگوں نے ان کا سامان تلاش کیا' تو اس میں ایک عبا پایا' جو تقسیم غنیمت سے پہلے انہوں نے لے لیا تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر ہم نماز نہ پڑھیں گے' تم پڑھ لو' اس فرمان عالی سے لوگوں کے منہ فق ہو گئے ہم نے انکا سامان تلاش کیا تو ہم کو انکے سامان میں کچھ منکے ملے' جن کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی' جو انہوں نے تقسیم غنیمت سے پہلے لے لئے تھے۔ (ابو داؤد' نسائی) نیز ابو داؤد' ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو غنیمت میں خیانت کرے' اس کا سامان جلا دو' اور اسے سزا دو' غرضیکہ خیانت کی مذمت میں بہت احادیث وارد ہیں' ہر مسلمان کو ہر قسم کی خیانت سے بچنا چاہئے۔ (تفسیر خازن) مسئلہ: بحالت جنگ کھانا' پھل چارہ استعمال کرنا جائز ہے' اسی طرح جنگ کے دوران میں مشرکین و کفار کے ہتھیار چھین کر ان سے جنگ کرنا درست ہے' یہ غلول و خیانت نہیں' چنانچہ حضرت سلمان فارسی نے جنگ مدائن میں کچھ روٹیاں غنیمت میں پائیں کچھ پنیر اور ایک چھری ہاتھ آئی آپ نے اسی چھری سے یہ پنیر و روٹیاں کاٹیں' اور خود لوگوں سے فرمایا بسم اللہ کرو اور کھاؤ (تفسیر کبیر) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی حالت میں کھانے پینے کی چیزیں کھا پی لینا بھی درست ہے اور ہتھیار استعمال کر لینا بھی جائز ہے' مگر ہتھیار بعد جنگ مال غنیمت میں رکھ دینا ہوں گے' انکا الگ نہ ہو گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خیانت کیا ہوا مال خائن اٹھائے ہوگا' حالانکہ پہلی بار صور پھونکنے پر تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی' اور دوسری پھونک پر صرف انسان یا جاندار چیزیں اٹھیں گی' بے جان چیزیں پھر نہ پیدا ہوں گی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ونفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون** جب خیانت کردہ مال پیدا ہی نہ ہوا' تو اسے لانے یا اٹھانے کے کیا معنی؟ یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ دوبارہ پیدا ہونا صرف انسانوں یا جانوروں کا نہیں' بلکہ انکے ساتھ جن چیزوں کا تعلق سزا جزا ہے' وہ بھی دوبارہ پیدا ہوں گی' ہاں یہ غیر متعلق چیزیں پیدا نہ ہوں گی' دیکھو چاند سورج بنیں گے' اور دوزخ میں جائیں گے' دوزخیوں کو سزا دینے کیلئے' بت پرستوں کے پوجاکے پتھر پیدا ہوں گے' دوزخ میں جائیں گے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وجمع الشمس والقمر** قیامت میں چاند و سورج جمع کر دیئے جائیں گے' اگر پیدا نہ ہوتے تو جمع کیسے ہوتے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقودها الناس والحجارة** اس کا ایندھن لوگ و پتھر ہیں' اگر پتھر پیدا نہ کئے جاتے' تو آگ کا ایندھن کیسے بنتے' اور فرماتا ہے کہ جو سونا چاندی جمع کر کے زکوٰۃ نہیں دیتے' انہیں آگ میں تپا کر **فتکوی بها جباههم و جنوبهم** ان سے بخیلوں کی پیشانیاں و کروٹیں داغی جائیں گی' اگر سونا چاندی پیدا نہ کئے جاتے' تو تپایا کیسے جاتا' اور داغ کسے دیا جاتا' لہٰذا خیانت شدہ مال بھی پیدا کیا جائیگا' تاکہ اس سے خائن کو عذاب دیا جائے' تمہاری پیش کردہ آیت میں جانوروں کی پیدائش کا تو ذکر ہے' مگر دوسروں کی پیدائش کی نفی نہیں' چونکہ اصل مقصود انسان کی پیدائش تھی' باقی انکے تابع' اس لئے ان کا ذکر نہ ہوا' دوسرے یہ کہ یہاں خیانت کے عمل کا بوجھ اٹھانا مراد ہے نہ کہ مال کا اٹھانا جیسے آج قرض' خون ایک بوجھ ہوتا ہے' ایسے ہی کل خیانت ایک بوجھ ہوگی' تیسرے یہ کہ یہ صرف ایک تمثیل ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر عمل ذرہ برابر ہو' پھر وہ پتھر کی چٹان یا آسمان میں ہو' تو **یات بها الله** تب بھی اللہ اسے لے آئیگا' یہاں بھی ایک مثال ہی دی گئی ہے' تفسیر کبیر نے یہ ہی جواب راجح قرار دیا' مگر فقیر کے نزدیک جواب اول قوی ہے' کسی آیت میں بلا ضرورت شرعیہ تاویل نہ

کرنا چاہئے۔ **دوسرا اعتراض:** تمہارے پیش کردہ فوائد سے معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خائن کی شفاعت نہ فرمائیں گے' تو مسئلہ شفاعت ختم ہوا' خیانت کی طرح اور بھی بہت سے جرم ہیں' چاہئے کہ انکی شفاعت بھی نہ ہو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ یہ فرمان ڈرانے کیلئے ہے' بغیر مثال یوں سمجھو کہ ماں شریر بچے سے کہتی ہے کہ اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو باپ کی مار سے نہ بچاؤں گی' تاکہ بچہ شرارت سے باز آجائے' مگر جب باپ مارتا ہے تو پھر رحم کھا کر بچا لیتی ہے' ممکن ہے وہاں بے کسی دیکھ کر رحم فرمائیں' فرماتے ہیں کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ والے امتی کو پہنچے گی۔

دیکھی جو بے کسی تو انہیں رحم آگیا　　گھبرا کے ہو گئے وہ گنہگار کی طرف

دوسرے یہ کہ یہ وعید ان لوگوں کیلئے ہے' جو خیانت حلال جان کر کریں' تب وہ کافر ہوئے اور کافر کیلئے شفاعت نہیں' یہ ہی وعید مانعین زکوۃ کیلئے بھی ہے' وہاں بھی منکرین زکوۃ مراد ہیں' نہ کہ تارکین زکوۃ۔ **تیسرا اعتراض:** **توفی کل نفس** سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کو پورا بدلہ دیا جائے گا تو نہ معافی کوئی چیز رہی نہ شفاعت۔ **جواب:** اسکے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ یہاں قانون کا ذکر ہے' اور **ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** میں اسکی قدرت کا تذکرہ ہے' ہمارا ایمان قانون پر بھی ہے قدرت پر بھی' دوسرے یہ کہ **توفی** کے معنی یہ ہیں' کہ گناہوں کی سزا میں زیادتی نہ ہوگی اور نیکیوں کی جزاء میں کمی نہ کی جائیگی۔ رہا گناہ معاف فرمانا یا نیکیوں کا بدلہ زیادہ دے دینا' یہ کرم ہے' غرضیکہ یہاں عدل کا ذکر ہے عدل فضل کے خلاف نہیں' تیسرے یہ کہ یہ پورا دینا ظلم کے مقابل ہے' اس لئے فرمایا گیا **وھم لا یظلمون** اگر رب تعالیٰ کسی کی نیکیاں ساری برباد فرمادے تو ظلم نہیں اور اگر کسی کو بلا جرم سخت سزا دے' تب بھی ظلم نہیں' ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی ملک میں بلا اجازت عمل در آمد کرنا' سب اللہ کے بندے ہیں اسی کی ملکیت ہیں' وہ اپنے بندوں سے جو معاملہ فرمادے عین عدل یا فضل ہے' ظلم کیسا؟ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائیگا' تو کیا نابالغ بچوں کے اعمال کی بھی سزا جزا ہے؟ نفس تو وہ بھی ہیں۔ **جواب:** یہاں نفس سے مراد مکلف بندہ ہے' جس پر شرعی احکام جاری ہوں' اسی لئے آگے ارشاد ہوا **بما کسبت** اس کے کسب کا بدلہ دیا جائے گا' نا سمجھ بچے کے عمل کسب میں داخل نہیں' ان کا صدور ہوتا ہے کسب میں عقل' ارادہ سب معتبر ہے' صدور بے عقلی بے ارادہ افعال پر بولا جاتا ہے' اسی لئے یہاں کسبت ارشاد ہوا نہ کہ صدرت بالغ کے بے اختیاری اعمال کی بھی سزا نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کبھی چوری' خیانت نہیں کرتے' مگر سورہ یوسف سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے چوری کی تھی' کہ برادران یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا **فقد سرق اخ لہ من قبل**: **جواب:** وہ چوری نہ تھی بلکہ حقیقتہ "کفر کا مٹانا تھا کہ آپ نے ایک شخص کا بت اٹھا کر پھینک دیا تھا' اسے صورۃ" چوری کہا (صاوی)۔

تفسیر صوفیانہ: کوئی عقلمند ٹوٹے گھڑے میں دودھ نہیں بھرتا' کہ وہ خائن ہے مالک کو پورا دودھ واپس نہیں دیتا' اسی طرح کوئی عاقل خراب میلے برتن میں دودھ نہیں جماتا' کہ اس میں دودھ خراب ہو جاتا ہے' مکھن درست نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ اپنی وحی اور نبوت کیلئے جو سینے اور دل منتخب فرماتا ہے' وہ ہر قسم کی خیانت وغیرہ سے پاک و صاف ہوتے ہیں کہ وہاں وحی جو اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے' اس اعلیٰ نعمت کیلئے دل و جگر بھی اعلیٰ ہی چاہئے' خائن اور غال وہ ہوتا ہے' جس کا نفس وہ ہوا اس پر غالب ہو' حضرات انبیاء

علیہم الصلوۃ والسلام بشری صفات سے نکل کر ربانی صفات سے موصوف ہوتے ہیں' نفسانی عیوب' شیطانی خصلتوں سے یکدم علیحدہ ہوتے ہیں' انکے اعمال اللہ تعالیٰ کے زیر نگرانی ہوتے ہیں' لہٰذا ان سے خیانت' غلول صادر ہو سکتے ہی نہیں' نبی صفات رضوان کی جنت میں رہتے ہیں' نفس کے جحیم ہوا کے ہاویہ سے دور' لہٰذا نبوت وخیانت کبھی جمع نہیں ہو سکتیں' جو شخص ان حضرات کو خیانت وغیرہ کسی عیب سے اتہام لگائے' اس کے پاس نبی کو دیکھنے والی آنکھ نہیں' باریک چیزیں خوردبین سے اور دور کی چیزیں دوربین سے دیکھی جاتی ہیں یہ عینکیں ان چیزوں کے دیکھنے کا ذریعہ ہیں' یوں ہی نبی کی شان ایمان کی عینک کے بغیر نظر نہیں آتی' انہیں دیکھنے کیلئے آنکھ بھی اور ہے نور بھی اور' پھر اس آنکھ کا سرمہ بھی دوسرا اور اس سرمہ کے حاصل کرنے کے دکانیں اور بازار بھی علیحدہ' مولانا فرماتے ہیں۔

اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود! نیک و بد در چشم شان یکساں نمود

اللہ تعالیٰ چشم بینا نصیب کرے (از روح البیان) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ جو نبی کو خائن مانے وہ کافر ہے' جیسے جو رب تعالیٰ کو صاحب اولاد مانے وہ بے دین ہے۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ
تو کیا وہ شخص جو پیچھے چلے اللہ کی رضا کے مثل اس کے ہو سکتا ہے جو لوٹے اللہ کی ناراضگی کے ساتھ اور ٹھکانہ اسکا
تو کیا جو اللہ کی مرضی پر چلا وہ اس جیسا ہو گا جس نے اللہ کا غضب اوڑھا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے
وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾
دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے وہ درجے والے ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں
اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی وہ اللہ کے ہاں درجہ بدرجہ ہیں اور اللہ ان کے کام دیکھتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ نبی خیانت نہیں کر سکتے' جسکی ایک وجہ تو وہاں ہی بیان فرما دی گئی تھی' کہ خائن خیانت کا مال قیامت میں اپنے پر لادے پھرے گا' دوسری وجہ اب بیان ہو رہی ہے کہ خائن پر رب تعالیٰ سخت ناراض ہے' اور نبی سے اللہ تعالیٰ راضی ہے' تو نبی خائن کیونکر ہو سکتے ہیں' محبوبیت کے ہوتے ناراضی کے اعمال صادر ہو سکتے ہی نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ ہر نفس کو اس کی کمائی ملے گی' اب اسکی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ خائنین اور رب تعالیٰ کو ناراض کرنے والوں پر غضب کی آگ ہو گی اور نیک کاروں کو درجات عطا ہوں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قانون الٰہی کا ذکر ہوا کہ ہر نفس کو اسکے اعمال کا بدلہ ملے گا' اب اس آیت میں اس کی قدرت کا ذکر ہے' کہ نیک کاروں کو علاوہ جزاء کے درجات کی عطاء بھی ہو گی' گویا پہلے عدل کا ذکر تھا' اب فضل کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بندوں پر ظلم نہ کیا جائیگا' اب اس کا مطلب سمجھایا جا رہا ہے' کہ کسی کی نیکی ضائع نہ ہو گی' ہاں درجے بڑھا دیئے جائیں گے' کہ یہ رب تعالیٰ کی عطا ہے' ظلم کی نفی کے بعد کرم کریمانہ اور رحم خسروانہ کا اثبات ہے' گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر ہے۔

شان نزول: جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے احد کی طرف چلنے کا حکم دیا' تو مخلص مومنین تو بے تامل روانہ ہو گئے ہم منافقین کچھ تو روانہ ہی نہ ہوئے' اور کچھ لوگ روانہ تو ہوئے' مگر بعد میں واپس لوٹ گئے' جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا' ان دونوں جماعتوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان دونوں گروہوں کی سزاو جزا کا ذکر ہوا۔ (تفسیر خازن' روح المعانی)

تفسیر: افمن اتبع رضوان الله: ہمزہ استفہامیہ ہے' اور اس جملہ میں انکاری استفہام ہے' من سے مراد سارے انسان ہیں' فرشتے و جنات اس میں داخل نہیں' کیونکہ آئندہ جزا عذاب ہے' وہ صرف انسانوں کیلئے ہے' اتباع کے معنی ہوتے ہیں کسی کے پیچھے پیچھے چلنا' جیسے انجن کے پیچھے ریل کے ڈبے دوڑتے ہیں' کہ لائن کی نگرانی کی ذمہ داری صرف انجن والوں پر ہے' یہاں چونکہ اس کا مفعول رضوان ہے نہ کہ کوئی انسان' اس لئے یہاں اتباع سے مراد ہے حاصل کرنے کی کوشش کرنا' اور اس کی طرف چلنا' چونکہ یہ دونوں کام نبی کے پیچھے چلنے سے میسر ہوتے ہیں' اس لئے اتبع فرمایا گیا' رضوان بمعنی رضاو خوشنودی "ر" کے پیش سے بھی ہے' جیسے کفر سے کفران' اور ر کے کسرہ سے بھی جیسے حسب سے حسبان مگر ہماری قراءت میں کسرہ سے ہے' یعنی اچھا سوچو تو کہ بھلا وہ شخص جو اللہ کی رضا تلاش کرے' اسی کی طرف چلے' اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرے' اس میں گفتگو ہے' کہ یہاں رضائے الٰہی حاصل کرنے سے کیا مراد ہے' بعض نے فرمایا کہ ایمان لے آنا' بعض نے فرمایا نیک اعمال کرنا' بعض نے کہا جہاد کیلئے چل پڑنا' بعض نے فرمایا غنیمت میں خیانت نہ کرنا' اپنے کو اس جرم سے محفوظ رکھنا' مگر نہایت جامع بات یہ ہے کہ اتباع سے مراد ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا' کہ اس میں یہ تمام چیزیں آجاتی ہیں' اس کی تفسیر وہ آیت ہے فاتبعونی یحببکم الله پھر اس میں گفتگو ہے کہ من سے کون لوگ مراد ہیں' بعض نے فرمایا سارے صحابہ' بعض نے کہا مہاجرین' بعض نے فرمایا انصار' بعض کے خیال میں احد کے میدان کی طرف اخلاص سے روانہ ہونے والے' مگر قوی تر یہ ہے کہ اس سے ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے' کہ اگرچہ آیت کا نزول خاص ہے مگر عبارت عام' تفسیر میں عام الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کے خاص نزول کا کمن باء بسخط من الله یہ عبارت من کی خبر ہے' یہاں بھی من سے مراد یا سارے کفار ہیں یا سارے منافقین یا احد سے رہ جانے والے منافقین یا وہاں جا کر لوٹ جانے والے منافقین پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں باء' بوء کا ماضی ہے باب نصر سے بمعنی لوٹ جانا' خط مصدر رقیاسی ہے' اس کا ماضی مضارع آتا ہے' من الله ثابت کے متعلق ہو کر یا تو خط کا حال ہے یا صفت' اس میں بھی گفتگو ہے' کہ یہاں لوٹنے سے کیا مراد ہے یا کفر کرنا یا منافقت اختیار کرنا یا غزوۂ احد میں نہ جانا یا جا کر لوٹ آنا یا غنیمت میں خیانت کرنا' غرضیکہ جتنے احتمال اتباع رضوان اللہ میں تھے' اسکے مقابل اتنے ہی احتمال اس لوٹنے میں ہوں گے' حق یہ ہے کہ اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرنا آپ کے حکم سے سرتابی کرنا ہے' کہ اس میں تمام جرم خود بخود آجاتے ہیں' یعنی کیا ایسا بندہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی لے کر لوٹا' یا تو احد کے میدان سے لوٹا یا مر کر دنیا سے لوٹا وما وہ جھنم یہ جملہ ہلہ پورے جملہ پر معطوف ہے' اور دونوں جملے کمن موصول کے صلہ میں ہیں ماوی کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ اوی کا اسم ظرف ہے' بمعنی لوٹنا' رجوع کرنا' اوی یا وی اس کا ماضی مضارع ہے۔ ماوی بمعنی ٹھکانہ اور جائے قرار وبئس المصیر یہ نیا جملہ ہے' ولو ابتدائیہ ہے عاطفہ نہیں' بئس کا فاعل تو

مصیر ہے مخصوص بالذم پوشیدہ ہے ھو یعنی دوزخ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے **ھم درجت عند اللہ** یا تو ھم سے پہلے لام پوشیدہ ہے یا درجت سے پہلے ذو پوشیدہ یا کاف مضمر ہے' درجت درجۃ کی جمع ہے' معنی زینہ کے تختے یا ترقی کے مدارج' **عند اللہ درجت** کا ظرف ہے یا پوشیدہ کا ظرف ہو کر درجت کی صفت' اس میں گفتگو ہے کہ ھم سے مراد کون لوگ ہیں' بعض نے فرمایا کہ **من اتبع** والے اور درجت سے مراد ثواب کے درجے ہیں' کیونکہ ثواب کے مراتب کو درجات کہتے ہیں' اور عذاب کے مرتبوں کو درکات' بعض کے خیال میں ھم کا مرجع کمن ہے' بعض کے خیال میں دونوں من مرجع ہیں' یعنی نیک بندوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجے ہیں' جیسے انکے اعمال' ویسے ان کے درجے' یا بدکار لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجے والے ہیں' جیسی ان کی بدکاری ویسا ان کا درجہ اور عذاب' یا یہ نیک و بد لوگ مختلف درجہ والے ہیں' کہ نیکوں کا درجہ اعلیٰ ہے' بدوں کا درجہ ادنیٰ' یا یہ لوگ مختلف درجوں کی طرح ہیں کہ درجات آپس میں یکساں نہیں ہوتے' کوئی ادنیٰ ہوتا ہے کہ کوئی اعلیٰ' ایسے ہی یہ لوگ برابر نہیں' **واللہ بصیر بما یعملون** یہاں یعملون کا فاعل سارے نیک و بد بندے ہیں' خیال رہے کہ دیکھنا رب تعالیٰ کی ایک صفت ہے' جاننا دوسری صفت' لہٰذا البصیر ایک اسم الٰہی ہے اور علیم دوسرا اسم' رب تعالیٰ کا دیکھنا نہ تو ہماری طرح آنکھ وغیرہ سے ہے اور نہ چیز کے ہو جانے پر موقوف' یعنی اللہ تعالیٰ سارے کفار و مومنین کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے' کوئی اس سے چھپا ہوا نہیں' گنہگار کو بقدر اعمال سزا جزا ضرور ملے گی۔

خلاصہ ء تفسیر: دنیا میں دو قسم کے بندے ہیں' ایک رب تعالیٰ کی رضاء کے متلاشی' دوسرے اسے ناراض کرنے والے' تم غور تو کرو کہ اگرچہ دونوں قسم کے لوگ رنگ و روپ' شکل و صورت میں یکساں ہیں' مگر سوچو تو کیا اللہ کی رضا کے پیچھے چلنے والے کہ جدھر اور جس کے ساتھ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا نظر آئے ادھر ہی چلدیں' اور اسی کے ساتھ ہو جائیں اسی میں زندگی گزار دیں' مرتے وقت تک رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں' ایسے لوگ کیا ان بدبختوں کی طرح ہو سکتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی' اس کا غضب لے کر شام کو اپنے گھر لوٹیں' یا مرتے وقت رب تعالیٰ کی طرف لوٹیں اور جنکا ٹھکانہ وجائے قرار دوزخ ہو' ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا' یہ دونوں جماعتیں یکساں نہیں ہو سکتیں' دوزخ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے' تو اس میں جانے والے بہت ہی برے ہیں' یہ جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجوں والے ہیں' بعض اعلیٰ' اور بعض بہت ہی اعلیٰ' یا یہ دوزخی لوگ اللہ کے ہاں مختلف درجہ والے ہیں' بعض بد' اور بعض بدتر' یا یہ دوزخی جنتی یکساں نہیں' بلکہ درجوں میں مختلف ہیں' کہ جنتی اعلیٰ اور دوزخی ادنیٰ' پھر یکساں کیسے ہو سکتے ہیں' خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت کسی کے عمل سے غافل نہیں' یہ دوزخی و جنتی جو کچھ کر رہے ہیں' رب تعالیٰ برابر دیکھ رہا ہے' ہاں سزا جزا کا ایک وقت مقرر ہے' وہ وقت آنے پر بدلہ دیا جائیگا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** مومن کافر کے برابر نہیں' اور متقی فاسق کی مثل نہیں' جیسا کہ یہاں استفہام انکاری سے معلوم ہوا' دوسری جگہ قرآن کریم نے اسے اور بھی واضح فرما دیا ہے' کہ فرمایا **لا یستوی اصحب النار واصحب الجنۃ' اصحب الجنۃ ھم الفائزون** دوزخی و جنتی برابر نہیں' بلکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ عالم جاہل برابر نہیں' فرماتا ہے **ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون** جب ایمان کی وجہ سے مومن کافر جیسا نہیں' اور علم کی برکت سے عالم جاہل کی مثل نہیں تو نبوت کے ہوتے ہوئے' نبی غیر نبی کی مثل کیونکر

ہو سکتے ہیں' جو لوگ بشریت یا عبدیت کی وجہ سے نبی کو اپنے جیسا کہتے ہیں' انہیں چاہئے کہ اسی بشریت کی وجہ سے اپنے آپ کو ابوجہل جیسا کہا کریں' اور اپنے سرداروں کو ابولہب جیسا بتایا کریں **انما انا بشر مثلکم** ایسا ہی ہے جیسے **الا امم امثالکم** کہ اس میں رب تعالیٰ نے جانوروں کو انسان کا مثل قرار دیا' اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **دوسرا فائدہ:** مومن اگرچہ لاچار نادار' بیمار ہو' کافر سے افضل ہے اگرچہ کافر مالدار یک بادشاہ بھی کیوں نہ ہوں' جیسا کہ افمن میں من کے عموم سے معلوم ہوا' کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا۔

رام نام کٹے بھلے کہ ٹپ ٹپ ٹپکے چام   واروں کنچن دیہہ کو کہ جس مکھ ناہیں رام

یعنی جس کوڑھی کے منہ میں اللہ کا نام ہو' اگرچہ اس کا گوشت گل رہا ہو' وہ اس سنہرے جسم والے سے بہتر ہے جو خدا سے غافل ہو۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا بندے پر بڑا کرم یہ ہے' کہ اسے نیک اعمال کی توفیق دے دے' اعمال کمال کا ذریعہ ہیں نہ کہ مال' مال تو شداد و فرعون کو بھی مل گیا تھا' جیسا کہ **اتبع رضوان اللہ** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نہ سارے مومن درجات میں برابر ہیں' نہ سارے کافر درکات میں یکساں' بلکہ یہ لوگ آپس میں مختلف' جیسا کہ **ھم درجت** کی تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** رب تعالیٰ کے فضل سے مومن اگرچہ گنہگار ہو' مگر رب تعالیٰ کی ناراضی لے کر لوٹتا نہیں' بلکہ آخرکار رب تعالیٰ کو راضی کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق دیتا ہے' جیسا کہ **باء بسخط** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں رضائے الٰہی کی اتباع کی تعریف فرمائی گئی' رضاء کی اتباع کیسے ہو سکتی ہے؟ اتباع تو کسی انسان وغیرہ کی ہوگی' کہ اس کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا اتباع رضا کے یہ معنی ہیں کہ اسکے پیچھے چلنا جس سے رب تعالیٰ راضی ہو چکا' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی** وہاں فرمایا میری اتباع کرو' یہاں فرمایا رضائے الٰہی کی اتباع کرو' معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع رضائے الٰہی کی اتباع ہے' یا اتباع رضاء کے یہ معنی ہیں' کہ جس جگہ' جس کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم کرے' وہاں اور اس کے پیچھے ہو لے' وہاں جانا گویا رضاء کے پاس جانا ہے' حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شام کی طرف ہجرت کرتے ہوئے فرمایا تھا **انی ذاھب الی ربی سیھدین:** میں اپنے رب تعالیٰ کے پاس جا رہا ہوں' اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کو اپنے پاس آنا فرمایا' کہ فرمایا' **ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ** **دوسرا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے دوزخ کے متعلق فرمایا **وبئس المصیر** وہ برا مصیر ہے' مرجع اور مصیر میں کیا فرق ہے' کہ اسے مرجع نہ فرمایا۔ **جواب:** مصیر میں ضروری ہے کہ پہلے حال کے خلاف ہو' مرجع میں یہ ضروری نہیں' کفار دنیا میں راحت و آرام میں تھے کہ دنیا ان کیلئے جنت تھی' وہاں مصیبت میں گرفتار ہوں گے' اس لئے اسے مصیر فرمانا زیادہ موزوں تھا (تفسیر روح البیان) **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا ھم درجت وہ لوگ درجے ہیں' حالانکہ لوگ درجے نہیں بلکہ درجے والے ہیں۔ **جواب:** اس کے بہت سے جوابات تفسیر میں گزر گئے' کہ یا تو ھم سے پہلے لام پوشیدہ ہے یا درجت سے پہلے ذو یا کاف یا فی وغیرہ پوشیدہ ہے' یعنی انکے مختلف درجے ہیں یا وہ مختلف درجوں والے ہیں یا وہ درجوں کی طرح ہیں' کہ جیسے درجے آپس میں یکساں نہیں ہوتے' ایسے ہی یہ لوگ یکساں نہیں' سیڑھی کے ڈنڈے بظاہر سب ڈنڈے ہی ہیں' مگر ایک دوسرے سے مرتبے میں مختلف یوں ہی یہ لوگ رنگ و روپ میں بظاہر یکساں ہیں' مگر مراتب میں مختلف' ظاہر کو نہ دیکھو' اصل حقیقت پر نظر کرو۔ **چوتھا اعتراض:**

کمن باء سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پہلے بے دین و کافر تھا' پھر مسلمان ہوتا ہے' حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پھر دنیا میں آکر یہودی نصرانی بنتا ہے باء' بوء سے بنا' معنی اصل کی طرف لوٹنا۔ جواب: ہر شخص مر کر رب تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے والیہ المصیر جو ایمان لے کر گیا' وہ ایمان کے ساتھ اپنی اصل کی طرف لوٹا اور جو کفر پر مرا' وہ کفر لے کر لوٹا' لوٹنا ادھر جانے کے لحاظ سے ہے' اسی لئے یہاں الی سخط نہ فرمایا بلکہ بسخط ارشاد ہوا' یعنی رب تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹا' کہاں لوٹا' رب تعالیٰ کی طرف' جہاں سے آیا تھا۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے انسان کو دو رہبر دیئے ہیں' عقل و نفس' عقل تو جنت رضوان' رضائے رحمان کا راستہ دکھاتی ہے' نفس دوزخ' نیران' رضائے شیطان کی راہ بتاتی ہے' جو عقل کی مانتے ہیں' وہ رضوان کی راہ چل کر جنان تک پہنچتے ہیں' جو نفس کی پیروی کرتے ہیں' وہ شیطان کی راہ چل کر دوزخ تک پہنچتے ہیں' حتیٰ کہ دنیا میں مشغولیت اگر سنت رسول سمجھ کر ہو تو یہ رضوان کی راہ ہے' اور اگر نفس کی پیروی میں ہو' تو یہی دوزخ کا راستہ ہے جیسے نفس و عقل اور جنت و دوزخ' شیطان' رضوان یکساں نہیں' ایسے ہی ان کی پیروی کرنے والے یکساں نہیں' ان پیروکاروں میں وہی فرق ہوگا' جو ان راہوں میں فرق ہے' پھر مومن آپس میں یکساں نہ آج ہیں نہ جنت میں ہوں گے' جنتیوں کے چار گروہ ہوں گے' انبیاء' اولیاء علماء' عام مومنین' حضرات انبیاء نور کے منبروں پر ہوں گے' حضرات اولیاء تختوں پر' علماء کرسیوں پر' عام مومنین مشک کے ٹیلوں پر۔

قیامت کہ بازار مینو نہند! منازل باعمال نیکو دہند

دنیا میں مومنوں کا عملی فرق چند طرح ہے۔ (1) عمر سے کہ بڈھا مومن بچے مومن سے افضل ہے۔ (2) وقت سے' چنانچہ رمضان' شب قدر' عاشورہ میں نیکیاں کرنے والا' دوسرے زمانہ میں نیکیاں کرنے والے سے افضل ہیں۔ (3) جگہ سے چنانچہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کا نمازی دوسری جگہ کے نمازیوں سے بہتر ہے۔ (4) حالت سے' چنانچہ جماعت سے نماز پڑھنے والا اکیلے نمازی سے افضل ہے۔ (5) نوعیت عمل سے' چنانچہ اپنے عزیزوں کو صدقہ دینے والا اجنبیوں کو صدقہ دینے والے سے افضل ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بضاعت بچنداں کہ آری بری! اگر مفلسی شرمساری بری

ہر دن پکارتا ہے کہ میں خلق جدید ہوں' اور کل تیرے اعمال کا شہید' مجھے تو آج کے بعد نہ دیکھے گا' تو یہ سمجھ کر عمل کر کہ کل تجھے رب تعالیٰ کے ہاں ضرور پیش ہونا ہے۔ (از روح البیان مع زیادۃ)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ
یقینا احسان فرمایا اللہ نے مومنوں پر کیونکہ بھیجا ان میں ایک رسول ان کی
بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر

أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

جانوں سے جو تلاوت کرتے ہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتے ہیں انہیں اور سکھاتے ہیں کتاب

اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے

وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور مفید باتیں اگرچہ وہ تھے پہلے سے کھلی گمراہی میں

اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اس بہتان کا ذکر کیا گیا تھا جو بعض بدبختوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لگایا' اب اس آیت میں نہایت نفیس طریقہ سے اس بہتان کی تردید ہو رہی ہے کہ وہ نبی جن کی شان یہ ہو' وہ خیانت کیسے کر سکتے ہیں؟ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عیبوں سے پاک ہونا بیان فرمایا' اب اس آیت میں آپ کا خوبیوں سے موصوف ہونا' بیان فرمایا جا رہا ہے یعنی ایک قسم کی نعت کا ذکر پہلے ہوا' اور دوسری قسم کی نعت کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہمارے محبوب بے عیب ہیں' اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اوروں کو بے عیب بنانے والے ہیں یعنی پہلے آپ کے اچھا ہونے کا ذکر تھا' اور اب دوسروں کو پاک بنانے کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دی گئی' اب بھی جہاد ہی کی ترغیب ہے مگر اور نوعیت سے کہ اس نبی کی ذات سے تم کو بے شمار فائدے حاصل ہوئے' لہٰذا تمہارا بھی فرض ہے کہ ان کی حمایت کرو' اور جو لوگ ان کی حمایت سے روکنا چاہیں' ان سے لڑو۔

تفسیر: **لقد من اللہ علی المومنین:** جس مضمون کے انکاری موجود ہوں یا ہونے والے ہوں اسے تاکیدوں سے موکد کیا جاتا ہے' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے منکر پہلے بھی موجود تھے اور تاقیامت ہونے والے تھے بلکہ بعض کلمہ گویوں میں بھی ان کے فضائل کے انکاری پیدا ہو چکے تھے' اور ہونے والے تھے اس لئے اس آیت کو لام اور قد کی تاکیدوں سے شروع فرمایا گیا من' من سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں قطع کر دینا' کاٹ دینا' (روح المعانی) مگر اصطلاح میں اس کے بہت سے معنی ہیں۔ (1) آسمان سے اترا ہوا غیبی رزق' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وانزلنا علکم المن والسلوی:** (2) کسی پر احسان جتانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یمنون علیک ان اسلموا** (3) کسی کو طعنہ دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی:** (4) بند کرنا اور کاٹ دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وان لک لاجرا غیر ممنون:** (5) کسی کو بلا معاوضہ نعمت دینا' اور بغیر بدلہ اس پر احسان کرنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فامنن اوامسک** یہاں من آخری معنی میں ہے' اسمائے الٰہیہ میں سے منان بھی ہے' وہ اسی من سے مشتق ہے' اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سارے جہانوں پر ہی نعمت اور احسان ہے' مگر چونکہ اس سے پورا اور دائمی فائدہ مسلمانوں نے ہی اٹھایا' اس لئے خصوصیت سے یہاں انہی کا ذکر ہوا' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دنیا میں عذاب الٰہی آنا بند ہوئے' بلکہ مخلوق کو بارشیں اور

روزیاں ملنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طفیل ہے' جن سے کفار اور جانور بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں 'مگر یہ فائدے موت کے بعد ختم ہو جائیں گے 'مسلمانوں نے ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان و عرفان بھی لیا' جو نعمت لازوال ہے' اس لئے علی المؤمنین فرمایا گیا' حق یہ ہے کہ اس سے سارے ہی مومن مراد ہیں نہ صرف مدینہ کے' نہ صرف حجاز یا عرب کے' خیال رہے کہ رب تعالیٰ کے ہاں مومن وہ ہوتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہونیوالا ہو' کفر پر مرنے والا آدمی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اخروی فائدہ کیسے اٹھائے گا؟ **اذ بعث فیھم رسولا** : **اذ** کا تعلق من سے ہے' اذ ظرفیہ بھی ہوتا ہے تعلیلیہ بھی' یہاں دونوں بن سکتے ہیں 'مگر ظرفیہ ہو' تو مطلب یہ ہو گا کہ اگرچہ پہلے ہی سے رب تعالیٰ کے بندوں پر کروڑوں احسانات ہیں 'مگر بڑا احسان اسی وقت ہوا جب یہ رسول بھیجا' اور اگر تعلیلیہ ہو تو معنی ظاہر ہیں 'کہ اس لئے رب تعالیٰ نے احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا' نیست کو ہست کرنا خلق کہلاتا ہے' اور جو پہلے موجود ہو' اسے اپنے کام یا پیغام کیلئے کہیں بھیجنا بعثت' چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش میں سب سے پہلے ہیں 'مگر تشریف آوری میں سب نبیوں کے بعد اور یہاں تشریف آوری کا ہی ذکر ہے۔ نیز سب لوگ دنیا میں اپنے کام کیلئے آئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے کام کیلئے' نیز سب لوگ عالم ارواح سے یہاں آئے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاص دربار کبریا سے' اس لئے خلق نہ فرمایا بلکہ بعث فرمایا' اسی بنا پر ہم صرف مخلوق ہیں 'مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق بھی ہیں مبعوث بھی' ہمیں مبعوث نہیں کہا جا سکتا **فیھم بعث** کا ظرف ہے' ھم کا مرجع مومنین' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ میں ہوئی' قریش و بنی ہاشم میں ہوئی 'مگر بعثت سارے عالم اور سارے مومنین میں ہوئی' اس لئے فیھم فرمایا لکل صحیح ہے' سورج رہتا چوتھے آسمان پر ہے مگر چمکتا ہے سارے جہان پر' دن ہر جگہ نکال دیتا ہے' چراغ ہر جگہ کے گل کر دیتا ہے' اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ زمین پر سورج چمکا' ایسے ہی نبوت کا سورج رہا تو مکہ مدینہ میں 'مگر چمکا ہر مومن کے دل اور سینہ میں' اس لئے فیھم ارشاد ہوا' اس فیھم پر صوفیائے کرام وجد کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں۔۔

سنا ہے رہتے ہیں دولہا فقط مدینہ میں غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینہ میں

رسول بروزن فعول رسالت کا صفت مشبہ ہے' بعثت اور رسالت میں فرق یہ ہے' کہ بعثت مطلقاً بھیجنے کو کہتے ہیں 'اور رسالت یا ارسال پیغام دیکر بھیجنے کو' رسول کی تنوین تعظیمی ہے' یعنی شاندار رسول' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھی رسول ہیں اور ہمارے بھی' کہ اللہ کی طرف سے لانے والے ہیں اور ہمیں پہنچانے والے' نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی وقت یا کسی جگہ یا کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں' ہر وقت ہر جگہ ہر قوم کے رسول ہیں بلکہ رسولوں کے بھی رسول ہیں' اس لئے یہاں رسولا" کو نہ تو خالق یا مخلوق کی طرف نسبت کیا گیا کہ تمہارے یا ہمارے رسول اور نہ کسی قید سے مقید کیا گیا کہ فلاں کے رسول' غرضیکہ رسولا" میں کئی طرح سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے' گناہگار کہتے ہیں ہمارے رسول' نیک کار کہتے ہیں ہمارے رسول' چڑیاں' فرشتے' جنات کہتے ہیں ہمارے رسول' اور پروردگار کہتا ہے میرے رسول' چاند کو سبھی دیکھا کرتے ہیں' اور سبھی کی انگلیاں اس کی طرف اٹھا کرتی ہیں۔۔

بلبل نے گل ان کو کہا قمری نے سرو جانفزا حیرت نے جھنجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

من انفسھم جار مجرور کا ثنا" یا ثابتا" کا متعلق ہو کر رسول کا حال یا اس کی صفت ہے **انفس**' **نفس** کی جمع ہے' بمعنی ذات

دل روح وجان' قرآن شریف فرماتا ہے **تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک** یہاں بمعنی ذات یا بمعنی جان ہے یعنی وہ رسول ان مومنین کی ذات سے ہیں کہ انسان ہیں جن یا فرشتہ نہیں جن کی وجہ سے انسانیت ' ملکیت پر بھی فخر کر گئی۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے ۔ بے نور تھا خرد کا ستارہ ترے بغیر

یا وہ رسول مسلمانوں کی جانوں کے قبیلہ سے ہیں کہ جیسے جان ہر عضو کی خبر رکھتی ہے' ہر عضو کو فیض دیتی ہے' مگر آنکھوں سے نہاں رہتی ہے' ایسے ہی وہ رسول تمہارے ہر حال سے خبردار ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم** تمہاری مشقت یا مصیبت ان پر گراں ہے' بے خبر پر گرانی کیسی؟ مگر آنکھوں سے ایسے چھپے ہوئے ہیں کہ بجز پروردگار انہیں کماحقہ' کسی نے نہ دیکھا ہم نے عرض کیا ہے۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں ولیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

جان ہیں جان کیا نظر آئے! ۔ کیوں عدو گرد غار پھرتے ہیں!

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت ۔ نہ جانا کچھ بھی کسی نے تجھے بجز ستار

بعض مفسرین جیسے خازن' کبیر' روح المعانی نے اس لفظ کی تفسیر یوں بھی کی ہے کہ انفس سے مراد جماعت و قبیلہ ہے' اور ھم سے مراد اہل عرب ہیں' معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں بھیجا' اہل عرب کے خاندان سے' جنکی زبان و حالات زندگی سے یہ لوگ خبردار ہیں' اسی بعثت سے ان اہل عرب کی عزت و عظمت کی دھوم چاروں طرف مچ گئی' مگر اس تفسیر کی بنا پر لازم یہ آئے گا کہ اگلی ساری ضمیریں بھی اہل عرب کی طرف ہی راجع ہوں' اور مطلب یہ ہو کہ وہ نبی اہل عرب ہی کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں' اور ان ہی کو پاک فرماتے ہیں' یہ بات درست نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جہان کے مسلمانوں کو علم و حکمت بھی سکھائی' انہیں پاک بھی فرمایا' بعض قراءتوں میں **من انفسھم** ہے ف کی فتح سے نفیس کی تفضیل یعنی تشریف لائے وہ رسول نفیس' بہترین جماعت سے' کہ آپ عربی' قرشی' مطلبی' ہاشمی ہیں' جو تمام جہان میں بہتر خاندان ہیں' اس کی تحقیق انشاء اللہ **لقد جاء کم** کی تفسیر میں کی جائے گی **یتلوا علیھم ایتہ** یہ جملہ رسولا'' کا دوسرا حال ہے یا دوسری صفت' **یتلو' تلاوا** سے بنا' تلاوت کی پوری تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی ہے' علیھم میں ھم ضمیر سارے مومنین کی طرف لوٹتی ہے' آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں' اور تلاوت سے مراد بلاواسطہ و بالواسطہ دونوں تلاوتیں ہیں' کہ قیامت تک مسلمانوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی بواسطہ علماء و حفاظ قرآنی آیات سنا رہے ہیں' یعنی وہ رسول مسلمانوں کو وہ قرآنی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں' کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ نہ ہوتا تو یہ آیتیں ان تک پہنچ سکتی ہی نہ تھیں' کیونکہ آیتیں عرشی تھیں اور یہ لوگ فرشی' سنانے والا بھی وہ چاہیے تھا جو عرشی بھی ہو اور فرشی بھی' وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تلاوت فرمانا سنانے کیلئے بھی ہے اور سکھانے کیلئے بھی' حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم کے بغیر سکھائے کوئی شخص قرآن پاک کی صحیح تلاوت نہیں کر سکتا **ویزکیھم** یہ جملہ **یتلوا** پر معطوف ہے اور رسول کا تیسرا عمل یا صفت' یہ لفظ تزکیہ سے بنا' بمعنی پاک و صاف کرنا' اکثر جسمانی اور ظاہری پاکیزگی کو طہارت کہا جاتا ہے اور دلی و روحانی پاکیزگی کو تزکیہ' اسی لئے مذبوحہ جانور کو مزکی کہتے ہیں' اور ایک خاص صدقہ کو زکوۃ کہا جاتا ہے' باب تفعیل مبالغہ کیلئے ہے نہ کہ محض آہستگی کیلئے' یعنی یہ رسول مسلمانوں کو برے اعتقاد' خراب رسوم' بد اعمال وغیرہ سے خوب پاک و صاف کرتے ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ بمعنی مستقبل ہو' اور اس میں قیامت کا ذکر ہو' یعنی یہ رسول ان مسلمانوں کا تزکیہ بارگاہ الٰہی میں کریں گے' عرض کریں گے کہ مولیٰ میری امت متقی ہے فاسق نہیں' مقبول الشہادت ہے مردود الشہادت نہیں' جیسا کہ دوسرے پارہ میں عرض کیا گیا **ویعلمھم الکتب والحکمۃ** حکمت کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں' "قریباً" سارے مفسرین تفسیر خازن' بیضاوی' روح البیان' جلالین اور مدارک و صاوی وغیرھم نے فرمایا کہ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے' اور حکمت سے سنت' بعض لوگ کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآنی احکام ہیں' مگر یہ غلط ہے کہ یہ تو **الکتب** میں آ چکے' خیال رہے کہ الفاظ قرآن کی تعلیم کا ذکر تو **یتلوا** میں ہو گیا' اور معانی قرآن اسرار قرآن شریف کا ذکر **یعلمھم** میں ہو گیا' اب حکمت سے مراد کتاب کے علاوہ کوئی اور چیز ہونی چاہیئے' تاکہ کلام کا کوئی جز بیکار نہ ہو' اور وہ سنت ہی ہے' چونکہ تلاوت قرآن ابتدائی چیز تھی' اور تعلیم قرآن انتہائی درجہ' اس لئے تلاوت کا ذکر پہلے ہوا' اور تعلیم کا ذکر تزکیہ کے بعد کہ علم کتاب و سنت اسی کو میسر ہوتا ہے' جو پاک و صاف ہو **وان کانوا من قبل** بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ ان کا مخفف ہے' جس کا اسم یعنی ضمیر ھم پوشیدہ ہے' اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بھی اس پر دال ہے' اور بعض نے فرمایا کہ واؤ حالیہ ہے اور ان شرطیہ بمعنی اگرچہ' حق یہ ہے کہ کانوا کا فاعل سارے ہی انسان ہیں نہ کہ صرف اہل عرب اور قبل کا مضاف الیہ وہ یا حاپوشیدہ ہے' جس کا مرجع رسول ہیں یا بعثت **لفی ضلل مبین:** **ضلال** سے مراد گمراہی ہے' عقائد کی ہو یا اعمال کی' یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے سارے ہی لوگ خصوصاً" اہل عرب عقائد کی گمراہی میں بھی تھے اور اعمال کی گمراہی میں بھی اور کیوں نہ ہوتے کہ عرب میں تو چار ہزار سال یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے کوئی نبی ہی نہیں آئے تھے' اور دوسرے ممالک میں اگرچہ نبی تشریف لائے تھے' مگر انکی تعلیم گم ہو کر رہ گئی تھی' طلوع سورج سے پہلے دنیا میں رات ہی ہوتی ہے' خیال رہے کہ دیگر انبیاء چراغ تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سورج' چراغ روشنی تو دے سکتے ہیں' مگر دن نہیں نکال سکتے' دن نکالنا تو سورج ہی کا کام ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے سارے عالم پر عموماً" اور مسلمانوں پر خصوصاً" بڑا ہی احسان فرمایا کہ ان ہی میں ایک ایسا شاندار رسول بھیجا جو ان ہی میں سے ہے نہ کہ جنات اور فرشتوں میں سے' جس کے باعث انکی عزت و عظمت کو چار چاند لگ گئے' پھر وہ رسول خالی نہ آئے بلکہ بہت نعمتوں کو ساتھ لائے' چنانچہ وہی رسول انہیں آیات قرآنیہ پڑھ کر سناتے اور سکھاتے ہیں' اگر وہ نہ پڑھتے تو کسی کو قرآن پڑھنا بھی نہ آتا' اور صرف قرآن سنانے پر ہی بس نہیں کرتے' بلکہ اپنی نگاہ کرم سے ان کے دل' دماغ' عقائد' خیالات' حالات' روزیوں' رسوم وغیرہ کو اچھی طرح خوب پاک و صاف فرماتے ہیں' جس سے ان میں کسی گندگی کا شائبہ بھی نہیں رہتا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انہیں کتاب الٰہی اور سنت رسول اکمل طریقہ پر سکھاتے ہیں' جس کے بعد انہیں کسی معلم کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی تمہیں خبر ہے کہ انکی تشریف آوری سے پہلے لوگ ہر طرح کی کھلی گمراہی میں تھے کہ نہ ان کے عقائد ہی ٹھیک تھے نہ عبادات ہی نہ معاملات ہی' نہ رسوم اچھی تھیں' نہ غذائیں حلال' یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری چند وجہوں سے اللہ کی نعمت ہے' ایک یہ کہ نفس انسانی بذات خود نیچے گرتا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اوپر اٹھاتے ہیں جیسے ڈھیلا چھوڑ دو تو نیچے آئے گا' پھینکو تو اوپر جائے گا دو سرے یہ کہ قدرتی طور پر ہر شخص کے دل میں رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی تڑپ ہے' مگر عقل سے یہ بات نہیں معلوم ہو سکتی کہ اسے کیسے راضی کیا جائے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب میں پیدا ہو کر عرب میں ہی رہنا اہل عرب کیلئے بہت مفید ہوا چند وجہ سے' ایک یہ کہ اہل عرب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی دیکھی اور دیکھا کہ سرکار نے ساری عمر شریف میں ایک دفعہ بھی کوئی بات غلط نہ کی' پاکدامنی' سچائی آپ کا طریقہ رہا اب جو آپ اپنی نبوت اور آخرت کے حالات کی خبر دے رہے ہیں اس میں آپ یقیناً سچے ہیں' دو سرے یہ کہ انہوں نے دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ایک لفظ نہ پڑھا' نہ کسی عالم کے پاس بیٹھے' مگر اچانک چالیس سال کی عمر شریف میں لوگوں کو ایسی کتاب سنائی جس سے چوٹی کے علماء حیران رہ گئے' معلوم ہوا کہ آپ وحی سے ہی فرما رہے ہیں' تیسرے یہ کہ اہل عرب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے دعوئی نبوت کے بعد بہت سا مال اور حسین ترین عورتیں پیش کیں' کہ آپ تبلیغ چھوڑ دیں تو یہ سب کچھ آپ کا ہے' لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قبول نہ فرمایا اور مسکینیت میں زندگی گزاری' پھر رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے ملک اور غنیمتیں عطا فرمائیں' مگر اس کے باوجود زندگی مبارک میں کوئی فرق نہ آیا' یعنی دنیا نے آپ کو نہ بدلا' آپ نے دنیا کو بدل دیا' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے دعوئی نبوت دنیا حاصل کرنے کیلئے نہ کیا تھا' چوتھے یہ کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے عرب بدترین زندگی گزار رہے تھے' عقائد' اعمال' اخلاق' غذاؤں وغیرہ میں تمام دنیا سے گرے ہوئے تھے' جانور بھی اپنے بچے کو خود نہیں مارتا' مگر وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے یہی لوگ تمام دنیا سے افضل ہو گئے' انہی میں سے عالم' زاہد' عابد بلکہ صدیق و فاروق بن گئے' اس لئے رب تعالیٰ نے یہاں نیم اور من انفسہم فرمایا' تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش معجزہ نہیں بلکہ معجزات کا مجموعہ ہے' چنانچہ آپ کی ولادت پر بت لوندھے گرے' کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا' جس سے چودہ کنگرے گر گئے' اشارتاً' بتایا گیا کہ چودہ بادشاہوں کے بعد یہ ملک مسلمانوں کے پاس پہنچ جائیگا' چنانچہ عہد فاروق تک یہ چودہ سلاطین پورے ہو چکے تھے' فارس کی ایک ہزار سال کی جلتی ہوئی آگ بجھ گئی' بحیرۂ ساوہ کا چشمہ اچانک خشک ہو گیا' غرضیکہ سورج کی طرح آپ کی ولادت کی خبر سارے عالم میں پھیلادی گئی' اس جگہ روح البیان نے ابو طالب کا وہ خطبہ نقل کیا ہے' جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بی بی خدیجہ کے ساتھ نکاح کرتے وقت روسائے بنی ہاشم اور امرائے مضر کے سامنے ارشاد کیا' کہ فرمایا' اس خدا کا شکر ہے' جس نے ہمیں اولاد ابراہیم' نسل اسمٰعیل' شاخ معد اور مضر کا درخت بنایا' اور حرم کا باشندہ' بیت اللہ کا خادم قرار دیا' میرے بیٹے محمد ابن عبداللہ کو اگر تمام جہان کے ساتھ تولا جائے' تو یہ سب پر بھاری ہو گا' اور دیکھ لینا کہ آگے چل کر میرا یہ لخت جگر بڑی شان والا ہو گا' حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مجھ سے جبریل بولے یا رسول اللہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان ڈالے تمہارے پائے کا نہ پایا۔

ادم ومن دونہ تحت اللوی! زانکہ بہر اوست خلق ما سوی

اس لئے رب تعالیٰ نے **اذ بعث** بطور احسان فرمایا' اس جگہ روح البیان نے عبدالمطلب کی عجیب خوابیں اور کاہنوں کی بہترین

تعبیریں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔۔۔

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہ امم   تم نے تو دیکھے ہیں بہت بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامیں کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم   آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری!

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمتوں ہے' کہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی نعمت پر لفظ من نہیں فرمایا' صرف اس نعمت پر ہی فرمایا' وجہ ظاہر ہے کہ ساری دنیاوی نعمتیں فانی ہیں' اور ایمان و عرفان وغیرہ باقی' اور یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ملیں' نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ساری نعمتوں کو نعمت بنانے والے ہیں' کہ اگر اعضاء اولاد' مال وغیرہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق استعمال کیا جائے' تو یہ سب رحمتیں ہیں ورنہ زحمتیں' نیز ہمارے اعضاء قیامت میں ہماری شکایتیں کرکے پردہ دری کریں گے' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سفارش اور پردہ پوشی فرمائیں گے۔۔۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود   حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام!

دوسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام ہے' کسی قوم' کسی ملک' کسی وقت سے خاص نہیں' کیونکہ یہاں رسولا" بغیر قید کے ذکر ہوا۔ تیسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تمام نسبوں' ملکوں اور زبانوں سے اعلیٰ ہے' جیسا کہ من انفسهم کی ایک قراءت سے معلوم ہوا' جس میں انفس ہے' بمعنی نفیس ترین۔ چوتھا فائدہ: قرآن کریم کی تلاوت بلکہ کتابت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق چاہئے' جیسا کہ یتلوا سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: ہم لوگوں کو پاکی صرف نیک اعمال سے نہیں مل سکتی' یہ نیکیاں تو پاکی کے سبب بعید ہیں' پاکی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے ملتی ہے' جیسا کہ ویزکیهم سے معلوم ہوا' تخم بغیر آب رحمت بیکار' نیکیاں بغیر نگاہ کرم بیکار' جیسے شیطان کی عبادتیں' غرضکہ کوئی متقی اور ولی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ چھٹا فائدہ: قرآن شریف اتنا آسان نہیں کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے سے آجائے' بلکہ اس کے مسائل' فوائد' اسرار مشکل ترین علم ہیں' اسی لئے رب تعالیٰ نے اس کی تعلیم کیلئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا' جیسا کہ ویعلمهم سے معلوم ہوا' بڑے معلم بڑی ہی کتاب پڑھانے کیلئے مقرر ہوتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: اسلام میں قرآن کے ساتھ حدیث بھی ضروری ہے' اور حدیث دانی بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مہربانی سے میسر ہوتی ہے' اسی لئے یہاں کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر بھی ہوا۔ آٹھواں فائدہ: قرآن و حدیث کا علم تزکیہ نفس یعنی دل صفائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا' دیکھو رب تعالیٰ نے یزکیهم پہلے فرمایا اور یعلمهم بعد میں' امام شافعی اپنا ایک عجیب واقعہ دو شعروں میں بیان فرماتے ہیں۔۔۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی   فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الله   وان النور لا یعطی لعاصی

یعنی میں نے اپنے استاد وکیع سے خرابی حافظہ کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ چھوڑ دو کیونکہ علم خدا کا نور ہے اور نور گناہگار کو نہیں ملتا۔ نواں فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سیکھنے کیلئے نہیں آئے بلکہ سکھانے آئے جیسا کہ **یعلمهم** سے معلوم ہوا رب تعالیٰ سے ہی سب کچھ سیکھ کر آئے فرماتا ہے **الرحمن علم القران** دسواں فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قولی تعلیم بھی دیتے ہیں اور عملی بھی جیسا کہ **یعلمهم** کے اطلاق سے معلوم ہوا دیکھو جب آیت **اقیموا الصلوٰة** نازل ہوئی تو فرمایا **صلوا کما رایتمونی اصلی** نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھو نیز زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے سارے احکام تفصیل وار بیان فرمائے حالانکہ قرآن شریف نے ان چیزوں کا صرف نام ہی لیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین** تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ **وما ارسلنک الا کافة للناس** ان تینوں آیات میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت تین قسم کی ہے عامہ خاصہ اور خاص الخاصہ: رحمت عامہ سارے عالم کیلئے رحمت خاصہ سارے انسانوں کیلئے اور خاص الخاصہ صرف مومنین کیلئے ان تین آیتوں میں تین نعمتوں کا ذکر ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہی ایک بشر ہیں کہ فرمایا گیا **من انفسهم** پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا؟ جواب: فرق اس آیت سے ہی معلوم ہو رہے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا احسان ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سب کو پاک فرمانے والے ہیں ہم پاک ہونے والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے معلم ہیں ہم سب سیکھنے والے ہیں **من انفسهم** کے وہ معنی ہیں جو تفسیر میں عرض کئے گئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہم پر ایسی ہے جیسے جسم میں جان کا آنا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب ہی گمراہ تھے تو کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بھی گمراہ تھے تم تو انہیں مومن مانتے ہو؟ جواب: اگر یہاں ضلال سے مراد ناواقفیت ہے تو ظاہر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین شرعی احکام سے ناواقف تھے کہ اس وقت تک شریعت آئی ہی نہ تھی اور اگر اس سے مراد شرک و کفر ہے تو روئے سخن ان لوگوں سے ہے جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا اور انہوں نے قبول کرنے سے پس و پیش کیا اس کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی جلد اول میں ملاحظہ فرمایئے رب تعالیٰ حج کے احکام بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے **وان کنتم من قبله لمن الضالین** وہاں بھی ضال بمعنی ناواقف ہی ہیں بہرحال آیت بے غبار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے درخت کی تر و تازگی اسکے پھول پھل اس کی رونق جڑ کا صدقہ ہے جڑ کی طرف سے اندرونی رس برابر آتا ہے جو درخت کی رگ رگ میں پہنچتا ہے جس سے درخت کی بقاء ہے اسی طرح عالم کی ساری نعمتیں گویا درخت ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے اصل اصول اسی لئے رب تعالیٰ نے اس نعمت پر **لقد من** فرمایا پھر جیسے جڑ رہتی ایک جگہ ہے مگر فیض ہر جگہ پہنچاتی ہے یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رہ کر ہر ایک کے سینہ میں فیض پہنچاتے ہیں خود بے سایہ ہیں مگر عالم پر سایہ فگن ہیں۔

امی و دقیقہ دان عالم! بے سایہ و سائبان عالم

جیسے قرآن کریم کے نقوش کاغذ میں ہیں' الفاظ زبان میں' معانی دماغ میں' اسرار دلوں میں یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا جسم اطہر عرب میں ہے' فرمان عالی شان تمام مسلمانوں کے جسموں پر جاری فیضان شریف دلوں میں' تجلی عرش و فرش میں' اس لئے رب تعالیٰ نے انکے متعلق فیہم بھی فرمایا اور من انفسہم بھی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم تاقیامت ہمارے جسموں کو شریعت کے پانی سے' دلوں کو طریقت کے پانی سے' خیالات کو حقیقت کے پانی سے اور روح کو معرفت کے پانی سے پاک فرماتے ہیں اور پاک فرماتے رہیں گے' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا ویزکیہم سارا عالم حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا مدرسہ ہے' کتاب و سنت اس مدرسہ کا درس تعلیم' سارے علماء و صوفیائے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے نوکر چاکر مدرسین جو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے سیکھ کر دنیا کو سکھاتے ہیں' اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا ویعلمہم الکتب والحکمتہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عجیب راز ہے' رب تعالیٰ اپنے اور اپنی آیات کے بارے میں فرمایا وفی انفسکم افلا تبصرون ہم اور ہماری آیتیں تمہارے نفسوں میں ہیں' دیکھتے کیوں نہیں اور اپنے حبیب کے بارے میں فرماتا ہے من انفسکم اور من انفسہم: نیز اپنے بارے میں فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہیں اور اپنے حبیب کے بارے میں فرماتا ہے النبی اولی بالمومنین من انفسہم نبی مومنوں کی جان سے زیادہ ان سے قریب ہیں' غرض رب تعالیٰ فی انفسکم محبوب من انفسکم رب تعالیٰ اقرب' نبی اولی' رب تعالیٰ شہ رگ سے اقرب' نبی جان سے اولی اور قریب تر' معلوم ہوا کہ مومن کا دل تجلی گاہ یار بھی ہے اور تجلی گاہ غفار بھی اگر ان دونوں کو ڈھونڈنا ہے تو مومن کے دل میں ہی ڈھونڈو' یہاں مکہ بھی ہے' مدینہ بھی ہم نے عرض کیا ہے۔

سینہ میں جو آ جاؤ بن آئے مرے دل کی سینہ تو مدینہ ہو دل اسکا ہو شیدائی
یہ دل ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن پھر کعبہ و طیبہ کی سینہ میں ہو یکجائی

اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے' ہمارے سینے بعث فیہم اور من انفسہم دونوں کے گنجینے بن جائیں' خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ہدایت ہیں ہم سب ضلالت حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نور ہیں ہم سب ظلمت' جب تک ہم میں مں ہے' تب تک ہم ضلالت اور ظلمت کا مجموعہ ہیں' اور جب اللہ تعالیٰ کرے مں فنا ہو جائے اور تو کی جلوہ گری ہو جائے' یہ دل کاشانہ' یار بن جائے' اور بعث فیہم کا ظہور ہو جائے' پھر سبحان اللہ یہاں ہدایت بھی آجائے اور نور بھی' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے۔

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا!

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ

اور کیا جب پہنچی تم کو ایک مصیبت جو پہنچا چکے ہو تم دو گنی اس سے تو بولے تم کہاں سے آئی یہ فرما دو

کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے کہ اس سے دونی تم پہنچا چکے ہو تو کہنے لگو کہ یہ کہاں سے آئی تم فرما دو

هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۶۵﴾

وہ تمہاری نفسوں کی طرف سے ہے بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے
کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں منافقین کے اس بہتان کی تردید کی گئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے چادر لے لی' اب انکے اس الزام کی تردید ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے ہمیں جنگ احد میں ہزیمت کیوں پہنچی' گویا پہلے اس ذات کریم سے بہتان کو دفع کیا' اب الزام کی مدافعت کی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل شاندار طریقہ سے بیان فرمائے' جس پر کسی بدباطن کو اعتراض ہو سکتا تھا کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہیں تو احد میں اس رحمت کے ہوتے ہوئے مسلمان زحمت میں کیوں پڑ گئے' اس آیت کریمہ میں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ زحمت تمہاری اپنی غلطی سے ہے' لین دین کیلئے دینے والے میں دینے کا زور چاہئے' اور لینے والے میں لینے کی طاقت' وہاں دینے والے کے زور کا ذکر تھا' یہاں ہم لینے والوں کی کمزوری کا۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف تھی' اور اس آیت میں بھی انہی کی مدحت و ثناء ہے' مگر وہاں اوصاف ثابت کر کے' اور یہاں عیوب کی نفی فرما کر۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیت سے معلوم ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی نعمتیں دیتے ہیں' تزکیہ (پاکی)' تلاوت' علم' قرآن' سنت' سب انہی کے ہاتھوں ملتی ہیں' اب ہم گنہگاروں کو ان سے لینے اور مانگنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ ان کی اطاعت کرو' کبھی ان کے فرمان سے باہر نہ ہو جاؤ' دیکھو پھر کیسے باغ کھلتے ہیں۔

فیض جلیل خلیل سے پوچھو۔ آگ میں باغ لگاتے ہیں!
وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستان بتایا
تجھے حمد ہے خدایا!

تفسیر: اولما اصابتكم مصيبة یہ نیا جملہ ہے' ہمزہ استفہام انکاری کا ہے' لما ظرف بمعنی شرط ہے' جس کی شرط تو اصابت ہے اور مظروف قلتم۔ اسی قلتم میں جزاء کے معنی بھی ہیں' اصابت متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے' اور بدو مفعول بھی' یہ متعدی بیک مفعول ہے اور اصبتم متعدی بدو مفعول یعنی اسکے معنی پہنچنا بھی ہیں پہنچانا بھی' ظاہر یہ ہے کہ مصیبت سے مراد غزوۂ احد کی مصیبت ہے' جو غازیوں کو پہنچی تھی' اور ہو سکتا ہے کہ اس سے ہر مصیبت مراد ہو' اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسرے معنی پر ہے' اور ہمارا ترجمہ پہلی توجیہ پر' یعنی جب تم کو احد میں ایک مصیبت پہنچی' یا تمہارا دستور یہ ہے کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے **قد اصبتم مثليها** یہ جملہ مصیبۃ کی صفت ہے' اصبتم متعدی بدو مفعول ہے' مفعول اول یعنی کفار پوشیدہ ہے اور مفعول دوم مثلیہا ہے' یعنی جب تمہیں ایسی مصیبت پہنچی' جس سے دگنی تم کفار کو پہنچا چکے تھے' اس میں گفتگو ہے کہ دگنی سے کیا مراد ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قتل و قید ہے' جو بدر میں مسلمان کے ہاتھوں کفار کو

پہنچا' چونکہ قید بھی قتل کی طرح ہے کہ مسلمان ان قیدیوں کے قتل پر قادر ہو چکے تھے' اس لئے مثلیھا فرمایا' بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنگ بدر اور جنگ احد کا قتل کفار ہے کہ احد میں بھی پہلے کافر ہی قتل ہوئے تھے' چنانچہ بیس سے زیادہ قریش مارے گئے' مطلب یہ ہوا کہ تم تو بدر میں کفار کو قتل بھی کر چکے ہو' اور قید بھی' اور احد میں تم صرف قتل ہوئے' تم میں سے کوئی قید نہ ہوا' یا تم تو انہیں دو مرتبہ قتل کر چکے' بدر میں بھی احد میں بھی' اور تم صرف ایک بار قتل ہوئے' مگر وہ نہ گھبرائے' تم گھبرا گئے' کہ تم اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی عجیب باتیں کرنے لگے کہ **قلتم انی ھذا** حق یہ ہے کہ قلتم میں خطاب منافقین اور ان ضعفائے مومنین سے ہے جو منافقین کی چال میں آ کر کچھ سے کچھ کہہ بیٹھتے تھے' انی کی تحقیق ہم دوسرے پارے میں کر چکے ہیں کہ یہ بمعنی کیف بھی ہوتا ہے اور بمعنی این بھی' جب بمعنی این ہو گا تو من پوشیدہ ہو گا' بلکہ بعض کے نزدیک من این ہی اس کے معنی ہیں' یہاں دوسرے معنی میں ہے' اس لئے اس کے جواب میں من آیا' یعنی تم یہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی باوجودیکہ ہم مسلمان ہیں اور یہ قریش کفار ہم اللہ کیلئے لڑنے آئے ہیں' وہ بتوں کی خاطر ہم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں جو رحمت عالم ہیں ان میں یہ نعمت نہیں' پھر غالب وہ آ گئے مغلوب ہم ہو گئے' خیال رہے کہ یہ کلام منافقین کا تو انکار کیلئے تھا کہ اگر اسلام سچا تھا تو یہ آفت کہاں سے آ گئی' اور ضعفائے مومنین کا تعجب کیلئے کہ تعجب ہے حق پر ہم اور غالب وہ **قل ھو من عند انفسکم** قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' وہ لوگ اگرچہ یہ گفتگو آپس میں کرتے تھے' مگر چونکہ ان کی یہ گفتگو شائع ہو گئی تھی' بلکہ خود قرآن کریم نے نقل فرمائی اس لئے اس کا جواب بھی شائع کیا گیا' جواب بتایا رب تعالیٰ نے کہلوایا اپنے حبیب سے' قرآن کریم میں ایسا بارہا ہوا ہے' جس کی عکسیں عرض کی جا چکی ہیں' ھو کا مرجع مصیبۃ نہیں' کیونکہ **مصیبۃ** مونث ہے ھو مذکر' بلکہ اس کا مرجع اصابت فعل کا مصدر ہے' یعنی مصیبت کا پہنچنا' انفس نفس کی جمع ہے بمعنی ذات کم میں خطاب سارے صحابہ سے نہیں' بلکہ ان سے ہے' جن سے غزوہ احد میں لغزش واقع ہوئی' مگر چونکہ وہ بھی قوم کے افراد تھے' اس لئے خطاب ساری قوم سے کر دیا گیا' دیکھو رب تعالیٰ نے سارے اسرائیلیوں سے خطاب کر کے فرمایا **واذ قتلتم نفسا** حالانکہ قتل کرنے والے ان میں سے چند لوگ تھے' ایسے ہی یہاں **قلتم** کے خطاب کا حال ہے' یعنی فرما دو کہ یہ تکلیف کا پہنچنا خود تمہارے اپنے قصور سے ہے' کونسا قصور' اس میں تین احتمال ہیں۔ (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دینا کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ نہ کی جائے' بلکہ میدان میں نکل کر کفار مکہ سے ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے' حالانکہ اس وقت مدینہ پاک میں رہ کر دفاع کرنا بہتر ہوتا۔ (2) درہ احد والوں کا درہ چھوڑ کر ہٹ جانا' اور وہ جگہ خالی چھوڑ جانا جس سے کفار کو حملہ کرنے کا موقعہ ملا۔ (3) ابن ابی شیبہ' ترمذی' نسائی' ابن جریر وغیرہم نے بروایت عبیدہ سلمانی وغیرہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جنگ بدر کے بعد جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کو اختیار دیں کہ یا تو یہ حضرات ان قیدیوں کی گردنیں اڑا دیں یا ان سے فدیہ لے لیں' مگر فدیہ کی صورت میں ان صحابہ میں سے بھی آئندہ جنگ میں اسی قدر یعنی ستر افراد شہید ہوں گے' اکثر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تمام قیدی ہمارے ہی بھائی برادر ہیں' ممکن ہے کہ بعد میں ایمان لے آئیں' اور فدیہ کے مال سے ہمیں آئندہ جہادوں میں مدد ملے گی' لہٰذا ان سے فدیہ ہی لیا جائے' رہی ہماری شہادت اس کے تو ہم منتظر ہیں' ہماری جانوں کی بڑی قیمت یہی ہے کہ راہ خدا میں قربان ہو جائیں' چنانچہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے لیا گیا اور غزوہ

احد میں ان قیدیوں کی تعداد کے برابر ستر مسلمان شہید ہوئے۔ (تفسیر خازن' روح المعانی و تفسیر کبیر وغیرہ) مگر پہلی دو وجہیں قوی معلوم ہوتی ہیں' **ان اللہ علی کل شیء قدیر**: رب تعالیٰ نے اس جملہ کو اپنی قدرت کے ذکر پر ختم فرمایا' یا تو گزشتہ سے ڈرانے کیلئے یا آئندہ امید دلانے کیلئے یعنی تم نے آزمالیا کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں' دیکھو بدر میں تم صرف تین سو تیرہ تھے مگر غالب آگئے اور احد میں تم سات سو مگر غالب نہ آسکے معلوم ہوا کہ فتح و شکست ہمارے قبضہ میں ہے' بعض وجوہ سے جنگ احد کا نقشہ بدلا' ان وجوہ سے آئندہ پرہیز کرنا' یا یہ مطلب ہے کہ مایوس نہ ہو اللہ ہر شے پر قادر ہے' تمہیں آئندہ جنگوں میں فتح عطا فرمائے گا جن سے احد کا بدلہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جائے گا' رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا شیء اور قدیر کے معانی ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں' اس آیت سے مسئلہ امکان کذب کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا' اسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر بری بھلی چیز' جھوٹ' زنا موت سے موصوف ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض بدنصیبوں نے سمجھا' اسکی مکمل بحث پارہ اول میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو' وہاں پوری بحث کر دی گئی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! یہ کچھ عجیب ہی سا معاملہ ہے کہ جب تمہیں جنگ احد میں کچھ تکلیف پہنچ گئی کہ تم میں سے ستر حضرات شہید ہو گئے' حالانکہ تم اس سے دگنی تکلیف کافروں کو جنگ بدر میں پہنچا چکے تھے اور وہ کفار تمہارے ہاتھوں ذلیل مصیبت اٹھا چکے کہ تم تو صرف ستر ہی شہید ہوئے' اور وہ ستر مارے بھی گئے' اور ستر قیدی بھی ہوئے تھے' نیز تم تو صرف غزوہ احد میں شہید ہوئے وہ تمہارے ہاتھوں دو دفعہ مار کھا گئے' مگر اس کے باوجود وہ ہمت نہ ہارے اور نہ کسی قسم کی انہوں نے شکایت کی' نہ انہیں اپنے دین میں کچھ تردد ہوا' بلکہ ایک سال بعد ہی بہت جوش سے تم پر حملہ آور ہو گئے' مگر تم ہو کہ ذرا سی مصیبت میں گھبرا کر اور قسم کی باتیں کرنے لگے' تم میں سے بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم حق پر بھی ہیں' ہمارا دین بھی سچا ہے' ہم لڑتے بھی اللہ کیلئے ہیں' ہمارے ساتھ اللہ کے رسول بھی ہیں جن کا لقب ہے رحمۃ للعالمین' اور کفار باطل پر بھی ہیں' وہ لڑتے بھی ہیں بتوں کیلئے' اور کسی کے سایہ میں بھی نہیں ہیں' پھر بھی غالب وہ آگئے' مغلوب ہم ہو گئے' یہ واقعہ بن کیسے گیا اور ہماری یہ مغلوبیت آئی کہاں سے' اے محبوب! آپ ان گھبرانے والوں کو جواب دے دو' کہ احد میں جو کچھ پیش آیا وہ تمہارے اپنے قصور سے تھا' ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا سنبھالا ہوا مورچہ تم نے غلطی سے چھوڑ دیا' یا میدان جنگ معین کرنے اور نقشہ جنگ بنانے میں تم نے غلطی کی' یا بدر کے موقعہ پر قیدیوں سے فدیہ لیتے وقت تم خود یہ شہادت منظور کر چکے تھے' پھر اسلام کی حقانیت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کے متعلق تردد کیوں کرتے ہیں' اپنی غلطی میں غور کیوں نہیں کرتے' اچھا جو ہوا سو ہوا اب آئندہ ایسی غلطیاں نہ کرنا' ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں فتوحات دیں گے' ہم ہر چیز پر قادر ہیں جو چاہیں کریں ہم پر توکل کرو' ہمارے محبوب کے زیر سایہ رہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ**: اپنے مقابل کا حال سنا کر اور انکی استقامت دکھا کر مسلمانوں کو جوش دلانا سنت الٰہیہ ہے جیسا کہ مثلیہا سے معلوم ہوا' جہاد کے موقعوں پر فوجی آفیسران کو اس پر خصوصیت سے عمل کرنا چاہئے۔ **دوسرا فائدہ**: دنیوی تکالیف اور مصیبتوں پر اپنے سے بدتر کو دیکھنا چاہئے کہ اس سے دل کو قرار ہوتا ہے' اور ناشکری کے الفاظ منہ سے نہیں نکلنے پاتے بلکہ مصیبت میں بندہ شکر ہی کرتا ہے' ننگے پاؤں والا بے دست و پا کو دیکھے جو سرین کے بل زمین پر گھسٹتا ہے' یہ بھی مثلیہا سے ہی معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: مصیبت و تکالیف پر بے صبری کے الفاظ منہ سے نکل جانا اگرچہ

ضعف ایمان کی دلیل ہے مگر کفر نہیں' دیکھو وہ ضعفائے مومنین جن سے جنگ احد کے بعد شکایت کے الفاظ صادر ہوئے انہیں کافر قرار نہیں دیا گیا' بلکہ نہایت کرم اور مہربانی سے ان کی شکایت دور کر کے انہیں مطمئن کر دیا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** بات بات پر صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنا اور انہیں ملامت کرنا قرآنی دستور کے خلاف ہے' ہم تو ان حضرات کے غلاموں غلام بننے کے قابل بھی نہیں' ہمیں انکی غلطیاں پکڑنے کا حق ہی کیا ہے' رب تعالیٰ انکا رب ہو کر ایسے نازک موقعوں پر انکی دلجوئی فرماتا ہے' انہیں تسلیاں دیتا ہے' انکے کلاموں کے جواب دیکر سمجھاتا ہے' ان کی معافی کا اعلان فرماتا ہے' بلکہ اپنے حبیب سے سفارش فرماتا ہے' کہ آپ بھی انہیں معاف فرمادو' اور انہیں گلے سے لگالو' کیوں نہ ہو کہ یہی حضرات تو دین کا ستون تھے' انہی کے ذریعہ دین پھیلنا تھا اور دنیا میں اجالا کرنا تھا۔

یہ وہ تھے جن سے دنیا میں اجالا ہونیوالا تھا! یہ وہ تھے جن سے حق کا بول بالا ہونیوالا تھا!

آج بھی حکومتیں وفادار سپاہیوں کی ہمیشہ اور جنگ کے موقعہ پر خصوصاً بڑی ہی دلجوئی کرتی ہیں کہ انہوں نے حکومت کو اپنا خون دیا ہے' صحابہ کرام نے تو خون' جان' مال' اولاد سب کچھ ہی دین پر قربان کر دیا تھا' انکی دلجوئی کیسے نہ کی جاتی۔ **پانچواں فائدہ:** انسان کو چاہئے کو مصیبتوں اور تکلیفوں کو اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ جانے' رب تعالیٰ کی شکایت نہ کرے' راحتیں رب تعالیٰ دیتا ہے' تکلیفیں ہم منگالیتے ہیں' جیساکہ **من عند انفسکم** سے معلوم ہوا' حضرت ابراہیم خلیل اللہ فرماتے ہیں **واذا مرضت فهو يشفين** جب میں بیمار ہو تا ہوں تو رب تعالیٰ شفاء دے دیتا ہے' یعنی بیمار میں ہو تا ہوں شفاء وہ دیتا ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ آید برتو از ظلمات وغم این ز بے باکی و گستاخی است ہم

ہم جیسوں کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم** **چھٹا فائدہ:** کیسی ہی مصیبت پڑے مسلمان رب تعالیٰ سے مایوس نہ ہو' سمجھے کہ رب تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے' وہ چاہے تو آن کی آن میں عالم کا رخ بدل دے' جیساکہ **ان اللہ** سے معلوم ہوا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

نہ ہو مایوس آتی ہے صدا گور غریباں سے نبی امت کا حامی ہے خدا بندوں کا والی ہے

ہم پاکستانیوں کو بھی چاہئے کہ کبھی رب تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں **فان مع العسر یسرا** پر نظر رکھیں۔

خزاں جائیگی جائے گی بہار آئیگی کلیوں میں تکیں گے نعرۂ تکبیر پھر دہلی کی گلیوں میں!

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بہت گھبرا جانے والے تھے' اور معمولی آفتوں پر دین میں تردد کر لیتے تھے' یہ تردد کفر ہے! **جواب:** اگر اس آیت میں منافقین کا ذکر ہے' تب تو کوئی سوال ہی نہیں' اور اگر ضعفائے مومنین کا ذکر ہے' جیساکہ وہ ظاہر ہے' تو یہ تردد کے لئے نہیں بلکہ تعجب کے طور پر ہے' فرشتوں نے عرض کیا تھا **اتجعل فیها من یفسد فیها** بنی اسرائیل نے طالوت کے بارے میں کہا تھا **انی یکون له الملک علینا** حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے فرزند کی خوشخبری پاکر کہا تھا **انی یکون لی ولد** بلکہ زکریا علیہ السلام نے فرزند کی بشارت پاکر ایسا ہی سوال کیا تھا۔ **دوسرا اعتراض:** **مثلیها** میں مصیبت کیلئے ضمیر مونث لائی گئی اور **قل هو** میں اسی مصیبت کیلئے ضمیر مذکر ارشاد ہوئی' اس کی وجہ کیا ہے' مصیبت مذکر ہے یا مونث! **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ھو کا مرجع مصیبت نہیں بلکہ اصابت فعل کا مصدر ہے' چونکہ مصدر مذکر بھی استعمال ہوتا ہے مونث بھی' اس لئے ضمیر مذکر لوٹ گئی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا

کہ صحابہ کرام گناہ بھی کرتے تھے اور انہیں اس پر سزائیں بھی ملتی تھیں' دیکھو احد کی شکست انکے گناہوں کا نتیجہ تھی' پھر تم کیسے کہتے ہو کہ تم صحابہ عادل تھے؟ **جواب:** اس موقعہ پر ان حضرات سے گناہ نہ ہوا بلکہ خطا ہوئی اور یہ عذاب نہ تھا بلکہ محبوبانہ عتاب تھا' خطاء پر عتاب انتہائی محبت کی دلیل ہے' استاد کو جس شاگرد سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس کی کڑی نگرانی رکھتا ہے اور بات بات پر اس پر عتاب کرتا ہے' کیوں؟ اس کی اصلاح کیلئے یونس علیہ السلام آدم علیہ السلام جیسے مقدس بزرگوں سے معمولی لغزش ہوئی' جس پر سخت عتاب ہوا کیا تم ان پر بھی زبان درازی کرو گے؟ غرضیکہ عتاب' عقاب' عذاب میں فرق نہ کرنا بڑی غلطی ہے' خیال رہے کہ خطاء اجتہادی پر گناہ تو نہیں ہوتا مگر عتاب ہو سکتا ہے اور اس پر دنیاوی تکالیف بھی آ سکتی ہیں' یہاں **من عند انفسکم** میں اسی طرف اشارہ ہے' حضرت آدم و یونس علیہما السلام پر لغزش اجتہادی کے باعث عتاب بھی ہوئے تکالیف بھی آ گئیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں' ایک وہ جن پر نفس غالب ہے' دوسرے وہ جن پر عقل غالب' تیسرے وہ جن پر عشق غالب' نفسانی لوگ چاہتے ہیں کہ بغیر کچھ کئے ان کی تعریفیں بھی ہوں اور انہیں سب کچھ مل بھی جائے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان یحمدوا بما لم یفعلوا** بلکہ نفس کا جب غلبہ ہوتا ہے وہ اچھی باتوں کو تو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں کہ ہم نے یہ کارنامے کئے' اور بری باتوں کو وہ رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں' یہ عقل در حقیقت شیطانی ہوتی ہے' شیطان نے عرض کیا تھا **رب بما اغویتنی** خدایا تو نے مجھے گمراہ کر دیا' یعنی میں تو ہدایت پر تھا' عابد زاہد تھا' تو نے مجھے گمراہ کر دیا' مگر جن خوش نصیبوں پر حضرت عشق کا تسلط ہے' وہ ہر برائی کو اپنے طرف نسبت دیتے ہیں اور بھلائی کو رب تعالیٰ کی طرف' یہاں منافقین یا ضعفاء کے **انی ھذا** کہنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ پوچھتے ہیں یہ مصیبت کہاں سے آئی' یعنی ہماری طرف سے ہو نہیں سکتی' ہم تو بڑے عاقل' نیک کار ہیں' اور **من عند انفسکم** میں عقل کو چھوڑ کر عشق اختیار کرنے کی تعلیم ہے کہ یہ جو کچھ بلا آفت آئی تمہارے اپنے نفس کی طرف سے ہے' ہمیشہ شر کو اپنی طرف نسبت دو' اور خیر کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرو' عاشق تو اپنی ہستی کو قصور سمجھتے ہیں' اپنے کو فنا کر دینا عشق کا کمال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عقل مے گوید کہ خود را پیش کن!　　عشق مے گوید کہ ترک خویش کن!

ترک خویش بڑا کمال ہے' سارا فساد اسی میں ہے۔

مینا نے مینا کی سو مول ہوئے دس بیس　　بکری نے میں میں کی سو چھوڑ کٹایا سیس

یعنی مینا ہمیشہ کہتی ہے میں نا' یعنی میں کچھ نہیں' تو قیمتی ہے' بکری ہمیشہ کہتی ہے میں' یعنی میں سب کچھ ہوں' تو ذبح کر دی جاتی ہے۔

خود کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے!　　تجھ میں اپنی خودی کو بو نہ رہے!

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ

اور وہ جو مصیبت پہنچی تم کو جس دن میں دو جماعتیں پس اللہ کے حکم سے تھی اور تاکہ جان لے

اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں مل تھیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لئے کہ پہچان

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا

مومنوں کو اور تاکہ جان لے ان کو جو منافق ہوئے اور کہا گیا ان سے آؤ جنگ کرو

کرادے ایمان والوں کی اور اس لئے کہ پہچان کرادے ان کی جو منافق ہوئے اور ان سے کہا گیا کہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ

اللہ کی راہ میں یا دفع کرو تو بولے اگر جانتے ہوتے ہم جنگ تو ضرور پیروی کرتے

آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ بولے اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے

لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ

تمہارے وہ آج زیادہ قریب ہیں کفر سے بمقابلہ ایمان کے کہتے ہیں اپنے منہ سے وہ جو نہیں ہے ان کے

وہ اس دن ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہیں اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے

قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

دلوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ جو چھپاتے ہیں

دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غزوۂ احد میں مسلمانوں پر مصیبت آ جانے کی ایک وجہ بیان فرمائی گئی تھی' یعنی مسلمانوں کی اپنی غلطی' اب اس کی دوسری دو اور وجہیں بیان ہو رہی ہیں' یعنی مومن و منافق کی چھانٹ اور منافقوں کو ظاہر فرما دینا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں غزوۂ احد کی تکالیف کی وجہ مذکور ہوئی تھی اس آیت میں اس کی حکمت الیہ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو غزوۂ احد میں پیش آنے والے واقعات کا ذمہ دار بنایا گیا تھا' اب ان کی اشک شوئی اور دلجوئی کی جا رہی ہے کہ گھبراؤ مت' تمہاری اس غلطی میں بھی رب تعالیٰ کا راز ہے' تمہاری اس غلطی سے مسلمانوں کو بڑے فائدے حاصل ہوئے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر تھا' اب اس قدرت کا اظہار ہے کہ اس نے اپنی قدرت سے تمہاری غلطی سے لوگوں کو بہت فائدے پہنچائے۔

تفسیر: وما اصابکم یوم التقی الجمعن یہ جملہ مستقل ہے' واؤ ابتدائیہ ہے' اصاب سے وہ تکالیف و مصیبتیں مراد

ہیں جو مسلمانوں کو پہنچیں' یوم سے غزوۂ احد کا دن مراد ہے' اور جمعان سے غازی مسلمانوں اور کفار مکہ کے لشکر مراد ہیں' التقے سے مراد جنگ میں بھڑ جانا ہے' یعنی اے مسلمان غازیو! غزوۂ احد کے دن جبکہ مومن و کافر لشکر بھڑ گئے تھے' اس دن جو کچھ تکلیف و مصیبت تمہیں پہنچی **فباذن الله** یہ ما کی خبر ہے' چونکہ ما بتداء میں شرط کے معنی بھی تھے اس لئے خبر پر ف آگئی' اگرچہ یہ واقعہ ماضیہ کا ذکر ہے' اور ف مستقبل شرط و جزاء پر آتی ہے نہ کہ ماضی پر' مگر چونکہ اس کا ظہور اس آیت کے بعد ہوگا' اس لئے ایک لحاظ سے یہ مستقبل ہے' لہٰذا ف کا آنا درست ہوا (روح المعانی) یعنی رب تعالیٰ کے بتانے کے بعد مسلمانوں کو اس ہزیمت کی حکمتیں معلوم ہوں گی' عربی خصوصاً" قرآنی اصطلاح میں اذن کے بہت معنی ہیں' ارادہ' علم' اسی لئے بتانے' اعلان کرنے کو اذان کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذان من الله ورسوله** اور فرماتا ہے **اذنک ما منا من شهيد** اور فرماتا ہے **فاذنوا بحرب من الله ورسوله**: قضاء و قدر' تخلیہ' حکم' یہاں سارے معنی درست ہیں' یہ جو کچھ ہوا اللہ کے ارادہ' اللہ کے علم سے' اللہ کے قضاء و قدر سے ہوا' اللہ کے تخلیہ سے ہوا' اس نے کافروں کو آزاد چھوڑ دیا' کہ تم پر ٹوٹ پڑے' یا اللہ کے حکم سے ہوا' کہ تمہیں احد میں جہاد کا حکم دیا' پھر اس کا انجام یہ ہوا (کبیر و خازن وغیرہ) لہٰذا اے مسلمانو! تم راضی برضاء رہو! اور صبر سے کام لو' **وليعلم المؤمنين**: یہ جملہ **باذن الله** پر معطوف ہے' ولام علت ہے' لام' کی کے معنی کے ہے' اس لئے ان پوشیدہ ہے' اور یعلم منصوب' علم سے مراد جاننا ہے' یا جتوانا و بتانا' جاننے سے مراد علم ظہور ہے' ورنہ رب تعالیٰ ہمیشہ سے علیم و خبیر ہے اور رہیگا' یعنی اور اس لئے یہ واقعات ہوئے کہ اللہ تعالیٰ مخلص مسلمانوں کو ظاہر فرما کر جان لے یعنی دیکھ لے یا لوگوں کو بتادے پہچان کرادے **وليعلم الذين نافقوا** یہ جملہ پہلے **وليعلم** پر معطوف ہے' اور اس واقعہ کی تیسری وجہ یہاں بھی **يعلم** کے وہی معانی ہیں' جو پہلے یعلم کے بیان کئے گئے' چونکہ مومن اول سے آخر تک ایمان پر یکساں قائم تھے' اور منافق ہمیشہ نئی چال چلتے رہتے تھے' جس سے انکا نفاق ظاہر ہوتا رہتا تھا' احد میں بھی ان کا جنگ سے پہلے ہی لوٹ جانا انکے منافق ہونیکی علامت تھی' اسی لئے وہاں **مؤمنين** فرمایا گیا' مگر یہاں **المنافقين** نہ فرمایا بلکہ **الذين نافقوا** ارشاد ہوا' یعنی جو اب منافق ہو گئے' کہ انکا نفاق اور بھی کھل گیا' خیال رہے کہ نفاق نفق سے بنا' بمعنی گزر جانا' ختم ہو جانا' اسی لئے خرچ کو نفقہ کہتے ہیں' جاری راستہ کو طریقہ نافقہ' کہ مال تو خرچ ہو کر ختم ہو جاتا ہے' اور اسی راستہ سے راہگیر گزر جاتا ہے' نافقہ لومڑی کے رہنے کے سوراخ کو بھی کہتے ہیں' جس کے دو راستے ہوتے ہیں' ایک ظاہر دوسرا خفیہ' کہ اگر کوئی شکاری اس کا ظاہری راستہ روک لے' تو وہ خفیہ راستہ سے نکل جائے' آرپار سرنگ کو بھی نافقہ کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تبتغى نفقا فى الارض** تم زمین میں سرنگ تلاش کرو' شریعت میں منافق وہ ہے' جو دل میں کافر ہو مگر اپنے کو مسلمان ظاہر کرے' اس شرعی معنی کی لغوی معنی سے مناسبت بالکل ظاہری ہے' اس کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی **وقيل لهم تعالوا** یہ جملہ مستقل ہے' واؤ ابتدائیہ' اس میں منافقوں کے نفاق کا ذکر ہے' قیل کا فاعل یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا عام مخلص مسلمان یا حضرت جابر کے والد عبداللہ ابن عمرو ابن حرام انصاری' جب عبداللہ ابن ابی منافق اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ احد کے میدان سے پلٹا' تو آپ نے اس سے کہا تجھے رب کی قسم ہے اس وقت ہمارا ساتھ نہ چھوڑ' اور اہل مدینہ کو مکہ والوں کے سامنے شرمندہ نہ کر' اس وقت تیری جماعت کے نکل جانے سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں گے کفار کی ہمتیں بڑھ جائیں گی' تعالوا کی تحقیق ابھی کچھ پہلے ہو چکی کہ یہ علو سے بنا' بمعنی بلندی' اس کے معنی تھے اوپر آؤ' مگر بقاعدۂ تجرید معنی ہو گئے' آؤ' جب یہ منافقین احد سے لوٹ

چلے تھے' تب ان سے حضرت عبداللہ نے یہ کہا تھا **قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا :** **قاتلوا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ قتل سے بنا' بمعنی ایک دوسرے سے جنگ کرنا دفع کے معنی ہیں قوت سے کسی چیز کو دور کرنا' جب اس کے بعد عن ہو تو معنی ہوتے ہیں حمایت کرنا' یہاں عن پوشیدہ ہے' عن مد کا مفعول یا تو ضمیر ہے' یا **انفسکم** ہے یا **اولادکم** یا **ملککم** یعنی حمایت کرو ہماری یا دفع کرو اپنے سے نفاق کا بہتان یا دفع کرو دشمن کو اپنے بال بچوں سے اپنے گھر بار یا اپنے ملک سے' مطلب یہ ہے کہ اول "تو اللہ کی راہ میں جہاد ہی کرو' اور اگر یہ نہیں کر سکتے' تو کم از کم ہماری اتنی ہی حمایت کرو کہ ہم میں رہ کر ہماری جماعت کی تعداد بڑھاؤ جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند رہیں اور کفار پر ہیبت طاری ہو جائے' یا اب تک لوگ تمہیں منافق سمجھتے رہے آج تمہیں خدا تعالیٰ نے موقعہ دیا ہے جہاد میں جوانمردی دکھاؤ اور اپنے سے یہ الزام دور کرو' یا اے بدنصیبو! اگر تم جہاد فی سبیل اللہ نہیں کر سکتے' تو اپنے بال بچوں' گھر بار' اپنے ملک سے تو دشمن کو دور کرو' اگر دشمن غالب آ گیا تو سارے مدینہ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا' جس میں تمہارے بال بچے اور گھر بار بھی رگڑے جائیں گے۔ کیونکہ ۔

سب مصیبت جھیلتے ہیں جب اجڑتا ہے چمن

قالوا لو نعلم قتالا لا اتبعنکم یہ جملہ **قیل لھم** کا جواب ہے' جس میں منافقین کا جوابی کلام نقل فرمایا گیا' اگرچہ جواب دینے والا صرف عبداللہ ابن ابی تھا' یا بعض سرداران منافقین' مگر چونکہ ان سب منافقوں کی طرف سے یہ جواب تھا اس لئے سب کو اس کا فاعل بنایا گیا' اور قالوا ارشاد ہوا' **لو نعلم قتالا** میں چند احتمال ہیں' اور ان کی اس بکواس کے چند مطلب ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ ہمیں لڑنا بھڑنا آتا ہی نہیں' ہم تو پالیسی باز صلح کل ہیں' اگر ہمیں لڑنا بھڑنا آتا ہوتا تو تمہارے ساتھ رہتے' دوسرے یہ کہ اگر ہم جانتے ہوتے کہ اس وقت جنگ ہو گی تو تمہارے ساتھ رہتے' ہمیں یقین ہے جنگ کوئی نہیں ہونی لہٰذا ہمارے ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے' یہ انہوں نے طنزاً' مذاقاً' استہزاءً کہا' تیسرے یہ کہ اگر ہم اسے جنگ سمجھتے تو تمہارے ساتھ رہتے' یہ جنگ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' کیونکہ جنگ میں برابر کی طاقت چاہئے' تم مٹھی بھر سات سو' وہ کفار تین ہزار کا لشکر جرار' پھر یہ جنگ ہوئی کہ ہلاکت' خیال رہے کہ یہاں اتباع سے مراد مسلمانوں کی بات ماننا ہے یا مسلمانوں کے پیچھے پیچھے رہنا' کیسی بات ان کے منہ سے نکلی' جس سے ان کا نفاق اور بھی ظاہر ہو گیا' یعنی اگر ہم لڑنا بھڑنا جانتے ہوتے تو بھی لڑتے نہیں تمہارے ساتھ ہی رہتے **ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان** یہ جملہ رب تعالیٰ کی طرف سے اگلی بکواس کا جواب ہے' اس میں چاروں ظرف **للکفر' یومئذ' منھم** اور چوتھا **للایمان' اقرب** تفضیل کے متعلق ہیں' اور دونوں لام بمعنی الیٰ ہیں یا اپنے ہی معنی میں ہیں' کیونکہ اقرب قرب سے بنا بعد کا مقابل یہ لام الیٰ اور من سب سے متعدی ہوتا ہے' اور ہو سکتا ہے کہ یہ اقرب قرب ر کے فتح سے مشتق ہو بمعنی تلاش پانی' اسی لئے مشکیزہ کو قارب اور قربت کہتے ہیں اور گھاٹ پر آنے کے دن کو یوم القرب' بعض مفسرین نے فرمایا کہ **للکفر** کلام تعلیلیہ ہے (روح المعانی) **الکفر** یا تو اپنے ظاہری معنی پر ہے' یا بمعنی کفار یا اس سے پہلے اہل پوشیدہ ہے' بہرحال اس جملہ کے تین معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ وہ منافقین آج ظاہر ظہور بمقابلہ ایمان کفر سے زیادہ قریب ہیں کہ کفار کی حمایت کر رہے ہیں' اور تمہاری مخالفت' دوسرے یہ کہ وہ منافقین آج ایمان کے مقابلہ میں کفر کے زیادہ طلبگار ہیں' اگرچہ اس سے پہلے وہ تمہارے طرفدار بنتے تھے' تیسرے یہ کہ وہ منافقین اپنے دلی کفر کی وجہ سے مومنوں کے مقابلہ میں کافروں سے زیادہ قریب ہیں' چوتھے معنی وہ بھی ہو سکتے

ہیں، جو اعلیٰ چوتھے معنی وہ بھی ہو سکتے ہیں، جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس ترجمہ میں اشارۃً بیان فرما گئے کہ کفر سے مراد ان کا حقیقی اور دلی کفر ہے' اور ایمان سے مراد ان کا وہ لوعائی ایمان ہے، جس کا وہ اظہار کرتے تھے یعنی اب تک تو وہ ظاہری ایمان اور حقیقی کفر کے درمیان رہنے کی کوشش کرتے تھے' لیکن آج ان کے اس عمل سے کھل گیا کہ وہ لوعائی ایمان کے مقابل اپنے چھپے کفر سے زیادہ قریب ہیں **یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے، جس میں ان کی عام عادت کا ذکر کیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ اقرب کے فاعل سے حال ہو' اس صورت میں انکے اس وقت کے کلام کا ذکر ہے' اگرچہ انسان منہ سے ہی کلام کرتا ہے' مگر یہاں **بافواھھم** فرمانا عجیب لطف دے رہا ہے' معتبریات وہ ہوتی ہے جو دل سے نکلے' کہ کلام لفظی کلام نفسی کے مطابق ہو' مگر ان کی یہ بکواس صرف منہ کی ہے دل میں کچھ اور ہے' یا یہ صرف تاکید کیلئے ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا طٰئر یطیر بجناحیہ**' ایسا کوئی پرندہ نہیں جو اپنے پروں سے نہ اڑتا ہو مگر پھر یہ فرمانا تاکید کیلئے ہے' منہ سے مراد کلام لفظی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوٹتے وقت ظاہر تو یہ کرتے ہیں' کہ ہم کو لڑنا نہیں آتا یا اس وقت جنگ ہونے کا یقین نہیں' یا اس وقت لڑنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے' اسی لئے ہم واپس جا رہے ہیں' مگر انکے دل میں یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی حمایت میں کفار سے کیوں بگاڑیں' کفار کا پلہ بھاری ہے' مسلمان ختم ہونے والے ہیں' غلبہ کفار کی صورت میں ہم ان کی گود میں جا بیٹھیں گے اور مزے اڑائیں گے **واللہ اعلم بما یکتمون** یہ جملہ مستقل اور نیا ہے' جس سے ان کے سخت کافر ہونے کی تاکید فرمانا مقصود ہے' اعلم اسم تفضیل فرمانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ان منافقوں کے نفاق کو مسلمانوں نے بھی جان لیا ہے' مگر ہم ان سے زیادہ' ان کے چھپے کفر و نفاق کو جانتے ہیں' کہ مومن تو اجمالاً علامات کے ذریعہ جانتے ہیں' ہم تفصیلاً' تحقیق سے جانتے ہیں' مسلمانوں کا علم حادث ہے' ہمارا علم قدیم' ایسے موقعہ پر یہ فرمان انتہائی غضب کا ہوتا ہے' مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم ان ظالموں کو خوب جانتے ہیں' انہیں ایسی ماردیں گے کہ یہ یاد کریں گے' اگرچہ رب تعالیٰ انکے ظاہر کلام کو بھی خوب جانتا ہے' مگر چونکہ عذاب انکے دلی کفر پر ہو گا اس لئے اسی کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! یہ نہ سمجھنا کہ غزوۂ احد میں جو کچھ ہوا' وہ یوں ہی اتفاقاً ہو گیا' نہیں بلکہ ہمارے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہمارے ارادہ' ہمارے علم سے ہوا' احد کی یہ مصیبت محض تمہارے دکھ کیلئے نہیں آئی' جس میں کوئی حکمت نہ ہو' صرف تم کو دکھ پہنچانا مقصود ہو' بلکہ اس میں ہماری خاص حکمت ہے اور ہمارے خاص راز ہیں' اس ہزیمت سے مخلص مومن نکھر گئے' ہر شخص کو پتہ لگ گیا مخلصین وہ ہیں جو اس موقعہ پر ثابت قدم رہے' اگر ان کے قدم اکھڑ بھی گئے تو بعد کو جلد ہو گئے' اور منافق وہ ہیں جو جنگ سے پہلے ہی پیٹھ دکھا گئے' منافق بالکل چھٹ گئے' تم نے دیکھ لیا کہ جب منافق احد سے پلٹنے لگے' تو ان سے مومنین نے یا عبداللہ ابن عمرو نے یا خود بنفس نفیس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاتے کہاں ہو؟ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' اور اگر تمہیں جہاد کی توفیق نہیں ہے' تو کم از کم ہم میں رہ کر دشمن کا دفاع کرو' کہ تمہاری موجودگی سے ہماری تعداد بڑھے اور دشمن کے دل میں خوف پیدا ہو' یا اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کر سکتے' تو کم از کم اپنی جان اپنے بال بچوں اور اپنے گھر بار کی حفاظت کیلئے تو لڑو' کہ مدینہ سے حملہ آور دشمنوں کو بھگا دو' تو وہ نہایت بے حیائی سے بولے' کہ ہم کیا کریں' ہمیں تو جنگ کرنا آتی ہی نہیں' اگر ہم اس فن سے واقف ہوتے' تو تمہاری بات مان لیتے اور تمہارے ساتھ رہتے' مسلمانو! تم نے دیکھ

لیا اور آج تمہیں پتہ لگ گیا کہ یہ منافق بمقابلہ ایمان کفر سے زیادہ قریب ہیں اور بمقابلہ مسلمانوں کے کفار سے زیادہ نزدیک کیونکہ انکی زبانیں تمہارے ساتھ ہیں دل کفار کے ساتھ ' صرف ان کے منہ کی بکواس ہے دل میں ان کے کچھ اور ہے ' دل میں یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ رہ کر کفار سے کیوں بگاڑ لیں ' آج کفار ہی جیتیں گے تو ہم انکے ساتھ مل جائیں گے اور ان سے بھی نفع اٹھائیں گے اور ان سے کہہ دیں گے کہ تمہاری یہ فتح ہماری تدبیر کے طفیل ہوئی کہ موقع پر ہمارے ہٹ جانے سے مسلمان دل چھوڑ گئے اور تم غالب آ گئے ' اللہ تعالیٰ ان کی چھپی سازشوں کو خوب جانتا ہے ' وہ سزا دیگا جو انکے لائق ہوگی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** بزرگوں کی خطاء بھی عبث نہیں ' اس میں رب تعالیٰ کے راز ہوتے ہیں ' دیکھو احد کی ہزیمت میں کتنے راز تھے جو یہاں بیان فرمائے گئے۔ **دوسرا فائدہ:** مقبولوں کی لغزشیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں نہ کہ محض نفس یا شیطان کی طرف سے ' اگرچہ بظاہر شیطان اس کا سبب بن جاتا ہے ' جیسا کہ **فبا ذن الله** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا ' اور ہماری حرکتیں اور گناہ نفسانی و شیطانی ہوتے ہیں ' جب ہماری اور ان کی غلطیوں میں اتنا فرق ہے تو عبادتوں میں کتنا فرق ہوگا ' اسی لئے مولانا فرماتے ہیں۔

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم را دردا شیر آں باشد کہ مرد اورا خورد!

یعنی اپنے کو بزرگوں پر قیاس نہ کرو ' تمہارا اور بزرگوں کا ہم شکل ہونا ایسا ہے جیسے شیر و شیر کا لفظوں میں یکساں ہونا کہ شیر اور شیر ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں ' مگر انسان شیر کی غذا ہے ' اور شیر (دودھ) انسان کی خوراک۔ **تیسرا فائدہ:** مصیبتیں اور تکلیفیں دوست دشمن ' مخلص و منافق کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہیں ' جیسا کہ **لیعلم** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جہاد میں صرف رضائے الٰہی کی نیت چاہئے ' ملک گیری یا مال حاصل کرنے کی نیت ہرگز نہ ہو ' جیسا کہ **قاتلوا فی سبیل الله** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** میدان جہاد میں لڑنا بھی عبادت ہے ' اور دشمن کے مقابل ڈٹ جانا ' تاکہ وہ حملہ آور نہ ہو سکے ' یہ بھی عبادت ہے ' جیسا کہ **اوادفعوا** سے معلوم ہوا ' مگر لڑنا اول نمبر عبادت ہے ' اور محض ڈٹنا نمبر دوم اسی لئے **قاتلوا** کا ذکر پہلے ہوا ' اور **ادفعوا** کا ذکر بعد میں۔ **چھٹا فائدہ:** ضرورت کے وقت جہاد سے باز رہنا اور جھوٹے بہانے بنانا بھی منافقوں کی علامت ہے ' جیسا کہ **لو نعلم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** صحابہ کرام کا مذاق اڑانا کفر و بے دینی ہے ' جیسا کہ **لو نعلم** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جسمانی قرب سے روحانی قرب قریب تر ہے ' دیکھو منافق بظاہر مسلمانوں سے قریب تھے ' کہ انکے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے اور کافروں سے دور ' مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کافروں سے قریب ہیں ' مسلمانوں سے دور ' ابوجہل اگرچہ مکہ معظمہ میں رہتا تھا ' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور تھا ' حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ یمن میں رہتے تھے ' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تھے ' لقاء کی کوشش نہ کرو ' رضاء کی کوشش کرو۔

لقائے دوست چہ خواہی رضائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے!

نواں فائدہ: منہ کی بات وہی قوی ہے ' جس کے ساتھ دلی جوش بھی ہو ' بات گولی ہے ' دلی جوش بارود ' وہی گولی شکار کرتی ہے

جو بارود کی طاقت سے جائے' دیکھو رب تعالیٰ نے منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں کو یوں رد فرمایا کہ انکا دل انکی زبان کے ساتھ نہیں ہے۔ دسواں فائدہ: مسلمانوں میں مسلم نما کفار یعنی ملک 'قوم و دین کے غدار ہمیشہ ہی رہیں گے جن کا خیال یہ ہو گا کہ کفار کو اپنا دشمن نہ بناؤ مسلمانوں کو انکے ہاتھوں تباہ ہو جانے دو' جیسا کہ اب بھی دیکھا جا رہا ہے' ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

صادق از بنگال جعفر از دکن! ننگ آدم' ننگ دیں' ننگ وطن!
چوں شب ہندوستان آید بروز مرد جعفر روح او زندہ ہنوز!!

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کا مرکز سے ہٹ جانا اور ہزیمت پا جانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا' جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا' تو بہت ہی بہتر ہوا' پھر ہٹ جانے والوں پر عتاب کیوں ہوا اور ان کی معافی کا اعلان کیسا؟ معافی تو برائی کی ہوتی ہے! جواب: یہاں **اذن** بمعنی ارادہ ہے نہ کہ بمعنی امر' ارادہ اور امر میں بڑا فرق ہے' اذن کی تحقیق ابھی تفسیر میں ہو چکی' بہت دفعہ اذن و ارادہ امر کے خلاف بھی ہوتا ہے' یہاں امر تھا کہ ڈٹ جاؤ' ارادہ تھا کہ ہٹ جاؤ' چونکہ ہٹنا امر کے خلاف تھا' اسلئے عتاب بھی ہوا' اور معافی کا اعلان بھی' اس کی تحقیق **ختم الله على قلوبهم** کی تفسیر میں ہو چکی' دیکھو امر تھا کہ اسمٰعیل کو ذبح کر دو' اذن و ارادہ تھا کہ ان کا بال نہ کٹنے پائے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ احد میں جو کچھ ہوا' اللہ کے اذن سے ہوا' مگر پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا' شیطان کے بہکانے اور ان غازیوں کی اپنی غلطی سے ہوا' کہ فرمایا **انما استزلهم الشيطن**' ان میں کونسی بات صحیح ہے! جواب: دونوں باتیں درست ہیں' وہاں ظاہری سبب کا ذکر تھا' اور یہاں حقیقی علت کا بیان ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تپ دق سے مر گیا' پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے مر گیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور منافقوں کو احد میں جانا' یہ تو اس کی شان کے خلاف ہے' اس کا علم قدیم ہے۔ جواب: اس کے کئی جواب پہلے گزر چکے' کہ یا تو اس سے مراد ہے مسلمانوں کو بتانا' ان کے علم کو اپنی طرف نسبت فرمانا کمال کرم کی بنا پر ہے' یا علم ظہور مراد ہے یعنی ظاہر کرکے دیکھ کر جاننا جس کی بہت نفیس مثال نقشہ' مکان' خاکہ مکان' اور خود مکان سے دی جا چکی ہے۔ چوتھا اعتراض: اقرب اسم تفضیل ہے جس کا صلہ یا الیٰ آتا ہے یا من' لام نہیں آتا مگر یہاں **للكفر** اور **للايمان** دونوں میں لام آیا' یہ قانون نحو کے خلاف ہے۔ جواب: اس کے جوابات تفسیر میں گزر گئے' کہ یا تو یہ دونوں لام بمعنی الیٰ ہیں یا تینوں حرف تفضیل کا صلہ بن جاتے ہیں' قرآن کریم نحوی قوانین کا پابند نہیں بلکہ نحو قرآن کے تابع ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت نے فرمایا کہ منافقین آج کفر سے قریب ہیں' وہ تو پہلے بھی قریب تھے۔ جواب: آج اس قرب کا ظہور ہوا' اور ظہور بھی ایسا کہ منافقین بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے' یہ آج کی قید ظہور کے لحاظ سے ہے۔ چھٹا اعتراض: منافقوں کو کفر سے قریب کہا گیا' وہ تو کافر ہی تھے' پھر قرب کے کیا معنی؟ نیز زیادہ قریب کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان سے بھی قریب ہیں' حالانکہ وہ تو بہت دور رہتے۔ جواب: اس کے کئی جواب ہیں' ایک وہ جو امام حسن نے دیا' کہ قرآن کا اقرب فرمانا یقینی معیت کیلئے ہوتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **مائة الف او يزيدون** یقیناً وہ لوگ یعنی قوم یونس علیہ السلام لاکھ سے زائد ہی تھے' مگر فرمایا گیا **او**' دوسرے یہ کہ منافقین قومی مومن تھے اور دینی کافر' اور قومیت سے دینیت قریب تر ہوتی ہے' تیسرے یہ کہ ان منافقین پر دنیا میں مومنوں کے احکام جاری رہے' کہ ان میں جہاد نہ ہوا'

انہیں مسجدوں میں آنے مسلمانوں کے ساتھ عبادات کرنے کی اجازت دی گئی مرنے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کئے گئے مگر آخرت میں ان پر کفار کے احکام جاری ہوں گے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے بلکہ اسفل السافلین میں دنیا دور ہے کہ جاری ہے آخرت قریب ہے کہ آ رہی ہے تیسرے یہ کہ وہ زبانی طور پر مسلمانوں سے قریب تھے اور روحانی طور پر کفار سے خلاصہ یہ ہے کہ منافق تھے کافری مگران وجوہ کی بنا پر انہیں کفر سے قریب تر کہا گیا۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار و منافقین سے امداد لینا جائز ہے مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین و کفار کی امداد قبول نہ فرمائی حدیث و قرآن میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ وہ حدیث مشرکین و کفار کے متعلق ہے اور یہ آیت منافقین کے بارے میں جو اسلام کے مدعی تھے جیسے انہیں ظاہری اسلام کی بنا پر مسجدوں میں آنے اور نماز پڑھنے کا حکم تھا یونہی انہیں جہاد میں جانے اور کفار سے لڑنے کا بھی حکم تھا دوسرے یہ کہ بلا ضرورت کفار سے امداد نہ لی جائے "ضرورۃ" لی جائے حدیث شریف میں بلا ضرورت کا ذکر ہے اور قرآن شریف میں ضرورت کا عہد فاروقی میں بارہا جہادوں میں مشرکین سے امداد لی گئی ہے آج کفار کی امداد کے بغیر کوئی اسلامی ملک قائم نہیں رہ سکتا۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا گویا احد کا میدان ہے شیطانی لوگ کفار ہیں اور رحمانی لوگ مومنین نفسانی لوگ گویا منافقین ہیں جو بظاہر مومنوں کے ساتھ ہیں مگر در پردہ نفس امارہ کے تابع کہ جدھر نفس لے جاتا ہے ادھر جاتے ہیں اور نفس کی یہ کیفیت ہے کہ یہ دو منہ والا سانپ ہے جس کے منہ میں بھی زہر ہوتا ہے دم میں بھی اگر کبھی ایمان کی طرف مائل ہو تو بھی اس میں کچھ فی ہوتی ہے (چال) اور اگر کفر کی طرف مائل ہو تو بھی کچھ شرارت ہوتی ہے نفس اور نفسانی لوگ بمقابلہ ایمان کفر سے قریب تر ہیں مسلمانوں کو ان کی چالوں میں نہیں آنا چاہئے اللہ تعالیٰ انکی شرارتوں سے بے خبر نہیں یہ مت سمجھو کہ فرعون اور فرعونی لوگ ختم ہو چکے ہمارے پہلوؤں میں ہمارا فرعون ساتھ ہے اس کے شر سے بچنا سخت مشکل ہے مولانا فرماتے ہیں۔

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست لیک اورا عون مارا عون نیست

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا
وہ لوگ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے لئے اور بیٹھ رہے اگر اطاعت کرتے ہماری تو نہ قتل کئے جاتے فرماؤ کہ بس تم
وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا اور آپ بیٹھ رہے کہ وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے تم فرما دو

عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
دفع کرو اپنی جانوں سے موت اگر ہو تم سچے
تو اپنی ہی موت ٹال دو اگر سچے ہو

تعلق: اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں منافقوں کے خلق کی ایک علامت کا ذکر تھا یعنی غزوۂ احد سے لوٹ جانا' اب انکی دوسری علامت کا ذکر ہے' یعنی شہدائے مومنین پر طعن کرنا۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں منافقوں کے جہاد سے رک جانے کا ذکر تھا اب دوسروں کو روکنے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں ان منافقوں کا ذکر تھا جو میدان احد میں آکر جنگ سے پہلے ہی لوٹ گئے اب ان کے اس ٹولہ کا ذکر ہے جو مدینہ منورہ سے میدان جنگ میں آئے ہی نہیں۔

تفسیر: الذین قالوا لاخوانہم یہ **الذین** یا تو **یکتمون** کی ضمیر کا بدل ہے' یا ھم پوشیدہ کی خبر یا مبتداء ہے' اور قل فادرء وا اس کی خبر' ان تینوں صورتوں میں یہ مرفوع ہو گا' اور معنی اس کے الگ الگ یا **الذین نافقوا** کی صفت تو منصوب ہے یا **افواھھم** یا **قلوبھم** کی ضمیروں سے بدل ہے تو مجرور اسم ظاہر ضمیر کا بدل ہو سکتا ہے' فرزدق کہتا ہے۔

علی حالتہ لو ان فی القوم حاتما علی جودہ لضن بالماء حاتم

دیکھو حاتم جودہ کی ضمیر سے بدل ہے۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی) قالوا سے مراد ان کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے خفیہ طور پر کی' رب تعالیٰ نے ان کا یہ راز آؤٹ کر دیا' **لاخوانہم** میں لام قالوا کے صلہ کا نہیں' کیونکہ انہوں نے یہ بات ان بھائیوں سے نہ کہی تھی وہ تو شہید ہو چکے تھے' بلکہ **لا جل** کے معنی میں ہے' **اخوان اخ** کی جمع ہے' بمعنی بھائی' یہاں سے دینی بھائی مراد نہیں بلکہ نسبی' قومی' وطنی بھائی مراد ہیں' اس لئے کہ انہوں نے یہ گفتگو شہدائے احد کیلئے کی تھی' وہ سب مخلص مومن تھے' مگر ان منافقوں کے رشتہ دار و عزیز تھے' یعنی یہ منافقین وہ خبیث ہیں جو آپس میں اپنے ان برادری والے بھائیوں کے متعلق جو احد میں فی سبیل اللہ شہید ہوئے یہ بکواس کرتے ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ لام قالوا کا صلہ ہو' اور **اخوان** سے مراد منافقین ہی ہوں' اور معنی یہ ہوں کہ یہ لوگ دوسرے منافقوں سے یہ کہتے ہیں' اگرچہ یہ توجیہ بعید ہے مگر ہو سکتی ہے **وقعدوا** یہ جملہ قالوا کی ضمیر کا حال ہے' اور واؤ حالیہ اور ہو سکتا ہے کہ قالوا پر معطوف ہو' اور واؤ عاطفہ ہو' اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی معنی پر ہے' ظاہر یہ ہے کہ یہاں بیٹھ رہنے سے مراد جہاد کیلئے نہ آنا ہے' اور اس سے وہ منافقین مراد ہیں جو اس موقعہ پر مدینہ منورہ سے باہر نکلے ہی نہیں' اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہی لوگ ہوں جو احد سے لوٹ گئے تھے' چونکہ انہوں نے جہاد کیا نہیں' اس لئے گویا وہ بیٹھ ہی رہے' کیونکہ ان کا آنا نہ آنے کی مثل ہوا' خیال رہے کہ یہاں **قعود** یعنی بیٹھ رہنے سے مراد کھڑے ہونے کا مقابل نہیں بلکہ نکلنے کا مقابل ہے اگرچہ وہ چلتے پھرتے ہوں مگر جہاد کے لئے نہ نکلے تو بیٹھ ہی رہے **لو اطاعونا ما قتلوا** یہ قالوا کا مفعول ہے' اس کا مقصد اظہار افسوس نہیں بلکہ شہداء پر طعن و تشنیع ہے' اسی لئے رب تعالیٰ نے ان منافقین کے کفریات کے سلسلہ میں ان کا ذکر فرمایا' اطاعت سے مراد یا تو ان کی بات ماننا ہے یا ان کا سا عمل کرنا یعنی اگر یہ شہداء مومنین یا سارے مسلمان ہماری بات مان لیتے اور ہماری رائے پر عمل کرتے کہ مدینہ پاک میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کرتے' میدان احد میں نہ جاتے یا ہماری طرح وہ بھی بیٹھ رہتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل نہ کرتے یا جیسے ہم لوٹ آئے تھے' ہمارے ساتھ وہ بھی لوٹ آتے' وہاں نہ ٹھہرتے تو ہماری طرح وہ بھی قتل سے بچ جاتے' یہ تو جیہیں اس لئے کی گئیں کہ منافقین نے احد کے موقع پر مسلمانوں کو جنگ میں جانے سے زبانی منع نہ کیا تھا' لہٰذا ان کی یہ بات نہ ماننے کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا **قل فادرءوا** یہ جملہ قالوا کا جواب ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دلوایا گیا' **فادرءوا** شرط پوشیدہ کی جزاء ہے' اور ف جزائیہ **ادراءوا**' درء سے بنا' بمعنی ایک جانب مائل ہو جانا' جب اسکے بعد عن آئے تو بمعنی دفع ہوتا ہے' کہا جاتا ہے **درءت عنه** یعنی **دفعته** کبھی بغیر عن بھی دفع کے معنی دیتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یدرءون بالحسنة السیئة (رعد) عن انفسکم الموت** عن **فادرءوا** کا صلہ ہے' اور موت اس کا مفعول' انفس سے مراد اپنی ذاتیں یا جانیں ہیں' یعنی آپ فرما دو کہ اگر واقعی جنگ میں جانے سے موت آجاتی ہے اور بیٹھے رہنے سے آدمی موت سے بچ جاتا ہے' تو تم تو بیٹھ رہے تھے' اب موت سے بچ جاؤ اور موت کو اپنے وقت سے ٹال دو **ان کنتم صدقین** یہ جملہ گزشتہ جملہ کی شرط موخر ہے اور یا اس کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی اگر تم سچے ہو تو ضرور یہ کام کر گزرو۔

خلاصہ ء تفسیر: یہ منافقین وہ بے ایمان ہیں' جو خود تو جہاد میں جاتے نہیں' اور جانے والے غازیوں اور شہداء کا مذاق اڑاتے ہیں' کہ خود تو بیٹھ رہتے ہیں یا میدان میں جا کر لوٹ آتے ہیں' اور جو ان کے عزیز' قرابتدار مسلمان جہاد میں شہید ہو جاتے ہیں' ان پر طعن کرتے ہوئے آپس میں کہتے ہیں کہ یہ کیسے بے وقوف ہیں کہ مفت جانیں گنواتے ہیں' اگر یہ ہماری رائے مان لیتے یا ہماری طرح یہ بھی عقل سے کام لیتے کہ جہاد میں جاتے ہی نہ یا جا کر لوٹ آتے تو جیسے ہم محفوظ رہے ایسے ہی یہ بھی محفوظ رہتے' اور مارے نہ جاتے' یہ لوگ نہ تو خود عقلمند ہیں نہ ہم عقلمندوں کی مانتے ہیں' جسکی سزا بھگتتے ہیں' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے اتنا تو فرما دو کہ اگر تم سچے ہو' اور واقعی جہاد سے بیٹھ رہنا موت سے بچا لیتا ہے' اور تم اسی وجہ سے بچے کہ غزوہء احد میں نہ گئے' تو اپنے سے موت دفع کر دو اور دنیا میں ہمیشہ زندہ رہ کر دکھاؤ' تم جھوٹے ہو' جہاد میں جانا مار نہیں دیتا اور نہ جانا بچا نہیں لیتا' جب موت بہر حال آنی ہی ہے' اور وقت مقرر پر آئی ہے' اور جان جانی ہی ہے' تو بہتر یہی ہے کہ راہ خدا میں جائے' اس سے بڑھ کر جان کی قیمت اور کیا ہو سکتی ہے' وہ شہداء عزت کی موت فوت ہوئے' اور تم ذلت کی موت مرو گے' چنانچہ تفسیر کشاف' تفسیر صاوی' تفسیر روح المعانی اور تفسیر خزائن العرفان نے اس جگہ فرمایا کہ جس دن منافقین نے شہدائے احد پر یہ طعن کیا' اسی دن بیک وقت ستر منافق مر گئے' غالباً' ہارٹ فیل ہو کر رب تعالیٰ نے شہدائے احد کی تعداد کے برابر انہیں ہلاک کیا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے' **پہلا فائدہ:** سارے منافقین جنگ احد میں میدان احد کی طرف نہ نکلے تھے' بعض وہاں ہی رہ گئے تھے جیسا کہ **قعدوا** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی کام شروع کر کے ادھورا چھوڑ دینا نہ کرنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بدتر' دیکھو رب تعالیٰ نے ان منافقوں کے بارے میں جو میدان احد میں جا کر لوٹ آئے تھے **قعدوا** فرمایا' جیسا کہ **قعدوا** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** غزوہء احد میں جن مخلصین کے قدم اکھڑ گئے تھے' جس پر وہ نادم ہوئے وہ تمام حضرات مجاہدین و غازی مانے گئے' اجر و ثواب کے مستحق ہوئے' دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں **قاعدین** یعنی بیٹھنے والوں میں شامل نہ کیا' بیٹھنے والا انہیں قرار دیا گیا جو جنگ سے پہلے ہی لوٹ گئے تھے' ان بزرگوں کی معافی کا اعلان ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نیکی پر پچھتانا سخت گناہ ہے خواہ اپنی نیکی پر پچھتائے یا دوسروں کی نیکی پر' دیکھو رب تعالیٰ نے منافقین کے اس پچھتانے کو انکے جرموں میں شمار کیا۔ **پانچواں فائدہ:** صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنا منافقین کا طریقہ ہے جیسا کہ اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** غازی و شہید اور سارے مقتول اپنی ہی موت سے

مرتے ہیں' یہ کہنا غلط ہے کہ زندگی ابھی باقی تھی' قتل سے مر گئے' جیساکہ **فادرءوا** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہر امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ اور مقاصد کیلئے بھی ہوتا ہے' دیکھو **فادرءوا** امر ہے مگر تعجیز (یعنی ان کا عجز دکھانے) کیلئے استعمال ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** گناہ پر خوش ہونا بدتر گناہ بلکہ کفر ہے' اس پر تو ندامت چاہئے' جیساکہ **وقعدوا** سے معلوم ہوا کہ انہیں بیٹھ رہنے پر خوش ہونے کی بنا پر ملامت کی گئی۔

پہلا اعتراض: **لاخوانہم** سے معلوم ہوتا ہے کہ احد میں بعض منافقین بھی مارے گئے تھے' کیونکہ مومنین منافقین کے بھائی کب ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں نسبی یا وطنی بھائی مراد ہیں' چونکہ شہداء انصار ان منافقوں کے قرابتدار تھے' اس بنا پر **لاخوانہم** فرمایا گیا' رب تعالیٰ نے فرمایا **الی ثمود اخاہم صالحا** صالح علیہ السلام کو کافر قوم ثمود کا بھائی کہا گیا' کیوں؟ قرابتداری کی وجہ سے' حق یہ ہے کہ غزوۂ احد میں نہ کوئی منافق شہید ہوا نہ مارا گیا' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی نماز جنازہ پڑھی' جس میں ہر بار جناب حمزہ کی لاش مبارک کو ساتھ رکھا گیا' منافق پر نماز جنازہ کیسی۔ **دوسرا اعتراض:** **لواطاعونا** سے معلوم ہوا کہ منافقوں نے مخلصین کو غزوۂ احد میں جانے سے زبانی طور پر بھی روکا تھا' مگر یہ تاریخ کے خلاف ہے' تو اطاعوا کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ منافقین نے مسلمانوں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے دی تھی کہ شہر میں رہ کر جنگ کریں' جو نہ مانی گئی' اس پر وہ ناراض ہو گئے تھے' اطاعوا سے یہی مراد ہے' یا اطاعت سے مراد اتباع ہے' یعنی مسلمان بھی ہمارے جیسا کام کرتے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو مسلمانوں کی شہادت پر افسوس ہوا تھا' افسوس تو عبادت ہے' پھر رب تعالیٰ نے اس پر ملامت کیوں فرمائی؟ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سخت صدمہ ہوا تھا' حتی کہ مدینہ کی عورتوں کو اپنے شہداء پر روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا **اما حمزۃ فلا بواکی لہ** آج بے کس حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں' یہ فرمان عالی انتہائی صدمہ پر دلالت کرتا ہے۔ **جواب:** منافقین کی یہ بکواس اپنی سلامتی کی خوشی اور غازیوں کی شہادت پر طعن کیلئے تھی۔

تفسیر صوفیانہ: عقل انسان اگر ایمان کی معاون ہو تو نعمت ہے' اور اگر اس سے رکاوٹ کے ذریعہ بنے تو لعنت' منافقین کی عقل جس پر انہیں ناز تھا لعنت تھی' غازیوں اور شہیدوں کی عقل' جس پر منافقین طعن کرتے تھے رحمت تھی' اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹ جانا' سب کچھ لٹا دینا حسینی عقل ہے' جسے ایمانی عقل کہا جاتا ہے' اور دوسرے کو لوٹ لینا' تباہ کر دینا یزیدی عقل ہے' ایمانی عقل لٹ جانے پر خوش ہوتی ہے' اور شیطانی عقل بچ جانے پر ناز کرتی ہے' یہاں شیطانی عقل والوں یعنی منافقوں پر اظہار غضب فرمایا جا رہا ہے۔

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین ۔۔۔۔ جس نے اپنے خون سے ملت کو دھویا وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین ۔۔۔۔ جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

جس نے قانون شرع جاں دے کے پورا کر دیا!
بیعت باطل نہ کی اور راہ حق میں سر دیا!

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نہ تو ہمیں اپنی موت کی عمر معلوم ہے' نہ وقت معلوم' نہ جگہ معلوم' نہ مرض معلوم' نہ معلوم کتنی

عمر میں کہاں کب اور کس بیماری سے مریں گے' یہ اس لئے ہے تاکہ ہم ہردم موت کیلئے تیار رہیں' یہاں روح البیان نے ایک عجیب حکایت لکھی ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام ایک جنگل میں ایک جوان شخص کی لاش پر گزرے' جس کے سر پر سونے کا تاج تھا اور بائیں ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی' بہترین لباس اور زیورات سے آراستہ' اس کے پاس ایک تختی پر لکھا تھا کہ میں صصام ابن عود ابن عنق ابن عاد ابن ارم ہوں' میں نے ایک ہزار سات سو برس عمر پائی' اس زمانہ میں بارہ ہزار کنواری لڑکیوں سے نکاح کئے' چالیس ہزار شہر آباد کئے' کئی ہزار جنگیں جیتیں' میرے خزانوں کی چابیاں چار سو خچر اٹھاتے تھے مگر میں نے عاقلوں سے دوری اور غافلوں سے قرب اختیار کیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں دعوئی خدائی کر بیٹھا' میں اس جنگل میں پھنس گیا' میں نے بہت چاہا کہ ایک تھیلی بھر موتیوں کے عوض مجھے مٹھی بھر جوار کے دانے مل جائیں جنہیں چبا کر میں جان بچالوں مگر نہ ملے' چنانچہ اب میں بھوک سے دم توڑ رہا ہوں' اے دنیا والو! مجھ سے عبرت لو' اور دنیا سے دھوکا نہ کھاؤ دیکھو اس وقت کوئی چیز میرے کام نہیں آرہی' اور میں نہایت بے کسی کی حالت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ (تفسیر روح البیان)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کو جو قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں مردہ۔ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے

يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ

نزدیک روزی دیئے جاتے ہیں خوش ہیں اس سے جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور شادیاں منا

پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا

بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

رہے ہیں ان لوگوں کے ذریعہ جو نہیں ملے ان کے ساتھ ان کے پیچھے سے یہ کہ نہیں ہے کوئی ڈر ان پر

رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

وقف لازم

اور نہ وہ غمگین ہوں گے شادیاں مناتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور بے شک اللہ

کچھ غم خوشیاں مناتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل کی اور یہ کہ اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

برباد نہیں فرماتا اجر مسلمانوں کا

ضائع نہیں کرتا اجر مسلمانوں کا

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کے اپنے زندہ رہنے پر خوشی منانے اور مسلمان غازیوں کے شہید ہونے پر طعنہ دینے کا ذکر تھا' اب ان آیات میں شہادت کی موت کی افضلیت اور اس کی برتری کا ذکر ہے' جس سے معلوم ہوا کہ ان منافقوں کے زندہ رہنے سے ان شہداء کی موت بہتر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقوں کے شہداء پر طعن کا ذکر ہوا' اس میں دو مضمون تھے' ایک یہ کہ جہاد قتل کا ذریعہ ہے' دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا قتل بری چیز ہے جس کا نتیجہ یہ نکالا تھا کہ جہاد بری چیز ہے' انکی پہلی بات کا جواب تو اسی آیت میں دے دیا گیا تھا کہ جہاد قتل کا ذریعہ نہیں' قتل یا موت کا ذریعہ حکم الٰہی ہے' دوسری بات کا جواب ان آیات میں دیا جا رہا ہے کہ قتل بری چیز نہیں۔ تیسرا تعلق: گزشتہ آیت سے معلوم ہوا تھا کہ منافقوں کو زندگی بڑی پیاری ہے' اب یہاں فرمایا جا رہا ہے' بے وقوفو! اگر تمہیں زندگی ہی پیاری ہے تو مخلص مومن بن کر اللہ کی راہ میں مرو جس سے نہ مٹنے والی دائمی زندگی پاؤ۔

شان نزول: ان آیات کے نزول کے بارے میں چند روایتیں ہیں: (1) یہ آیت کریمہ شہدائے بدر کے متعلق نازل ہوئی جو چودہ تھے' چھ مہاجر اور آٹھ انصار (تفسیر خازن' کبیر و صاوی)۔ (2) یہ آیت شہدائے احد کے متعلق نازل ہوئی' جو ستر حضرات تھے' چار مہاجر' حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب' مصعب ابن عمیر' عثمان ابن شماس اور عبداللہ ابن جحش' باقی چھیاسٹھ انصار (تفسیر روح البیان' صاوی' روح المعانی) چنانچہ ابوداؤد و دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں میں رکھا کہ وہ جنت کی نہروں پر جاتی اور وہاں سے پھل کھاتی ہیں' اور ان سنہری قندیلوں میں رہتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں' انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ کاش ہمارے اس عیش کی خبر ہمارے ان بھائیوں کو مل جاتی جو ابھی دنیا میں ہیں تاکہ وہ جہاد سے سست نہ ہوتے' رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ خبر ہم بھیجے دیتے ہیں' چنانچہ یہ آیتیں نازل فرمائیں' نیز ترمذی نے باسناد حسن اور حاکم وغیرہ نے باسناد صحیح حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت کی کہ ایکبار مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل شکستہ دیکھ کر فرمایا' کیوں پریشان ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میرے والد احد میں شہید ہو گئے' اور بہت قرض اور بال بچے چھوڑ گئے جن کا بوجھ مجھ پر ہے' فرمایا کیا میں تمہیں خوشخبری دوں؟ میں نے عرض کیا' ہاں! فرمایا کہ آج تک رب تعالیٰ نے کسی سے بے حجابانہ کلام نہ فرمایا' حجاب میں ہی کلام ہوتا تھا سوائے تمہارے والد کے کہ انہیں اپنا دیدار دیا اور کلام فرمایا کہ فرمایا اے میرے بندے کچھ مجھ سے مانگ! انہوں نے عرض کیا کہ مولیٰ! مجھے پھر زندہ کر دنیا میں بھیج تاکہ پھر تیری راہ میں جہاد کروں اور مارا جاؤں' ارشاد باری ہوا کہ بعد موت ہم واپس نہیں بھیجا کرتے' تمہارے والد نے عرض کیا کہ اچھا پھر میری خبر دنیا میں بھیج دے کہ تو نے میرا اتنا احترام فرمایا' رب تعالیٰ نے فرمایا' ہاں یہ کئے دیتے ہیں' چنانچہ یہ آیت نازل فرمائی (روح المعانی' کبیر' خازن و صاوی وغیرہ)۔ (3) یہ آیت ان ستر قاریوں کے متعلق نازل ہوئی' جو غزوۂ احد کے چار ماہ بعد ماہ صفر ۴ھ میں مقام بیر معونہ شہید ہوئے' جن میں مشہور صحابہ یہ ہیں: منذر ابن عمرو' حارث ابن صمہ' حرام ابن ملحان' عروہ ابن اسماء' نافع ابن بزید' عامر ابن فہیرہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے انہی کی لاش آسمان پر اٹھائی گئی جیسا کہ بخاری شریف وغیرہ میں ہے اور یہاں تفسیر خازن نے بھی نقل فرمایا' بیر معونہ مکہ معظمہ اور عسفان کے درمیان علاقہ ہذیل میں واقع ہے' کچھ

نجدی لوگ دھوکا سے ان حضرات کو تبلیغ کے بہانہ لے گئے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے نجدیوں کا اعتبار نہیں' ان کی جانوں کا خطرہ ہے' مگر ابو براء عامر ابن مالک ابن جعفر بولا کہ میں انکا ذمہ دار ہوں' تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل نخواستہ ان کو بھیجا' ان بدنصیب نجدیوں نے مقام بیر معونہ پر سوائے کعب ابن زید کے سب کو شہید کردیا' اور یہ بھی آخری سانسوں میں بچ رہے' اور پھر غزوۂ خندق میں شہید ہوئے' انکے بارے میں یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن' روح المعانی' صاوی وغیرہ) یہاں تفسیر خازن نے غزوۂ بیر معونہ کا تفصیلی واقعہ بیان فرمایا' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان روایات میں کچھ تعارض نہیں ہوسکتا کہ اسکے نزول کا تعلق ان تمام واقعات سے ہو۔

تفسیر: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا : ہماری قراءت میں **تحسبن** ت سے ہے بصیغہ مخاطب' اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مسلمان کو یا منافقین کو' جو حیات شہداء کے منکر تھے' ایک قراءت میں یحسبن' ی سے ہے بصیغہ غائب' اس کا فاعل یا مسلمان ہیں یا منافقین' یہ کلمہ حسبان سے بنا بمعنی گمان کرنا' افعال قلوب میں سے ہے' دو مفعول چاہتا ہے' یہاں پہلا مفعول الذین ہے' اور دوسرا مفعول امواتا' روح المعانی نے فرمایا کہ **الذین** **یحسبن** کا فاعل ہے' اور اس کا مضمون اول پوشیدہ ہے' یعنی انفسھم اور مفعول دوم امواتا ہے اور معنی یہ کرتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے وہ اپنے کو کبھی ہرگز مردہ نہ سمجھیں' مگر یہ عجیب سی تفسیر ہے' کیونکہ شرعی احکام اور درستی عقائد زندوں پر لازم ہیں نہ کہ مردوں پر نیز افعال قلوب کا ایک مفعول پوشیدہ ہونا سوائے اخفش کے کسی کے ہاں جائز نہیں' بہرحال پہلی تفسیر ہی قوی تر ہے' اگر قتل دھاردار آلہ سے کاٹ کر مارنے کو کہا جاتا ہے مگر کبھی مطلقاً موت کو بھی کہہ دیا جاتا ہے' یہاں اسی معنی میں ہے' کیونکہ راہ خدا میں مسلمان کیسے ہی مارا جائے' تلوار سے' گولی سے' گولہ سے' آگ سے یا موت کی شعاع سے' یا لاٹھی سے ان سب کا یہی حکم ہے کہ اللہ کی راہ میں مرنا یا جلنا ہے یا تمام روز دینے جس سے رب تعالیٰ راضی ہو' امواتا کی تحقیق دوسرے پارے میں کی جاچکی ہے' یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم' یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان یا اے حیات شہداء کا انکار کرنے والے منافق! اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جانے والوں کو خبردار ہرگز مردہ نہ سمجھنا اور اس کا وہم بھی نہ کرنا **بل احیاء** : **بل** اضراب کیلئے ہے یعنی گزشتہ کی نفی اور آئندہ کے ثبوت کیلئے **احیاء**' حی کی جمع ہے بمعنی زندہ' جمہور کی قراءت میں ہمزہ کا پیش ہے' اور یہ ھم پوشیدہ کی خبر ہے' بعض قراءت میں احیاء ہمزہ کے فتح سے ہے' **احسبوا یا اعتقدوا** پوشیدہ کا مفعول' پہلی صورت میں معنی یہ ہوئے کہ شہداء مردے نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں' اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوئے کہ شہداء کو مردہ مت سمجھو بلکہ انہیں زندہ سمجھو اور اعتقاد رکھو (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ منکرین حیات شہداء نے اس جگہ بڑے غوطے کھائے ہیں' چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ آئندہ زندہ ہوں گے' جیسے کہ **انک میت وانھم میتون** میں آئندہ کی خبر ہے' ایسے ہی یہاں' اب **یرزقون**' **فرحین** اور **یستبشرون** وغیرہ سب کو مستقبل کیلئے مانتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ سب کچھ قیامت میں ہوگا' مگر یہ تفسیر نہیں' بلکہ آیت کی تحریف ہے' تفسیر خازن و کبیر نے اس کی پرزور تردید کی ہے' ان بے وقوفوں نے یہ نہ خیال کیا کہ قیامت میں تو سارے ہی مردے زندہ ہوں گے' پھر اسے شہداء کی صفات کے سلسلہ میں بیان کرنے کے کیا معنی؟ نیز جنت کی روزیاں سارے جنتیوں کو ملیں گی اس میں شہداء کی کیا خصوصیت ہے' نیز اگر یہ آیت قیامت کے متعلق ہے

تو لم یلحقوا بھم کے کیا معنی' اس دن تو سارے ہی موت پاکر شہداء سے مل چکے ہوں گے بہرحال یہ توجیہ باطل محض ہے' بعض نے کہا کہ اس سے روحانی اور برزخی زندگی مراد ہے نہ کہ جسمانی' مولوی محمد علی لاہوری قادیانی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں یہی کہا' مگر یہ بھی باطل محض ہے کیونکہ یہ برزخی و روحانی زندگی تو ہر مردے کو میسر ہے' حتی کہ کافر کو بھی' ورنہ اسے عذاب کیسے ہوتا' نیز روزی کھانا جسم کا کام ہے نہ کہ فقط روح کا' نیز دیکھا گیا ہے کہ شہید کا جسم قبر میں گلتا نہیں' اگر جسم زندہ نہیں ہے تو نہ گلنے کی وجہ' نیز یہاں تفسیر کبیر و خازن نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ نے ایک موقعہ پر کسی ضرورت سے کچھ شہداء کی قبریں اکھیڑنے اور انکی لاشوں کو منتقل کرنے کا حکم دیا' حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم نے انکی لاشیں نکالیں تو تازہ تھیں' حتی کہ ایک شہید کی انگلی میں پھاوڑا لگ گیا تو اس سے خون جاری ہو گیا' اسی خازن میں ہے کہ امام بغوی نے حضرت عبداللہ ابن عمیر سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب احد سے واپس ہوئے' تو حضرت مصعب ابن عمیر شہید کی لاش پر کھڑے ہوئے' ان کیلئے دعا کی' اور یہ آیت پڑھی **من المومنین رجال صدقوا** پھر فرمایا میں گواہ ہوں کہ یہ شہید ہیں تم ان کی زیارتیں کیا کرو' انہیں سلام کیا کرو' قسم رب کی (تفسیر خازن) بہرحال صحیح یہی ہے کہ شہداء کی روح بھی زندہ ہے اور جسم بھی' تعلق روح کا جسم سے قائم ہے' انکے حواس درست ہیں' بلکہ بمقابلہ زندگی زیادہ قوی ہیں' اس کی پوری تحقیق ہم دوسرے پارے میں کر چکے ہیں **عند ربھم** یہ ھم محذوف کی خبر دوم ہے' خبر اول احیاء تھی عند بمعنی مقرب یا معظم ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن عندہ لا یستکبرون** اور فرماتا ہے **فالذین عند ربک** بعض نے فرمایا کہ عند ظرف ہی ہے اور یہ **یرزقون** کا ظرف مقدم ہے' مگر پہلی توجیہیں زیادہ قوی ہیں (تفسیر خازن' مدارک' بیضاوی' کبیر' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) یعنی وہ شہداء زندہ ہیں رب تعالیٰ کے ہاں مقرب' معظم و مکرم ہیں' منکرین حیات شہداء نے عند کو احیاء کا ظرف مانا اور معنی یہ کئے کہ وہ دنیا میں زندہ نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں' دیکھو تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری قادیانی' شاید ان کے ہاں دنیا خدا سے دور ہو گی' کوئی اور عالم خدا کے نزدیک ہو گا' اللہ کے بندو دنیا بھی خدا کے نزدیک ہی ہے' یہاں قرب مکان بن سکتا ہی نہیں' **یرزقون** یہ ھم کی تیسری خبر ہے' رزق کے معنی اور اسکی قسمیں ہم **مما رزقنھم** کی تفسیر میں پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں' یہاں جنت کا رزق مراد ہے' وہاں کے پھل' پانی' دودھ' شربت وغیرہ سب کچھ جیسا کہ گزشتہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا' اور اس میں شہداء کی جسمانی زندگی کی تاکید ہے (تفسیر روح البیان) کہ اگر وہ حضرات مع روح و جسم زندہ نہ ہوتے تو رزق دیئے جانے کے کیا معنی رزق ملنا جسم ہی کی صفت ہے' اس کے مضارع فرمانے سے پتہ لگا کہ ان کو برابر مسلسل رزق مل رہا ہے **فرحین بما اتھم اللہ من فضلہ** یہ عبارت یا تو **یرزقون** کی ضمیر سے حال ہے یا احیاء سے یا **عند ربھم** کے متعلق کی ضمیر سے فرح وہ خوشی ہے جو رنج و غم سے مخلوط نہ ہو' فخر و تکبر کی فرح و خوشی تو ممنوع ہے' اور شکر کی فرحت و خوشی بہتر رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** یہاں فخر کی فرحت سے ممانعت ہے' اور فرماتا ہے **قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا** یہاں شکر کی فرحت و سرور کا حکم ہے' رب کے فضل سے مراد شہادت' مغفرت' جنت اور وہاں کی نعمتیں رب کی رضا ہیں چونکہ یہ سب کچھ اس کریم و رحیم کی مہربانی ہے' طانہ کہ محض اپنی بہادری سے' اس لئے اسے **من فضلہ** فرمایا **من فضلہ** میں من بیانیہ

ہے ' بما کا بیان یعنی ان شہداء کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کے ساتھ خوشی بھی بخشی کہ وہ خوش و خرم ہیں ان نعمتوں کی وجہ سے جو انہیں رب تعالیٰ نے بخشیں محض اپنے فضل سے **ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم** یہ جملہ یا تو مستقل ہے علیحدہ ہے یا تو **یرزقون** پر معطوف یا **یرزقون** کی ضمیر سے حال ہے ' اس صورت میں ' وھم پوشیدہ ہے کیونکہ جب حال مضارع ہو تو اس پر واؤ نہیں آتا یا فرحین پر معطوف ہے ' اس طرح کہ یا تو فرحین جملہ فعلیہ کی تاویل میں ہے یا **یستبشرون** مفرد کی تاویل میں ' غرضیکہ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں ' اور ہر ترکیب کے علیحدہ معنی ' **استبشار** بشارت سے بنا ' بشارت کے معنی ہم دوسرے پارہ میں عرض کر چکے ہیں ' یہاں اتنا سمجھ لو کہ بشارت وہ خوشخبری ہے جس کا اثر ہر سننے والے کے بشرو یعنی چہرہ پر ظاہر ہو جائے ' یہاں استبشار مبالغہ کیلئے ہے یعنی خوب خوشیاں مناتے ہیں **الذین لم یلحقوا بھم** سے مراد قیامت تک ایمان پر مرنے والے مسلمان ہیں اور جو مر کر جنت میں پہنچیں گے ' کیونکہ یہ شہداء تا قیامت مومنوں کے حسن خاتمہ اور انکی منزلت ' قرب ' جنت کے مقامات اور انکی نامزد کردہ نعمتوں سے خبردار ہیں (تفسیر صاوی) **لم یلحقوا** سے مراد ہے ان کا ابھی تک نہ مرنا اور ان شہداء سے ملاقات نہ کرنا خواہ ابھی دنیا میں زندہ ہوں یا ابھی پیدا ابھی نہ ہوئے ہوں ' **من خلفھم** سے مراد یہ ہے کہ یہ شہداء تو ان کے سلف بن کر آگے جنت میں پہنچ گئے اور وہ حضرات خلف بن کر انکے پیچھے جنت میں پہنچنے والے ہیں ' اسی سے ہے **خلف** بمعنی بیٹا کہ وہ دنیا میں باپ سے پیچھے آتا ہے ' یعنی وہ شہداء اپنی نعمتوں پر بھی خوش ہیں اور تا قیامت ان مومنوں کے احوال سے مطلع ہو کر خوشیاں منا رہے ہیں ' جو ایمان پر مر کر جنت میں داخل ہونے والے ہیں ' اور اپنی نعمت سے زیادہ پچھلے مسلمانوں کی کامیابیوں پر خوش ہیں ' اس لئے وہاں **فرحین** فرمایا گیا تھا اور یہاں **یستبشرون**: خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرات آئندہ جنت میں آنے والے مومنوں پر حاسد نہیں ہیں بلکہ خوش ہیں اور بہت ہی خوش ہیں **الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** یہ عبارت **الذین لم یلحقوا** کا بدل اشتمال ہے ' اور علیھم اور ھم کی ضمیریں اسی **الذین** کی طرف راجع ہیں ' خوف آئندہ کے اندیشے کو کہتے ہیں ' حزن گزشتہ پر غم کو ' خوف و غم مفید بھی ہوتا ہے ' جیسے اللہ سے خوف اپنے گناہوں پر غم اور نقصان دہ بھی ' جیسے لوگوں کے خوف سے ایمان یا تقویٰ چھوڑ دینا یا دنیاوی مال نہ ملنے پر غم کہ اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی بدمعاشیاں کرتے ' یہاں علیٰ فرما کر یہ بتایا کہ انہیں مضر خوف و غم نہیں یعنی وہ شہید ان آئندہ آنے والے مسلمانوں پر اس لئے خوشیاں مناتے ہیں کہ وہ لوگ دنیا و آخرت میں نقصان دہ خوف و غم سے آزاد ہیں ' اس لئے ان کی دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی اچھی ' اور وہ ہماری ہی طرح کامیاب ہوں گے ' نہ دنیا میں رہتے ہوئے مرنے سے ڈریں گے نہ مرتے وقت دنیا چھوڑنے پر غم کریں گے ' امام سدی نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو درجہ شہادت سے محروم رہے مگر اعمال صالح کئے اور شہداء سے پیچھے رہے ' **لم یلحقوا** سے یہ مراد ہے کہ وہ شہداء تک نہ پہنچے (روح المعانی) **یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل** یہ جملہ فرحین کا بیان ہے اور **یستبشرون** کا فاعل وہ ہی شہداء ہیں ' فرحت اور اس بشارت میں فرق کئی طرح کیا گیا ہے ' معافی سیئات پر فرحت ہے اور عطائے نعمت پر بشارت ' موجودہ نعمتوں پر فرحت ہے اور آئندہ ملنے والی نعمتوں پر بشارت ' نعمتوں سے مراد اعمال صالح کا ثواب ہے ' فضل سے مراد رب تعالیٰ کا عطیہ علاوہ ثواب کے یعنی یہ شہداء اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتوں پر خوشیاں منا رہے ہیں ' اور آئندہ بعد قیامت ملنے والی نعمتوں پر بھی **وان اللہ لا یضیع اجر المومنین** ہماری قراءت میں ان

الف کے فتح سے ہے' اصل میں بان تھا' نعمت پر معطوف اور امام کسائی کی قراءت میں ان الف کے کسرہ سے نیا جملہ **یضیع** اضاعتہ سے بنا' معنی برباد کر دینا' ثواب نہ دینا' یعنی وہ شہداء اس پر بھی خوشیاں مناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت نعمتیں بخشیں اور اس پر بھی شادماں ہیں کہ اللہ تعالیٰ تاقیامت کسی مومن کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرمائے گا' سب کو بقدر اعمال بدلہ دیگا فضل اسکے علاوہ ہے' یہاں مومنین فرمانے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے **الذین لم یلحقوا** سے مراد سارے مومن تھے نہ کہ صرف صحابہ کرام نہ صرف غازیان اسلام نہ صرف آئندہ شہید ہونے والے حضرات کیونکہ لفظ مومنین سب کو ہی شامل ہے۔ (از تفسیر کبیر و معانی و خازن وغیرہ)۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پر ایمان رکھنے والے! کبھی خیال و گمان بھی نہ کرنا کہ جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے وہ مردہ ہیں نہیں ہرگز نہیں وہ تو زندہ ہیں اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہیں' انہیں برابر جنت کی روزیاں' پھل فروٹ' کوثر و سلسبیل وغیرہ نعمتیں مل رہی ہیں' ہر وقت خوش ہیں' کبھی رنج و غم انکے پاس نہیں بھٹکتا کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ دے رکھا ہے' صرف اپنی کامیابی پر وہ خوش نہیں بلکہ قیامت تک جس قدر مسلمان ایمان پر مرنے والے ہیں' جو ابھی تک ان سے نہیں ملے یا تو پیدا ہو چکے ہیں مگر فوت نہیں ہوئے' یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے پیچھے آنے والے ہیں' انکے حالات سے بھی خبردار ہیں اور انکو ملنے والی نعمتوں پر بھی خوشیاں منا رہے ہیں کہ ان لوگوں پر بھی نہ دنیا میں کوئی خوف اور نہ آخرت میں کچھ غم' یہ شہداء اللہ کی نعمتوں یعنی غزوہ' شہادت' حسن خاتمہ اور اعمال کے ثواب پر بھی خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے علاوہ جو انہیں ملا اس پر بھی شاداں اور اس پر بھی خوش و خرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کسی مسلمان کا اجر برباد نہ کریگا' سب کو بقدر عمل جزا دیگا کمی نہ فرمائیگا' بلکہ انکی زندگی بھی دائمی ہے اور انکی نعمتیں و عیش و خوشیاں بھی دائمی' غرضیکہ شہداء کی زندگی بھی اعلیٰ ہے اور موت بھی افضل۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں' اب موجود ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** بعض مقبول بندے مرنے کے بعد وہ نعمتیں کھاتے ہیں' یہ دونوں فائدے **یرزقون** سے حاصل ہوئے بلکہ بعض بندوں کو زندگی ہی میں جنت کی نعمتیں دی جاتی ہیں' دیکھو قرآن کریم فرما رہا ہے کہ حضرت مریم زندگی میں جنت کے میوے کھاتی تھیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جنت کا پانی پلایا' جو آپ کی انگلیوں سے چشمہ کے طور پر ظاہر ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بعد موت روح کو فنا نہیں بلکہ اپنے اعمال کے مطابق مقام میں رہے گی۔ **چوتھا فائدہ:** شہید بعد موت زندہ ہیں' انکے جسم بھی زندہ کہ نہ سڑتے ہیں نہ گلتے ہیں' اور انکے حواس درست رہتے' روزی اخروی کھاتے پیتے ہیں جیسا کہ **یرزقون** کی تفسیر سے معلوم ہوا' انکو موت آتی ہے بہ ایں معنی کہ جسم سے روح نکل جاتی ہے' اور وہ زندہ ہیں بہ ایں معنی کہ نکلنے کے بعد روح نے جسم کو چھوڑا نہیں' روح نکلنا کچھ اور ہے چھوڑنا کچھ اور' اس کی نہایت نفیس تحقیق دوسرے پارہ **ولا تقولوا لمن یقتل** کی تفسیر میں عرض کی جا چکی۔ **پانچواں فائدہ:** شہداء کو بعد موت کبھی رنج و غم' خوف و ہراس نہیں ہوتا' دائمی خوشی میسر ہے جیسا کہ **فرحین** سے معلوم ہوا' یہ فرحت و سرور بھی ان کی جزا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** شہید تاقیامت ہر مومن کے اچھے خاتمہ' اس کے انجام' اسکے ثواب' اسکی نامزد کی نعمتوں سے واقف ہوتا ہے جیسا کہ **لم یلحقوا** کی تفسیر سے معلوم ہوا'

یہاں تفسیر صاوی کا حوالہ یاد رکھئے' اگر وہ ان باتوں سے بے خبر ہوتا تو ان پر خوشیاں منانے کے کیا معنی تھے؟ بلکہ اسے شہید اس لئے بھی کہتے ہیں کہ وہ ہر ایک کے حال کا مشاہدہ کر رہا ہے' ہر ایک کا گواہ ہے' خیال رہے کہ اچھا انجام علوم خمسہ سے ہے' جب شہید کے علم کا یہ حال ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے صدقہ سے شہید شہید بنا ان کے علوم غیبیہ کا کیا پوچھنا۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ مومن کے دل سے اس کی موت کے بعد تمام غل و غش' عداوت و کدورت نکال دیتا ہے' دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ شہداء آنے والے مومنین کے درجات پر خوشیاں مناتے ہیں معلوم ہوا کہ حسد نہیں کرتے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** **آٹھواں فائدہ:** حیات شہداء قطعی یقینی مسئلہ ہے اس کا منکر کافر ہے' رب تعالیٰ نے اس مسئلہ پر بہت زور دیا کہ ایک جگہ تو فرمایا کہ شہداء کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں' یہاں فرمایا کہ شہداء کو ہرگز ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں مردہ کہنے سے بھی روکا اور مردہ سمجھنے سے بھی' اور ہر ممانعت کے بعد ان کی زندگی کا اعلان کیا اور یہاں تو زندگی کے ثبوت کیلئے انکا روزی پانا' خوشیاں منانا آئندہ ہونے والے مسلمانوں کے درجات سے واقف ہونا سب کچھ ہی بیان فرمایا' غرضیکہ اتنا زور اور مسئلہ پر نہ دیا جتنا اس مسئلہ پر دیا' اب اس کا منکر کافر ہے اور اس میں بلاوجہ تاویلیں کرنے والا گمراہ' مذہب اہل سنت یہی ہے کہ شہداء کی زندگی جسمانی اور جاودانی ہے' یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ اولیاء و شہداء بعد وفات ایک جگہ رہتے ہوئے ان کی روح بیک وقت ہزارہا جگہ موجود ہو جاتی ہے اور عالم میں تصرف کرتی ہے' حضرات انبیائے کرام کی زندگی ان تمام سے بہت اعلیٰ ہے عام مومنین قبر میں رہتے ہوئے جنت کو دیکھتے ہیں' مگر شہداء جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ **نواں فائدہ:** کوئی مومن دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا' آخرکار جنت میں پہنچے گا کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ثواب ضائع نہیں کرتا' ایمان بھی ایک ثواب کا کام ہے یہ بھی ضائع نہیں ہو سکتا لہٰذا بڑے سے بڑا گنہگار فاسق ہو' فاجر ہو' مگر ہو مومن' وہ آخرکار جنتی ہے' اس حدیث کے یہی معنی ہیں کہ جس نے **لا الہ الا اللہ** پڑھا جنتی ہو گیا اگرچہ زنا و چوری کرے' یہ آیت اس حدیث کی تائید ہے اور وہ حدیث اس آیت کی شرح۔ **دسواں فائدہ:** کافر کے کسی عمل کا ثواب آخرت میں نہ ملے گا خواہ کتنا ہی نیک و صالح نظر آتا ہو' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا' یعنی کافروں کے عمل ضائع فرما دیتا ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنہ ھباء منثورا** ہم نے کفار کے سارے اعمال صالحہ باریک غبار بنا کر اڑا دیئے۔

پہلا اعتراض: بہت سی آیتوں اور صدہا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی' ولی' شہید سب کو موت آتی ہے' یہ آیت ان تمام کے خلاف ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انک میت وانھم میتون** اے محبوب آپ کو موت آتی ہے اور ان سب کو بھی' اور فرماتا ہے **کل من علیھا فان** اور فرماتا ہے **کل نفس ذائقۃ الموت** اور فرماتا ہے **افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم** اور فرماتا ہے **لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا** وغیرہ' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن فرمایا کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا ہو تو وہ تو وفات پا گئے اور جو اللہ کو پوجتا ہو' تو وہ حی لایموت ہے' اور فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری اتباع انہیں کرنا پڑتی یعنی وہ زندہ نہیں ہیں' نیز اگر حضرات شہداء زندہ ہیں تو ان کا کفن دفن کیوں ہوتا ہے؟ ان کی میراث کیوں تقسیم ہوتی ہے' ان کی

بیویاں نکاح کیوں کر لیتی ہیں؟ لہذا ان جیسی آیتوں میں جہاں کہیں حیات کا لفظ ہے' وہاں صرف روحانی' برزخی یا کارناموں کی زندگی مراد ہے' **با عند الله** سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے علم میں زندہ ہیں' جیسے کہا جاتا ہے **هذا عند ابی حنیفة** یہ مسئلہ امام اعظم کے نزدیک ہے' یعنی انکے علم میں' انکے مذہب میں ہے لہذا یہاں احیاء کے معنی یہ ہیں کہ شہداء کے کام ان کے نام زندہ ہیں' کہ لوگ انہیں اچھی طرح یاد کرتے ہیں' یا ان کی روحیں زندہ ہیں' بحیات برزخی' یا وہ کسی اور عالم میں زندہ ہیں' نہ کہ اس جہان میں۔

نوٹ ضروری: گجرات کے بعض جہلاء نے آج کل مسئلہ حیات النبی' حیات ولی' حیات الشہداء کا شدت سے انکار کیا ہے' انکے یہ دلائل ہیں' بلکہ جس متانت سے ہم نے ان کی طرف سے دلائل بیان کر دیئے' انشاء اللہ وہ خود بھی بیان نہ کر سکیں گے' آجکل اسی مسئلہ پر بہت زور ہے۔ جواب: اس اعتراض کے تفصیلی جوابات ہم اسی تفسیر کے دوسرے پارے میں زیر آیت **ولا تقولوا لمن یقتل** عرض کر چکے ہیں' نیز مرات جلد دوم باب الجمعہ میں مسئلہ حیات النبی بہت تحقیق سے ہم عرض کر چکے ہیں' یہاں اتنا سمجھ لو' زندگی و موت کے بہت معنی ہیں' ایک معنی سے جسم کو زندہ و مردہ کہا جاتا ہے' دوسرے معنی سے روح کو' تیسرے معنی سے زمین کو' چوتھے معنی سے شہر وغیرہ کو' اور پانچویں معنی سے دل کو زندہ و مردہ کہا جاتا ہے' ان تمام معنی میں یہ لفظ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالیٰ نے زندہ کافروں کو مردہ فرمایا ہے۔ جسم انسانی کی زندگی و موت کے دو معنی ہیں' روح کا جسم سے نکل جانا' روح کا جسم کو چھوڑ دینا' پہلے معنی سے ہر شخص کو موت ہے' خواہ نبی ہو' ولی ہو' شہید ہو' یا عام مومن یا غیر مومن' تمہاری پیش کردہ آیتوں وحدیثوں میں موت سے یہی مراد ہے' یعنی روح ہر ایک کے جسم سے نکلنے والی ہے' یقیناً اس معنی سے سب کو موت آنے والی ہے' مگر دوسرے معنی سے حضرات انبیاء' اولیاء' شہداء کو ہرگز موت نہیں' انکے جسم سے روح نکل کر جسم کو چھوڑتی نہیں' جس سے ان کا جسم سڑتا گلتا نہیں اور ان کے حواس بھی قائم رہتے ہیں' دیکھو دل نکل جانے پر موت یقیناً واقع ہو جاتی ہے' مگر معراج وغیرہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نکالا گیا' چاک کیا گیا' صاف فرمایا گیا مگر موت واقع نہ ہوئی' حیات کی تمام آیات وحدیث میں یہی مراد' دوسرے معنی کی موت کی نفی ہے' پہلی موت ہی کی وجہ سے کفن' دفن' میراث' انکی بیویوں کا دوسرے سے نکاح کے احکام جاری ہوتے ہیں' دوسرے معنی کے لحاظ سے انہیں سلام و کلام' احترام وغیرہ کیا جاتا ہے ان سے مدد مانگی جاتی ہے' لہذا دونوں قسم کی آیات واحادیث درست ہیں' جو توجیہ تم نے ان آیات کی کیں وہ محض غلط و باطل ہیں' اگر انکا نام و کام باقی ہونا مراد ہوتا' تو پھر انہیں روزی ملنے' خوشیاں منانے' آئندہ لوگوں کے حالات سے واقف ہونے کے کیا معنی؟ نیز بہت سے لیڈروں کے نام و کام باقی رہتے ہیں' لوگ انہیں بھی اچھائی سے یاد کرتے ہیں' پھر اس میں شہداء یا انبیاء کی کیا خصوصیت تھی اور اگر روحانی' برزخی زندگی مراد ہوتی' تو یہ زندگی تو ہر مومن بلکہ کافر کو بھی حاصل ہے' پھر خصوصیت شہداء کے کیا معنی؟ خصوصیت سے شہداء و انبیاء کی حیات پر قرآن کریم جو زور دے رہا ہے' یقیناً اس سے کوئی خاص زندگی مراد ہے' بفضلہ تعالیٰ مراد وہی ہے جو ہم نے عرض کیا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تو یہ مسئلہ ایک شعر میں حل فرما دیا' فرماتے ہیں۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے مگر اتنی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد انکی حیات مثل سابق وہی جسمانی ہے

فیصلہ یہ فرمایا کہ موت آنا اور ہے 'موت کا باقی و قائم رہنا کچھ اور 'موت آنی سب کو ہے 'مگر ہم کو موت آکر باقی بھی رہتی ہے ان حضرات کو آنی طور پر آتی ہے 'پھر انکی حیات جاودانی ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی فہم عطا فرمادے 'حدوث موت اور بقائے موت کا فرق خیال میں رہے۔ **دوسرا اعتراض:** تمہاری پیش کردہ حدیث سے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں رہتی ہیں 'جنت کی سیر کرتی ہیں 'مسئلہ تناسخ یعنی آریوں کا آواگون ثابت ہو گیا کہ مرے بعد شہید چڑیا بن جاتا ہے 'یہی آریہ کہتے ہیں کہ مرے بعد انسان جانور بن جاتا ہے 'وہ کہتے ہیں کہ جانور بن کر دنیا میں رہتا ہے 'تم کہتے ہو کہ جانور بن کر جنت میں رہتا ہے۔ **جواب:** آواگون و تناسخ میں روح کی تبدیلی مانی جاتی ہے 'کہ انسان کی نفس ناطقہ گدھے کی جون میں پہنچ کر نفس ناطقہ بن جاتی ہے 'یہاں یہ صورت نہیں 'شہید کی روح انسان ہی رہتی ہے 'پرندے کا جسم اس کیلئے ایسا ہوتا ہے جیسے سوار کیلئے اونٹ کا ہودج اور عرش کے نیچے کی قندیل ان کیلئے ایسی ہیں جیسے پرندے کیلئے آشیانہ (صاوی) جیسے سوار ہودج میں بیٹھ کر انسان ہی رہتا ہے ایسے ہی یہ روح اس جسم میں رہ کر انسان ہی رہتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب شہید کی روح سبز پرندے کے پوٹے میں ہے 'اور وہ پرندے جنت میں تو انکے مدفون اجسام بغیر روح کے رہ گئے 'اسی کا نام مردہ ہے 'لہٰذا شہداء کے اجسام مردے ہیں۔ **جواب:** شہید کی روح وہاں پہنچ کر بھی جسم کی پرورش چھوڑتی نہیں 'رہتی جنت میں ہے 'مگر تعلق اس جسم سے بھی رکھتی ہے 'اور روح کا جسم کو نہ چھوڑنا 'اسکی تربیت کرنا ہی زندگی ہے 'بادشاہ ملک سے باہر سیر کیلئے جا کر بھی اپنے ملک کو چھوڑتا نہیں 'بادشاہ وہی ہوتا ہے ' اپنے ملک کی نگرانی اور پرورش برابر کرتا ہے 'سونے کی حالت میں آپ کی ایک روح جسم سے نکل کر بھی آپ کے جسم کو چھوڑتی نہیں لہٰذا انکی روح جنت میں رہتے ہوئے بھی انکو جسمانی حیات حاصل ہے۔ **چوتھا اعتراض:** آیت **لم یلحقوا بھم** کے معنی صرف یہ ہیں کہ شہید جن غازیوں کو زندہ چھوڑ کر شہید ہو گیا ہے 'ان پر خوشیاں مناتا ہے کہ یہ بھی عنقریب ہم میں آنے والا ہے اس کے استقبال کی تیاریاں کرتا ہے 'یہ مطلب نہیں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہتا ہے جیسا کہ تفسیر خازن و روح وغیرہ میں ہے 'لہٰذا اس سے شہید کا علم غیب ثابت نہیں ہوتا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں 'ایک الزامی ' دوسرا تحقیقی: الزامی جواب تو یہ ہے کہ یہ بھی تمہارے وہابیوں کے مذہب کے خلاف ہے 'تمہارا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو ایک انجام کی بھی خبر نہیں 'سعادت و شقاوت علوم خمسہ میں سے ہے 'اسکا علم دوسرے کو ماننا شرک اکبر ہے 'اگر ان شہداء کو ان غازیوں کے شہید ہونے 'ایمان پر مرنے 'ان کے پاس پہنچنے کا علم ہوا اور انہوں نے ان غازیوں کے استقبال کی تیاری کی 'تو انکی سعادت و شقاوت 'وقت موت کا علم ہو گیا 'کسی کا استقبال وہی کر سکتا ہے 'جو انکی آمد اور وقت آمد اور آمد کی جگہ سے خبردار ہو 'ان چیزوں سے بے خبر استقبال کیا خاک کریگا۔ **جواب تحقیقی:** یہ ہے کہ آیت کریمہ میں کوئی قید نہیں **الذین** اور **لم یلحقوا** دونوں عام ہیں 'قرآنی عموم کو محض اپنے قیاس سے ختم نہیں کر سکتے 'ہم تفسیر صاوی کا حوالہ پیش کر چکے کہ انہوں نے تا قیامت کا صاف صاف ذکر فرمایا 'احادیث سے تو ثابت ہے کہ شہید کو بھی اپنی شہادت سے پہلے انجام و موت کی خبر ہو جاتی ہے ' زندگی میں جنت اور اپنا مقام دیکھ لیتا ہے 'زخمی صحابہ نے بدر کے میدان میں تڑپتے ہوئے جان نکلنے سے پہلے ہی مسلمانوں کو جنت 'وہاں کی نعمتوں کی خبر دے دی کہ ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں 'جنگ جمل میں حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا کہ آج میری شہادت ہے تم میرے بعد میرے مال کا اس طرح انتظام کرنا (بخاری شریف) ایک نو مسلم صحابی نے عین جنگ کی

حالت میں ایمان لایا کھجوریں پھینک دیں اور بولا کہ اب آگے چل کر جنت کے پھل کھائیں گے اور کچھ دو جا کر بولا' یارسول اللہ میں جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں' وہ تلواروں کے سایہ میں ہے' جب شہید کا اپنی زندگی میں یہ حال ہے تو بعد شہادت کیا حال ہو گا' بہرحال حق یہ ہی ہے کہ شہید تاقیامت ہر مسلمان کے انجام سے خبردار ہے' ہر ایک کا انجام' مقام و درجہ جانتا ہے' آیت کریمہ بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل یا قید کی گنجائش نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عوام کی زندگی انکی روح سے ہے' خواص کی زندگی رب سے' روحانی زندگی والے روح نکل جانے سے مر جاتے ہیں مگر ربانی زندگی والے روح نکلنے کے بعد طبعی زندگی سے منتقل ہو کر اصلی و حقیقی زندگی میں پہنچ جاتے ہیں' شریعت کی تلوار سے مرنے والے زندہ ہیں' مرزوق ہیں تو صدق و صفا اور عشق کی تلوار سے مرنے والے بھی زندہ جاوید ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

کفار سے جہاد جہاد اصغر ہے' اور نفس نابکار سے جہاد' جہاد اکبر' جہاد اصغر میں شہید ہونے والے بعد وفات جنت صوری میں رہتے ہیں' اور جہاد اکبر میں شہید ہونے والے جیتے جی معنوی جنت میں رہتے ہیں اور وہاں کے پھل پاتے ہیں' کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی** میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں' کہ کل قیامت میں ہر ٹولہ اپنے اپنے امام کے ساتھ رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا' چنانچہ صدیقین کا ٹولہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گا' عادل بادشاہوں کی جماعت لواء فاروقی کے نیچے' حییوں کا گروہ عثمانی جھنڈے کے نیچے' شہیدوں کی جماعت لواء حیدری کے تلے' فقہا' علماء کا گروہ معاذ ابن جبل کے جھنڈے کے نیچے' تارک الدنیا فقراء کا گروہ حضرت ابوذر کے جھنڈے تلے' موذنوں کی جماعت حضرت بلال کے جھنڈے کے نیچے' اور مظلوم مقتولوں' شہیدوں کی جماعت جناب حسین کے جھنڈے کے نیچے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم ندعوا کل اناس بامامہم** ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے' جس کا دنیا میں کوئی امام نہ ہو گا اس کا امام ابلیس ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شریعت والے شہید بعد وفات جنت میں جا کر وہاں کی نعمتیں کھاتے ہیں' مگر طریقت کے شہید دنیا ہی میں جنت میں رہتے ہیں' اور وہاں کے کوثر میں غوطہ لگاتے ہیں اور جنت کے ہی پھل کھاتے ہیں' چنانچہ یہاں کے احوال کشف' معرفت الٰہی ان کی اس جنت کے پھل ہیں' قرآن و حدیث' یہاں کی نہریں ہیں' یہ لوگ دنیا میں بے خوف بھی ہیں بے غم بھی' مگر یہ نعمتیں محنتوں سے ملتی ہیں' بغیر محنت اس جنت کی ہوس خیال خام ہے۔

دنا' طمع مبراز لطف بے نہایت دوست   چو لاف عشق زدی سرباز چابک دست!

یہ حضرات خود شکار بن کر شکاری کے انتظار میں رہتے ہیں' کہ کوئی شکاری تیر نظر سے ہمارا دل و جگر شکار کرے (از تفسیر روح البیان مع زیادت) مولانا خسرو دہلوی نے ایک شعر میں انکی حالت کا کیسا نفیس نقشہ کھینچا ہے' فرماتے ہیں۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف   بامید زانکہ روزے بشکار خواہی آمد!

یہ شہید پہلے رب تعالیٰ کے جویاں ہوتے ہیں' پھر رب تعالیٰ ان کی مرضی کا خواہاں ہو جاتا ہے' یہ پہلے رب کو راضی کرتے ہیں' پھر رب انہیں راضی کرتا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕ

وہ لوگ جنہوں نے قبول کیا اللہ رسول کا حکم اس کے بعد پہنچا ان کو زخم

وہ جو اللہ رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا

لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۲﴾

ان لوگوں کے لئے جو بھلائی کریں ان میں سے اور پرہیزگاری کریں بڑا ثواب ہے

انکے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لئے بڑا ثواب ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالٰی نے شہدائے احد کے فضائل و مراتب کا ذکر فرمایا تھا' اب ان غازیان احد کا ذکر ہے جو وہاں شہید نہ ہوئے بلکہ اپنے گھروں کو زندہ لوٹ آئے تاکہ معلوم ہو کہ اس غزوہ کے شہید بھی شان والے ہیں اور غازی بھی۔ **دوسرا تعلق:** کچھ پچھلی آیتوں میں ان بزرگوں کی خطاء کا ذکر تھا جن کے قدم احد میں اکھڑ گئے تھے' اب انہی بزرگوں کے اس کارنامہ کا ذکر ہو رہا ہے' جو انہوں نے احد کے بعد ہی بطور کفارہ ادا کیا یعنی غزوہ حمراء الاسد کیلئے اپنے کو پیش کر دینا۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا' اب ان مومنوں کے صفات بیان ہو رہے ہیں کہ یہ حضرات وہ ہیں جو مصیبت پہنچنے پر بھی اللہ رسول کے فرمانبردار رہے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شہدائے احد پیچھے آنیوالے مسلمانوں کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں' اور انکی ملاقات کی خوشیاں منا رہے ہیں' اور انکے مراتب سے واقف ہیں' اب ان ہی پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کے اعمال کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں بہت روایتیں ہیں' زیادہ قوی اور صحیح روایت یہ ہے کہ پندرہ شوال ہفتہ کے دن جنگ احد ختم ہوئی' جب ابو سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ معظمہ لوٹتے ہوئے مقام روحاء پہنچے تو حسرت سے کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ جیتا ہوا میدان یونہی چھوڑ آئے' نہ ان کے کچھ قیدی ساتھ لائے' نہ انکے چوٹی کے سرداروں کو شہید کیا' اور نہ ان کی عورتوں کو لونڈی بنایا' یہ سوچ کر پھر مدینہ پاک کا رخ کرنا چاہا' یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ شوال اتوار کے دن یعنی احد کے ایک دن بعد اعلان فرمایا کہ ابو سفیان کے مقابلہ کے لئے نکلو' اور فرمایا کہ اس غزوہ میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو کل ہمارے ساتھ جنگ احد میں تھے' سوائے غازیان احد کے اور کسی کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت نہ ہوگی' یہ اعلان ہوتے ہی یہ غازی اور کل کے زخمی شیر پھر تیار ہو گئے' تیار اس طرح ہوئے کہ بعضوں نے اپنے زخموں پر پٹیاں باندھ لی تھیں اور بعض ابھی مرہم پٹی بھی نہ کر سکے تھے اور اس طرح روانہ ہوئے کہ ایک زخمی دوسرے زخمی کو کچھ دور اپنے کندھے پر اٹھاتا' اور پھر یہ اتر کر اپنے اٹھانے والے کو اپنے کندھے پر اٹھاتا' بعض کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ایک کچھ دور دوسرے پر ٹیک لگا کر چلتا اور کچھ دور دوسرا اس پر ٹیک لگاتا' کیونکہ یہ حضرات سخت کمزور' بیمار تھے' مسلسل پیدل نہ چل سکتے تھے' غرضیکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ستر حضرات اس شان سے روانہ ہوئے'

ان میں حضرت ابو بکر' عمر' عثمان' علی' طلحہ' زبیر' سعید' عبدالرحمان ابن عوف' ابو عبیدہ ابن جراح' عبداللہ ابن مسعود' حذیفہ ابن یمان جیسے حضرات بھی تھے' جو حضرات رہ گئے وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رہے تھے' خود نہ رہے تھے' جیسے حضرت جابر کو سرکار عالی نے حکم دیا تھا کہ کل تمہارے والد شہید ہو چکے ہیں تمہاری سات یتیم بہنیں رہ گئیں ہیں انہیں سنبھالو' یہ قافلہ اس شان سے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا' اور شام تک منزل حمراء الاسد میں پہنچ گیا' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ منزل مدینہ پاک سے تین میل ہے' مگر روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ آٹھ میل ہے' ہو سکتا ہے کہ ایک راستہ سے تین میل ہو' اور دوسرے سے آٹھ میل' جیسے منیٰ شریف مکہ معظمہ سے پرانے راستے سے تین میل ہے اور نئے سرکاری راستے سے گیارہ میل' لہٰذا دونوں روایتیں درست ہیں' ادھر قدرتی معاملہ یہ بنا کہ اس جماعت کو معبد ابن ابی معبد خزاعی نے دیکھا' یہ ابو سفیان کا بہت دوست تھا' اور ابھی ایمان نہ لایا تھا' اسے مسلمانوں کا یہ حال دیکھ کر حیرت ہو گئی' جب یہ مقام روحاء پہنچا تو ابو سفیان کو دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنے کیلئے لوٹ رہے ہیں' ابو سفیان نے پوچھا کہ معبد تجھے کچھ خبر ہے' معبد بولا ہاں! وہ تمہارے مقابلہ کیلئے اس شان سے نکل چکے ہیں اور حمراء الاسد پہنچ چکے ہیں کہ اس شان کے سپاہی میں نے آج تک نہیں دیکھے' اگر تمہارا ان سے مقابلہ ہو گیا' تو تمہاری چٹنی کر دیں گے' اس نے چھ شعر پڑھے' جو یہاں تفسیر خازن اور روح المعانی وغیرہ نے بیان کئے ہیں' جس کا آخری شعر یہ ہے۔

من خیل احمد لا وخشا تنابلہ ولیس یوصف ما انذرت بالقیل

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی تعریف اور انکی عظمت زبان سے بیان نہیں ہو سکتی' وہ تو جب ہی معلوم ہو گی' جب آپس میں تیر تلوار اور بھالوں کا تبادلہ ہو گا' اس پر صفوان ابن امیہ ابن خلف نے ابو سفیان سے کہا کہ مکہ چلو' ورنہ ہماری خیر نہیں' انکا سارا لشکر صفوان کا ہم زبان ہو گیا اور وہ لوگ مکہ معظمہ چلے گئے' ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے پیر' منگل' بدھ حمراء الاسد میں قیام کیا' تفسیر صاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ تک قیام رہا' جب کوئی کافر مقابل نہ آیا' تو یہ غازی صبر و اجر کے تمغے لیکر نہایت شان و شوکت سے' بخیریت تمام مدینہ واپس آ گئے' اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان حضرات کی بہت مدح سرائی کی گئی اس غزوہ کا نام غزوۂ حمراء الاسد ہے (تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن و روح البیان' صاوی' مدارک اور بیضاوی وغیرہ) تفسیر کبیر نے اسکے نزول کی دوسری روایت: یوں بیان کی ہے کہ یہ آیت کریمہ ان غازیان احد کے بارے میں نازل ہوئی' جنکے قدم پہلے تو اکھڑ گئے تھے' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانچی کی آواز سن کر پھر لوٹ پڑے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے' شہداء کی نعشوں کو مثلہ سے بچا لیا (ناک' کان وغیرہ کاٹنا) کفار صرف جناب حمزہ کی لاش مبارک ہی کی بے حرمتی کر سکے ورنہ انکا ارادہ تمام شہداء کے ساتھ یہی تھا' یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان بے مثال صابروں کا کیا کہنا' انکے صبر کی اونیٰ مثال یہ ہے کہ حضرت صفیہ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی جناب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن جب گھبراہٹ میں احد کے میدان میں پہنچیں اور چاہا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش کو دیکھیں' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی جناب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کی بہن جب گھبراہٹ میں احد کے میدان میں پہنچیں اور چاہا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش کو دیکھیں' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انکو وہاں نہ جانے دو' وہ اپنے بھائی کا یہ حال دیکھ نہ سکیں گے' بی بی صفیہ یہ پیغام سن کر بولیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا میں حمزہ کے

سارے واقعات سن چکی ہوں' یہ سب کچھ مجھ پر آسان ہے جب میں نے آپ کو زندہ دیکھ لیا' میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ بھائی کی لاش دیکھ کر اف نہ کروں گی! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی' لاش پر پہنچیں تو صرف یہ کہا کہ اے حمزہ اللہ تجھے بخشے' تم بہت اچھے گئے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لاشوں پر نماز جنازہ پڑھی اور ایک ایک قبر میں کئی کئی شہیدوں کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا (تفسیر کبیر) مبارک تھے وہ لوگ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دفن ہو گئے۔ دانہ کسان کے ہاتھوں دفن ہو کر خود زندہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ہزاروں کو زندہ رکھتا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دفن ہونے والے زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے مگر تفسیر کبیر نے بھی پہلی ہی روایت کو ترجیح دی ہے۔

تفسیر: **الذین استجابوا للہ والرسول**: ظاہر یہ ہے کہ **الذین** مبتداء ہے اور **للذین** پوری عبارت اس کی خبر اور ہو سکتا ہے کہ یہ **المومنین** کا بدل ہو' اور ممکن ہے کہ **امدح** فعل محذوف کا مفعول بہ ہو' پہلی صورت میں مرفوع ہو گا' دوسری میں مجرور اور تیسری میں منصوب' لہٰذا اس آیت کے تین معنی ہوں گے' **استجابوا** باب استفعال کا ماضی ہے۔ جس کا مادہ جوب ہے' بمعنی قبول کرنا' اسی سے ہے جواب' بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں استفعال مجرد ہے' باب افعال کا ہم معنی ہے (یعنی قبول کیا یا قبولیت کا جواب دیا) اور بعض کے نزدیک مبالغہ کیلئے ہے یعنی خوب ہی قبول کیا' عملاً' قولاً' اعتقاداً ہر طرح قبول کیا' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان برداری کا ریکارڈ قائم کر دیا' اگرچہ اس موقعہ پر ان حضرات کو بلایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھا' اور ان مقبولوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان قبول کیا تھا' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس دوڑ کر آئے تھے تو چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار رب تعالیٰ کی پکار ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا رب تعالیٰ ہی کے پاس آنا ہے' اس لئے یہاں ارشاد ہوا **للہ والرسول**۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او نشیند در حضور مصطفیٰ
(یا اولیاء)

جسے رب تعالیٰ کے حضور بیٹھنے کا شوق ہو وہ جناب مصطفیٰ کی بارگاہ میں بیٹھے یعنی اے محبوب ہم بہت ہی خوش ہیں' اور تعریف کرتے ہیں ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ رسول کی پکار قبول کی اور دوڑے ہوئے آ گئے **من بعد ما اصابھم القرح** یہ **استجابو** کا متعلق ہے' من زائدہ ہے' جو بعدیت کا قرب بیان کرنے کیلئے لایا گیا' ما مصدریہ ہے یا موصولہ' قرح زخم کو کہتے ہیں' مگر یہاں بمعنی زخم و تمام تکلیف ہے' اسی لئے جرح نہ فرمایا قرح فرمایا' یعنی انہوں نے یہ پکار قبول بھی کی تو کب' زخم کھانے تکلیف اٹھانے' احد میں مصیبتیں جھیلنے کے فوراً بعد ہی **للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم** اگر پہلا **الذین** مبتداء تھا' تو یہ پوری عبارت اس کی خبر ہے' اور اگر وہ المومنین کا بدل تھا یا امدح کا مفعول' تو یہ مستقل جملہ ہے' کہ **للذین** مع صلہ کے خبر مقدم ہے' اور **اجر عظیم** مبتداء مؤخر' چونکہ ان غازیان احد کا تقویٰ' پرہیزگاری' نیک کاری بھی بیان کرنا مقصود تھی' اس لئے رب تعالیٰ نے اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی' صرف لھم نہ فرمایا' احسنو اور اتقوا ماضی فرما کر یہ بتایا کہ یہ لوگ تو پہلے ہی نیک کار اور پرہیزگار ہیں' اور یہ بھی بتایا کہ کل احد میں ان کے پاؤں اکھڑ جانے سے ان کی نیک کاری اور پرہیزگاری میں

کوئی فرق نہ آیا' یہ بدستور پہلے کی طرح محسن بھی ہیں اور متقی بھی' خیال رہے کہ ہر قسم کے نیک اعمال کرنے کو احسان کہتے ہیں' اور ہر قسم کے گناہ سے بچنے کو تقویٰ' اللہ تعالیٰ نے ان دو لفظوں میں ان حضرات غازیان احد کی زندگی کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا کہ انکی زندگی کیا ہے نیک کاری اور پرہیزگاری کا مرقع ہے' تفسیر روح المعانی و کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ **منہم** کا **من** **تبعیضیہ** نہیں بلکہ بیانیہ ہے کیونکہ وہ سارے ہی حضرات محسن اور متقی ہیں' **اجر عظیم** فرما کر بتایا گیا کہ انکا ثواب تمہارے حساب' کتاب' خیال' وہم و گمان سے وراء ہے کیونکہ جس رب تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا وہ انکے اجر کو عظیم فرما رہا ہے تو سمجھ لو کہ انکا اجر کیسا ہوگا یعنی ان سارے محسنوں اور متقیوں کا ہماری بارگاہ میں بڑا ہی ثواب ہے جو تمہارے خیال و گمان سے وراء ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم مدح و ثناء کرتے ہیں ان مہاجرین و انصار غازیوں کی' جنہوں نے احد میں صدہا مصیبتیں جھیلنے کے بعد بھی اللہ کے رسول کی پکار سنی اور اطاعت کی کہ کل ہفتہ ہی کے دن یہ حضرات مصیبتوں کا نشانہ بنے' اور آج اتوار کو آپ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو گئے' اور سر کف ہو کر اپنی جانیں اپنی ہتھیلیوں پر رکھ کر دو سرے غزوہ کیلئے نکل پڑے' ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ سارے پہلے ہی سے نیک کار بھی ہیں اور پرہیزگار بھی' کل احد میں جو ان سے خطائیں ہو گئیں' ان سے ان کی نکوکاری و پرہیزگاری میں کوئی فرق نہ آیا' اور آج کی فرماں برداری نے انکی پرانی نیک کاری کو اور بھی چار چاند لگا دیئے جس نے سونے پر سہاگے کا کام دیا' ان سب کیلئے دنیا اور آخرت میں بڑا ہی ثواب ہے' جو انسان تو کیا فرشتوں کے گمان و وہم سے بھی وراء ہے' الحمد للہ کہ رب تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا' ہم نے انکا دنیا کا اجر تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ زمانہ ان کے گیت گا رہا ہے' اور مسلمان انکا نام لے کر جی رہے ہیں' ہر شخص انکے نقش قدم پر چلنے کی تمنا کرتا ہے ان پر نمازوں تک میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درود شریف پڑھا جاتا ہے' اور انکا آخرت کا ثواب انشاء اللہ قیامت میں ہم کیا سارا جہان دیکھے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غازیان احد خواہ ڈٹے رہنے والے ہوں یا وہ جنکے قدم اکھڑ گئے تھے' سب اللہ کے ہاں بڑے ہی درجہ والے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکے ایمان' احسان' تقویٰ کی گواہی دی' اور ان کیلئے بڑے ہی ثواب کا وعدہ فرمایا' اب جو ان میں سے کسی پر زبان طعن دراز کرے' وہ رب تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اور اس آیت کریمہ کا انکار۔ **دوسرا فائدہ:** مصیبت میں اللہ رسول کی فرمانبرداری کا بہت درجہ ہے اور رب تعالیٰ کی بڑی نعمتوں کا ذریعہ جیسا کہ **اصابہم القرح** سے معلوم ہوا' جناب حسین کی کربلا والی آخری نماز جو تہ خنجر ادا ہوئی' وہ خاص کعبہ میں لاکھوں نمازوں سے افضل ہے۔

نہ مسجد میں' نہ مندر میں' نہ بیت اللہ کے سائے میں   نماز عشق ادا ہوتی ہے' تلواروں کے سائے میں!

تیسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار اللہ تعالیٰ کی پکار ہے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اللہ تعالیٰ ہی کے پاس آنا ہے جیسا کہ **استجابوا للہ والرسول** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نئے غم اور تازہ گھاؤ میں صبر و اطاعت کا درجہ زیادہ ہے' غم پرانا ہونے اور گھاؤ خشک ہونے پر سب ہی صبر کر لیتے ہیں' جیسا کہ **من بعد کی من** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** غازیان احد پہلے ہی سے محسن اور متقی تھے جیسا کہ **احسنوا** اور **اتقوا** ماضی سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** خطائے

اجتہادی نہ فسق ہے نہ گناہ۔ اسکے ہونے کے بعد بھی مجتہد کے پہلے مرتبے و درجات قائم رہتے ہیں' یہ بھی **احسنوا** اور **اتقوا** سے معلوم ہوا' دیکھو رب تعالیٰ نے ان خطاکاروں کو بھی احسان و تقویٰ کے تمغے عطا فرمائے۔ ساتواں فائدہ: احد میں مسلمانوں کی تین جماعتیں ہو گئیں' ایک وہ جو شہید ہو گئی' دوسری وہ جو میدان میں ڈٹی رہی' تیسری وہ جن کے قدم اکھڑ گئے مگر ان تینوں جماعتوں کا اجر و ثواب ہمارے خیال و گمان و وہم سے وراء ہے' جیساکہ **اجر عظیم** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: یہ آیت کریمہ بدر صغریٰ میں شرکت کرنے والے صحابہ کے حق میں آئی نہ کہ غزوۂ حمراء الاسد میں شرکت کرنے والوں کے متعلق اور نہ غازیان احد کے متعلق' جیساکہ تفسیر کبیر اور خازن میں ہے' لہٰذا اس سے احد میں بھاگ جانے والوں کے فضائل ثابت نہیں ہوتے۔ جواب: تفسیر کبیر اور خازن نے اس قول کو ضعیف کہا ہے' بدر صغریٰ والوں کیلئے اگلی آیت ہے' نیز بدر صغریٰ کے موقعہ پر احد کے زخم مندمل ہو چکے تھے' کیونکہ وہ احد سے ایک سال بعد ہوا' اور **من بعد** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زخم لگتے ہی ہوا تھا' اور یہ غزوۂ حمراء الاسد میں ہی ہوا جو غزوۂ احد سے ایک دن بعد پیش آیا' اگر مان بھی لیا جائے' تب بھی تمہیں مفید نہیں' کیونکہ بدر صغریٰ میں بھی حضرت عثمان اور احد میں ہٹ جانے والے صحابہ شریک تھے' لہٰذا وہ ان درجات کے بہر حال مستحق ہوئے۔ دوسرا اعتراض: **احسنوا منهم** سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے غازیان احد نہ محسن تھے نہ متقی' اور نہ ان درجوں کے مستحق کیونکہ **من** تبعیضیہ ہے۔ جواب: ہرگز نہیں بلکہ **من** تبیینیہ ہے' جیساکہ تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ میں ہے' کیونکہ آیت کریمہ میں **استجابوا** کو اجر عظیم کا باعث قرار دیا گیا ہے' یعنی جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اس وقت اللہ رسول کی فرمانبرداری کی ان کیلئے بڑا ثواب ہے اور یہ فرمانبرداری تو سارے ہی غازیان احد نے کی تھی تو سب ہی محسن ہوئے' سب ہی متقی اور سب ہی اجر عظیم کے مستحق' خلاصہ یہ ہے کہ اس دن کی استجابت' احسان' تقویٰ' اور بڑے ثواب کی علت ہے' جب علت اور وجہ عام ہے' تو اسکے یہ تین نتیجے بھی عام ہوں گے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو احد میں زخمی ہوئے' اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر آ گئے' انکے تو یہ درجے ہیں' اور جو زخمی ہی نہ ہوئے' انکے یہ مراتب بھی نہیں' تو اس درجہ کے مستحق نہ صدیق و فاروق ہیں نہ عثمان غنی' کیونکہ انہیں احد میں زخم نہیں پہنچے تھے! جواب: جی ہاں نہ حضرت علی' کیونکہ وہ بھی احد میں زخمی نہ ہوئے تھے' جناب جسم کے جرح یعنی زخم تو بعض کو لگے تھے' مگر دل کے قرح یعنی زخم سب کو ہی پہنچے تھے' جب یہ خبر اڑی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے' تو صحابہ کو کتنا دکھ پہنچا اور کتنا صدمہ ہوا' اسکا اندازہ بے درد ہے کیا لگائیں' پھر حاصل شدہ فتح کا فوت ہو جانا' ہر ایک کے کسی نہ کسی عزیز کا شہید یا زخمی ہو جانا' یہ وہ زخم تھے جو سب کے دلوں پر لگے' لہٰذا یہ آیت سارے غازیان احد کو اپنے میں لئے ہوئے ہیں' اس دن تو بہت سوں کو اپنی شہید شدہ اولاد پر غم کرنا بھول گئی تھیں' اس سے بڑا قرح اور کیا ہو گا؟

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہمارے مشرب بھی زخمی جگر' بے قرار دل' مجروح نفس' جبکہ یہ زخم تلوار عشق سے ہوں' اور بے قراری فراق یار میں ہو بڑے درجہ والے ہیں' جو یہ زخم اور بے قراری لے کر اللہ رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو وہ بڑے ہی درجہ والا ہے' اس زخم اور بے قراری کو حاصل کرنے کیلئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور بڑی مصیبتیں جھیلنا پڑتی ہیں' زخمی دل والے کا ایک سجدہ' بے قرار دل کی ایک آہ' مجروح نفس والے کی آنکھ کا ایک آنسو دوسروں کو صدہا عبادات سے افضل

ہے یا تو خود زخمی اور بے قرار ہو' یا کسی بے قرار و مجروح کے ہو کر رہو' اس قسم کا ایک بے قرار ہزاروں کو قرار دے دیتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

چراغے زندہ می خواہی درشب زندہ داراں زن — کہ بے داری بخت از بخت بیداراں شود پیدا

اگر دنیا و آخرت میں چین چاہتے ہو تو کسی بے چین کی آستانہ بوسی کرو' اگر بخت بیدار چاہتے ہو تو کسی شب بیدار کے دامن میں چھپو اگر ہزاروں زخموں سے شفا چاہتے ہو تو کسی زخمی دل والے کے آستانہ کی خاک کا مرہم لگاؤ' رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ایسے ہی زخمی دل والوں کی تعریف فرمائی ہے کہ جو زخمی دل لے کر اللہ رسول کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں یہی محسن ہیں یہی متقی ہیں ان ہی کیلئے بڑا ثواب ہے۔

لوگ جو چاہیں خدا سے مانگ لیں — میں نہ کچھ مانگوں سوائے درد دل
کوچہ محبوب ہو کچکول ہو — چاک داماں ہو گدائے درد دل
ہو چکی ہے انتہائے درد دل — اب تو سن لو ماجرائے درد دل

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

وہ لوگ کہ کہا ان سے لوگوں نے بیشک ان لوگوں نے اکٹھ کیا تمہارے لئے تو ڈر جاؤ ان سے پس بڑھا دیا

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو تو ان کا

فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ

ان کے ایمان کو اور وہ بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور اچھا کارساز ہے تو لوٹے اللہ کی نعمت اور

ایمان اور زیادہ ہوا اور بولے اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز تو پلٹے اللہ کے

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اس کے فضل کے ساتھ کہ نہ پہنچی انہیں کوئی تکلیف اور پیروی کی انہوں نے اللہ کی رضا کی اور اللہ

احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ کی خوشی پر چلے اور اللہ

ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

بڑی مہربانی والا ہے اس کے سوا نہیں کہ یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے پس نہ خوف

بڑے فضل والا ہے وہ تو شیطان ہی ہے کہ اپنے دوستوں کو دھمکاتا ہے تو ان سے

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

کرو ان سے اور ڈرو مجھ سے اگر تم ایمان والے ہو

نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو

تعلق: ان آیات کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غازیان احد کی ایک بہادری کا ذکر تھا جو انہوں نے احد کے ایک دن بعد غزوۂ حمراء الاسد میں دکھائی' اب انہی کی دوسری دلیری کا ذکر ہے جو انہوں نے احد سے ایک سال بعد غزوۂ بدر صغریٰ کے موقعہ پر ظاہر کی' گویا پچھلی آیت بھی انہی بزرگوں کے مناقب کی تھی' اور یہ آیت بھی انہی کے فضائل کی ہے' مگر نوعیت منقبت میں فرق ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں غازیان احد کا یہ استقلال بیان ہوا کہ وہ جہاد کے موقعہ پر اپنے زخم و تکلیف کی بھی پروا نہیں کرتے' اب ان کا دوسرا استقلال بیان ہو رہا ہے کہ وہ کسی کے ڈرانے دھمکانے پر کان نہیں دھرتے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں محسنوں کیلئے بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا تھا' اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کو ثواب صرف آخرت میں ہی نہ ملے گا بلکہ دنیا میں بھی اللہ کا فضل ان کے شامل حال رہے گا' جس کی مثال کیلئے غزوۂ بدر صغریٰ کا واقعہ سامنے ہے۔

شان نزول: غزوۂ احد کے ختم ہونے پر جب ابو سفیان مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ لوٹنے' تو بولے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال مقام بدر صغریٰ میں ہمارے اور آپ کے دو دو ہاتھ پھر ہوں گے تیار رہنا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر جواب دو کہ ہاں ضرور انشاء اللہ تعالیٰ' چنانچہ اگلے سال ۴ھ میں ابو سفیان ایک بھاری جماعت لے کر مکہ مکرمہ سے اس میدان کی طرف روانہ ہوئے' مگر جب مرالظہران یا منزل عسفان میں پہنچے' تو قدرتی طور پر ان سب کے دل میں مسلمانوں کی ایسی ہیبت چھائی کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی' اتفاقاً نعیم ابن مسعود ابھی عمرہ کر کے واپس آتے ہوئے ملے' ابھی تک نعیم ایمان نہ لائے تھے آپ غزوۂ خندق میں ایمان لائے ہیں' ابو سفیان نے پوچھا' نعیم کہاں جا رہے ہو' بولے اپنے وطن' ابو سفیان نے پوچھا کیا مدینہ بھی جاؤ گے؟ نعیم بولے ہاں مدینہ سے گزروں گا' ابو سفیان نے کہا کہ ہمارا ایک کام کر دو تو ہم تمہیں دس اونٹ بطور انعام دیں گے' نعیم نے کہا وہ کیا؟ ابو سفیان بولے' ہم نے گزشتہ سال محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر صغریٰ میں جنگ کا وعدہ کیا تھا' اور اسی ارادہ سے ہم آج نکلے تھے' مگر اب خیال یہ ہے کہ یہ وقت جنگ کیلئے مناسب نہیں' کیونکہ اس سال قحط ہے' جب بارشیں ہوں گی' اور ہمارے اونٹ خوب چر لیں گے' اور ہم دودھ پی لیں گے تو لڑ بھی لیں گے' لیکن اگر ہم تو لوٹ جائیں اور مسلمان وہاں پہنچ جائیں' تو ہماری عزت خاک میں مل جائیگی' اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے' تم مدینہ میں مسلمانوں سے کہہ دو کہ ابو سفیان لشکر جرار لے کر تمہارے مقابلہ کیلئے بدر صغریٰ پہنچ گئے ہیں' تم ہرگز نہ جاؤ' ورنہ زندہ نہ لوٹو گے' غرض جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو مدینہ سے نکلنے نہ دو' تاکہ میدان میں نہ وہ پہنچیں نہ ہم' مگر ہم اپنا نکلنا مشہور کر دیں' کہ ہم تو مکہ سے چل پڑے تھے' مگر جب پتہ لگا' کہ مسلمان موقعہ پر نہیں پہنچے تو ہم نے بھی وہاں پہنچنا مناسب نہ سمجھا اور مرالظہران سے ہی لوٹ آئے' نعیم نے کہا' یہ کیا بڑی بات ہے' ابو سفیان مطمئن ہو کر مع سب جماعت کے لوٹ پڑے' لوٹتے ہوئے راستہ میں انہیں قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ ملا' جو تجارت کی غرض سے مدینہ منورہ جا رہا تھا' ابو سفیان نے ان سے بھی یہی کہلوایا' اور انہیں میلہ عکاظ میں چند اونٹ پیش کرنے کا وعدہ کیا' بہر حال نعیم مدینہ منورہ پہنچے' مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کرتے پایا' تو ان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ خفیۃً ملے' اور بہت ہی خطرناک اور ہیبت ناک باتیں کر کے مسلمانوں کو ڈرایا کہ میں ایسی جماعت جرار مسلح دیکھ کر آیا ہوں' جو تمہاری چٹنی کر دیگی' جب وہ تمہیں تمہارے گھر میں آکر اتنا نقصان پہنچا گئے تو سمجھ لو اس موقعہ پر

کیا کریں گے' مسلمانوں نے یہ خبر سن کر بے ساختہ کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ان کے ساتھ سب ہیں ہمارے ساتھ رب تعالیٰ' حتیٰ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار پانچ سو کا لشکر جرار لے کر بدر صغریٰ پہنچ گئے' دیکھا تو میدان صاف تھا' بدر صغریٰ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ایک پانی کا گھاٹ ہے جہاں قبیلہ بنی کنانہ آباد تھا جس کے پاس ہی عرب کا ایک سالانہ میلہ لگا کرتا تھا جو آٹھ دن رہتا تھا جس میں تمام قبائل جمع ہوتے تھے' اتفاقاً اس وقت یہ میلہ لگا ہوا تھا' مسلمانوں کے پاس جو کچھ نقدی یا مال تھا اس کی انہوں نے خوب تجارت کی جس سے انہیں بہت ہی نفع ملا اور میلہ میں تبلیغ بھی کی جس سے کئی قبیلے اسلام لے آئے' آٹھ دن کے بعد مسلمان وہاں سے شاداں و فرحاں دین و دنیا کی نعمتیں کما کر تجارتی نفع لے کر اور بہت سوں کو دولت امان دے کر لوٹے' کو ادھر ابو سفیان اور ان کی جماعت اس میلہ کی وجہ سے سارے عرب میں بدنام ہو گئی' حتیٰ کہ مکہ والوں نے ان کے اس لشکر کا نام جیش السویق رکھا یعنی ستو پینے والا لشکر' جو کھا پی کر لوٹ آیا' اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں اس سارے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا (تفسیر صاوی' خازن' کبیر' روح المعانی' روح البیان' مدارک' بیضاوی وغیرہ)

تفسیر: الذین قال لھم الناس' الذین یا المئومنین کا بدل ہے یا الذین احسنوا کا' ان دونوں صورتوں میں مجرور ہے یا مبتداء ہے' فزادھم اس کی خبر' الذین سے مراد سارے وہ صحابہ ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بدر صغریٰ میں گئے' الناس سے مراد نعیم ابن مسعود اشجعی ہیں' اگرچہ اکیلے ہی کہنے والے تھے' مگر چونکہ انکی اس خبر سے راضی سارے کفار و منافقین تھے' اس لئے الناس ارشاد ہوا' جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں سے رب تعالیٰ نے فرمایا واذ قتلتم نفسا اور ہو سکتا ہے کہ ناس سے مراد منافقین مدینہ ہوں کہ انہوں نے بھی صحابہ کرام سے روانگی کے وقت خفیۃً کہا تھا کہ جب کفار جنگ احد میں یہاں آکر تمہیں مار گئے تو آج تمہارا کیا حال کریں گے' تم لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہو' اور ممکن ہے کہ اس الناس سے مراد عبد القیس کا وہ قافلہ ہو جن کے ہاتھ ابو سفیان نے یہ پیغام بھیجا تھا مگر پہلی توجیہ قوی ہے (تفسیر کبیر و معانی) ان الناس قد جمعوا لکم اس الناس سے مراد ابو سفیان اور دیگر سرداران قریش ہیں معرفہ مکرر' کبھی پہلے معرفہ کا غیر بھی ہوتا ہے' جیسا کہ یہاں ہے کہ دونوں الناس معرفہ ہیں' مگر پہلے سے اور لوگ مراد ہیں دوسرے سے اور جمعوا' جمع سے بنا اکٹھا کرنا' اکٹھا ہونا کیلئے اجتماع آتا ہے' اسی لئے یہاں مفعول پوشیدہ مانا گیا ہے الجیوش یا العساکر فاخشوھم: ف تعقیبیہ ہے' خشیت' خوف' رہبت' اتقاء ان سب کے معنی ہیں ڈرنا مگر انکے استعمال کے موقع علیحدہ ہیں' خشیت اکثر اس ڈر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ خشوع' خضوع' عجز' ترک مقابلہ پایا جائے' خوف اس سے عام ہے اسی لئے نعیم نے فاخشوا کہا یعنی کفار سے خوب ڈرو' ان کا مقابلہ نہ کرو' ان کے سامنے پست ہو جاؤ' مگر آگے رب تعالیٰ فرما رہا ہے لا تخافوھم ان سے بالکل کسی طرح نہ ڈرو فزادھم ایمانا: زاد زیادت سے بنا بمعنی بڑھنا یا بڑھانا' یہاں دوسرے معنی میں ہے اس کا فاعل یا تو پہلا الناس ہے یا ان کا کلام' ھم کا مرجع صحابہ کرام' ہیں زاد کا مفعول بمعنی ۲ اسکی تمیز ہیں' یا یوں کہو کہ اصل عبارت زادایمانھم تھی جسے اس طرح بیان فرمایا گیا اہتمام کیلئے' ایمان کی زیادتی سے مراد کیفیت کی زیادتی ہے نہ کہ مقدار کی' کیونکہ ایمان مرکب چیز نہیں تاکہ مقدار میں گھٹے بڑھے' اگرچہ ایمان بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہے' مگر چونکہ نعیم کی یہ خبر صحابہ کرام کیلئے زیادتی ایمان کا باعث بنی' اس لئے اسے اس قول کا فاعل قرار دیا گیا ہے' جیسے نوح علیہ السلام نے بارگاہ

انہی میں عرض کیا تھا فلم یزدھم دعاء ی الا فرارا یا جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے ما زادھم الا نفورا یعنی ابو نعیم کی اس خبر نے صحابہ کرام کا ایمان بڑھا دیا' اس طرح کہ ان کے دل میں کفار کا خطرہ مطلقاً نہ پیدا ہوا' اور رب تعالیٰ پر توکل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں پر اعتماد اور زیادہ بڑھ گیا اور یہ چیزیں واقعی کمال ایمان ہیں وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل خیال رہے کہ فزادھم ایمانا میں ان صحابہ کے دل کی حالت کا ذکر تھا اور قالوا میں ان کے زبانی کلام کا بیان ہے' چونکہ حال قال سے افضل ہوتا ہے نیز دل کا جوش اس کلام سے پہلے تھا اس لئے اولاً صحابہ کا کمال ایمان بیان کیا گیا پھر ان کا یہ کلام حسب کے معنی ہیں کفایت' کافی ہونا یہاں بمعنی اسم فاعل ہے' حسبنا' اضافت مفعول کی طرف ہے اضافت لفظی اسی لئے یہ نکرہ کی صفت بھی آجاتا ہے' اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہو' کہا جاتا ہے رجل حسبک واؤ عاطفہ ہے اور نعم فعل مدح' وکیل وکل سے بنا بمعنی سپرد کرنا بروزن فعیل' بمعنی مفعول ہے یا بمعنی فاعل' کفیل' کافی' مختار عام' ذمہ دار رب کو وکیل کہا جاتا ہے (تفسیر کبیر) نعم الوکیل کو اگر جملہ خبریہ مانو' تب تو بلا تکلف حسبنا اللہ پر معطوف ہو جائیگا اور اگر جملہ انشائیہ مانا جائے' تب ان لوگوں کے مذہب پر دشواری ہوگی جو انشاء کا عطف خبر پر جائز نہیں مانتے' مگر چونکہ یہ دونوں جملے قالوا کا مفعول ہیں اور مفعول مفرد کے حکم میں ہوتا ہے' اس لئے ان کے ہاں بھی عطف جائز ہو گیا یعنی نعیم کی اس خبر سے صحابہ کا ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے نہایت اطمینان سے بے ساختہ یہ کہا کہ کوئی پرواہ نہیں' ہمیں لشکر کفار سے کوئی ڈر نہیں' ہمارا رب تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے خرجوا وبلغوا واقاموا فانقلبوا یعنی وہ حضرات روانہ ہو گئے' میدان میں پہنچ گئے' وہاں ٹھہرے' پھر لوٹے مگر خالی نہیں' بلکہ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر نعمت اور فضل کے معنی بارہا بیان ہو چکے' یہاں نعمت سے مراد عافیت ہے' اور فضل سے مراد تجارتی نفع' یا نعمت سے مراد دنیوی نفعے ہیں اور فضل سے مراد اخروی اجر و ثواب' چونکہ انہیں یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے بطور عطیہ ملا تھا اس لئے من اللہ ارشاد ہوا یعنی یہ لوگ دین و دنیا کی نعمتوں سے اپنے دامن بھر کر لوٹے' رب تعالیٰ کو راضی کر آئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر آئے' تجارتی نفعے کما لائے دنیا کی نعمتیں لے آئے' لوگوں کو ایمان و عرفان دے آئے اس کے باوجود لم یمسسھم سوء' سوء سے مراد تکلیف ہے جو نفس پر گراں گزرتی ہے' ورنہ جہاد و شہادت اعلیٰ چیزیں ہیں نہ کہ برائی۔ سوء کی تنکیر میں تمام تکالیف کی طرف اشارہ ہے اور لم یمسس فرما کر یہ بتلایا گیا کہ کوئی تکلیف ان کے قریب بھی نہ آئی' انہیں چھو بھی نہ گئی' اس طرح کہ جاتے آتے سفر آسانی سے کٹا' اس میدان میں پہنچ کر ٹھہرنے کیلئے اچھی جگہ ملی' جنگ بالکل نہ ہوئی' کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا' اس کے ساتھ یہ بھی کمال ہے کہ واتبعوا رضوان اللہ' اتبعوا' اتباع سے بنا بمعنی پیچھے چلنا' رضوان' رضاء کا مصدر ہے' زیادتی حروف سے زیادتی معنی کا فائدہ حاصل ہوا اتبعوا کا متعلق پوشیدہ ہے فی جمیع احوالھم یعنی یہ حضرات مدینہ سے مدینہ تک جانے آنے' کھانے پینے' چلنے پھرنے' سونے جاگنے' تجارت کرنے' نفع کمانے غرضیکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کے تابع رہے کہ ان کے ہر حال' ہر کام سے رب تعالیٰ راضی ہوا کیونکہ واللہ ذو فضل عظیم اللہ تعالیٰ سب پر خصوصاً ان حضرات پر بڑے ہی فضل و کرم والا ہے کہ اُدھر تو کفار کے دل میں رعب ڈال کر انہیں پیچھے لوٹا دیا اور اِدھر ان کے دلوں میں جرأت پیدا فرما کر میدان مقابلہ میں پہنچا دیا' پھر ان حضرات کو تجارتی و اخروی ثواب سے مالا مال کر دیا'

خیال رہے کہ فضل کی تنوین تعظیم کی ہے بعد میں اس کی صفت عظیم ارشاد ہوئی' جس سے رب تعالیٰ کا بڑا ہی فضل و احسان معلوم ہوا انما ذلکم الشیطن' ذلکم سے اشارہ نعیم کی طرف ہے یا قبیلہ عبدالقیس کی جانب یا کفار مکہ کی طرف 'کم' میں مسلمانوں سے خطاب ہے' شیطان سے مراد یا ابلیس ہی ہے یا شیطانی لوگ یعنی یہ ڈرانے والے کفار یا کہلا کر بھیجنے والے سرداران قریش انسانی شیطان ہیں یا یہ سب کام ابلیس کا ہے جو اس نے ان سے کرایا خیال رہے کہ ان لوگوں کو شیطان کہنا اس وقت کے لحاظ سے ہے جب وہ کافر بھی تھے اور ظالم بھی' مگر بعد میں نعیم' اور بہت سے سرداران قریش ایمان لے آئے' خطاب موقعہ اور حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں یخوف اولیاء ہ' یخوف' تخویف سے بنا' معنی ڈرانا' یہ دو مفعول چاہتا ہے' اولیاء یا اس کا مفعول اول ہے یا دوم یعنی ڈراتا ہے' اپنے دوستوں کو یا ڈراتا ہے تم کو اپنے دوستوں سے کہ منافقین کو کفار مکہ سے ڈراتا ہے یا تمہیں ان سے ڈرانے کی کوشش کرتا ہے فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین ظاہر یہ ہے' کہ یہ سارے خطابات انہیں صحابہ سے ہیں' جو بدر صغریٰ میں تشریف لے گئے' اس قسم کے الفاظ بھڑکانے اور شوق دلانے کیلئے فرمائے جاتے ہیں' اس کا مقصد یہ نہیں کہ ان حضرات کے ایمان میں کوئی شک تھا یا انکے دل میں خوف خدا نہ تھا' ان کی تو رب تعالیٰ تعریفیں فرما رہا ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے بغیر تشبیہ مہربان باپ اپنے سعادتمند بیٹے سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو اسی طرح سعادتمند رہنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے یایھا النبی اتق اللہ (اے نبی اللہ سے ڈرتے رہو) یعنی اے جماعت صحابہ اگر تم سچے پکے مسلمان ہو' تو مجھ سے ہی ڈرنا ان ڈرانے دھمکانے والوں سے کبھی مطلقاً خوف نہ کرنا میں تمہارے واسطے کافی و افی ہوں۔

خلاصہ ء تفسیر: یہ صحابہ کرام ایسے شاندار مومن ہیں' اور ایسی آن والے متوکل ہیں' کہ ان سے کفار مکہ کے ایجنٹوں نے کہا' تم بدر صغریٰ میں مار لوہ' جاو ہرگز نہ جاؤ' کیونکہ انہوں نے تمہارے مقابلہ کیلئے بہت ساز و سامان والے بیشمار لشکر جمع کر رکھے ہیں' تمہارا وہاں جانا گویا موت کے منہ میں جانا ہے' ان سے ڈرو اور خوف کرو' مفت کیوں جانیں گنواتے ہو' تو اس کلام کو سن کر ان مقبولوں کے دلوں میں بجائے خوف و ڈر پیدا ہونے کے اور زیادہ کمال ایمان پیدا ہو گیا' ان کا ایمان و توکل بڑھ گیا ہے' بے ساختہ بول اٹھے کہ کوئی مضائقہ نہیں' ہمیں کفار کی یلغار سے کوئی ڈر نہیں' ان کے مقابلہ میں ہمیں اللہ کافی و افی ہے' ہمارا تو وہی کارساز ہے' جس کا کارساز ایسا شاندار ہو اسے کیا پرواہ' چنانچہ وہ حضرات بے دھڑک روانہ ہو گئے' وہاں پہنچے تو میدان خالی پایا' مزے سے وہاں رہے' بدر صغریٰ کے پاس ہی میلہ میں تجارتیں کیں' خوب کمائی کی اور لوٹے تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی تجارتی نفعے اور اللہ تعالیٰ کے فضل یعنی اخروی ثواب سے ان کے دامن بھرے ہوئے تھے' انہیں اس سارے سفر میں تکلیف پہنچنا تو کیا معنی کسی معمولی خراش نے چھوا بھی نہیں' اور مزید مہربانی یہ ہوئی کہ یہ حضرات اس سفر کے سارے حالات میں رضائے الٰہی کے تابع رہے' کہ ان کے ہر حال ہر جنبش سے رب تعالیٰ راضی ہوا' اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے' اے جماعت صحابہ کی مقبول جماعت! یہ شیطان ہے' جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے یا مدینہ منورہ میں خود شیطان کے دوست یعنی منافقین ہیں انہیں ڈراتا ہے' تم ان سے کیوں ڈرو' خیال رکھنا کہ ان شیاطین اور ان کے دوستوں سے کبھی نہ ڈرنا' ہمیشہ مجھ سے ہی ڈرنا' اگر تم سچے مسلمان ہو تو اس نصیحت پر کاربند رہنا ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو' غیروں کا

خوف نہ ہو۔

نوٹ: بخاری نے باب الاسماء والصفات میں حضرت عبداللہ ابن عباس اور عبدالرزاق وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ جب ابراہیم علیہ السلام نمرود کی آگ میں گئے تو آپ پڑھ رہے تھے **حسبنا اللہ ونعم الوکیل:** ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو تو پڑھا کرو **حسبنا اللہ ونعم الوکیل:** ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سخت غم ہوتا تو اپنے سر مبارک اور داڑھی شریف پر ہاتھ پھیرتے اور لمبی سانس لے کر فرماتے **حسبی اللہ ونعم الوکیل:** ابو نعیم نے شداد ابن اوس سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خوف زدہ کی امان ہے **حسبی اللہ ونعم الوکیل** (تفسیر روح المعانی)۔

عمل: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو' وہ چار سو پچاس بار پڑھے **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** اللہ تعالیٰ اسے نجات دے گا۔ (تفسیر صاوی) بعض لوگ روزانہ اتنی بار پڑھتے ہیں' مگر حق یہ ہے کہ ایک بار پڑھنا بھی انشاء اللہ کافی ہو گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: مصیبت کے موقعہ پر ذکر اللہ کرنا اس مصیبت کے دفعیہ کا ذریعہ ہے' ذکر سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرے' مصیبت خود دفع ہو جائے گی' دانہ کیلئے کھیت کرو انشاء اللہ بھوسا بھی مل جائے گا' یہ ذکر سنت انبیاء اور سنت صحابہ ہے' جیسا کہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: مصیبت کی خبر سن کر گھبرا نہ جانا بلکہ ہمت کی باتیں کرنا رب تعالیٰ کو محبوب ہے' اور اس کے مقبول بندوں کا عمل' بعض لوگ آفات و مصیبت میں اور خطرے پیش آنے پر ختم خواجگان' ختم غوثیہ' ختم آیت کریمہ' میلاد شریف کرتے ہیں' اس کی اصل یہ آیت بن سکتی ہے۔ تیسرا فائدہ: دنیاوی مصیبتیں جو آخیں مسلمان کیلئے ترقی ایمان کا ذریعہ ہیں جیسا کہ **فزادھم ایمانا** سے معلوم ہوا' لہٰذا یہ بھی اللہ کی نعمتیں ہیں۔ چوتھا فائدہ: دینی سفر میں دنیاوی کاروبار تجارت وغیرہ کرنا ممنوع نہیں' دیکھو صحابہ کرام نے سفر جہاد میں تجارات کیں' ان سے نفع کمایا' رب تعالیٰ نے اسے نعمت فرمایا' لہٰذا غازی اگر جہاد میں تنخواہ لے یا حاجی سفر حج میں تجارت یا مزدوری بھی کرے تو کوئی حرج نہیں' اس سے جہاد یا حج برباد نہیں ہوتا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم** تم پر اس میں گناہ نہیں کہ تم حج میں رب تعالیٰ کا فضل بھی کمالیا کرو' یہ آیت اس موجودہ آیت کی شرح ہے۔ پانچواں فائدہ: جہاد میں قتل نہ ہونا اور مسلمانوں کا تکلیف سے محفوظ رہنا بھی اللہ کی رحمت ہے' اس سے مومن کا ثواب کم نہیں ہوتا' دیکھو یہاں اسے اللہ تعالیٰ کا فضل فرمایا گیا' اس موقعہ پر خواہ مخواہ جنگ کی کوشش ہی نہ کرنا چاہئے' اگر بغیر جنگ مسلمانوں کا مقصد پورا ہو جائے' تو بہت اچھا' اس سے ثواب میں کمی نہیں آتی۔ چھٹا فائدہ: مجاہد کا سفر جہاد میں ہر کام رضائے الٰہی کا باعث ہے' کھانا پینا' سونا جاگنا' چلنا پھرنا عبادت' جیسا کہ **واتبعوا رضوان اللہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: جو انسان شیطانی کام کرے وہ شیطان ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے نعیم ابن مسعود ثقفی کو یہاں شیطان فرمایا کہ اس نے مسلمانوں کو ورغلانے کی' انہیں جہاد سے روکنے کی کوشش کی' یہ دونوں کام شیطانی ہیں۔ آٹھواں فائدہ: ایمان میں زیادتی

کمی ہوتی رہتی ہے متقی و فاسق کا ایمان یکساں نہیں' ہمارے اور صحابہ کرام کے ایمان میں فرق ہے' مگر یہ زیادتی کیفیت ایمان میں ہے نہ کہ مقدار یا ماہیت ایمان میں' ماہیت ایمان میں سب مسلمان برابر ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ہوں مسلمان گرچہ ناقص ہی سہی اے کاملو ماہیت پانی کی یم سے نم میں ہرگز کم نہیں!

یعنی قطرہ و دریا ماہیت پانی میں برابر ہیں۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ سے کبھی مایوس نہ ہونا اگرچہ حالات کیسے ہی ناموافق ہوں اس کے کرم سے آس رکھنا کمال ایمانی کی دلیل ہے' جیسا کہ **وقالوا** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: کفار و منافقین شیطان کے دوست ہیں رحمان کے دشمن اور مومن' مخلص تعالیٰ رحمان کے دوست ہیں شیطان کے دشمن' جیسا کہ **اولیاء** سے پتہ لگا۔

پہلا اعتراض: اصول کا قاعدہ ہے کہ جب معرفہ کے بعد معرفہ آئے تو دوسرے معرفہ سے مراد پہلے معرفہ کا عین ہوتا ہے' اور اگر نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو دوسرے نکرہ سے پہلے کا غیر مراد ہوتا ہے تو چاہئے کہ یہاں دوسرے الناس سے پہلے الناس کا عین مراد ہو' حالانکہ پہلے الناس سے مراد تو نعیم ثقفی ہے اور دوسرے الناس سے مراد کفار مکہ' وہ قاعدہ غلط ہے یا یہ آیت صحیح نہیں؟ جواب: علم اصول کا یہ قاعدہ ہے تو صحیح مگر کلیہ نہیں' بلکہ اکثریہ ہے' کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **فی السماء اله وفی الارض اله** دیکھو دونوں جگہ اله نکرہ ہے' مگر زمین و آسمان کا معبود ایک ہی ہے' لہٰذا آیت بھی درست ہے' قاعدہ اکثریہ بھی درست۔ دوسرا اعتراض: علم کلام کا مسئلہ ہے کہ ایمان میں زیادتی کمی نہیں' وہ تو ایک بسیط چیز ہے' مگر قرآنی آیت یہاں فرما رہی ہے کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے تو لامحالہ کم بھی ہونا چاہئے کہ زیادتی بغیر کمی کے ناممکن ہے وہ قاعدہ اس آیت کے خلاف ہے؟ جواب: علم کلام میں مقدار کی زیادتی کمی کی نفی ہے' یہاں اسی آیت میں کیفیت کی زیادتی و کمی کا ذکر ہے' یہ مطلب نہیں کہ حضرات صحابہ اس سے پہلے آدھے یا پونے مومن تھے آج پورے مومن ہوئے' یا اب تک پورے مومن تھے آج سوائے' ڈیوڑھے مومن بنے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب تک کامل مومن تھے آج کامل تر یعنی اکمل مومن بنے' لہٰذا آیت بھی درست ہے اور علم کلام کا مسئلہ بھی صحیح۔ تیسرا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے قتال و جنگ کو سوء کیوں فرمایا سوء تو بری چیز کو کہتے ہیں' اور جہاد اچھی چیز ہے۔ جس سے لوگ غازی یا شہید بنتے ہیں! جواب: سوء سے مراد یہاں تکلیف دہ چیز ہے' اور ظاہر ہے کہ جنگ و قتال میں تکلیف تو ہوتی ہے' یہ تکلیف ہی باعث ثواب ہے' سوء سے مراد شر یعنی خیر کا مقابل نہیں۔ چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ نے نعیم یا کفار قریش کو شیطان کیوں فرمایا؟ بعد میں نعیم بھی ایمان لے آئے اور ان کفار قریش میں سے بہت سے لوگ بھی' رب تعالیٰ **علام الغیوب** ہے اسے خبر تھی کہ یہ بہت سے آخر کار مومن بننے والے ہیں۔ جواب: یہاں شیطان سے مراد شیطانی کام کرنے والے ہیں' نہ کہ آئندہ شیطان رہنے والے بھی' واقعی اس وقت نعیم اور یہ سرداران کفر شیطانی کام کر رہے تھے' جھوٹ' فریب' دھوکا دہی' مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کی کوشش' وغیرہ اس وقت کے لحاظ سے انہیں شیطان کہا گیا' جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کے خطاب بھی بدل گئے' کام بدلے' نام بدلا' وہ تو اس وقت کافر تھے' اب اگر کوئی مسلمان بھی برا کام کرنے لگے تو اسے شیطان کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آدمی بڑا شیطان ہے' پھر جب توبہ کر کے اپنے حال کو درست کر لے تو اسی کو اچھے خطابات سے یاد کرتے ہیں' رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا **وعصی ادم ربه فغوی** حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **انی کنت من الظلمین**:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے فرمایا **وانا من الضالین** : اس ظالم و ضال کے جو معنی بھی کئے جائیں اس خاص وقت کے لحاظ سے ہیں' بعد میں جو انہیں ایسا کہے' وہ بے ادب گستاخ ہے' اب نعیم یا ایمان لے آنیوالے سرداران قریش کو جو ان الفاظ سے یاد کرے' وہ بے دین ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و منافقین شیطان کے دوست ہیں' رب تعالیٰ نے فرمایا **یخوف اولیاء ہ** شیطان مسلمانوں کو اپنے دوستوں یعنی کفار قریش سے ڈراتا ہے یا اپنے منافقوں کو ڈراتا ہے' مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الشیطن للانسان عدو مبین** : شیطان ہر انسان کا کھلا دشمن ہے' انسان خواہ مومن ہو' یا کافر شیطان اس کا دشمن ہے ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں اگر شیطان سے مراد نعیم وغیرہ ہیں تو تب تو کوئی سوال ہی نہیں کہ نعیم اس وقت کفار مکہ کا بھی دوست تھا اور منافقین کا بھی' اور اگر شیطان سے مراد ابلیس ہو تو یہاں ظاہری دوستی کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں حقیقی دشمنی کا تذکرہ' یعنی شیطان بظاہر کفار کا بہت دوست ہے' مگر درحقیقت ان کا بھی سخت دشمن ہے' دونوں آیتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **والذین کفروا اولیٰهم الطاغوت** : کفار کے دوست شیاطین ہیں' اس آیت میں بھی اسی ظاہری دوستی کا ذکر ہے۔ جو شیطان کفار سے ظاہر کرتا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا ایمان مشکوک ہے' رب تعالیٰ نے فرمایا **ان کنتم مومنین** : **ان** شک کیلئے آتا ہے' پھر تم نے ان حضرات کے ایمان' تقویٰ پر یقین کیسے کرلیا۔ **جواب:** آپ نے آدھا اعتراض کیا' پورا اعتراض یہ کرو کہ صحابہ کرام کا ایمان مشکوک ہے' اس میں خدا تعالیٰ کو شک ہے اسے بھی خبر نہیں کہ صحابہ سچے مومن ہیں یا نہیں' کیونکہ یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا ان' جناب ایسے الفاظ جوش دلانے کیلئے کہے جاتے ہیں' ہم اپنے بیٹے سے کہتے ہیں اگر تو میرا بیٹا ہے تو یہ کام کرلے' یہاں بھی جوش دلانا مقصود ہے' نیز وہ حضرات نعیم کے قول سے بالکل نہیں ڈرے تھے بلکہ ان کے جوش توکل وغیرہ میں اور بھی زیادتی ہو گئی تھی' جس کی خود رب تعالیٰ نے گواہی دی' اب اس جملہ کا منشاء یہ ہے کہ آئندہ بھی کفار سے نہ ڈرنا' صرف مجھ سے ہی ڈرا کرنا اگر پکے مسلمان ہو۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان کفار سے ڈر جائے وہ مومن نہیں' حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خوف کیا آج بھی عام مسلمان ہزارہا موقعہ پر کفار سے خوف کرتے ہیں' خود صحابہ کرام بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کے موقعہ پر کفار سے خوف ہوا اسی خوف کی وجہ سے مدینہ کے اردگرد خندق کھدوائی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وبلغت القلوب الحناجر** : خوف سے دل گھانٹوں (گلے) میں آگئے تھے تو کیا وہ حضرات مومن نہ تھے؟ **جواب:** جو شخص کفار کے خوف کی وجہ سے نیک اعمال اختیار نہ کرے وہ مومن کامل نہیں' یہ معنی یہاں ہیں' وہ حضرات خوف کفار کی وجہ سے کسی نیکی سے باز نہ رہے' خوف بمعنی اندیشہ تو کفار سے ہوتا ہے' اسی اندیشہ کی وجہ سے جہاد' احتیاط اختیار کئے جاتے ہیں' یہ اندیشہ تو باعث ثواب ہے کہ اس پر بہت سے نیک اعمال مبنی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں' ایسے ہی ایک دل میں دو حقیقی خوف نہیں رہ سکتے اللہ کا خوف اور مخلوق کا خوف' جس دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف سما گیا وہاں دوسرے کے خوف کی جگہ نہ رہی؟ پھر اللہ کا خوف تین قسم کا ہے' اللہ کے عذاب کا خوف' یہ اخص الخواص کا خوف ہے' انہی تین قسموں کی طرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعاء میں اشارہ فرمایا کہ عرض کیا **اعوذ بعفوک من عقابک** : خدایا تیرے عذاب سے تیرے عفو و کرم کی پناہ۔ یہ پہلا خوف ہوا' **اعوذ برضاک من سخطک** خدایا تیری ناراضی سے تیری رضا کی پناہ' یہ دوسرا خوف ہوا **واعوذبک منک** : خدایا تجھ

سے تیری پناہ' یہ تیسرا خوف ہوا۔ نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ مقام خلت یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس اور تمام کائنات پر چار تکبیریں (نماز جنازہ) پڑھ دے اور کہے مجھے رب کافی و وافی ہے' حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمہ عشق　　چار تکبیر زدم یکسو برہرچہ کی ہست!

حکایت: کسی نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا' پوچھا قبر میں منکر نکیر کے ساتھ کیا گزری' فرمایا کہ مجھ سے جب انہوں نے پوچھا من ربک تیرا رب کون ہے' میں نے کہا رب سے پوچھو' اگر وہ مجھے اپنا بندہ کہے' تو مجھے کافی و وافی ہے' ورنہ میں ہزار بار اسے اپنا رب کہے جاؤں بے کار ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اپنی ذات اپنی عبادات بلکہ تمام ماسوی کو کچھ سمجھنا بھی کفر کا زنار ہے۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے آخر وقت میں محراب مسجد میں داخل ہوئے' بولے مولیٰ' نہ میرے پاس نمازیں ہیں' نہ روزے' نہ کوئی اور نیکی' صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی عمر برباد کردی' گناہوں میں صرف کردی' خدایا میں یہ تمام زنار یں توڑ کر دروازہ پر حاضر ہوں۔ حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کا ایک واقعہ یوں نقل فرمایا۔

شبے دانم از ہول دوزخ نہ خفت!　　بگوش آمدم صبح گاہے کہ گفت

چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدے　　مگر دیگراں را رہائی بدے

یعنی مجھے یاد ہے کہ میرے شیخ ایک رات دوزخ کے خوف سے بالکل نہ سوئے' صبح کے وقت میں نے انہیں کہتے سنا کہ کاش میرا جسم اتنا بڑا ہو جاتا کہ ساری دوزخ مجھ سے ہی بھر جاتی' تاکہ دوسروں کو وہاں سے رہائی مل جاتی' مومن کو چاہئے کہ اپنے اور اپنے نیک اعمال کو معدوم سمجھے' اپنے گناہوں کو پہاڑ تصور کرے' حق کے معاملہ میں کسی سے خوف نہ کرے' کسی عارف نے کیا خوب فرمایا۔

میں تھا بھی کہاں' اور ہوں بھی کہاں' ہستی ہے مری اک وہم و گماں

جب آئے یقین' مٹ جائے گماں' بس تو ہی رہے' اور میں نہ رہوں!

صحابہ کرام کا یہ واقعہ جو رب تعالیٰ نے یہاں نقل فرمایا' انکے انتہائی توکل' فناء' رضاء بالقضاء و دنیا سے بے خوفی رب پر انتہائی بھروسہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر انتہائی اعتماد اپنے کو موت کیلئے پیش کرنا وغیرہ صفات حمیدہ بتا رہا ہے' جو قوم رب تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح جان فدا کردے اسے رب تعالیٰ کیوں نہ اپنے کرم سے نوازے' خدا تعالیٰ ان اچھوں کے صدقے ہم بروں پر بھی رحم فرمادے آمین۔ (از روح البیان)۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا

اور نہ غمگین کریں آپ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں. بیشک وہ ہرگز نہ نقصان دینگے اللہ کو

اور اے محبوب ان کا کچھ غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں　　وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے

يُرِيدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

چاہتا ہے اللہ کہ نہ بنائے ان کے لئے کوئی حصہ آخرت میں اور واسطے انکے بڑا عذاب ہے

اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ان مقبولوں کا ذکر تھا جنہیں خوف' مصیبت کسی کا ڈرانا دھمکانا راہ حق سے نہیں پھیر سکتا' اب ان مردودوں کا تذکرہ ہے جو معمولی بات پر پھسل جاتے ہیں' تاکہ مسلمان کوشش کریں کہ مقبولوں کی جماعت سے ہوں مردودوں سے نہ ہوں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ بعض انسان شیطان کے دوست ہیں جنہیں شیطان ڈراتا دھمکاتا رہتا ہے' اب انہیں شیطانوں کے دوستوں کو معین کر کے بتایا جا رہا ہے' تاکہ ہر شخص اولیاء اللہ اور اولیائے شیطان میں فرق کرے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس آیت میں تفصیل۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں بعض اولیائے شیطان بھی رہتے ہیں' اب ارشاد ہے کہ مسلمانو! تم کو ان سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے گا' تم اللہ کی امان میں ہو' گویا پچھلی آیت میں مضر چیز کا ذکر تھا اس آیت میں اس سے حفاظت کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اولیائے شیطان کا ذکر تھا' اب ان کی سزا کا تذکرہ ہے کہ وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم بھی ہیں' اور وہاں سخت سزا کے مستحق بھی۔

شان نزول: تفسیر کبیر نے اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند قول نقل فرمائے' ایک یہ کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی' جو وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو پریشان کرتے رہتے تھے' جس میں بتایا' کہ صرف پریشان ہی کر رہے ہیں انشاء اللہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ کر سکیں گے' اس صورت میں کفر میں جلدی کرنے سے مراد ان کاموں میں جلدی کرنا ہے جو کفر ہیں یعنی مسلمانوں کے مقابل لشکر وغیرہ جمع کرتے رہنا' دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ منافقین مدینہ کے متعلق نازل ہوئی' اس صورت میں کفر میں جلدی کرنے سے مراد مسلمانوں کو کفار مکہ سے ڈرانا ہے اور ان کے دلوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے طرح طرح کے شک ڈالنا کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو احد میں فتح کیوں نہ پاتے' تیسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ ان کفار کے متعلق نازل ہوئی جو پہلے اسلام لائے تھے' پھر مشرکین عرب کے خوف سے مرتد ہو گئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارتداد سے بہت صدمہ ہوا' وہ صدمہ دفع کرنے کیلئے یہ آیت کریمہ اتری' اس صورت میں کفر میں جلدی کرنے کے معنی بالکل ظاہر ہیں' چوتھے یہ کہ رؤسائے یہود کے متعلق نازل ہوئی جیسے کعب ابن اشرف وغیرہ نے توراۃ کی نعتیہ آیتوں کو بدل کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا' اور مسلمانوں کو بھی اسلام چھوڑ دینے کی رغبت دی' اس صورت میں کفر میں جلدی کرنے سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا چھپانا ہے' مگر تیسری وجہ زیادہ ظاہر ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں آئی کیونکہ کفر میں جلدی کرنے کے معنی اس صورت میں بالکل واضح ہیں' امام قفال فرماتے ہیں کہ یہ سارے ہی واقعات آیت کا شان نزول بن سکتے ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں (تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **ولا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر :** ہماری قراءت میں لا یحزنک ی کے زبر' ز کے پیش اور ن

کے جزم سے ہے باب نصر کا نفی مضارع 'مگر نافع کی قراءت میں سارے قرآن شریف میں **یحزن** ی کے پیش اور ز کے کسرہ سے ہے سوا اس آیت کریمہ کے **لا یحزنهم الفزع الا کبر** : خلاصہ یہ کہ اس ایک آیت میں تو یہ باب نصر سے ہے 'باقی میں باب افعال سے 'ہماری قرآت میں نون کے جزم سے ہے بعض قراتوں میں نون کے پیش سے ہے 'حزن کے معنی ہیں غمگین ہونا بھی اور غمگین کرنا بھی 'پہلے معنی میں لازم ہے دوسرے میں متعدی 'یہاں دوسرے معنی میں ہے 'نیز یہ باب **سمع یسمع** سے بھی آتا ہے اور **نصر ینصر** سے بھی 'یہاں نصر سے ہے 'اور سورہ یونس میں سمع سے 'کہ ارشاد ہوا **لا خوف علیهم ولا هم یحزنون** جیسے مت بھی قرآن شریف میں آیا ہے م کے کسرہ سے 'اور مت بھی م کے پیش سے نصر سے بھی ہے اور ضرب سے بھی 'ک میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے 'کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ان کی حرکات سے سخت رنج و غم ہوتا تھا **الذین** سے مراد منافقین یا مرتدین یا یہود یا کفار مکہ ہیں 'جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا' **یسارعون مسارعت** سے بنا جس کا مادہ سرعت ہے بمعنی جلدی یہاں مفاعلت مقابلہ کیلئے نہیں بلکہ مبالغہ کیلئے ہے 'جلدی کرنے کو بھی سرعت کہا جاتا ہے اور جلدی فارغ ہونے کو بھی 'جیسے **ان اللہ سریع الحساب** اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی عنقریب حساب لے گا 'کفر کے معانی ابھی شان نزول میں عرض کئے گئے یعنی اے محبوب وہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں کہ ذرا سی بات پر اسلام چھوڑ دیتے ہیں یا آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں 'اگرچہ یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ آپ غم نہ کریں 'مگر یہ طریقہ بیان بہت پیارا اور دلکش ہے کہ لوگ آپ کو غمگین کرنا چاہتے ہیں مگر ہم آپ کا غم غلط فرماتے ہیں کہ آپ ہمارے محبوب جو ہوئے 'کیونکہ **انهم لن یضروا اللہ شیئا** : یہ جملہ پہلے جملہ کی علت اور وجہ ہے 'اللہ کو نقصان نہ دینے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا سارے مومنوں کو نقصان نہ دے سکنا ہے 'تفسیر کبیر 'روح المعانی 'خازن 'بیضاوی 'جلالین وغیرہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرمایا اور اپنے مومنین یا محبوب مراد لئے کہ ان حضرات کو نقصان پہنچایا در پردہ رب تعالیٰ کو نقصان پہنچانا ہے کہ انہیں وہ ہی سزا ملے گی جو اگر کوئی اللہ کو نقصان پہنچاتا تو اسے ملتی 'قرآن کریم میں بہت جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرمایا اور اپنے محبوب کا ارادہ کیا 'ان میں سے یہ مقام بھی ہے 'شیئا نکرہ فرما کر تمام قسم کے نقصانات کی نفی فرما دی یعنی یہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے آپ کو 'اسلام کو 'آپ کے خدام کو کبھی کچھ بھی نقصان نہ دے سکیں گے 'وہ رب کو یا آپ کی چیزوں کو نقصان دیتے 'حقیقت یہ ہے کہ **یرید اللہ الا یجعل لهم حظا فی الاخرة** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کے کفر کی اصل وجہ بیان فرمائی گئی' **یجعل جعل** سے بنا بمعنی پیدا کرنا اور بنانا 'پہلی صورت میں ایک مفعول چاہتا ہے 'دوسری صورت میں دو مفعول یہاں دوسرے معنی میں ہے **حظا** کے معنی ہیں حصہ 'نصیبہ 'اس کی تنوین تحقیر کے لئے ہے **اخرة** سے مراد دنیاوی زندگی کے بعد والا عالم ہے 'برزخ 'قیامت اور مابعد قیامت لینے ارادہ الٰہی ان کے متعلق یہ ہے کہ انہیں قبر میں 'حشر میں اور بعد میں اللہ کی رحمت سے کوئی حصہ نہ ملے 'کیونکہ حصہ کا استحقاق ایمان سے ہوتا ہے جب ان کے پاس ایمان ہی نہیں تو ان کا حصہ کیسا؟ صرف محرومی پر ہی بس نہیں بلکہ **ولهم عذاب عظیم** : **عذاب** کے معانی بارہا بیان ہو چکے 'نیز عتاب 'عذاب اور عقاب میں فرق بھی بیان کیا جا چکا ہے 'یہاں اتنا سمجھ لو کہ عذاب کی تنوین تعظیمی ہے جس کے معنی ہوئے بڑا عذاب 'پھر اس کی صفت بھی عظیم آئی جس سے عذاب کی بڑائی میں اور اضافہ ہو گیا تو معنی یہ ہوئے کہ انہیں اتنا بڑا عذاب ہو گا جو کسی کے خیال 'قیاس 'گمان و وہم میں نہ آسکے 'رب تعالیٰ نے ساری دنیا اور سامان

دنیا کو حقیر و قلیل فرمایا' اب جس عذاب کو وہ **عذاب عظیم** فرمائے' تو اندازہ لگاؤ کہ وہ عذاب کیسا اور کتنا ہوگا بیان میں نہیں آ سکتا۔

خلاصہء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کی وجہ سے بالکل غم نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں' اور کفر کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں' کہ ذراسی بات پر اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جاتے ہیں یا کلمہ پڑھتے ہوئے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں یا اسلام کے مقابلہ میں صف آرائیاں کر کے اپنے کفر میں اور اضافہ کرتے ہیں' ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ سارے مرتدین' منافقین' مشرکین اور ہر قسم کے کفار مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں' آپ کو' آپ کے اسلام کو' آپ کے صحابہ کو' آپ کے خدام کو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا سکیں گے' رب تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمادیا' چنانچہ زمانہء نبوی میں غزوہ خندق کے موقعہ پر ان سب نے گٹھ جوڑ کیا' مگر اسلام کے مقابلہ میں منہ کی کھائی اور عہد فاروقی میں عرب و عجم کے کفار اسلام کے مٹانے پر متفق ہو گئے' مگر سب ناکام رہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند ترقی میں رہا' رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے تمام کفریات کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا میں جانوروں کی طرح یہ کچھ کھا پی لیں' عیش و آرام کر لیں' آخرت میں' اللہ کی رحمت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو' قبر و حشر ہر جگہ محروم ہی رہیں' اس محرومی پر ہی بس نہیں بلکہ ان کیلئے عظیم ترین عذاب ہو جو کسی کے وہم و گمان میں نہ آ سکے' یہ مسلمانوں کو پھانسنا چاہتے ہیں' مگر در حقیقت پھنس خود رہے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کی اسلام دشمنی پر حیرت یا غم نہ کرنا چاہئے' بلکہ سکون قلب کے ساتھ اس کے دفع کی تدبیر کرنی چاہئے' جیسا کہ **ولا یحزنک** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کی خلاف اسلام تدبیریں انکے کفر میں اضافہ کا باعث ہیں' جیسا کہ **فی الکفر** کی دو تفسیروں۔ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نفاق اور کفار کی حمایت میں مسلمانوں کو کافروں سے ڈرانا کفر ہے' جیسا کہ **فی الکفر** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کفار انشاء اللہ اسلام کو مٹا نہیں سکیں گے' جیسا کہ **شیئا** کی تفسیر سے معلوم ہوا' وہ وعدہ الٰہی ہے۔ جس کا تجربہ ساڑھے تیرہ سو برس سے ہو رہا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کو رب سے وہ قرب خصوصی ہے کہ ان کی مخالفت رب تعالیٰ کی مخالفت ہے' ان کی محبت' رب تعالیٰ سے محبت' ان کو نقصان پہنچانا گویا رب تعالیٰ کو نقصان دینا ہے۔ جیسا کہ **لن یضروا اللہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نفی اور عدم بھی مشیت الٰہی کے ماتحت ہے' یہ بھی رب کے ارادے سے ہی ہوتی ہے' یہی اہلسنت کا مذہب ہے' معتزلہ کہتے ہیں کہ عدم ارادہ ثبوت نفی کی علت ہے' مگر ہم کہتے ہیں کہ ارادہ عدم نفی کی علت ہے' دیکھو یہاں فرمایا گیا اللہ ارادہ کرتا ہے کہ ان کا حصہ آخرت میں نہ ہو' حصہ نہ ہونے کا ارادہ ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کافر کا کفر' منافق کا نفاق سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے' ارادہ حکم اور رضا میں بڑا فرق ہے' اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر خیر و شر رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہے' یہ آیت ہماری دلیل ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** دنیا میں کافر' مومن' منافق' مرتد سب رب تعالیٰ کی رزاقیت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں' مگر آخرت میں صرف مومنوں کو رحمت الٰہی سے حصہ ملے گا' کفار کیسی ہی نیکیاں کر کے جائیں مگر آخرت کی رحمت سے محروم ہیں۔ **نواں فائدہ:** نکرہ نفی کے تحت عموم کا فائدہ دیتا ہے دیکھو یہاں حظ' ' سے نکرہ ہے **الا یجعل** کے تحت آکر مفید عموم ہوا کہ اس کے معنی ہوئے ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ **دسواں فائدہ:** بڑا عذاب صرف کفار کو ہوگا' مسلمان کیسا

ہی گنہگار ہوا سے بڑا عذاب نہ ہوگا جیسا کہ عم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا' بلکہ گنہگار مومن کو عذاب ہوگا ہی نہیں' اگر ہوگا تو عتاب ہوگا جس کے ذریعہ اسے پاک و صاف کیا جائے گا۔

پہلا اعتراض: کفار کے کفر پر غم کرنا تو عبادت ہے' اس سے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو منع کیوں فرمایا؟ **جواب:** بہت غم کرنا جس سے اپنے دل کو سخت تکلیف پہنچے' اس سے منع فرمایا' اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **فلا تذهب نفسک علیهم حسرت** یا اس خیال پر غم کرنا کہ انکے اسلام سے نکل جانے پر اسلام ترقی نہ کر سکے گا' یا یہ مسلمانوں کو مٹا دیں گے' یہ ممنوع ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ کفار مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے' مگر دن رات مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں نقصان پہنچ رہا ہے' تو آیت کیونکر صحیح ہوئی؟ **جواب:** کبھی مسلمانوں کا کفار کے ہاتھوں شہید یا زخمی ہو جانا ضرر نہیں' اس میں تو مسلمانوں کا نفع ہے کہ شہادت عین سعادت ہے' یہاں ضرر سے مراد اسلام کا خاتمہ کر دینا یا مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ دینا ہے یہ ان شاء اللہ کفار سے ناممکن ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کفار و منافقین تو پہلے ہی کافر تھے' انکے متعلق یہ فرمانا کیسے درست ہوا کہ **یسارعون فی الکفر** کہ وہ کفر میں جلدی سے داخل ہو جاتے ہیں' کفر میں داخل وہ ہو جو پہلے سے خارج ہو؟ **جواب:** اگر یہ آیت مرتدین کے متعلق ہے' تب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اور اگر کفار مکہ یا منافقین کے متعلق ہے تو کفر سے مراد کفر کے اعمال ہیں نہ کہ عقائد یعنی یہ لوگ بہت جلد اعمال کفریہ کرنا شروع کر دیتے ہیں' منافقین تو اس طرح کہ کفار سے سازشیں کرنے لگتے ہیں' کفار مکہ اس طرح کہ وہ موقعہ پاتے ہی مسلمانوں کے مقابل لشکر کشی کرنے لگتے ہیں' بہر حال آیت بالکل واضح و صاف ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی نہیں چاہتا کہ ان منافقین مرتدین' کفار کا آخرت کی رحمتوں میں حصہ ہو تو پھر ان بیچاروں کا کیا قصور ہے وہ تو رب تعالیٰ کی طرف سے روکے ہوئے ہیں پھر ان پر الزام کیسا؟ **جواب:** یہ سوال مسئلہ تقدیر پر مبنی ہے' اس کی نفیس تحقیق تیسرے پارے میں ہو چکی زیر آیت **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** وہاں مطالعہ فرمائیے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ لولاً ان منافقین و کفار نے سرکشی کی' اور سرکشی میں حد سے آگے بڑھ گئے' تو رب تعالیٰ کا ارادہ انکے متعلق ہو گیا کہ انکا حصہ آخرت میں بالکل نہ ہو' اس ارادہ کا تعلق ان کی اپنی بدکاریاں ہیں' یا یہ کہو کہ رب تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے اختیار سے کفر کیے جائیں' پھر اللہ کی نعمتوں سے محروم ہوں' جیسے انکا کفر اللہ تعالیٰ کے ارادے میں آچکا' ویسے ہی انکا ارادۂ کفر بھی آچکا لہٰذا ان کا کفر و نفاق اپنے ارادے سے ہے' جیسے مقتول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم و ارادہ سے مرا' حالانکہ قاتل کو بھی مجرم مانا جاتا ہے' کیونکہ کہ اس کے ارادہ کو مقتول کو موت میں دخل ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا دل گویا خشک اور ہلکا پتہ ہے' دنیا ایک سنسان جنگل ہے' جہاں کفر' نفاق اور طغیان کی تیز آندھیاں چل رہی ہیں' جن کی وجہ سے انسانی دل کو قرار نہیں' ہر وقت خطرہ ہے کہ نہ معلوم کون سی ہوا اس دل کو کب اور کدھر اڑا لے جائے' ایسے جنگل میں ایسے ہلکے پتے کیلئے امان کی صرف ایک ہی صورت ہے' وہ یہ ہے کہ پہاڑ کی آڑ میں آجائے یا کسی وزنی پتھر کی ماتحتی قبول کر لے' حضرات اولیاء' انبیائے عظام علیہم السلام خصوصاً حضور انور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے پہاڑ ہیں جن کے دامن میں عالم کو پناہ ملتی ہے' حضرات صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ تھے' وہ ہر قسم کی ہوا سے

محفوظ رہے' تیز آندھیاں آئیں اپنا زور دکھا کر چلی گئیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے' منافقین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ نہ لی' جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ ہر کفر میں فوراً داخل ہو جاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے حبیب صلی علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان بے پناہوں' بے پیروں' بے نوروں کے کفر پر غم نہ کریں' جو آپ کی پناہ نہ لے اسے دنیا میں قرار نہیں ہو سکتا' نہ قرار اس کے مقدر میں ہے' وہ اخروی نعمتوں سے بھی محروم ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے نکالا ہوا ہو وہ ہر جگہ دھتکارا جاتا ہے' شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

ہر سو دوداں کس ز در خویش براند وآں را کہ بخواند بدر کس ندواند!

وہاں کا نکالا ہوا ہر جگہ بھاگا پھرتا ہے' جسے اس کے دروازے پر جگہ مل جاتی ہے وہ کہیں نہیں جاتا بلکہ خلق اس کے دروازہ پر آتی ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

اور فرماتے ہیں۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ
بے شک وہ لوگ جنہوں نے خرید لیا کفر کو بدلے ایمان کے وہ ہرگز نہ نقصان دیں گے اللہ کو کچھ بھی اور انہیں کیلئے
وہ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر مول لیا اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب
أَلِيمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا
عذاب ہے دردناک اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو کافر ہوئے کہ ہمارا ان کو مہلت دینا بہتر ہے انکی جانوں کیلئے
ہے۔ اور ہرگز کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ جو ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں کچھ ان کے لئے بھلا ہے
نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۷۸﴾
اس کے سوا نہیں کہ ہم مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ وہ گناہ بڑھا لیں اور انہی کیلئے خواری و اہانت والا عذاب ہے
ہم تو اسی لئے انکو ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں اور ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اسلام کی ایک دشمن جماعت کا ذکر تھا۔ مرتدین یا منافقین' اب دوسری دشمن جماعت کا ذکر ہے یعنی علمائے یہود' پچھلی آیت میں ان دشمنوں کے شر سے حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا تھا' اس آیت میں دوسری جماعت کی شر سے اسلام کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا

ولهم عذاب الیم: لهم اور عذاب کی تفسیر گزشتہ آیت میں ہو چکی۔ الیم الم سے بنا بمعنی انتہائی تکلیف یا انتہائی دلی رنج۔ الیم کے معنی ہیں بہت دردناک اور بہت تکلیف دہ۔ اس سے مراد دائمی اور انتہائی سخت عذاب ہے کیونکہ ہلکا اور ختم ہونے والا عذاب تکلیف دہ تو ہے مگر سخت تکلیف دہ اور دردناک نہیں۔ یعنی ان بدنصیبوں کیلئے ہی بہت دردناک عذاب ہے **ولا یحسبن الذین کفروا** ہماری قراءت **لا یحسبن** ی سے ہے غائب کا صیغہ **الذین** اس کا فاعل اور **انما نملی** پورا جملہ دو مفعولوں کا قائم مقام۔ مگر ابن کثیر اور ابو عمرو کی قراءتوں میں **لا تحسبن** ت کے ساتھ ہے حاضر کا صیغہ ہے۔ جس میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ اس صورت میں الذین اس کا پہلا مفعول ہوگا اور **انما نملی** دوسرا مفعول (تفسیر کبیر، معانی و خازن) **الذین کفروا** سے مراد وہ کفار ہیں۔ جو دنیوی مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اپنی حقانیت کی دلیل سمجھے بیٹھے تھے۔ جن کے بارہ میں یہ آیت کریمہ اتری ہے اور ہو سکتا ہے کہ سارے ہی کفار مراد ہوں کیونکہ آیات میں الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا **انما نملی لهم خیر لانفسهم:** **انما** کا ما یا مصدریہ ہے۔ جس کی وجہ سے **نملی** **املاء** کے معنی میں ہو گیا۔ تفسیر کشاف نے اسی کو اختیار کیا۔ یا موصولہ بمعنی الذی اس کا صلہ **نملی** ہے جو دراصل **نملیه** تھا کیونکہ صلہ میں موصول کی ضمیر چاہئے۔ چونکہ یہ ضمیر مفعول تھی اس لئے حذف کر دی گئی۔ خیال رہے کہ رسم خط کے لحاظ سے ما ان سے الگ ہونا چاہئے تھا کیونکہ ان کے ساتھ صرف ما کافہ ہی ملتا ہے نہ کہ ما موصولہ یا مصدریہ۔ مگر چونکہ مصحف عثمانی میں ایسے ہی لکھا گیا ہے اس لئے اسی کی پیروی کی جاتی ہے کہ قرآن کی قراءت و کتابت میں نقل کی پیروی ہے نہ کہ محض عقل و قیاس کی (تفسیر کبیر و روح المعانی) خیال رہے کہ ہماری قراءت میں انما الف کے فتح سے ہے کہ یہ درمیان کلام میں ہے۔ **لا یحسبن** کا مفعول۔ مگر یحییٰ ابن وثاب کی قراءت میں انما الف کے کسرہ سے ہے نیا جملہ ہے قائم مقام مفعول (تفسیر روح المعانی) **نملی** **املاء** سے بنا جس کا مادہ ملا یا ملی ہے معنی دراز مدت کہا جاتا ہے **ملاوة من الدهر** اور کہا جاتا ہے **ملی من الدهر**: قرآن کریم میں ہے **واهجرنی ملیا** اسی لئے دن رات کو ملوان کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قال الملاء الذین کفروا** کیونکہ جماعت کا اجتماع دیر ہی میں ہوتا ہے (تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ) لہٰذا املاء کے معنی ہوئے عرصہ تک چھوڑے رہنا، ڈھیل دینا، مہلت دینا۔ **لا نفسهم** فرما کر یہ بتایا کہ کفار کو لمبی عمریں اور مال و دولت ملنا ان کیلئے بہتر نہیں، مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے۔ جس میں ہزاروں ہی فائدے ہیں۔ یعنی کفار اس خیال میں ہرگز نہ رہیں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں، کہ ان کے گناہ و کفر کے باوجود انہیں دولت، اولاد، عمر سے نواز رہے ہیں۔ یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ یا کفار اس خیال میں نہ رہیں کہ ہمارا انہیں ڈھیل دینا ان کیلئے بہتر ہو، نہیں بلکہ **انما نملی لهم لیزدادوا انما** چونکہ یہ نیا جملہ ہے اور انما شروع کلام میں واقع ہے اس لئے یہاں **انما** الف کے کسرہ سے ہے، اس کا ما کافہ ہے اسی لئے ان سے مل کر آتا ہے۔ یہ کلمہ حصر کیلئے ہے۔ **لیزدادوا** میں لام ارادہ یا انجام کا ہے۔ **یزدادوا** باب افتعال سے ہے اس کا مصدر ازدیاد، مادہ زیادت ہے۔ بمعنی بڑھالینا، زیادہ کر لینا۔ اثم کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں اس سے قالب و قلب دونوں کے گناہ مراد ہیں۔ کفر و فسق یعنی ہمارا ان کفار کو مہلت دینا اس ہی ارادہ سے ہے کہ وہ مال و عمر کے ذریعہ اور زیادہ گناہ کر لیں یا ہمارے مہلت دینے کا انجام یہی ہے کہ وہ اس مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کفر و طغیان ہی بڑھائیں گے اور یہی سمجھتے رہیں گے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ **ولهم عذاب مهین:** **مهین** **اهانة** کا اسم فاعل ہے۔ جس کا مادہ ھون ہے بمعنی

ہلکا ہونا' اسی سے ہے مہین یعنی ہلکا و آسان' چونکہ ذلیل آدمی لوگوں کی نگاہوں میں ہلکا ہوتا ہے' اس لئے ذلیل کرنے کو اہانت کہتے ہیں' ذلیل کرنیوالے کو مہین اور ذلیل چیز کو مہان یا مستہان یعنی دنیا میں' برزخ میں' حشر میں اور بعد حشر ایسا عذاب ہوگا جو تکلیف کے ساتھ انہیں ذلیل بھی کریگا' دنیا میں بعض پر اور کبھی عذاب آئیگا' مگر آخرت میں سارے کفار کو عذاب و ذلت و خواری ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔

خلاصہ ء تفسیر: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے عوض کفر خرید لیا' یا تو اس طرح کہ مسلمان تھے مرتد ہو گئے یا اس طرح کہ منافقت سے کلمہ پڑھ کر مومنوں میں شمار ہو گئے تھے' پھر اپنی حرکتوں سے اپنا کھلا کفر ظاہر کر بیٹھے' یا اس طرح کہ دنیا میں میثاق ایمان لے کر آئے تھے' مگر یہاں کفر اختیار کر بیٹھے یا اس طرح کہ رب تعالیٰ نے ان میں ایمان لانے کی استعداد پیدا کی تھی اور عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنی توحید کی علامات قائم فرمائی تھیں' اگر یہ ان میں ذرا سا تدبر کرتے' تو ایمان لے آتے' مگر یہ نہ کیا اندھا دھند کافر ہو بیٹھے' کچھ بھی سہی' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے دین' کو اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو کبھی کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے' بلکہ اس اندھی تجارت کا وبال ان پر ہی پڑے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا' جس کی کیفیت ان کے وہم و گمان سے وراء ہے' اے مسلمانو! تم یہ خیال نہ کرنا یہ سارے کفار اس خیال میں نہ رہیں کہ ہم نے جو انہیں انکے کفر و شرک کے باوجود لمبی عمریں' زیادہ اولاد' مال کی کثرت وغیرہ جو دے رکھی ہے' یہ ان کیلئے بہتر ہے' اور یہ اس کی علامات ہے کہ ہم ان سے راضی ہیں ہرگز نہیں' یہ مال و اولاد اور درازی عمر ان کیلئے زیادہ وبال ہے' یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے تاکہ وہ ان میں پھنس کر رب تعالیٰ سے غافل ہو کر اور زیادہ عصیان و طغیان بڑھالیں' ان کیلئے تو بڑی ذلت اور خواری کا عذاب ہے کہ دنیا میں اگر مسلمانوں کے ہاتھوں جہاد میں مارے گئے تو ذلیل ہو کر مرے' برزخ میں ملائکہ کے ہاتھوں پٹیں گے بھی' ذلیل بھی ہوں گے' محشر میں بر سر عام ان کا حساب ہو گا' ان کے عیب کھلیں گے' اور سب کے سامنے دوزخ میں اس طرح پھینکے جائیں گے کہ ۔۔۔

پا بدست دگراں دست بدست دیگر

دوزخ میں پہنچ کر بھی ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے' غرضیکہ کفار کی یہ عارضی راحتیں دائمی عذاب و ذلت کا پیش خیمہ ہیں' اس لئے نہ تو کوئی مسلمان ان کی راحتوں کو دیکھ کر للچائے' اور نہ خود وہ لوگ اس سے دھوکا کھائیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: بمقابلہ کافر اصلی کے کافر مرتد بدتر ہے' جیسا کہ الذین کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس نے ایمان لا کر کفر اختیار کیا' شادی شدہ زانی کی سزا کنوارے زانی سے زیادہ سخت ہے۔ دوسرا فائدہ: منافق کھلے کافر سے زیادہ برا ہے۔ جیسا کہ الذین کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: ہر کافر ایک لحاظ سے بعد ایمان ہی کافر ہوتا ہے۔ جیسا کہ الذین اور اشتروا کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: اسلام کی اشاعت اور اس کا پھیلنا کسی بندہ کی مہربانی سے نہیں' خاص رب تعالیٰ کے کرم سے ہے' اگر سارے بندے اسلام کے مقابلہ کی ٹھان لیں' پھر بھی اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' جیسا کہ لن یضروا اللہ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: لمبی عمر اور زیادتی مال و عیش و آرام اس وقت اچھے ہیں جب کہ ان کے ذریعہ نیکیاں کمائی جائیں' ورنہ یہ سب چیزیں وبال جان ہیں' لہٰذا مومن پرہیزگار کی لمبی عمر رحمت ہے' اور کفار بدکار کی لمبی عمر عذاب۔ شیطان کی عمر بڑی ہی لمبی ہے' مگر وہ بڑا ہی مردود ہے۔ چھٹا فائدہ:

کبھی کفار کی عمریں اور انکے مال مسلمانوں کیلئے مفید ہو جاتے ہیں کہ جہاد میں انکے مال غنیمت بنتے ہیں اور وہ خود مسلمانوں کے لونڈی غلام' سانپ اور اس کا زہر بھی کبھی کام آجاتا ہے یہ فائدہ **لا نفسهم** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہر خیرو شر رب تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے ارادہ سے ہے جیساکہ **ليزدادوا** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کافر کا جینا اور کھانا پینا بھی گناہ ہے' اور مومن کا جینا اور کھانا پینا وغیرہ انشاء اللہ رحمت ہیں' یہ فائدہ بھی **ليزدادوا اثما** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** مومن کو اگرچہ گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو جائے' مگر انشاء اللہ دردناک عذاب نہ ہوگا' دردناک عذاب تو کفار کیلئے خاص ہے جیساکہ **لهم عذاب اليم** میں لھم کے مقدم ہونے سے معلوم ہوا' چنانچہ گنہگار مومن کو عین عذاب کے زمانہ میں چھوٹنے کی امید ہوگی' اور یہ رہائی کی خوشی اسکی تکلیف کو ہلکا کردیگی' وہ منتظر رہے گا کہ اب کوئی چھوڑانے والا آتا ہے اور مجھے دوزخ سے نکال لے جاتا ہے' نیز دوزخ کی آگ نہ تو مومن کے قلب پر اثر کریگی' نہ اس کے اعضائے سجدہ پر' یہ دونوں باتیں کافر کو میسر نہ ہوں گی' اس لئے ارشاد ہوا کہ دردناک عذاب کفار ہی کیلئے ہے۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ گناہگار مومنوں کو قیامت میں ذلیل نہ کریگا' ذلت و رسوائی کفار کیلئے خاص ہے جیساکہ **لهم عذاب مهين** میں لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا حتیٰ کہ مومن کے گناہوں کا حساب بھی خفیہ لیا جائے گا جیساکہ حدیث شریف میں ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** کبھی گناہ کرنے کیلئے بھی لمبی عمر مل جاتی ہے جیساکہ **ليزدادوا** سے معلوم ہوا تھا' رب تعالیٰ نے شیطان کو اتنی لمبی عمر گمراہی پھیلانے کیلئے دی' لہٰذا نیکیاں کرنے کیلئے بھی لمبی عمر مل سکتی ہے' چنانچہ حضرت نوح' حضرت خضر' حضرت الیاس علیہم السلام کو بہت لمبی عمریں ملی ہیں' اصحاب کہف کی لمبی عمر تو قرآن مجید سے ثابت ہے' وہ سوتے میں بھی' ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں جیساکہ پاس انفاس والوں کا حال ہوتا ہے' حدیث شریف میں ہے کہ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کی عمر دراز ہو' اور اعمال صالح ہوں' اور بدنصیب ہے وہ بندہ جس کی عمر دراز ہو' اور اعمال برے ہوں' خداء تعالیٰ جب زندگی دے' تو نیکیوں کی توفیق بھی دے' جب دولت نہ ہو تو خالی ہوئے گھر میں رکھنا بیکار ہیں۔

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی	جو آنکھیں دی ہیں دکھلا دے مجھے تربت محمد کی
مسلمانوں کو کوئی خلد سے روکے تو کیوں روکے	وہ جنت ہے محمد کی یہ امت ہے محمد کی

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافروں نے ایمان کے عوض کفر خریدا' ان کے پاس ایمان تھا ہی کہاں؟ پھر خریدنا کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** اس کے کئی جواب ہیں جو تفسیر اور خلاصہ تفسیر میں بیان کئے گئے' کہ ان کفار سے مراد یا تو مرتدین ہیں جنکے پاس پہلے حقیقی ایمان تھا یا منافقین ہیں جن کے پاس ظاہری ایمان تھا یا عام کفار مراد ہیں جنکے پاس میثاقی ایمان تھا یا ایمان لانے کی استعداد و قابلیت تھی' لہٰذا آیت واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** خرید و فروخت میں خریدار دکاندار کی چیز لے لیتا ہے' اور دکاندار خریدار کی چیز پر قبضہ کرتا ہے' اگر یہ کفار کفر کے خریدار ہیں تو کسی دکان سے انہوں نے کفر لیا' اور اس دکاندار نے جو ان سے ایمان لیا' وہ مومن ہو گیا یا نہیں' اگر نہیں ہوا تو یہ تجارت کیونکر درست ہوئی؟ جب یہ اس سے کفر لیکر کافر ہو چکے ہیں' تو چاہئے کہ وہ دکاندار ان سے ایمان لے کر مومن ہو جائے! **جواب:** اس کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ اس چیز کو خرید و فروخت فرمانا مجازاً" ہے' ایک شے کو چھوڑ کر دوسری چیز اختیار کر لینے کو خرید و فروخت فرمادیا گیا ہے' دیکھو رب تعالیٰ

فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض مسلمانوں کے جان و مال خرید لئے' حالانکہ جنت بھی رب تعالیٰ کی ہے اور رہے گی اور مومنوں کے جان و مال بھی اسی کے دوسرے یہ کہ یہ کفار خریدار ہیں شیطان دکاندار' کفار نے شیطان سے کفر لے کر استعمال کر لیا مگر شیطان نے ان کا ایمان لے کر استعمال نہ کیا برباد کر دیا' بہت دفعہ تاجر اپنی چیز دے دیتا ہے' مگر دوسرے کی چیز نہیں لیتا' جیسے کوئی شخص اپنے باپ یا بیٹے کو خرید لے وہ فروشدہ کو قیمت کا مالک کر دیتا ہے۔ خود اپنے باپ کا مالک نہیں ہوتا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کی زیادتی عمر اور زیادتی مال مفید نہیں حالانکہ بہت سے کافر بڑھاپے میں ایمان لے آتے ہیں' اگر وہ جوانی میں مر جاتے' تو ایمان کیسے پاتے' دیکھو بدر کے قیدی جو حضرت صدیق اکبر کی رائے کی بناء پر چھوڑ دیئے گئے بعد میں مسلمان ہو گئے اگر قتل کر دیئے جاتے تو کافر ہی مرتے' ان کی زیادتی عمر نے انکو فائدہ پہنچا دیا۔ **نوٹ:** واہ رے صدیق تیرے نعلین کی خاک پر ہماری جانیں قربان کہ تیری اس خطا سے' بہتوں کو ایمان مل گیا' اللہ تعالیٰ تیری برکت سے ہمارا بیڑا بھی پار کرے۔

تو ہے آزاد سقر سے ترے بندے آزاد   ہے یہ سالک بھی ترا بندۂ بے زر صدیق

جواب: یہ سوال بہت ہی پیارا اور دلکش ہے' مگر اس آیت میں روئے سخن ان کافروں سے ہے جو علم الٰہی میں کفر پر مرنے والے ہیں' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے دیکھو تفسیر خازن۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کو عمر گناہ بڑھانے کیلئے ملتی ہے کہ فرمایا گیا **لیزدادوا اثما**' مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** ہم نے جن و انس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا' معلوم ہوا کہ کافر کی زندگی بھی عبادت کیلئے کہ وہ بھی انسان ہے' دیکھو لیعبدون میں بھی لام ہی ہے' لہٰذا آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** تعارض ہرگز نہیں **لیزدادوا** میں لام انجام و عاقبت کا ہے یا ارادہ کا' اور **لیعبدون** میں لام مقصد کا' ہر ایک کی پیدائش عبادت ہی کے مقصد سے ہے' اگرچہ بعض لوگ اسے غلط استعمال کر لیں' پیالہ سالن کیلئے بنا ہے' لیکن بعض نادان اس سے پانی پینے کا کام بھی لے لیتے ہیں: مقصد اور انجام میں بڑا فرق ہے' دیکھو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا کیوں' خود کہتا ہے **عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا** کہ ہمیں یہ نفع دیں گے اور ہم انہیں بیٹا بنائیں گے یہ ہوا پرورش کا مقصد' مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون لھم عدوا وحزنا** اس نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے پالا کہ جناب اس کے دشمن اور باعث غم بنیں' یہ ہوا اس کی پرورش کا انجام' ان دونوں آیتوں میں لام ہے' مگر ایک لام مقصد کا ہے' دوسرا انجام کا' ہم چور سے کہتے ہیں تو چوری کرتا ہے جیل جانے کیلئے' حالانکہ وہ چوری کرتا ہے مال حاصل کیلئے' تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے اس سوال کو مشکل ترین سمجھا' اور اس کے نہایت دقیق جوابات دیئے ہیں فقیر نے جو جواب عرض کیا ہے اس میں' بفضلہ تعالیٰ کفایت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** عقائد کا مسئلہ ہے کہ رب تعالیٰ کے افعال و کام غرض سے پاک ہیں اسکے کام بے غرض ہیں مگر **لیزدادوا** سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کاموں کی بھی غرض ہوتی ہے' دیکھو ان کفار کو ڈھیل دینے کی غرض انکے گناہوں کی زیادتی ہے کہ وہ اس مدت میں گناہ زیادہ کریں۔ **جواب:** رب تعالیٰ کے کام غرض سے خالی ہیں' حکمت سے خالی نہیں' بے غرض ہیں بے فائدہ نہیں' **لیزدادوا اثما** میں حکمت کا بیان ہے' غرض کا نہیں' غرض اپنے فائدہ کو کہتے ہیں حکمت دوسرے کے فائدے کو' رب تعالیٰ کسی چیز' کسی کام سے خود فائدہ حاصل نہیں فرماتا'

دوسرے کو عطا فرماتا ہے **وھو یطعم ولا یطعم** تمام رزق اور روزی کی پیدائش رب تعالیٰ کے فائدے کیلئے نہیں ہمارے فائدے کیلئے ہے لہذا غرض سے نہیں فائدے سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا ایک منڈی ہے جس میں مختلف قسم کی دکانیں ہیں ان دکانوں میں مختلف سودے 'رحمانی دکانوں میں ایمان و عرفان کے سودے ہیں اور شیطانی دکانوں میں کفر و طغیان کے سودے 'دونوں قسم کی دکانوں پر منیم اور ایجنٹ کام کر رہے ہیں ' شیطانی لوگ شیطان کے ایجنٹ ہیں اور رحمانی لوگ رب تعالیٰ کے مقرر کردہ گویا منیم اور ایجنٹ ہیں 'ہر شخص کی استعداد و قابلیت گویا رائج الوقت سکہ ہے 'جیسے سو کے نوٹ سے شراب اور خنزیر بھی خریدا جا سکتا ہے اور مصلی و تسبیح بھی نوٹ یکساں ہے مگر جیسیں دو قسم کی 'شرابی کی جیب میں یہ نوٹ لعنت ہے 'حاجی اور نمازی کی جیب میں یہی نوٹ رحمت ہے کفار نے ایمان یعنی اپنی استعداد و قابلیت کے ذریعہ کفر و طغیان خریدا 'اگرچہ لوگ بظاہر ان کی تعریف کریں اور انکے مال و منال کو للچائی نگاہوں سے دیکھیں مگر در حقیقت انکا مال ان کیلئے وبال ہے 'زہر آلود مٹھائی ہے کہ منہ میں خوش ذائقہ اور پیٹ میں پیچ کر ہلاک۔

غرو مشوبانکہ جماعت عزیز کرد　　اے بس عزیز را کہ جہاں کرد زود خوار
مارا ست ایں جہاں و جہاں جوئے مار گیر　　واز مار گیر مار برآورد گے و مار

یعنی دنیا والوں کی تعریف اور ان کے زندہ باد کے نعروں سے دھوکا مت کھاؤ کہ دنیا داروں کو ذلیل کرتے اور مردہ باد کے نعرے لگاتے دیر نہیں لگتی 'دنیا گویا سانپ ہے 'دنیا دار سپیرا سپیرا بھی سانپ سے ہی مرتا ہے 'رب العالمین نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے تمہاری امت پر چند خصوصی احسان کئے ہیں 'ایک یہ کہ ان کی عمریں عموماً کم رکھیں تاکہ گناہ کم کریں 'دوسرے یہ کہ انہیں مال کم دیا 'تاکہ ان کا بوجھ قیامت میں ہلکا ہو اور انہیں سب سے آخر میں پیدا کیا 'تاکہ قبروں میں کم رہنا پڑے 'صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نفس کی مثال شتر مرغ کی سی ہے کہ بہت کھاتا ہے اور بہت بہانے بناتا ہے 'اگر اس پر بوجھ لادو 'تو کہتا ہے میں پرندہ ہوں 'میرے پر دیکھو 'اور اگر اس سے اڑنے کو کہو 'تو کہتا ہے میں چرندہ ہوں 'میرے پیر دیکھو ' غرضیکہ ہر ساعت اس کا نیا قبلہ ہے 'یہاں کی نعمتیں کھاتے وقت آخرت کے حساب کا خیال رکھو 'کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

شنیدہ ام کہ بقصاب گو سفندے گفت　　دراں زماں کہ بخنجر سرش زتن ببرید!
جزائے ہر بن خارے کہ خوردہ ام دیدم　　کسے کہ پہلوئے چربم خورد چہ خواہد دید

یعنی ایک قصاب نے بکری کو ذبح کیا تو بکری بولی میں نے جنگلی گھاس اور کانٹے کھائے تھے 'اس کا بدلہ یہ پایا 'جو میری چربی اور گوشت غفلت سے کھائے گا 'تو سوچ لے کیا بدلہ پائے گا 'ہم کو چاہئے کہ گزشتہ امتوں کے حالات میں غور کریں کہ وہ ہم سے زیادہ عمر و مال والے تھے 'مگر کہاں گئے اور کیا لے گئے 'ان کے محل کہاں گئے 'مال 'اولاد 'بیویاں سب ساتھ چھوڑ گئے 'دنیا وہ اچھی جس میں آخرت کیلئے کھیتی کر لی جائے 'ورنہ خیال رکھو کہ دنیا کی حقیقت یہ ہے 'محنت سے جوڑنا 'حسرت سے چھوڑنا (از روح البیان مع زیادت)

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ

یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالٰے چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حال پر جس پر تم ہو یہاں تک کہ چھانٹ

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو

الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ

دے خبیثوں کو پاکوں سے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تمہیں غیب پر خبردار کرے اور لیکن

ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن

اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ

اللہ چن لیتا ہے جسے چاہے اپنے رسولوں میں سے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر

تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور اگر ایمان لاؤ گے تم اور پرہیزگاری اختیار کرو گے تو تمہارے لئے ثواب ہے بڑا

ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** بہت دور سے جنگ احد، غزوۂ حمراء الاسد اور بدر صغریٰ کا ذکر چلا آ رہا ہے، اب اس آیت میں ان تمام حادثات کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ یہ واقعات کھرے کھوٹوں میں چھانٹ کا ذریعہ ہیں کہ جو ان موقعوں پر گھبرا کر کفار کے حمایتی بن جائیں وہ کھوٹے ہیں، اور جو اسلام پر قائم رہیں وہ کھرے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ بعض لوگ ایمان کے عوض کفر خرید لیتے ہیں، ان کی عمر و دولت نعمت نہیں عذاب ہے، اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے لوگوں کو تم لوگ خود نہیں پہچان سکتے، جب تک کہ ہم اپنے نبی کی معرفت پہچان نہ کرائیں کیونکہ بظاہر کھرے کھوٹے رنگ و روپ میں یکساں ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بعض لوگوں کی عمر زیادتی گناہ کا ذریعہ ہے، اب ارشاد ہو رہا ہے کہ تم ان میں سے نہ بنناؔ اس طرح کہ ہم پر اور ہمارے رسولوں پر ایمان لے آنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بد نصیبوں کا ذکر فرمانے کے بعد ان سے بچنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کفار و منافقین کے اخروی عذاب کا ذکر تھا، اب ان کے دنیوی عذاب کا ذکر ہے کہ وہ مسلمانوں سے چھٹ جائیں گے، ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے، مگر چونکہ اخروی عذاب دائمی ہے، اور سخت تر اور دنیوی عذاب عارضی و آسان، اس لئے پہلے دائمی و سخت عذاب کا ذکر کیا، پھر عارضی و ہلکے عذاب کا۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے بارے میں چند روایتیں ہیں، ایک وہ جو واحدی نے امام سدی سے روایت کی کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جیسے آدم علیہ السلام پر روحیں پیش کی گئی تھیں ایسے ہی عالم کی

پیدائش سے پہلے مجھ پر میری امت (امت دعوت یعنی سارے انسان) اپنی صورتوں میں پیش کئے گئے' میں نے سب کو جان پہچان لیا' کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کریگا جب یہ خبر منافقوں کو پہنچی تو وہ مذاقاً بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ان لوگوں کو پہچاننے کا دعوے کرتے ہیں جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے اور ہم تو عرصہ سے آپ کے ساتھ ہیں' ہمیں آج تک آپ نہ پہچان سکے' یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گو شگزار ہوئی' تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کی' پھر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم کے متعلق زبان طعن دراز کرتے ہیں؟ آج سے قیامت تک کی جو بات چاہو پوچھ لو' تم جو بھی پوچھو گے ہم بتائیں گے' حضرت عبداللہ ابن حذافہ سہمی کھڑے ہو گئے اور بولے یارسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تمہارے باپ حذافہ ہیں! اور پوچھو' تب حضرت عمر نے عرض کیا کہ' یارسول اللہ! ہم اللہ کی ربوبیت' اسلام کے دین ہونے' قرآن کے امام ہونے اور آپ کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں ہمیں معاف دیجئے' تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' کیا تم ایسے طعنوں سے باز رہو گے کیا تم باز رہو گے؟ اور منبر سے نیچے اتر آئے' تب یہ آیت اتری۔ دوسری وہ جو ابن جریر نے امام سدی سے روایت کی' کہ ایکبار کفار عرب نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہمیں خبر دیں کہ ہم میں سے ایمان کون لائے گا اور کون کافر مرے گا' تب یہ آیت کریمہ اتری۔ 3 امام کلبی کہتے ہیں کہ قریش نے کہا تھا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہتے ہیں کہ آپ کا مخالف دوزخ میں جائیگا' اللہ اس سے ناراض ہے' اور آپ کی پیروی کرنیوالا جنت میں جائے گا' اللہ اس سے راضی ہے' بتایئے جنتی کون کون ہیں' کتنے ہیں اور دوزخی کون کون ہیں' ان کی تعداد کیا ہے؟ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ 4 حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ خود مسلمانوں نے عرض کیا تھا یارسول اللہ ہمیں مومن اور کافر کو پہچاننے کیلئے علامات بتادی جائیں' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ منافقین دعوے کرتے تھے کہ ہم صحابہ کرام کی طرح مخلص مومن ہیں' مگر غزوہ احد میں ان کا نفاق کھل گیا' تب یہ آیت کریمہ آئی۔ (تفسیر روح المعانی و خازن و خزائن العرفان)۔

تفسیر: ما کان اللہ لیذر المومنین: ما نفیہ ہے' جو اگرچہ داخل تو کان پر ہو' مگر نفی یذر کی کر رہا ہے کیونکہ لیذر میں لام جحد ہے' اور لام جحد کا کام یہی ہے' کہ وہ کان منفیہ کی نفی کو اپنے مابعد کی طرف کھینچ لیتا ہے اور اس کے بعد ان پوشیدہ ہوتا ہے' یذر ایک ایسا مضارع ہے' جس کا نہ مصدر ہے نہ ماضی' نہ اسم فاعل وغیرہ صرف مضارع اور امر ہی آتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وذروا البیع:** یذر اصل میں یوذر تھا' واؤ صرف یدع کی مشابہت سے گرا' ورنہ چونکہ یہاں واؤ کے بعد کسرہ نہیں ہے' اس لئے واؤ گرنا چاہئے ہی نہ تھا۔ خیال رہے کہ یدع اصل میں یودع تھا دال کے کسرہ سے اور دال کو اس لئے فتح دیا گیا ہے کہ اس کلام کلمہ حرف حلقی ہے' حرف حلقی کے ماقبل کو فتح دے دیا جاتا ہے جیسے یسع یقع اور یطا میں یطؤ میں لام کلمہ ر' ہے (روح المعانی) یہ قاعدہ خیال میں رہے' بہت کام آئے گا علی ما انتم علیہ جار مجرور لیذر کے متعلق ہے' ما سے مراد کافر و مومن کا خلط ملط ہے' ظاہر یہ ہے کہ انتم میں خطاب منافقین سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں سے ہو بطریق التفات یا منافقین و مخلصین سب سے ہو یعنی ایسا نہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اسی گڈمڈ حالت میں چھوڑ دے' جس حالت میں اے منافقین تم اب ہو کہ مخلصین سے گھلے ملے ہو بالکل پہچانے ہی نہیں جاتے **حتی یمیز الخبیث من الطیب:** حتی سے پہلے ایک جملہ پوشیدہ ہے بل یقدر الامور ما بل یرتب الاسباب' حتی اسی یقدر یا یرتب کے متعلق ہے' ہماری قراء

ت میں یمیز بروزن یبیع ہے 'ماز یمیز' میزا' کا مضارع مگر امام کسائی و حمزہ کی قرات میں یمیز باب تفعیل سے ہے تمییز کا مضارع امام واحدی فرماتے ہیں کہ اگرچہ یمیز اور یمیز بابوں میں مختلف ہیں مگر معنی میں کوئی فرق نہیں 'لیکن ابو عمر کہتے ہیں کہ باب تفعیل میں کثرت اور شدت کے معنی ہیں 'خیال رہے کہ امتیاز 'تمیز دونوں میز سے بنے بمعنی علیحدگی اصطلاح میں میز کے معنی ہیں **الفصل بین المتشابهات** جیساکہ غیاث میں ہے یعنی ملتی جلتی چیزوں کو الگ الگ کردینا 'خبیث سے مراد منافقین ہیں اور طیب سے مومنین 'اگرچہ منافقین و مومنین کی تعداد بہت زیادہ تھی 'مگر یہاں نوعیت کی وجہ سے ان دونوں کو واحد لایا گیا 'یعنی رب تعالیٰ اسباب و واقعات پیدا فرماتا رہے گا 'یہاں تک کہ منافقین کو مخلصین سے پورا پورا چھانٹ دیگا 'خیال رہے کہ اس چھانٹ میں مومنین تو اپنے حال میں رہیں گے 'منافقوں کا حال بدلے گا 'ان کو بین بین کر نکالا جائے گا 'اس لئے خبیث کو یمیز کا مفعول بنایا گیا 'ردی چیزیں کھری میں سے نکال کر پھینکی جاتی ہیں 'وہ چھانٹنے والے اسباب کیا ہیں 'غزوات کی مصائب 'تکالیف جس سے منافقین گھبرا جاتے ہیں اور مومنین مطمئن رہتے ہیں اور مسلمانوں کی فتوحات ہیں جنہیں دیکھ کر مسلمان خوش ہوتے ہیں 'منافقین جلتے ہیں **وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب**: ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے 'واؤ ابتدائیہ 'اس سے مخلصین و منافقین کے ممتاز کرنے کا طریقہ ارشاد ہوا ماکان کی تفسیر و ترکیب وہ ہی ہے جو ابھی **ما کان اللہ لیذر** میں گزر گئی '**یطلع** طلع سے بنا بمعنی چمکنا و ظاہر ہونا ہے 'اسی سے طلوع ہے کہ سورج طلوع ہو کر چمکتا و ظاہر ہوتا ہے 'اطلاع باب افعال سے ہو یا افتعال سے معنی ہوتے ہیں ظاہر کرنا 'خبردار کرنا 'چونکہ اس میں تسلط کے معنی بھی ہیں 'اسی لئے اسکے بعد علیٰ آتا ہے 'غیب کی تعریف و تقسیم نیز غائب و غیب کا فرق نیز علم غیب و علم بالغیب میں فرق شروع پارہ الم میں عرض کیا گیا 'یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس جگہ غیب سے مراد وہ غیب ہے جو دلائل سے بھی معلوم نہ ہو سکے جیسے آئندہ کے واقعات 'لوگوں کے دل کے حالات 'جو رب تعالیٰ کا علم ہے جسے علوم خمسہ کہا جاتا ہے 'وہ غیب جو دلائل سے معلوم ہو جائے 'جیسے رب تعالیٰ کی ذات و صفات 'یہ تو لوگوں کے دلائل کے ذریعہ بتایا گیا 'اسی غیب کے جاننے پر ایمان موقوف 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **یومنون بالغیب** لہٰذا یہ آیت واضح ہے 'یہاں کم میں خطاب عام لوگوں یا عام مسلمانوں سے ہے 'اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں جیساکہ اس آیت کے مضمون سے واضح ہے یعنی اے مسلمانو! خبیث و طیب منافق و مخلص میں فرق اس طرح نہ ہو گا کہ تم عوام کو رب تعالیٰ غیب پر مطلع کردے 'جس سے تم سب لوگ لوگوں کے دلی حالات 'دماغی خیالات 'اخلاص و نفاق ایمان و کفر معلوم کرلیا کرو 'بلکہ اس چھانٹ کا طریقہ یہ ہو گا کہ **ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء**: لکن حرف استدراک ہے یعنی گزشتہ جملہ سے وہم کا دفع کرنا 'یہ ایسے دو جملوں کے بیچ میں آتا ہے جن کے مضامین مختلف ہوں 'پہلے جملہ سے وہم پیدا ہو 'دوسرے جملہ سے دفع ہو جائے لکن کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے جملہ میں جس چیز کی نفی ہو گی 'دوسرے میں اس کا ثبوت ہو گا 'جیسے میرے پاس زید نہ آیا لیکن عمرو آیا 'چونکہ **ما کان اللہ** سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بھی علم غیب نہ دیا 'اس وہم کو دفع فرمانے کیلئے یہاں لکن ارشاد ہوا 'اور اس جملہ میں اپنے حبیب کیلئے اسی غیب کی عطاء کا ذکر کیا گیا جسکی دوسروں سے نفی کی گئی تھی '**یجتبی**' **جبی** سے بنا جسکے معنی ہیں حوض میں پانی جمع کرنا 'کہا جاتا ہے **جبیت الماء** میں نے پانی حوض میں جمع کیا 'اسی لئے حوض کو جابیہ کہتے ہیں جس کی جمع جواب آتی ہے 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **جفان کالجواب**' **اجتباء** کے معنی ہیں فیوض ربانی جمع کرنے کیلئے کسی کو چن لینا 'تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ **اجتباء**' **اصطفاء**' **اختیار** ہم معنی ہیں 'اسی روح المعانی

میں ہے کہ **من رسلہ** میں من ابتدائیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ کیونکہ رب تعالیٰ نے سارے ہی رسولوں کو علم غیب بخشا ہے' اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ علم بالکل ظاہر ہے کیونکہ آپ رسولوں کے سردار ہیں' اور سارے رسول علم غیب کیلئے چنے جاچکے ہیں تو آپ کے علم کا کیا پوچھنا' اور ہو سکتا ہے کہ **من** تبعیضیہ ہو' اور مطلب یہ ہو کہ خاص غیوب کیلئے خاص رسولوں کا انتخاب ہو چکا ہے' ان میں ہمارے یہ حبیب بھی ہیں' اسی روح المعانی میں اسی جگہ پر بھی ہے کہ بعض اہل کشف اولیاء اللہ بھی غیوب پر مطلع کئے جاتے ہیں مگر نبی کے واسطے سے نہ کہ استقلالاً اور یہاں بلا استقلال مراد ہے' لہٰذا آیت صاف ہے' حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کے مورث ہیں' اور اولیاء اللہ ان کے وارث (روح المعانی) تفسیر کبیر نے یہاں فرمایا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ لوگوں کے اندرونی حالات و خیالات پر انکے ایمان و نفاق پر تم سب کو مطلع نہ کریگا تاکہ تم رسول سے مستغنی ہو جاؤ' بلکہ رب تعالیٰ ان باتوں کی اطلاع اپنے حبیب کو دیگا اور وہ تمہیں بتائیں گے (تفسیر کبیر) جب یہ بات ہے کہ تم ہر بات میں قدم قدم پر رسول کے محتاج ہو تو **فامنوا باللہ ورسلہ** یہاں ایمان سے مراد اخلاص والا ایمان مراد ہے نہ کہ نفاق والا اور ظاہر یہ ہے کہ خطاب مخلص مومنوں سے ہے' کیونکہ **لیطلعکم** میں بھی خطاب انہی سے تھا' تو ایمان لانے سے مراد ہے ایمان پر قائم رہنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یایھا الذین امنوا** **امنوا** اور ہو سکتا ہے کہ خطاب سارے ہی لوگوں کو ہو' مومن' کافر' منافق اور معنی یہ ہوں کہ اللہ رسول کی ہر بات مان لیا کرو' جسے وہ مخلص بتائیں اسے مخلص مانو اور جسے منافق فرمائیں اسے منافق جانو' رسل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' چونکہ آپ تمام رسولوں کی صفات کے جامع ہیں' نیز آپ پر ایمان سب پر ایمان لانا ہے' اس لئے آپ کو رسل جمع فرمایا گیا (روح المعانی) **وان تومنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم**: ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب بھی مخلصین صحابہ سے ہو تو ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے سے مراد ان دونوں صفات پر قائم رہنا ہے کیونکہ سارے صحابہ مومن و متقی تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یایھا النبی اتق اللہ** اے نبی اللہ سے ڈرو یعنی اس پر قائم رہو اور ہو سکتا ہے کہ اس میں خطاب منافقین و کفار سے ہو' خیال رہے کہ گزشتہ آیتوں میں منافقین کیلئے عذاب عظیم' عذاب الیم اور عذاب مہین کی خبر دی گئی' یہاں ان سب کے مقابلہ میں اجر عظیم کی خبر ہے' جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کفر و نفاق پر مرو گے تو وہ سزائیں پاؤ گے' جن کا ذکر ہو چکا اور اگر ایمان و تقویٰ پر مرو گے تو یہ ثواب پاؤ گے۔

خلاصہء تفسیر: اے مسلمانو! یہ خیال نہ کرنا کہ جہاد اور اس کی تکالیف و دیگر حادثات و آفات یونہی بیکار نمودار ہوتے رہتے ہیں' ان میں بہت سی حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ منافق و مخلص خلط ملط' ملے جلے نہ رہیں' بلکہ ایک دوسرے سے چھٹ جائیں کہ جو ان آفتوں میں صابر و شاکر رہے وہ مخلص مومن ہو اور جو ان حالات سے گھبرا کر واویلا شروع کر دے اس کا نفاق کھل جائے' خیال رکھو کہ رب تعالیٰ مومنوں کو اس خلط ملط کی حالت میں رہنے دیگا نہیں' جس پر کہ اب ہیں' بلکہ ایسے حادثات اور واقعات اور بھی پیدا فرمائیگا جن سے لوگوں کی چھانٹ ہو جائے گی کہ رب تعالیٰ اس ذریعہ سے گندے کو ستھرے سے' منافق کو مخلص سے' خبیث کو طیب سے صاف الگ کر دیگا' اگر اس چھانٹ کی پوری وجہ نہ تو یہ واقعات ہوں گے' اور نہ یہ وجہ ہو گی کہ تم سب کو علم غیب پر مطلع کر دیا جائے' جس سے تم سب ہر ایک کے دلی اخلاص اور نفاق کو جان لو' بلکہ اس کام کیلئے قانون قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو منتخب کرتا ہے' انہیں غیوب کی خبریں دیتا ہے' جس سے وہ لوگوں کے دلی حالات' ہر ایک کے کفر یا ایمان بلکہ مومنین کے ایمانی درجات اور کفار کے کفر مراتب سے خبردار ہوتے ہیں پھر وہ رسول جسے چاہیں اس کے

ایمان و کفر پر مطلع کردیں' چنانچہ دیکھ لو کہ آقائے دو جہاں نے بشارتیں دے دیں کہ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں' صدیق و فاروق جنت میں میرے ساتھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ رسولوں کا انتخاب اس لئے ہے کہ تاکہ تم کبھی بھی ان سے مستغنی و بے نیاز نہ ہو سکو اپنا حال بھی ان سے پوچھو' دوسروں کا حال بھی ان سے پوچھو' بیماری ہوتی تو ہے مریض کے جسم میں مگر بتاتا ہے طبیب' لہٰذا تم رسول اللہ پر ایمان لاؤ اور انہی پر ایمان رکھو کہ جسے وہ مخلص یا جنتی فرمائیں' اسے مخلص و جنتی مانو' اور جسے وہ منافق یا جہنمی بتائیں' اسے ویسا ہی مانو' ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کئے رہو تو تمہیں بہت بڑا ثواب ملے گا جو تمہارے وہم و گمان سے ورا ہو گا اس نعمت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: زمانہ رسالت ہی میں مخلصین و منافق کی چھان ہو گئی تھی کہ کوئی منافق صحابہ پر چھپا نہ رہا تھا' جیسا کہ حتی یمیز سے معلوم ہوا' بلکہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے بر سر منبر فرمایا تھا کہ فلاں فلاں منافق ہے' دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول' اب جو شخص کہے کہ سوائے چار پانچ کے باقی سارے صحابہ چھپے منافق تھے بجن کا نفاق حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ سیدنا علی کے مقابلہ میں خلافت کے دعویداروں یا دعویداروں کے طرفدار بن گئے وہ خود منافق ہے' اور اس آیت کا صاف انکاری ہے' کیسے ہو سکتا ہے' کہ رب تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات تک اس بات کو صاف نہ کردیں۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو قیامت تک کے ہر شخص کے ہر حال کی خبر دے دی' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ہر ایک کا ایمان و کفر اور گنہگاری و پرہیزگاری اچھی طرح جانتے ہیں' تمام عالم کے ایمان کی نبض پر حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا ہاتھ ہے' جیسا کہ ولکن اللہ سے معلوم ہوا۔

اک ماہ بدن' گورا سا بدن' نیچی نظریں' کل کی خبریں!

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں آیت ویکون الرسول علیکم شھیدا کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ہر ایک کے ایمان و اعمال کے مدارج کو جانتے ہیں' تب ہی تو آپ قیامت میں سب کی گواہی دیں گے' اس کی نہایت نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ساری خلق کی ایسی پوشیدہ باتوں میں مطلع فرمایا ہے جو دوسروں کو نہیں معلوم ہو سکتیں' دیکھو سیدنا عبداللہ کے باپ حذافہ ہی ہیں نہ کہ کوئی اور' اور یہ ایسی بات ہے جو عبداللہ کی ماں کے سوا کوئی نہیں جان سکتا' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم باذن پروردگار اس پر بھی مطلع ہیں' حدیث شریف میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد عبداللہ کی والدہ اپنے بیٹے عبداللہ پر بہت ناراض ہوئیں اور بولیں کہ تم نے آج مجھے بدنام کر دیا تھا' اگر زمانہ جاہلیت میں میں نے کوئی جرم کیا ہوتا تو آج میں بھرے مجمع میں کیسی رسوا ہوتی: ہم لوگوں نے دور جاہلیت میں بڑے بڑے گناہ کئے ہیں' ان سے پوچھ پوچھ کر ہمارے پردے فاش کراتے ہو! میرے ایک دوست حاجی عبداللطیف ایوب بھورانے جو میرے شیخ الدلائل بھی ہیں' ایک شعر بہت وجد آفریں فرمایا ہے' عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ۔

غریق بحر عصیاں بندۂ عبداللطیف　　پردہ عیبوں پہ مرے ستار رہنے دیجئے

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

دامن میں چھپا لو مجھے دامن میں چھپا لو! پردہ مرے عیبوں کا نہ کھل جائے محمد
خدا مطلع ساخت برجملہ غیب علی کل شئی خبیر آمدی!
نیامد مثال تو در دو جہاں نذیر آمدی بے نظیر آمدی!

چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار کرنا یا اس کا مذاق اڑانا منافقوں کا کام ہے' جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا' ام المومنین عائشہ صدیقہ اور تمام صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں' چنانچہ ام المومنین نے ایک سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ کوئی ایسا شخص بھی ہے' جس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہوں؟ فرمایا ہاں وہ عمر ہیں' یہ سوال اسی سے ہو سکتا ہے جسے ہر شخص کی ہر کھلی چھپی نیکی کی بھی خبر ہو' اور آسمان کے تاروں کی گنتی کی بھی خبر ہو۔ **پانچواں فائدہ:** تمام رسولوں پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے' جیسے خدا تعالیٰ پر ایمان لانا جیسا کہ **فامنوا باللہ ورسلہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا انکار کر کے' ایمان کا دعویٰ غلط ہے' دیکھو منافقین نے اس علم ہی کا تو انکار کیا تھا' رب تعالیٰ نے فرمایا **فامنوا باللہ** **ساتواں فائدہ:** ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جیسا کہ **وان تومنوا وتتقوا** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ مومنوں کو ثواب ان کی شان کے لائق نہ دیگا' بلکہ اپنی شان کریمی کے لائق عطا فرمائے گا جو ان کے وہم و گمان سے وراء ہو گا' جیسا کہ **اجر عظیم** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر میں تعارض ہے' تمہارے پہلے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد' تکالیف اور مصیبتیں مخلص و منافق کی چھانٹ کا ذریعہ ہیں' اور آخری بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور آپ کی خبریں اس امتیاز کا ذریعہ ہیں' ان دونوں کلاموں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ حوادثات سے چھانٹ ان منافقوں کی ہوئی جو اس وقت موجود تھے' باقی تمام کی پہچان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے' کلی جزئی پہچانوں میں فرق ہے' دوسرے یہ کہ علامات سے پہچان ظنی ہوتی ہے' مگر سرکار کے فرمان سے یقینی' لہٰذا دونوں باتیں صحیح ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن کریم فرماتا ہے **لا تعلمهم نحن نعلمهم** اے محبوب منافقوں کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں' جس سے معلوم ہوا کہ منافقوں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے خبر تھے' پھر آپ لوگوں کو ان سے خبردار کیسے کر سکتے ہیں؟

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں' ایک یہ کہ تمہاری پیش کردہ آیت اس زمانہ کی ہے' جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم نہیں دیا گیا تھا' پھر بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا علم دیا گیا' رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **ولتعرفنهم فی لحن القول** آپ انہیں گفتگو کے لہجوں سے پہچان لیتے ہیں' لہٰذا دونوں آیات درست ہیں ان آیات کے موقعہ مختلف ہیں' مگر یہ جواب کچھ ضعیف سا ہے' کیونکہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ازل ہی میں دنیا بھر کے بعض منافق مومن دکھا دیئے گئے تھے اور آپ اول ہی سے سب کو پہچانتے ہیں' دوسرا یہ کہ **لا تعلمهم** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ عام قرآن خواں مسلمان سے' یعنی اے مسلمان ان

منافقوں کو تو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں تاکہ آیات متعارض نہ ہوں۔ تیسرا یہ کہ **لا تعلمهم** میں حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ہی سے خطاب ہے ' مگر اس کا مقصد حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے علم کی نفی نہیں بلکہ منافقوں پر اظہار غضب ہے ' بلا تشبیہ باپ نالائق بیٹے کو مارنے لگے ' ماں سفارش کرے ' تو باپ کہتا ہے کہ اس موذی کو تم نہیں جانتیں ' اسے تو میں ہی جانتا ہوں ' حالانکہ ماں اسکی نالائقی کو جانتی ہے ' مقصد یہ ہوتا ہے کہ تم اسے چھوڑ دو مت ' میں ضرور سزا دونگا ایسے ہی یہ بھی ہے ' لہٰذا آیات میں تعارض نہیں ' یہ جواب قوی ہے اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو لوگوں کے انجام و آغاز پر مطلع فرمایا ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم منافقوں کے موجودہ حالات سے بے خبر ہوں ' اسکی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں غیب پر اطلاع نہیں بخشتا ' مگر بغیر غیب جانے ایمان نہیں ملتا ' رب تعالیٰ کی ذات و صفات ' فرشتے ' جنت و دوزخ ' قیامت وغیرہ سب ہی غیب ہیں ان سب ہی پر ایمان لانا ضروری ہے ' بغیر غیب جانے ماننا اور ایمان لانا کیسا؟؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ غیب دو قسم کے ہیں ' ایک قسم کے غیب پر ایمان لانا ضروری ہے ' ہر مومن کو اس کی اطلاع دی گئی ' دوسرا وہ جو رب تعالیٰ کا خاص غیب ہے ' اس پر ایمان لانا ضروری نہیں ' نہ انکی اطلاع عام مسلمانوں کو دی گئی ' آیات ثبوت میں اول قسم کا غیب مراد ہے ' اور آیات نفی میں دوسری قسم کا غیب مراد۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ رسولوں کو چن لیتا ہے ' اس میں یہ کب فرمایا گیا کہ انہیں علم غیب بھی دیتا ہے ' آیت میں رسولوں کو علم غیب دینے کا بالکل ذکر نہیں۔ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ لکن اس چیز کا ثبوت کرتا ہے جسکی پہلے نفی ہوئی ہو ' جبکہ پہلے علم غیب دینے کی نفی ہوئی ' جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید **لیطلعکم** کے خطاب میں حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم بھی داخل ہوں ' اور آپ کو بھی علم غیب نہ دیا گیا ہو تو ارشاد ہوا **ولکن اللہ** لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے ' کاہے کیلئے منتخب کیا بلانے اور دعوت دینے کیلئے ' نہ کہ دوسرے کام کیلئے ' لہٰذا یہ چننا عطائے علم غیب کیلئے ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عطائے علم غیب کیلئے صرف رسولوں کا انتخاب ہوتا ہے ' تو کیا اولیاء کو غیب نہیں سکھایا بتایا جاتا؟؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر روح المعانی نے اسی جگہ یہ دیا ہے کہ قوت قدسیہ والے اہل کشف کو بھی غیوب پر مطلع فرمایا جاتا ہے ' مگر وہ بواسطہ نبی ہوتا ہے نہ کہ بلاواسطہ ' یہاں بلاواسطہ علم غیب کیلئے انتخاب کا ذکر ہے لہٰذا یہ آیت کریمہ علم اولیاء کے خلاف نہیں ' اولیاء اللہ کا علم غیب قرآنی آیات سے ثابت ہے ' دیکھو ہماری کتاب **جاء الحق** حصہ اول۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کھیت میں دانہ ' بھوسہ ' گھاس ' درخت خاردار اور باردار یکجا ہوتے ہیں سب ہی پانی لیتے دھوپ و ہوا کھاتے ہیں ' مگر ایک دن آتا ہے کہ مالک گھاس خار وغیرہ کو کاٹ کر باہر پھینک دیتا ہے ' کھیت میں خالص پودے چھوڑ دیتا ہے ' پھر دوسرا وقت آتا ہے کہ خود پودے کے دانہ بھوسے سے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں ' ایسے ہی دنیا میں مخلص منافق ' کافر رلے ملے بس رہے ہیں ' رب تعالیٰ کی ربوبیت سے سب ہی فائدہ اٹھا رہے ہیں ' مگر اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیج کر مومن و کافر میں عملی ' قولی چھانٹ کر دی ' منافقوں کی بھی قولی چھانٹ کر کے مخلصوں کو ان سے آگاہ کر دیا ' پھر قیامت میں ان تینوں جماعتوں کی ایسی چھانٹ ہو گی کہ سبحان اللہ! کافر و منافق تو دوزخ میں پھینکے جائیں گے اور مخلص مومن جنت میں رکھے

ہی بس نہیں ہوگی بلکہ **ونقول ذوقوا عذاب الحریق** اگرچہ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے کہیں گے لہٰذا گویا رب تعالیٰ ہی فرمائے گا' **ذوق** کے معنی ہیں چکھنا' کبھی یہ لفظ کمی بیان کرنے کیلئے آتا ہے' کہا جاتا ہے میں نے کھایا نہیں صرف چکھا ہے' کبھی انتہائی شدت بیان کرنے کیلئے' کہا جاتا ہے کہ اپنے کئے کا مزا چکھ' یہاں دوسرے معنی میں ہے' یہ فرمان یا تو ان کے مرتے وقت ہوگا یا قبر میں جاکر یا محشر میں پہنچ کر یا دوزخ میں داخل ہوکر (تفسیر کبیر) **حریق حرق** سے بنا' بمعنی جلنا' جلانا اور جلن' یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں' آگ کو بھی حریق کہتے ہیں کہ وہ جلانے والی ہے (از غیاث) خیال رہے کہ کفار کو مرتے وقت اور قبر میں بلکہ محشر میں بھی آگ کا عذاب ہوگا اور دوزخ میں پہنچ کر آگ میں عذاب ہوگا۔ لہٰذا **عذاب حریق** ہر جگہ صادق آئے گا **ذلک بما قدمت ایدیکم** یہ نیا جملہ ہے جو پچھلے جملہ کی وعیدوں کی وجہ بیان فرما رہا ہے **ذلک** سے اشارہ ہے قول کی طرف ہے یا ذوق کی طرف یا عذاب کی جانب یا حریق کی طرف ب سببیہ ہے ما مصدریہ' اور قدمت تقدیم سے بنا' بمعنی آگے بھیجنا یا آگے کرنا' اگرچہ کفار سارے ہی اعضاء سے گناہ کرتے ہیں مگر چونکہ زیادہ تر گناہ ہاتھوں سے ہوتے ہیں اس لئے یہاں ایدی کا ذکر فرمایا' نیز کبھی ید یا وجہ بول کر پوری ذات مراد لیتے ہیں یعنی ہمارا یہ فرمان عذاب یا تمہارا عذاب کا چکھنا یا عذاب یا آگ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم دنیا کی زندگی میں پہلے بھیج چکے ہو' تمہارے گناہوں کے سارے پارسل ہمارے پاس محفوظ ہیں **وان اللہ لیس بظلام للعبید** واؤ عاطفہ ہے' اور یہ جملہ **ما قدمت** پر معطوف **ظلام** مبالغہ کیلئے نہیں بلکہ نسبت کیلئے ہے یعنی ظلم والا جیسے تمار چھوہاروں والا ابن مالک نحوی کہتے ہیں۔

ومع فاعل وفعال فعل فی نسب اغنی عن الیا فقبل

(صاوی)

یعنی محض گناہوں پر سزا دینا' بغیر گناہ کسی کو نہ پکڑنا' اس لئے ہے کہ پروردگار بندوں پر ظلم نہیں فرماتا جو خود ہی سزا کا مستحق بن جائے اسے سزا دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب انور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق بالکل سچے ہیں' یہ فنحاص کی جو بکواس بیان فرما رہے ہیں درست ہے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا یہ قول سن لیا' جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے ہم غنی ہیں اس لئے وہ ہم سے قرض مانگتا ہے' فقیر غنی سے قرض مانگا کرتے ہیں' جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ بھی' اور جو یہ لوگ گزشتہ زمانہ میں نبیوں کو ناحق قتل کر چکے وہ بھی ہم لکھ رکھیں گے' انکی یہ تحریر ہمارے ہاں محفوظ رہے گی۔ نہ ضائع ہوگی نہ تبدیل' جب یہ ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو ہم بلاواسطہ یا فرشتوں کے ذریعہ انہیں فرمائیں گے کہ اب اپنے جرموں کی سزا میں آگ کا عذاب خوب چکھو۔ انہیں جرموں پر آخرت میں سزا دینا' ان اعمال بد کی وجہ سے ہوگا' جو وہ دنیا میں کر چکے تھے اور بغیر جرم سزا نہ دینا اور مجرم کو فوراً نہ پکڑنا توبہ کیلئے بہت ڈھیل دینا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا' وہ عدل و فضل ہی فرماتا ہے' لہٰذا اس کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہئے اللہ تعالیٰ نے ان یہود کو عذاب حریق کا کچھ مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا کہ یہ متکبر مالدار یہود مدینہ طیبہ سے جلاوطن کرکے دربدر پھرائے گئے' اور وہ فقراء غرباء مسلمین جنہیں یہ نظر حقارت سے دیکھتے تھے' تخت و تاج' ملک و دولت کے مالک بنا دیئے گئے' جس سے انکے دل جلتے تھے مگر کچھ نہ کر سکتے تھے یہ تو دنیا کی جلن ہے' آخرت کی جلن اور زیادہ ہوگی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: حضرت ابو بکر صدیق بارگاہ الٰہی میں بڑے درجہ و منزلت والے ہیں کہ رب تعالیٰ انکی حقانیت کی گواہی دیتا ہے' دیکھو اس مقدمے میں جو بارگاہ نبوی میں پیش ہوا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدعی' رب تعالیٰ صدیق اکبر کا گواہ' مگر یہ گواہی ایسی ہے جیسے بادشاہ اپنے قاضی کی کچہری میں اپنے کسی رعایا کی گواہی دے' اس سے حاکم یا مدعی کا درجہ بادشاہ سے نہ بڑھ جائے گا' بادشاہ بادشاہ ہے قاضی اس کا ملازم۔ دوسرا فائدہ: مسلمانوں یا اسلام یا آیات قرآن کا مذاق اڑانا بد ترین جرم ہے کہ رب تعالیٰ نے اسے قتل انبیاء کے ساتھ بیان فرمایا اور ان دونوں جرموں کی سزا ایک بیان فرمائی' رب تعالیٰ کو عزت انبیاء بڑی پیاری ہے کہ جو ان کی تعظیم کرے وہ رب تعالیٰ کا پیارا ہے' جو ان کی توہین کرے' رب تعالیٰ کے ہاں مردود ہے۔ تیسرا فائدہ: رب تعالیٰ کے شان میں برا لفظ استعمال کرنا کفر بلکہ بد ترین کفر ہے' دیکھو رب تعالیٰ کو فقیر کہنا کفر قرار دیا گیا' اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو اولیاء اللہ کو فقیر کہنا سخت بے ادبی ہے' اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الفقر فخری** کہ فقر میرا فخر ہے' مگر لفظ فقیر برا لگتا ہے' اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ بولو' دیکھو رب تعالیٰ کو زارع کہہ سکتے ہیں' حارث نہیں' **ام نحن الزارعون** یوں ہی رب تعالیٰ کو حکیم کہہ سکتے ہیں' شافی الامراض کہہ سکتے ہیں' طبیب نہیں کہہ سکتے' کہ حارث پیشہ ور کسان کو اور طبیب پیشہ ور حکیم کو کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ کیلئے یہ لفظ موزوں نہیں' اس کی مکمل بحث ہمارے فتوی میں ملاحظہ فرمایئے۔ چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنے کو غنی کہنا حرام بلکہ کفر ہے' جیسا کہ **نحن اغنیاء** سے معلوم ہوا' انسان کتنا ہی غنی و مالدار ہو' مگر اللہ رسول کے دروازے کا فقیر ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اللہ الغنی وانتم الفقراء** اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم سب اسکے فقیر اور فرماتا ہے **اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ** انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیا' معلوم ہوا کہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقیر ہیں' مقناء ان کے دروازہ کی بھیک ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

چونکہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا انہیں دعائیں دو' کہ فقیر غنیوں کو دعائیں دیکر ہی بھیک مانگتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: فرشتے بارگاہ الٰہی میں بڑے مقبول بندے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکے کام کو اپنا کام فرمایا' دیکھو نامہ اعمال لکھنا فرشتوں کا کام ہے' مگر رب تعالیٰ نے فرمایا **سنکتب** ہم لکھ رکھیں گے' اسکا عکس بھی ثابت ہے' حضرت جبریل نے بی بی مریم علیہما السلام سے عرض کیا **لاھب لک غلاما زکیا** تاکہ میں تمہیں ستھرا بیٹا بخشوں' دیکھو بیٹا دینا رب تعالیٰ کا کام ہے' مگر حضرت جبریل فرماتے ہیں میں بیٹا دوں گا' عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ باذن پروردگار میں مردے زندہ' کوڑھے' اندھے اچھے کرتا ہوں۔ چھٹا فائدہ: گناہ سے راضی ہونا' گناہگار کی حمایت کرنا بھی گناہ ہے' دیکھو موجودہ بنی اسرائیل نبیوں کے قاتل نہ تھے' مگر چونکہ وہ قاتلوں کے حامی تھے' اس لئے انہیں بھی قاتلوں کی صف میں رکھا گیا' یہاں تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی نے امام شعبی کے پاس بیٹھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ بیان کیا اور قاتلین کی تعریف کی تو امام شعبی نے فرمایا تو بھی خون عثمانی میں شریک ہو گیا اور یہ آیت تلاوت کی **فلم قتلتموہ** دیکھو ان قاتلین اور ان قائلین میں سات سو برس کا فاصلہ تھا' مگر قائلین کو قاتلین فرمایا گیا' آج جو بد نصیب قتل حضرت عمر یا قتل عثمان یا قتل حسین پر خوشی منائے یا قاتلوں کی حمایت کرے وہ بھی قاتلین کے زمرہ میں شامل ہے۔ (تفسیر کبیر) ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ بغیر جرم کسی کو دوزخ

جائیں گے" اس آیت میں دنیاوی ایک چھانٹ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت مومن و منافق میں قوی چھانٹ کروی جائیگی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بلکہ آپ کا نام شریف آج تک مومن و منافق میں چھانٹ کا ذریعہ ہے کہ آج بھی ان ہی کا نام مومن و منافق میں باعث فرق ہے۔

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے　　تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

جو کسوٹی پر سیاہ رو ہو جائے وہ سونا کھوٹا ہے جو کسوٹی پر سرخ رو رہے ہیں وہ ہی اصلی سونا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سن کر سیاہ رو ہو جائے وہ منافق ہے' جو ان کی تعریف پر کھل جائے وہ مومن مخلص ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یار کا راہ طے کرنے کیلئے ایمان و تقویٰ کے قدم ضروری ہیں' گو ایمان و تقویٰ بغیر وسیلہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میسر نہیں ہوتا' حقائق و احوال کے غیب صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کھلتے ہیں' اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب۔

حقا کہ بے متابعت سید رسل　　ہرگز کے بمنزل مقصود رہ نہ یافت

از ہیچ او بہ ہیچ درے رہ نمے وہند　　آں را کہ ز آستانہ او روئے دل بتافت

دوزخ کے بحرنار سے گزرنے کیلئے توحید کی کشتی قرآن کی رسی' نماز کی میزان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کشتی بان چاہئیں' ان کے بغیر وہ دریا عبور ہونا غیر ممکن ہے' مسلمان کو چاہئے کہ زندگی کی ساعات رب تعالیٰ کی طاعات میں گزار دے' موت و فوت سے پہلے آخرت کیلئے توشہ تیار کرے بعد موت سوائے افسوس کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اگر مردہ مسکیں زباں داشتے!　　بفریاد و زاری فغاں داشتے

کہ اے زندہ ہست امکان گفت　　لب از ذکر چوں مردہ برہم مخفت

چو مارا بغفلت بشد روزگار　　تو باری دمے چند فرصت شمار

دنیا میں مومن و مخلص میں فرق اقوال یا افعال سے ہوتا ہے' آخرت میں فرق چہرے کی سفیدی و سیاہی سے ہوگا کہ اس دن دل کا حال چہرے پر ظاہر ہوگا (از روح البیان مع زیادۃ)۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا
اور ہرگز نہ گمان کریں وہ لوگ جو کنجوسی کرتے ہیں اس میں جو اللہ نے انہیں دی اپنے فضل سے اس کو
اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ
لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اپنے لئے اچھا بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے عنقریب طوق ڈالے جائیں گے اپنی بخل کی ہوئی چیز کا قیامت کے دن
سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا ہار ہوگا اور

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ ہی کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور اللہ اس پر خبردار ہے جو تم کرتے ہو

اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مومن و منافق کی دنیاوی چھانٹ کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں ان کی اخروی چھانٹ کا ذکر ہے کہ مومن عموماً" سخی ہوتا ہے منافق عموماً" بخیل تو قیامت میں عموماً" منافق کے گلوں میں انکے مال بطور ہار پڑے ہوں گے' مومنین کے گلے کھلے ہوں گے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں لوگوں کو ایمان و تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا اب زکوۃ و خیرات کا حکم دیا جا رہا ہے جو تقویٰ کا رکن اعلیٰ ہے گویا اجمال کے بعد قدرے تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو جہاد کی رغبت متعدد طریقوں سے دی گئی' جہاد میں جان راہ خدا میں ہی خرچ کی جاتی ہے' اب راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ہے گویا جانی جہاد کے بعد مالی جہاد کا حکم ہے۔ **چوتھا تعلق:** بہت دور سے جہاد کی ترغیب اور جہاد نہ کرنے والوں کی برائیوں کا ذکر چلا آرہا ہے' اور جہاد میں پہلے مال خرچ کیا جاتا ہے' ہتھیار وغیرہ خرید کئے جاتے ہیں' پھر جان کے خرچ کی باری آتی ہے' اسی لئے اب ان لوگوں کی مذمت کا تذکرہ ہے جو ایسے موقعوں پر بخل سے کام لیتے ہیں۔

شان نزول: حضرت امام جعفر صادق و ابن مسعود' شعبی' سدی وغیرہم فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان مالدار مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی جو زکوۃ نہیں دیتے یا کم دیتے ہیں' پوری نہیں دیتے' ابن جریر ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ یہ آیت ان علمائے یہود کے متعلق نازل ہوئی' جو توریت کی وہ آیات چھپاتے تھے جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں انہیں بیان کرنے میں بخل کرتے تھے (تفسیر روح المعانی و تفسیر خازن)

تفسیر: **ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ:** ہماری قراءت میں **لا یحسبن** ی سے ہے' اسکا فاعل یا تو رسول اللہ علیہ وسلم ہیں یا ہر قرآن کا پڑھنے والا' اور **الذین** سے پہلے بخل پوشیدہ ہے یہ سب مل کر **یحسبن** کا پہلا مفعول ہے' **ھو** ضمیر فصل ہے' **خیرا لھم** مفعول دوم یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن پڑھنے والا مسلمان ان کنجوسوں کے بخل کو ان کیلئے بہتر ہرگز نہ سمجھیں' یا **لا یحسبن** کا فاعل **الذین** مع صلہ کے ہے' اور اس کا پہلا مفعول یعنی **بخلھم** پوشیدہ ہے کیونکہ **یبخلون** اس پر صاف دلالت کر رہا ہے' ایسی دلالت پر افعال قلوب کا مفعول پوشیدہ ہو سکتا ہے اور **خیرا لھم** مفعول دوم یعنی یہ مذکور کنجوس لوگ اپنے بخل کو اپنے حق میں بہتر ہرگز نہ سمجھیں۔ (کبیر معانی وغیرہ) مگر حمزہ کی قراءت میں **لا تحسبن'** ت سے ہے' اور خطاب یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا قرآن پڑھنے والے سے' یعنی اے محبوب یا اے قرآن پڑھنے والے تم ان لوگوں کے بخل کو ان کے حق میں بہتر نہ سمجھو' ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد مالدار مسلمان ہیں' کیونکہ غریب مسلمان پر زکوۃ فرض نہیں' اور کافر شرعی احکام کا مکلف نہیں' نہ اس پر سخاوت واجب ہے' نہ بخل شرعاً" حرام' اور ہو سکتا ہے کہ الذین سے مراد علمائے یہود ہوں' اس صورت میں بخل سے علم کا بخل مراد ہو گا' **یبخلون' بخل** سے بنا' بخل جود

وسخاء کا مقابل ہے' بخل کے معنی ہیں روکنا' اصطلاح میں بخل یہ ہے وہاں سے مال وغیرہ کا روکنا جہاں سے مناسب نہ ہو' حقوق کا ادا نہ کرنا بھی بخل ہے' خواہ انسانوں کا حق ادا نہ کرے یا شریعت کا یا اللہ تعالیٰ کا' لہٰذا زکوۃ نہ دینے والا اپنے حاجتمند ماں باپ' بال بچوں' کل قرابت پر خرچ نہ کرنے والا نیز اپنے پر خرچ نہ کرنے والا بخیل یوں ہی بوقت ضرورت مسلمانوں پر خرچ نہ کرنے والا' جماعہ میں باوجود ضرورت کے صرف نہ کرنے والا بخیل' بما سے مراد یا تو مال ہے یا علم یا اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں' پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں' **من فضلہ** فرماکر اشارۃً دو باتیں ارشاد ہوئیں' ایک یہ کہ جسے جو کچھ ملا رب تعالیٰ کے فضل اسکی مہربانی سے ملا نہ کہ محض اپنے کمال سے' دوسرے یہ کہ جب رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں سب کچھ دیا ہے تو تم بخل کیوں کرتے ہو' اس کے دیئے سے اس کی راہ میں خرچ کرو **ھو خیرا لھم:** **ھو** ضمیر فصل ہے جو **لا یحسبن** کے دو مفعولوں کے درمیان واقع ہوئی **خیرا** اس کا دوسرا مفعول ہے' اس کی تنوین تحقیری ہے یعنی یہ ہرگز گمان نہ کرو کہ جو لوگ اللہ کے دیئے میں بخل کرتے ہیں' ان کا بخل ان کیلئے کچھ بھی اچھا ہے نہیں **بل ھو شرلھم:** **بل** اضراب کیلئے ہے یعنی پہلے کلام کی نفی اور مابعد کا ثبوت ہے **ھو** کا مرجع بخل ہے اور ہو سکتا ہے کہ اسکا مرجع بما ہو' شر' خیر کا مقابل ہے' جس کا انجام اچھا ہو وہ خیر ہے' جس کا انجام برا ہو وہ شر' اور شر کی تنوین تعظیم کیلئے ہے یعنی وہ بخل یا جس مال میں بخل کیا گیا' وہ مال ان بخیلوں کیلئے بہت ہی برا ہے **سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ** یہ جملہ **شرلھم** کا بیان ہے **یطوقون**' طوق سے بنا' جو چیز گلے میں ڈالی جائے وہ طوق ہے' خواہ قدرتی ہو' جیسے کبوتر کے گلے کا طوق یا مصنوعی جیسے ہار' ہنسلی وغیرہ بھی لازم چیز کو طوق کہہ دیا کرتے ہیں' کہا جاتا ہے قرض میرے گلے کا ہار بن گیا یا فلاں کا احسان میرے گلے کا طوق ہے' اس فعل میں ضمیر' ھم پوشیدہ ہے جو اس کا پہلا مفعول ہے اور **ما بخلوا** دوسرا مفعول' اگر **ما بخلوا** سے مراد وہ مال ہے' جس میں بخل کیا گیا تو طوق سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ وہ مال سانپ کی شکل میں بخیل کی گردن میں پڑیگا' اسے ڈسے گا اور اگر **ما بخلوا** سے مراد علم ہے تو طوق سے مجازی معنی مراد ہیں۔ **یوم القیامۃ** فرماکر دو باتیں بتائی گئیں' ایک یہ کہ بخیل کی قیامت میں پردہ پوشی نہ ہوگی' بلکہ اس طوق کے ذریعہ اسے سارے محشر میں رسوا کیا جائیگا۔ دوسرے یہ کہ بخل کا اصل عذاب تو بعد قیامت ہوگا' عارضی سزا اس کی یہ ہوگی کہ پچاس ہزار سال کے دن میں اسے یہ طوق ڈالے ہوئے پھرنا ہوگا یعنی بخیل لوگوں کو قیامت کے دن انکے بخل کئے ہوئے مال کا طوق و بار ستایا جائے گا یا بخیل علماء کا بخل کیا ہوا علم قیامت کے دن گلے کا طوق بن کر انہیں لازم ہو جائیگا جس کے وبال سے وہ چھوٹ نہ سکیں گے' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس عالم سے دینی مسئلہ پوچھا جائے' اور وہ بلا مانع شرعی نہ بتائے' علم دین چھپائے تو قیامت میں اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی (تفسیر کبیر) **وللہ میراث السموت والارض** یہ نیا جملہ ہے' جس میں بخیلوں کی نادانی کا ذکر ہے میراث مصدر ہے' جیسے میعاد' میلاد' معراج وغیرہ' میراث' موراث تھا' میم کے کسرہ کی وجہ سے واؤ' ی بن گیا' اس کا مادہ ورث ہے' کسی چیز کا دوسرے کی طرف بغیر کسی عقد کے منتقل ہو جانا ورثہ کہلاتا ہے' اس جملہ کے دو معنی ہیں' ایک یہ کہ آسمان و زمین کی وہ چیزیں جو ایک دوسرے کو بطور میراث ملتی ہیں' وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں' نہ مال تمہارا اپنا ہے نہ علم تمہارا اپنا' اس صورت میں آیت بالکل ظاہر ہے' دوسرے یہ کہ آسمان و زمین والے آخر فنا ہوں گے اور ان کی ظاہری ملکیتیں ختم ہوں گی' ان کی مملوک چیزیں ظاہری طور پر بھی اللہ ہی کی رہ جائیں گی جیسے فانی مردہ کا مال زندہ وارثوں کا ہو جاتا ہے' اس صورت میں اسے میراث فرمانا مجازاً ہے' یعنی بخیل بڑے بے وقوف ہیں' وہ بخل کریں یا سخاوت مال وغیرہ ان کے پاس رہیں گے نہیں' اس کا وبال

رہ جائیگا (تفسیر کبیر و روح المعانی) **واللہ بما تعملون خبیر** یہ جملہ وعید بھی ہے وعدہ بھی ہے بشارت بھی ہے انداز بھی یعنی اے سخیو! جو کچھ تم سخاوت کرتے ہو ہمیں اسکی خبر ہے، تمہیں پورا پورا بدلہ مع انعام کے عطا فرمایا جائے گا اور اے کنجوسو! تمہارے بخل و کنجوسی کی رب تعالیٰ کو خبر ہے اپنا حال سنبھالو ورنہ مار کھاؤ گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کی چار پانچ تفسیریں ہیں، جو ابھی ابھی عرض کی گئیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں وہ لوگ جو اس مال میں بخل و کنجوسی کرتے ہیں، جو انہیں اللہ نے محض اپنے فضل سے دیا نہ کہ محض ان کے کمال سے، اس طرح کہ مال کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے، زکوٰۃ اور دیگر واجب صدقے نہیں دیتے، خود نہیں کھاتے پیتے، بال بچوں کو تنگی میں رکھتے ہیں، ماں باپ، عزیز و اقارب پر انکی حاجت کے باوجود خرچ نہیں کرتے مسلمانوں کو اڑی ضرورت میں بھی مال نہیں دیتے وہ لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ان کا بخل یا ان کا بخل کیا ہوا مال ان کیلئے کچھ بھی بہتر ہو یعنی اپنے بخل کو اپنے لیئے اچھا نہ جانیں ان کیلئے یہ مال یا بخل پوری مصیبت ہے، جس کا انجام بہت ہی خراب ہو گا، قیامت کے دن ان کا بخل کیا ہوا مال گنجے سانپ کی شکل میں ان کے گلے کا طوق بن کر انہیں ڈسے گا جس سے انہیں سخت تکلیف بھی ہو گی اور بھرے مجمع میں رسوائی بھی، وہ بیوقوف یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے مال و متاع کا آسمان و زمین تمام چیزوں کا اللہ ہی والی و وارث ہے، پھر انہیں بخل سے فائدہ کیا، سخاوت کریں یا بخل مال ان کے پاس ٹھہرنے کا نہیں، ہاں سخاوت کا مال (اچھا نتیجہ) اور بخل کا وبال دائم و قائم رہے گا، خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم سب کے ہر اچھے برے کام کو دیکھ رہا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** بخل سخت گناہ ہے، جس کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی، ابوداؤد میں بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل سے بچو، پچھلی امتیں بخل کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، ترمذی شریف میں بروایت حضرت ابو سعید خدری ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں، بخل، بد خلقی، بخاری شریف میں بروایت ابو ہریرہ ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ مال دے، پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ نکالے تو قیامت میں اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اس کے گلے میں پڑے گا، اس کے جبڑے چبائے گا اور کہے گا، میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ: مسلم، بخاری میں بروایت ابوذر غفاری ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم رب کعبہ کی ہلاک ہو گئے مالدار سوا ان کے جو اپنے آگے پیچھے، دائیں بائیں راہ خدا میں خرچ کرتے رہیں، زکوٰۃ نہ دینے والے قیامت میں اونٹ والے اپنے اونٹوں کو، گائے بکری والے اپنی گائے بکریوں کو اپنی گردنوں پر لادے پھریں گے: بعض روایتوں میں یوں ہے کہ بے زکوٰتی جانور اپنے مالک کو پاؤں تلے روندیں گے اور سینگ گھونپیں گے۔ (تفسیر خازن) **دوسرا فائدہ:** غیر مملوک اور حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں جیسا کہ اتٰھم سے اور **من فضلہ** سے معلوم ہوا، غیر مملوک مال تو اللہ نے اسے دیا ہی نہیں، اور حرام مال اگرچہ اللہ نے دیا تو ہے مگر فضل سے نہیں دیا بلکہ قہر سے دیا۔

مسئلہ: تجارتی شراب اور سور میں زکوٰۃ نہیں کہ یہ مال حرام لعینہ ہے خالص چوری، سود، رشوت میں زکوٰۃ نہیں کہ یہ مال حرام لغیرہ ہے، بلکہ واجب ہے کہ سارا مال مالکوں کو دے دیا جائے اگر مالک معلوم نہ ہوں تو ان کے نام پر سارا ہی خیرات کر دیا جائے۔ **تیسرا فائدہ:** علم و مال بلکہ سارے کمال عطائے رب ذوالجلال ہیں محض ہماری ہوشیاری کا نتیجہ نہیں، جیسا کہ **من فضلہ** سے

معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جس مال کی زکوۃ نہ نکالی جائے وہ مالک کیلئے بالکل خیر نہیں بلکہ محض شر ہے' وارث وغیرہ کیلئے خیر ہے جیساکہ **لھم** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** دوسرے مجرموں کے مقابلہ میں بخیل کی سزا سخت تر ہے کہ اسے قیامت کے دن بھی سزا دی جاوے گی اور بعد میں بھی جیساکہ **یوم القیامۃ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ بعض گناہگاروں کو قیامت میں رسوا فرمائے گا جیساکہ **سیطوقون** سے معلوم ہوا' پردہ پوشی اور گناہوں کی ہے' رسوائی دوسرے گناہوں کی۔ **ساتواں فائدہ:** علم دین کا بخل بدترین گناہ ہے جیساکہ **یبخلون** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ **لا یحسبن** کا پہلا مفعول **بخلھم** پوشیدہ ہے' حالانکہ **لا یحسبن** افعال قلوب میں سے ہے' اس کا مفعول پوشیدہ نہیں ہو سکتا! **جواب:** افعال قلوب کا مفعول پوشیدہ ہونا اس وقت منع ہوتا ہے جبکہ قرینہ سے بھی معلوم نہ ہو سکے' یہاں **یبخلون** سے معلوم ہو رہا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بخیل کا مال طوق بن کر اس کے گلے میں پڑے گا مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مال گرم کر کے بخیل کے جسم پر رکھا جائے گا اور اس سے داغا جائیگا **فتکوی بھا جباھھم** ان میں سے کون سی آیت صحیح ہے؟ **جواب:** دونوں آیات درست ہیں' طوق کا عذاب قیامت کے دن ہو گا اور داغنے کا عذاب دوزخ میں پہنچ کر یا قیامت ہی میں پہلے داغنے کا عذاب ہو گا' پھر طوق کا' یا سونے چاندی سے داغا جائے گا اور دوسرا تجارتی مال طوق بن کر گلے میں پڑے گا۔ **تیسرا اعتراض:** اونٹ گائے بیل وغیرہ طوق کیسے بنیں گے؟ **جواب:** مختلف بخیلوں کی مختلف سزائیں ہیں' جانوروں کا بخیل قیامت میں جانور لادے پھریگا اور دوزخ میں ان سے روندا جائے گا' سونے چاندی کا بخیل داغا جائے گا' دوسرے تجارتی مالوں کا بخیل' طوق پہنایا جائیگا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے قیامت میں بخیلوں کو رسوا کیا جائیگا مگر حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے گناہ چھپائے گا' انہیں رسوائی سے بچائیگا' آیت و حدیث میں مطابقت کیسے ہو؟ **جواب:** اس امت کے خفیہ گناہ قیامت میں ظاہر نہ کئے جائیں گے' انکا حساب بھی خفیہ ہی ہو گا مگر اعلانیہ گناہ کا وہاں اظہار ہو جائیگا' یہ اظہار رب تعالیٰ نے نہ کیا بلکہ گناہگار نے خود کیا' نہ وہ دنیا میں بے حیائی سے اعلانیہ گناہ کرتا' نہ آخرت میں رسوا ہوتا' اللہ تعالیٰ اپنا خوف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانی زمینی چیزوں کا ابھی مالک نہیں ہے' بلکہ موجودہ مالکوں کے مرنے کے بعد بطور وراثت مالک ہو گا کیونکہ وارث میراث کا مالک جب ہی ہوتا ہے جب مورث مر جائے (آریہ) **جواب:** اس کا جواب ہماری تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یا تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی زمینی چیزیں جو میراث میں تم ایک دوسرے سے لیتے ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیں تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں' یا مطلب یہ ہے کہ جیسے جب مورث مر جاتا ہے تو زندہ وارث اس کی چیز کے مالک ہو جاتے ہیں' ایسے ہی تمہیں فنا ہے' ہم حی و باقی ہیں' لہٰذا جن چیزوں میں تم آج قابض و مالک ہو' ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم نہ ہو گے' تمہاری چیزیں ظاہری طور پر بھی صرف ہماری ہی ملک رہیں گی' یہاں بندوں کی ملکیت مٹ جانے کے لحاظ سے میراث فرمایا گیا' وصیت' میراث وغیرہ جب رب تعالیٰ کی صفتیں ہوں تو انکے معنی رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہوتے ہیں' خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا نام وارث بھی ہے' وہاں وارث بمعنی حامی و مددگار ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں میرا والی وارث ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے اکسیر جمادات کی حقیقت بدل دیتی ہے' تانبہ کو سونا' رانگ کو چاندی بنا دیتی ہے' ایسے ہی بخل شقاوت و بد نصیبی کی اکسیر ہے' اور سخاوت' سعادت و خوش نصیبی کی اکسیر' دیکھو اس آیت میں رب تعالیٰ نے مال کو اپنا فضل فرمایا مگر بخل کی اکسیر کی وجہ سے وہ فضل قہر بن گیا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا یہ مال بخیلوں کیلئے خیر نہیں بلکہ شر ہے' بد نصیب کیلئے دنیا اور مال مثل طوق کے لازم ہے کہ جیسے طوق گلے کو ہر طرح گھیر لیتا ہے' ایسے ہی دنیا غافل کے دل پر ایسے چھا جاتی ہے کہ اس کا دل کبھی نجات پاتا ہی نہیں' پھر اس کی وجہ سے حرص' حسد' کینہ' عداوت' تکبر' غصہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے' زکوٰۃ نہ دینے سے نورانی روح ظلمانی بن جاتی ہے' خسیس روح خبیث مال سے شریف نہیں بن جاتی' گدھے کو ریشم پہنا دو' وہ گدھا ہی رہتا ہے' زکوٰۃ و صدقات دنیا میں مال کیلئے مضبوط قلعہ ہیں' بلاؤں کا دفعیہ ہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو' بلاؤں کو دعاؤں سے ٹالو وہ شخص اچھا نہیں جو ایک ہفتہ میں کوئی خیرات نہ کرے اور چالیس دن میں کوئی تکلیف نہ دیکھے۔

تو باخود ببر توشہء خویشتن!	کہ شفقت نیاید ز فرزند و زن!
بکن سرمہ غفلت از چشم پاک!	کہ فرداشوی سرمہ در چشم خاک!
توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ جی!	کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے	فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

(تفسیر روح البیان)

وہ شخص بہت بیوقوف ہے جو اپنے پسماندگان کے ایصال ثواب پر بھروسہ کرکے خود نیکیاں نہ کرے عقلمند وہ شخص ہے جو اپنا توشہ خود ساتھ لے جائے جنگل میں توشہ منزل کا بھروسہ۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ

البتہ تحقیق سن لیا اللہ نے کلام ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی عنقریب ہم لکھ

بے شک اللہ نے سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی اب ہم لکھ رکھیں گے

مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

رکھیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا نبیوں کو قتل کرنا ناحق اور ہم کہیں گے چکھو جلنے کا عذاب

ان کا کہا اور انبیاء کو ان کا ناحق شہید کرنا اور فرمائیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیج چکے تمہارے ہاتھ اور بے شک اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر

یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں صدقہ و خیرات نہ کرنے کے دنیاوی و دینوی نقصانات بتائے گئے اب مسئلہ زکوۃ و صدقات سے مخالفین کے اعتراضات اٹھائے جا رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صدقات کا حکم تھا جس کی وجہ سے یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دیا اور بولے کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو امیروں کے صدقات و زکوۃ فقیروں کو کیوں کھلاتے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ سب کچھ پہاڑ پر رکھوا دیا کرتے جسے غیبی آگ آ کر کھا جایا کرتی اس آیت میں ان کے جوابات دیئے جا رہے ہیں۔ (تفسیر کبیر) **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بخل کے اخروی برے انجاموں کا ذکر کیا گیا اب دنیاوی برے نتائج کا ذکر ہے کہ اس بخل ہی کی وجہ سے گزشتہ قوموں نے نبیوں کو قتل کر دیا۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے بندوں کو ایمان و تقویٰ کا حکم دیا تھا اب کفر و فسق کا ذکر ہو رہا ہے جن سے بچ کر انسان مومن و متقی بنتا ہے۔

شان نزول: ابن اسحاق ابن جریر ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ عن ابن عباس نقل فرمایا کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے بیت المدارس یعنی کنیسہ یا مدرسہ میں گئے خود یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی سے تو آپ نے وہاں ملاحظہ فرمایا کہ قبیلہ بنی قینقاع کے یہود جمع ہیں اور ان کے بڑے بڑے علماء جیسے حی ابن اخطب کعب ابن اشرف اشیع بھی موجود ہیں اور ان کا لاٹ پادری فنحاص ابن عازورا بھی وہاں ہے حضرت صدیق نے فنحاص کو خطاب کر کے فرمایا اے فنحاص اللہ سے ڈر اسلام لے آ قسم خدا کی تو جانتا ہے کہ **محمد رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم وہی سچے رسول ہیں جن کی بشارتیں توریت میں دی گئیں۔ لہذا ایمان اختیار کر نماز قائم کر زکوۃ ادا کر اور رب تعالیٰ کو قرض دے اجر و ثواب پائے گا فنحاص بولا کہ اگر ہم خدا کو قرض دیں تو ہم غنی ہوئے اور خدا تعالیٰ فقیر کہ فقیر ہی غنی سے قرض لیتے ہیں نیز تمہارے رسول سود کے لین دین کو حرام کہتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والے کو ایک سے دس بلکہ سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ دیگا یہ خالص سود ہوا اگر خدا تعالیٰ فقیر نہ ہوتا تو ہم غنی لوگوں کو ایک ایک کے دس دس کیوں دیتا ایسے اسلام کو ہم کیسے قبول کر لیں جس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسے عقیدہ ہمیں بتائے جناب صدیق اکبر کو اس کی یہ گفتگو سن کر جوش آ گیا اور آپ نے اس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ اگر تو ہمارا ذمی نہ ہوتا تو میں تجھے یہیں قتل کر دیتا فنحاص روتا فریاد کرتا بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دعویٰ کیلئے حضرت صدیق اکبر کو طلب فرما کر اس مارنے کی وجہ پوچھی صدیق اکبر نے سارا واقعہ عرض کیا کہ اس نے بارگاہ الٰہی میں ایسی بکواس کی تھی میں نے مار دیا فنحاص انکاری ہو گیا اور قسم کھا کر بولا میں نے یہ کچھ نہیں کہا اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں صدیق اکبر کی تائید اور فنحاص کی تردید کی گئی چنانچہ اس مقدمہ میں حضرت صدیق اکبر کی ڈگری ہوئی فنحاص کا دعویٰ خارج ہوا۔ (تفسیر روح المعانی کبیر خازن بیضاوی صاوی وغیرہ) خیال رہے کہ اس مقدمہ میں جناب صدیق اکبر مدعی تھے اور فنحاص مدعی علیہ قانون شرعی یہ ہے کہ مدعی گواہ پیش کرے ورنہ مدعی علیہ قسم کھائے اس موقعہ پر جناب صدیق اکبر کے پاس کوئی گواہ نہ تھا اندیشہ تھا کہ فنحاص کے حق میں فیصلہ ہو جاتا رب تعالیٰ جناب صدیق کا گواہ بن گیا اور صدیق اکبر کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی صدیق اکبر کی شان تو دیکھو کہ ان کا گواہ بھی رب تعالیٰ اور ان کی دختر نیک اختر عائشہ کا گواہ بھی رب تعالیٰ کہ تہمت کے موقعہ پر خود رب تعالیٰ نے

آپکی عصمت و پاک دامنی کی گواہی دی یوسف علیہ السلام و بی بی مریم کی طرح بچوں سے گواہی نہ دلوائی۔

تفسیر: **لقد سمع اللہ** چونکہ یہود زبان سے قرآن کریم کے انکاری تھے' اگرچہ ان کے دل کہتے تھے کہ قرآن سچا ہے' اس لئے یہ آیت کریمہ لام اور قد کی تاکیدوں سے شروع کی گئی' رب تعالیٰ ہر ایک کی بات سنتا ہے' جانتا ہے' مگر بعض باتیں قہر سے سنتا ہے بعض رحمت سے' فحاص کی یہ بکواس قہر و غضب سے سنی' اس لئے خصوصیت سے اس سننے کا ذکر فرمایا' ایک صحابیہ کے متعلق بھی یہی **قد سمع** ارشاد ہوا ہے' وہاں رحمت کے ساتھ سننا مراد ہے کہ ارشاد ہوا **قد سمع اللہ قول التی تجادلک۔** **قول الذین قالوا** اگرچہ یہ بدتمیزی کی گفتگو صرف فحاص نے کی تھی مگر چونکہ سارے مدارس والے یہودی اس کے ہمنوا تھے اس لئے ان سب کو قائل قرار دیا گیا' اور **قالوا بصیغہ** جمع ارشاد ہوا' **الذین** سے مراد یا سارے یہودی ہیں یا بیت المدارس والے **ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء** یہ جملہ قالوا کا مقولہ ہے' ان کی یہ بکواس اپنے عقیدے کے اظہار کیلئے نہ تھی بلکہ اسلام کا مذاق اڑانے کیلئے تھی' ورنہ ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ رب تعالیٰ فقیر ہے' ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ قرآن شریف میں یا صدیق اکبر کی تبلیغ میں یہ موجود ہے **اقرضوا اللہ قرضا حسنا** اور قرض فقیر ہی مانگا کرتے ہیں' لہذا رب تعالیٰ فقیر ہے' بے وقوف اتنا نہ سمجھے' کہ اس فرمان عالی میں فقراء پر اظہار کرم ہے' کہ جیسے بادشاہ کے شاہزادوں یا نوکروں چاکروں کو کچھ دینا ہر دو بادشاہ پر قرض ہوتا ہے' شادی بیاہ میں دولہا پر نچھاور کرنا دولہا کے ماں باپ پر قرض ہے بلکہ نیوتا دینا دولہا کے کمیوں کے کچھ دینا دولہا کے ماں باپ پر قرض ہے جسے وہ ان کی شادی کے موقع پر چکاتے ہیں ایسے ہی رب تعالیٰ کے غریب بندوں کو کچھ دینا' رب تعالیٰ کے ذمہ کرم پر گویا قرض ہے جس کا بدلہ وہ ضرور دیگا' یہ کندذہن یہود اس قسم کے بکواس کرتے ہی رہتے تھے' اگر کبھی بارش نہ ہوتی تو کہتے **ید اللہ مغلولۃ** اللہ کے ہاتھ بند ہیں' یعنی وہ کنجوس ہو گیا' اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جاؤ کفار سے جہاد کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں' جب جیت لوگے آجائیں گے' یعنی رب تعالیٰ قوی قادر ہے' اس کے ہوتے ہمیں جہاد میں جانے کی کیا ضرورت ہے' ایسے ہی آج کہہ رہے ہیں' کہ رب تعالیٰ غنی ہے کہ اسکے ہوتے ہمیں فقیروں کو دینے کی کیا ضرورت ہے وہ خود فقیروں کو دے لے گا' اس لئے رب تعالیٰ نے ان کا کوئی جواب نہ دیا' بلکہ فرمایا **سنکتب ما قالوا** ظاہر یہ ہے کہ یہاں لکھنے سے مراد فرشتوں کا ان کے نامہ اعمال میں لکھنا ہے' چونکہ فرشتے اللہ کے محبوب بندے ہیں' ان کا کام گویا رب تعالیٰ کا کام ہے' اس لئے فرمایا کہ ہم لکھ لیں گے' اگرچہ یہ تحریر ان کے بولتے ہی ہو چکی تھی' مگر چونکہ یہ تحریر قیامت تک رہنے والی تھی' اور کسی عمل سے نہ مٹنے والی تھی' اس لئے فرمایا گیا ہم لکھ لیں گے' کہا جاتا ہے تمہاری بات میرے دل میں لکھی گئی' دل پر نقش ہو گئی' یعنی یاد ہو گئی' بھولوں گا نہیں' یا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کی گفتگو یا بکواس قرآن میں لکھ دیں گے' کہ قیامت تک لوگ پڑھیں گے اور ان پر ہنسیں گے' **ما قالوا** سے مراد ان کی وہی گفتگو ہے جو جناب صدیق اکبر کے ساتھ ہوئی' ما مصدریہ ہے قالو بمعنی مصدر **وقتلھم الانبیاء بغیر حق** یہ عبارت ما قالو پر معطوف ہے' چونکہ وہ بھی ما مصدریہ کی وجہ سے مصدر ہو گیا تھا اس لئے مصدر کا مصدر پر عطف درست ہوا' مقصد یہ ہے کہ یہ تو پرانے جاہل اور بدکار ہیں' انہوں نے گزشتہ نبیوں کو ناحق قتل کر دیا' اگر آج ایسی بکواس کریں تو ان سے کیا بعید ہے' انکے وہ قتل بھی تحریر میں آچکے ہیں اور یہ بکواس بھی' محشر میں بر سر عام ان کی یہ حرکتیں پڑھ کر سنائی جائیں گی اور انہیں رسوا کیا جائیگا اور صرف رسوائی پر

میں نہ ڈالے گا جیسا کہ بما قدمت ایدیکم سے معلوم ہوا لہٰذا کفار کے ناسمجھ بچے' دیوانے' جو نا سمجھی میں فوت ہو گئے دوزخ میں نہ ڈالے جائیں گے' یہ ہی صحیح ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے یہود کا اعتراض تو بیان فرمایا مگر جواب نہ دیا بلکہ اس اعتراض پر سزا کا ذکر فرما دیا' اعتراض کا جواب دینا چاہئے نہ کہ معترض کو سزا؟ **جواب:** اسکے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ جواب اس اعتراض کا دیا جاتا ہے جو شبہ کی وجہ سے کیا جائے مگر جو مذاق' دل لگی' استہزاء کے طور پر کیا جائے' اس کا جواب جوتہ کاری ہے کہ وہ اعتراض نہیں بلکہ بادشاہ کا مذاق اڑاتا ہے' دوسرے یہ کہ جواب جب دیا جاتا ہے جب معترض سمجھنا یا سمجھنا چاہے' جہاں اسکی نیت ہٹ دھرمی یا ضد ہو' وہاں جواب دینا مناسب نہیں'۔ جواب جاہلاں باشد خموشی

یا ۔ این است جوابش کہ جوابش نہ دہی

تیسرے یہ کہ حاسدانہ اعتراض کا جواب نہیں دیا جاتا' بلکہ اسے ذلیل کرنا چاہئے' دیکھو شیطان نے دلائل قائم کئے تھے' کہ سجدہ حضرت آدم کو مجھے نہ کرنا چاہئے' مگر رب تعالیٰ نے اسے جواب نہ دیا' بلکہ فرمایا' نکل! تو مردود ہو گیا' تجھ پر قیامت تک لعنت ہے' چوتھے یہ کہ جہاں جواب بالکل ظاہر ہو وہاں جواب دینا ضروری نہیں' اسے ہر شخص جواب دیکر خاموش کر دیگا' اگر دن میں کوئی شخص سورج کا انکار کرے' اسے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں' ہر شخص اسے پاگل یا اندھا کہہ کر جواب دیگا بلکہ سورج دکھا دیگا۔ **دوسرا اعتراض:** آخر ان دو اعتراضوں کے جواب ہیں کیا' ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے بندوں سے قرض مانگا اور قرض مانگنے والا فقیر ہی ہوتا ہے' دوسرے یہ کہ سود دینا حرام ہے رب تعالیٰ خود جزاء میں سود کیوں دیتا ہے کہ ایک ایک کے دس دس دیتا ہے! **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا' کہ فقیر وہ ہے' جو اپنی حاجت براری کیلئے قرض مانگے' اس کے پاس کچھ نہ ہو' مگر جو فقیروں کو دلوا کر اس کا عوض خود دے' وہ فقیر نہیں بلکہ کریم ہے' رب تعالیٰ نے امیروں کو تو خود دیا' فقیروں کو امیروں سے دلوا کر امیروں کو ثواب دیا' اور وعدہ فرمایا کہ تمہاری جزائیں ہم پر ایسی لازم ہیں جیسے قرض مقروض پر' یہ اس کا کرم ہے' کسی کی اولاد' اس کے نوکر چاکر کو انعام دینا مالک پر قرض سا ہوتا ہے' سود تبادلہ و تجارت میں ہوتا ہے نہ کہ کرم و بخشش میں فقیر نے بادشاہ کی خدمت میں یا اس کے شاہزادوں کی خدمت میں حقیر نذرانہ پیش کیا' بادشاہ نے لاکھوں روپیہ کی جاگیر انعام میں بخش دی' یہ سود نہیں شاہانہ خسروانہ عطیہ ہے۔ ایسی موٹی بات کا پوچھنا بیکار ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا سنکتب ما قالوا اس کی یہ جو اس لکھ لیں گے' اس سے کون سی تحریر مراد ہے' لوح محفوظ کی یا نامہ اعمال کی' لوح محفوظ کی تحریر تو لاکھوں سال پہلے ہو چکی' نامہ اعمال بھی عمل کرتے ہی لکھ لئے گئے' اب آئندہ کونسی تحریر ہو گی! **جواب:** اسکا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا' کہ یا تو قرآن کریم میں لکھ دینا مراد ہے' جس سے وہ تاقیامت بدنام رہیں یا نامہ اعمال کا محفوظ رکھنا مراد ہے' سنکتب کے معنی لکھ رکھیں گے' مومنوں کے گناہ لکھے جاتے تو ہیں مگر لکھ کر رکھے نہیں جاتے' نیک اعمال کی برکت سے مٹتے رہتے ہیں' ان الحسنت یذھبن السیات **چوتھا اعتراض:** کیا رب تعالیٰ صرف ہاتھوں کے گناہوں کی سزا دیگا' دوسرے اعضاء کے گناہوں کی سزا نہ دیگا' اگر دیگا تو قدمت ایدیکم کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ایدی یعنی ہاتھوں سے مراد خود ہاتھوں والا گنہگار ہے' بعض اعضاء بول کر ذات مراد ہوتی ہے یا چونکہ اکثر گناہ ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں' اسی لئے

ہاتھوں کو ذکر کیا کہا جاتا ہے اس کام میں فلاں کا ہاتھ ہے یا فلاں پر حکومت کا ہاتھ ہے یا میری طرف بھی دست کرم بڑھایئے وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں اعتراض:** **وان اللہ** میں ان فتح سے ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ نیا جملہ نہیں بلکہ **ما قدمت** پر معطوف ہے اور عذاب کا دو سرا سبب تو گناہ کا سبب ہے رب کا ظلم نہ کرنا سزا کا سبب کیسے ہو سکتا ہے؟ **نوٹ:** اس اعتراض کو تفسیر روح المعانی نے بہت اہمیت دی اور اس کے بہت جوابات دیئے۔ **جواب:** اس کا اصل جواب یہ ہے کہ سزا کی وجہ تو ہے گناہ اور گناہوں پر سزا کی وجہ ہے رب تعالیٰ کا ظالم نہ ہونا یعنی ہم گناہوں پر ہی سزا کیوں دیتے ہیں بغیر گناہ کیوں نہیں پکڑتے' اس لئے کہ ہم بندوں پر ظلم نہیں کرتے یا دونوں ایک ہی کی وجہ ہیں یعنی انہیں سزا سخت کیوں دینگے اس لئے کہ وہ مجرم ہیں اور ہم ظالم نہیں بلکہ عدل فرمانے والے' اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں مگر یہ جواب کافی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں رب سے ظلام یعنی بڑا ظالم ہونے کی نفی کی گئی معلوم ہوا کہ وہ ظالم تو ہے مگر بڑا ظالم نہیں (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ظلام مبالغہ کیلئے نہیں بلکہ نسبت کیلئے ہے جیسے تمار' تمر والا' تمام' چغل والا' حمام' گرمی والا' (روح المعانی) تفسیر کبیر' بلکہ روح المعانی نے یہ بھی جواب دیا کہ رب تعالیٰ کی جو صفت بھی ہے عظیم ہی ہے' اگر ظلم بھی اسکی صفت ہوتی تو عظیم ہی ہوتی' وہ نعوذ باللہ ظلم بھی کرتا تو بڑا ہی ظلم کرتا لہٰذا رب تعالیٰ کیلئے بڑے ظلم کی نفی گویا اصل ظلم کی نفی ہے کہ ناقص چیز اس کی صفت بن سکتی ہی نہیں مگر پہلا جواب زیادہ قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں انسان دو قسم کے ہیں' ایک وہ جن پر ہدیٰ غالب ہے' دو سرے وہ جن پر ہویٰ غالب' ہدیٰ والے کبھی اس مرتبہ میں پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی زبان پر فرشتہ بلکہ خالق بولتا ہے' اور ہویٰ والوں کی زبان پر اولاً تو نفس امارہ بولتا ہے' پھر شیطان بولنے لگتا ہے' زبان اس کی ہوتی ہے بات شیطان کی' اس حالت میں شیطان اسکی زبان سے ایسی باتیں ادا کرتا ہے' جو خود نہیں بول سکتا' دیکھو شیطان نے خود نہ کہا تھا کہ میں رب ہوں' مگر فرعون سے کہلوایا' شیطان نے خود کبھی نہ کہا کہ اللہ فقیر ہے' میں غنی' مگر ان پڑھے لکھے اسرائیلیوں سے کہلوایا' انسان اگر درست رہے تو وہ کر دکھلائے جو فرشتوں سے نہ ہو سکے اور اگر ٹیڑھا ہو تو وہ کرے جو شیطان سے نہ ہو سکے' اسرائیلیوں کی یہ بکواس وحی شیطانی سے تھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الشیطین لیوحون الی اولیٰئھم** یہ بکواسیں وحی شیطانی ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اسرائیلیوں کے اسی قول اور قتل انبیاء والے فعل کی وجہ سے ہم ان کے دلوں پر شقاوت لکھ دیں گے' بدنصیبی کی مہر لگا دیں گے' جس سے وہ ایمان و نیک اعمال کیطرف متوجہ نہ ہو سکیں گے اور انہیں دنیا میں فراق یار کی نار جلائیں گے اور آخرت میں قہر قہار کی نار کا مزہ چکھائیں گے' کیونکہ انکے اعمال و احوال نے انہیں وصال یار اور گلزار' دار اقتراء کے لائق نہ رکھا' رب تعالیٰ ظالم نہیں کہ غیر لائق کو دے' وصال کے اہل کو وصال دیتا ہے' فراق کے لائق کو فراق (روح البیان) اگرچہ الفاظ قرآن سب پڑھ لیتے ہیں مگر اس کے رموز و اسرار سے کوئی کوئی فائدہ اٹھاتا ہے یہ آیت کہ **من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا** کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے' عاشقوں کو تڑپا رہی ہے' وہ تو کہتے ہیں سبحان اللہ! خود ہی دینے والا' خود ہی لینے والا! اپنا مال' اپنا بندہ' اپنی ہی توفیق' آپ ہے فقیر آپ ہے امیر' اپنی طرف سے حاجات' اپنی طرف سے مرادات' سب کچھ اپنا' مگر پھر کیسا ناز و انداز کا اعلان ہے کہ ہے کوئی جو مجھے قرض دے! جو دیکر خود مانگنا انداز محبوبانہ ہے' اس میں وہ جذبہ ہے جو الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتا' مگر جاہل اس آیت سے کفر بکتے ہیں۔

کہ رب تو فقیر ہو گیا ہم غنی! لا حول ولا قوۃ الا باللہ بھلا ٹاٹ بننے والے ریشم بنا کیا جانیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

نہ بہ ہوش مندروشن رائے بہ فرو مایہ کارہائے خطیر
بوریا باف گرچہ بافندہ است نہ برندش بہ کارگاہ حریر

لہٰذا قرآن شریف اس سے پڑھو اس سے سیکھو جس کی زبان پر وحی رحمانی ہو اس سے نہ پڑھو جس کی زبان پر وحی شیطانی ہو' کلام الٰہی کیلئے نورالٰہی ضروری ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا

وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے عہد کیا طرف ہماری یہ کہ نہ ایمان لائیں ہم کسی رسول پر یہاں تک

وہ جو کہتے ہیں اللہ نے ہم سے اقرار کر لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ

کہ لائیں وہ ہمارے پاس قربانی کھائے جسے آگ آپ فرماؤ کہ بیشک لائے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے روشن

قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے تم فرماؤ مجھ سے پہلے بہت رسول کھلی نشانیاں

وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

نشانیاں اور وہ جو تم کہتے ہو تو کیوں قتل کیا تم نے انہیں اگر ہو تم سچے پس اگر جھٹلائیں یہ

اور یہ حکم لے کر آئے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر تم سچے ہو تو اے محبوب

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۝

لوگ آپکو تو بے شک جھٹلائے گئے رسول تم سے پہلے جو لائے روشن نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب

اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم سے اگلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لیکر آئے تھے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ میں نے یہود کا وہ اعتراض بیان فرمایا تھا جس کا تعلق قرآن سے تھا یعنی من ذا الذی یقرض اللہ اب ان کا وہ اعتراض بیان فرمایا جا رہا ہے جس کا تعلق قرآن لانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' چونکہ قرآن اور صاحب قرآن دونوں رکن ایمان ہیں' اس لئے اس اعتراض کے بعد اس کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی اس بکواس کا ذکر تھا جس کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے تھا' رب تعالیٰ کی شان میں بے ادبی' اسے فقیر کہنا اب اس کے رسول کی شان میں بے ادبی کا ذکر ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی بے ادبی یوں کرتے ہیں' اور اسکے محبوب کی شان میں گستاخی اس طرح کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی عداوت انبیاء

کا ذکر تھا کہ انہوں نے رسولوں کو قتل کیا' اب عداوت سید الانبیاء کا تذکرہ ہے' کہ وہ آپ پر دانستہ طور پر ایمان نہ لائے بلکہ بہتان لگاتے ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں یہود کے قتل انبیاء کا ذکر تھا' اب آسمانی کتابوں پر بہتان لگانے کا ذکر ہے کہ غلط باتیں ان کتب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں یہود کا وہ عیب بیان ہوا جو ہم نے دیکھا نہیں سن کر جانا مانا یعنی قتل رسل' اب ان کا وہ عیب بیان ہو رہا ہے جو اب آنکھوں دیکھا جا رہا ہے یعنی آسمانی کتابوں پر بہتان باندھنا۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار کعب ابن اشرف' کعب ابن اسد' مالک ابن صیف' وہب ابن یہودا' زید ابن تابوت' فخاص' ابن عازورا' وغیرہ علماء یہود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بولے کہ ہم آپ پر ایمان تو لے آتے' مگر ایک مجبوری ہے' وہ یہ ہے کہ توریت شریف میں ہم کو تاکیدی حکم دیا گیا کہ ہم اسی پیغمبر پر ایمان لائیں جو اپنی نبوت کے ثبوت کیلئے قربانی کرے' پھر قربانی کا گوشت ایک پہاڑ پر رکھے' غیب سے سفید رنگ کی بے دھوئیں والی آگ نمودار ہو' اور گوشت جلا جائے' جو نبی یہ معجزہ دکھائے' اس پر ہم ایمان لا سکتے ہیں' آپ نے یہ معجزہ دکھایا نہیں اس لئے ہم بحکم توریت آپ پر ایمان نہیں لا سکتے' اگر آپ یہ معجزہ دکھا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں' ان کے جواب میں یہ کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان کی پر زور تردید کی گئی کہ نہ توریت شریف میں یہ حکم ہے اور نہ خود یہ لوگ اس پر عامل ہیں۔
(تفسیر کبیر' روح المعانی' روح البیان' تفسیر جلالین' خازن' مدارک' بیضاوی' خزائن العرفان وغیرہ)

تفسیر: **الذین قالوا** یہ جملہ یا تو ھم پوشیدہ کی خبر ہے اور حالت رفعی میں ہے یا للعبید کا بدل ہے' اور حالت جری میں ہا **قول الذین** کے **الذین** کا بیان یا پوشیدہ فعل کا مفعول ہے' اور حالت نصبی میں **الذین** سے مراد وہ لوگ ہیں' جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے تھے' اگرچہ یہ گفتگو ان میں سے ایک نے کی تھی' مگر چونکہ وہ ایک اس سب جماعت کا نمائندہ تھا' اس لئے اس کا کلام ان سب کا کلام مانا گیا' یعنی ایک نے بلا واسطہ باقی دوسروں نے اس ایک کے واسطے سے کہا **ان اللہ عھد الینا** یا قالوا کا مقولہ ہے' عہد مضبوط وعدہ لینے کو بھی کہتے ہیں اور دینے کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں' یعنی اللہ نے ہم تک اپنا تاکیدی عہد و حکم پہنچایا' یا ہم سے تاکیدی وعدہ لیا یا توریت شریف میں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت زبانی **الا نؤمن لرسول** یہ عہد کا بیان ہے لرسول یا بمعنی ب ہے یا اپنے معنی ہی میں ہے اور اس سے عام رسول مراد ہیں خواہ بنی اسرائیل سے ہوں یا بنی اسمٰعیل سے' یعنی ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یا کسی رسول کیلئے رسول کی خاطر اس کے دین اور کتاب پر ایمان نہ لائیں' کیونکہ کتاب اور دین کو رسول کی وجہ سے مانا جاتا ہے' رسول کا ماننا اصل ہے باقی تمام کا ماننا اس کے بعد' اسی لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں نہ کہ قرآن یا نماز پڑھا کر لہذا **لرسول** کلام اپنے معنی پر بھی ہو سکتا ہے **حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار**: یہ جملہ ایمان نہ لانے کی انتہا ہے' حتی انتہا کا ہے' قربانی لانے سے مراد قربانی دکھانا ہے نہ کہ عالم غیب سے لانا' قربان' کفران' رجحان' خسران' غفران وغیرہ کے وزن پر مصدر ہے بمعنی قریب ہونا' لیکن اصطلاح میں قربان وہ چیز کہلاتی ہے جس کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کیا جائے' اسلئے حدیث شریف میں آیا کہ روزہ ڈھال ہے اور نماز قربانی یعنی قرب الٰہی کا ذریعہ (تفسیر کبیر) آگ کے کھانے سے مراد اس کا قربانی کو جلا کر راکھ کر دینا ہے آگ سے وہ غیبی آگ مراد ہے جو سفید رنگ کی بغیر دھوئیں والی شرائے مارتی آسمان سے اترتی تھی اور مقبول قربانی کو جلا کر خاک کر جاتی تھی جسے لوگ

اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے' خیال رہے کہ پچھلے انبیاء کرام کے زمانہ میں قربانیوں کے گوشت غنیمتوں کے مال بھی اسی طرح بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جاتے تھے اور جھگڑے کی صورت میں اپنی حقانیت بھی اسی طرح ثابت کی جاتی تھی جو سچا ہوتا تھا اس کی قربانی کو آگ جلا جاتی تھی' جھوٹے کی قربانی یوں ہی پڑی رہتی تھی' چنانچہ جب ہابیل و قابیل ایک عورت عقلیمہ کے بارے میں جھگڑے کہ وہ کس کیلئے حلال ہے' تو ان دونوں نے قربانیاں ہی پہاڑ پر رکھیں' ہابیل کی قربانی قبول ہوئی' کہ اسے غیبی آگ جلا گئی' قابیل کی قربانی رد ہوئی کہ اسی طرح پڑی رہی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذ قربا قربانا** الخ بعض مفسرین حتی کہ امام سدی و جلال الدین سیوطی نے یہاں فرمایا کہ واقعی تورات میں یہ حکم تھا کہ کسی پر بغیر قربانی دیکھے ایمان نہ لائیں مگر ساتھ میں یہ بھی تھا کہ سوائے عیسیٰ و محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے کہ وہ دونوں حضرات سچے نبی ہوں گے مگر قربانی نہ دکھائیں گے ان یہود نے آدھی بات بیان کی' مگر تفسیر کبیر وغیرہ نے ترجیح اسی کو دی ہے کہ توریت شریف میں اس کا ذکر بھی نہ تھا' یہ محض ان یہود کا بہتان تھا چنانچہ سارے انبیاء بنی اسرائیل نے اپنی صداقت کیلئے قربانی کے معجزے نہیں دکھائے' بلکہ بعض رسولوں نے ہی دکھائے جیسے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام بلکہ خود حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے فرعونیوں کو قربانی کا معجزہ نہیں دکھایا تھا' جیسے یہ قربانی ایک معجزہ تھی' ویسے ہی دوسرے معجزات بھی معجزے ہی ہیں' نبوت کے ثبوت کیلئے ایک معجزہ ہی کافی ہے خواہ کوئی سا ہو تو کیا وجہ ہے کہ قربانی سے تو نبوت کا ثبوت ہو' اور دوسرے معجزوں سے نہ ہو' لہٰذا ترجیح اسی کو ہے کہ توریت شریف میں یہ حکم تھا ہی نہیں' یہ ان اسرائیلیوں کا سفید جھوٹ تھا۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) یہ محض ایمان نہ لانے کا بہانہ تھا **قل قد جاء کم رسل من قبلی بالبینت وبالذی قلتم**: یہ جملہ ان کے اس بہتان کا جواب ہے: قل فرما کر اشارۃً "فرمایا گیا کہ مناظرہ کیجئے" آپ کراتے ہم ہیں' جواب ہمارا ہے زبان تمہاری' سبحان اللہ کیسا پیارا' دلکش' الزامی جواب ہے' یہ نہ فرمایا گیا کہ توریت میں یہ حکم نہ تھا کیونکہ وہ کہہ سکتے تھے کہ ہم سے حضرات انبیائے کرام زبانی فرما گئے تھے یا توریت میں حکم تو تھا مگر کچھ توریت ضائع بھی ہو گئی اس ضائع شدہ میں تھا جو سینہ بسینہ ہم تک پہنچا' بلکہ بطور الزام فرمایا گیا کہ تم جھوٹے ہو' تم قربانی لانے والے نبیوں پر بھی ایمان نہ لائے' خیال رہے کہ یا تو کم سے پہلے اباء پوشیدہ ہے' اصل عبارت یوں تھی **قد جاء اباء کم** کیونکہ گزشتہ رسول موجودہ یہود کے پاس نہیں آئے تھے' بلکہ ان کے باپ دادوں کے پاس' یا کچھ پوشیدہ نہیں' چونکہ باپ دادوں کے پاس رسولوں کا آنا گویا ان کے پاس ہی آنا تھا' اس لئے جاء کم فرمایا گیا رسل کی تنوین تقلیل (بیان کمی) کیلئے ہے یعنی کچھ چند ہی رسول قربانی لائے سب نہ لائے' **من قبلی** میں اشارۃً " فرمایا گیا کہ جتنے رسول آنے تھے مجھ سے پہلے آ چکے' اب کوئی رسول نہ آئے گا' میں آخری نبی ہوں ورنہ ارشاد ہوتا کہ مجھ سے پہلے بھی انبیاء قربانیاں لائے تھے اور میرے بعد بھی لائیں گے **بینت**' **بینۃ** کی جمع ہے' جس کا مادہ بین ہے معنی ظہور' اسی لئے کلام کو بیان کہا جاتا ہے' کہ وہ دل کی بات ظاہر کر دیتا ہے' گواہوں کو بینہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ دعویٰ کو ظاہر کرتے ہیں بینہ کے معنی ظاہر یا ظاہر کرنے والی چیز ہے' یہاں اس سے معجزات مراد ہیں' کہ وہ نبوت کو ظاہر کرتے ہیں' معجزہ' کرامت' ارہاص' استدراج کی تعریفیں اور ان کے فرق ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے' خیال رہے کہ پچھلے نبیوں کو ایک ایک دو دو معجزے ملے تھے' موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزے عطا ہوئے' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ان گنت ہیں' **الذی قلتم** سے مراد وہی قربانی ہے' جس کا ذکر انہوں نے کیا تھا یعنی آپ فرما دو کہ مجھ سے پہلے کچھ رسول روشن معجزات بھی لائے تھے اور یہ قربانی بھی' جس کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو مگر تم ان پر ایمان نہ لائے ورنہ **فلم قتلتموھم ان**

کنتم صٰدقین اگرچہ قاتلین انبیاء موجودہ یہود کے باپ دادے تھے نہ کہ خود مگر چونکہ یہ ان قاتلوں کالوپ واحترام بھی کرتے تھے اور حمایت بھی اس لئے انہیں بھی قاتل قرار دیا گیا یعنی اگر تم سچے ہو کہ واقعی تم قربانی لانیوالے نبی پر ایمان لاتے ہو تو بتاؤ تم پچھلے قربانی والے نبیوں پر ایمان کیوں نہ لائے 'تم ان پر ایمان تو کیا لاتے 'تم نے انہیں شہید کرڈالا **فان کذبوک: ف تعقیبہ** ہے اور ان فقط تعلیق کیلئے ہے نہ کہ شک کیلئے 'کیونکہ وہ یہود تو ظاہر قصور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے 'اور ہو سکتا ہے کہ ان شک کیلئے ہی ہو 'اور جھٹلانے سے مراد اس مذکورہ بیان میں جھٹلانا ہو یعنی اے محبوب اگر اب بھی یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں اور آپ کو نبی نہ مانیں یا اگر اپنی بے حیائی سے کہہ بیٹھیں کہ قتل انبیاء کا واقعہ ہم سے ہوا ہی نہیں یا جنہیں ہم نے قتل کیا علاوہ قربانی لائے ہی نہ تھے تو آپ غم نہ کریں 'کیونکہ **فقد کذب رسل من قبلک:** **فقد** کی ف تعلیلیہ ہے نہ کہ جزائیہ ' یہ جملہ پوشیدہ جزاء کی علت ہے 'کذب' تکذیب سے بنا 'بمعنی جھوٹا کرنا 'جھوٹا کہنا 'جھوٹا سمجھنا 'یہاں آخری دو معنی میں ہے ' یعنی آپ غم نہ کریں 'آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھوٹا کہا گیا 'جھوٹا سمجھا گیا 'کسی رسول کو سب نے نہیں مانا **جاء وا بالبینت والزبر والکتب المنیر** یہ جملہ رسل کی صفت ہے بینات سے مراد معجزات ہیں 'زبر جمع زبور کی ہے 'جس کا مادہ زبر ہے 'بمعنی لکھنا 'اچھا کرنا 'ڈانٹنا 'وعظ 'ٹکڑا 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتونی زبر الحدید:** مجھے لوہے کے ٹکڑے دو 'کہا جاتا ہے کہ زبرت الرجل:میں۔ نے اس شخص کو ڈانٹا اور برائیوں سے روکا (تفسیر کبیر وغیرہ) یہاں اس سے صحیفے مراد ہیں 'جو گزشتہ انبیائے کرام کو عطا فرمائے گئے 'کیونکہ وہ لکھے ہوئے بھی تھے 'ان میں وعظ و نصیحت بھی تھی اور ڈانٹ ڈپٹ بھی 'اس لئے نہیں زبر فرمایا گیا 'کتاب میں الف لام جنسی ہے 'اس لئے یہ لفظ ایک پر بھی بولا جائے گا زیادہ پر بھی 'یہاں ایک سے زیادہ کتابیں مراد ہیں کیونکہ قرآن سے پہلے آسمانی کتابیں آچکی تھیں توریت 'زبور اور انجیل: صحیفے اور کتاب کا فرق اور ان کی تعداد ہم پہلے پارہ میں عرض کرچکے ہیں 'بعض علماء نے فرمایا کہ کتاب منیر سے مراد قرآن شریف ہے 'چونکہ قرآن شریف کے مضامین گزشتہ کتابوں میں تھے 'اس لئے ارشاد ہوا کہ وہ انبیاء قرآن بھی لے کر آئے 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **وانہ لفی زبر الاولین** مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) یعنی ان یہودیوں نے ایسے نبیوں کو جھٹلایا جو معجزات بھی لائے تھے صحیفے بھی اور کتابیں بھی 'انہوں نے صبر کیا تھا آپ بھی صبر کیجئے 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل** صبر نبیوں اور ولیوں 'مقبولوں 'محبوبوں کا عمل ہے 'صبر پر بڑا اجر ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ یہود ایسے ڈھیٹ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں پر 'اس کی کتابوں پر بہتان باندھنے میں ذرا شرم نہیں کرتے 'غور تو کرو 'کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے توریت شریف میں یا انبیاء بنی اسرائیل کی معرفت پختہ وعدہ لے لیا ہے 'اور ہم اس سے معاہدہ کرچکے ہیں کہ کسی دعوی نبوت کرنے والے پر ایمان نہ لائیں 'تاوقتیکہ وہ ہمیں قربانی کا معجزہ دکھائیں کہ اپنی نبوت کے ثبوت کیلئے جانور کی قربانی کریں 'اس کا گوشت پہاڑ پر رکھیں 'غیبی آگ آئے 'جو اس گوشت کو جلا کر خاک کرجائے چونکہ آپ نے یہ معجزہ دکھایا نہیں 'اس لئے ہم اپنے اس عہد کے موافق آپ پر ایمان نہیں لا سکتے 'ہمارے لئے آپ پر ایمان لانا گناہ ہے 'کہ اس میں اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی ہے 'یہ جھوٹے ہیں 'نہ ہم نے انہیں یہ حکم دیا ہے اور نہ سارے انبیائے بنی اسرائیل قربانی کا معجزہ لائے 'آپ بطور معارضہ ان کا منہ بند کرنے کیلئے یہ پوچھیں کہ تمہاری

بات سے معلوم ہوا کہ قربانی نہ لانے والے پیغمبروں پر ایمان لانا گناہ ہے تو یقیناً قربانی لانے والے پیغمبروں پر ایمان لانا فرض ہو گا اور جس پر ایمان لایا جائے' اس کا احترام و ادب اور اطاعت لازم ہے' تو بتاؤ کہ تم نے ان گزشتہ پیغمبروں کو قتل کیوں کیا تھا جو تمہارے معیار پر بھی نبی تھے کہ وہ دیگر معجزات بھی لائے تھے اور قربانی کا معجزہ بھی' اگر تم سچے ہو تو تمہارا عمل تمہارے قول کے خلاف کیوں ہے؟ اس جواب پر انہیں خاموش ہی ہونا پڑے گا' لیکن اگر یہ پھر بھی خاموش نہ ہوں یہ سن کر بھی آپ کو جھٹلائیں یا اپنے قتل کا ہی انکار کر دیں تو آپ بالکل غم نہ کریں کہ انہوں نے پچھلے پیغمبروں پر نہایت ڈھٹائی سے انکار کیا حالانکہ ان پیغمبروں کے پاس معجزات بھی تھے صحیفے بھی اور چمکتی دمکتی کتاب آسمانی بھی' اس طرح کہ بعض کے پاس صرف معجزات تھے' بعض کے پاس معجزات بھی اور صحیفے بھی جیسے ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام' اور بعض کے پاس معجزات بھی' صحیفے بھی' کتاب بھی' جیسے حضرت موسیٰ و داؤد علیہما السلام' جب ان نبیوں نے ان کی تکذیب پر صبر کیا' آپ بھی صبر کریں' اگرچہ صبر تلخ ہے مگر اسکے پھل میٹھے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفار کا کفر اور جھوٹوں کا جھوٹ ان کی تردید کیلئے بیان کرنا برا نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کا جھوٹ بیان فرما کر ان کی تردید فرمائی' ہاں اس جھوٹ سے راضی ہو کر اسکی اشاعت کرنے کیلئے بیان کرنا منع ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ہر سنی بات بیان کر دے وہ بھی جھوٹا ہے۔ دوسرا فائدہ: نبی پر' کتاب الٰہی پر' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بد ترین جرم ہے اور طریقہ یہود اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جھوٹی اور گندی باتیں قرآن شریف یا حدیث شریف کی طرف نسبت کر دیتے ہیں' اور پھر آیات و احادیث میں کھینچ تان کر کے اس پر چسپاں کرتے ہیں' جیسا کہ آجکل عام طور پر ہو رہا ہے۔ تیسرا فائدہ: ایمان میں رسول مقدم ہیں' آسمانی کتاب اور دیگر چیزیں بعد میں' دیکھو ان لوگوں نے یہاں ایمان کے ساتھ رسول کا ذکر کیا نہ کہ کتاب وغیرہ کا۔ چوتھا فائدہ: ثبوت نبوت کیلئے ایک معجزہ بھی کافی ہوتا ہے' اپنی طرف سے معجزے مقرر کر کے اس کا مطالبہ کرنا طریق یہود ہے جیسا کہ **حتی یاتینا** الخ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: سارے نبی نہیں' قربانی کا معجزہ چند حضرات ہی لائے جیسا کہ رسل کی تنوین تقلیلی سے معلوم ہوا مگر مطلق معجزہ ہر پیغمبر کے پاس تھا۔ چھٹا فائدہ: قتل نبی و ایذائے نبی انکار نبوت کی دلیل ہے جیسا کہ **قتلتموھم** سے معلوم ہوا' دیکھو رب تعالیٰ نے استہزائے نبی کو کفر قرار دیا ہے کہ فرمایا **لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم**' فقہاء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو گندگی میں ڈالنا کفر ہے' کہ یہ انکار قرآن کی دلیل ہے' ان کا ماخذ یہ آیت بھی ہے' یوں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں یا نسبتوں کا مذاق اڑانا کفر ہے کہ یہ انکار نبی کی علامت ہے' حتیٰ کہ امام ابو یوسف کے سامنے' کسی نے کہا کہ کدو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب تھا' دوسرا بولا مگر مجھے پسند نہیں' آپ نے اس سے توبہ کرائی' اگر توبہ نہ کرتا تو آپ اسے قتل کرا دیتے' ان سب کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے۔ ساتواں فائدہ: قول کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے' جسکا عمل اسکے قول کے خلاف ہو وہ جھوٹا ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں یہود کو جھٹلانے کیلئے ان کی بد عملی یعنی قتل انبیاء کو پیش فرمایا' آج جو کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو' مگر خود مدد مانگنے کیلئے حاکموں' حکیموں' وکیلوں' مالداروں کے دروازوں پر پھرتے ہیں' وہ اپنے عمل سے خود جھوٹے ہیں ایسے ہی جو کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانا حرام ہے' امام ضامن باندھنا شرک ہے مگر خود قائد اعظم

کے مزار کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے پر شرکت کریں' اس کام کی تعریف کریں' اور صدر ایوب صدر پاکستان کے بازو پر امام ضامن باندھیں وہ اپنے عمل سے اپنی خود تردید کرتے ہیں۔ آٹھواں فائدہ: پچھلی آسمانی کتابیں معجزہ نہ تھیں' صرف قرآن شریف آسمانی کتاب بھی ہے اور معجزہ بھی' دیکھو یہاں کتاب منیر کو بینات پر معطوف کیا گیا اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر) نواں فائدہ: کفار کے جھٹلانے اور اسلام قبول نہ کرنے پر دل تنگ نہ ہونا چاہئے بلکہ صبر کیساتھ تبلیغ کئے جائے کام کرنا ہمارے ذمہ ہے انجام خدا کے قبضہ میں۔

پہلا اعتراض: ان یہود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا معجزہ بھی کیوں نہ دکھاویا' تاکہ ان کا منہ بند ہو جاتا' اور راستے بڑے جواب کی ضرورت پیش نہ آتی! جواب: اس لئے کہ وہ یہود ایمان لانے کے واسطے یہ نہ کہہ رہے تھے ان کے محض بہانے تھے' اگر یہ معجزہ دکھادیا جاتا تو وہ کوئی اور بہانہ بنالیتے اور قانون قدرت یہ ہے کہ اگر کسی قوم کے مطالبہ پر کوئی معجزہ دکھایا جائے' پھر وہ اسے نہ مانے' تو عذاب الہٰی آجاتا ہے اور قوم تباہ کردی جاتی ہے' ضدی لوگوں کے مطالبہ پر مکہ کی زمین سے پانی کے چشمے نہ نکالے گئے مگر ویسے انگلیوں سے پانی نکال کر لوگوں کو سیراب کیا گیا' کنکر پتھروں کا کلمہ پڑھنا اور جانوروں کا آپ سے فریاد کرنا' ڈوبے ہوئے سورج کا لوٹنا' چاند ٹوٹ کر جڑنا قربانی کے معجزہ سے کچھ کم تھا؟ ان معجزات کے ہوتے ہوئے قربانی کا مطالبہ محض ضد تھی۔ دوسرا اعتراض: کیا سارے پچھلے پیغمبروں کے پاس ایک ہی کتاب تھی' اگر نہیں بلکہ چند تھیں' تو کتاب واحد کیوں فرمایا گیا؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ الکتاب میں الف لام جنسی ہے جو واحد جمع سب پر آتا ہے لہٰذا تمام کتابوں کو الکتاب فرمانا درست ہے اور ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے کہ یہ قرآن شریف ان تمام کتابوں میں بالاقساط موجود تھا۔ تیسرا اعتراض: صحیفہ اور کتاب میں کیا فرق ہے؟ جس کی وجہ سے زبر کے بعد الکتاب کا ذکر کیا گیا! جواب: وہی فرق ہے جو آج کل آرٹیکل' رسالے اور کتاب میں فرق ہوتا ہے کہ صحیفہ میں صرف ایک دو مضمون ہی ہوتے تھے مگر کتاب میں باقاعدہ بہت سے احکام۔ صحیفہ اور کتاب کے بہت سے فرق ہم پہلی جلد میں بیان کر چکے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے انسان دو قسم کے ہیں' بعض وہ جو نبی کی ماتحتی قبول کر لیتے ہیں' وہ سعادت مند ہیں' اور بعض وہ جو نبی پر سرکشی کرتے ہیں حتیٰ کہ انہیں قتل کر دیتے ہیں' جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا' وہ شقی اور بدنصیب ہیں ایسے ہی ہمارے اندر نفسانیت بھی ہے' اور روحانیت بھی' بعض نفوس وہ ہیں جو روحانیت کے سامنے جھک جاتے ہیں' اور اس کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں' یہ نفس رحمت الہٰی کے مستحق ہیں بعض نفس سرکشی کرتے ہیں اور روحانیت کو دبا لیتے ہیں' یہ نفوس قہر الہٰی کے مستحق ہیں' ایسے نفوس کے وسوسے اعمالات پر غالب آجاتے ہیں' نفسانی عیوب روحانی صفات پر چھا جاتے ہیں۔ جس سے انسان جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے' انہی کیلئے ارشاد ہوا **اولئک کالانعام بل ھم اضل** نفسانی لوگوں کی صحبت سے بچو ورنہ خود نفسانی بن جاؤ گے' روحانی لوگوں کے پاس بیٹھو تاکہ خود روحانی بن جاؤ' کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

نفس ازہم نفس بگیرد خو! — پرحذر باش از لقائے خبیث

باد چوں بر فضائے بد گزرد — بوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

یعنی جہاں تک ہو سکے برے یار سے بھاگو کہ انسان یار کا اثر لیتا ہے گندگی سے ہوا مس کر کے خود گندی ہو جاتی ہے کہ

لوگوں کو بیمار و پریشان کر دیتی ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دنیا اور اہل دنیا کی مثال ماں اور شیر خوار بچے کی سی ہے کہ ماں آئی' بچہ خوش ہو گیا' ماں گئی بچہ رونے لگا' دن بھر میں کئی مرتبہ یہ واردات اس پر گزرتی ہے' دنیادار کا بھی یہی حال ہے کہ جب دنیا آئی' اکڑ گیا جب دنیا چھوٹ گئی بچھڑ گیا' مولانا فرماتے ہیں۔

گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی! چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

کسی شاعر نے کیا مزے کا شعر لکھا ہے۔

عدوی البلید الی الجلید سریعۃ والجمر یوضع فی الرماد فیخمد!

یعنی خسیس نفیس پر جلد اثر کر لیتا ہے' راکھ کی صحبت چنگاری کو بجھا دیتی ہے۔ (تفسیر روح البیان) لہٰذا کوئی اپنے پر اعتماد کر کے بری صحبت اختیار نہ کرے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
ہر جان چکھنے والی ہے موت کو اور بات یہی ہے کہ تم پورے دیئے جاؤ گے اپنی اجریں قیامت کے دن
ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ
تو جو کوئی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے دنیوی
تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو

الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝
زندگی مگر دھوکے کا سامان۔
یہی دھوکے کا مال ہے۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گزشتہ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ انبیائے کرام کے حالات سنا کر تسلی تشفی دی گئی تھی اب اس آیت میں آئندہ آنیوالی موت کی طرف دھیان دلا کر تسلی دی جارہی ہے کہ یہ تکالیف عارضی ہیں کیونکہ ان تکالیف کی جگہ یعنی دنیا بھی عارضی ہے (روح المعانی و کبیر) دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کی ضد اور ڈھٹائی کا ذکر کیا گیا اب اس ضد کی انتہاء اور اس کے انجام کا ذکر ہے کہ یہ ضد ہمیشہ نہ رہے گی' موت کو دیکھتے ہی بڑی اکڑ والے بھی سیدھے ہو جائیں گے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبیوں کو قتل کیا اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ قتل انبیاء اس لئے نہیں ہوا کہ نبی لاوارث اور بے والی تھے' یا رب تعالیٰ نے انہیں

چھوڑ دیا تھا' بلکہ اس لئے ہوا کہ ہر ایک کو موت آنی ہے' کس طرح آنی ہے' جس طرح ہم چاہیں ان حضرات انبیاء کی موت اسی طرح مقدر تھی' جس میں ہماری صدہا حکمتیں تھیں' اس لئے ان کا شہید ہونا نہ ان کی شان کے خلاف ہے اور نہ ہمارے اس وعدہ کے خلاف کہ ہم اپنے نبیوں کی مدد کریں گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی انتہائی بد عملیوں کا ذکر تھا اب ان بد عملیوں کی سزا کے وقت کا بیان ہو رہا ہے کہ ہماری ڈھیل سے دھوکا نہ کھاؤ' یہ ڈھیل محض اس لئے ہے کہ ابھی سزا کا وقت نہیں آیا۔

تفسیر: کل نفس ذائقۃ الموت: کل نفس مبتداء ہے اور **ذائقۃ الموت** خبر' کل افرادی ہے' جس میں نفس کا ہر فرد شامل ہے' نفس کے چند معنی ہیں: ذات: **لا اعلم ما فی نفسک** دل: **تعلم ما فی نفسی** روح' جان والابدن' خواہ نوری ہو یا ناری یا خاکی' جیسے فرشتہ' جن' حیوانات' نفس امارہ' نفس مطمئنہ' یہاں نفس یا بمعنی روح ہے یا بمعنی جاندار جسم' فرشتے' جنات' حیوانات' ذات یا دل مراد نہیں' بمعنی ذات تو اللہ تعالیٰ بھی ہے' وہ موت سے پاک ہے' یوں ہی بغیر دل والی مخلوق یعنی فرشتوں کو بھی موت ہے' ذائقہ ذوق بمعنی چکھنے سے بنا' یہ چکھنا کھانے کے مقابل نہیں تاکہ کمی پر دلالت کرے گا بلکہ برداشت کرنے کے معنی میں ہے یا بمعنی نازل ہونا وغیرہ' موت کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں' کہ روح کا بدن سے نکل جانا موت ہے' اور روح کا جسم میں ہونا حیات یعنی زندگی' خشک زمین یا زندہ کافروں کو جو میت فرمایا گیا وہاں موت سے مراد بے کار ہے' حقیقی معنی موت کے یہ ہی ہیں' حق یہ ہے کہ اس **کل نفس** میں تمام فرشتے' جنات' حیوانات' انسان داخل ہیں' کوئی اس سے خارج نہیں یعنی ہر جاندار جسم کو موت برداشت کرنی ہے اس پر موت یقیناً نازل ہونی ہے: حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ **کل من علیها فان** نازل ہوئی تو فرشتے بولے' صرف زمین والوں کو فنا ہے' ہم تو زمین والے نہیں مگر جب یہ آیت کل نفس نازل ہوئی تو بولے ہم بھی گئے' اس روایت سے معلوم ہوا کہ کل نفس میں فرشتے بھی داخل ہیں' کسی کو موت سے چارہ نہیں' ضرور مرنا ہے (کبیر' روح المعانی) اس آیت کے عموم میں انبیاء' شہداء' صوفیاء' علماء سب ہی داخل ہیں جیسا کہ عرض کیا جائے گا' غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر زندہ کو موت آنی ہے **وانما توفون اجورکم یوم القیمۃ انما** حصر کیلئے ہے' **توفون** **وفاء** سے بنا بمعنی پورا' توفی کے معنی ہیں پورا پورا لینا اجور اجر کی جمع ہے بمعنی جزاء عمل خواہ برے عمل کی سزا ہو یا اچھے عمل کا ثواب' یہاں اجر سزا و ثواب دونوں کو شامل ہے' کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر' متقی ہوں یا فاجر' جن و ملائکہ اس سے خارج ہیں کہ جنات کی سزا تو ہے مگر ثواب یعنی جنت نہیں' اور فرشتوں کو نہ سزا نہ ثواب' دوزخ جنت تو صرف انسانوں کیلئے ہے اسی لئے یہاں کم فرمایا **توفون** کا نائب فاعل نفس کو نہ بنایا کہ موت تو ہر جاندار کو آنی ہے جن و انس' فرشتہ مگر سزا جزا صرف انسانوں کو' قیامت کے دن سے مراد خاص حساب کا دن مع انتہاء ہے' قیامت کی انتہا جنت و دوزخ کو ہے لہٰذا آیت صاف ہے' یوم بمعنی دن کہ قیامت میں دن رات نہ ہوں گے' سورج دن نہ نکالے گا' تجلے رب تعالیٰ کے نور کی ہوگی' چونکہ اس دن سب کھڑے ہوں گے یا اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی لئے اسے قیامت کہتے ہیں یعنی کھڑے رہنے یا اٹھنے کا دن یعنی موت تو ہر جاندار کو آنی ہے مگر اے انسانو! سزا و جزاء صرف تم ہی کو ملنی ہے' اور وہ سزا و جزا مکمل طور پر صرف قیامت ہی کو ملے گی' دنیا یا برزخ میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ نہ پوری سزاء ہے نہ پوری جزاء'

پورے بدلہ کا دن صرف قیامت ہے۔ **فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز:** ف' تفصیل کی ہے' یہ جملہ **توفون** کا تفصیلی بیان ہے' من سے مراد صرف انسان ہیں جنات و ملائکہ اس سے بھی خارج ہیں کہ جنت میں ثواب انسان ہی کو ہے' **زحزح زحزحۃ** سے بنا بمعنی دور رکھنا' جلدی سے کھینچ لینا' پیچھے رکھنا' چنانچہ اعتراض اٹھ جانے پر کہتے ہیں زاح السوال: رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما ھو بمزحزحہ من العذاب** نار سے مراد دوزخ کے تمام طبقے ہیں گرم ہوں یا سرد کہ وہاں دونوں گرمی و سردی آگ کی وجہ سے ہیں زحزح اور ادخل مجہول فرما کر بتایا گیا کہ آگ سے بچنا' جنت میں پہنچنا محض انسان کے کمال سے نہیں بلکہ عطائے ذوالجلال سے ہے' جنت کے معنی اور اس کی پوری تحقیق پہلے پارے کے شروع میں ہو چکی کہ اس کے معنی ہیں چھپنا اور گھنا باغ' **فاز فوز** سے بنا جس کے معنی ہیں کامیابی کے ساتھ بھلائی پالینا' چونکہ یہاں ہر قسم کی کامیابی مراد ہے نہ کہ خاص کامیابی' اس لئے **فاز** کا مفعول بیان نہ ہوا یعنی جو انسان اللہ کے فضل و کرم سے اس دن آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا' حقیقتہ" کامیاب وہ ہی ہوا' دنیا میں مال دار' عیالدار' تاجدار ہونا حقیقی کامیابی نہیں **وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور** یہ نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ ہے' یہاں دنیا لفظا" اگرچہ حیوۃ کی صفت ہے مگر معنی مضاف الیہ حیوۃ موت کا مقابل ہے بمعنی زندگی یعنی روح کا جسم میں رہنا' دنیا کی زندگی وہ ہے جو غفلت میں گزرے' جس زندگی میں آخرت کی تیاری کر لی جائے' وہ دنیا میں زندگی تو ہے مگر دنیا کی زندگی نہیں' یہاں دنیا کی زندگی کا ذکر ہے متاع وہ سامان ہے جو برت کر چھوڑ دیا جائے جو برت کر فنا کر دیا جائے اسے متاع نہیں کہتے' لہذا کھانا کپڑا متاع نہیں کہ انہیں کھا پہن کر فنا کر دیا جاتا ہے' مگر برتن بھانڈے مکان وغیرہ متاع ہیں کہ برتنے کے بعد ویسے ہی رہتے ہیں چونکہ دنیا رہ جاتی ہے' دنیا دار برت کر چل دیتا ہے' اس لئے اسے متاع فرمایا گیا بھی تجارتی سامان کو بھی متاع کہتے ہیں' یہاں پہلے زیادہ موزوں ہیں: تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ لذتیں' شہوتیں' زینتیں دنیا ہیں' اور ان چیزوں کے سامان متاع دنیا: غرور' غرر سے بنا بمعنی غفلت' دھوکا' غرور مصدر بھی ہے اور غارہ کی جمع بھی' یعنی غفلت پیدا کرنے والے یا دھوکا دینے والے' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی دنیا کی زندگی جو غفلت میں گزرے وہ دھوکے کا سامان ہے یا دھوکا دینے والے شیاطین کا سامان: تفسیر کبیر نے فرمایا کہ دنیا اس تجارتی سامان کی طرح ہے جو ملمع کرکے رات کے اندھیرے میں کسی ناواقف کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے کہ دیکھنے میں بڑا خوبصورت ہو' مگر دن نکلنے اور واقف کے بتانے پر اس کی اصلیت کھل جائے' جس سے خریدار کو سخت صدمہ ہو' انسان خریدار ہے' شیطان بیوپاری' دنیا ملمع کیا ہوا سامان جو بظاہر بڑا دلفریب ہے' مگر علماء کے بتانے یا موت آنے سے اس کی اصلیت کھل جاتی ہے: حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا اس خوشنما سانپ کی طرح ہے جو دیکھنے میں حسین' چھونے میں نرم و ملائم ہے' مگر اس کا زہر قاتل ہے' بظاہر اس میں سرور یعنی خوشی ہے مگر باطن اس میں شرور یعنی شر و فساد ہے۔ (کبیر)

خلاصہ ء تفسیر: ہر زندہ و جاندار کو فرشتہ ہو یا حیوان یا جن ضرور موت کا مزہ چکھتا ہے' کسی کو موت کی لذت چکھتا ہے' کسی کو اس کی شدت کسی کو موت سے چارہ نہیں۔۔۔

جو یہاں آیا ہے اس کو ہو گا جانا ایک دن — سب کو ہے **منھا خلقنکم** کا صدمہ ایک دن

خیال رکھو کہ موت تو سب کو آنی ہے' جان تو سب کی جانی ہے' سزا و جزا اے انسانو! صرف تمہارے لئے ہے' اور یہ بھی

خیال رکھو سزا و جزا کی جگہ نہ تو دنیا ہے نہ برزخ اس کی جگہ قیامت اور اس کا وقت روز قیامت ہے اس ہی دن نیک کاروں کو پورا ثواب اور بدکاروں کو پورا عذاب دیا جائے گا' دنیا کی مصیبت و آرام تو معمولی چیزیں ہیں' پورا کامیاب وہ ہی ہے جو قیامت کے دن دوزخ سے بچالیا جائے کہ وہاں بالکل سزا نہ پائے اور جنت میں داخل کردیا جائے' دنیا کی یہ کامیابیاں معمولی ہیں' دھیان رکھو کہ دنیاوی زندگی جو غفلت میں کٹے' وہ تو صرف پونجی ہے جو برت کو چھوڑ دی جائیگی اور پونجی بھی کیسی دھوکا فریب کی' کہ شیطان نے اسے دلکش' دلفریب' خوبصورت' حسین دکھلایا ہے' لوگ اس کے فریب میں آگئے' جب موت آئے گی' تو اس کی حقیقت کھل جائے گی' جس نے اس زندگی کو اپنی غرض و غایت بنایا' اس نے دھوکا کھایا کہ خالی ہاتھ یہاں سے گیا' جو یہاں غافل نہ رہا' یہاں نیکی کے بیج بو تا رہا' وہ ہی کامیاب گیا۔

ایک دن آخر کو مرنا ہوئے گا باغ عالم سے گزرنا ہوئے گا
کر لے نیکی جو کہ تجھ سے ہو سکے بیج نیکی کا تو بو جو بو سکے

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** موت یعنی بدن سے جان کا نکلنا ہر زندہ جسم کیلئے ہے' فرشتے' جنات' انسان سب ہی موت کی زد میں ہیں' پھر انسانوں میں ہر قسم کے انسان حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اولیاء اللہ سب کو یہ موت ضرور آنی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انک میت وانہم میتون** جیسا کہ کل نفس کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** روح کو موت نہیں بلکہ موت صرف جسم کو ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اگر روح بھی مرجائے تو مزہ کون چکھے' روح باقی ہے (کبیر' روح المعانی) **تیسرا فائدہ:** موت میں بھی مزہ ہے' کسی کی موت لذیذ ہے کسی کی شدید کسی کی موت میٹھی ہے کسی کی کڑوی مگر چکھنی سب نے ہے بعض لوگ مر کر محبوب سے چھوٹتے ہیں' بعض لوگ مر کر محبوب سے ملتے ہیں' جو چھوٹتے ہیں ان کے لئے موت کڑوی ہے' جو موت کے ذریعہ محبوب سے ملتے ہیں ان کی موت میٹھی۔ **چوتھا فائدہ:** موت آنی سب کو ہے' مگر کسی کی موت آنی فانی طور پر آتی ہے کہ آئی اور ختم ہوئی' پھر انہیں زندگی مل گئی اور کسی کو موت قیامت تک باقی' یہ بھی **ذائقۃ الموت** سے معلوم ہوا (تفسیر صاوی وغیرہ) **پانچواں فائدہ:** سزا و جزا اخروی صرف انسانوں کو ہے' فرشتوں یا جنات کو نہیں' جانور' جنات تو بد عملیوں' ظلموں کی سزا دیکر مٹی کردیئے جائیں گے' فرشتے ذکر الٰہی یا اہل جنت کی خدمت کیلئے رکھے جائیں گے' جیسا کہ اجورکم سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے ہر نفس کو یہاں مخاطب نہ فرمایا صرف انسانوں کو مخاطب کیا۔ **چھٹا فائدہ:** نیک و بد اعمال کا پورا بدلہ قیامت ہی کو ملے گا اس سے پہلے نہیں' اسلئے اس قیامت کو **یوم الدین** یا **یوم الجزاء** بھی کہتے ہیں جیسا کہ یوم القیمۃ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نیکیوں کا اجر و ثواب تو پورا ملے گا' جس میں بالکل کمی نہ ہو گی مگر گناہوں کی سزا کم بلکہ معاف بھی ہو جائیگی جیسا کہ اجورکم سے اشارۃً معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** صرف آگ سے نجات پاجانا پوری کامیابی نہیں کہ یہ تو جنات و جانوروں کو حاصل ہوگی' بلکہ جنت میں داخلہ پوری کامیابی ہے جیسا کہ **وادخل الجنۃ** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** آگ سے نجات جنت کا داخلہ' رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی میسر ہو گا نہ کہ اپنی بہادری سے' کوئی شخص بغیر رحمت الٰہی جنت میں نہیں جاسکتا جیسا کہ زحزح اور ادخل مجہول فرمانے

سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: دنیاوی زندگی پر اعتماد نہ کرنا چاہئے کہ یہ دھوکا ہے بلکہ یہاں جس قدر کمایا جاسکے کمانا چاہئے' جیسا کہ متاع الغرور سے معلوم ہوا' دنیا آخرت کی کھیتی ہے' یہاں کماؤ وہاں کھاؤ' حدیث شریف میں ہے کہ مرد صالح کیلئے مال صالح اللہ کی نعمت ہے (روح المعانی) حضرت صدیق اکبر و عثمان غنی کا مال رحمت تھا' فرعون کا مال عذاب۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر جاندار کو موت آتی ہے' مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **فصعق من فی السموت والارض الا ماشاء اللہ** جس سے معلوم ہوا کہ بعض کو موت نہ آئے گی جیسا کہ الا کے استثناء سے معلوم ہوا۔ جواب: تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے تو فرمایا کہ کل نفس سے بعض چیزیں مستثنیٰ ہیں اور یہ ہی آیت پیش فرمائی' فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ کل نفس اپنے عموم پر ہے کسی قید کی ضرورت نہیں' تمہاری پیش کردہ آیت میں نفخ صور سے مرنے کا استثناء ہے یعنی قیامت کے دن پہلا صور پھونکنے پر سب فنا یا بے ہوش ہو جائیں گے' سوائے چند کے' چنانچہ خود صور اور پھونکنے والے یعنی حضرات اسرافیل' اور حضرت جبرائیل وغیرہ فنا نہ ہوں گے' وہ حکم الٰہی سے فنا ہوں گے کہ تم بھی مر جاؤ' پھر بہت عرصہ کے بعد صور یہ فرشتے بحکم پروردگار پیدا ہوں گے' اور حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے' تب تمام لوگ زندہ ہوں گے' لہذا نہ تو صور سے سب کی موت ہے نہ صور سے سب کی زندگی بلکہ اکثر کی موت و زندگی ہے' لہذا وہ آیت کریمہ اس آیت کے عموم کے خلاف نہیں' نیز یہاں موت کا ذکر ہے وہاں صعقہ یعنی غشی کا' چنانچہ پہلے نفخ پر تمام روحوں کو بھی غشی آجائیگی مگر موت نہیں کہ روح موت سے علیحدہ ہے۔ دوسرا اعتراض: جنتی حور و غلمان کو بھی موت ہے یا نہیں' اگر ہے تو احادیث بلکہ دوسری آیات کے بھی خلاف ہے' اور اگر نہیں تو اسکے خلاف ہے! جواب: اس کا مکمل جواب تو انشاء اللہ **ونفخ فی الصور** کی تفسیر میں عرض کیا جائیگا' یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں نفس سے مراد وہ اجسام ہیں جن میں روح پھونک کر زندہ کیا گیا ہو' حور و غلمان کی زندگی ایسی نہیں' لہذا وہ نفس سے خارج ہیں انہیں موت نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کو موت ہے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ شہداء کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں شہداء کو مردہ مت سمجھو وہ زندہ ہیں' انہیں روزیاں مل رہی ہیں' آیات میں تعارض ہے! جواب: اس کے جوابات ابھی کچھ پہلے **ولا تحسبن** الخ کی تفسیر میں اور دوسرے پارہ میں **ولا تقولوا لمن یقتل** الخ کی تفسیر میں گزر چکے کہ موت چکھنا اور ہے اور مردہ رہنا کچھ اور' وہ حضرات موت چکھتے تو ہیں مگر مردہ رہتے نہیں' ان کی موت آنی ہے یا پھر انہیں حیات جاودانی ہے' یا موت دو قسم کی ہے' موت حسی: جسم سے جان نکل جانا' موت حقیقی' جان کا جسم کو چھوڑ دینا' موت حسی سب کو ہے' موت حقیقی ان حضرات کو نہیں' یہاں موت حسی کا ثبوت ہے وہاں موت حقیقی کی نفی' چوتھا اعتراض: اگر روح' جنت و دوزخ' حور و غلمان کو موت یا فنا نہیں' تو وہ سب خدا ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ باقی ہے یہ چیزیں بھی باقی' نیز آریہ صرف روح و مادہ کو قدیم مانتے ہیں تو انہیں مشرک کہتے ہو' تم نے لاکھوں چیزوں کو غیر فانی مانا' تم مشرک کیوں نہ ہوئے؟! (ہندو آریہ) جواب: ایک ہے ازلی ہونا یعنی ہمیشہ سے ہونا' یہ صرف خدا تعالیٰ کی صفت ہے' باقی تمام چیزیں اس کے پیدا کرنے سے ہوئیں' رب تعالیٰ خالق ہے باقی تمام مخلوق' اور ایک ہے ابدی ہونا یعنی ہمیشہ تک رہنا' یہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے دوسرے بندوں کو بھی حاصل ہے' رب تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ رکھا' وہ ہمیشہ رہیں گی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **خلدین فیھا ابدا** : اور فرماتا ہے **اکلھا دائم**: خدا تعالیٰ کے

سوا کسی کو ازلی ماننا شرک ہے کہ ازلی چیز رب تعالیٰ کا بندہ' رب تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہوتی' مگر حکم الٰہی سے کسی کو ابدی ماننا بالکل درست ہے' رب تعالیٰ باقی ہے اور قیوم بھی یعنی خود قائم رہنے والا اور بعض کو قائم رکھنے والا' جو کچھ ابدا'' رہے گا وہ رب تعالیٰ کی قیومیت سے رہیگا۔ **پانچواں اعتراض:** موت و فنا میں کیا فرق ہے؟ کہ موت کیلئے فرمایا گیا **کل نفس** اور فنا کیلئے فرمایا گیا **کل من علیھا فان** جو زمین پر ہے وہ فانی۔ اور ہلاکت کیا چیز ہے؟ جس کے متعلق ارشاد ہوا **کل شی ھالک الا وجھہ** موت کیلئے نفس' فنا کیلئے **من علیھا**' ہلاکت کیلئے کل شی کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** موت تو حیات کا مقابل ہے' حیات کے معنی ہیں روح کا جسم میں رہنا' موت کے معنی ہیں' روح کا جسم سے نکل جانا' موت صرف اس مخلوق کو آئے گی جو حیات والی ہو' لکڑی' اینٹ' پتھر کو موت نہیں کہ ان میں حیات نہیں' فنا بقاء کا مقابل ہے' بقا ہستی کا قائم رہنا ہے' فنا ہستی کا قائم نہ رہنا ہے' نیستی آجانا' ہر زمینی چیز فانی ہے' اینٹ پتھر وغیرہ تمام چیزیں جو موجود ہیں وہ معدوم ہوں گی' ہلاکت کے معنی ہیں قابل نیستی یعنی مٹ سکنا' جس کا منطقی ترجمہ ہے امکان خاص' یہ موت و فنا دونوں سے عام تر ہے' جنت اور وہاں کی مخلوق کو نہ موت ہے نہ فنا مگر ہلاک۔ یعنی قابل فناوہ بھی ہیں کہ ممکن ہے اس لئے وہاں کل شی ارشاد ہوا' خیال رہے کہ موت جسم و روح کی جدائی کا نام ہے' موت میں روح تو فنا ہوتی نہیں' جسم یا باقی رہتا ہے یا مٹی بن جاتا ہے مگر یہ ظاہری ترکیب کھل جاتی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سارے انسانوں کو انکے نیک و بد اعمال کے بدلے ملیں گے مکلف ہو یا غیر مکلف' حالانکہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نا سمجھ بچے' دیوانے وغیرہ نہ ان کا حساب ہے نہ عذاب ثواب' یہ عقیدہ اس آیت کریمہ کے خلاف ہے' کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

جواب: ان جیسے خطابات میں روئے سخن عاقلوں' بالغوں سے ہوتا ہے' غیر مکلف عقلی طور پر ان احکام سے مستثنیٰ ہوتے ہیں' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **اقیمو الصلوۃ** نماز قائم کرو' اور فرماتا ہے **کتب علیکم الصیام** : اور فرماتا ہے **کتب علیکم القتال** ان سب آیتوں میں خطاب مطلق ہے' مگر روئے سخن عاقلوں' بالغوں سے ہے' ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سب کو اعمال کی اجرتیں پوری ملیں گی تو جن کے پاس اعمال ہی نہ ہوں جیسے دیوانے اور نا سمجھ بچے' انہیں کس چیز کا بدلہ ملیگا؟ اور وہ کہاں جائیں گے؟ **جواب:** انہیں اللہ کا فضل ملے گا اور وہ انشاء اللہ جنت میں جائیں گے' یہاں جنت کسبی کا ذکر ہے' وہ اعمال سے ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس اعتراض سے معلوم ہوا کہ دنیوی زندگی دھوکا ہے' تو رب تعالیٰ نے اسے پیدا ہی کیوں فرمایا' دھوکہ کی چیز کا پیدا کرنا بھی تو برا ہے! **جواب:** ہرگز نہیں' بلکہ دھوکہ کھانا برا ہے' زہر پیدا کرنا برا نہیں' کسی کو دھوکہ دیکر زہر کھلانا برا ہے' اگر رب تعالیٰ نے ہمیں اس پر مطلع نہ کیا ہوتا' اس حیات دنیوی کو اچھا بتایا ہوتا اور ہوتی بری تو یہ دھوکہ دینا ہوتا' جب وہ بار بار اعلان فرما رہا ہے کہ اس کی ٹیپ ٹاپ میں پھنسنا مت' یہ ایک دھوکا ہے تو پھر رب تعالیٰ نے دھوکا کہاں دیا' نیز ہمیں زندگی آخرت کی تیاری کرنے کیلئے ملی' اگر ہم یہ نہ کریں اور اس میں پھنس کر رہ جائیں تو ہم نے اس دھوکا بنا لیا بہر حال عیب دار ہم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہر نفس کو موت آتی ہے' مگر نفس تین قسم کے ہیں تو ان کی موتیں بھی تین طرح کی' ایک وہ جن کیلئے

موت ہے مگر حشر نہیں' جیسے عام جانور کہ ان میں سے جو زندہ کئے بھی جائیں گے تو کچھ دیر کیلئے اور پھر ایکدوسرے کا بدلہ دلا کر فنا کر دیئے جائیں گے' دوسرے وہ جنہیں دنیا میں موت ہے اور آخرت میں حشر' جیسے عام انسان' فرشتے' جنات' شیاطین' تیسرے وہ نفس جنہیں موت دنیا میں ہے اور حشر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ وہ ایک آن کیلئے مرتے ہیں' پھر دائمی حیات پا لیتے ہیں' جیسے حضرات انبیاء کرام و شہداء اور خاص مومنین' یہ وہ نفوس ہیں جو عشق کی تلوار سے جیتے جی ہی مرگئے اور موتوا قبل ان تموتو پر عمل کر گئے' ان کی فنا فی اللہ اور للہ ہے تو ان کی بقاء باللہ ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے اومن کان میتا فاحیینہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس : اس آیت کریمہ میں اسی صوفیانہ موت و حیات کا ذکر ہے جو دنیا میں ہی اللہ والوں پر طاری ہوتی ہے' اور وہ آیت اس آیت کل نفس کی تفسیر ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ آگ سے دوری' جنت کی حضوری (داخلہ) گناہوں سے بچنے اور طاعتوں میں جلدی کرنے سے میسر ہوتی ہے' یہ اسی کو حاصل ہو گا جو مقام نفس سے نکل کر حرم دل میں داخل ہو جائے' جو اس حرم میں آیا امن میں آیا ومن دخلہ کان امنا اب پڑھو یہ آیت فمن زحزح الخ یہ آگ سے دوری جنت میں داخلہ دنیا میں ہی ہو رہا ہے' بعض لوگ سستی جنت نہیں خریدتے' اور دوزخ بڑی مہنگی خرید لیتے ہیں' لاکھوں روپے فسق و گناہ میں خرچ کرتے ہیں اور دوزخ خریدتے ہیں' چند پیسے اللہ کی راہ میں نہیں دیتے اور جنت نہیں خریدتے' ان کیلئے دنیا متاع غرور ہے شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

غم و شادمانی نماند ولیک! جزائے عمل ماند و نام نیک
کرم پائے دارد نہ دیہیم تخت بدہ کز تو ایں ماند اے نیک بخت

یعنی غم و خوشی' مال و دولت' تخت و تاج ریت کی دیواریں ہیں' جنکی عمر کچھ نہیں' موت کے ایک ریلے میں سب بہہ جاتی ہیں' نیک اعمال اور نیک نام' رب تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہوا پیسہ' یہ لوہے کی دیواریں ہیں' جنہیں اخلاص کا سیسہ پلا دیا گیا ہے' انہیں کوئی سیلاب نہیں بہاتا' ان کی عمریں ابد الآباد تک ہیں' دہلی میں جا کر دیکھو کہ ایک فقیر یعنی نظام الدین اولیاء اور ایک بادشاہ یعنی ہمایوں آمنے سامنے سو رہے ہیں' سڑک کی اس طرف اس تارک الدنیا فقیر کا روضہ ہے اور سڑک کے اس پار ہمایوں کا مقبرہ' مگر نظام الدین کی قبر پر میلے لگے ہوئے ہیں' خوشبوؤں کے طبلے' پھولوں کے ڈھیر اور مقبرہ ہمایوں کی دیواریں پکار کر کہہ رہی ہیں۔

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

یہ ہے اس آیت کی زندہ جاوید تفسیر وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور ○ (از تفسیر روح البیان مع زیادۃ)

لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا

البتہ ضرور جانچے جاؤ گے تم اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور یقیناً سنو گے تم ان لوگوں سے جنہیں دی گئی

بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں اور بے شک ضرور تم اگلے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا ؕ وَاِنْ

کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہوئے بہت تکلیف دہ باتیں اور اگر

کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۸۶

تم صبر اور پرہیزگاری اختیار کئے رہو تو بے شک یہ بہادری کے کاموں سے ہے

صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے

تعلق: اس آیت کے گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہیں۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں آنے والی موت اور آئندہ ملنے والے ثواب کا ذکر فرما کر مسلمانوں کی تسلی کی گئی تھی کہ گھبراؤ مت ان تمام تکالیف کا خاتمہ ہونے والا ہے' یہ تکالیف عارضی ہیں' اب آئندہ لئے جانے والے امتحانوں کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو تسلی ہی دی جارہی ہے کہ آئندہ تمہارے امتحانات ہوں گے گھبرانا مت گویا موجودہ تکالیف سے تسلی تشفی گزشتہ آیت میں دی گئی تھی اور آئندہ پیش آنے والی تکالیف سے تسلی اس آیت میں دی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ دنیا دار محنت و غرور ہے' اب بتایا جارہا ہے کہ دنیا جائے امتحان ہے' یہ دونوں مسلمانوں کے صبر و اجر کیلئے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دنیا کی تکالیف کا اجمالی ذکر تھا' اب اس آیت میں دنیاداروں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ 1 حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی معرفت قبیلہ بنی قینقاع کے سردار فخاص کے پاس ایک خط بھیجا جس میں فرمایا گیا تھا کہ مشرکین کے مقابل تم ہماری مدد کرو' اور صدیق اکبر کو تاکید فرمائی تھی کہ تم اگر فخاص کی طرف سے کوئی تکلیف دہ بات سنو تو اس سے جنگ نہ کرنا' جب صدیق اکبر نے یہ خط فخاص کو دیا' تو وہ بولا کیا تمہارا رب تھک گیا جو ہم سے مدد مانگی جاتی ہے؟ جناب صدیق نے اسے قتل کرنا چاہا' مگر سرکار کا حکم یاد آیا اور واپس آگئے' تب یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن و کبیر)۔ 2 امام واحدی نے عروہ ابن زبیر سے روایت کی کہ اسامہ ابن زید کہتے ہیں' ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دراز گوش پر سوار تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی حارث میں سعد ابن عبادہ کی مزاج پرسی کیلئے تشریف لے گئے' راستہ میں ایک مقام پر گزرے جہاں مسلمان کفار و مشرکین بھی تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرما کر مجمع کو دعوت اسلام دی' دراز گوش کا غبار اڑ رہا تھا' عبداللہ ابن ابی اپنی ناک پر کپڑا رکھ کر بولا کہ آپ کی یہ باتیں اگر حق ہوں تو اچھی ہوں گی لیکن ہم کو ہماری مجلسوں میں مت ستایا کرو' جو آپ کے پاس آئے اسے تبلیغ کیا کرو' حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے کہا یا رسول اللہ

آپ ضرور تبلیغ کریں، ہمیں آپ کی باتیں پیاری معلوم ہوتی ہیں، اس پر مسلمانوں اور کفار میں تو تو میں میں ہو گئی، قریب تھا کہ مار پیٹ ہو جاتی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت حلم و تدبر سے معاملہ رفع دفع فرمایا اور سعد کے پاس تشریف لے گئے، حضرت سعد سے عبداللہ ابن ابی کی اس حرکت کا ذکر فرمایا، سعد نے عرض کیا حضور اہل مدینہ عبداللہ ابن ابی کو اپنا سردار چن رہے تھے آپ کی تشریف آوری سے اسے یہ نصیب داری نہ ملی، اس لئے وہ جل کر باتیں کرتا ہے تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر روح المعانی) یہ واقعہ بدر سے پہلے کا ہے جبکہ عبداللہ ابن ابی نے اسلام ظاہر نہیں کیا تھا۔ (۳) امام زہری فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی تھا کعب ابن اشرف، جو شاعر بھی تھا اور مالدار بھی، مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکساتا تھا، انہیں روپیہ تقسیم کرتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت، مسلمانوں کی ہجو میں قصیدے لکھتا تھا، جن میں مسلمان بیبیوں کی بے حرمتی کرتا تھا، اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن، روح المعانی) بخاری، مسلم میں کعب ابن اشرف کے قتل کا عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا گیا، اسے محمد ابن مسلمہ و ابو نائلہ نے عجیب شان سے قتل کیا۔

تفسیر: لتبلون فی اموالکم وانفسکم: لتبلون، بلاء سے بنا جس کا مادہ بلو ہے بمعنی آزمائش و امتحان، لام قسم کا ہے اور نون تاکید کا، اس سے پہلے واللہ، باللہ قسم پوشیدہ ہے نون تاکید کا ہے، خیال رہے کہ جمع کا واؤ تو نون تاکید کی وجہ سے گر گیا، یہ موجود واؤ مادہ کا ہے اسے پیش دے دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں واؤ گرا ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے کہ رب تعالیٰ کے امتحانات اور کفار کی طرف سے تکالیف مسلمانوں کو پہنچتی ہی رہیں گی، اور ہو سکتا ہے کہ صرف صحابہ سے خطاب ہو، ممکن ہے کہ اس خطاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہوں، اموال مال کی جمع ہے جس میں ہر قسم کے مال داخل ہیں منقولی ہوں یا غیر منقولی، انفس نفس کی جمع ہے بمعنی جان یا ذات چونکہ مال کے امتحانات زیادہ ہوتے ہیں اور جانی کم، اس لئے مالوں کا ذکر پہلے ہوا جانوں کا بعد میں یعنی اے مسلمانو! یا اے صحابیو یا اے محبوب! اور ان کے صحابہ کبار! آگاہ و تیار رہو کہ تمہارے مالی و جانی امتحانات لئے جائیں گے، خیال رہے کہ یہ امتحان رب تعالیٰ کے علم کیلئے نہیں بلکہ کھروں کھوٹوں کو الگ کرنے، چھانٹنے کیلئے ہے تاکہ اس چھانٹ پر آئندہ سزا و جزا مرتب ہو، یہ امتحان یا شرعی احکام کی شکل میں ہوں گے یا دنیاوی آفات کی شکل میں **ولتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم** یہ جملہ گزشتہ جملہ لتبلون پر معطوف ہے، واؤ عاطفہ ہے، اس میں بھی مسلمانوں کی آزمائش ہی کا ذکر ہے اگرچہ گزشتہ آزمائش میں یہ آزمائش داخل تھی، مگر چونکہ یہ سخت ترین آزمائش تھی، اس لئے اس کا الگ ذکر فرمایا، کیونکہ لوہے کی تلوار سے انسان ایک بار مرتا ہے مگر زبانوں کے زخم ہمیشہ ہی کھاتا رہتا ہے، تیز تلوار کا زخم بدن پر لگتا ہے، جو مرہم سے بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم دل پر لگتا ہے، جو کبھی نہیں بھرتا، کتاب والوں سے مراد یہودی و عیسائی ہیں کیونکہ یہ دو فرقے مدینہ پاک میں تھے اور انہی سے مسلمانوں کے مقابلے زیادہ ہوئے، داؤدی وغیرہ کہیں دیکھنے میں نہیں آتے، چونکہ اہل کتاب بمقابلہ مشرکین کے مسلمانوں سے کچھ قریب ہیں، اس لئے ان کے طعنوں کا گھاؤ دلوں پر گہرا لگتا ہے اس لئے پہلے اہل کتاب کا ذکر ہوا بعد میں مشرکین کا **ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا:** یہ ومن پچھلے من الذین پر معطوف ہے، مشرکین سے مراد سارے کفار ہیں کہ ایسے موقعوں پر کفر کو شرک اور کافروں کو مشرک کہا جاتا ہے، اذی سے مراد ہر دل دکھانے والی بات ہے، اسلام پر طعن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی،

مسلمانوں پر آوازے کسنا' مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ گیت بنانا' انہیں مجمعوں میں پڑھ کر سنانا اور ناچنا' جیسا کہ اس زمانہ میں عام مروج تھا (تفسیر روح المعانی) **وان تصبروا وتتقوا** : اس میں خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے صبر سے مراد ہے ناپسندیدہ باتوں کی برداشت۔ تقویٰ سے مراد ہے غیر مناسب باتوں سے بچنا' چونکہ صبر پہلے ہوتا ہے تقویٰ بعد میں' غیر صابر متقی کبھی نہیں ہو سکتا' اس لئے صبر کا ذکر پہلے کیا تقویٰ کا بعد میں' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان دو لفظوں میں دونوں جہان کی درستی ہے' کیونکہ برائی کے بدلہ میں برائی کرنے سے زیادہ برائی پھیلتی ہے کہ سامنے والا اور زیادہ برائی کرنے پر آمادہ ہوتا ہے' لیکن صبر کے ذریعہ برائی وہیں رک جاتی ہے اگلا شرمندہ ہو جاتا ہے' غرضیکہ صبر دنیوی تکالیف کم کرنے والا ہے اور تقویٰ اخروی تکالیف کو دفع کرنے والا **فان ذلک من عزم الامور** جملہ **ان تصبروا** کی جزا نہیں' اس کی جزا تو پوشیدہ ہے بلکہ وجہ جزا ہے' اس کی ف تعلیلیہ ہے' ذلک سے صبر و تقویٰ کی طرف اشارہ ہے' عزم مصدر بمعنی اسم مفعول ہے' اس کے معنی ارادہ و قصد بھی ہیں' اور ہمت و جرات بھی رب تعالیٰ فرماتا ہے **کما صبر اولوا العزم من الرسل** یہاں عزم بمعنی بہادری و ہمت ہے' اور فرماتا ہے **ولم نجدله عزما** یہاں عزم بمعنی ارادہ ہے' کہ ہم نے آدم کا ارادہ گناہ نہ پایا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں' یعنی یہ صبر و تقویٰ لائق ارادہ کاموں میں سے ہے کہ ہر مومن کو ان کاموں کا ارادہ کرنا چاہئے' یا یہ صبر و تقویٰ ہمت و بہادری کے کاموں میں سے ہے' بہادر لوگ ان پر کاربند رہتے ہیں' تم بھی صبر و تقویٰ کا دامن مضبوط پکڑو' بہادر بنو' محبوب کی امت ہو۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ ہم تم کو اطلاع دیئے دیتے ہیں کہ تم کو دو قسم کی سختیاں جھیلنا پڑیں گی' ایک یہ کہ تمہارے جانی و مالی امتحانات لئے جائیں گے یا اس طرح کہ تمہارے مالوں میں سے زکوٰۃ' صدقات' قربانیاں' جہادوں میں خرچ وصول کئے جائیں گے' اور جانی بھاری عبادات تم پر لازم کی جائیں گی' روزہ' حج' جہاد وغیرہ یا اس طرح کہ وقتاً" فوقتاً" تمہارے جانی و مالی نقصان قدرتی طور پر ہوا کریں گے' کہ کبھی بیماری' کبھی اولاد کی موت' کبھی تجارتوں میں نقصانات' کبھی باغوں' کھیتوں کی تباہی' کبھی جہاد میں زخمی یا شہید ہونا ہوتا رہے گا' دوسرے یہ کہ تم اہل کتاب کفار اور سارے مشرکین و کفار سے ایذاء رساں' تکلیف دہ باتیں سنا کرو گے' کہ وہ تمہارے دین کا مذاق اڑائیں گے' تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر زبان طعن دراز کریں گے' تم پر پھبتیاں کسیں گے' تمہارے خلاف قصیدے لکھیں گے' حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہیں گے' بی بی مریم کو تمہارے سامنے رب تعالیٰ کی بیوی بتائیں گے وغیرہ وغیرہ' اگر تم ان موقعوں پر طیش میں نہ آئے صبر کئے رہے' تقویٰ و پرہیزگاری نہ چھوڑ بیٹھے' تو تمہارے واسطے بہت ہی اچھا ہو گا' کیونکہ تقویٰ صبر بڑی بہادری کے کام ہیں' ان پر بہادر لوگ ہی کاربند رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ اگر یہاں صبر سے مراد بے سختی نہ کرنا' ان کی تکالیف پر صبر کئے رہنا' بدلہ نہ لینا' ان پر جہاد نہ کرنا ہے' تب تو یہ حکم منسوخ ہے' اس کی ناسخ آیات جہاد ہیں' اور اگر صبر سے مراد مصیبت میں گھبرا نہ جانا اہل کتاب کے اخلاق سوز حرکتوں پر طیش میں نہ آنا' اپنے کو بد اخلاق نہ بنانا' ان کی توہین کے جواب میں حضرت عیسیٰ و عزیر اور موسیٰ علیہم السلام کی شان میں گستاخی نہ کر بیٹھنا ہے' تو یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں' مسلمانوں کو تاقیامت یہ حکم ہے' دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ یہ آیت مدنیہ ہے بلکہ بعض مفسرین کے خیال میں اس کا نزول غزوہ احد کے بعد ہوا ہے تو یہ آیت حکم جہاد سے کیسے منسوخ ہو سکتی ہے' خود اس کا نزول حکم جہاد کے بعد ہوا' مدنی آیتیں حکم جہاد سے منسوخ نہیں کہ بعد ہجرت حکم جہاد آ گیا تھا۔ (از کبیر و معانی و غیرہ مع زیادۃ)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑا مہربان ہے 'دیکھو اس نے امتحان سے پہلے اس کی اطلاع دے دی بلکہ امتحان کے پرچے آؤٹ فرما دیئے 'تاکہ مسلمانوں پر یہ امتحان آسان ہو 'اچانک مصیبت سخت مشکل معلوم ہوتی ہے 'اور اگر پہلے سے خبر ہو جائے تو قدرے ہلکی ہو جاتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مسلمان کو آزمائشوں کیلئے تیار رہنا چاہئے 'امتحانات کے بعد درجات ملتے ہیں 'سونا اگرچہ سونا ہے مگر آگ میں تپ کر سنار کے ہتھوڑے کھا کر زیور بنتا ہے اور محبوب سے قرب پاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** امتحانات صرف دنیا میں ہی نہ ہوں گے بلکہ برزخ و حشر میں بھی ہوں گے 'اگرچہ ان امتحانوں کی نوعیت جدا گانہ ہے جیسا کہ **لتبلون** کے عموم سے معلوم ہوا 'خیال رہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبر میں ہونے والے امتحان کی خبر دے دی اور وہاں کے پرچے بھی آؤٹ فرما دیئے 'ارشاد فرمایا کہ وہاں تین پرچے حل کرنا ہیں توحید 'رسالت 'دین 'رب تعالیٰ بھی کریم ہے 'اس کے محبوب بھی کریم۔ **چوتھا فائدہ:** سارے مشرکین و کفار مسلمانوں کے یکساں دشمن ہیں 'اگرچہ دشمنی کی نوعیت میں فرق ہو جیسا کہ **اذی کثیرا** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** صبر و پرہیزگاری ہر مشکل کا حل ہے اگرچہ بعض دفعہ یہ چیزیں مشکل معلوم ہوتی ہیں مگر ان کے پھل بڑے میٹھے ہوتے ہیں جیسا کہ **وان تصبروا** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی تردید کیلئے ہم حضرت مسیح و موسیٰ علیہما الصلوۃ والسلام کی شان اقدس میں گستاخی نہیں کر سکتے 'کہ ان پیغمبروں بلکہ سارے نبیوں علیہم السلام کا احترام رکن ایمان ہے جیسا کہ **ان تصبروا** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** یہ آیت کریمہ دین و دنیا کے آداب کی جامع ہے 'صبر سے فساد دنیاوی نہیں پھیلتا 'اگر ہم ظالم سے نفسانی طور پر کس کر بدلہ لیں تو یہ اس سے زیادہ سخت بدلہ لینے کی کوشش وہ کرے گا 'اگر اس سے درگزر کریں تو لولا تو وہ شرمندہ ہو جائے گا 'ورنہ کم از کم آئندہ بدلہ کی کوشش نہ کرے گا اور تقویٰ و پرہیزگاری سے آخرت میں عذاب نہیں ہوتا 'یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں (کبیر) **آٹھواں فائدہ:** قرآن کریم کا کنٹرول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ مسلمانوں پر بہت مضبوط ہے 'دوسرے نبیوں کا قبضہ اپنی امتوں پر اور دوسری کتابوں کا کنٹرول اپنے ماننے والوں پر اتنا مضبوط نہ تھا 'دیکھو اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو اہل کتاب اور مشرکین کی اذیت پر صبر کا حکم دیا کہ جواب میں ان کے بزرگوں کو تم برا نہ کہو 'حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اہل کتاب کے نبیوں پر ایمان لاؤ 'وہ تمہارے ہی نبی ہیں 'نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی مسلمان ان پیغمبروں کی بارگاہ میں گستاخی نہ کرتا ہے نہ کر سکتا ہے مگر اس کے برعکس ان نبیوں نے اپنی امتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا مگر کسی نے نہ مانا 'یہ کنٹرول بھی ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا بڑا معجزہ ہے۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان کیوں لیتا ہے؟ ناواقف امتحان لیتا ہے تاکہ سامنے والے سے خبردار ہو جائے 'رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے پھر اسے امتحان کی کیا ضرورت (آریہ)؟ **جواب:** اس کا جواب ہم اسی تفسیر نعیمی پارہ دوم اور اس آیت کی تفسیر میں دے چکے ہیں کہ امتحان ہمیشہ ممتحن کے علم کیلئے نہیں ہوتا 'کبھی دوسروں کو بتانے دکھانے کو ہوتا ہے 'کبھی بھلے برے کی چھانٹ کیلئے اور عطائے درجات کیلئے بھی ہوتا ہے 'اللہ تعالیٰ کے امتحانات ان آخری حکمتوں پر مبنی ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** پھر رب تعالیٰ صرف مومنوں مخلصوں کا ہی کیوں امتحان لیتا ہے کفار کا کیوں نہیں لیتا 'وہ بھی تو رب کے بندے ہیں اس کی نعمتیں کھاتے ہیں: **جواب:** اس لئے کہ درجات انہیں کو امتحان اسی کا لیا جاتا ہے جسے نوکر رکھنا ہو 'کچھ دینا ہو 'ہر ایک

کا امتحان کوئی نہیں لیا کرتا' سونے کو ہی کسوٹی پر کسا جاتا ہے' پیتل' تانبے کو کوئی نہیں لیتا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کفار و مشرکین کی گستاخی پر ہمیشہ صبر ہی کرنا چاہئے' خواہ وہ رب تعالیٰ کو گالیاں دیں یا اسلام و قرآن کو یا انبیاء و اولیاء کو' تو پھر مسلمان ان گستاخوں کو قتل کیوں کر دیتے ہیں؟ فقہا فرماتے ہیں کہ نبی کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں' اسے قاضی قتل ہی کرائے گا' فقہ کا یہ حکم اس آیت کے خلاف ہے! **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ اگر صبر سے مراد گستاخوں کو سزا نہ دینا' ان پر جہاد نہ کرنا ہو تو یہ آیت جہاد سے منسوخ ہے جیسے مسامحت' اعراض و چشم پوشی کی دوسری آیتیں' اور اگر صبر سے مراد یہ ہے کہ تم ان کی گستاخی کے بدلہ میں ان کے نبیوں کی شان میں گستاخی نہ کرو تو یہ حکم تاقیامت باقی ہے' کوئی مسلمان اس کی جرات نہیں کر سکتا کہ عیسائیوں' یہودیوں کی گستاخی کے جواب میں حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام کی شان میں گستاخی کرے' تفسیر کبیر نے یہاں فرمایا کہ صبر و تقویٰ سے مراد نرمی کے ساتھ تبلیغ کرنا ہے' رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم دیا تھا **فقولا له قولا لينا** **چوتھا اعتراض:** **وان تصبروا** کی جزا **فان ذلك** کیسے ہو سکتی ہے' اس آیت کے معنی فاسد ہو جائیں گے کیونکہ معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم صبر کرو تو صبر بہادری کا کام ہے تو کیا اگر ہم صبر نہ کریں وہ بہادری کا کام نہیں؟ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ **فان** کی ف جزائیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے **وان تصبروا** کی جزاء پوشیدہ ہے' آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو تو بہت اچھا ہے کیونکہ یہ بہادری کا کام ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے مومن کی زندگی کو مصیبتوں' بلاؤں' دشمنوں سے گھیر دیا ہے اور ان سب پر صبر کا حکم دیا' کیونکہ نفس انسانی سخت زمین کی طرح ہے' جس میں ایمان و عرفان' معرفت رحمان کے باغ و کھیت لگانے ہیں اور سخت زمین کو نرم کرنے کے بعد ہی یہ سب کچھ لگایا جا سکتا ہے' یہ ساری آفتیں و مشکلات وہ ہل یا ٹریکٹر ہیں جس سے یہ زمین نرم پڑتی ہے' چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ ہمیشہ آرام سے رہنے والے لوگ حد بندگی سے نکل جاتے ہیں' فرعون' نمرود' شداد نے اسی لئے دعویٰ خدائی کر دیا' ان کے نفسوں پر یہ ہل نہ چلے تھے' اور جب فرعون غرقابی میں گرفتار ہوا تو پکار اٹھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی طرح میں بھی ایمان لاتا ہوں مگر چونکہ کاشت کا وقت نکل چکا تھا' اس لئے اس کا یہ ہل چلانا بے کار رہا' اس آیت میں اسی جانب اشارہ ہو رہا ہے کہ مسلمانو! تمہاری زمین نفس پر یہ ہل چلتے رہیں گے' گھبرا نہ جانا صبر کرنا' اگر صبر کر گئے تو دیکھنا اس نفس میں کیسے باغ لگتے ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش　　آزموں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ　　خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

پاسبانی کن بے در کوئے دل　　زانکہ دزد دانند در پہلوئے دل

معدہ را بگذار سوئے دل خرام　　تا کہ بے پردہ زحق آید سلام

یعنی تو نے دل خراش پتھر بن کر دیکھ لیا' اب آزمائش کے طور پر کچھ دن خاک بن کر بھی دیکھ لے' موسم بہار میں پتھروں پر سبزہ نہیں آتا' تو خاک ہو جا' تاکہ رنگ برنگے پھول کھلیں' دل کی گلی میں پہرا دے کہ اسی گلی میں چور زیادہ ہیں' اے غافل ہر وقت پیٹ کی فکر میں نہ رہ' دل کی فکر کر' اگر تو نے یہ کر لیا تو تجھے رب تعالیٰ کی طرف سے براہ راست سلام پہنچا کریں گے' سونا کشتہ ہو کر شفا بخشتا ہے' خود مر کر دوسرے مردوں کو زندگی بخشتا ہے' تو کشتہ ہو جا تاکہ دوسرے تجھ سے زندگی پائیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جبکہ اللہ نے مضبوط وعدہ لیا ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور بیان کرنا اسے لوگوں کے

اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا

واسطے اور نہ چھپانا اسے پس ڈال دیا انہوں نے اس وعدہ کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے اور اسکے بدلے تھوڑی

نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

قیمت خرید لی پس برا ہے وہ جسے یہ خریدتے ہیں

تو کتنی بری خریداری ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں علمائے یہود کے اعتراضات مع جوابات بیان ہوئے' ان جوابات پر وہ علماء خاموش نہ ہوئے' تو مسلمانوں کو صبر کا حکم دیا گیا کہ یہ موذی ہیں' محض ایذا رسانی کیلئے ایسی باتیں کرتے ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے' ان کمبختوں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم توریت و انجیل کے ذریعے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کریں گے' چاہئے تو یہ تھا کہ اس قسم کے اعتراضوں کے جواب یہ خود دیتے چہ جائیکہ یہ خود ہی معترض بن بیٹھے' غرضیکہ پچھلی آیتوں میں ان پادریوں کے اعتراضات و ایذاء کا ذکر تھا' اب ان کی خباثت کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تم اہل کتاب کی طرف سے تکلیف دہ باتیں سنو گے' اب ان باتوں کا اجمالی ذکر ہے کہ وہ تکلیف دہ باتیں کیا ہیں' ان یوپ پادریوں کا توریت و انجیل کی آیات نعت چھپانا اور اسکے خلاف ظاہر کرنا' گویا یہ آیت پچھلی آیت کا اجمالی بیان ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں پوپ پادریوں کا مسلمانوں کو تکلیف دینے کا ذکر تھا' اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ لوگ ان ایذا اور ستانے سے اپنے پیٹ پال رہے ہیں کہ اسی ذریعہ سے اپنے معتقدین سے پیسے کماتے کھاتے ہیں' پھر تمہاری ایذاء سے باز کیسے آئیں' یہ تو انکا بزنس اور کاروبار ہو' خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کھاؤ انہی کے نام پر ہے' کوئی ان کے گیت گا کر اور کوئی ان کے اوصاف چھپا کر۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں سے فرمایا گیا تھا کہ تم یہود کی ایذاء پر صبر کرنا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ انہوں نے تم سے زیادہ تو مجھے ایذا پہنچائی کہ میرے معاہدوں کو توڑ ڈالا' میری کتابوں سے منہ موڑا' مگر میرا صبر دیکھو کہ میں انہیں روزی بھی دے رہا ہوں' ان پر عذاب نہیں بھیجتا' تو تم بھی صبر کرو کہ صبر سنت الٰہیہ ہے' صبر کے کار بند رہو۔

تفسیر: **واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب:** **اذ** ظرف ہے جس کا ظروف فعل **اذکر** یا **ذکر** پوشیدہ ہے' یعنی اے محبوب یاد کرو یا لوگوں کو یاد دلاؤ' **میثاق** **وثق** یا **وثوق** کا مصدر ہے بمعنی مفعول **وثق** کے معنی ہیں مضبوطی' اصطلاح میں مضبوط وعدہ کو میثاق کہا جاتا ہے' جس کے پورا نہ کرنے پر کچھ سزا بھی مقرر کی گئی ہو' وعدہ' عہد' میثاق اور اصر کے معنی اور ان میں فرق ہم تیسرے پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' سیدنا ابن جبیر' ابن عباس و عکرمہ

فرماتے ہیں الذین سے مراد صرف یہودیوں کے پوپ ہیں مگر حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہودیوں کے پوپ بھی مراد ہیں اور عیسائیوں کے پادری بھی (تفسیر روح المعانی و کبیر) پہلی صورت میں کتاب سے مراد توریت شریف ہے' دوسری صورت میں توریت و انجیل دونوں' مگر کتاب دیئے جانے سے مراد ان کتابوں کا علم دیا جانا ہے' یعنی اے محبوب وہ وقت یاد کرو یا ان اہل کتاب کو یاد دلاؤ یا مسلمانوں کو یاد کراؤ جبکہ رب تعالیٰ نے ان لوگوں سے مضبوط عہد لیا تھا جنہیں توریت و انجیل دونوں کا علم دیا گیا' یہ عہد کب لیا گیا یا تو میثاق کے دن یا توریت و انجیل میں انبیائے کرام کی معرفت **لتبیننه للناس ولا تکتمونه** یہ اس عہد کا بیان ہے **لتبینن**' **تبین** سے بنا جس کا مادہ بیان ہے' بمعنی اظہار تبیین کے معنی ہیں خوب بیان کرنا' آہستہ آہستہ سمجھا کر بیان کرنا کہ سننے والے کے دل میں اتر جائے' یا ہمیشہ بیان کرتے رہنا' تاکہ لوگ بھول نہ جائیں' ہ کا مرجع یا میثاق ہے یا کتاب یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات (تفسیر کبیر و روح المعانی) سدی و ابن جبیر کا یہی قول ہے کہ ہ کا مرجع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چونکہ آپ سب کو معلوم ہیں اس لئے بغیر ذکر کئے ہوئے ادھر ضمیر لوٹ گئی (معانی) ہماری قرات **لتبیننّ** ت سے ہے' جس میں اس وقت یعنی میثاق کے دن کا کلام دہرایا گیا ہے' جیسے **وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدنّ فی الارض** وغیرہ مگر ابو بکر' عاصم' ابو عمرو کی قرات میں **لیبیننّ** ی سے ہے لئے ہوئے عہد کا بیان' بہر حال خطاب یا ذکر پوپ و پادریوں کا ہے وہ ہی اس فعل کا فاعل ہیں' **للناس** سے مراد یا تو عوام یہود و نصاریٰ ہیں یا عام لوگ' دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اگر اس زمانہ کے لوگ مراد ہیں تو بیان سے قولی بیان ہو گا اور اگر عام لوگ مراد ہوں خواہ اس زمانہ کے ہوں یا بعد کے' تو تقریری تحریری دونوں بیان مراد ہوں گے' **للناس** میں لام یا صلہ کا ہے یا نفع کا' لوگوں سے بیان کرے یا لوگوں کے نفع کیلئے بیان کرے کہ جس طرح لوگوں کو فائدہ پہنچے اس طرح بیان کرے **لا تکتمون**' **کتم** سے بنا' بمعنی چھپانا' ہ کی ضمیر میں وہی احتمالات ہیں جو پہلی ضمیر میں تھے' واؤ عاطفہ نہیں بلکہ حالیہ ہے اور یہ جملہ **لتبیننّ** کی ضمیر فاعل سے حال ہے' اسی لئے یہاں نون تاکید نہیں آیا' اگر واؤ عاطفہ ہوتا تو **لا تکتمونّ** میں بھی معطوف علیہ کی طرح نون تاکید آتا' خیال رہے کہ کتاب کے بیان کرنے سے مراد ہے اس کا لوگوں پر ظاہر کر دینا اور نہ چھپانے سے مراد ہے اس میں غلط تاویلیں نہ کرنا یعنی ہم نے پوپ پادریوں سے یہ عہد لیا تھا کہ توریت و انجیل یا ان میں آپکی آیات نعت یا خود یہ عہد و میثاق اپنے معتقدین سے یا سارے لوگوں سے ہمیشہ ہر طرح جلسوں جلوسوں میں علیحدگی میں تقریراً تحریراً خوب بیان کرتے رہیں ان میں کسی قسم کی تاویل نہ کریں' صاف بتا دیں کہ یہ وہی آخر الزمان ہیں جن کی خبر ہماری کتابوں نے دی ہے یہی دعائے خلیل ہیں یہی بشارت مسیح' یہی خشائے ذبیح ہیں' یہی مقصود کلیم' مگر ہوا یہ کہ **فنبذوه وراء ظهورهم**: **نبذوا**' **نبذ** سے بنا بمعنی ڈالنا' پھینکنا' دور کرنا' یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں ورآء بمعنی پیچھے' خلف مطلقاً پیچھے کو کہتے ہیں اور وراء بہت پیچھے کو' جو پیچھے بھی ہو' دور بھی' غائب بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکان وراء هم ملک** وہ ظالم کشتیاں چھینے والا بادشاہ ان سے دور و غائب تھا' ظہور ظہر کی جمع ہے' بمعنی پیٹھ' اگرچہ پھینکنا دائیں بائیں بھی ہوتا ہے اور سامنے بھی مگر پیچھے پھینکنا بہت اہم ہے کہ جس سے چیز پھینک بھی جاتی ہے' چھپ بھی جاتی ہے' نہ نظر آتی ہے نہ اس کی طرف التفات ہوتا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اس لئے اسطرح بیان فرمایا گیا یعنی ان لوگوں نے کتاب اللہ یا اس میثاق کو بالکل ہی پس پشت ڈال دیا کہ اس کی طرف توجہ ہی نہ کی **واشتروا به ثمنا قليلا** یہ پچھلے جملہ کی وجہ ہے' اس کی تفسیر **لا تشتروا بآیاتی** کے

ماتحت پہلے سیپارے میں کی جاچکی ہے کہ دنیا بے قیمت' آخرت بے اصل سامان' قیمت سے سامان خریدتے ہیں' مگر ان بے وقوفوں نے سامان سے قیمت خریدی کہ دین دیا اور دنیا لی آیات کتاب چھپائیں پیسے کمائے **فبئس ما یشترون** اس جملہ کی تفسیر بھی بارہا ہو چکی ہے ماصدریہ ہے یا موصولہ یہ جملہ بئس کا فاعل ہے اور اس کا مخصوص بالذم پوشیدہ ہے یعنی ان کی یہ خریداری بری ہے یا وہ مال و متاع برا ہے جو دین کے عوض خریدا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت یاد کرو' یا مسلمانوں کو یا اہل کتاب کو یاد دلاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے علمائے بنی اسرائیل سے جنہیں کتاب کا علم دیا گیا ہے' میثاق کے دن یا توریت و انجیل میں نہایت پختہ و مضبوط وعدہ لیا تھا کہ تم یہ کتاب یا اس کی آیات نعت یا نبی آخر الزمان کی ذات و صفات عام لوگوں سے خصوصاً اپنے معتقدین سے خوب بیان کرتے رہنا اور ان آیتوں میں کوئی تاویل و توجیہ نہ کرنا لوگوں کے دلوں میں شبہات نہ ڈالنا تاکہ تمہاری ہدایت سے ایمان لائیں۔ اور تمہیں ثواب ملے' تحریر تقریر کے ذریعہ جلسوں جلوسوں و علیحدگیوں میں بیان کیا کرنا مگر ان بد نصیبوں نے ہمارے اس عہد کو بالکل ہی دور پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا کہ اس پر عمل تو کیا کرتے کبھی اس طرف دھیان بھی نہ دیا' اور سب کچھ اتفاقاً نہ ہوا' بلکہ محض دنیا کمانے کیلئے دیدہ و دانستہ کیا کہ اپنے ماتحتوں سے نذرانے' بدھے لئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی آیتیں چھپائی ہی نہیں بلکہ بدل ڈالیں تاکہ اپنے معتقدین میں ان کی نمبرداری و چودھرہٹ قائم رہے' خیال رکھو کہ ان کی یہ تجارت بہت گھاٹے کی ہے کہ انہوں نے مال سے قیمت خریدی ہے جس کے وبال میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** دینی علماء کو بڑی اہمیت حاصل ہے' ان کی درستی میں دین کی درستی ہے اور انکے بگڑ جانے سے دین کا فساد اور قوم کی تباہی ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے میثاق کے دن یا توریت میں علماء سے علیحدہ عہد لیا کہ تم درست رہنا تاکہ لوگ درست رہیں۔ یہ فائدہ للناس کے لام سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** علماء کتاب الٰہی کے امین ہیں' امین اگر امانت داری سے کام لے تو اس کا بڑا درجہ ہے اگر خیانت کرے تو بڑا مجرم ہے' علماء اگر کتاب اللہ کو چھپائیں یا اس میں غلط تاویلیں کریں تو خائن ہیں اور رب تعالیٰ کے بھی مجرم ہیں قوم کے بھی' اور اگر صحیح تبلیغ کریں تو انکے برابر کسی کا ثواب نہیں' یہ فائدہ لتبیننہ سے معلوم ہوا یہ مت سمجھو کہ یہ پابندیاں اور تاکیدی احکام صرف علماء اہل کتاب کیلئے ہی تھے' علمائے اسلام پر بھی یہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** شرعی مسئلہ چھپانا حرام ہے' علماء پر لازم ہے کہ اپنے علم سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائیں' جیسا کہ فنبذوہ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** علماء کو چاہئے کہ اپنا لباس وضع قطع عالموں کی سی رکھیں تاکہ لوگ انہیں عالم سمجھ کر مسائل پوچھ لیا کریں' عالم کا غیر عالم کے لباس میں رہنا بہتر نہیں' خطرہ ہے کہ یہ بھی علم چھپانے میں داخل ہو جائے۔ **پانچواں فائدہ:** تقیہ حرام ہے' کیونکہ اپنا ایمان ظاہر کرنا ضروری ہے' اور تقیہ میں سب چھپایا جاتا ہے' یہ فائدہ بھی لتبیننہ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** روپیہ لے کر احکام شرعی بدلنا یا چھپانا حرام بلکہ قریباً کفر ہے جیسا کہ واشتروا بہ سے معلوم ہوا' قرآن شریف چھاپ کر فروخت کرنا' تعلیم قرآن پر اجرت لینا' امامت' مدرسی پر تنخواہ لینا اس میں داخل نہیں' ورنہ علمائے متاخرین اسے کبھی جائز نہ رکھتے' حضرات خلفائے راشدین نے امامت کبریٰ یعنی خلافت پر تنخواہیں لی ہیں سوائے حضرت عثمان غنی کے۔ **ساتواں فائدہ:** دین بیچ کر جتنی دولت بھی وصول کی جائے تھوڑی ہے کیونکہ وہ

حرام دنیا ہے۔ جب حلال دنیا تھوڑی ہے۔ **قل متاع الدنیا قلیل** تو حرام دنیا کا کیا کہنا یہ فائدہ **ثمنا قلیلا** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** علم دین چھپانا حرام' قتادہ فرماتے ہیں جو علم بتایا نہ جائے' وہ اس مدفون خزانہ کی طرح ہے' جس سے کچھ خرچ نہ کیا جائے' اور جو حکمت ظاہر نہ کی جائے' اور اس بت کی طرح ہے' جو نہ کھائے نہ پئے' ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے علمی مسئلہ پوچھا جائے وہ چھپالے تو قیامت میں اسکے منہ میں آگ کی لگام دی جائیگی' سیدنا علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے جاہلوں کو علم سیکھنے کا حکم پیچھے دیا' پہلے علماء کو علم سکھانے کا حکم دیا۔ (تفسیر خازن و روح المعانی وغیرہ)

پہلا اعتراض: دوسری آیتوں میں دو ہی میثاقوں کا ذکر ہے' ایک رب تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد جو سب سے لیا گیا **قالوا بلیٰ** دوسرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کا عہد جو انبیائے کرام سے لیا گیا **واذ اخذ اللہ میثاق النبین**: علماء سے خصوصی عہد لینا ان آیات کے خلاف ہے' لہذا اس سے کوئی اور عہد مراد ہوگا۔ **جواب:** بعض مفسرین نے اس میثاق سے وہ عہد و پیمان مراد لیا ہے' جو توریت و انجیل میں علمائے اہل کتاب سے لیا گیا تھا ان کے قول پر تو کوئی سوال ہی نہیں' مگر بعض کے نزدیک یہ عہد میثاق کے دن ہی لیا گیا تھا جو توریت و انجیل میں یاد دلایا گیا' یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس دن کل چار عہد لئے گئے تھے۔ ربوبیت الہیہ کا سارے انسانوں سے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا انبیائے کرام سے' لوگوں کی داد رسی' فریاد رسی کا عہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے **ومنک ومن نوح** تبلیغ دین کا علماء سے اس آیت میں اس چوتھے عہد کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی باتیں چھپانی نہ چاہئیں' مگر حدیث شریف میں ہے کہ جو غیر اہل پر علم پیش کرے وہ ایسا ہے جیسے کوئی سچے موتیوں کا ہار خنزیر کے گلے میں ڈالے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم چھپانا چاہئے' حدیث و قرآن میں تعارض ہے! **جواب:** دینی ضروری مسائل کا چھپانا حرام ہے غیر ضروری علمی نکات و رموز نااہلوں کو بتانا منع ہے کہ وہ سمجھیں گے نہیں' اور فتنہ اٹھائیں گے اس آیت میں پہلے مسئلے کا ذکر ہے اور حدیث شریف میں دوسرے کا اسی لئے ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ **للناس** میں لام نفع کا ہے یعنی جو چیزیں لوگوں کو مفید ہوں اس کا چھپانا جرم ہے' رموز و نکات نااہلوں کو مضر ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ لوگوں سے بیان کرو اور نہ چھپاؤ' بیان کرنا نہ چھپانا ایک ہی چیز ہے' یہاں دو طرح کیوں ذکر ہوا؟ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ بیان کرنے سے مراد ہے آیات نعت کا ظاہر کرنا اور نہ چھپانے سے مراد ہے ان آیتوں میں غلط تاویلیں نہ کرنا لہذا آیت میں تکرار نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** قیمت سے چیز خریدی جاتی ہے نہ کہ چیز سے قیمت' مگر یہاں فرمایا گیا کہ انہوں نے قیمت کو خریدا' یہ آیت شرعی قواعد کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ دنیا قیمت ہے' اور دین اصلی سامان' جو دین کو چھوڑ کر دنیا اختیار کرے وہ اصل سامان کو چھوڑ کر قیمت اختیار کر رہا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** بعض علماء فتویٰ لکھنے پر معاوضہ لیتے ہیں وہ بھی اس آیت کی زد میں آنا چاہئیں' پھر علماء ایسا کیوں کرتے ہیں؟ **جواب:** اس کی پوری تحقیق **ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا** کی تفسیر میں گزر چکی کہ بغیر پیسہ لئے دینی مسئلہ نہ بتانا حرام ہے کہ یہ دین کا چھپانا' اور پیسے لے کر غلط فتویٰ دینا حرام ہے کہ یہ دین کا بدلنا ہے' مگر معاملات کے مسائل لکھ کر دینا ان پر مہر لگانا جو اکثر کچہریوں میں پیش ہو جاتے ہیں' اور مفتی کو بطور گواہ تاریخیں بھگتنا پڑتی ہیں اور مستفتی لوگ بھی ان فتووں

کے ذریعہ دنیاوی نفعے حاصل کرتے ہیں اس کی اجرت لینا بالکل جائز ہے کہ یہ حق محنت ہے نہ دین کا بدلہ نہ چھپانا صحابہ کرام نے سانپ کاٹے ہوئے پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کی اور تیس بکریاں اس کی اجرت لیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجرت کو حلال ہی نہیں بلکہ بہترین روزی فرمایا اور خود بھی اس گوشت میں سے تناول فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یضار کاتب ولا شھید** قرآن کریم کی کتابت، قرآن چھاپنے، قرآن فروخت کرنے کی اجرت جائز ہے اسکی پوری بحث وہاں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے شریعت کے احکام جسم کیلئے بھیجے اور طریقت کے اسرار دل و روح کیلئے جسم ظاہر ہے تو شریعت بھی ظاہر دل و روح پوشیدہ ہیں لہٰذا طریقت کے اسرار بھی پوشیدہ ہی چاہئیں اگر جسم زمین میں دبایا چھپایا جائے تو انسان مر جائیگا اور اگر دل کو باہر نکال کر ظاہر کر دیا جائے تو موت واقع ہو جائے گی اگر زندگی چاہئے تو ظاہر کو ظاہر رہنے دو باطن کو باطن کہ اس کے ردوبدل میں ہلاکت ہے اس آیت کریمہ میں پہلی قسم کی تبدیلی کا ذکر ہے کہ علمائے اہل کتاب نے ان عقائد و مسائل کو چھپایا بدلا جو ظاہر کرنے چاہئے تھے جس سے ان کی دینی موت واقع ہو گئی اسی دینی خودکشی کی وجہ سے ان پر عتاب، عذاب، عقاب ہوا۔ اور وہ رب تعالیٰ سے حجاب میں ہو گئے تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جو کوئی طریقت کے اسرار و رموز نامحرموں پر ظاہر کرے وہ بھی ایسا ہی مجرم ہو گا۔ سیدنا ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم سیکھے ایک وہ جو تم میں ظاہر کر دیا دوسرا وہ علم کہ اگر میں ظاہر کروں تو میری گردن مار دی جائے۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم) صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ مال جنس پاک و طیب ہے مگر اس کے حاصل کرنے راستے دو ہیں طیب و خبیث اگر طیب راستے سے آئیگا تو مال طیب رہیگا بلکہ اس کی پاکی اور بڑھ جائے گی اور اگر خبیث راہ سے آئیگا تو مال خبیث ہی ہو گا اور استعمال کرنے والے کو بھی خبیث بنادیگا اسی مال کے متعلق ارشاد ہوا **فبئس ما یشترون** ان کی یہ خریداری بھی بری اور اس خرید سے جو مال حاصل ہوا وہ بھی برا مال کی مثال بارش کے پانی یا ہوا کی سی ہے کہ یہ دونوں چیزیں بذات خود طیب و طاہر ہیں لیکن گندے راستے سے گزرنے سے گندے ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو بیمار کر دیتے ہیں گلشن کی ہوا بھینی مہک رکھتی ہے بیماروں کو تندرست کر دیتی ہے گندگی کی ہوا دماغ سڑا دیتی ہے تندرستوں کو بیمار کر دیتی ہے مال پر ہی کیا موقوف ہے علم و عقل اگر نفس کے راستے سے آئیں تو گندے ہیں اگر دل کے راستہ آئیں تو پاک شیخ کو اس لئے پکڑتے ہیں کہ اس کے دل کے راستہ سے جو ذکر و فکر اور علم آئیگا ہمارے بیمار دل کو تندرست کر دیگا ذریعہ معرفت کا بڑا اثر ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا
ہرگز نہ گمان کرو ان کو جو ارشاد ہوتے ہیں اس پر جو انہوں نے کیا اور پسند کرتے ہیں یہ بات کہ تعریف کئے جائیں اس پر
ہرگز نہ سمجھنا یعنی جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کئے ان کی تعریف
لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾
جو انہوں نے نہ کیا تو تم انہیں ہرگز گمان نہ کرنا دور عذاب سے اور ان کے واسطے عذاب ہے تکلیف دہ
ہو ایسوں کو ہرگز دور عذاب سے دور نہ جاننا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ کا ہی ہے ملک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے

اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ ہر چیز پہ قادر ہے۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں علمائے اہل کتاب کے دو گناہ بیان ہوئے کتاب اللہ چھپانا اور پیسے لے کر احکام الٰہی بدل دینا اب ان کا تیسرا عیب بیان ہو رہا ہے جو ان دونوں سے بد تر ہے یعنی ان گناہوں پر نادم نہ ہونا بلکہ الٹا خوش ہونا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ علمائے یہود نے توریت کے احکام کو پس پشت پھینک دیا اب اس کا ثبوت اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ کتاب اللہ میں حکم تھا گناہ پر نادم ہونے کا اور یہ اس کے خلاف گناہوں پر نادم ہوتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پہلے گزشتہ آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو تم اہل کتاب و مشرکین سے بہت اذیتیں دیکھو گے ان اذیتوں میں سے ایک اذیت کا ذکر پچھلی آیت میں کیا گیا اور دوسری اذیت کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے یعنی اپنے گناہوں پر انکا شرمندہ نہ ہونا بلکہ خوش ہونا۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں مسلمانوں کو صبر و تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ اب اس تقویٰ کے سمجھانے کیلئے بدکار یہود پادریوں کے دو عیب بیان ہوئے ایک گناہ دوسرے گناہ پر فخر تاکہ مسلمان ان عیبوں سے بچیں اور متقی بنیں کیونکہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

شان نزول: (1) ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے یہود سے کوئی توریت کا مسئلہ پوچھا انہوں نے دانستہ طور پر غلط بتایا اور ظاہر یہ کیا کہ ہم بالکل سچ بول رہے ہیں اور اس کے منتظر رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام انکے کمال کی تعریف کریں کہ انہوں نے برجستہ جواب دیا اور صحیح دیا یہ لوگ توریت کے بڑے ماہر ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (2) سیدنا ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوی میں منافق غزوات میں نہ جاتے تھے اور رہ جانے پر خوب خوش ہوتے قرآن کریم فرماتا ہے **فرح المخلفون بمقعدهم خلف رسول الله** جب سرکار واپس تشریف لاتے تو یہ منافقین بہانے بناتے قسمیں کھاتے ہم بیمار تھے ہمیں یہ عذر تھا جب ان پر کوئی عتاب نہ کیا جاتا تو چاہتے تھے کہ غازیوں کی طرح ہماری بھی تعریف ہو انکے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر خازن کبیر روح المعانی وغیرہ)۔ (3) علمائے یہود توریت کے احکام بدلتے تھے اور بدلی ہوئی آیتوں کی تبلیغ کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے پھر چاہتے تھے کہ ان کے ہاتھ چومے جائیں انہیں عالم کہا جائے ان کی عزت و توقیر کی جائے انکے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ (خزائن العرفان و کبیر)۔

تفسیر: **لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا** : ہماری قرات میں **لا تحسبن** ت کے ساتھ ہے ب مفتوح صیغہ واحد مخاطب جس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے: **الذین** مع صلہ کے اس کا پہلا مفعول ہے اور **بمفازة** دوسرا مفعول اس صورت میں آیت کے معنی بالکل واضح ہیں مگر بعض قراتوں میں **تحسبن** ب کے پیش سے ہے صیغہ جمع مخاطب تمام مسلمانوں سے خطاب اس صورت میں بھی الذین مفعول اول ہے اور **بمفازة** مفعول دوم۔ ابن کثیر نافع ابو عمرو ابن عامر کی قرات میں **لا یحسبن** ی سے ہے اور ب کے فتح سے صیغہ واحد غائب اس صورت میں

الذین اس کا فاعل ہے اور مفعول اول **انفسہم** پوشیدہ ہے اور **بمفازۃ** دوسرا مفعول اور بعض قراتوں میں **لا یحسبن** بے ی سے اور ب کے پیش سے صیغہ جمع غائب' اس صورت میں اس کا فاعل ھم ہے' جس کا مرجع عام مسلمان ہیں' الذین الخ مفعول اول' اور ہو سکتا ہے کہ ھم سے مراد علمائے یہود ہوں اور الذین اس کا بدل' لہذا آیت کریمہ کی پانچ تفسیریں ہوں گی اور ہر تفسیر کے ماتحت مختلف فائدے (تفسیر کبیر و معانی) **الذین** سے مراد وہ سرداران یہود! منافقین مراد ہیں' جن کا اس آیت میں بیان ہے' **یفرحون فرح** سے بنا بمعنی خوشی یا شیخی' یہاں دوسرے معنی میں ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** شیخی نہ مار' اللہ شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا' اور دوسری جگہ فرماتا ہے **وبرحمتہ فبذ لک فلیفرحوا** اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ' ب سببیہ ہے' ما موصولہ ہے اس سے مراد ہے بدکاریاں اور گناہ اتی اور جاء بھی فعل کے معنی میں آتے ہیں' یہاں اس معنی میں ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **والذن یا تینھا منکم** اور دوسری جگہ فرماتا ہے **لقد جئت شیئا فریا** ان دونوں آیتوں میں یہ دونوں کلمے اتیان اور مجئی بمعنی فعل ہیں یعنی اے محبوب یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمانو! تم ان لوگوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ سمجھنا' جو اپنی بدکاریوں پر خوش ہوتے ہیں کہ کرتے ہیں منافقت' دھوکہ بازیاں اور ہوتے ہیں اس پر خوش **ویحبون ان یحمد وا بما لم یفعلوا** : یہ جملہ **یفرحون** پر معطوف ہے اور ان منافقین و علمائے یہود کے دوسرے عیب کا بیان' **یحبون حب** سے بنا بمعنی چاہنا' پسند کرنا' خواہش کرنا' ما سے مراد نیک اعمال ہیں' اور یہ **ما** بھی موصولہ ہی ہے یعنی یہ منافقین اور سرداران یہود برے کام کرکے خوش ہوتے ہیں اور نیکیاں کرتے نہیں' مگر چاہتے یہ ہیں کہ انہیں عالم سمجھا جائے' ایسے لوگوں کے متعلق **فلا تحسبنہم بمفازۃ من العذاب** : **فلا تحسبنہم** تاکید کیلئے دوبارہ لایا گیا' کیونکہ پہلا **لا تحسبن** بہت دور ہو گیا تھا جیسے کہا جاتا ہے کہ تم زید کو سچا نہ سمجھنا' جب وہ تمہارے پاس آئے' اور تم سے فلاں فلاں باتیں کہے تو اسے سچا نہ سمجھنا' یہ دوسرا نہ سمجھنا' تکرار کیلئے لایا گیا **بمفازۃ** ایک پوشیدہ لفظ کا متعلق ہے' **مفازہ** یا مصدر میمی ہے بمعنی **فوز** و کامیابی یا نجات یا ظرف مکان بمعنی کامیابی یا نجات کی جگہ' تفسیر کبیر میں فرمایا کہ **فوز** کے لغوی معنی آفتوں سے دوری ہے۔ کامیابی کو اسی لئے فوز کہتے ہیں کہ کامیاب آدمی ناکامی سے دور رہتا ہے' روح المعانی میں فرمایا کہ وسیع میدان کو مفازہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ایک طرح نجات کی جگہ ہے' کیونکہ میدان میں دشمن سے بھاگا جا سکتا ہے۔ عذاب کے معنی بارہا بیان ہو چکے یعنی ایسے لوگوں کو جن میں یہ دو عیب ہیں انہیں کبھی نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے یا عذاب سے بچنے کی جگہ میں پہنچ جائیں گے **ولہم عذاب الیم** ایسے فریبیوں کیلئے دردناک یعنی رسوا کن اور بہت تکلیف دہ عذاب ہے' لھم کو مقدم فرمانا حصر کیلئے ہے **وللہ ملک السموت والارض** یہ جملہ ترکیب میں مستقل جملہ ہے اور پہلے جملہ سے علیحدہ' لیکن اگر غور کیا جائے تو عذاب الیم کی وجہ بیان فرما رہا ہے' کہ چونکہ رب تعالیٰ آسمانوں و زمینوں کا مالک ہے' اس لئے وہ سخت سزا دے سکتا ہے' نہ اسے کوئی سزا دینے سے روک سکتا ہے' نہ مجرم اس کے ملک سے بھاگ سکتا ہے' للہ کا لام ملکیت کا ہے نہ کہ نفع کا' کیونکہ رب تعالیٰ نفع حاصل کرنے سے پاک ہے' کبھی ظاہری بادشاہت کو ملک کہتے ہیں' اور اندرونی و باطنی سلطنت کو ملکوت چونکہ آسمان و زمین ظاہری چیزیں ہیں اس لئے یہاں ملک فرمانا ہی موزوں و مناسب تھا' اگرچہ آسمان بھی سات ہیں زمینیں بھی سات' مگر چونکہ سات آسمانوں میں فاصلہ ہے۔ زمین کے سات طبقوں میں فاصلہ نہیں' پیاز کے چھلکوں کی طرح چپٹے ہوئے ہیں' نیز ساتوں آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں' مگر ساتوں زمینوں کی

حقیقت ایک مٹی اس لئے ہر جگہ آسمانوں کو جمع اور زمین کو واحد فرمایا جاتا ہے خیال رہے کہ یہاں ملکیت سے مراد حقیقی و دائمی ملکیت ہے یہی ملکیت رب تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے مجازاً عارضی مالک، عطائے الٰہی بندے بھی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کا ملک کہ اس کے سواء کوئی انکا حقیقی مالک و خالق و قابض نہیں اور اس کے ساتھ ہی **واللہ علی کل شئی قدیر** اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر بھی ہے بہت دفعہ مالک اپنی چیز پر قابض نہیں ہوتا اور کبھی قابض مالک نہیں ہوتا اور کبھی قابض و مالک مملوک پر قادر نہیں ہوتا رب تعالیٰ کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک بھی ہے اس پر قابض بھی اور قادر بھی کل شئی کے معانی **قدیر** کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں اور وہاں ہی اسکے متعلق پوری شرح کر دی گئی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ کے پانچ ترجمے و تفسیریں ہو سکتی ہیں جیسا کہ ہم نے اشارۃً تفسیر میں عرض کر دیا ہے ہم ان میں سے یہاں اپنی قرات کے مطابق ایک ترجمہ و تفسیر عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے! تم ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ہرگز دور مت سمجھنا جو اپنی کی ہوئی بدکاریوں پر خوشیاں مناتے ہیں انہیں اپنا کمال سمجھتے ہیں ان بدکاریوں کی بنا پر اپنے کو سیاست دان چالاک پالیسی ساز جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو بہکا دیا۔ اپنے نفاق کو چھپالیا یا توریت کے مسائل غلط بیان کر دیئے اور خوش ہو گئے کہ ہم خوب دھوکا دے آئے مسلمانوں کو بیوقوف بنا آئے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ نہ کئے ہوئے کاموں پر اپنی تعریف چاہتے ہیں غازی نہیں ہیں عالم نہیں ہیں مخلص مومن نہیں ہیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ انہیں غازی صاحب مولوی صاحب متقی و پرہیزگار کہا جائے ایسے شیخی خوروں چالاکوں دھوکا بازوں کو تم عذاب الٰہی سے بھی دور نہ سمجھنا عنقریب ان پر عذاب آنے والا ہے اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے دھوکا نہ کھانا چاہئے انہی کیلئے دردناک یعنی دائمی رسواکن قلب و قالب کو جلانے والا عذاب ہے پھر یہ بھی نہ سمجھو کہ انہیں کوئی ہمارے عذاب سے بچا سکتا ہے یا یہ کہیں بھاگ کر عذاب سے بچ سکتے ہیں کیونکہ آسمانوں و زمینوں کا مالک و قابض اللہ تعالیٰ ہی ہے جہاں جائیں گے اللہ کے ملک میں رہیں گے اس کے باوجود رب تعالیٰ ہر چیز پر قادر بھی ہے۔ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ اس کے ملک میں رہتے ہوئے چھپ کر دب کر اس کے عذاب سے بچ جائیں اس کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ یہ لوگ ان گناہوں سے توبہ کر لیں چالاکیاں دھوکا بازیاں چھوڑ دیں ہمارے محبوب پر سچے دل سے ایمان لے آئیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گناہ کرنا ایک گناہ ہے اور گناہ خوش ہونا دو گنا گناہ ہے جب نیکی پر شیخی جائز نہیں تو گناہ پر شیخی کیونکر جائز ہوگی یہ فائدہ **یفرحون** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جو خوبیاں اپنے اندر موجود نہ ہوں ان کا اظہار اور ان پر تعریف چاہنا طریقہ کفار ہے جیسا کہ **ویحبون** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بے علموں کو شمس العلماء بزدلوں کو خان بہادر جاہلوں کو مولوی فاضل وغیرہ کے خطاب دینا حرام ہے اور ان خطابوں پر خطاب یافتہ لوگوں کا اکڑنا شیخی مارنا بدترین جرم ہے یہ فائدہ بھی **ویحبون** سے معلوم ہوا جب واقعی خوبی پر شیخی مارنا جائز نہ ہوا تو غیر واقعی بناوٹی خوبی پر فخر کیسے جائز ہوگا آجکل بعض جاہل چالاکیوں سے مولوی عالم فاضل وغیرہ کی ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں پھر اپنے کو مولوی عالم وغیرہ لکھتے بھی ہیں اور کہلواتے بھی ہیں وہ آیت سے عبرت پکڑیں۔ **چوتھا فائدہ:** دنیا اور آخرت میں عذاب الٰہی مختلف شکلوں میں نمودار ہوتے ہیں اور ہوں گے جیسا مجرم ویسا اس کا عذاب۔ ایسے شیخی خوروں کا دنیاوی عذاب یہ بھی ہے کہ وہ

کمال سے محروم رہ جاتے ہیں کہ جو برتن پہلے ہی بھر گیا وہ کنوئیں سے کیا لائیگا۔ **پانچواں فائدہ:** رب تعالیٰ کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں' اس کے غضب کی چکی چلتی ہے آہستہ 'مگر پیستی ہے باریک۔ **چھٹا فائدہ:** آخرت میں عذاب کے درجے مختلف ہوں گے بعض نرم 'بعض گرم 'مگر سخت تر عذاب ان لوگوں کو ہو گا' جو عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب جانیں' جیسا کہ لھم کو مقدم کرنے سے معلوم ہوا' کیونکہ لھم کا مقدم فرمانا حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** سارے عالم پر حقیقی ملکیت رب تعالیٰ کی ہی ہے' جو کوئی کسی بندہ کو ایک ذرہ کا مالک حقیقی جانے وہ مشرک ہے جیسا کہ للہ کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خلق پر قادر ہے مگر بری چیزوں کے کسب پر قادر نہیں کہ وہ برائیوں سے پاک ہے' تمام اچھائیوں' برائیوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے' فرماتا ہے **خالق کل شئی** مگر اچھائیوں سے موصوف نہ کہ برائیوں سے' جیسا کہ **علی کل شئی قدیر** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** اپنی تعریفیں کرنا' لوگوں سے کرانا' اس پر فخر کرنا' اکڑنا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے کئے ہوئے اعمال پر خوش ہونا برا ہے' حالانکہ مال کی طرح اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں پر خوش ہونا اچھا ہے۔ اس سے منع کیوں فرمایا گیا؟۔ **جواب:** اس کے دو جواب تفسیر سے معلوم ہو چکے' ایک یہ کہ **بما اتوا** میں ما سے مراد گناہ ہیں' گناہوں پر خوش ہونا منع ہے' دوسرے یہ کہ فرحت سے مراد شیخی کی خوشی ہے یعنی فخریہ خوشی سخت جرم ہے' رب تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کی خوشی عبادت ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **لا تحسبن** دو جگہ ارشاد ہوا اور یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے **بمفازۃ** دوسرے **لا تحسبن** کا مفعول دوم ہے' بتاؤ کہ پہلے **لا تحسبن** کا مفعول دوم کہاں ہے؟ **جواب:** ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ دوسرا **لا تحسبن** صرف تاکید کیلئے لایا گیا لہٰذا یا تو یہ مفعولوں کو چاہتا ہی نہیں یا چاہتا ہے مگر پہلے فعل کے مفعول اس کے بھی مفعول ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** **لھم عذاب الیم** سے معلوم ہوا کہ صرف ان شیخی خوروں کو ہی دردناک عذاب ہو گا مگر دوسری آیتوں میں دوسرے مجرموں کیلئے بھی عذاب الیم فرمایا گیا ہے' وہ آیتیں اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب:** ہرگز نہیں' دردناک عذاب کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم صرف ان شیخی خوروں کیلئے ہے' دوسری قسمیں اور مجرموں کیلئے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کا ہر حصہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے' کوئی تارا' کوئی ذرہ اس کی ملک سے خالی نہیں' پھر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک کیوں مانتے ہو؟ تمہارا مشہور شعر ہے۔

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا ۔ دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

یہ شعر اس آیت کریمہ کے بالکل خلاف ہے۔ **جواب:** اس شعر میں لفظ بنا دیا تمہارے سارے اعتراض کا جواب ہے رب تعالیٰ خود مالک ہے اور دوسرے اس کے بنانے سے مالک جیسے وہ خود زندہ ہے' سمیع و بصیر ہے' مگر بندے اس کے بنانے سے زندہ و سمیع و بصیر ہیں' بتاؤ تم اپنے گھر بار کے مالک ہو یا نہیں؟ اگر ہو تو مشرک ہوئے' ان کا مالک تو رب تعالیٰ ہے' اور اگر نہیں تو خالی کو ناجائز قبضہ کئے کیوں بیٹھے ہو' انہیں بیچ کر قیمت کیوں لیتے ہو؟ غیر مملوک کا فروخت کرنا جرم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اگرچہ یہ آیت کریمہ منافقین یا یہود کیلئے آئی ہے۔ لیکن ہمارے لئے بھی درس عبرت لائی ہے' ہم میں سے

بہت لوگوں میں یہ دونوں بیماریاں موجود ہیں (تفسیر کبیر) ان پر ملامت کرنے سے پہلے اپنے کو ان عیوب سے پاک کرو تپ دق کی طرح گناہوں کے بھی تین درجے ہیں 'پہلا درجہ یہ ہے کہ گناہگار گناہ پر نادم ہو جائے' یہ درجہ قابل علاج ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ گناہ کا احساس دل سے جاتا رہے اس کا علاج ممکن تو ہے مگر مشکل ہے: تیسرا درجہ یہ ہے کہ جرم پر مجرم خوش ہو اور اس پر فخر کرے۔ منع کرنے والوں کا دشمن ہو جائے یہ درجہ ناقابل علاج ہے' رب تعالیٰ ہی کرم کرے تو شفا ہوتی ہے۔ اس آیت میں اس تیسرے درجے کا ہی ذکر ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جس علم سے فنا میسر ہو جائے وہ اللہ کی رحمت ہے' اور جس علم سے انا پیدا ہو' وہ عذاب: حکیم شبلی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ما ترا علم از تو نہ ستاند جہل زاں علم بہ بود بسیار

جو علم تجھ سے تیری خودی نہ چھین لے اور تجھے فنا نہ کردے اس علم سے جہالت اچھی اس کا ترجمہ پنجابی میں یوں کیا گیا۔

جیہڑا علم غرور وحاوے قابو نفس نہ آوے اس علموں بے علمی چنگی آکھ حکیم سناوے

خیال رکھو کہ جب کوئی ہماری تعریف کرے تو یہ نہ سمجھو کہ واقعی اچھے ہیں' نہیں اس تعریف کی وجہ صرف یہی ہے کہ ستار عیوب نے ہمارے عیب چھپالئے ہیں لوگوں کو ہمارے عیبوں کی خبر نہیں ہے' اس لئے تعریفیں کر رہے ہیں' ایسے موقعہ پر تم اپنے عیب سوچ کر اپنی برائی کرنے لگو' انشاء اللہ نفس قابو میں رہے گا اس تعریف کے زہر کا یہ تریاق ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے اور رات ودن کے متفرق ہونے میں البتہ نشانیاں

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں

لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى

ہے خالص عقل والوں کے لئے جو ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں

عقل مندوں کے لئے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور

جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا

پر اور سوچ بچار کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اے پالنہار

اپنی کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں وزمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے یہ عبث پاکی ہے تجھے تو بچالے ہم کو آگ کی سزا سے

ہمارے تو نے یہ بے کار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ آسمانوں و زمین میں بادشاہت رب تعالیٰ ہی کی ہے' اب اس آیت میں اسی بادشاہت کا ثبوت دیا جارہا ہے خود آسمان و زمین کے حالات اس کے گواہ ہیں' ان کے حالات کی تبدیلیاں بدلنے والے کا پتہ دے رہے ہیں پتنگ اڑتے ہوئے بھی بتاتی ہے کہ میری ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہے' وہ جدھر چاہتا ہے' مجھے جنبش دیتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود اپنے فضائل و کمالات سوچتے رہتے ہیں' اور اپنی تعریف چاہتے ہیں' اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم ان کے برخلاف رب تعالیٰ کی بڑائیاں اور اس کے کمالات سوچو اور اس کی تعریفیں کرو' تاکہ تم میں اور کفار میں ظاہری طور پر فرق ہو جائے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے جوابات دیئے گئے تھے' اب اپنی قدرت کے دلائل کاملہ بیان ہو رہے ہیں' مناظرہ میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں' اپنے دعوے کے دلائل' مقابل کے شبہات کے جوابات' ایک چیز کا ذکر فرمانے کے بعد دوسری بات کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ان عیوب کا ذکر تھا جو انسان کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں' اپنی بڑائی و شیخی مگر رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو چھپانا' اب ان صفات کا ذکر ہے جو انسانوں کو جنت میں پہنچانے والے ہیں جیسے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا' اسی کی مصنوعات میں غور و فکر وغیرہ تاکہ ہم پچھلے عیوب سے بچیں' اور یہ صفات اختیار کریں' بہرحال یہ پچھلی آیتوں سے پورا پورا تعلق رکھتی ہے۔

شان نزول: سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بعض مشرکین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا تھا کہ آپ توحید کی طرف ہم کو دعوت دیتے ہیں' مسئلہ توحید وہ ہے جسے ہماری عقلیں نہیں مانتیں' اتنا بڑا عالم اکیلا خدا کیسے بنا اور چلا سکتا ہے' اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں فرمایا گیا کہ عالم کا ذرہ ذرہ' دن رات کی تبدیلی' اس کی توحید کی دلیل ہے' ایسے ظاہر و باہر کھلے مسئلہ پر دلائل مانگنا کیسا' اپنے کو جان لو' اپنے خالق کی توحید مان لو' اس کی صفات پہچان لو (تفسیر خازن' صاوی' روح البیان) روح المعانی نے حضرت ابن عباس سے یوں روایت کی کہ ایک بار قریش مکہ یہود مدینہ کے پاس آکر بولے' کہ تمہارے موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کیا تھے؟ یہود بولے عصا و ید بیضاء' پھر عیسائیوں سے بولے کہ تمہارے عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کیا ہیں؟ وہ بولے مردے زندہ کرنا' کوڑھیوں' اندھوں کو اچھا کرنا' پھر وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے' بولے دعا فرمائیں کہ مکہ کے دو پہاڑ صفا و مروہ سونے کے ہو جائیں' تاکہ ہم رب تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ کرلیں' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں انہیں بڑی قدرتوں میں غور کرنے کا حکم دیا گیا (معانی)۔

روایت و حکایت: تفسیر کبیر و معانی نے یہاں حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی' فرماتے ہیں ایک بار میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عجیب واقعہ مجھے سنائیں آپ رو پڑیں' فرمانے لگیں' ان کے سارے واقعات ہی عجیب تھے' ایک رات میرے گھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی باری تھی' میرے بستر پر آرام کیلئے لیٹ گئے' پھر فرمایا عائشہ آج دل چاہتا ہے کہ خوب دل بھر کر رب تعالیٰ کی یاد کروں' اجازت دو کہ یہ رات قیام و سجود

میں گزاروں میں نے عرض کیا حضور! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کا قرب بھی چاہتی ہوں اور آپ کی رضاء بھی یعنی عبادت
کریں مگر میرے گھر میں مجھ سے قریب رہ کر' چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانہ وضو کیا' پھر مصلے پر کھڑے ہو گئے'
سجدہ کیا تو اتنا روئے کہ زمین آپ کے آنسوؤں سے بھیگ گئی تمام رات گریہ وزاری میں گزاردی' حتی کہ حضرت بلال دروازہ
شریف پر نماز فجر کی اطلاع دینے حاضر ہو گئے' آپ مسجد تشریف لے گئے' فجر پڑھا کر جب واپس تشریف لائے' تو میں نے اس
گریہ وزاری کا سبب پوچھا' فرمایا کیوں نہ روؤں' آج شب یہ آیت نازل ہوئی **ان فی خلق السموت والارض** پھر فرمایا
خرابی ہے ان کی جو یہ آیت پڑھیں اور مصنوعات الٰہیہ میں غور نہ کریں۔ (کبیر و معانی) **روایت:** حضرت ابن عباس فرماتے
ہیں کہ ایک رات جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میری خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں قیام کی
تھی میں ان کے گھر رات کو رہا تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادات اپنی آنکھوں سے دیکھوں میں نے دیکھا کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب آرام فرمایا' آدھی رات یا کچھ آگے پیچھے بیدار ہوئے' آپ نے یہ آیات **ان فی خلق
السموت والارض** تلاوت فرمائیں' پھر وضو کیا پھر تہجد پڑھی (بخاری' مسلم' از تفسیر خازن و روح المعانی)۔

تفسیر: ان فی خلق السموت والارض چونکہ رب تعالیٰ کی توحید و قدرت کے بہت لوگ انکاری تھے بھی اور ہیں بھی'
جو ان مذکورہ چیزوں کو دلیل توحید نہیں مانتے' اس لئے یہ آیت کریمہ ان سے شروع فرمائی گئی' خلق یا مصدر ہے اور **سموت
والارض** اس کا مفعول یا حاصل مصدر ہے اور **سموت والارض** اس کا فاعل اور ہو سکتا ہے کہ خلق بمعنی مخلوق ہو اور
سموت وارض اس کا ظرف' فی پوشیدہ ہو' چونکہ آسمان فیض دینے والے ہیں اور زمین فیض لینے والی اس لئے آسمانوں کا ذکر پہلے
ہوا زمین کا بعد میں' آسمان کو جمع زمین کو واحد فرمانے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی یعنی آسمانوں و زمین کے پیدا فرمانے میں یا آسمانوں و
زمین کی پیدائش میں یا اس مخلوق میں جو آسمانوں اور زمین میں ہے (روح المعانی) غرضیکہ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں
واختلاف اللیل والنہار واو عاطفہ ہے' اختلاف خلق پر معطوف' اختلاف خلف سے بنا' بمعنی پیچھے' اصطلاح میں بدلنے کو
اختلاف کہتے ہیں کہ اس میں حالات آگے پیچھے آتے ہیں' یہاں اختلاف سے مراد یا تو رات و دن کا آنا جانا ہے یا گھٹنا بڑھنا کہ
سردیوں میں رات بڑی دن چھوٹا' اور گرمیوں میں اس کے برعکس یا بیک وقت مختلف جگہوں میں دن رات کا مختلف ہونا کہ
کہیں' اس وقت سویرا ہے کہ کہیں دوپہر کہیں شام کہیں رات کا آخری کہیں درمیانی حصہ' اور یا رات دن کا سرد گرم ہونا' یا
مختلف مقام میں رات و دن کا چھوٹا بڑا ہونا کہ آج کسی ملک میں دن دس گھنٹے کا ہے' کسی میں چودہ گھنٹے کا بلکہ کہیں چھ ماہ کا دن ہے
اور چھ ماہ کی رات' مگر پہلے دو معنی زیادہ ظاہر ہیں' چونکہ وجود میں رات پہلے ہے دن بعد میں اس لئے لیل کا ذکر پہلے ہوا نہار کا بعد
میں لیل یا تو جنس ہے کہ ایک رات کو بھی لیل کہتے ہیں اور بہت سی راتوں کو بھی' یا لیلۃ واحد ہے اور لیل و لیالی جمع' بعض نے
فرمایا کہ لیل واحد ہے لیالی اس کی جمع جیسے اہل واحد ہے اہالی جمع (از روح المعانی مع زیادت) یعنی رات و دن کے آنے جانے یا
گھٹنے بڑھنے یا ٹھنڈے گرم ہونے یا کہیں چھوٹے کہیں بڑے ہونے وغیرہ میں **لایت لاولی الالباب لایت** ان کا اسم
ہے۔ اور **فی خلق السموت** الخ اس کی خبر تھی' ایات آیت کی جمع ہے' بمعنی کھلی نشانیاں' **اولی** ذو کی جمع ہے' بمعنی والا'
الباب لب کی جمع ہے' بمعنی خالص ہونا' اصطلاح میں لب وہ عقل ہے' جو وہم و حس کے دھوکوں سے خالی ہو' انسان کو اولا'

عقل ملتی ہے بعد میں لب' اور بعض لوگ لب سے بالکل محروم ہی رہتے ہیں (کبیر و معانی و روح البیان) یعنی ان مذکورہ چیزوں میں خالص عقل رکھنے والوں کیلئے توحید و قدرت الٰہیہ کی ایک نشانی نہیں بلکہ بہت سے نشانیاں ہیں' رب کفار وہ اگرچہ عقل تو رکھتے ہیں' مگر لب یعنی خالص عقل نہیں رکھتے اس لئے وہ ان فائدوں سے محروم ہیں۔ خیال رہے کہ آیات جمع قلت ہے' جمع قلت لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آسمان و زمین اور دن و رات کے اختلاف بعض ظاہری نشانیاں ہیں جو عقل خالص سے معلوم ہوتی ہیں' اور بعض باطنی نشانیاں ہیں' جو نور معرفت سے جانی جاتی ہیں' ظاہری نشانیاں تھوڑی ہیں اور باطنی نشانیاں بہت زیادہ لہٰذا بمقابلہ عاقلین کے عارفین ان سے زیادہ فائدے اٹھاتے ہیں' اور جہاں تک معرفت انہیں میسر ہوتی ہے' کل عقل کو نصیب نہیں ہوتی (روح المعانی) **الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم** یہاں الذین یا اولی الالباب کی صفت ہے اور مجرور یا ہم مبتدا محذوف کی خبر اور مرفوع یا فعل پوشیدہ کا مفعول ہے اور منصوب پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے کہ اس میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں ماننی پڑتی' اللہ کے ذکر سے مراد یا تو نماز ہے جو تندرستی میں کھڑے ہو کر بیماری میں بیٹھ کر اور لاچاری مجبوری میں لیٹ کر پڑھی جاتی ہے' کبھی معاف نہیں ہوتی' حضرت ابن مسعود کا یہی قول ہے' جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے: حضرت عمران ابن حصین کو سخت بواسیر تھی' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا (روح المعانی) اور یا عام ذکر مراد ہیں' خواہ تلاوت قرآن ہو یا اور کوئی ذکر پھر خواہ زبان سے ہو یا دل سے یا بقیہ اعضاء سے' خواہ علانیہ ہو یا خفیہ' خواہ مجمعوں میں ہو یا گوشوں و حجروں میں' مراقبہ کی شکل میں' **قیاما وقعودا** یا تو مصدر ہیں اور **یذکرون** کا ظرف فی پوشیدہ ہے یا قیام قائم کی جمع ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاذا ھم قیام ینظرون'** اور قعود قاعدہ کی جمع' اس صورت میں یہ دونوں کلمے **یذکرون** کی ضمیر سے حال ہیں اور **علی جنوبھم** یا تو **یذکرون** کا متعلق ہے یا مضطجعین پوشیدہ کے متعلق ہو کر یہ بھی حال' غرضیکہ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں اور مختلف تفسیریں یعنی ان عاقلوں کیلئے نشانیاں ہیں' جو کھڑے' بیٹھے' لیٹے' جس طرح بن پڑے نماز پڑھتے ہیں' کبھی چھوڑتے نہیں' یا وہ جو ہر حال میں اللہ کا ذکر ہر طرح کرتے ہیں' کھڑے' بیٹھے' لیٹے خیال رہے کہ انسان کے تین حال ہیں کھڑا ہونا' بیٹھنا' لیٹنا' اور تین طرح کے ذکر انسان کر سکتا ہے' زبانی' خیالی' ارکانی' اس ایک جملہ میں تمام حالات کے تمام ذکروں کا بیان فرما دیا گیا' اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہاں عاقل وہ نہیں جو دنیا اور دنیا کے سامان بنائے' ہوائی جہاز' اور ٹینک بنائے' بلکہ ہمارے ہاں عاقل وہ ہے' جو رب تعالیٰ کا ہر وقت ذکر کر کے رحمان کو منائے ایمان بنائے **ویتفکرون فی خلق السموت والارض** یہ جملہ یذکرون پر معطوف ہے اور الذین کا صلہ' انسان نفس و بدن کا مجموعہ ہے' بدن ظاہر ہے نفس باطن' بدن کی عبادت ذکر ہے' نفس و روح کی عبادت فکر' اپنی عبودیت کا اظہار ذکر سے ہوتا ہے اقرار دل سے' ذکر سے فکر اعلیٰ ہے' حتی کہ حضرت ابن عباس' ابو ہریرہ' عامر ابن قیس' ابو الدرداء' انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً" روایت ہے" کہ ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال یا اسی سال کے ذکر سے افضل ہے۔ (دیلمی' ابو الشیخ' ابن منذر' ابن ابی الدنیا وغیرہ) از روح المعانی' اس لئے ذکر پہلے فرمایا گیا' اور فکر کا تذکرہ بعد میں ہوا' خیال رہے کہ ذکر تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سب کا ہوتا ہے' مگر فکر اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں ہوتی' اس کی مخلوق میں ہوتی ہے' اس لئے ذکر کیلئے ارشاد ہوا **یذکرون اللہ** اور فکر کیلئے ارشاد ہوا **فی خلق السموت والارض**: حدیث شریف۔

میں ہے کہ مخلوق میں فکر کرو' خالق میں فکر نہ کرو' یعنی اسے نہ سوچو کہ وہ کون ہے' کیسا ہے؟ نعوذ باللہ نیز ذکر و فکر ہمیشہ ہی چاہئیں' اسی لئے دونوں کو بصیغہ مضارع فرمایا گیا (کبیر) ذکر اللہ ساری مخلوق کرتی ہے مگر فکر صرف انسان' فکر یعنی غور و خوض صرف انسان کی عبادت ہے **خلق السموت** میں وہی تین احتمال ہیں جو ابھی مذکور ہوئے یعنی آسمان و زمین کا پیدا فرمانا یا ان کی پیدائش یا وہ مخلوق جو ان میں ہے **ربنا ما خلقت هذا باطلا** چونکہ اس جملہ میں دعا کی جارہی ہے اس لئے اسے ربنا سے شروع فرمایا' ھذا سے مذکورہ بالا چیزوں کی طرف اشارہ ہے' آسمان زمین اور ان کی چیزیں چونکہ یہ سب مخلوقیت میں یکساں ہیں' اس لئے ھذا واحد فرمایا گیا' باطل حق کا مقابل ہے' حق کے معنی ثابت' صحیح' فائدہ مند حکمتوں پر مشتمل ہیں تو باطل کے معنی ہوں گے عبث' لغو' بے فائدہ' حکمتوں سے خالی' ربنا سے پہلے یقولون پوشیدہ ہے اور باطلا ھذا کا حال ہے یعنی وہ کہتے ہیں اے ہمارے پالنے والے ہم اقرار کرتے ہیں کہ تو نے آسمان و زمین اور ان کی چیزیں عبث' لغو' بے فائدہ نہ بنائیں' ان میں لاکھوں حکمتیں ہیں بعض حکمتوں تک ہمارے ذہنوں کی رسائی ہے اور بعض تک رسائی بھی نہیں' **سبحنک فقنا عذاب النار** سبحان کے معنی بارہا عرض کئے جاچکے ہیں اصل عبارت یوں تھی **نسبحک سبحانا** اے خدا ہم تجھے ہر عیب سے پاک جانتے ہیں' یہ کلمہ کبھی رب تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کیلئے بولا جاتا ہے' اور کبھی اپنے عجز کو ظاہر کرنے کیلئے یہاں دونوں مطلب ہوسکتے ہیں' ایک یہ کہ اس سے پاک ہے' کہ کسی چیز کو بے فائدہ پیدا فرمائے یا ہم اس سے عاجز ہیں کہ تیری مخلوق کے اسرار و رموز پورے پورے معلوم کرلیں' **فقنا** کی ف جزائیہ ہے جس کی شرط پوشیدہ ہے' نار سے مراد پورا دوزخ ہے' خواہ اس کے ٹھنڈے طبقے ہوں یا گرم' کیونکہ وہاں کی ٹھنڈک اور گرمی دونوں آگ کی ہی وجہ سے ہیں' آگ کی دوری سے ٹھنڈک ہے' اور آگ کے قرب سے گرمی' عذاب نار فرما کر ایک عجیب بات ارشاد ہوئی' وہ یہ کہ آگ سے پناہ نہ مانگو' بلکہ آگ کے عذاب سے پناہ مانگو' کفار بر زخ میں آگ سے دور رہ کر بھی آگ کا عذاب پائیں گے' جنتی مسلمان گنہگار دوزخیوں کو نکالنے کیلئے دوزخ میں کود جائیں گے مگر اسکا عذاب نہ پائیں گے' یعنی اے مولیٰ چونکہ ہم مومن ہیں' تیری مخلوق کی حکمتوں کا اقرار کرتے ہیں' لہٰذا تو ہمیں دوزخ کی سزا سے بچالے۔

خلاصہ ء تفسیر: جو چیز دیکھی نہ جاسکے' اسے آثار و علامات سے جانا پہچانا جاتا ہے' ذات باری تعالیٰ ہماری عقل' گمان' وہم سے برتر ہے' اور ایمان کیلئے اس کا جاننا پہچاننا ضروری ہے تو اس پہچان کی صرف یہی صورت ہے کہ اسکی مخلوق کو دیکھو اور اسے پہچانو' اس لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ مخلوق کے ذریعہ خالق کی معرفت کرائی گئی ہے' چنانچہ سورہ بقر پارہ دوم میں آٹھ چیزوں کا ذکر تھا' آسمان زمین کی پیدائش' دن رات کی تبدیلی' لدی ہوئی کشتیوں کا دریا میں تیرنا' آسمان سے بارش آنا بارش سے خشک زمین کا تر ہو جانا' اور اس تری سے ہر قسم کے جانوروں کی پیداوار' اور ان کا بقاء و اقرار' ہواؤں کا انقلاب و گردش' بادلوں کا آسمان و زمین کے درمیان دوڑنا' یہاں تین چیزوں کا ذکر فرمایا' آسمان و زمین کی پیدائش اور دن رات کی تبدیلی' چونکہ عالم اجسام کی مخلوقات کروڑوں ہیں مگر ہیں تین قسم کی' صرف آسمانی' صرف زمینی' ان میں مشترکہ' ان تین میں سب کچھ آجاتا ہے' **خلق السموت** میں پہلی مخلوق کا ذکر ہے **والارض** میں دوسری کا' اور رات کی تبدیلی میں تیسری مخلوق کا کہ یہ تبدیلی آسمان کی طرف سے آتی ہے' اور زمین پر فرمایا گیا کہ آسمانوں کی پیدائش ان کی ترتیب' ان کے فاصلوں اور ان کی اندرونی مخلوق چاند سورج تارے اور برج

وغیرہ یوں ہی زمین کی پیدائش' اس کے اقسام' اس کی مخلوق' جمادات' نباتات' حیوانات وغیرہ معدنیات' تیل اور پانی کے چشمے وغیرہ' یوں ہی رات اور دن کی تبدیلیاں' ان کا آنا جانا' چھوٹا بڑا اور گرم و سرد ہونا' ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں میں ان کا مختلف ہونا' یہ وہ چیزیں ہیں جن میں خالص عقل والوں کیلئے بے شمار نشان قدرت ہیں' ہماری بارگاہ میں خالص عقل والے وہ نہیں جو دنیا خوب کمالیں' بلکہ عقلاء وہ ہیں جو کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں زبانی' دلی' ارکانی طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کریں' کبھی اس سے غافل نہ رہیں' اور بدنی عبادت یعنی ذکر کے ساتھ دلی عبادت یعنی غور و فکر بھی کرتے ہیں' کہ آسمان و زمین اور ان کی مخلوقات میں تفکر کرکے رب تعالیٰ کی قدرتیں و حکمتیں معلوم کریں جس سے ان کا ایمان اور بھی پختہ ہو جائے' یہ سب کچھ سوچ کر عرض کریں کہ اے ہمارے پالنے والے تو نے ان میں سے کوئی چیز بے فائدہ نہ پیدا فرمائی' ہر چیز میں کروڑوں حکمتیں ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ تو سمجھ میں آنے اور تمام عیوب سے پاک ہے' اے مولیٰ! ہم مومن ہیں اپنا کرم فرما ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لے۔ خیال رہے کہ آسمان و زمین تو بہت بڑی مخلوق ہیں' درخت کا پتہ پتہ معرفت الٰہی کا دفتر ہے' کبھی اس میں غور کرو کہ اس کے درمیان ایک موٹی رگ ہوتی ہے' اس رگ میں سے دو طرفہ رگیں نکلتی ہیں' پھر ان رگوں میں سے اور باریک رگیں پھوٹتی ہیں' پھر ان میں سے اور باریک' حتیٰ کہ آخری رگیں اتنی باریک ہوتی ہیں جو نظر بھی نہیں آتیں' رب تعالیٰ نے ان میں قوت جاذبہ رکھی ہے' جڑ سے تنا' تنے سے شاخ سے پتے کی پہلی رگ غذا چوستی ہے' اس رگ سے دوسری رگیں ترتیب وار بقدر ضرورت غذا لیتی ہیں' جس سے وہ غذا تمام پتے میں پھیلتی ہے' پتا سرسبز رہتا ہے' ہر جگہ اتنی ہی غذا پہنچتی ہے' جتنی وہاں ضرورت ہے' بتاؤ کہ اندازہ لگانے والا کتنا علیم و قدیر ہے (از تفسیر کبیر) میں نے خود پیپل کا سوکھا ہوا پتہ دیکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ رگوں کا جال تنا ہوا ہے' اب ذرا اپنے جسم میں غور کرو' اس کی بناوٹ دیکھو تو حیرت میں ڈوب جاؤ گے' کہ دل کا فیض سارے اعضاء پر کس طرح ترتیب سے پہنچ رہا ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

نوٹ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت بیدار ہو کر آسمان میں نظر فرماتے اور یہی آیت کریمہ میعاد تک پڑھتے تھے لہٰذا تہجد کیلئے اٹھنے والوں کو یہ آیت پڑھنا ثواب کا باعث ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** علم جغرافیہ' علم ریاضی و ہیئت بلکہ علم سائنس پڑھنا ثواب ہے' بشرطیکہ یہ علوم اسلامی عقائد کے موید ہوں' کیونکہ ان سے رب تعالیٰ کی قدرتوں و حکمتوں کا پتہ لگتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** رات و دن کی آمد و رفت' زیادتی' کمی بتاتی ہے کہ قوموں کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی کسی قوم کو عروج ہے کبھی کسی کو' اس عروج پر تکبر و غرور نہ چاہئے بلکہ جہاں تک ہو سکے عروج کے زمانہ میں کچھ نیکیاں کمالینی ہیں۔

دریاب کنوں کہ دولتے ہست بدست کیں دولت و ملک می رود دست بدست

اترے چاند ڈھلی چاندنی جو ہو سکے کر لے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

تیسرا فائدہ: عقل سے لب افضل ہے' لب کے معنی تفسیر میں عرض کئے گئے' وہم و خیالات سے پاک و صاف عقل۔ چوتھا

فائدہ: عاقل وہ ہے جو اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارے، اگر دنیا زیادہ نہ کمائے جیسا کہ الذین یذکرون اللہ الخ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر چاہیے، کھڑے، بیٹھے، لیٹے، وضو مرتے وقت کس کا وضو ہوتا ہے، مگر ذکر اللہ خصوصاً کلمہ طیبہ پڑھ کر مرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بہترین عبادت ہے، خواہ زبان سے ہو یا دل سے یا ارکان سے (ذکر و شکر کی نفیس تحقیق اور اسکے اقسام دوسرے پارہ) تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ چھٹا فائدہ: فکر یعنی غور و خوض اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہرگز نہ کرو کہ یہ کفر تک پہنچا دیتی ہے اس کی مخلوق میں فکر اعلیٰ درجہ کی فکر ہے اسی لئے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا اور فکر میں فی خلق السموت والارض ارشاد ہوا اپنی بے کسی، بے بسی و گناہگاری سوچنا اللہ تعالیٰ کی قدرت ستاری میں غور کرنا عبادت ہے۔ ساتواں فائدہ: کوئی مخلوق عبث نہیں اچھی ہو یا بری، پاک ہو یا ناپاک اس کی پیدائش میں لاکھوں حکمتیں ہیں اگرچہ شے خود بری ہو۔ آٹھواں فائدہ: دعا سے پہلے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے، دیکھو فقنا عذاب النار دعا ہے اس سے پہلے رب تعالیٰ کی کیسی شاندار حمد بیان ہوئی۔ نواں فائدہ: دعا سے پہلے رب تعالیٰ کو ربنا یا اللھم کہہ کر پکارنا بہتر ہے، یہ پکار اس کا کرم حاصل کرنے کیلئے نہ کہ عاقل کو بیدار کرنے کیلئے، پروردگار غفلت سے پاک ہے۔ دسواں فائدہ: انسان کتنا ہی متقی پرہیزگار ہو مگر عذاب سے پناہ مانگتا ہے، اپنے کو دعا سے مستغنی نہ جانے، دیکھو فقنا عذاب النار سارے مسلمانوں سے کہلوایا گیا گناہگار ہوں یا ابرار۔ گیارہواں فائدہ: ذکر بالجہر بھی جائز ہے اور بالاخفا بھی دونوں پر ثواب ملیگا کیونکہ یذکرون مطلق ہے۔ بارہواں فائدہ: مومن صرف مراقبہ و فکر پر ہی قناعت نہ کرے بلکہ ذکر اللہ بھی کرے، دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ذکر و فکر دونوں کی تعریف فرمائی۔

پہلا اعتراض: سورۂ بقر میں آٹھ چیزوں کا ذکر کیوں تھا اور یہاں تین کا ذکر کیوں ہوا، پانچ چیزیں کیوں اڑا دی گئیں۔ جواب: دو وجہ سے، ایک یہ کہ وہ پانچ چیزیں ان تین چیزوں میں آجاتی ہیں، کیونکہ ہوا اور بادل تو آسمان کے ذکر میں آگئے اور جانور، کھیتیاں، کشتیاں وغیرہ زمین کے ذکر میں، دوسرے یہ کہ سورۂ بقر میں ابتدائی عقل والوں کا ذکر تھا، یہاں انتہائی عقل والوں کا تذکرہ ہے عقل ابتداء بہت دلائل چاہتی ہے انتہاء کم دلائل پر ہی کفایت کر لیتی ہے، اسی لئے وہاں ارشاد ہوا لقوم یعقلون یہاں ارشاد ہوا لاولی الالباب دوسرا اعتراض: بیمار لاچار کو جو بیٹھنے پر قادر نہ ہو کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھنی چاہیے نہ کہ چت لیٹ کر، دیکھو یہاں ذکر اللہ سے نماز مراد ہے۔ جس کے متعلق آخر میں ارشاد ہوا وعلی جنوبھم پھر احناف کیوں کہتے ہیں کہ سخت بیمار چت لیٹ کر نماز پڑھے (شافعی) جواب: اس آیت سے مذہب شافعی پر دلیل پکڑنا بہت ضعیف ہے، اس لئے کہ ذکر اللہ سے عام ذکر مراد ہیں، اور مقصد یہ ہے کہ عاقل وہ ہیں جو ہر حال میں خدا کو یاد کریں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ نہیں فرماتے کہ اس ذکر سے نماز ہی مراد ہے بلکہ فرماتے ہیں کہ نماز بھی مراد ہے نیز ایسے موقعوں پر علی جنوبھم سے مطلقاً لیٹنا مراد ہوتا ہے نہ کہ صرف کروٹ پر لیٹنا کیونکہ یہ قیام و قعود کے مقابل ارشاد ہوا ہے، کھڑے بیٹھے کا مقابل مطلقاً لیٹنا ہے نہ کہ صرف کروٹ پر لیٹنا، ورنہ آیت کا منشاء ہی فوت ہو جائیگا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے صرف اچھی چیزیں پیدا فرمائیں باطل چیزیں جیسے کفر گمراہی نجاستیں کسی اور نے پیدا کی ہیں، کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ خدایا تو نے انہیں باطل نہ بنایا۔ جواب: یہ غلط ہے چیز کا باطل ہونا کچھ اور ہے اور اس کی پیدائش کا باطل ہونا کچھ اور ہر اچھی بری چیز

رب تعالیٰ نے ہی پیدا فرمائی‘ مگر چونکہ ان بری چیزوں کی پیدائش میں بھی لاکھوں حکمتیں ہیں‘ اس لئے ان کی پیدائش بری نہیں‘ کفر و گمراہی سور وغیرہ بچنے کیلئے پیدا کئے گئے تاکہ لوگ ان سے بچیں اور ثواب پائیں‘ اگر غور کیا جائے تو عالم کا نظام اور ہزاروں عبادات شیطان کے ذریعہ قائم ہیں‘ اگر شیطان نہ ہوتا تو مسلمان مجاہد و غازی کیسے بنتے‘ اس کی پوری تحقیق ہم پہلے سیپارے کے شروع میں کر چکے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** آسمان و زمین وغیرہ کی پیدائش رب کی معرفت کا ذریعہ کیسے ہے؟ بڑے بڑے عقلاء ان چیزوں کو دیکھتے ہیں اور خدا کو نہیں مانتے! **جواب:** وہ لوگ عاقل نہیں ہیں‘ غافل ہیں کہ وہ ان چیزوں کو فقط دیکھتے ہیں مگر ان میں فکر نہیں کرتے مخلوق کی صفات دیکھ کر اس کے مخالف صفات رب تعالیٰ میں مانی پہنچیں نہ کہ موافق‘ خیال کر لو کہ عالم حادث ہے تو خالق قدیم‘ عالم محتاج ہے تو خالق غنی عالم میں تبدیلی ہے تو خالق تبدیلیوں سے پاک ہے‘ عالم کی چیزوں میں مقدار‘ کیفیت‘ شکل و صورت ہے تو خالق ان سے پاک ہے۔ عالم میں امکان ہے تو خالق میں وجوب عالم میں بدلتا ہے خالق بدلنے سے پاک ہے‘ بلکہ وہ بدل دینے والا ہے‘ کہ اگر مخلوق کی یہ صفتیں خالق میں بھی ہوتیں تو وہ بھی مخلوق کی طرح کسی اور خالق کا محتاج ہوتا اسی لئے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے رب تعالیٰ کو جان لیا‘ مطلب یہی ہے کہ اپنی گنہگاری سے اس کی غفاری جانو‘ اپنی بدکاری سے اس کی ستاری پہچانو‘ اپنی محتاجی سے اس کی غنا معلوم کرو‘ غرضیکہ مخلوق خالق کا مکمل پتہ لگتا ہے (از تفسیر کبیر) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین وغیرہ باطل نہیں‘ مگر حدیث شریف میں ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **الا کل شیء ملا خلاء اللہ باطل** اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے‘ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** حدیث میں باطل سے مراد قابل زوال ہے یعنی ممکن‘ اور آیت میں باطل سے مراد عبث و بے فائدہ ہے لہذا دونوں برحق ہیں‘ اور حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو چیز اللہ سے خالی یعنی اس کی یاد سے خالی ہو اور اس سے غافل کرے وہ باطل و لغو ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کھڑے‘ بیٹھے‘ لیٹے ہر حال میں صرف اللہ ہی کا ذکر کرے اور کسی کا ذکر نہ کرے‘ بعض لوگ اٹھتے بیٹھتے **یا رسول اللہ** (صلی اللہ علیہ وسلم) یا غوث کہتے ہیں وہ مشرک ہیں اور اس آیت کے مخالف (مولوی ثناء اللہ صاحب) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں‘ ایک الزامی‘ دوسرا تحقیقی‘ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو ہر حال میں اور ہر وقت نہ تو کلمہ پڑھ سکتے ہیں‘ نہ قرآن نہ نماز نہ درود‘ کہ ان سب میں صرف اللہ کا ذکر نہیں بلکہ اسکے بندوں کا ذکر بھی ہے۔ **جواب:** تحقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات‘ اس کے مقبول بندوں کی تعریف‘ مردودوں کی برائی سب اللہ کا ذکر ہے‘ سارا قرآن ذکر اللہ ہے‘ خواہ ابولہب کی برائی کی آیتیں ہوں یا حضرات انبیاء و اولیاء کی عظمت کی یا ذات و صفات کی آیتیں۔ **ساتواں اعتراض:** اٹھتے بیٹھتے اللہ کا نام لینا بالکل بیکار ہے عمل میں کوشش چاہئے دوا کا نام جپنے سے بیماری نہیں جاتی بلکہ اس کے استعمال کرنے سے جاتی ہے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ کا نام جپنا بھی ایک عمل ہے کہ ذکر بھی باعث نجات ہے‘ ہر دوا کھائی پی نہیں جاتی‘ بعض دوائیں لگائی جاتی ہیں‘ بعض سونگھی جاتی ہیں‘ بعض دیکھی جاتی ہیں بلکہ بولنے چلنے اور سننے سے بھی علاج کئے جاتے ہیں باغوں میں چلنا‘ سبزہ کو دیکھنا علاج ہے‘ مغزوں کو نغمے سننا علاج ہے‘ اگر روزہ میں خشکی ہو جائے تو روزہ دار کے سامنے لیموں کاٹنا بلکہ کھٹی چیزوں کا ذکر منہ میں پانی لاتا ہے۔ اور خشکی دفعہ کرتا ہے‘ ہر وقت اللہ کے ذکر سے اس کی طرف دھیان رہے گا‘ اس سے محبت پیدا ہوگی‘ اس

محبت سے نیک اعمال آسان ہوں گے اور برے اعمال سے نفرت ہو گی' دل کو چین نصیب ہو گا۔

حکایت: کسی نے مجنوں کو دیکھا کہ ریگستان میں بیٹھا انگلی سے کچھ لکھ رہا ہے' پوچھا کسے خط لکھتا ہے' بولا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں' بے چین دل کو چین دے رہا ہوں۔

دید مجنوں را کسے صحرا نورد — در بیابان جنوں نشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم — می نمودے نامہ بہر کس رقم!
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں — می نویس نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم — خاطر خود را تسلے مے دہم

مجنوں کو لیلیٰ کے ذکر سے تسلی ہوتی ہے' بندے کو مولیٰ کے ذکر سے تسلی ہوتی ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے آنکھ بیک وقت دو چیزیں نہیں دیکھ سکتی' ایسے ہی عقل بیک وقت دو چیزیں نہیں سوچ سکتی' عارف کا ابتدائی حال یہ ہے کہ دلائل میں غور کرے' رب تعالیٰ کو پہچانے مگر انتہائی حال یہ ہے کہ نور معرفت سے اسے' جب یہ نور مل جاتا ہے' تو دلائل اس کیلئے حجاب بن جاتے ہیں' جس قدر غیر اللہ میں مشغولیت کم ہو گی' اسی قدر نور معرفت زیادہ حاصل ہو گا' رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی** اے موسیٰ اپنے دونوں جوتے اتار دو' اب تم مبارک جنگل طویٰ میں آگئے ہو' دو جوتے کیا تھے' دلیل کے صغریٰ کبریٰ وادی مقدس کیا ہے؟ معرفت الٰہی کا میدان یعنی تم مجھے اب صرف دلائل سے نہ مانو بلکہ نور معرفت سے پہچانو' (تفسیر کبیر) بندہ اولاً رب تعالیٰ کو عالم کے ذریعہ پہچانتا ہے پھر خود اپنی ذات کے ذریعہ اسے مانتا ہے **وفی انفسکم افلا تبصرون من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** کہ اپنے کچھ نہ ہونے سے رب تعالیٰ کا سب کچھ ہونا جانتا ہے" آخر میں رب کو رب ہی جانتا ہے' یہ وہ مقام ہے جہاں عارف خود بھی فنا ہو چکتا ہے **لا الہ الا اللہ** کے معنی عام مومنین کے ہاں یہ ہیں کہ **لا معبود الا اللہ** خواص فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں **لا محبوب الا اللہ** اور **لا مقصود الا اللہ** آگے بڑھ کر کہتے ہیں **لا موجود الا اللہ** اس مرتبہ میں پہنچ کر عارف معرفت کے دریا میں غرق ہو چکتا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کے تین مرتبے ہیں' ذکر زبانی' جسے ذکر کہا جاتا ہے' ذکر دلی جسے فکر کہتے ہیں' ذکر روحانی جس کا نام معرفت ہے' ذکر فکر کا اور فکر معرفت کا ذریعہ ہے: توحید کے چار مرتبے ہیں' پہلا مرتبہ قشر القشر یعنی پوست پر پوست ہے' دوسرا قشر القشر یعنی پوست ہے' تیسرا مرتبہ لب یعنی مغز ہے: چوتھا مرتبہ لب لباب یعنی مغز کا خلاصہ ہے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ بادام اور اخروٹ اس میں دو چھلکے ہیں' اوپر کا چھلکا سخت اور بے مزہ' نیچے کا چھلکا جو گری پر ہے' گری کے ساتھ کھا بھی لیا جاتا ہے' تیسری چیز ہے۔ چوتھی چیز گری کا پھل' گری لب ہے' اور گری کا تیل لب لباب' ایسے ہی منافقین کا کلمہ پڑھ لینا جب کہ دل غافل یا منکر ہو توحید کا قشر القشر ہے' جس کی وجہ سے وہ سیف و سنان یعنی مسلمانوں کی تلوار سے بچ جاتے ہیں' مسلمانوں کا عقیدۂ توحید قشر ہے' یعنی اندرونی پوست' عارفین کا مشاہدہ نورانی لب توحید ہے' کاملین کا' پھر توحید میں فنا ہو جانا لب لباب توحید' اس مرتبہ میں عارف اپنے کو بھی نہیں دیکھتا' پہلی توحید سے منافق دنیوی عذاب سے بچ جاتا ہے' دوسری توحید سے مومن اخروی عذاب سے محفوظ رہتا ہے' تیسری توحید سے عارف غفلت کی

سزا سے بچ جاتا ہے اور چوتھی توحید سے کامل دوئی و فراق کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے جیسے چھلکا مغز کیساتھ رہے تو قیمتی ہے' مغز سے علیحدہ ہو جائے تو کوڑے کا ڈھیر ہے جو پھینکا جائے یا جلایا جائے ایسے ہی زبانی کلمہ ان چیزوں سے الگ ہو کر قیمت نہیں پاتا بلکہ نقصان دہ ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یہ توحید کے اوپری پوست کا ذکر تھا لب توحید کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ اور فرماتا ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام جیسے مغز چھلکے کے لحاظ سے نفیس ہے مگر روغن کے لحاظ سے مخلوط' ایسے ہی یہ تیسری توحید چوتھی توحید سے درجہ میں کم ہے کہ اس میں التفات الی الکثرت ہے' چوتھی توحید میں یہ بھی نہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے یذکرون اور قیاما' قعودا یتفکرون وغیرہ جمع فرمائے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ ذکر الٰہی مجمعوں اور حلقوں میں بہت محبوب ہے' ایک اعتبار سے ذکر جہری افضل ہے کہ اس میں قلب غافل بیدار ہو جاتا ہے جہاں تک ذاکر کی آواز پہنچے وہاں تک کی چیزیں اس کی گواہ ہو جاتی ہیں' شیطان بھاگتا ہے' غافلوں کو بھی ذکر کا شوق پیدا ہو جاتا ہے' اور ایک اعتبار سے ذکر خفی بہتر ہے کہ ریاء سے دور ہے' خواص کیلئے تنہائی میں ذکر خفی افضل ہے' عوام کیلئے مجمعوں میں ذکر جلی افضل ہے کہ ذکر جلی حجاب کے پھاڑنے میں اعلیٰ چیز ہے سخت پتھر طاقت سے ٹوٹتا ہے سخت دل قوت ذکر سے ٹکڑے ہوتا ہے۔

گفتگوئے عاشقاں در کار رب — جوشش عشق است نے ترک ادب
ہر کہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش — نے ادب ماند درونے عقل و ہوش

عشاق اگر ذکر رب سے وجد میں آ جائیں تو ان پر اعتراض نہ کرو کہ یہ ان کا جوش عشق ہے نہ کہ بے ادبی' جسے شراب عشق کا ایک گھونٹ ملا اس کے پاس سے ادب عقل و ہوش سب روانہ ہو گئے' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس قال کو حال بنا دے (از روح البیان مع زیادت)۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

اے ہمارے پالنہار بے شک تو جسے آگ میں ڈالے تو تو نے اسے رسوا کر دیا اور نہیں ہے ظالموں کا

اے رب ہمارے بیشک جسے تو دوزخ میں لے جائے اسے ضرور تو نے رسوائی دی اور ظالموں کا کوئی

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ

کوئی مددگار اے ہمارے پالنے والے بے شک ہم ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے

مددگار نہیں اے رب ہمارے ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لئے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان

اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا

لئے پکارتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ چنانچہ ہم ایمان لے آئے اے ہمارے پالنہار تو بخش دے ہمارے لئے

لاؤ تو ہم ایمان لائے اے رب ہمارے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں

سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی

ہمارے گناہ اور دور کر دے ہم سے ہماری خرابیاں اور موت دے ہم کو نیکوں کے ساتھ اے ہمارے پالنہار ہیں

محو فرما دے اور ہماری موت اچھوں کے ساتھ کر لے رب ہمارے اور ہمیں دے وہ جس کا تو نے ہم سے وعدہ

رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

وہ دے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبان پر اور نہ رسوا کر ہم کو قیامت کے دن بیشک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ

کیا ہے اور اپنے رسولوں کی معرفت اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر بیشک تو وعدہ خلاف نہیں کرتا

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں عذاب نار سے بچنے کی دعا سکھائی گئی تھی۔ اب اس آیت میں اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ اس لئے اس سے پناہ مانگو کہ وہاں سخت تکلیف بھی ہے رسوائی بھی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں عقلمندوں کی تین نشانیاں بیان فرمائی گئیں۔ ذکر' فکر' ہر چیز کی حقانیت کا اقرار' اب انہی عاقلوں کی کچھ اور نشانیاں بیان فرمائی جا رہی ہیں' یعنی اپنے کو گناہگار اور رب تعالیٰ کو غفار جانتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا کہ عاقلین مخلوق میں غور و فکر کرتے ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ صرف اسی غور و فکر پر قناعت نہیں کرتے بلکہ خود اپنے میں بھی غور کرتے ہیں کہ یہ فکر اس فکر سے اعلیٰ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہمارے مقبول بندے ہماری حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں' اور اپنی زبان ذکر میں تر رکھتے ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ اپنے قصور اور کوتاہیوں کا اقرار بھی کرتے ہیں' رب تعالیٰ کی عظمت کے ساتھ اپنے عجز کا اقرار سونے پر سہاگہ ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں حمد الٰہی کا ذکر تھا جو اس کے بندے کرتے ہیں' اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و اوصاف کا ذکر ہے جن کی معرفت یہ حمد الٰہی ہوتی ہے' گویا ایمان کے ایک رکن کا ذکر پہلے تھا۔ دوسرے کا اب ہو رہا ہے۔

تفسیر: **ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیته** چونکہ دعا میں بار بار رب تعالیٰ کو پکارنا زیادہ قبولیت کا باعث ہے' نیز اس بار بار پکارنے سے بندے کا ذوق و شوق بڑھتا ہے' اس لئے اس دعا میں چار جگہ ربنا ارشاد ہوا۔ یہ دوسری جگہ ہے' من سے مراد جن و انس ہیں' کیونکہ عذاب کیلئے دوزخ میں صرف یہ دو گروہ ہی جائیں گے' داخل فرمانے سے مراد ہمیشہ عذاب پانے کیلئے دوزخ میں داخل فرمانا ہے' لہٰذا اس سے وہ گناہگار مومن خارج ہیں جو عارضی طور پر دوزخ میں داخل کئے جائیں گے تاکہ گناہوں کے میل سے صاف ہو کر جنت کے قابل ہو جائیں' نار سے مراد دوزخ ہے' خواہ وہاں کا ٹھنڈا طبقہ ہو یا گرم طبقہ' **اخزیته'** خزی سے بنا' جس کے معنی ہیں دور کرنا' رسوا کرنا' ذلیل کرنا' ہلاک کرنا' آفت میں مبتلا کرنا' کبیر' یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں' یعنی اے ہمارے پالنے والے تو جس جن و انس کو اس کے کفر کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے دوزخ میں داخل کر دے تو تو نے اسے رسوا کر دیا' ہلاک کر دیا' آفت میں مبتلا کر دیا' اپنی رحمت سے قطعاً دور فرما دیا **وما للظلمین من انصار** واؤ عاطفہ ہے ما نافیہ ظالمین سے مراد کفار ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **والکفرون هم الظلمون** نیز وہ آیت **ان الشرک لظلم**

عظیم چونکہ کفار بہت قسم کے تھے دہریئے' مشرک' کل کتاب کافر وغیرہ' اسی لئے الظلمین جمع کثرت ارشاد ہوا من مبالغہ کا ہے' انصار ناصر کی جمع ہے' بمعنی مددگار' تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ قوت و زور کے ساتھ آفت دفع کرنا نصر ہے' اور عاجزی و زاری و دعا کے ذریعہ دفع آفت کرانا شفاعت ہے" کافر کیلئے محبوبوں کی شفاعت تو ہے ہی نہیں" احتمال ہو سکتا تھا کہ ان کے بت جبراً رب تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے جیسا کہ کفار کا عقیدہ ہے' اسی لئے یہاں اس کی بھی نفی فرمادی گئی مگر حق یہ ہے کہ انصار سے مطلقاً مددگار مراد ہیں قوت سے مدد کرنے والے ہوں یا شفاعت کے ذریعہ جہنم سے بچانے والے جیسا کہ دوسری آیات میں اس کی تصریح ہے فما لہم من دون اللہ من ولی ولا شفیع چونکہ مددگار بہت سی قسم کے ہوتے ہیں' جان سے مدد کرنے والے' مال سے' ہتھیاروں سے' جتھہ سے' اس لئے انصار جمع ارشاد ہوا' یعنی اے مولیٰ ہم کو یقین ہے کہ ہر قسم کے کفار کیلئے کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں جو انہیں تیرے عذاب سے بچالے' اس لئے رب کریم ہمیں ظالموں سے نہ کر' توفیق دے کہ مومن ہو کر جئیں' مومن ہو کر مریں' مومنوں کے ساتھ اٹھیں ربنا اننا سمعنا منادیا یہ اس دعا کا تیسرا جملہ ہے' جس میں تیسری بار ربنا ارشاد ہوا اننا سے مراد سارے مسلمان ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ سننے سے مراد مطلقاً سننا ہے بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ۔ حضرات صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان براہ راست بلاواسطہ سنے' بعد کے لوگوں نے بواسطہ' علماء سے' لہٰذا سارے مسلمانوں نے سن لئے۔ منادی نداء سے بنا' بمعنی پکارنا محض چلانے چیخنے کو بھی نداء کہہ دیا جاتا ہے جیسے الا دعاء و نداء مگر یہاں مقصود والی پکار کو نداء فرمایا گیا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے واذ نادی ربک موسی یا فرماتا ہے واذا نادیتم الی الصلوۃ یہاں منادی سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' حضرت ابن مسعود ابن عباس ابن جریج وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے' دیکھو تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن' بیضاوی' مدارک' روح المعانی' جلالین وغیرہ' اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے ادع الی سبیل ربک اور فرماتا ہے داعیا الی اللہ باذنہ اور فرماتا ہے ادعوا الی اللہ ان آیات و اقوال و روایات سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی منادی ہیں" آپ ہی داعی ہیں' نداء و دعا ہم معنی ہی ہیں' بعض نے کہا کہ منادیا سے مراد قرآن شریف ہے' بعض نے کہا کہ مومن کی عقل جو حق کی طرف رہبری کرے' اس صورت میں منادی مجازی معنی میں ہوگا' کیونکہ قرآن شریف و عقل حقیقی نداء نہیں کر سکتے' بعض کے خیال میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم' عقل سلیم سب ہی مراد ہیں' اس صورت میں منادی کے حقیقی و مجازی معنی کا اجتماع لازم آئیگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو حقیقی منادی ہیں' یہ دو چیزیں مجازی منادی' بہرحال قوی تر یہی ہے کہ یہاں منادی سے مراد ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے" اگرچہ سرکار نے تبلیغ چیخ و پکار سے نہ کی" مگر چونکہ رب تعالیٰ نے آپ کی ہدایت تمام میں پھیلائی اور باقی رکھی اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو نداء قرار دیا گیا اور آپ کی منادی ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا یہ جملہ منادیا کا بیان ہے ینادی بمعنی حال ہی ہے چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء و تبلیغ قیامت تک قائم رہے گی' لہٰذا اسے ینادی صیغہ حال سے تعبیر فرمایا گیا۔ گویا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی نداء دے رہے ہیں' نیز چونکہ یہ نداء کسی خاص جماعت یا قوم سے خاص نہیں۔ ہر شخص کیلئے عام ہے اس لئے ینادی کا مفعول بیان نہ ہوا کہ پکار رہے ہیں' یعنی سب کو پکار رہے ہیں بلا رہے ہیں۔ للایمان کا لام یا تو بمعنی الیٰ ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے ثم یعودون لما نھوا عنہ یا فرماتا ہے بان ربک اوحی لہا یا فرماتا ہے

ھد نا لبھذ ا ان تمام آیات میں لام بمعنی الی ہے' یالام اجل کا ہے' یہ جملہ منادیا کا حال ہے یا صفت **ان امنوا الخ منادی** کا بیان ہے' رب تعالیٰ پر ایمان لانے سے مراد اس کی ذات و صفات اس کے انبیاء و اولیاء اس کی کتابوں' فرشتوں غرضیکہ تمام ایمانی چیزوں کو صحیح طور پر مان لینا ہے **ان امنوا** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا بیان ہے اور **فامنا** میں اپنے عمل کا ذکر کہ ان کا فرمان ہم نے سن لیا مان لیا' اس پر عمل کر لیا کہ ہم ان کے تمام فرمانوں پر ایمان لے آئے یعنی اے مولیٰ ہم نے تیرے محبوب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء 'ایمان' دعاء اسلام سن لی بواسطہ علماء ان کے فرامین ہم تک پہنچ گئے تو ہم نے وہ نداء قبول کر لی اور ایمان لے آئے' لہٰذا اب **ربنا فاغفرلنا ذنوبنا** یہ اس دعا کا تیسرا جملہ ہے جس میں تیسری بار ربنا فرمایا گیا' مغفرت کے معانی و اقسام بارہا بیان ہو چکے' لنا میں لام نفع کا ہے' **ذنوب ذنب** کی جمع ہے بمعنی گناہ' یہاں گناہ سے مراد گناہ کبیرہ ہیں' اس جملہ میں تین دعائیں کی گئیں گناہوں کی مغفرت سیات کا کفارہ نیکیوں کے ساتھ یا نیکوں کے زمرہ میں موت' چونکہ مغفرت بہت اہم بھی ہے اور تمام رحمتوں کا پیش خیمہ بھی' اس لئے پہلے اسی کا ذکر ہوا' چونکہ ہم صدہا قسم کے گناہ کرتے رہتے ہیں' اس لئے ذنوب جمع کثرت فرمایا گیا یعنی اے ہمارے پالنہار ہمارے سارے گناہ ہر قسم کے گناہ معاف فرما دے' **وکفر عنا سیاتنا** یہ دوسری دعا ہے۔ **کفر فاغفر** پر معطوف ہے۔ یہ تکفیر سے بنا جس کا مادہ کفر بمعنی چھپانا ہے' چونکہ اس کے بعد عن آرہا ہے لہٰذا اس کے معنی ہوئے دفع کرنا' سیئات سے مراد یا تو چھوٹے گناہ ہیں یا وہ گناہ جو بھول چوک سے صادر ہو جائیں یا وہ گناہ جو بے علمی سے ہو جائیں' ہم کو خبر نہ ہو کہ یہ فعل گناہ ہے اور کر لیں' مگر واقعہ میں وہ گناہ ہوں یعنی ہم سے ہمارے چھوٹے گناہ یا غضب کے گناہ یا جہالت کے گناہ دفع فرما دے **وتوفنا مع الابرار** یہ تیسری دعا ہے' **توف** وفات سے بنا بمعنی موت دینا' پورا لینا **اللہ یتوفی الانفس'** نا میں سارے مسلمانوں کو داخل فرمایا گیا ہے تاکہ دعاء صرف اپنے اکیلے کیلئے نہ ہو بلکہ سارے مسلمانوں کیلئے ہو مع سے مراد زمانی معیت و ہمراہی نہیں بلکہ وصفی ہمراہی مراد ہے' ابرار یا بر کی جمع ہے جیسے رب کی جمع ارباب یا بار کی جمع ہے' جیسے صاحب کی جمع اصحاب' مگر پہلا قول قوی ہے کہ اسم فاعل کی جمع بروزن افعال نہیں آتی' اصحاب بھی صاحب کی جمع نہیں بلکہ صحب صفت مشبہ کی جمع ہے' بار کے معنی ہیں نیکی والا' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں' سبحان اللہ کیسے عجز و انکسار کی تعلیم ہے' یہ نہ فرمایا کہ نیک بنا کر اٹھا بلکہ فرمایا ہمیں نیکوں کے زمرہ میں اٹھا یعنی ہم نیک ہیں تو نہیں' ہم ہیں تو گنہگار' مگر اے مولیٰ نیکوں کے زمرہ میں ہم کو موت دے تاکہ ان کی برکت سے ہم پر بھی تیرا فضل و کرم ہو جائے' اچھوں کے پڑوسی بھی مزے کرتے ہیں' یہ دعا بہت اعلیٰ درجہ کی ہے اچھوں کی ہمراہی رب تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت ہے۔ **ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک** یہ چوتھی دعا ہے جس میں چوتھی بار ربنا ارشاد ہوا اس میں رب تعالیٰ کو پکارنے کیلئے ہے اور واؤ تکرار کا عاطفہ ہے' اور یہ جملہ گزشتہ دعاؤں پر معطوف' ات ایتاء سے بنا بمعنی دینا' نا سے مراد سارے مسلمان ہیں کہ دعا سب کیلئے چاہئے' ما سے مراد تمام دینی و دنیاوی نعمتیں ہیں' **وعدت' وعد** سے بنا بمعنی امیدوار خیر کرنا' کسی سے اچھی بات کا وعدہ کرنا' **علی رسلک** سے پہلے ایک چیز پوشیدہ ہے یا **السنتہ** یا **طاعتہ** یعنی اے ہمارے پالنہار ہم سب مسلمانوں کو وہ تمام دینی و دنیاوی نعمتیں عطا فرما جس کا تو نے حضرات انبیاء کرام کی زبانی' ان کی معرفت وعدہ فرمایا ہے کہ نماز کا یہ اجر ہے' زکوٰۃ کا یہ ثواب' فلاں دعا کا یہ اثر ہے فلاں وظیفہ کی یہ تاثیر' تہجد کے وقت دعا قبول ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ یا اے مولیٰ ہم کو وہ تمام نعمتیں دے جس کا تو نے اپنے رسولوں کی اطاعت کی بناء پر وعدہ فرمایا ہے کہ اگر ان کی اطاعت کرو گے تو بخشے جاؤ گے' دین

دونیا میں سرخرو ہو گے' خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو ان حضرات کی اطاعت کی توفیق دے' تاکہ ہم اس وعدہ کے مستحق ہو جائیں' حق یہ ہے کہ رسل سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' چونکہ آپ کی اطاعت سارے رسولوں کی اطاعت ہے۔ آپ کا وعدہ تمام نبیوں کا وعدہ ہے۔ اس لئے آپ کی ذات عالی کیلئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ (روح المعانی) **ولا تخزنا یوم القیمة** یہ گزشتہ دعا کا گویا تتمہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ قیامت میں ہم کو بغیر عذاب دیئے' بغیر رسوا کئے بخش دے کہ بعض لوگ وہ بھی ہوں گے جنہیں پہلے کچھ سزا ملے گی بعد میں بخشش ہو گی' ہم کو ان میں سے نہ کر خزی کے معنی ابھی عرض کئے گئے یوم قیامت سے مراد قیامت کا سارا دن ہے' قبروں سے اٹھنے سے لے کر پل صراط گزر جانے تک یعنی ہم کو ثواب کے ساتھ قیامت میں سرخروئی نیک نامی بھی عطا فرما **انک لا تخلف المیعاد** سبحان اللہ کیسا اچھا تتمہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مولیٰ ہم کو تیرے وعدہ خلاف ہونے کا اندیشہ نہیں' تو سچا' تیرے وعدے سچے' ہم کو اپنی طرف سے ڈر ہے کہ کہیں بھٹک کر تیرے وعدوں کے مستحق نہ رہیں' تو کرم فرما' ہم کو سیدھا راستہ دکھا' سیدھی راہ پر چلا' سیدھی راہ پر چلتے ہوئے اٹھا' تاکہ تیرے وعدوں کے حقدار بنیں' **تخلف** اور **میعاد** کے معنی پہلے بیان ہو چکے کہ اخلاف کے معنی ہیں وعدہ کرکے پورا نہ کرنا' وعید دے کر پوری نہ کرنا' معنی ہے رب تعالیٰ اخلاف سے پاک ہے اور بہت ہی معاف فرمانے والا ہے' اگر اس کی معافی وسیع نہ ہو' تو ہمارا ٹھکانہ کہاں لگے' میعاد وعد کا مصدر ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: ہمارے مومن بندوں کی پہچان یہ ہے کہ ہر حال میں ہمارا ذکر' ہماری مخلوق میں غور و فکر بھی کرتے ہیں' ہماری پاکی بولتے ہیں' ساتھ ہی یہ دعائیں بھی کرتے ہیں کہ اے مولیٰ جو کفر پر مرے اور تو اسے کفر کی بنا پر دائمی عذاب کیلئے دوزخ میں داخل فرمادے' اسے تو تو نے رسوا کر دیا' ایسے ظالموں' کافروں کا کوئی شفاعت کرنے والا تو ہے ہی نہیں' انکا مددگار بھی کوئی نہیں' جو انہیں تیرے عذاب سے بچالے یا ایسوں کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں' نہ ان کا کوئی یار ہے' نہ مددگار' اے ہمارے پالنے والے ہم نے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا پکار' ان کی دعوت سن لی' کہ وہ سارے بندوں کو ایمان کی دعوت دے رہے ہیں اور ان کی تبلیغی دعوت سارے جہان میں پہنچ رہی ہے' دنیا ان کی تعلیمی آواز سے گونج رہی ہے' ہم نے محض تیرے فضل و کرم سے ان کی دعوت قبول کر لی' ہم ایمان لے آئے اے مولیٰ ہمارا ایمان قبول فرما اور اس کی برکت سے ہمارے بڑے گناہ یا نئے گناہ یا دانستہ کئے ہوئے گناہ تو معاف فرمادے' اور چھوٹے گناہ یا بھول سے کئے ہوئے گناہ یا جہالت سے صادر شدہ گناہ' دفع فرمادے۔ اس کے ساتھ ہی ہم کو نیکوں کے زمرہ اور ان کے متبعین میں موت دے' کہ جب مریں تو تیرے مقبولوں کی جماعت میں ہوں' ان سے علیحدہ نہ ہوں' اے ہمارے پالنے والے تو نے جن نعمتوں بھلائیوں کا وعدہ اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے کیا ہے وہ تمام نعمتیں ہم کو عطا فرما اور قیامت میں ہماری پردہ پوشی کر' ہم کو رسوا نہ کر' ہمارے پردے رہنے دے ہم کو یقین ہے کہ تیرے سارے وعدے سچے ہیں تو اپنے وعدے خلاف نہیں کرتا' البتہ ہم کو اپنے سے اندیشہ ہے' کہ اس وعدے کے مستحق ہم رہیں یا نہ رہیں' اے کریم ہم کو توفیق دے' تیرے وعدوں کے اہل نہیں نکل رہیں' تاکہ تیری نعمتوں کے مستحق ہوں۔ **نوٹ:** یہ آیت کریمہ بہترین دعاؤں کی جامع ہے' یوں تو ہر وقت ہی یہ آیت پڑھنی چاہئے' مگر خصوصیت سے تہجد کے وقت اور تہجد کی نماز میں پڑھنے سے بہت لطف بھی آتا ہے' قبولیت کی بھی امید ہے' اس آیت میں چار بار ربنا عرض کیا گیا ہے' امام جعفر صادق فرماتے ہیں

کہ جو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے وہ پانچ بار ربنا کہے "اللہ تعالٰی اسے مصیبت سے نجات دیگا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عطاء سے روایت کیا "فرماتے ہیں جو بندہ تین بار یا رب یا رب یا رب "کہے" اللہ تعالٰی اس پر نظر کرم فرماتا ہے" جب یہ قول خواجہ حسن بصری سے بیان کیا گیا تو آپ نے اس کی تائید میں یہ آیت کریمہ تلاوت کی اور فرمایا کہ اس آیت میں بار بار ربنا فرمایا گیا ہے" حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا رب "اے میرے رب فوراً جواب آیا لبیک "اے موسیٰ میں حاضر ہوں" موسیٰ علیہ السلام اس جواب پر بہت خوش ہوئے" عرض کیا اے مولیٰ کیا یہ صرف میری خصوصیت ہے کہ میری پکار پر تو نے جواب دیا یا دوسروں پر بھی یہ کرم ہوگا؟ فرمایا نہیں بلکہ جو بندہ مجھے رب کہہ کر پکارے گا میں اس کے جواب میں لبیک فرماؤں گا (روح المعانی) غرض یہ آیت کریمہ دعاؤں پر مشتمل ہے اور اس میں بہترین دعائیں بہترین طریقہ سے مانگی گئی ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دعا میں رب تعالٰی کو بار بار پکارنا اور ربنا کہہ کر پکارنا بہت ہی بہتر ہے۔ یہ پکار اپنے عجز کے اظہار کیلئے ہے۔ **دوسرا فائدہ:** گنہگار مومن انشاء اللہ قیامت میں رسوا نہ ہوگا اگرچہ اسے کچھ سزا مل جائے" مگر رب تعالٰی اسے وہاں کی رسوائی سے بچائے گا جیسا کہ **فقد اخزیتہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا" رب تعالٰی فرماتا ہے **یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنو معہ** اللہ تعالٰی ہر مومن کو دوزخ میں اگر عذاب بھی دیگا تو خفیہ کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوگی کیوں نہ ہو کہ اگرچہ گنہگار ہے مگر غدار نہیں وفادار ہے" امت احمد مختار ہے" اللہ تعالٰی اس رحمت والے کے سایہ میں رکھے" مولانا حسن میاں فرماتے ہیں۔۔

جو یہاں عیب کسی پر نہیں کھلنے دیتے کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو

تیسرا فائدہ: دنیا آخرت میں۔ خلفہ تعالٰی مومنوں کے مددگار بہت ہوں گے کہ رب تعالٰی سے شفاعت کرکے اسے بخشوائیں گے اس دن بے یار و مددگار ہونا کفار کیلئے ہے جیسا کہ **للظلمین** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ تقدیم حصر کا فائدہ دے رہی ہے جو کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ در حقیقت اپنے کفر کا اقرار کرتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنو** مسلمانوں کے مددگار اللہ" رسول" نیک مومنین" فرشتے بلکہ قرآن شریف" کعبہ معظمہ وغیرہ ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے منادی اور رب تعالٰی کے داعی ہیں۔ آپ کی دعوت و نداء تا قیامت دنیا میں پہنچ رہی ہے" سنی جا رہی ہے" ہم جیسے لوگ تو علماء" صلحاء" اولیاء کی معرفت سنتے ہیں۔ بعض کامل حضرات اپنے کانوں سے بلاواسطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنتے اور آپ کا دیدار کرتے ہیں" مولانا جامی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔۔

گرچہ صد مرحلہ دور م زپیش نظرم وجہہ فی نظری کل غدۃ وعشی

یہ فائدہ **سمعنا منادیا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کے داعی مطلق ہیں" بس کا خدا تعالٰی رب ہے اس کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں" داعی ہیں جیسا کہ **منادیا** کے اطلاق سے معلوم ہوا" رب تعالٰی نے فرمایا **لیکون للعلمین نذیرا**۔ **چھٹا فائدہ:** وہی ایمان معتبر ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے ہو" آپ کا منکر اگرچہ تمام ایمانیات کو مانے کافر ہے جیسا کہ فامنا کی ف سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے ایمان کے توسل سے دعا کرنا چاہئے۔ جیسا کہ **فاغفرلنا** کی ف سے معلوم ہوا" جب ہمارا ایمان وسیلہ بن سکتا ہے تو حضور انور صلی

اللہ علیہ وسلم یقیناً وسیلہ اعلیٰ ہیں۔ آٹھواں فائدہ: دعا سب مسلمانوں کیلئے کرنا چاہئے' صرف اپنے لئے ہی نہ کرے جیسا کہ **فاغفرلنا** وغیرہ میں ناجمع سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: اچھوں کا ساتھ رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے جیسا کہ **مع الابرار** سے معلوم ہوا' لکڑی کے سہارے لوہا بھی تیر جاتا ہے۔ دسواں فائدہ: ہر شخص خواہ کتنا ہی نیک ہو' اپنی استقامت اور حسن خاتمہ کی دعا ہمیشہ کیا کرے اس سے غافل نہ رہے جیسا کہ **وتوفنا** سے معلوم ہوا' تمام اعمال کلدار خاتمہ پر ہے۔

پانی بھریں پنہاریاں اور رنگے برنگے گھڑے — بھریا اس کا جانئے جس کا توڑ چڑھے

کنوئیں سے پانی بھرنا آسان ہے' مگر پانی لے کر خیریت گھر پہنچنا بہت مشکل ہے' اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان کرے اور سارے مسلمانوں کو سب کی طفیل مجھ گنہگار کو ایمان و عمل صالح پر خاتمہ نصیب کرے۔ گیارھواں فائدہ: علمائے دین کی آواز در حقیقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء ہے لہٰذا ان حضرات کی ماننا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا ہے' ان کی اطاعت کرنا در حقیقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے' ان علمائے دین کی نافرمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے جیسا کہ **سمعنا منادیا** سے معلوم ہوا۔ بارھواں فائدہ: ہم سب مسلمانوں کا ایمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء کی برکت سے ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء کے بغیر کوئی صحیح ایمان لا سکتا ہی نہیں' جیسا کہ فامنا کی ف سے معلوم ہوا یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نداء دی' تو ہم ایمان لائے' ان کی نداء کے بغیر ہم ایمان کے قریب بھی نہ ہوتے ہمارا ایمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ہے۔

اے رضا احمد پاک کا فیض ہے — ورنہ تم کیا سمجھتے خدا کون ہے

تیرھواں فائدہ: مسلمان اپنے کو گنہگار تو سمجھے مگر کافر ہرگز نہ سمجھے نہ کہے' اپنے کفر کا اقرار کفر ہے بلکہ اپنے کو مومن کہے' مومن سمجھے' جیسا کہ فامنا سے معلوم ہوا۔ چودھواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب تعالیٰ سے وعدہ ہے۔ جس کے پورا کرنے کی دعا کی جا رہی ہے جیسا کہ **ما وعدتنا** سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے یا جنت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا وعدہ فرمایا اس سے رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا' وہ یقیناً جنتی ہے' صدیق و فاروق' حسنین کریمین وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنھم یقیناً جنتی ہیں ان کے جنتی ہونے میں شک کرنا رب تعالیٰ کے وعدے میں تردد کرنا ہے کہ وہ تو بوعدہ رب تعالیٰ جنتی ہو چکے ہیں۔ پندرھواں فائدہ: دعا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کا حوالہ دیا جائے تاکہ وہ قریب القبول ہو جائے' خود رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہمارے نبی کے حوالہ سے ہم سے دعا کرو' تہجد کے وقت جو دعا کی جائے اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کا حوالہ ضرور دیا جائے کہ اس وقت کی دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے' امید ہے کہ اس حوالہ سے رب تعالیٰ ہم گنہگاروں کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ سولھواں فائدہ: قیامت کی رسوائی بڑا سخت عذاب ہے' اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو بچائے جیسا کہ **ولا تخزنا** الخ سے معلوم ہوا۔ سترھواں فائدہ: رب تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں ان کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا کہ خلاف وعدہ جھوٹ ہے' جھوٹ عیب ہے' رب تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہے جیسا کہ **لا تخلف المیعاد** سے معلوم ہوا اس کی مکمل بحث پہلے پارے میں مسئلہ

امکان کذب میں ہو چکی ہے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ جیسے رب تعالیٰ کا شریک ناممکن ہے ایسے ہی اس کا جھوٹ غیر ممکن' جھوٹ تمام عیبوں میں بدتر عیب ہے' پھر رب تعالیٰ تک اس کی رسائی کیونکر ہو سکتی ہے۔ **اٹھارھواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت برحق ہے جو ہر مومن کو پہنچے گی اگرچہ کیسا ہی گناہگار ہو کیونکہ اس آیت کریمہ میں ہم کو دعائے مغفرت کی تعلیم دی گئی بغیر قید جس سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ قابل بخشش ہے خواہ کتنا ہی بڑا ہو' جب دعائے مغفرت ہو سکتی ہے' تو شفاعت مصطفیٰ ہماری دعا سے زیادہ قبول ہے' اس سے بھی یقیناً مغفرت ہو گی' نیز تمام ضمیریں جمع لا کر شفاعت کی تعلیم ہے کہ ہر مسلمان اپنے لئے دعا' دوسرے کیلئے شفاعت کرے' جب ہر مسلمان کی شفاعت قبول ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تو سبحان اللہ۔ (تفسیر کبیر)۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان کتنا ہی بڑا گناہگار ہو دوزخ میں نہیں جا سکتا کیونکہ دوزخ میں جانے کیلئے رسوائی لازم ہے۔ جیساکہ **فقد اخزیتہ** سے معلوم ہوا۔ اور دوسرے مقام پر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اور مومنوں کو رسوا نہ کریگا۔ ارشاد ہے **یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ** جب مومنوں کیلئے رسوائی نہیں تو ان کیلئے دوزخ بھی نہیں' لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہو جاتی ہے۔ **نوٹ:** اسلام میں ایک فرقہ گزرا ہے مرجیہ' جو کہتا تھا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی گناہ مضر نہیں' مسلمان جو چاہے کرے' ان کی دلیل یہ آیت ہے' آج بھی بھنگی پوستی اور رونا شاہی فقیروں کا یہی عقیدہ ہے کہ محبان حسین رضی اللہ عنہ کو کسی نیکی کی ضرورت نہیں' نہ کسی گناہ سے بچنے کی ضرورت ہے' انہیں جنت کا ٹکٹ مل چکا ہے نعوذ باللہ۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک تو وہ جو تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں آگ میں جانے سے مراد ہمیشہ کیلئے جانا ہے' یہ صرف کفار کو ہو گا' اس جانے کیلئے رسوائی لازم ہے' گناہگار مسلمان چونکہ عارضی طور پر جائے گا لہٰذا اس کی رسوائی نہ ہو گی' دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی مسلمانوں کو رسوا نہ فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جو نبی کے ساتھ ہوں' کہ فرمایا **والذین امنوا معہ** اور نبی کے ساتھ متقی ابرار ہوں گے نہ کہ فساق و فجار' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین** الخ (تفسیر کبیر) **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں منادیا کے ساتھ ینادی کیوں ارشاد ہوا۔ یہ منادیا سے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ **جواب:** تاکہ ایمان کی اہمیت معلوم ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایمان کی ہی دعوت نہ دی بلکہ ایمان کے ساتھ تقویٰ' پرہیزگاری' عبادات و معاملات کی درستی کی بھی دعوت دی' مگر چونکہ دعوت ایمان بھی بہت اہم تھی کہ اس پر ہی اعمال کا دارومدار تھا اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی دوزخ میں داخل ہو گا وہ رسوا ہو گا' دوزخ میں فرشتے بھی داخل ہوں گے اور شفاعت کرنے والے صالح مومن بھی' اور وہاں سے گزرنا تو سب ہی کو ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ داخلہ سے مراد ہمیشہ سزا پانے کیلئے داخلہ ہے' فرشتے سزا دینے کیلئے اور نیک مومن شفاعت کیلئے وہاں جائیں گے نہ کہ سزا پانے کیلئے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ہمیں نیکوں کے ساتھ وفات دے تو کیا نیک لوگ مر جائیں' اس مر جانے سے کیا فائدہ؟ **جواب:** یہاں ہمراہی سے مراد زمانی ہمراہی نہیں بلکہ رتبی ہمراہی ہے' یعنی ہمیں نیکوں کے زمرے میں رہتے ہوئے وفات دے' اور اگر زمانی ہمراہی مراد ہو تو بھی ٹھیک ہے' مطلب یہ ہے کہ مولیٰ جب وہ وقت آئے کہ تمام نیک زمین سے اٹھ جائیں تو ہمیں اس فساد

عالم کے وقت زندہ نہ رکھ ایمان سے اٹھوا دے اس کی شرح وہ حدیث ہے **واذا اردت بعبادک فتنۃ فاقبضنی الیک غیر مفتون** خدایا جب تو اپنے بندوں پر فتنہ بھیجنے لگے تو مجھ کو فتنے سے بچے ہوئے وفات دے دے' امن میں زندگی اچھی' فساد میں ایمان کے ساتھ موت اچھی۔ **پانچواں اعتراض:** جب رب تعالیٰ کے وعدے خلاف ہو ہی نہیں سکتے تو یہ دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے کہ خدایا جو تو نے نبیوں کی معرفت وعدے کئے ہیں وہ پورے کر' مانگی وہ چیز جاتی ہے جو حاصل نہ ہو۔
جواب: اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ خدایا تو ہم کو اس وعدے کا اہل بنا کہ اس زمرہ میں آجائیں جن سے تیرا وعدہ ہے' ہمیں رب تعالیٰ سے وعدہ خلافی کا خوف نہیں' خوف اپنی حرکتوں سے ہے' مولانا عطار منطق الطیر میں فرماتے ہیں۔

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود　　　　کز تو نیکی دیدہ ام و از خویش بد

چھٹا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ صرف ظالموں' کافروں کا مددگار کوئی نہیں' مگر دوسری آیت میں **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا بجز خدائے تعالیٰ کوئی مددگار نہیں۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اس آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ اے مسلمانوں اگر تم نے شرک و کفر کیا تو تمہارا مددگار کوئی نہیں دوسرے یہ کہ وہاں فرمایا گیا **من دون اللہ** اللہ کے مقابل ہو کر تمہارا مددگار کوئی نہیں۔ **من دون اللہ** کی نفیس بحث ہماری کتاب درس القرآن کے دوسرے ایڈیشن میں دیکھو۔ **دون' سوی' حاشا' الا** ان سب کے معنی سوا یا علاوہ ہی ہیں مگر الا ہر سوا کو کہتے ہیں' کہا جاتا ہے بغیر مگر حاشا غیر کو' دون مقابل کو' الگ کو' اس لئے اگر کلمہ طیبہ یوں پڑھا جائے **لا الہ دون اللہ** تو کلمہ توحید نہ ہے گا' دون میں انقطاع' کٹ جانا' علیحدگی ضروری ہے خواہ واقعی ہو یا اعتقادی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ووجد من دونہم امراتین تذودٰن** موسیٰ علیہ السلام والسلام نے مردوں سے علیحدہ' جدا' دو دو لڑکیاں پائیں جو بکریاں روکے ہوئے تھیں' لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں **ذنوب** کی مغفرت اور **سیئات** کی تکفیر کی دعا فرمائی گئی۔ **ذنوب** اور سیئات تو ایک ہی چیز ہے' یعنی گناہ ذنب بھی ہے اور سیئہ بھی' پھر یہ فرق کیوں؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **ذنب** سے مراد گناہ کبیرہ ہیں' اور سیئہ سے مراد گناہ صغیرہ' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیاتکم** اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے تو چھوٹے گناہ ہم مٹادیں گے یا ذنوب سے مراد دیدہ و دانستہ کئے ہوئے گناہ ہیں' اور سیئات سے مراد غفلت و نادانی سے کئے گناہ' اس جملہ کی پندرہ تفسیریں ہو سکتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا کی جو چیز رب تعالیٰ سے غافل کرے وہ ہی آگ ہے۔ غافل کی دولت' اولاد بلکہ زندگی نار ہے کہ ذریعہ فراق یار ہے' ایسے آگ میں رہنے والوں کا مددگار کوئی نہیں' یہ آگ نہ پانی سے بجھے' نہ مٹی سے ٹھنڈی پڑے' ایسے غافلوں کا انجام ذلت و خواری ہے' جیسے غفلت میں مرنے' کفر میں اٹھنے زمرہ شیاطین میں جیئے' اکبر نے غافلوں کی سوانح عمری ایک شعر میں بیان کی۔

کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے　　　　بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی قبر انور سے لوگوں کو ندائے ایمان دے رہے ہیں' رب تعالیٰ کی طرف بلا رہے

ہیں' یہ نداء اللہ والے اپنے کانوں سے سنتے ہیں' اعلیٰ حضرت قدس سرہ بریلوی فرماتے ہیں۔

جنہیں تم حشر تک یا امتی کہہ کر پکارو گے ہمیں بھی ان میں کر نا یاد صدقہ اپنی رحمت کا

اسی پکار ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کی ساری امت گمراہ نہ ہوئی۔ صالحین کے دل وہ آواز سنتے ہیں' لبیک کہتے ہیں' نیکیاں کرتے ہیں' اگر یہ نداء بند ہو جائے تو ہم سب ہلاک و گمراہ ہو جائیں' اس نداء کو سن کر اس پر عمل کر کے بندہ رب تعالیٰ سے کچھ مانگنے کا حقدار ہوتا ہے' تب عرض کرتا ہے خدایا بخش دے ہم گناہگار ہیں' مگر تیرے حبیب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں' خدایا ان ہی لبیک کہنے والوں میں ہمیں زندگی و موت دے' اس کی برکت سے ہمارے گناہ بخش دے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ہم گناہگاروں کو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو رسوانہ کرے' ہمارے گناہوں کا حساب نہ لے' اگر لے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے خفیہ' تاکہ ان سلطان کونین کے سامنے خجل نہ ہوں' ڈاکٹر اقبال نے کس درد سے عرض کیا۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

ڈاکٹر صاحب دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

مکن رسوا بروئے خواجہ مارا حساب من ز چشم او نہاں گیر

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی یہ مضمون دوسرے پیرایہ میں عرض کیا۔

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

بڑی رسوائی یہ ہے کہ امتی گناہگار کی رسوائی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو۔ اور وہ فرمائیں کہ تو نے میرا امتی ہو کر میری سنتوں کی مخالفت کی! اللہ تعالیٰ ہم گناہگاروں کو ان کے سامنے رسوانہ کرے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے غضب سے رسول اللہ علیہ وسلم کا غضب زیادہ خطرناک ہے روٹھے رب تعالیٰ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت سے منائیں مگر روٹھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کون منائے! حضرت شاہ بھیک فرماتے ہیں۔

بھیکا وہ نر کوڑ ہیں جو جانیں گر کو اور رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں بھور

اے بھیک وہ لوگ بے وقوف ہیں جو گرو معلم اول کو غیر جانیں' رب روٹھ جائے تو یہ منائیں' لیکن اگر یہ روٹھ جائیں تو کون منائے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

پس قبول کر لیا ان کے لئے ان کے پروردگار کے لئے بے شک میں نہیں برباد کرتا تم میں سے کسی
تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں کام والے کی محنت اکارت نہیں کرتا

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا

کا کام والے کا کام مرد یا عورت تمہارے میں سے بعض بعض سے ہیں پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے

مرد یا عورت تم آپس میں ایک ہو تو جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے

مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُ

گھروں سے نکالے گئے اور تکلیف دیئے گئے میری راہ میں اور انہوں نے جنگ کی اور قتل

اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں

كَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کئے گئے البتہ مٹا دوں گا میں ان سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا میں ان کو ایسے باغوں

ضرور ان کے سب گناہ اتار دوں گا اور ضرور انہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ثواب اللہ کے پاس سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس اچھا ثواب ہے

نہریں رواں اللہ کے پاس کا ثواب اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس اچھا ثواب ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو مقبول دعاؤں کی تعلیم دی گئی۔ اب اس آیت میں ان دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ فرمایا جارہا ہے' چونکہ قبول دعاء مقبول کا نتیجہ ہے' اس لئے پہلے دعا کا ذکر ہوا۔ پھر اس کی قبولیت کا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مومنوں کے چار نیک اعمال کا ذکر ہوا۔ (1) ہر حال میں رب تعالیٰ کا ذکر۔ (2) اس کی خلقت میں ذکر۔ (3) رب تعالیٰ کی حکمتوں کا اقرار۔ (4) یہ سب کچھ کرکے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی سے گڑ گڑا کر دعا مانگنا اب انہیں قبولیت کی بشارت دی جارہی ہے۔ تاکہ اس بشارت سے ان میں اور زیادہ جذبہ عمل پیدا ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کی چند دعاؤں کا ذکر تھا' بڑے گناہوں کی بخشش' چھوٹے گناہوں کا کفارہ' اچھوں کے زمرے میں موت' رسولوں کے کئے ہوئے وعدوں کا پورا فرمانا قیامت کی رسوائی سے بچانا' اب فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو تم فقط دعا پر قناعت نہ کرنا' کچھ اعمال بھی کرنا' کیونکہ بغیر تخم بوئے پیداوار کی امید رکھنا غلطی ہے۔

شان نزول: (1) ترمذی حاکم و دیگر محدثین نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ ہم نے مردوں کی طرح ہجرت کی مگر رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کی ہجرت کا ذکر نہ فرمایا صرف مردوں کا ذکر فرمایا' کیا ہماری ہجرت قبول نہیں؟ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ جزاء عمل پر ہے مرد کرے یا عورت۔ ہم کسی کے عمل ضائع نہیں فرماتے۔ (روح المعانی' جلالین' تفسیر کبیر' خازن و روح المعانی وغیرہ) ابن مردویہ نے انہی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ سب سے آخری آیت یہی **فاستجاب** نازل ہوئی۔ (2) مسلم بخاری نے حضرت

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کہ ایک شخص نے کسی اجنبیہ عورت کا بوسہ لے لیا' پھر شرمندہ ہو کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں توبہ کرنے حاضر ہوا اور معذرت کی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر یہ آیت سنائی' صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ معافی اسی کیلئے خاص ہے یا اوروں کیلئے بھی ہے؟ فرمایا سارے انسانوں کیلئے۔ (روح المعانی)۔ نوٹ: سبحان اللہ یہ وہی اہل عرب ہیں جو زمانہ جاہلیت میں زنا پر فخر کرتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نظر سے ان کے خوف و خشیت کا یہ عالم ہو گیا۔

تفسیر: **فاستجاب لھم ربھم** حق یہ ہے کہ **استجابت** اور اجابت ہم معنی ہیں یعنی قبول کرنا اور قبولیت کا جواب دینا' فراء نحوی کہتے ہیں کہ اجابت مطلقاً جواب دینے کو کہا جاتا ہے' خواہ قبولیت سے ہو یا رد سے مگر استجابت صرف قبولیت کے جواب کو کہتے ہیں' کیونکہ یہاں باب استفعال طلب کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ انہیں جواب مطلوب دیا' اور ظاہر ہے کہ جواب مطلوب مقبول جواب ہی ہوتا ہے۔ استجاب اکثر لام سے متعدی ہوتا ہے' اور کبھی بغیر حرف کے کہا جاتا ہے **استجابہ اللہ دعاءہ'** **لھم** میں **ھم** کا مرجع وہی مومنین ہیں جن کا ذکر ابھی گزشتہ آیت میں ہو چکا۔ **ربھم** فرمانے میں اُدھر اشارہ ہے کہ یہ قبولیت حق تعالیٰ کی ربوبیت کی بنا پر ہے' یعنی ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ **انی لا اضیع عمل عامل منکم** یہ جملہ پہلے جملے **فاستجاب** کی وجہ بیان فرما رہا ہے۔ ہماری قراءت انی الف کے فتح سے ہے۔ دراصل بانی تھا ب سببیہ کے ساتھ۔ بعض قراءتوں میں انی الف کے کسرہ سے ہے وقال فعل پوشیدہ کا مفعول ہماری قراءت اضیع ض کے کسرہ ی کے سکون سے ہے باب افعال کا مضارع۔ بعض قراءتوں میں اضیع ض کے فتح ی کے شد سے ہے باب تفعیل کے مصدر سے' بہرحال یہ ہے ضیاع سے بمعنی ہلاک یا برباد ہونا' ان بابوں میں آ کر ہلاک کرنے کے معنی میں ہوا عمل سے مراد نیک عمل ہے' دل کا عمل ہو ایمان خوف خدا' عشق رسول وغیرہ یا بدن کا عمل' نماز روزہ' یا مالی عمل' زکوٰۃ صدقہ وغیرہ عامل سے مراد ہر نیک کار ہے بالغ ہو یا نابالغ کیونکہ نابالغ کو بھی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ منکم من بیانیہ ہے۔ کم سے مراد مسلمان ہیں' کیونکہ کفار کے اعمال نیک برباد ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فجعلنہ ھباء منثورا** یعنی رب تعالیٰ نے ان کے اعمال و دعائیں اس لئے قبول فرمائیں کہ اے مسلمانو ہم کسی نیک کار مسلمان کے عمل ضائع و برباد نہیں کرتے' اسے جزاء ضرور دیتے ہیں **من ذکر او انثی** یہ کلمہ یا تو عامل کا بیان ہے یا کم کا بدل ذکر سے مراد مذکر مسلمان ہے۔ انثی سے مراد مونث مسلمان بالغ ہوں یا نابالغ' کسی ملک کے ہوں' کسی خاندان و نسل سے ہوں' یعنی ہم کسی مرد و عورت کے نیک اعمال برباد نہیں کرتے۔ جزاء عمل کی ہے نہ کہ نسل یا خاندان یا کسی خاص ملک کی **بعضکم من بعض'** **بعضکم** مبتداء ہے **من بعض** خبر یا تو ثابت کے متعلق ہے یا حاصل کے یا قریب کے' کم سے مراد سارے مسلمان ہیں یعنی بعض مسلمان بعض کی جنس سے ہیں کہ عورت و مرد سب مسلمان ہیں یا تم سب ایک اصل حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے ہو یا تم میں سے بعض کی پیدائش بعض سے ہے کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے پیدا ہوئے ہیں یا تم میں سے بعض بعض سے قرب و تعلق رکھتے ہیں۔ کہ عورتوں کو مردوں کی ضرورت ہے' مردوں کو عورتوں کی جیسے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **سلمان منا اھل البیت** سلمان فارسی ہم اہل بیت سے ہیں یا فرماتے ہیں

الحسین منی وانا من الحسین حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے رضی اللہ عنہ ان جملوں کے یہ ہی معنی ہیں۔ فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم یہ جملہ گزشتہ لا اضیع کا بیان ہے۔ الذین سے مراد سارے مسلمان مرد و عورت، بچے جوان اور بوڑھے ہیں۔ ھاجروا ھجر سے بنا بمعنی چھوڑنا اصطلاح میں وطن چھوڑنے کو ہجرت کہتے ہیں یہاں وہ ترک وطن مراد ہے جو رضائے الٰہی کیلئے کیا جائے کہ اسی پر ثواب ہے۔ اخرجوا اخراج سے بنا بمعنی نکالنا یا نکلنے پر مجبور کرنا۔ دیار دار کی جمع ہے بمعنی گھر یا وطن۔ خیال رہے کہ یا تو اخرجوا ھاجروا کی تفسیر ہے یا اس سے ہجرت کی دوسری قسم مراد ہے بعض صحابہ تو عشق رسول اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے کفار نے انہیں تنگ نہ کیا تھا اور بعض حضرات کو کفار نے تنگ کیا اس لئے وہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ھاجروا سے پہلی قسم کے مہاجر مراد ہیں اور اخرجوا سے دوسری قسم کے مہاجر مراد چونکہ پہلی قسم کے مہاجر درجہ میں اعلیٰ ہیں اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کے بعد میں (تفسیر کبیر) اور ہو سکتا ہے کہ ھاجروا سے مراد وہ لوگ ہوں جنہوں نے کفر و گناہ چھوڑے اور اخرجوا سے مراد وہ ہوں جنہوں نے وطن چھوڑا (روح المعانی) واوذوا فی سبیلی یہ جملہ اخرجوا پر معطوف ہے ایذاء کے معنی ہیں ستانا ظلم کرنا خواہ جانی ہو یا مالی یا عزت و آبرو کا یا اولاد کا فی سبیل اللہ کی راہ میں ستائے جانے سے مراد اللہ کی اطاعت اللہ رسول پر ایمان لانے کے سبب ستایا جانا ہے یا تو اس سے مراد وہی مہاجرین ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا کہ ان لوگوں نے ہجرت سے پہلے کفار مکہ کے ہاتھوں بہت دکھ سے ظلم برداشت کئے یا وہ لوگ مراد ہیں جو مجبوراً ہجرت نہ کر سکے مکہ معظمہ میں ہی رہے کفار مکہ کے ہاتھوں بہت دکھ سہتے رہے وقاتلوا وقتلوا یہ جملہ اوذوا پر معطوف ہے اس میں مسلمانوں کے چوتھے پانچویں وصف کا ذکر ہے کہ کمزوری کے زمانہ میں وہ مظلوم تھے مہاجر بنے طاقت آنے پر مجاہد و شہید فی سبیل اللہ ہوئے قتال سے مراد کفار سے جہاد ہے نہ کہ آپس میں لڑنا بھڑنا اور قتلوا سے مراد شہادت ہے۔ خیال رہے کہ یہ پانچوں وصف شخصی نہیں بلکہ قومی ہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی شخص مہاجر مظلوم ستم رسیدہ غازی اور بعض صرف شہید یا غازی بھی شہید بھی۔ (معانی) اس ساری مبارک جماعت کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ انہیں تین جزائیں رب تعالیٰ کی طرف سے ملیں گی پہلی یہ کہ لاکفرن عنھم سیاتھم اکفرن تکفیر سے بنا جس کا مادہ کفر بمعنی چھپانا یا مٹانا یہاں دوسرے معنی میں ہے مٹانے سے مراد بالکل معاف فرما دینا ہے کہ نہ تو ان گناہوں کا اثر ان کے دلوں پر رہے نہ کاتبین اعمال فرشتوں کے صحیفوں میں اس کا ذکر رہے بلکہ ہر گناہ کے عوض ثواب دیا جائے گناہ کو نیکی قرار دے دیا جائے حق یہ ہے کہ یہاں سیئات سے مراد ہر قسم کے گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ البتہ حقوق العباد اس سے خارج ہیں یعنی ہم ان مہاجروں مظلوموں ستم رسیدوں غازیوں شہیدوں کو پہلا بدلہ تو یہ دیں گے کہ ان کے سارے گناہ مٹا دیں گے اور دوسرا بدلہ یہ کہ ولادخلنھم جنت تجری من تحتھا الانھر یہ جملہ لاکفرن پر معطوف ہے۔ ادخال سے مراد اول ہی سے جنت میں داخل فرمانا ہے ھم کا مرجع گزشتہ پانچوں قسم کے لوگ ہیں چونکہ ایک ایک جنتی کو متعدد مختلف باغات ملیں گے اسی لئے جنت جمع فرمایا گیا باغ کی رونق پانی خصوصاً نہر سے ہوتی ہے اس لئے نہروں کا ذکر خصوصیت سے فرمایا چونکہ ہر باغ میں مختلف نہریں ہوں گی پانی کی دودھ کی شہد کی شراب طہور کی اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا یعنی ہم ان سے ہر ایک کو اول سے ہی ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے اور ہمیشہ وہاں ہی رکھیں گے۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ نہر و بحر کے بہت سے فرق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں

انہیں خیال رکھیں۔ تیسرا ثواب یہ ہے کہ **ثوابا من عند اللہ** یا تو ثواب مصدر ہے **یثابون** فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق اور یا ثواب سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو بطور ثواب دی جائیں گی جیسے عطا بمعنی عطا کی ہوئی چیزیں **یعطون** پوشیدہ کا مفعول ہے۔ **من عند اللہ** ثابتا کے متعلق ہو کر ثوابا کی صفت ہے۔ ثوابا کی تنوین تعظیمی ہے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم الشان ثواب دیا جائے گا جو بندوں کے علم و فہم، خیال و گمان سے وراء ہے **واللہ عندہ حسن الثواب** یہ جملہ مستقل ہے جو پہلے جملہ ثوابا کی عظمت ظاہر فرما رہا ہے یعنی اللہ کے پاس بہت شاندار اچھا ثواب ہے، جب بادشاہ کی عطائیں فقیر کے وہم و گمان سے وراء ہیں تو رب تعالیٰ کی عطائیں کس کے خیال میں آسکتی ہیں یوں سمجھو کہ ہم انہیں اپنی شان کے لائق دیں گے نہ کہ بندوں کے گمان کے لائق۔

خلاصہ ء تفسیر: گزشتہ آیت میں مسلمانوں کی پانچ دعاؤں کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ عرض کرتے ہیں خدایا ہمارے بڑے گناہ بخش دے۔ چھوٹے گناہ مٹا دے۔ نیکوں کے زمرہ میں وفات دے۔ اپنے رسولوں کی معرفت جو تو نے ہم سے وعدے کئے ہیں پورے فرما کر ہم کو ان کا مستحق بنا اور ہمیں قیامت کی رسوائی سے بچالے اب ان کی قبولیت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے ان کی تمام دعائیں قبول کرلیں۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان عامل کے اعمال برباد نہیں کرتے۔ ہر مسلمان کو اس کی بدنی، مالی، جسمانی، روحانی نیکیوں کا بدلہ ضرور دیتے ہیں۔ خواہ مرد نیکیاں کرے یا عورت کیونکہ عورت و مرد صنف میں اگرچہ مختلف ہیں مگر جنس میں ایک ہیں ایک آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ایک اللہ کے بندے، ایک نبی کے امتی، ایک قرآن کے ماننے والے، ایک کعبہ کے نمازی، ایک ایمان کے حامل ہیں، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جزاء میں مرد و عورت مختلف ہوں لہذا جن مسلمانوں نے بخوشی خاطر ہجرت کی اور جو جبراً اپنے وطن سے نکالے گئے، اور جو میری راہ میں ستائے گئے یا اس طرح کہ مجبوراً مکہ معظمہ سے ہجرت نہ کر سکے اور کفار مکہ کے ظلم و ستم سہتے رہے یا اس طرح کہ ہجرت سے پہلے اور بحالت ہجرت انہیں دکھ دیئے گئے۔ اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ شہید کردیئے گئے، ان سب کو ہماری طرف سے تین انعام ملیں گے۔ ایک یہ کہ ان کے تمام گناہ جو وہ اسلام لانے سے پہلے کرچکے تھے یا اسلام لانے کے بعد خطاءً ان سے سرزد ہوگئے سب معاف کردیئے جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم بغیر کچھ سزا دیئے پہلے ہی سے انہیں ایسے باغوں میں داخلہ دیں گے جن کے نیچے دودھ، پانی، شہد، شراب طہور کی مختلف نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ داخلہ ان کا ہمیشہ کیلئے ہوگا کہ وہاں جانے کے بعد کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے۔ تیسرے یہ کہ انہیں ان نعمتوں کے علاوہ اور بہت شاندار ثواب دیں گے جو ان کے خیال و گمان و وہم سے وراء ہیں، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اس کے عطیہ اس کے اچھے ثواب ایسے ہیں جو کسی کے خیال میں نہ آسکیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** احکام و فضائل کی آیتوں میں اگرچہ صیغے مذکر ہیں اور ان میں خطاب مردوں سے ہے، مگر ان سب آیتوں میں عورتیں بھی داخل ہیں، دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ تم مرد و عورت آپس میں ایک ہو، تو مردوں سے خطاب درحقیقت عورتوں سے بھی خطاب ہے۔ **دوسرا فائدہ:** مرد عورتوں سے افضل ہیں کہ رب تعالیٰ نے عموماً انہیں سے خطاب فرمایا ہے، عورتوں کو ان کے تابع بنا کر ان میں داخل فرمادیا، جیسے بستی کے افسر کے نام پیغام درپردہ ساری بستی کے نام ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الرجال قوامون علی النساء** اور فرماتا ہے **وللرجال علیھن**

درجہ۔ تیسرا فائدہ: سزا جزاء اعمال پر ہے نہ کہ محض نسب، نسل، خاندان یا عورت و مرد ہونے پر جیسا کہ **من ذکر او انثی** سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے پہلے ان مہاجروں کا ذکر فرمایا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے پھر بعد میں ان کا ذکر فرمایا جو مکہ معظمہ سے نکالے گئے اور مجبوراً ہجرت کر کے گئے، فرشتے اول درجہ کے مطیع و عابد ہیں مگر جنت کے حقدار نہیں کیونکہ ان میں عشق کا مادہ نہیں، انسان اگرچہ اطاعت میں فرشتوں سے کہیں کم ہے مگر جنت کا حقدار ہے کیونکہ امانت یعنی عشق کا حامل ہے۔ پانچواں فائدہ: جبراً ہجرت پر بھی ثواب ہے، جیسا کہ **اخرجوا** سے معلوم ہوا۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہجرت سے مقصود رضائے الٰہی ہو نہ کہ محض دنیا کمانا۔ ورنہ آج بہت سے لوگ نوکری، تجارت وغیرہ کیلئے ترک وطن کرتے رہتے ہیں، اس لئے وطن چھوڑے کہ وہاں نماز اذان اور دیگر ارکان اسلام ادا کرنے کی آزادی نہ ہو۔ چھٹا فائدہ: اللہ کی راہ میں ظلم و ستم سہنا بھی ثواب کا باعث ہے جیسا کہ **اوذوا فی سبیلی** سے معلوم ہوا۔ کفار اس لئے ستائیں کہ یہ مسلمان ہے۔ بعض لوگ داڑھی، نماز، پابندی شریعت پر طعنے دیتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں انہیں مسجد کا لوٹا، ملاں وغیرہ کہتے ہیں، یہ طعنے برداشت کرنا بھی **اوذوا فی سبیلی** میں داخل ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو سنت زندہ کرے اس زمانہ میں جب کہ لوگوں نے چھوڑ دی ہو، مردہ کر دی ہو اسے سو شہیدوں کا ثواب ہے، یہ آیت اس حدیث کی تائید کرتی ہے کہ شہید تو ایک بار زخم کھا کر جان دے دیتا ہے مگر یہ اللہ کا بندہ عمر بھر زبانوں، طعنوں کے زخم کھاتا رہتا ہے۔ ساتواں فائدہ: جہاد یا شہادت گناہوں کا کفارہ ہے نہ کہ حقوق کا جیسا کہ **سیئات** سے معلوم ہوا لہٰذا ابجد کو فوت شدہ نمازیں قضاء کرنا ہوں گی، قرض ادا کرنا ہوں گے۔ آٹھواں فائدہ: کوئی مسلمان دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا، آخر کار جنت میں جائے گا کیونکہ گنہگار مسلمان ایمان کی وجہ سے جنت کا مستحق ہوا، گناہوں کی وجہ سے دوزخ کا حقدار ٹھہرا ان دونوں وجہ سے سزا و جزا کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ پہلے جنت میں جائے پھر دوزخ میں، یہ تو ناممکن ہے کہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث شریف کے بھی، اجماع امت کے بھی، جو بھی جزاء کیلئے جنت میں گیا، وہ وہاں سے نکالا نہ جائے گا، اب یہ ہی صورت ہے کہ ایسا شخص پہلے دوزخ میں جائے، پھر سزا پا کر جنت میں داخل کر دیا جائے۔ تفسیر کبیر نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کی نیکیاں ضائع و برباد نہیں کرتا، اس کا اجر ضرور دیگا۔ جیسا کہ **لا اضیع** سے معلوم ہوا، نیز عمل عامل کے عموم نے یہ ہی بتایا۔ دسواں فائدہ: کسی کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں، نہ اس پر اسے اجر ملے، جیسا کہ **منکم** سے معلوم ہوا۔ گیارھواں فائدہ: جنتیوں کو علاوہ جنت کی نعمتوں کے اور ثواب بھی ملے گا جو ہمارے خیال و گمان سے وراء ہے۔ جیسا کہ ثواباً کی ایک تفسیر اور اسی ثواباً کی تنوین سے معلوم ہوا، **من عند اللہ** سے معلوم ہوا کہ یہ ثواب جنتی نعمتوں کے علاوہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کسی مسلمان کی نیکیاں ضائع نہیں کرتا مگر دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے نیکیاں ضبط ہو جاتی ہیں، دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک پر آواز اونچی کرنے کی سزا یہ بیان فرمائی **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** کہ تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی لہٰذا آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: ان صورتوں میں مسلمان خود اپنی بری حرکتوں سے اپنے اعمال ضبط کرا لیتے ہیں، رب تعالیٰ نے بلاوجہ ضبط نہ کئے، یہاں بلا قصور ضبط کا ذکر ہے یا یہ کہو کہ ان بد عملیوں سے انسان کافر ہو جاتا ہے، اور جب کافر ہو گیا،

تو اس کے اعمال کی ضبطی ہے' نہ کہ مومن کے اعمال کی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے اعمال ضبط ہیں جیسا کہ مسلم نے بتایا' مگر ایک حدیث میں ہے کہ ابولہب کو دو شنبہ کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور اسے انگلی چوسنے پر پانی ملتا ہے۔ کیونکہ اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں دو شنبہ کے دن ثویبہ لونڈی کو آزاد کیا تھا (بخاری) نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے ابو طالب کو آگ میں پایا' تو انہیں وہاں سے نکال کر آگ کے جھیرے میں کر دیا جہاں آگ کی گرمی ہے آگ نہیں' کیوں؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے' دیکھو ابولہب و ابو طالب کافر ہیں' مگر ان کی نیکیاں ضبط نہ ہوئیں۔ یہ آیت ان احادیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ ان کے یہ اعمال بھی ضبط ہو چکے ہیں اگر ضبط نہ ہوئے ہوتے تو وہ جنت میں جاتے' عذاب میں تخفیف اور ہے عذاب سے نجات کچھ اور' اعمال اگر ضبط نہ ہوں تو عذاب سے نجات ہو جاتی ہے' تخفیف عذاب' ضبط اعمال کے خلاف نہیں' دوسرے یہ کہ کافر کی عبادات' معاملات وغیرہ تو ضبط ہیں' مگر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم' خدمت پیغمبر ضبط نہیں۔ یہاں **عمل عامل** ارشاد ہوا نہ کہ عشق عاشق' کافر کو محبت رسول کا صلہ تخفیف عذاب کی صورت میں اسے مل جائیگا' اگر مومن ہو کر عشق کرتا تو جنت کا اعلیٰ مقام پاتا' ابولہب اگرچہ بعد میں دشمن ہو گیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی لونڈی کو آزاد کیا' اتنی محبت کا کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی گیا تو جس مسلمان کو اللہ تعالیٰ عشق رسول خدمت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نصیب کرے اس کا کیا کہنا۔ **تیسرا اعتراض:** آپ کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ کفار کو تخفیف عذاب ہو جائے گی' مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یخفف عنهما لعذاب** کفار کا عذاب ہلکا بھی نہ ہو گا' تمہارا یہ جواب اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب اس ہی آیت میں موجود ہے کہ فرمایا گیا **ولا هم ینظرون** انہیں عذاب سے مہلت نہ دی جائے گی۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہاں تخفیف عذاب سے مراد مدت عذاب میں کمی کرنا ہے' جیسے کسی کو پانچ سال کی قید ہو' اپیل پر دو سال کی رہ جائے تو کہا جاتا ہے کہ سزا میں تخفیف ہو گئی یعنی مدت کم ہو گئی رہا نوعیت عذاب میں ہلکا ہونا وہ تو ثابت ہے' ورنہ دوزخ کے سات طبقے کیوں ہیں؟ کہ بعض طبقوں میں عذاب سخت ہے بعض میں ہلکا **لا یخفف** کی اور بھی بہت توجیہیں ہیں' یہ توجیہ جواب کیلئے کافی ہے' بہرحال آیات و احادیث میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت یکساں ہیں کہ فرمایا گیا **بعضکم من بعض** مگر تم کہتے ہو کہ مرد عورت سے افضل ہے' دوسری آیات سے بھی یہ افضلیت ثابت ہے' لہٰذا آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں جزائے عمل میں یکسانیت کا ذکر ہے' اور ان آیات میں درجوں و مراتب میں فرق کا تذکرہ' لہٰذا دونوں آیتیں برحق ہیں' بادشاہ اسلام رعایا سے افضل ہے' مگر جزائے اعمال میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن مسلمانوں میں مذکورہ پانچ وصف جمع ہوں' ہجرت' دیس نکالا' مظلومیت' جہاد' شہادت' وہی معافی گناہ' جنت میں داخلہ اور ثواب کے مستحق ہوں گے' جس میں کوئی وصف بھی کم ہو' وہ مذکورہ انعامات میں سے کسی انعام کا مستحق نہیں' کیونکہ واؤ جمع کیلئے آتا ہے۔ **جواب:** **لادخلنهم** میں هم ضمیران تمام کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ مجموعے کی طرف هم افرادی ہے نہ کہ مجموعی کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہو چکا ہے **لا اضیع عمل عامل منکم** عامل نکرہ ہے' ہر عامل کو شامل ہے' چونکہ یہ حضرات اعلیٰ درجہ والے ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے ہوا' ورنہ ہر مومن جنتی ہے' اگرچہ اسے کسی عمل کا موقعہ نہ ملے۔ **چھٹا**

اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ان لوگوں کے گناہ معاف کردیں گے اور جنت میں داخل کریں گے گناہ کی معافی کیلئے جنت کا داخلہ لازم ہے پھر اسے الگ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جواب: لازم نہیں معافی گناہ اور چیز ہے داخلہ جنت کچھ اور دیکھو مومن جنات کی معافی ہو جائے گی مگر انہیں جنت نہ ملے گی' یہ مسلمان انسانوں کی خصوصیت ہے کہ ان کی معافی بھی ہو گی اور جنت میں داخلہ بھی۔ ساتواں اعتراض: جنت میں سب کچھ آچکا پھر بعد میں حسن الثواب کیوں فرمایا گیا جواب: یا یہ بتانے کیلئے کہ تم جنتوں کا ثواب کماحقہ نہیں جان سکتے۔ وہ تمہارے خیال و گمان سے وراء ہے بس یوں سمجھ لو کہ جو ثواب رب تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ کیسا ہو گا یا حسن ثواب سے مراد دیدار الٰہی ہے' یہ جنت میں ثواب تو ہے' جنت کا ثواب نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دل گویا مرد ہے نفس گویا عورت' دل کے اعمال اخلاص و یقین و مکاشفہ وغیرہ ہیں اور نفس کے اعمال طاعات' مجاہدات' و ریاضات ہیں' ان دونوں کی اصل روح ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم دل و نفس کسی کا عمل ضائع نہیں کرتے' کیونکہ یہ دونوں بعض بعض سے ہیں' ان کی اصل ایک روح ہے' جو لوگ وطن نفس سے نکل جائیں یعنی دنیا کے غافل اگر عیش و آرام پر لات ماردیں اور حالات نفس سے نکال دیئے جائیں' اور میری راہ طے کرتے ہوئے قسم قسم کی مشقتیں برداشت کریں اور شیطان و شیطانی لشکروں سے جہاد کریں' اور عشق کی تلوار سے ان کے نفس امارہ قتل کر دیئے جائیں تو ہم ان کے سارے گناہ مٹا دیں گے اور ہم دنیا ہی میں انہیں اطاعت شریعت و طریقت کی جنتوں میں داخل فرمائیں گے جن میں رضائے الٰہی کی نہریں بہہ رہی ہیں' یہ تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا ثواب ہے' آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ تو بہت اعلیٰ و ارفع ہو گا صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو جنت چاہتا ہے وہ پانچ عمل کرے' ایک یہ کہ اپنے کو گناہ سے بچائے' دوسرے یہ کہ تھوڑی دنیا پر راضی رہے۔ تیسرے یہ کہ اطاعت الٰہی پر حریص ہو' چوتھے یہ کہ نیکیوں سے محبت اور نیکوں سے صحبت رکھے۔ پانچویں یہ کہ ہمیشہ حسن خاتمہ کی دعا کیا کرے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب شعر فرمایا۔

چناں کن اسم را در جسم پنہاں کہ می گردد الف در بسم پنہاں

یعنی اللہ کے اسم کو جسم میں یوں چھپالو جیسے بسم اللہ کا الف بسم میں چھپا ہوا ہے کہ نہ لکھنے میں آئے نہ پڑھنے میں مگر جلوہ گری اسی کی ہے' نظر تم آؤ مگر تم میں کار فرما اللہ کا نام ہو' یہ تو ابتدائی منزل ہے' انتہاء یہ ہے کہ تم نہ رہو وہی وہ رہ جائے۔

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

اس منزل پر پہنچ کر عارف خدا نہیں ہو جاتا' خدا نما ضرور بن جاتا ہے آئینہ رخ نہیں بن جاتا' رخ نما ضرور ہو جاتا ہے۔

آئینہ رونما ست ولے رونے شود عارف از و پراست ولے او نے شود

اللہ تعالیٰ بھی اس قال کو حال بنادے۔ کبھی ہم بھی اس کی لذت چکھ لیں۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ
ہرگز نہ دھوکہ میں ڈالے تم کو پھرنا کافروں کا شہروں میں یہ تھوڑی سی پونجی ہے پھر
اے سننے والے کافروں کا شہروں میں بے جا پھرنا تجھے دھوکا نہ دے تھوڑا برتنا

مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا بستر ہے لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے

ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا ہی برا بچھونا لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ

پالنے والے سے انہی کے لئے ہیں ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کی طرف کی مہمانی

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

مہمانی اللہ کے پاس سے اور وہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیکوں کے لئے

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لئے سب سے بھلا

تعلق: ان آیات کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مومنوں کے اخروی ثواب کا ذکر تھا' اب ان آیات میں کفار کے دنیوی آرام و عیش کا تذکرہ ہے تاکہ پتہ لگے کہ کفار نقصان میں ہیں اور مسلمان نفع میں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ مسلمان اللہ کے پیارے ہیں اور اس کی نعمتوں کے مستحق جس سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ دشمن کفار یہاں عیش و بہاریں کیوں کر رہے ہیں' اس آیت کریمہ میں یہ شبہ دفع کیا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کے پاس ہی اچھا ثواب ہے' اب اسی کو واضح فرمانے کیلئے بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی نعمتیں اگرچہ کفار کے اعمال کا ثواب ہیں۔ مگر یہ اچھا ثواب نہیں۔ چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس لئے اچھے ثواب کے بعد اب برے ثواب کا ذکر فرمایا گیا۔

شان نزول: مشرکین مکہ اور یہود مدینہ عموماً" تاجر تھے' جو تجارتی سلسلہ میں مختلف جگہ جاتے اور خوب کما کر لاتے اور عیش اڑاتے تھے' بعض فقراء مومنین نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اللہ کے دشمن تو عیش میں ہیں۔ ان کیلئے ہر جگہ بہار اور ہم فقر و فاقہ میں گرفتار' اس میں کیا حکمت ہے؟ تب یہ آیت کریمہ اتری ان کی فہمائش کیلئے نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' خازن' جلالین' روح المعانی' خزائن العرفان وغیرہ) بہر حال یہ آیات مسلمانوں کی فہمائش کیلئے آئی ہیں۔

تفسیر: **لا یغرنک** یہ صیغہ غرور سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کا بظاہر اچھا ہونا اور در پردہ برا ہونا جس کا ترجمہ ہے' دھوکا' تکبر کو اسی لئے غرور کہتے ہیں کہ انسان دھوکے سے اپنے کو بڑا سمجھ لیتا ہے' مگر در حقیقت ہوتا کچھ بھی نہیں' حق یہ ہے کہ اس میں خطاب ہر مسلمان قرآن پڑھنے والے سے ہے' نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو کبھی یہ دھوکا ہوا اور نہ کبھی آپ نے یہ شکایت فرمائی ہو سکتا ہے کہ خطاب سرکار سے ہو' لیکن مسلمانوں کو سنانا مقصود ہو جیسے **ولا تکن من الکفرین** اور **ولا تکونن من المشرکین ولا تطع المکذبین** اور ان جیسی دوسری آیتوں میں

(تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) **تقلب الذین کفروا فی البلاد** ' **تقلب** ' **قلب** سے بنا بمعنی الٹا پلٹنا ہونا' پھرنا' دل کو قلب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آنا "فانا" بدل جاتا ہے' کھوٹے روپے کو اس لئے قلب کہا جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ سے پھر آتا ہے **کفروا** سے مراد سارے کفار ہیں مشرکین ہوں یا اہل کتاب **بلاد** ' **بلد** کی جمع ہے بمعنی شہر' اس کا مقابل ہے بدو بمعنی گاؤں' قریہ ہر بستی کو کہتے ہیں شہر ہو یا گاؤں' چونکہ تاجر لوگ عموماً "شہروں ہی میں پھرتے ہیں" کہ وہاں ہی منڈیاں ہوتی ہیں' اس لئے بلاد یعنی شہروں کا ذکر فرمایا گیا' کہ یہ آیت کریمہ تاجر کافروں کے متعلق ہی نازل ہوئی ہے' یعنی اے مسلمان تجھے ان بیوپاری کفار کا عیش و آرام کے ساتھ شہروں و منڈیوں میں ہرنا پھرنا۔ نفع بخش تجارتیں کرنا دھوکا میں نہ ڈال دے اور تو ان کے عیش سے دھوکا نہ کھا جائے' کیونکہ **متاع قلیل** یہ عبارت **هذا** پوشیدہ کی خبر ہے۔ **هذا** سے کفار کی تجارتوں اور ان کے عیش و آرام کی طرف اشارہ ہے۔' چونکہ کفار کی دنیا ان کے ساتھ نہیں جاتی' اس لئے اسے **متاع** فرمایا گیا' نیز آخرت کے مقابلہ میں دنیا بہت تھوڑی ہے' اس لئے اسے قلیل فرمایا گیا' حدیث شریف میں ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے سمندر میں تم انگلی ڈبو دو تو انگلی کی تری سمندر کے مقابلہ میں کتنی حقیر ہے' پھر اس پر دنیوی وبال آخرت میں حساب و نکال بہت زیادہ' کوئی عاقل ایسی قلیل النفع اور کثیر النقصان والی چیز میں دل نہیں لگاتا۔ (روح المعانی) **ثم ماوهم جهنم** چونکہ دوزخ میں داخلہ دنیا و برزخ کی زندگی گزارنے کے بعد ہو گا اس لئے **ثم** ارشاد ہوا۔ ماوی کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ **اوی** کا اسم ظرف ہے بمعنی پناہ' **او اوی الی رکن شدید**۔ **جهنم** اصل میں چاہ نم تھا بمعنی گہرا کنواں' چونکہ جنت اوپر ہے اور دوزخ نیچے' اس لئے اسے کنواں فرمایا گیا' اس کی گہرائی اتنی ہے کہ اگر اس کے کنارے سے پتھر پھینکو تو ستر سال تک نہ پہنچے' اس لئے اسے گہرا کنواں فرمایا گیا' یہ لفظ فارسی سے معرب ہے **وبئس المهاد**: **بئس** کا فاعل **مهاد** ہے اس کا مخصوص یعنی **هو** پوشیدہ ہے۔ **مهاد**' **مهد** سے بنا بمعنی گہوارہ یا بستر' دوزخ کو بستر فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ کفار نے خود اپنی حرکتوں سے دوزخ اختیار کیا' جیسے بستر والا خود اپنے اہتمام سے بستر بچھاتا ہے' یعنی کچھ روز یہ لوگ رنگ رلیاں کر لیں' پھر آخر کار ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ تو بہت برا بستر ہے' کہ وہاں کا عذاب بستر کی طرح ہر طرف سے انہیں گھیرے ہو گا' چونکہ اس مضمون سے شبہ ہو تا تھا کہ مسلمان تاجر بھی دوزخ میں جائیں گے' کہ وہ بھی شہروں و منڈیوں میں چکر لگاتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا **لكن الذين اتقوا ربهم** لکن حرف استدراک ہے جو وہم دور کرنے کیلئے آتا ہے۔ **الذين** سے مراد مسلمان ہیں **اتقوا** سے تینوں قسم کے تقوے مراد ہیں' تقوی عام تقوی خاص' تقوی خاص الخاص' جس کی تحقیق پہلے پارے کے اول میں ہو چکی ہے **لهم جنت تجري من تحتها الانهر**۔ **لهم** میں لام ملکیت کا ہے یا نفع کا' پہلی بات زیادہ قوی ہے' کیونکہ جنتی جنتوں کے مالک ہوں گے نہ کہ محض مسافر و مہمان' باقی الفاظ کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے **خلدين فيها** یہ عبارت **اتقوا** کے فاعل **هم** سے حال ہے خلود کے معنی دائمی قیام نہ کہ بہت عرصہ تک ٹھہرنا یعنی پرہیزگار مسلمان اگرچہ تاجر ہوں' کاروباری ہوں' مگر ان کیلئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہاں وہ ہمیشہ ہی رہیں گے **نزلا من عند الله** نزل وہ کھانا یا سامان ہے جو نازل یعنی نو وارد مہمان کیلئے تیار کیا جائے' چونکہ نئے مہمان کیلئے بہت ہی تکلف کیا جاتا ہے کہ میزبان اپنی طاقت بھر کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتا' ایسے ہی جنت میں رب تعالیٰ جنتیوں کیلئے بہت پر تکلف سامان مہیا فرمائے گا کہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہو گا' اس لئے وہاں کی نعمتوں کو نزل فرمایا گیا' لطف تو دیکھو کہ جنتی لوگ جنتوں کے مالک بھی ہوں گے مہمان بھی' قبضہ کے لحاظ سے مالک' خاطر تواضع کے لحاظ

سے مہمان۔ **نزلا** جنت وغیرہ کا حال ہے' بعض لوگوں نے کہا کہ جنت کی تمام نعمتیں مہمانی کا سامان ہیں' اصل چیز رضائے الٰہی ہے اس لئے انہیں نزل فرمایا گیا۔ (روح المعانی) **وما عند اللہ خیر للابرار** ما موصولہ اپنے صلہ عند اللہ سے مل کر مبتداء ہے اور خیر اپنے متعلق للابرار سے مل کر خبر ابرار بار کی جمع ہے بمعنی نیک کار اس عبارت میں لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ **کفار تجار' فجار** بن گئے مگر مسلمان پرہیزگار تجار ابرار رہے اس لئے ان کے یہ درجات ہوئے' یہ دنیا میں بھی مزے میں رہے اور آخرت میں بھی عیش میں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! کفار کے ہر چہار طرف پھرنے اور ان کے عیش و آرام سے تجارتی سفر کرنے' اور خوب مال کمانے' عیش اڑانے سے یہ دھوکا نہ کھانا کہ یہ لوگ خدا کے پیارے ہیں' اگر رب تعالیٰ کے دشمن ہوتے تو ایسے عیش میں کیوں ہوتے' دنیاوی عیش ہماری رضاء کی دلیل نہیں' دنیاوی چیزیں نہایت حقیر' ذلیل اور تھوڑا سامان ہیں' کیونکہ یہ سب چیزیں اول سے اب تک نیست تھیں' کچھ دنوں کیلئے انہیں ہستی ملی' پھر ابد تک نیست رہیں گی' ان کے وجود کا زمانہ ازلی ابدی عدم کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے' اس کے باوجود یہاں کی ساری نعمتیں' آفتوں' حسرتوں' تکلیفوں سے گھری ہوئی ہیں' اس کے ساتھ بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ ان پر حساب' عتاب' عقاب سخت ہے' ایسی عارضی چیز جو اتنی آفتوں کا باعث ہو وہ دل لگانے کے قابل کب ہے' کفار کچھ دن دنیا برتیں گے پھر ان کا دائمی ٹھکانہ دوزخ ہو گا' اور دوزخ بدترین بستر ہے کہ وہاں کی آگ دوزخی کو ہر طرف سے ایسے گھیرے ہو گی' جیسے بستر سونے والے کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے' یہ سب مار کفار کیلئے ہے' رہے پرہیزگار مسلمان' وہ یہاں تجارتیں کریں پاک کمائیاں حاصل کریں وہ بہرحال جنتی ہیں کہ ان کے یہ سارے کام رضائے ذوالجلال کیلئے ہیں' ان کی متاع قلیل نہیں بلکہ کثیر ہے کہ رضائے رب جلیل کی کفیل ہے' وہ ان جنتوں کے مالک کر دیئے گئے' اور جنتیں ان کے بالمقابل ہو گئیں' جن کے نیچے ایک نہیں بلکہ بہت سی نہریں رواں ہیں' اس میں ان کا قیام عارضی نہ ہو گا بلکہ دائمی ہو گا' ہمیشہ رب تعالیٰ کی طرف سے ان کی مہمانی ہو گی' وہ ہمارے دائمی مہمان ہوں گے ہم ان کے دائمی میزبان' ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ چھوڑی جائے گی' یہ خیال رکھو کہ جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ نیکوں کیلئے بہت ہی اچھا ہے کہ وہ دائمی ہے۔ اسے فنا نہیں وہ خالص ہے' آفتوں سے مخلوط نہیں۔ اس پر کوئی حساب کتاب نہیں' خود سوچ لو کہ متقیوں کا جنتی عیش اچھا ہے یا کفار کا عارضی عیش و آرام' بہتر یقیناً متقیوں کا عیش ہی بہتر ہے' اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو کفار کے عیش و آرام پر بھی نہ للچانا چاہیئے۔ **دوسرا فائدہ:** گنہگار مسلمان کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں بلکہ دوزخ ان کیلئے ایک عارضی منزل ہو گی جہاں کچھ دن رہ کر گناہوں سے پاک و صاف ہو کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ دوزخ ٹھکانہ کفار کا ہے جیسا کہ **ماوٰھم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جہنم کفار کو گھیرے گی کہ ان کے ظاہر و باطن ہر عضو پر آگ ہو گی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **تطلع علی الافئدۃ** مگر مومن کو دوزخ گھیرے گی نہیں' مومن کے دل و دماغ اور اعضائے سجدہ آگ سے محفوظ رہیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ فائدہ **بئس المھاد** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ہر شخص کو تقویٰ و پرہیزگاری ضروری ہے' کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا یھا النبی اتق اللہ** جب نبی کو بھی تقویٰ ضروری ہے تو ہم کس شمار میں

ہے جیساکہ اتقوا ربهم سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: جنت صرف متقیوں کیلئے ہے۔ جیساکہ لهم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا' اس لئے کہ خبر کا مقدم کرنا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ چھٹا فائدہ: جنت جنتیوں کی ملک ہوگی اور ملک بھی لازوال جیساکہ لہم کے لام سے معلوم ہوا کیونکہ لام ملکیت کا ہے' یہ حضرات جنت اور وہاں کی تمام نعمتوں کے پورے مالک ہوں گے۔ ساتواں فائدہ: جنتیوں کی خاطر تواضع نئے مہمان کی سی ہوگی' جیساکہ نزلا سے معلوم ہوا یہ حضرات قبضہ کے لحاظ سے مالک ہوں گے' خاطر تواضع کے لحاظ سے مہمان۔ آٹھواں فائدہ: جنت کی نعمتیں ہمارے خیال و گمان سے وراء ہیں' بیان میں نہیں آسکتیں' جیساکہ من عند الله سے معلوم ہوا' جب بادشاہ کی نعمتیں فقیر کے خیال میں نہیں آسکتیں تو رب تعالیٰ کی نعمتیں ہم بندوں کے خیال میں کب آسکتی ہیں۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری ابرار کیلئے خیر ہے کفار کیلئے شر جیساکہ خیر للابرار سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: ایک جنتی کے حصے میں چند جنتیں آئیں گی' کچھ کفار کے حصے کی' پھر اپنی جنتوں میں کوئی جنت نماز کی' کوئی روزے کی' کوئی دیگر عبادات کی جیساکہ جنت جمع فرمانے سے ارشاد سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ دنیا میں غریب اور بے کار رہنا چاہئے' سارے عیش و آرام کفار کیلئے چھوڑ دینے چاہئیں۔ (بعض بے دین) جواب: ہرگز نہیں آیت میں چھوڑ دینے کا ایک لفظ بھی نہیں' آیت کا منشا یہ ہے کہ غریب مسلمان امیر کفار کو دیکھ کر اسلام کو باطل اور کفر کو حق نہ سمجھ لیں' نہ یہ کہ امیر بننے کی کوشش نہ کریں' اسلام میں روزے نماز کی طرح حلال کمائی حاصل کرنا بھی عبادت ہے' امیر بنو تاکہ زکوۃ و حج ادا کر سکو' غریبوں کی امداد کر سکو' بہت سے عبادتیں مال پر موقوف ہیں۔ دوسرا اعتراض: لهم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ جنت صرف متقی مسلمانوں کو ملے گی گنہگار مسلمان ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ لہم کا مقدم کرنا حصر کیلئے ہے۔ جواب: اتقوا ربهم میں تقویٰ سے عام تقویٰ مراد ہے جو ہر مومن کو حاصل ہے یعنی خوف خدا میں کفر و شرک کو چھوڑ دینا' ہر مومن متقی ہے کہ کفر سے بچا ہوا ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی لوگ جنت اور وہاں کی نعمتوں کے مالک نہ ہوں گے کیونکہ فرمایا گیا نزلا من عند الله ظاہر ہے' مہمان گھربار کا مالک نہیں ہوتا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ ہوں گے تو وہ جنت کے مالک مگر ان کی خاطر تواضع مہمانوں جیسی ہوگی' گھر والے کی گھر میں خاطر نہیں ہوا کرتی' بلکہ وہ دوسروں کی خاطر کرتا ہے' لهم میں لام ملکیت کا ہے' جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ حضرات جنت کے مالک تام ہوں گے۔ چوتھا اعتراض: اگر جنتی لوگ جنتوں کے مالک ہیں' تو کیا وہ اپنی جنت یا وہاں کی نعمتیں فروخت بھی کر سکیں گے۔ جواب: ہرگز نہیں کیونکہ وہاں فروخت کی ضرورت ہی نہ پڑے گی' گھربار ضرورت مند ہی فروخت کرتا ہے' وہاں ہر ایک کی جائداد روئے زمین سے بھی زیادہ ہوگی' پھر فروخت کرنے کی کیا ضرورت ہی کیا' وہاں فروخت یا بیہ نہ کرنے کی وجہ دوسری ہے نہ کہ ملکیت کا نقصان۔

تفسیر صوفیانہ: فعل کا عمل فاعل کے لحاظ سے ہوتا ہے' اور چیز کا اثر مالک کے اعتبار سے' ایک ہی غلام فقیر کی ملکیت ہو تو حقیر ہے اور اگر اسی غلام کو بادشاہ خریدے تو شاندار ہے' کسی نے کیا خوب کہا۔

مالک کشور شود بندہ سلطان خرید

ایک ہی زمین پر کسی کا مکان بنا ہو تو اس کی اور حالت ہوتی ہے' لیکن اگر اسی پر مسجد بن جائے تو اس کی شان ہی اور ہو جاتی

ہے 'اسی طرح دنیا ایک ہے 'مگر دنیا والے دو 'کافر و مومن 'کافر کی دنیا **متاع قلیل** ہے 'مگر مومن کی دنیا غیر فانی اور ذریعہ عطائے جزیل ہے 'یہاں رب تعالیٰ نے کفار کی دنیا کو **متاع** بھی فرمایا اور **قلیل** بھی اور **لکن** فرما کر مسلمانوں کی دنیا کو حصول جنت کا ذریعہ قرار دیا 'وجہ یہ ہے کہ کافر دنیا کو نفس کیلئے حاصل کرتا ہے 'نفس کو فنا ہے تو نفسانی دنیا کو بھی فنا 'مگر مومن یہ دنیا رب تعالیٰ کیلئے حاصل کرتا ہے رب تعالیٰ باقی ہے تو ربانی دنیا بھی باقی 'مومن کی دنیا آخرت کا تخم ہے جس سے لازوال باغ کھلتے ہیں 'کافر کی دنیا بوریوں میں بھرا ہوا دانہ ہے 'جسے چوہے 'دیمک 'گھن 'پھپھوندی وغیرہ جلد ہلاک کر دیتی ہیں۔ مومن کبھی کافر کی دنیا پر رشک نہ کرے 'صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ آسمان کو قرار نہیں 'ہمیشہ حرکت میں ہے 'ایسے ہی آسمان کے سایہ میں رہنے والی چیزوں کو بھی قرار نہیں 'یہاں کی دولت یار بے وفا ہے 'آج ایک کے پاس ہے کل دوسرے کے 'جب کسی کو رب تعالیٰ ملک و دولت دے 'تو وہ اسے اپنی جاگیر نہ سمجھ لے 'بلکہ اسے غنیمت جان کر کچھ اس سے آخرت کما لے 'دنیا چلی جاتی ہے مگر دنیا دار پر دائمی مدح یا قدح چھوڑ جاتی ہے۔

نماند ستم گار بد روزگار نماند بر و لعنت پائیدار

نہ دنیا یزید کی رہی 'نہ عثمان غنی کی 'مگر یزید پر لعنت چھوڑ گئی 'اور عثمان غنی پر رحمت 'مولانا فرماتے ہیں۔

چند گوئی من بگیرم عالمے این جہاں را پر کنم از خود ہے

گر جہاں پر برف گردد سر بسر تاب خور بگدازدش از یک نظر

صوفیائے کرام فرماتے ہیں **وما عند اللہ** میں بتایا گیا کہ نفسانی اعمال اور ریاء کی عبادتیں ہمارے پاس رہ جاتی ہیں اور ہمارے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہیں اور **مخلصین** کے اعمال اللہ کے پاس رہتے ہیں اور اس کی بقاء کے ساتھ باقی ہیں 'مومن دولہا ہے یہ دنیا اس کی نچھاور 'کفار نچھاور لوٹنے والے براتی 'سارا عالم برات 'اسی لئے جب مومن نہ رہیں گے قیامت آجائے گی۔ دولہا کی نظر نچھاور روپیہ پر نہیں ہوتی 'بلکہ دلہن پر ہوتی ہے مومن کی نظر رضاء یار پر ہونی چاہیے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

اور بے شک کتاب والوں میں سے یقیناً وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا طرف تمہاری اور

اور بے شک کچھ کتابی ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف اترا اور جو ان کی

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

اس پر جو اتارا گیا طرف ان کی عاجزی کرتے ہوئے اللہ کے لئے نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں کے عوض تھوڑی

جو ان کی طرف اترا ان کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے اللہ کی آیتوں کے بدلے ذلیل دام نہیں لیتے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

قیمت کو یہی ہیں جن کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۲۰۰

اے وہ لوگو جو ایمان لائے صبر کرو اور صبر کی دوڑ میں آگے رہو اور زیادتی جہاد کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ کامیاب ہو۔

اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔

رکوع ۲۰

تعلق: ان آیات کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مومنین و کفار کا انجام بیان کیا گیا کہ تمام کافروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ کتابی کافر ہوں یا مشرک کافر' اور مسلمانوں کا ٹھکانہ جنت' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ کفار جہنم میں جائیں گے جو کفر پر مر جائیں' بعض اہل کتاب کفار مرنے سے پہلے ایمان لے آتے ہیں' وہ دائمی مومنوں کے زمرے ہی میں ہیں' انہیں کے ساتھ ان نومسلموں کا بھی حشر ہو گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کچھ مہاجر مسلمانوں کے فضائل بیان کئے گئے تھے جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر پردیسی بنے' اب ان اہل مدینہ کے فضائل بیان ہو رہے ہیں جو پہلے اہل کتاب تھے' پھر ایمان لا کر ان مہاجروں کے میزبان بنے' یعنی مہمانوں کا ذکر پہلے تھا' اور میزبانوں کا ذکر اس آیت میں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ نیک کاروں کا ثواب اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے' اب نیک کاروں کی ایک خاص جماعت کا ذکر ہو رہا ہے کہ جن کا ڈبل ثواب ہے' یعنی وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے پیغمبر و کتاب پر ایمان لائے' بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف پر۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیات میں فرمایا گیا کہ کفار کے پاس جو کچھ ہے **متاع قلیل** ہے۔ جس سے معلوم ہوا تھا کہ اہل کتاب کا ایمان' نیک اعمال بھی متاع قلیل ہیں' جس کا ثواب اللہ کے ہاں کچھ نہیں' اب وہ طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ جس سے ان کے وہی اعمال متاع کثیر بن جائیں' ملا پائیدار دولت پائیدار بن جائے یعنی قرآن و صاحب قرآن پر ایمان۔

شان نزول: اس آیت کے نزول کے بارے میں چند روایتیں ہیں۔ (1) بادشاہ حبشہ (جس کا نام اصحمہ یا مکحول ابن معصد تھا لقب نجاشی) کا رجب ۹ھ میں انتقال ہوا۔ مدینہ طیبہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ان کی وفات کی خبر دی اور فرمایا' چلو ان پر نماز جنازہ پڑھیں' چنانچہ مع صحابہ کرام کے جنت البقیع میں تشریف لائے رب تعالیٰ نے زمین حبشہ اور نعش نجاشی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرمادی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع صحابہ ان کا جنازہ پڑھا' جس پر منافقین نے طعنہ زنی کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا نماز جنازہ پڑھا جو مذہبا عیسائی تھا اور جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دیکھا بھی نہیں' منافقین کی تردید' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید' نجاشی کی تعریف میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر کبیر' معانی' خازن و خزائن) خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازہ پر چار تکبیریں کہیں اور بعد نماز جنازہ نجاشی کے لئے دعائے مغفرت بھی کی۔ (خازن و خزائن) معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں چاہئیں اور دعا بعد نماز جنازہ سنت ہے لہذا یہ حدیث سنی حنفیوں کی دلیل ہے۔ (2) چالیس یہودی جن میں سے بتیس نجرانی تھے اور آٹھ رومی حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے' ان کے فضائل میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (کبیر 'معانی' خازن)۔ (3) یہ آیت کریمہ حضرت عبد اللہ ابن سلام کے حق میں آئی جو پہلے یہود کے بڑے عالم تھے اولاد انبیاء میں تھے' پھر ایمان لا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بنے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہت خوشخبریاں سنائیں (کبیر و خازن)۔ (4) عام مومنین اہل کتاب کے بارے میں یہ آیت کریمہ اتری' جو پہلے کتابی ہوں' پھر ایمان لے آئیں۔ نوٹ: مشہور یہی ہے کہ ان نجاشی بادشاہ کا نام اصحمہ ہی تھا' معنی عطیہ (یعنی عطیہ مسیح) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر دیکھے ایمان لائے اور مہاجرین اولین کی بڑی خدمت کی' جو مکہ سے حبشہ چلے گئے تھے' اسلام اور مسلمانوں کو اس نازک دور میں پناہ دی' حضرت عبد اللہ ابن جعفر سے قرآن سن کر بہت روئے' انہیں کے رونے کے بارے میں ساتویں پارہ میں **وا ذا سمعوا** نازل ہوئی' انہی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا نکاح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا' غرضیکہ اسلام کی بڑی خدمتیں انجام دیں' بہت عرصہ تک ان کی قبر سے نور دیکھا گیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تفسیر: **وان من اھل الکتب لمن و من باللہ** چونکہ اس مضمون کے بعض منافقین وغیرہ منکر تھے' اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ **من تبعیضیہ** ہے' کیونکہ سارے اہل کتاب کا یہ حال نہیں' اہل کتاب سے مراد یا تو وہی یہودی ہیں جن کے بارے میں یہ آیت کریمہ اتری یا سارے یہودی' عیسائی' ذلودی وغیرہ ہیں' جو کسی نہ کسی آسمانی کتاب کے معتقد ہیں' پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ اس جگہ ان کے پانچ اوصاف بیان ہوئے' پہلا وصف اللہ پر ایمان رکھنا اگرچہ وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی اللہ کے ماننے کے مدعی تھے' مگر چونکہ وہ ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر تھا' نیز انہوں نے غلط طریقہ سے رب تعالیٰ کو مانا تھا کہ اس کے لئے اولاد اور بیوی ثابت کی' اس لئے رب تعالیٰ نے ان کے اس ایمان کا اعتبار نہ فرمایا' بلکہ فرمایا کہ وہ اللہ پر اب ایمان لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے' دوسری صفت یہ کہ **وما انزل الیکم** ظاہر یہ ہے کہ ما سے مراد سارا قرآن نہیں بلکہ اس کی ہر آیت ہے کیونکہ سارا قرآن کریم ایکدم نہیں آیا ہے' تئیس سال میں آیا' مگر اس کی آیت جب بھی آئیں' ایکدم اس لئے انزل فرمانا درست ہوا اور ہو سکتا ہے کہ ما سے مراد قرآنی آیات بھی ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی' کیونکہ یہ سب کچھ وحی الٰہی ہے' اگرچہ نزول قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوا' مگر چونکہ آپ کی طرف آنا ساری امت کی طرف آنا ہے' اس لئے **الیکم** فرمایا گیا' تیسرا وصف یہ کہ **وما انزل الیھم** اگرچہ اہل کتاب اپنی کتابوں کو پہلے سے مانتے تھے اور قرآن کریم کو بعد میں مانا' مگر چونکہ قرآن کریم کی معرفت ان کتابوں کا ماننا معتبر ہے' قرآن کریم کا انکار کر کے ان کا اقرار بالکل غیر معتبر' ایمان بالقرآن' ایمان بالکتاب کی شرط ہے' اس لئے قرآن ماننے کا ذکر پہلے ہوا' اور دیگر کتابوں کے ماننے کا بعد میں اور ہو سکتا ہے کہ یہاں ایمان بالکتاب سے مراد غیر تحریف شدہ کتاب پر ایمان لانا ہو' قرآن ماننے سے پہلے وہ لوگ ممسوخ' منسوخ' محرف کتاب کو مانے بیٹھے تھے' اب صحیح طور پر ان کتابوں کو مانا' چوتھی صفت یہ کہ **خشعین للہ من** لفظا واحد ہے' معنی جمع' کہ اس سے مومنین اہل کتاب کی جماعت مراد ہے' اس لئے **یومن** واحد فرمایا گیا اور **خشعین** جمع' یومن میں لفظ من کا لحاظ تھا اور خشعین میں معنی من کا اعتبار ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **خاشعین' الیھم** ضمیر سے حال ہو۔ **خاشعین' خشوع** سے بنا' خشوع وہ خوف ہے' جو دل میں گھر کر جائے اور جس سے گناہوں سے پرہیز' نیک اعمال کی طرف میلان میسر ہو' اس کلمہ میں منافقین پر چوٹ ہے کہ بے ایمانو! تم نجاشی وغیرہ کے ایمان پر کیا اعتراض کرتے ہو تم

سے وہ لاکھ درجہ اچھے تھے کہ تمہارا ایمان محض زبانی ہے' وہ بھی تلوار کے خوف سے' اِن کا ایمان حقانی و روحانی اور وہ بھی رب غفار و جبار کے خوف سے' پانچویں صفت یہ کہ **لا یشترون بایت اللہ ثمنا قلیلا** اس آیت کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے خریدنے سے مراد ہے تبدیل کرنا' تحریف کرنا' اور آیت اللہ سے مراد توریت و انجیل کی وہ آیتیں ہیں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت تھی' یا احکام کی وہ آیتیں جن میں پادری صاحبان کچھ پیسے لے کر بدل دیتے تھے۔ **ثمنا قلیلا** سے وہ رشوتیں مراد ہیں جو اس تبدیلی کے عوض اپنے ماتحتوں سے وصول کرتے تھے' یعنی اے مسلمانو! سارے اہل کتاب برے نہیں' ان میں بعض ایسے مقبول بندے بھی ہیں جو صحیح طور پر ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں' تمہاری کتاب قرآن کریم کو بھی مانتے ہیں' اور اپنی کتاب توریت و انجیل کو بھی' پھر منافقوں کی طرح جوتے کے خوف سے نہیں بلکہ رب کے خوف سے ایمان لاتے ہیں' پھر دوسرے پادریوں کی طرح رشوتیں لے کر آیات الٰہیہ میں تبدیلی نہیں کرتے' جن میں یہ پانچ صفتیں موجود ہیں **اولٰئک لھم اجرھم عند ربھم اولئک** سے انہی کتابیوں کی طرف اشارہ ہے' جن کی پانچ صفات مذکور ہوئیں۔ **لھم** میں لام استحقاق کا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ملکیت اور نفع کا ہو' اجر' سے مراد ان کے ایمان اور سارے نیک اعمال کا ثواب ہے' زمانہ کفر میں کئے ہوں یا ایمان لانے کے بعد' کیونکہ کفار کو بعد ایمان کفر کے زمانہ کی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے **اجرھم** سے اس ثواب کی طرف اشارہ ہے' جو مومنین اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے' یعنی ڈبل' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اولئک یاتون اجرھم مرتین** اور فرماتا ہے **یوتکم کفلین من رحمتہ** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کو دوہرا ثواب ملتا ہے' ان میں سے وہ کتابی بھی ہے' جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لا چکا ہو' پھر مجھ پر ایمان لائے' **عند ربھم** فرما کر دو باتیں فرمائی گئیں' ایک یہ کہ اگرچہ ان مومنین اہل کتاب کو دنیا میں بھی نعمتیں ہیں' نعمتیں ملیں گی' مگر ان کا اصلی ثواب اس عالم سے جانے کے بعد ہی ملے گا' دوسرے یہ کہ ان کا ثواب ضائع نہیں ہو سکتا کہ دنیا کی چیزیں آفات وغیرہ سے برباد ہو جاتی ہیں' مگر جو چیز رب تعالیٰ کے پاس ہے' اسے کون برباد کرے' یعنی ان اہل کتاب کو ان کا خاص اجر ان کے رب تعالیٰ کے پاس ضرور ملے گا کیونکہ **ان اللہ سریع الحساب** پروردگار عالم ایسا علم و قدرت والا ہے کہ سارے بندوں کا حساب صرف چار گھنٹوں میں لے لے گا' چھوٹے دن کے آدھے میں' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (جلالین) ایسی قدرت و علم کا مالک انہیں پورا ثواب ضرور دے سکتا ہے **یایھا الذین امنوا** اہل کتاب نو مسلموں کے صفات کاملہ بیان فرما کر پرانے مسلمانوں کو چار حکم دیئے گئے' چونکہ ایمان سارے اعمال پر مقدم ہے' اس لئے اسی کا ذکر پہلے کیا گیا اور چونکہ انسان کا بڑا کمال ایمان ہے' اس لئے انہیں اسی صفت سے پکارا گیا' یہ کہا گیا' اے چوہدریو' نمبردارو! بلکہ اے ایمان والے پرہیزگارو **اصبروا وصابروا** یہ دونوں کلمے صبر سے بنے' معنی روکنا' ٹھہرنا' **اصبروا باب ضرب** کا امر ہے اور **صابروا** باب مفاعلت کا' صبر تین قسم کا ہے مصیبت میں صبر' طاعت و عبادت پر صبر' معصیت و گناہوں سے صبر **صابروا باب مفاعلت** یا مقابلہ کے لئے ہے یا مبالغہ کے لئے یعنی خوب صبر کرو یا بمقابلہ کفار جنگ وغیرہ میں ان سے زیادہ صبر کرو' اس جملہ کے بڑے پیارے معانی کئے گئے ہیں' خیال رکھو کہ ہمارے بعض حالات مخصوص ہوتے ہیں بعض مشترک مخصوص حالات پر صبر کرنا صبر کہلاتا ہے' اور مشترک حالات پر صبر مصابرت۔ اصبروا اللہ کی اطاعت پر صبر کرو' ادائے فرائض پر' تلاوت قرآن پر' رب تعالیٰ کے احکام پر' بلاؤں پر' جہاد میں' کتاب و سنت کے احکام پر صبر کرو' **صابروا** دشمنوں کے مقابلہ میں صبر کرو' پڑوسیوں کی بد خلقی پر' دوستوں کی بے وفائی پر' دشمنوں کی کج ادائی پر صبر کرو **ورابطوا** یہ

مرابطہ باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ جس کا مادہ ربط ہے ' بمعنی باندھنا' رابطہ کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔ (1) تیاری جہاد کے لئے گھوڑا باندھنا اور پالنا جس کے حدیث شریف میں بہت فضائل ہیں' اس میں ہر قسم کی تیاری جہاد شامل ہے۔ (2) مملکت اسلامیہ کی سرحد پر رہنا اور کفار کے مقابلہ میں ہروقت گھوڑے تیار رکھنا کہ نہ معلوم اس پار سے کب حملہ ہو جائے۔ (3) نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا' یعنی دل کو مسجد سے باندھ دینا گاویا کہ کب اذان کی آواز آئے اور میں مسجد میں جاؤں' یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں' ابو سلمہ ابن عبدالرحمان نے فرمایا کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مرابطہ والا جہاد نہ ہوا لٰہذا اقوی یہ ہے کہ یہاں مرابطہ سے مراد مشغولیت عبادات ہے (خازن' روح المعانی و کبیر) حدیث شریف میں بھی اس مشغولیت کو رباط فرمایا گیا ہے **واتقوا اللہ لعلکم تفلحون** اگرچہ تقویٰ میں صبر اور رباط بھی داخل تھے' مگر ان کی اہمیت کی وجہ سے اولاً" خصوصیت سے ان کا حکم دیا گیا' پھر علی العموم سارے نیک اعمال کی تاکید فرمائی گئی' یعنی ہر طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرو' تاکہ تم دین و دنیا پر کامیابی پاؤ' کہ انسان کی کامیابی محض مال سے نہیں بلکہ نیک اعمال اور رضائے رب ذوالجلال سے ہے' اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! سارے اہل کتاب کو برا نہ جانو' یا اے منافقو! سارے اہل کتاب کو نظر حقارت سے نہ دیکھو اور نجاشی کا جنازہ پڑھنے کی وجہ سے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر اعتراض نہ کرو' یقین کر لو کہ ان پتھروں میں لعل بھی ہیں اور اس سمندر میں موتی بھی' انہیں اہل کتاب میں بعض وہ مخلصین بھی ہیں' جو صحیح طور سے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں' اس طرح کہ ہمارے ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم کو مانتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاتے ہیں' اور ان آیات و احکام کو بھی مانتے ہیں' جو اے مسلمانو! تمہاری طرف بھیجی گئیں' اور ان کتابوں کو بھی مانتے ہیں جو تم سے پہلے انہیں مل چکی تھیں' پھر محض تلوار کے ڈر سے نہیں' بلکہ خوف خدا سے دلی خشوع اور خضوع کے ساتھ ایمان لاتے ہیں' دوسرے پادریوں کی طرح رشوتیں لے کر احکام و نعت کی آیتیں تبدیل نہیں کرتے' ایسی پانچ خوبیوں والے اہل کتاب کا ایک مخصوص ثواب ہے' جو انہیں رب تعالیٰ کے ہاں ملے گا' کہ سب کو ایمان کا اکہرا ثواب انہیں دوہرا' یہ ثواب دینا رب تعالیٰ پر کوئی دشوار نہیں کہ وہ بڑا قدرت والا ہے' وہ ایسی قدرت والا ہے کہ ساری مخلوق کا حساب تھوڑی دیر میں لے لے گا' اے مسلمانو! اعمال صالح سے بے نیاز نہ ہو جاؤ' عبادتوں پر قائم رہو' مصیبتوں میں گھبرا نہ جاؤ' گناہوں سے بچے رہو' غرضیکہ ہر قسم کے صبر اختیار کرو' اور جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو میدان جنگ میں کفار سے زیادہ تم صابر رہو' لوگوں کی کج خلقی' بداطواری پر صبر سے کام لو' ہمیشہ اللہ کی راہ میں تیار جہاد کے لئے گھوڑے پالو' یا اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرو یا اپنے نفس کو اطاعت میں لگا دو' اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم دونوں جہان میں کامیاب رہو۔

فضائل: مسلم' بخاری نے حضرت سہل ابن سعد سے مرفوعاً" روایت کی کہ ایک دن کا رباط یعنی تیار جہاد دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے اور جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ' دنیا اور دنیا کی چیزوں سے افضل ہے' صبح شام اللہ کی راہ میں کچھ چل لینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے' مسلم نے حضرت سلمان سے مرفوعاً" روایت کی' کہ ایک دن کی تیاری جہاد ایک ماہ کے روزوں اور رات کے نوافل سے بہتر ہے۔ تیاری جہاد والے کا عمل تاقیامت جاری رہتا ہے' اسے غیب سے روزی ملتی رہتی ہے' فتنہ قبر سے امن میں رہتا ہے یعنی اسے قبر کا حساب و عذاب نہیں ہوتا۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً" روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں' جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ خطائیں مٹاوے' درجے بڑھاوے' سب نے

عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 'فرمایا وضو صحیح کرنا خصوصاً" سردیوں میں' مسجدوں کی طرف زیادہ آنا جانا نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا' فرمایا یہ بھی رباط ہے یہی رباط ہے' (تفسیر خازن) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورۂ آل عمران پڑھنے والے کو ہر آیت کے عوض پل صراط پر امان ملے گی۔ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو جمعہ کے دن سورۂ آل عمران پڑھے 'اس کے لئے دن ڈوبے تک ملائکہ دعائے رحمت کرتے ہیں۔ (تفسیر بیضاوی) فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ دو چمکدار سورتیں پڑھا کرو' سورہ بقرہ و آل عمران' کہ کل قیامت میں یہ دونوں سورتیں بدلی بن کر مسلمان پر سایہ کریں گی' اور تلاوت کرنے والے کے لئے رب تعالیٰ سے جھگڑ جھگڑ کر شفاعت کریں گی' رب تعالیٰ نے سورہ بقر کے خاتمہ پر بھی دعائیہ آیات ارشاد فرمائیں اور سورۂ آل عمران کے آخر میں بھی دعاؤں کی تعلیم دی گئی' مگر سورہ بقر میں قبولیت کا وعدہ بھی فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ **فاستجاب لهم ربهم** معلوم ہوا کہ مسلمان قاری قرآن سورۂ آل عمران ختم کرنے تک مقبول الدعا بن جاتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اہل کتاب کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اہل کتاب کہا جاتا ہے کہ صحیح معنی سے اہل کتاب ہونا انسان کے لئے باعث فخر ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور نجاشی کو ایمان لانے کے بعد بھی اہل کتاب فرمایا' اب تو مسلم یہودی یا عیسائی کو عیسائی یا یہودی نہیں کہیں گے کہ ہماری اصطلاح میں یہ لفظ حقارت کا ہے' مگر انہیں اسرائیلی کہہ سکتے ہیں' کہ اس میں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبت ہے۔ دوسرا فائدہ: صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان وہی رکھتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے **یومن باللہ** ان یہود کے لئے فرمایا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے' اور باقی یہود کو ایمان باللہ سے خارج کر دیا کہ فرمایا بعض اہل کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں کل نہیں۔ تیسرا فائدہ: آسمانی کتابوں پر وہ صحیح ایمان رکھتا ہے۔ جو قرآن کریم پر ایمان رکھے کہ رب تعالیٰ نے انہی مومن یہود کے بارے میں فرمایا کہ اپنی کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: ایمان دل کا معتبر ہے نہ کہ فقط زبان کا' جیسا کہ **خاشعین للہ** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: بعض علماء اہل کتاب نے بھی توریت و انجیل میں تبدیلی نہ کی' جیسا کہ **لایشترون** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: حضرات صحابہ کے برابر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات کے ایمان' تقویٰ' ولی عرفان کی گواہی رب تعالیٰ نے دی ان کا ایمان اور تقویٰ رجسٹرڈ ہے۔ ساتواں فائدہ: مومنین اہل کتاب کو ایسا خصوصاً" ثواب ملے گا جو دوسروں کو نہ ملے گا' جیسا کہ **لهم** کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: سورۂ آل عمران بڑی بابرکت سورۃ ہے کہ اس کی ابتداء حمد الہٰی نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق کتب سے ہوئی اور اس کی انتہاء بہترین تعلیم پر کہ صبر' رباط' تقویٰ وہ صفتیں ہیں' جن سے انسان شہوت' حرص' غضب' حسد وغیرہ برائیوں سے پاک ہو کر بہترین صفات سے موصوف ہو جاتا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ سورۂ آل عمران کا خاتمہ اپنے اندر روحانی اسرار اور حکمتوں کے خزانے رکھتا ہے' اور یہ ایک مختصر سی آیت سارے اصول دین کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ سارے قرآن کا مغز ہے' صوفیاء کرام اس آیت پر وجد کرتے ہیں' فرماتے ہیں کہ اصلاح نفس کے لئے اس سے بہتر تعلیم اور نہیں ہو سکتی۔

پہلا اعتراض: سارے اہل کتاب اللہ تعالیٰ کو اور اپنی کتابوں کو مانتے تھے' پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ بعض اہل کتاب ان پر ایمان

لاتے ہیں۔ جواب: اس کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے کہ وہ لوگ اسلام سے پہلے ان دونوں کو غلط طریقہ پر مانتے تھے' اس لئے وہ ماننا ایمان نہ تھا کفر تھا' دوسرے یہ کہ اس وقت یہ لوگ اللہ اور ان کتابوں کو بغیر معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانتے تھے' وہ ماننا نجات کے لئے کافی نہ تھا' اب جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت جانا تو اس جاننے کا نام ایمان ہوا' اور یہ نجات کے لئے کافی ہوا۔ دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ یہ مومنین اہل کتاب اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت نہیں کرتے' آیا اب نہیں فروخت کرتے مسلمان ہو چکنے کے بعد یا پہلے بھی فروخت نہ کرتے تھے۔ جواب: بعض خوش نصیب وہ تھے جو پہلے ہی سے اس عیب سے محفوظ تھے۔ جیسے سیدنا عبداللہ ابن اسلام' اور بعض وہ تھے جن سے پہلے یہ جرم ہوئے' بعض اسلام سے تائب ہو گئے' لایشترون دونوں کو شامل ہے۔ تیسرا اعتراض: لهم اجرهم کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب صرف انہیں اہل کتاب کو ملے گا جو بعد میں مسلمان ہو جائیں' تو کیا پرانے مسلمان ثواب کے بالکل مستحق نہیں؟ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ واقعی وہ اجر خاص جو مومنین اہل کتاب کے لئے مخصوص ہے یعنی دوگناہ ثواب وہ انہی کو ملے گا' اسی لئے یہاں لجرهم فرمایا گیا' پرانے مسلمان اس ثواب خاص کے مستحق نہیں' دیگر ہزاروں ثوابوں کے مستحق ہیں۔ چوتھا اعتراض: ایمان کے ساتھ خشوع کا ذکر کیوں ہوا؟ ایمان تو ہوتا ہی خشوع سے ہے کیا کوئی ایسا ایمان بھی ہے جو خشوع سے خالی ہو؟ جواب: جی ہاں ہے' وہ منافقین کا ایمان ہے' جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں تلوار کے خوف سے لاتے تھے' ان کا یہ ایمان شرعاً" ایمان کہلاتا تھا جس پر بعض شرعی احکام جاری ہو جاتے تھے' اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ وہ ایمان ایمان تھا اور نہ یہ لوگ مومن' یہاں ایمان مقبول کا ذکر ہے اس لئے خشوع کی قید لگی۔ پانچواں اعتراض : جب حساب اتنی جلدی ہو جائے تو یوم حساب اتنا بڑا کیوں ہے؟ تعجب ہے کہ حساب چار گھنٹوں میں اور روز حساب پچاس ہزار سال کا!۔ جواب: بقیہ وقت مقدمات حساب' تلاش شفیع' نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خرچ ہو گا' رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہو گی کہ کفار کو دوزخ میں بھیجنے سے پہلے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھا دی جائے اس لئے سب کے سامنے انہیں مقام محمود پر جلوہ افروز کر دیا جائے گا' سب سے نعتیں پڑھوائی جائیں گی' پھر انہیں دوزخ میں بھیجا جائے گا' تاکہ انہیں عذاب نار کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کا غم و افسوس بھی ہو' قرآن کریم فرماتا ہے **یوم یعض الظالم علی یدیه یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا** یعنی کفار غم و غصہ میں اپنے ہاتھ چبائیں گے کہ ہائے' کاش میں نے اس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ چھٹا اعتراض: قرآن کریم آہستگی سے تئیس سال میں اترا' تو اس کے لئے یہاں انزل علیکم کیوں فرمایا گیا' انزل کے معنی' ہیں یکدم اتارنا۔ جواب: یا تو یہاں انزل بمعنی تنزیل ہے یا انزل میں تجرید ہے' بمعنی اتارنا' آہستگی و جلدی کا ذکر نہیں یا آیتوں کا اترنا مراد ہے نہ کہ پورے قرآن کا یعنی ان تمام آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جو تم پر اتاری گئی' اور ظاہر ہے کہ ہر آیت ایکدم ہی آئی۔

تفسیر صوفیانہ: اہل کتاب یعنی قرآن مجید ماننے والوں میں سے بعض وہ اہل اللہ بھی ہیں جو واردات' الہامات' کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور الفاظ قرآن اور اسرار قرآن پر ایمان شہودی لاتے ہیں' الفاظ قرآن تو سارے مومنین کے لئے اترے' مگر اسرار فرقان صرف ان لوگوں کے دلوں پر نازل ہوئے' یہ لوگ حکماء ایہ' میں جو اپنے کشف والہام کو تھوڑی قیمت یعنی جنت کے عوض نہیں بیچتے بلکہ وہ طالب مولیٰ ہیں' اللہ تعالیٰ ان کا حساب قیامت پر موقوف نہیں رکھتا' بلکہ ان کا ثواب قرب' الٰہی معرفت

وغیرہ بقدر درجہ یہاں ہی عطا فرماتا ہے' عاقلین قیامت کے بعد جنت صوری میں جائیں گے۔ مگر واصلین دنیا ہی میں جنت معنوی میں موجود ہیں' اسی جنت میں جیتے ہیں اسی میں مرتے ہیں' مگر اس جنت کے لئے بڑی محنت درکار ہے حضرت ابراہیم ابن ادھم نے کسی حمام میں جانا چاہا' حمام والے نے کہا پہلے اجرت لاؤ' پھر دروازہ میں قدم رکھو' آپ رو پڑے اور بولے کہ جب دار شیاطین یعنی حمام میں بغیر اجرت نہیں جاسکتے تو دار نبیین اور صدیقین میں مفت کیسے جاسکتے ہیں' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

کنوں باید اے خفتہ بیدار بود چو مرگ اندر آرزو خوابت چہ سود
تو پاک آمدی بر عذر باش و باک کہ ننگ است ناپاک رفتن بخاک
کنوں باید ایں مرغ رپائے بست نہ آنگہ کہ سررشتہ بردت زدست

یعنی اے سونے والو ابھی وقت ہے جاگ جاؤ' جب موت جگائے تو جاگنا بے کار ہو گا' بڑے شرم کی بات ہے کہ پاک آئے ہو' اور خاک میں ناپاک جاؤ' اس چڑیا پنچھی کا پاؤں ابھی باندھ لو' جب ڈور ہاتھ سے نکل گیا' پھر یہ ہاتھ نہ آئے گا' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان کے مقابل ڈٹے رہنا صبر ہے' اور نفس امارہ کے مقابل ڈٹ جانا مصابرت کہلاتا ہے' پھر نفس پر غالب آکر اسے شریعت کی میخ پر باندھ دینا رباط ہے' جو رب تعالیٰ سے غافل کرے اس سے بچنا تقویٰ' اس آیت میں مسلمانو کو ان چار چیزوں کا حکم دیا گیا ہے' پھر ہر قسم کی آڑ کو پھاڑ کر یار تک پہنچ جانا اور بالمشافہ دیدار کرنا یہ حقیقی فلاح و کامیابی ہے' جو ان چار محنتوں کا نتیجہ ہے جس کے لئے ارشاد ہوا لعلکم تفلحون شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

نگہ دار فرصت کہ عالم دمے است دمے پیش و انابہ از عالمے است
سراز جیب غفلت بر آور کنوں کہ فردا نماند تجلت نگوں!

یعنی فرصت غنیمت جانو' زندگانی دم بھر کی ہے' جو دم مل جائے وہ عالم سے بہتر ہے' ابھی موقعہ ہے' غفلت چھوڑ دو' تاکہ کل شرمندگی سے سرنگوں نہ ہو۔ (از تفسیر روح البیان مع زیادت) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آواخر شعبان 1380ھ میں چوتھے پارہ کی تفسیر شروع ہوئی اور آج چھ ربیع الاول 1381ھ بروز دو شنبہ سورۂ آل عمران ختم ہوئی' اللہ تعالیٰ اس ختم کی برکت سے میرا اور سارے مسلمانوں کا خاتمہ بخیر کرے' اور اس حقیری خدمت کو قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ و صدقہ جاریہ بنائے!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا محمد والہ واصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الرحمین

آیاتہا ۱۷۶ ۔ ۴ سورۃ النسآء مدنیۃ ۹۲ ۔ رکوعاتہا ۲۴

سورۃ نساء مدنی ہے اس میں ایک سو چھتر آیتیں ہیں اور چوبیس رکوع ہیں۔

شرح: ہم مقدمہ قرآن کریم میں سورۃ' آیت' رکوع منزل کا فرق بیان کر چکے ہیں۔ ہجرت سے پہلے جو سورتیں یا آیتیں اتریں انہیں مکی کہا جاتا ہے بعد ہجرت والی مدنی کہلاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مکی مدنی ہونا محبوب الکل صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ مگر انکی وجہ سے قرآن کریم مکی مدنی ہو جاتا ہے جیسی جڑ' ویسی شاخیں اور پھل پھول' حق یہ ہے کہ ساری سورۃ نساء مدنی ہے سوائے اس آیت کریمہ کے **ان اللہ یامرکم** اور اس میں بھی گفتگو ہے کہ یہ آیت مدنی ہے یا مکی' جو اسی آیت کی تفسیر میں عرض کی جائے گی' بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت کلالہ بھی مکی ہے۔ مگر یہ بھی قوی نہیں' بخاری شریف میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سورۃ بقرہ اور نساء کی جو آیت بھی اتری میری موجودگی میں اتری ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ام المومنین بعد ہجرت ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ کوفی قراء کے نزدیک اس میں ایک سو چھتر آیتیں ہیں۔ شامیوں کے نزدیک ایک سو ستتر' باقی قراء کے ہاں ایک سو پچھتر یہ اختلاف دو آیتوں کی وجہ سے پڑا' ایک **ان تضلوا السبیل** اور دوسری **لیعذبہم عذابا الیما** کوفی لوگ پہلی کو ایک ہی آیت مانتے ہیں۔ شامی دوسری آیت کو' باقی قراء فرماتے ہیں کہ وہ دونوں ایک ہی آیت کا جز ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

تعلق: سورۃ نساء کو سورۃ آل عمران سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** سورۃ آل عمران میں دو بیبیوں کا ذکر تھا' عمران کی بیوی حنہ اور عمران کی بیٹی مریم' اسی لئے اس کا سورۃ آل عمران تھا' اور اس سورت میں عام عورتوں کے احکام کا تذکرہ' گویا خاص بیبیوں کے ذکر کے بعد عام بیبیوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** سورۃ آل عمران میں غزوۂ احد کا تفصیلی ذکر تھا۔ اس سورۃ میں اسی غزوہ کے تتمہ بیان ہوگا **فما لکم فی المنفقین فئتین** میں گویا اصل واقعہ کے بعد تکملہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** سورۃ آل عمران میں غزوۂ احد کے بعد والے غزووں بدر صغریٰ وغیرہ کا اجمالی ذکر تھا' جیسے **الذین استجابوا للہ والرسول** اس سورۃ میں ان غزوات کا بقیہ مذکور ہوگا **ولا تہنوا فی ابتغاء القوم** تالیف ابن مسعود میں سورۃ نساء آل عمران سے پہلے ہے مگر تالیف متواتر میں بعد میں۔ ہماری عرض وگزارش سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ سورۃ نساء یہی میں ہونی چاہئے۔ (روح المعانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ

اے انسانو ڈرو اپنے رب سے وہ جس نے پیدا کیا تم کو ایک ذات سے اور

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور

خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

بنائی اسی ذات سے بیوی اسی کی اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت اور ڈرو

اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ

الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اس اللہ سے کہ ایک دوسرے سے مانگتے ہو اس کے طفیل اور قرابت داریوں سے بیشک اللہ ہے تم پر نگہبان

سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

تعلق: اس آیت کا سورۂ آل عمران کی آخری آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تم کامیاب ہو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ سے ڈرو اس لئے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا گویا تقویٰ کی دو وجہ ہیں' ایک انتہائی' دوسری ابتدائی' انتہائی وجہ کا پہلے ذکر ہوا تھا اور ابتدائی کا اب ذکر ہو رہا ہے' چونکہ امید سے ماننے والے زیادہ ہوتے ہیں' اور گزشتہ احسان کی بناء پر ماننے والے تھوڑے' اس لئے پہلے **تفلحون** کا ذکر ہوا اور اب **خلقکم** کا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا اللہ سے ڈرو مگر اس کی تفصیل نہ تھی اب اس آیت میں تقویٰ کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے' کہ حقوق العباد کا لحاظ رکھو کیونکہ درستی معاملات بھی تقویٰ کا رکن اعلیٰ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے آپس کے معاملات صاف رکھو تاکہ حساب میں آسانی ہو گویا حساب کا ذکر پہلے تھا اب تیاری حساب کا ذکر بعد میں ہو رہا ہے۔

تفسیر: یاایها الناس اتقوا ربکم: یا پکارنے کیلئے آتا ہے۔ لیکن اگر نبیوں کو پکارا جائے تو اظہار کرم مقصود ہوتا ہے۔ کفار کو پکارا جائے تو اظہار غضب' ورنہ سوتوں کو جگانے اور غافلوں کو بیدار کرنے کیلئے' یہاں تیسرے مقصد میں استعمال ہوا۔ الناس' انسان کی جمع ہے اصل میں الاناس تھا' الف لام آنے پر ہمزہ گر گیا لام نون میں مدغم ہو گیا اس کی تحقیق پہلے پارہ میں کی جا چکی ہے سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **الناس** میں خطاب اہل مکہ سے ہوتا ہے' اور **الذین امنو** میں خطاب اہل مدینہ سے' مگر بقیہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ **الناس** میں سارے ہی مکلف انسانوں سے خطاب ہے' کیونکہ اس میں الف لام استغراقی ہے جو سارے افراد کو گھیرتا ہے' نیز آگے ذکر ہو رہا ہے کہ تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور ظاہر ہے کہ اس ایک جان سے سارے ہی انسان پیدا ہوئے ہیں نہ کہ محض مکہ والے' نیز یہاں تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیا گیا ہے' جو سارے انسانوں پر لازم ہے' نہ کہ صرف مکہ والوں پر (تفسیر کبیر) حق یہ ہے کہ اس سے تاقیامت انسان مراد ہیں۔ گزشتہ انسان اس میں داخل نہیں

(تفسیر کبیر روح المعانی) اگرچہ بعض نے یہ بھی فرمایا کہ اس میں گزشتہ انسان بھی داخل ہیں مگر یہ قوی نہیں کہ اعمال زندے ہی کریں گے نہ کہ مردے ۲؎ اگرچہ جنات پر بھی تقویٰ و عبادات لازم ہے مگر چونکہ انسان اصل مقصود ہے جنات تابع نیز انسان کیلئے تقویٰ پر جنت ہے، جنات کیلئے نہیں نیز انسان تقویٰ پر وہ اعمال کر سکتا ہے جو جنات نہیں کر سکتے اس لئے صرف انسانوں سے خطاب ہوا۔ **اتقوا ربکم**: **اتقوا** اگرچہ مذکر کا صیغہ ہے مگر عورتیں بھی اس میں شامل ہیں یا اس لئے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں، یا اس لئے کہ ناس سب کو شامل تھا عورت ہو یا مرد مگر ناس تھا مذکر اس لئے ۱؎ **اتقوا** مذکر ارشاد ہوا ۲؎ رب فرما کر اپنا استحقاق عبادت بیان ہوا ۳؎ کہ چونکہ ہم تم کو پالتے ہیں، ہمارا تم پر حق ہے کہ تم ہم سے ڈرو، خوف رکھو، خیال رہے کہ کفار کیلئے تقویٰ ایمان ہے، اور مومنوں کا تقویٰ ہے نیک اعمال، اس لئے **اتقوا** میں کافر و مومن سب ہی سے خطاب ہے **الذی خلقکم من نفس واحدۃ** یہ عبارت **ربکم** کی صفت ہے اس میں رب تعالیٰ کے دوسرے احسان کا ذکر ہے یعنی ہم کو نیستی سے ہست کرنا، حق یہ ہے کہ **خلق** بمعنی ایجاد کرنا ہے نہ کہ صورت بخشنا یا بنانا، **کم** میں ہمارے انسانوں سے خطاب ہے اور **نفس واحدۃ** سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ وہ ہی ابو البشر ہیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ ہزارہا آدم گزرے ابو البشر صرف یہ آدم ہیں جو ہمارے باپ ہیں غلط ہے کہ وہ فرضی ہزارہا آدم بھی آدم تھے، وہ کس کی اولاد میں تھے ۴؎ اگر کسی کی اولاد سے نہ تھے تو حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر نہ رہے ۵؎ بعض بشر انکی بنوت سے خارج ہو گئے (تفسیر روح المعانی) ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت آدم علیہ السلام سے چھ ہزار سات سو پچاس سال بعد ہے، اس فرمان عالی میں اشارہ اس جانب ہے کہ انسان کو حسب نسب پر فخر نہ چاہئے، دوسرے مسلمانوں کو ذلیل نہ سمجھنا چاہئے کہ سب ایک بشر سے بنے ہیں **وخلق منہا زوجہا** یہ رب تعالیٰ کے تیسرے کرم اور تیسری قدرت کا ذکر ہے، چونکہ حضرت حواء کی پیدائش دوسری طرح تھی جس سے وہ آپ کی نہ تو بیٹی بنیں، نہ آپ ان کے والد ہوئے نہ تمام انسان حضرت حواء کے بھائی۔ اس لئے ان کے واسطے علیحدہ خلق فرمایا سب اس پر متفق ہیں کہ زوج سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی حوا علیہما السلام ہیں، چونکہ آپ کی پیدائش بے جان مٹی سے نہ ہوئی، بلکہ حی و جاندار آدم علیہ السلام سے ہوئی اس لئے آپ کو حواء کہا جاتا ہے حق یہ ہے کہ آپ جنت میں اس طرح پیدا ہوئیں کہ آدم علیہ السلام پر نیند طاری ہوئی، سوتے میں آپ کی ایک پسلی بغیر تکلیف نکالی گئی اس پر حضرت حواء کا قالب تیار فرمایا گیا اس طرح کہ جب آدم علیہ السلام جاگے تو آپ نے بی بی حوا کو اپنے پاس زندہ جاگتا بیٹھے پایا حضرت آدم علیہ السلام پہلے تنہائی سے گھبراتے تھے، آپ اپنی جنس دیکھ کر بہت خوش ہوئے، چاہا کہ آپ کو ہاتھ لگائیں۔ حکم ہوا کہ پہلے ان کا مہر ادا کرو، پھر ہاتھ لگاؤ، عرض کیا مہر کیا ہے، فرمایا ہمارے محبوب مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ستر بار درود شریف پڑھو، یہ ان کا مہر ہے، حضرت حواء بیس بار حاملہ ہوئیں، ہر حمل سے دو بچے پیدا ہوتے تھے، چالیس بچے پیدا ہوئے اور آپ کی وفات تک ایک لاکھ انسان پیدا ہو کر (اولاد در اولاد) اپنے کاروبار میں مشغول ہو چکے تھے (تفسیر صاوی) **وبث منہما رجالا کثیرا ونساء** یہ رب تعالیٰ کی چوتھی قدرت کا ذکر ہے **بث** بث سے بنا بمعنی پھیلانا۔ منتشر کرنا، رب تعالیٰ فرماتا ہے **وزرابی مبثوثۃ**: **منہما** کا مرجع حضرت آدم و حواء دونوں ہیں، چونکہ سب انسانوں کی پیدائش کی اصل صرف حضرت آدم علیہ السلام ہیں اس لئے وہاں **من نفس واحدۃ** فرمایا تھا، اور چونکہ انسانوں کا پھیلاؤ آدم و حواء علیہما السلام دونوں سے ہوا اس لئے یہاں **منہما** ارشاد ہوا، مرد افضل ہے اس لئے اس کا ذکر عورت سے پہلے ہوا، مرد ظاہر ہے کہ باہر نکلنے کا کام کاج کرنے کیلئے پیدا ہوا

ہے، عورت باپردہ گھر میں رہنے کیلئے۔ مردوں کی کثرت دیکھنے میں آتی ہے، عورتوں کی کثرت و تعداد دیکھنے میں نہیں آتی اس لئے مردوں کو کثیر فرمایا، تو عورتوں کو کثیر نہ فرمایا، اگرچہ عورت و مرد دونوں کثیر ہیں۔ (تفسیر کبیر) **نساء**، **نسوۃ**، **امراۃ** کی جمع ہے، خلاف قیاس **واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام** یہ عبارت گزشتہ مضمون کا نتیجہ ہے۔ **تساء لون** باب تفاعل کا مضارع ہے، یہاں مقابلہ کیلئے استعمال ہوا، معنی ایک دوسرے سے مانگنا، بہ میں ب توسل کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو، کہتے ہو رب تعالیٰ کے واسطے مجھے یہ دو۔ جس کا نام ایسا کارساز ہے تو سوچو نام والا رب کیسا ہے: ارحام رحم کی جمع ہے۔ رحم عورت کی بچہ دانی کو کہتے ہیں مگر مراد نسلی رشتہ داریاں ہیں، چونکہ تمام نسلی رشتوں کی اصل یہ بچہ دانی ہی ہوتی ہے، اس لئے رحم سے مراد رشتہ داریاں ہوتی ہیں، یا تو ارحام لفظ اللہ پر معطوف ہے اور اتقوا کا مفعول ہے جار مجرور کے مجموعہ پر معطوف یا صلوا، احفظوا وغیرہ پوشیدہ فعل کا مفعول ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی رشتہ داریوں سے ڈرو یا تم اللہ تعالیٰ اور قرابت داریوں کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو یا اللہ سے ڈرو اور قرابت داریاں نہ توڑو **ان اللہ کان علیکم رقیبا** یہ جملہ گزشتہ احکام پر عمل کرانے کیلئے ہے، اس میں بدکاروں کو دھمکی بھی ہے اور نیک کاروں کیلئے بشارت بھی، یہ وعدہ بھی ہے وعید بھی، رقیب رقابۃ سے بمعنی حفاظت۔ رقیب، حافظ و محافظ کامل جس کی حفاظت سے کوئی چیز خالی نہیں، یعنی ہمارے سارے احکام پر کاربند رہو، یقین رکھو کہ ہم تمہارے اور تمہارے ہر کام کے حافظ ہیں، کوئی چیز ہمارے علم سے باہر نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے دو سورتوں کو اس مضمون سے شروع فرمایا، ایک سورۃ نساء کو جو اول قرآن کی چوتھی سورت ہے، دوسرے سورۃ حج کو جو آخری نصف کی چوتھی سورت ہے، مگر یہاں مبداء کا ذکر فرما کر تقویٰ کا حکم دیا گیا کہ فرمایا گیا **خلقکم** اور سورۂ حج میں منتہیٰ کا ذکر ہوا کہ ارشاد ہوا **ان زلزلۃ الساعۃ شیء عظیم** پہلی سورت میں مبدء کا ذکر ہے آخری سورت میں منتہاء کا ارشاد ہوا کہ اے سارے انسانو! اس رب سے ڈرو جو تمہارا پالنہار ہے، جس کی پرورش سے تم کبھی مستغنی نہیں، جس نے تم سب مختلف انسانوں کو ایک شخص آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے پیدا کیا، اس کی قدرت تو دیکھو کہ اس نے ایک آدم سے پہلے ان کی ایک بیوی کو اس طرح پیدا کیا کہ ان کی پسلی سے انہیں بنا دیا، پھر ان دونوں آدم و حوا علیہما السلام سے بہت سے مرد و عورت بکھیر دیئے، پھیلا دیئے کہ باوجود اصل ایک ہونے کے یہ لوگ رنگ و روپ، مزاج، عادات، غذا، لباس، زبان و طرز معاشرت میں جدا گانہ ہیں، دوسرے جانوروں کی طرح یک شکل، یک زبان و یک غذا نہیں، جو رب تعالیٰ ایک جان سے اتنی رنگ برنگی مخلوق پیدا کر سکتا ہے وہ کل قیامت میں انہیں مٹی سے دوبارہ نکال سکتا ہے، لہٰذا ہر وقت اس سے ڈرتے رہو، جس کے نام پر فقیر امیروں سے بعض انسان بعض سے مانگا کرتے ہیں، جب کسی سے کچھ مانگنا ہو تو کہتے ہیں اللہ کیلئے اللہ کے نام پر مجھے یہ دو، اور آپس کی قرابت داریوں کا بہت لحاظ رکھو، صلہ رحمی کرو، قطع رحمی نہ کرو کہ اس کی سخت سزا ہے۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا، تمہارے حالات کا حافظ ہے ہر حال میں تمہیں دیکھ رہا ہے، جب اس کا علم و حکمت اتنا وسیع ہے تو اس کا مجرم بجز اس کے کرم کے اور کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اس کے کرم کے حقدار بن کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہو۔

صلہ رحمی: مسلمانوں پر جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ ضروری ہے، ایسے ہی اپنے قرابت داروں کے حق ادا کرنا بھی نہایت

ضروری ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا** یعنی رب تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سواء کسی کو نہ پوجو۔ اور ماں باپ سے بھلائی کرو' اور فرماتا ہے **ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم** اور فرماتا ہے **وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین** مسلم بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کی' فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم رحم عرش سے معلق ہے پکار رہا ہے جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے اپنے سے ملائے گا' اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسے جدا کریگا۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی' فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے کہ اس کے رزق و عمر میں برکت ہو' وہ رشتہ داروں سے سلوک کرے' مسلم و بخاری نے حضرت جبیر ابن مطعم سے روایت کی' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاطع رحم جنت میں نہ جائے گا امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے نام پر تم سے مانگے اسے ضرور دو' اور جو قرابت داری کے واسطے سے کچھ مانگے اسے ضرور دو (خازن) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قرابت سے سلوک کرنے والا فقیری اور خرابی خاتمہ سے محفوظ رہے گا نیز فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنے ظالم قرابت دار پر کرے۔ (تفسیر کبیر) غرضیکہ اپنے عزیزوں قریبوں پر سلوک بہت ہی مفید ہے' دنیا میں بھی' آخرت میں بھی' اس سے زندگی' موت' آخرت سب سنبھل جاتی ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: خدا تعالیٰ کا خوف ہر انسان پر لازم ہے مسلمان ہو یا کافر' مسلمان رب تعالیٰ سے ڈر کر متقی بن جائے' کافر رب تعالیٰ سے خوف کر کے مسلمان ہو جائے جیسا کہ **یا ایھا الناس** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: سارے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' اولاد آدم علیہ السلام صرف ایک ہیں اور عالم انسان بھی ایک ہی ہے' جیسا کہ **من نفس واحدۃ** سے معلوم ہوا' جو کہے کہ عالم بہت سے ہیں' اور آدم دس لاکھ ہیں' ہر عالم میں علیحدہ علیحدہ انسان ہیں' جیسا کہ روافض کا عقیدہ ہے وہ اس آیت کا منکر ہے' اس جیسی روایتوں کے راوی یہ ہی لوگ ہیں' کوئی حدیث حضرت ابن عباس کوئی محمد باقر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کردی گئی ہے' وہ تمام روایتیں موضوع ہیں' اس آیت کریمہ کے خلاف (از روح المعانی مع زیادہ)۔ تیسرا فائدہ: حضرت حواء آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی نہ تھیں بلکہ بیوی تھیں' جیسا کہ **زوجھا** سے معلوم ہوا۔ آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے ایسی ہوئی' جیسے تخم سے درخت کی (صاوی)۔ چوتھا فائدہ: آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صرف ایک ہی بیوی تھیں' دو چار نہ تھیں' لہٰذا سارے انسان حضرت حواء کی اولاد ہیں جیسا کہ **زوجھا** واحد فرمانے سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: انسان کی کوئی قوم ذلیل نہیں کہ سب کی اصل ایک آدم و حواء ہیں' سب ایک اصل کے نخل کی شاخیں ہیں' ہاں ذلت' کفر یا بد عملیوں سے ہے۔ جیسا کہ **بث منھما** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: عورتوں پر پردہ ہے مردوں پر نہیں جیسا کہ **رجال** کو **کثیر** فرمانے سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے نام پر مخلوق سے مانگنا جائز ہے' خواہ زندہ بندوں سے مانگے یا وفات یافتہ مقبولوں سے' لہٰذا یہ کہنا کہ **شیئا للہ** درست ہے' جیسا کہ **تساءلون بہ** سے معلوم ہوا۔ (از تفسیر کبیر مع زیادۃ) فقہاء جو **شیئا للہ** سے منع کرتے ہیں وہ جب ہے جبکہ للہ میں لام نفع کا ہو' یعنی یہ کہا جائے کہ اللہ کیلئے کچھ دو' اسے تمہاری عطاء کی ضرورت ہے' ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

رضاء کیلئے مجھے کچھ دو۔ (از شامی) **آٹھواں فائدہ:** قرابتداری کے واسطے سے مانگنا درست ہے' جیساکہ **والارحام** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** کوئی شخص اپنے نسبی قرابتدار کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا' اگر اسے خریدے تو فوراً آزاد ہو جائے' جیساکہ **والارحام** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ کیونکہ غلام بنانے میں قطعیہ و رحم ہے اور آیت صلہ رحمی کا حکم دے رہی ہے۔ (حنفی) **دسواں فائدہ:** ذی رحم قرابتدار کو ہبہ دیکر رجوع کرنا درست نہیں کہ اس میں ذی رحم پر قطع رحمی ہے۔ (حنفی) یہ آخری دونوں فائدے تفسیر کبیر نے بیان فرمائے' غرضیکہ اہل قرابت سے سلوک بہت ضروری ہے۔
گیارھواں فائدہ: لوگوں سے اپنی قرابتداریاں معلوم کرنا بہت اچھا ہے کہ ان سے بقدر رشتہ احسان کئے جائیں جیساکہ حدیث شریف میں ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر بھی عبادات و تقویٰ لازم ہے کہ یہاں **الناس** فرماکر **اتقوا** کا حکم دیا گیا' حالانکہ کفار پر نہ عبادات لازم ہیں' نہ تقویٰ ضروری۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ کفار کا تقویٰ وہ عبادات قبول ایمان ہے جو ان پر لازم ہے' جیسا مخاطب ویسا تقویٰ دوسرے یہ کہ کفار پر بھی عبادات و تقویٰ لازم ہے مگر شرط ایمان یعنی ان کو حکم ہے کہ ایمان لاکر نماز پڑھو' اسی لئے انہیں قیامت میں ترک عبادات پر بھی سزا ملے گی **قالوا الم نک من المصلین۔**
دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام ایک ہی ہیں اور سارے انسان ان کی اولاد' مگر اثر ابن عباس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے ہر طبقے میں انسان ہیں' ان میں آدم بھی ہیں' نوح بھی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی' تو زمین کے سات طبقوں میں سات قسم کے انسان' ان کے سات آدم' سات نوح' سات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت اور وہ اثر ابن عباس مطابق کیونکر ہوں؟ **جواب:** تفسیر روح المعانی وغیرہ مفسرین نے ان جیسے آثار و احادیث کو محض موضوع' روافض کی اختراع و گڑھنت قرار دیا' اگر اس جیسے آثار درست بھی ہو' تو وہاں ان طبقات میں جو انسان ہیں وہ بھی ان ہی ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' اور ان میں آدم و نوح علیہما السلام جیسے آدمی موجود ہیں نہ کہ حقیقتہً آدم و نوح علیہما السلام' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولکل قوم ھاد** جیسے زمین کے اس اوپری طبقے میں ہر جگہ انسان آباد ہیں' اگر اور طبقات میں بھی ہوں تو رب تعالیٰ قادر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت حواء بھی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی اور دوسرے انسانوں کی بہن ہیں' کیونکہ **خلقکم** میں جب خلق سے مراد بطور نسل پیدا فرمانا ہے تو **خلق منھا** میں بھی بطور نسل پیدائش ہی مراد ہونی چاہئے۔ **جواب:** قرآن کریم کی یہ آیت ہی بتا رہی ہے کہ حضرت حواء کی پیدائش آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بطور نسل نہیں' اگر دوسرے انسانوں کی طرح بطور نسل ہوتی' تو ان کیلئے علیحدہ خلق نہ فرمایا جاتا' پہلا خلق کافی ہوتا' نیز پھر ان حواء کو حضرت آدم کی زوجہ نہ فرمایا جاتا بلکہ بنت فرمایا جاتا' نیز آگے **بث منھما** ارشاد نہ ہوتا کہ ہم نے ان دونوں آدم و حواء سے باقی انسان بنائے۔ **نوٹ:** خیال رہے کہ نطفہ سے پیدائش نسلی پیدائش ہے' اس کے سواء اور طریقہ سے پیدائش نسلی نہیں' حضرت حواء کی پیدائش پسلی والی ہے نہ کہ نطفے سے نسل والی' ہاں چونکہ حضرت حواء آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم جنس تھیں' اسی لئے ان سے نکاح درست ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت حواء بھی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح مٹی سے ہی پیدا ہوئیں' نہ کہ ان کی پسلی سے' یہاں **خلق منھا** میں من بیان جنس کیلئے ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **جعل لکم من**

انفسکم ازواجا اور فرماتا ہے **وخلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا** دیکھو یہاں بھی من موجود ہے مگر ہماری بیویاں ہماری پسلیوں سے پیدا نہ ہوئیں۔ (مرزائی محمد علی صاحب لاہوری) جواب: یہ محض غلط ہے 'قرآن کریم نے مٹی سے پیدائش صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمائی۔ کسی جگہ حضرت حواء کی پیدائش مٹی سے بیان نہ کی اگر جناب حواء کی پیدائش بھی مٹی سے ہی ہوتی تو کہیں تو قرآن کریم میں بھی اس کا بھی ذکر ہوتا حضرت حواء کیلئے جہاں بھی ارشاد ہے' وہاں **منھا زوجھا** ہی ہے' یہ من بیان جنس کیلئے نہیں بلکہ تبعیضیہ ہے اس کی شرح بخاری شریف کی وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **فانھن خلقن من ضلع** عورتوں کی اصل پیدائش پسلی سے ہے ان جیسی صاف نصوص میں بلاوجہ تاویلیں کرنا دراصل قرآن کریم وحدیث شریف کی تحریف ہے ایسی تاویلوں سے قرآن کریم کی تمام آیات مسخ ہو کر رہ جائیں گی۔ **پانچواں اعتراض:** آخر حضرت حواء کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمانے میں فائدہ کیا انہیں بھی مٹی ہی سے کیوں نہ بنایا۔ **جواب:** اس میں صدہا فائدے ہیں جنہیں رب تعالیٰ جانتا ہے۔ بظاہر فائدے حسب ذیل ہیں۔ (1) رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار کہ زندہ کو زندہ سے پیدا فرما سکتا ہے' ورنہ قانون یہ ہے کہ بے جان نطفے یا انڈے سے جاندار انسان یا جانور بنے اور جاندار انسان یا چڑیا سے بے جان نطفہ یا انڈا بنے **یخرج الحی من المیت** الخ وہاں زندہ کو زندہ سے بنا کر دکھا دیا۔ (2) اس طرح پیدائش میں مرد و عورت میں الفت و محبت قائم رہی کہ عورت مرد کا جزء ہوئی اور جزء سے محبت ہوتی ہی ہے۔ (3) اس طرح پیدائش سے مرد عورت کی اصل اور اس سے اعلیٰ ہوا **الرجال قوامون علی النساء** اگر حضرت حواء بھی آدم علیہ الصلوٰۃ کی طرح مٹی سے ہی بنتیں تو آپ کے برابر ہوتیں نہ کہ آپ کے ماتحت۔ **چھٹا اعتراض:** مرد بھی بہت ہیں عورتیں بھی بہت 'پھر یہاں صرف مردوں کو کثیر کیوں فرمایا عورتوں کو کیوں نہ فرمایا؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ مردوں کی کثرت محسوس ہے۔ عورتوں کی کثرت غیر محسوس ہونی چاہئے کہ ان پر پردہ لازم ہے ان کی کثرت آنکھوں سے اوجھل ہے۔ **ساتواں اعتراض:** جنت میں حضرت آدم علیہ السلام پر نیند کیسے طاری ہو گئی' وہ جگہ تو نیند کی ہے ہی نہیں کہ نیند موت کی چھوٹی بہن ہے' نہ وہاں موت ہے نہ اس کی چھوٹی بہن نیند 'پھر یہ کہنا کہ آپ سو گئے اور سوتے میں آپ کی پسلی الگ کر کے اس پر حضرت حواء کا قالب تیار ہوا غلط ہے۔ **جواب:** بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت حواء کی پیدائش جنت میں نہ ہوئی' بلکہ زمین پر ہوئی جنت میں جانے سے پہلے 'بعض فرماتے ہیں جنت میں ہی پیدائش ہوئی مگر جنت میں نیند نہ ہونا جب ہو گا' جبکہ جنتی بطور جزاء و ثواب وہاں جائیں گے۔ آپ کا وہ داخلہ بطور جزاء نہ تھا اس لئے وہاں سے باہر آ گئے۔ اور بعد کو وفات بھی پا گئے۔ ورنہ جزاء کیلئے داخلہ پر نہ وہاں سے نکلنا ہے نہ موت **خلدین فیھا ابدا** **آٹھواں اعتراض:** جنت میں تو بے شمار حوریں موجود تھیں 'کیا وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے حلال نہ تھیں 'اگر حلال نہ تھیں تو کیوں؟ وہ تو نبی ہی انسان کیلئے ہیں اگر حلال تھیں 'تو آپ کا دل وہاں کیوں گھبرایا اور حضرت حواء کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ **جواب:** اس وقت وہاں حوریں تھیں 'مگر آپ کیلئے حلال نہ تھیں کہ حوریں صرف جزاء کیلئے بطور ثواب حلال ہوں گی 'حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو وہاں صرف رہنے سہنے 'کھانے پینے کی اجازت تھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فکلا منھا** تم دونوں وہاں کھاؤ پیو۔ حوروں کے بارے میں فرماتا ہے **لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان** ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں جنت میں تشریف لے گئے' حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت میں ہی رہتے ہیں 'وہاں کی نعمتیں کھاتے ہیں۔ شہداء کی روحیں جنت ہی میں رہتی ہیں

روزیاں باقی ہیں یرزقون فرحین مگر کسی کو حوریں حلال نہیں کہ ان کی حلت کا وقت بعد قیامت ہے' اگر کسی انسان نے انہیں چھوا ہوتا تو آیت کریمہ لم یطمثھن کیسے درست ہوتی۔ نواں اعتراض: آخر اس میں حکمت کیا تھی کہ اس وقت حوریں ہونے کے باوجود حضرت حوا پیدا کی گئیں اور حوریں علیحدہ رکھی گئیں۔ جواب: اس کی حکمت بالکل ظاہر ہے کہ حوریں صرف خدمت و راحت کیلئے ہیں نہ کہ نسل کی پیدائش کیلئے کیونکہ نسل کی پیدائش اپنی ہم جنس بیوی سے ہو سکتی ہے۔ اور حوریں بشر یا انسان نہیں' وہ تو جنت کے زعفران سے پیدا ہوئیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (روح المعانی) اس لئے جنت میں نسل نہ ہوگی' صرف جزاء ہوگی' اور اس وقت نسل کی ضرورت تھی کہ دنیا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ کی نسل سے ہی پیدا ہونے والی تھی' اسی نسل کیلئے ان ہی کی ہم جنس بیوی حضرت حوا پیدا ہوئیں' آج بھی انسان کا نکاح جنات یا گائے بھینس جانور سے نہیں ہو سکتا' کہ اس نکاح سے نسل حاصل نہیں ہو سکتی۔ دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح رحموں سے بھی ڈرنا چاہئے کہ والارحام لفظ اللہ پر معطوف ہے' رحم سے کیا ڈرنا؟؟ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ والارحام پوشیدہ فعل کا مفعول ہے اور یہ جملہ اتقوا پر معطوف تب تو کوئی اعتراض ہے ہی نہیں اور اگر ارحام لفظ اللہ پر معطوف بھی ہو تو مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قطع رحم یعنی قرابت داروں پر ظلم سے بچو کیونکہ اس کا عذاب سخت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ہر کثرت کی انتہاء وحدت پر ہے' آسمان میں کروڑوں تارے مگر ایک سورج سے منور درخت میں ہزارہا پتے و شاخیں مگر ان کا مرکز ایک جڑ' جسم میں بہت سے اعضاء مگر سب کا اصل ایک دل' ملک میں لاکھوں آدمی' مگر ان کا بادشاہ یا صدر ایک ریل میں بہت سے ڈبے مگر انجن ایک' مخلوق کروڑوں مگر خالق ایک' پھر اس ایک مبداء فیاض سے پہلا فیض لینے والا مستفیض بھی ایک' جڑ سے ایک تنا پہلے فیض لیتا ہے اس سے دوسرے' سورج سے پہلے مستفیض چاند' ایک بادشاہ سے پہلا مستفیض وزیر اعظم ایک دل سے پہلا فیض لینے والا دماغ ہے' تو چاہئے عالم انسان کی اصل ایک ہی ہو۔ اس ہی اصل کا نام آدم ہے' اور اس ایک فیاض سے پہلا فیض لینے بھی ایک' اس کا نام حوا ہے یہ تو عالم اجسام میں تھا' عالم انوار میں سارے عالم کی اصل ایک نور محمدی و حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس مبداء فیاض سے پہلا فیض لینے والا ایک ہے یعنی حقیقت صدیقیہ جیسا کہ روایات میں ہے' دیکھو ہماری کتاب رسالہ نور لب ذرا اپنے میں غور کرو تو ہمارا دل گویا آدم ہے' دماغ یا نفس گویا حوا ان دونوں کے اختلاط سے کروڑوں اعمال پیدا ہوئے جن میں دینی اعمال گویا مرد ہیں' دنیوی مشاغل گویا عورتیں' ہماری شخصی زندگی یہ دنیا ہے' یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ اس رب سے ڈرتے رہو جو وحدت سے کثرت اس طرح پیدا فرماتا ہے' اور دل و نفس سے قطع تعلق نہ کرو ان سے بہت سے اچھے اعمال کے پھل پیدا ہوں گے' اللہ تعالیٰ تمہیں ہر وقت دیکھ رہا ہے اس سے ڈرتے رہو' جو کچھ کرو اس سے ڈرتے ہوئے کرو' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے معنی ہیں نفس کو اخروی نقصان دہ چیزوں سے بچانا' تقویٰ تین قسم کا ہے' کفر و شرک سے اپنے کو بچانا تقویٰ عوام ہے' گناہوں سے بچانا تقویٰ خواص اغیار سے بچا کر یار تک نفس کو پہنچانا تقویٰ خاص الخاص' اللہ تعالیٰ رقیب ہے' تو انسان کو چاہئے کہ مراقبہ میں مشغول رہے کہ اپنے ہر حال پر کڑی نگرانی رکھے' مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کو رقیب سمجھ کر اپنا حساب خود لیتا رہے' خواہ رقبہ یعنی گردن جھکا کر ہو یا سوتے وقت جب گردن بستر پر رکھے خواہ ہر حال میں اپنی نگرانی کرنے کا نام مراقبہ ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا

اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو گندا ستھرے کے عوض اور نہ

اور یتیموں کو ان کے مال دو اور ستھرے کے بدلے گندا نہ لو اور ان کے

تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ بے شک یہ بڑا ہی جرم ہے

مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھاؤ بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بندوں کو رب تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ یتیموں کے مال سے بچنا بھی اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت سے معلوم ہوا تھا کہ انسان مختلف احکام کا مکلف ہے' اب ان احکام کی ترتیب وار تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ (کبیر)
تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ سارے مرد و عورت ایک اصل کی نسل ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جب تم اصل میں ایک ہو تو دوسرے پر ہرگز ظلم نہ کرو' گویا پہلے قاعدے کا ذکر تھا اب اس کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں قطع رحمی سے ڈرایا گیا تھا اب اس کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے' اجمالی حکم کے بعد تفصیل کا بیان ہے۔

شان نزول: قبیلہ بنی غطفان میں ایک شخص کا بھائی فوت ہوا جو امیر کبیر تھا' اس کا مال اور اس کا یتیم بچہ اس نے سنبھالا' جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے اپنے باپ کے مال کا مطالبہ کیا' چچا نے مال دینے سے انکار کر دیا' جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب کا رواج تھا' یہ یتیم بچہ بارگاہ رسالت میں فریادی ہوا' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جب چچا نے یہ آیت سنی تو بولا ہم اللہ رسول کا مطیع و فرماں بردار ہوں' بڑے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ' یہ کہہ کر مرحوم بھائی کا سارا مال اس کے بیٹے کے حوالے کر دیا۔ (کبیر' خازن' بیضاوی' خزائن العرفان' روح المعانی' بیان وغیرہ)۔

تفسیر: واتوالیتمی اموالھم: اتوا' ایتاء سے بنا' بمعنی دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **واتوا الزکوۃ:** اس میں خطاب یتیموں کے والیوں سے ہے جو یتیم بچوں کی پرورش کریں اور ان کا مال میراث سنبھالیں۔ **الیتامی** یتیم کی جمع ہے' اس طرح کہ اولاً یتیم کی جمع یتمی بنی' پھر یتمی کی جمع یتامی جیسے اسیر کی جمع اسری پھر اس کی جمع اساری ایسے ہی ندیم کی جمع اولاً ندمی پھر ندامی' ورنہ فعیل کی جمع بروزن فعالیٰ نہیں آتی بلکہ بروزن فعال آتی ہے یا بروزن فعلاء جیسے کریم کی جمع کرام یا شہید کی جمع شہداء یتیم یتم سے بنا بمعنی اکیلا یا علیحدہ ہونا' سیپ کے اکیلے موتی کو در یتیم کہا جاتا ہے' اور میدان میں دوسرے پہاڑوں سے ہٹے ہوئے پہاڑ کو جبل یتیم بولتے ہیں' اصطلاح میں وہ نابالغ بچہ جس کا باپ مر گیا ہو یتیم کہلاتا ہے' اور وہ جانور کا چھوٹا بچہ جس کی ماں مر جائے یتیم ہے کہ وہ اپنے مددگار و معاون سے علیحدہ ہو گیا' اکیلا رہ گیا' بلوغ کے بعد یتیمی جاتی رہتی ہے' یہاں **الیتامی** میں الف لام عہدی ہے' اور اس سے وہ یتیم مراد ہیں جن کے پاس مال ہو والی کے قبضہ میں۔ اموال جمع فرما کر یہ بتایا کہ یتیموں کے ہر قسم کے

منقول و غیر منقول مال ان کے حوالہ کرو' خیال رہے کہ یتیم کو اس کا مال بعد بلوغ دیا جائے گا اب اس وقت اسے یتیم کہنا مجاز ا ہے کہ پہلے وہ یتیم تھا جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **والقی السحرة ساجدین** حالانکہ فرعونی جادوگر سجدہ میں گرتے وقت جادوگر نہ رہے تھے' اور ہو سکتا ہے کہ یتیم سے مراد نابالغ یتیم ہی ہوں مگر اٰتوا کے معنی یہ ہوں کہ بلوغ پر انہیں مال دے دینا یعنی حکم آئندہ کیلئے ہو۔ فتویٰ اس پر ہے کہ لڑکے لڑکی کے بلوغ کی انتہائی عمر پندرہ سال ہے' ابتدائی عمر لڑکے کے بلوغ کی بارہ سال ہے اور لڑکی کے بلوغ کی نو سال: **ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب** یہ دوسرا حکم ہے جو یتیموں کے والیوں کو دیا جا رہا ہے۔ خبیث سے مراد ردی مال ہے یا حرام مال اور طیب سے مراد کھرا مال ہے یا حلال: تبدل سے مراد ہے بدلہ میں لے لینا یعنی یہ نہ کرو کہ اپنا ردی مال تو یتیموں کے مال میں رکھ دو' اور ان کا کھرا مال لے کر خود کھا جاؤ' یا یہ نہ کرو کہ خود حلال کمائی نہ کرو ان کا مال جو تمہارے لئے حرام ہے خرچ کرو **ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم** یہ تیسرا فرمان عالی ہے' اس میں بھی خطاب یتیموں کے والیوں سے ہے' اگرچہ اکل کے معنی ہیں کھانا مگر یہاں مراد مطلقاً استعمال کرنا ہے' چونکہ کھانا اصل مقصود ہے' اس لئے اکثر کھانا بول کر استعمال کرنا مراد لیتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا**: ہم بھی سود لینے والے کو سود خور کہتے ہیں الیٰ بمعنی مع ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **من انصاری الی اللہ: ای مع اللہ** (کبیر) یعنی اے والیو! یہ بھی نہ کرو کہ یتیموں کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ یا برتو' جب اپنے مال سے ملا کر استعمال کرنا حرام ہوا تو ان کا مال ہی برتنا بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔ خیال رہے کہ یہاں بدنیتی سے ملانے کی ممانعت ہے جبکہ برائے نام اپنا مال ملا کر زیادہ یتیموں کا اور کھا جائے' لیکن اگر اس نے ان کا آٹا' سبزی' گوشت ملا کر پکایا ہے تاکہ ان کا خرچ کم ہو علیحدہ پکانے میں یتیم کا نقصان ہے تو بالکل جائز ہے بلکہ بہتر ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وان تخالطوھم فاخوانکم فی الدین** لہٰذا آیات میں تعارض نہیں: **انہ کان حوبا کبیرا**: اس عبارت میں گزشتہ جرموں کی برائی کا ذکر ہے' ہ کا مرجع وہ سارے کام ہیں جن سے ابھی منع کیا گیا یعنی یتیم کے اچھے مال سے برے مال کی تبدیلی۔ یتیم کا مال اپنے سے ملا کر' بہانہ بنا کر کھا جانا' یتیم کا مال نہ دینا کان بمعنی تھا یا بمعنی ہے: حوب کے لغوی معنی ہیں روکنا منع کرنا اب بڑے گناہ کو حوب کہتے ہیں کہ اس سے روکا اور منع کیا جاتا ہے' یوں تو حوب کے معنی ہی میں سختی تھی' پھر کبیر فرما کر اس کی سختی اور زیادہ بیان ہوئی یعنی یہ مذکورہ حرکات یتیم کا مال اسے نہ دینا' اس کا اچھا مال لے کر برا مال رکھ دینا' بہانہ سے اس کا مال اپنے مال میں ملا کر کھا جانا' پہلے ہی سے علم الٰہی یا لوح محفوظ میں سخت گناہ تھا یا سخت گناہ ہے۔ جس کی معافی نہیں ہو سکتی' کیونکہ یہ حق العباد ہے' جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

خلاصہ ء تفسیر: اسلام سے پہلے عرب کے خطہ میں جہاں اور صدہا برائیاں پھیلی ہوئی تھیں وہاں یتیموں پر ظلم' نیز عورتوں پر زیادتیاں بھی بہت عام تھیں' قرآن کریم نے اور برائیوں کے ساتھ ان دونوں برائیوں کا بھی قلع قمع فرمایا' چونکہ یتیم لاوارث بھی ہوتا ہے کمزور بھی' اس لئے اس پر ظلم بدترین گناہ' رب تعالیٰ نے اس کی جگہ جگہ سخت ممانعت فرمائی' کہیں فرمایا یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ' کہیں فرمایا جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں' کہیں فرمایا کہ دوسروں کے یتیموں سے وہ سلوک کرو جو سلوک تم اپنے مرے بعد اپنے یتیموں سے چاہتے ہو: غرضیکہ یتیموں کے حقوق ادا کرنے کی بہت ہی زیادہ تاکید فرمائی' یہ آیت اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے' یہاں حکم دیا گیا کہ اے یتیموں کے والی وارثو! تمہارے

قبضہ میں یتیموں کا جو مال بھی ہو' خواہ میراث سے ملا ہو یا کسی کا دیا ہو یا ان کا اپنا کمایا ہوا' جب وہ بالغ ہو جائیں تو ایک ایک پائی ان کو دے دو' خبردار کچھ روک نہ رکھنا' نیز یہ شرارت بھی نہ کرنا کہ اپنا ردی مال ان کے مال میں رکھ دو اور ان کا عمدہ مال خود لے کر معاوضہ کا بہانہ بنا کر کھا جاؤ' نیز یہ حرکت بھی نہ کرنا کہ ان کے مال میں دکھاوے کیلئے کچھ اپنا مال ملا دیا اور سب کچھ رگڑ گئے۔ یہ سارے کام سخت جرم ہیں کہ یہ ظلم ہے اور وہ بھی کس پر' بے زبان' نادان' مجبور پر' جو کسی سے فریاد بھی نہ کر سکے' ایسے گناہ نہ تو توبہ سے معاف ہوں کہ حق العبد ہیں' حقوق العباد' توبہ عبادات ریاضات سے معاف نہیں ہوتے' نہ خود یتیموں کے معاف کرنے سے معاف ہوں کہ وہ یتیم نابالغ ہیں' نابالغ نہ تو اپنی چیز کسی کو دے سکتا ہے نہ معاف کر سکتا ہے لہٰذا یہ گناہ سخت خطرناک ہیں ان سے ہمیشہ بچو ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: یتیم کی پرورش اس کے مال کا انتظام اس کے ولی وارثوں کے ذمہ ہے کہ وہ ہی یتیموں کو رکھیں' ان کے مال کی حفاظت کریں جیسا کہ **واتوا** سے معلوم ہوا' اگر ولی ان کا مال نہ رکھتے تو دینے کے کیا معنی؟ وہ چیز دی جاتی ہے جو قبضہ میں ہو۔ دوسرا فائدہ: بعد بلوغ یتیم کو اس کا مال بہرحال دے دیا جائے' خواہ وہ عقلمند ہو یا بے وقوف' جیسا کہ **اتوا الیتمی** کے عموم و اطلاق سے معلوم ہوا (احناف)۔ تیسرا فائدہ: لڑکیوں کو میراث نہ دینا لڑکوں کا سب پر قبضہ کر لینا سخت جرم و حرام ہے' یہ بھی یتیموں کا مال مارنے کی ایک قسم ہے' لڑکیوں کا حق ان کو دو' اپنا حق تم لو۔ چوتھا فائدہ: یتیم خانوں میں جو یتیموں کے نام پر چندہ جمع ہوتا ہے وہ بھی یتیموں کا مال ہے ان پر ہی خرچ کرو اس میں غبن بے ایمانی بھی اس میں ہی داخل ہے۔ پانچواں فائدہ: جب میت کے بعض وارث نابالغ ہوں تو اس کے مشترکہ ترکے سے فاتحہ' خیرات' صدقات کرنا حرام ہے' کہ اس میں مال یتیم مخلوط ہے' پہلے ترکہ تقسیم کریں پھر بالغ ورثاء اپنے حصہ سے یہ کار خیر کریں۔ چھٹا فائدہ: عورت کا کفن پانچ کپڑے ہیں' مرد کا کفن تین کپڑے' باقی اوپر کی چادر' جاء نماز کا کپڑا جو بعد میں خیرات کر دیئے جاتے ہیں۔ کفن سے علیحدہ ہیں' یہ مشترکہ متروکہ مال سے لوانہ کئے جائیں کہ اس میں یتیم کے مال کی خیرات ہے جو حرام ہے۔ ساتواں فائدہ: یتیم کا ولی وارث یتیم کیلئے کسی سے مال لے سکتا ہے مگر کسی کو یتیم کا مال دے نہیں سکتا کہ لینے میں یتیم کا نفع ہے دینے میں اس کا نقصان۔ آٹھواں فائدہ: اگر ولی یتیم کا نکاح کرے تو اس کے مال سے دعوت ولیمہ وغیرہ نہیں کر سکتا' اور اگر کرے تو یہ کھانا حرام ہے کہ اس میں یتیم کا مال کھانا ہے۔ نواں فائدہ: بدنیتی سے یتیم کا مال اپنے مال سے مخلوط کرنا حرام ہے کہ اس بہانہ سے اس کا مال کھائے' نیک نیتی سے جائز بلکہ ثواب ہے' بدنیتی سے مال ملانے کی حرمت یہاں مذکور ہوئی اور نیک نیتی کا جواز وہاں ہے **وان تخالطوھم فاخوانکم فی الدین** دسواں فائدہ: ضعیف پر ظلم کرنا قوی پر ظلم کرنے سے زیادہ خطرناک جرم ہے' کہ ضعیف ظلم سے بچنے یا بدلہ لینے پر قادر نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے یتیم کے مال کھانے کو حوب بھی فرمایا اور کبیر بھی' اسی لئے فقہا فرماتے ہیں کہ جانور بے زبان پر ظلم کرنا انسان پر ظلم کرنے سے زیادہ برا ہے کہ جانور بے زبان ہے' اس کا ناصر و مددگار رب تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں۔ وہ کسی سے فریاد بھی نہیں کر سکتا۔ گیارہواں فائدہ: یتیم اپنے مال کا مالک ہوتا ہے اگرچہ پورا قابض نہیں' خواہ اس کا مال اپنی کمائی کا ہو یا کسی کا دیا ہو یا میراث سے ملا ہو جیسا کہ **اموالھم** میں **اموال** کی اضافت سے معلوم ہوا۔ اتوا سے معلوم ہوا قابض اس کا ولی ہے۔ **اموالھم** سے معلوم ہوا کہ

مالک خود یتیم ہے۔ بارھواں فائدہ: یتیم کا ردی مال اپنے طیب مال سے بدل لینا جائز ہے کہ اعلیٰ درجہ کا مال اس کے مال میں رکھ دیا جائے اس کا ردی مال خود کھا لیا جائے خصوصاً بگڑ جانے' خراب ہو جانے والا مال۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیم کا مال اس کی نابالغی کے زمانے میں دے دینا چاہیے کہ جبکہ وہ یتیم ہو' بالغ ہو کر تو یتیم نہ رہے گا' حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ بلوغ سے پہلے ان کا مال انہیں نہ دو' یہ فقہی حکم اس آیت کے خلاف ہے۔
جواب: اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یا تو بالغ کو یتیم کہا گیا اس کے گزشتہ حال کے لحاظ سے' چونکہ بالغ ہوتے ہی بلا انتظار اسے مال دے دینا ضروری ہے' اس لئے اسے یتیم فرمایا کہ جو ابھی ابھی یتیم تھا اب بالغ ہو گیا اسے فوراً مال دے دو' یا اٰتوا مستقبل ہے یعنی یتیموں کا مال ان کے بلوغ پر دے دینا جیسے اٰتوا الزکوۃ معنی یہ نہیں ہیں کہ مال آتے ہی زکوۃ دے دو بلکہ سال گزرنے پر دے دینا' نابالغ یتیموں کو مال دینے کی ممانعت دوسری آیات میں ہے لا تؤتوا السفہاء اموالکم وغیرہ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیموں کا مال خود ان پر خرچ نہ کیا جائے بلکہ سنبھال کر رکھا جائے' بالغ ہوتے ہی سارے کا سارا مال حوالے کر دیا جائے جیسا کہ اموال جمع فرمانے سے معلوم ہوا تو نابالغ کو تعلیم و تربیت کیسے دی جائے گی' تجارت وغیرہ میں کیسے لگایا جائے کہ ان سب میں اس کا مال خرچ ہو گا۔ **جواب:** اس کا جواب خود اس آیت ہی میں مذکور ہے کہ فرمایا گیا تم ان کا مال تبدیل یا خلط کے بہانہ سے نہ کھاؤ' معلوم ہوا کہ ان کا مال دے دینے سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے پر خرچ نہ کرو' ان پر ضرور خرچ کرو' مگر ان پر بھی جائز خرچ کرو' ناجائز نہ کرو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیموں کا مال اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ تو کیا ان کا مال نرا کھا لیں' ملانے کی قید کیوں لگائی۔ **جواب:** ملانے کی قید تاکید کیلئے ہے۔ یعنی ان کے مال سے اس قدر پرہیز کرو کہ بدل کر یا ملا کر بھی نہ کھاؤ چہ جائیکہ خالص کھا جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ: اس دنیا میں روح انسان گویا یتیم ہے کہ اپنے دیار دیار سے جدا ہو کر اکیلی اغیار میں آ پھنسی ہے نفس گویا اس کا والی ہے کہ یہ اپنے وطن اور اپنے یاروں میں ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند   واز جدائیہا شکایت مے کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند   وز نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق   تا بگویم داستان اشتیاق!

روح بانسری ہے' عالم ارواح اس کا نیستان' جہاں سے کٹ کر روح یہاں اکیلی آئی' یہ ہوئی یتیم اس کی پرورش ہمارے جسم و اعضائے جسم کے ذمہ کی گئی' روح کے مال ایمان' معرفت' عبادات ہیں' عبادات کیلئے مختلف اوقات مقرر ہیں' جو شخص عبادتوں میں عادتوں کے کام کرتا ہے۔ دل میں یار کی جگہ اغیار بلکہ اشرار کو بساتا ہے' وہ گویا یتیم روح کا مال کھاتا ہے۔ اور جو کوئی عبادات میں عادات کو شامل کر دے' کہ نماز پڑھے ریاء کیلئے' حج کرے دنیا کمانے کیلئے' وہ یتیم کا مال اپنے مال میں مخلوط کرتا ہے' یہ بھی جرم ہے نفس کو اس کی غذا دو' روح کو اس کی غذا پہنچاؤ' کسی کا حق نہ مارو کہ یہ حرکت دنیا و آخرت کو برباد کر دے گی' جو دین کے عوض دنیا خریدتا ہے' وہ طیب کے عوض خبیث لیتا ہے۔

مبادا دل آں فرومایہ شاد   بدنیا دہد دین خود را بباد

یہ جرم بدترین گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ چھ گناہ ہلاک کرنے والے ہیں "ظلماً" یتیم کا مال کھانا' پاکدامن عورت کو تہمت لگانا' جہاد سے بزدلی سے بھاگ جانا' جادو' شرک' "ظلماً" قتل۔ روح البیان میں یہاں ہے کہ کسی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ضرورت کے وقت میں یتیم کو کس چیز سے ماروں؟ فرمایا جس سے اپنے پیارے عزیز بیٹے کو مارتے ہو!

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ

اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کرو گے یتیموں کے بارے میں تو نکاح کرو ان عورتوں سے جو پسند

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش

النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

ہوں تمہیں دو دو اور تین تین اور چار چار پس اگر خوف کرو تم یہ کہ نہ انصاف کرو گے تو ایک سے

آئیں دو دو تین تین چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۞ وَاٰتُوا النِّسَآءَ

یا وہ جو تمہاری ملک ہیں یہ قریب ہے اس کے کہ ظلم نہ کرو اور دو عورتوں کو

یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو اور عورتوں کو

صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ

مہر ان کے عطیہ پھر اگر بخوشی دیں وہ بیویاں تم ہی کو تو کھاؤ اسے

ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے کچھ تمہیں دے

هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ۞

مبارک خوشگوار

دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں یتیموں کے حقوق ادا کرنے کا ذکر تھا جو کہ بے کس و بے بس ہوتے ہیں' ان آیات کریمہ میں اپنی بیویوں سے اچھے برتاؤ کا ذکر ہے کہ بیویاں بھی قریباً" بے کس اور خاوند کے بس میں ہوتی ہیں' اس لئے ان کا ذکر یتیموں کے ساتھ ہوا مگر چونکہ یتیم کی بے کسی زیادہ ہے عورت کی کم' اس لئے پہلے یتیم کا ذکر ہوا پھر بیویوں کا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یتیم کا مال اس کے حوالے کرو' اس حوالے کرنے میں پس و پیش نہ کرو' اب حکم ہو رہا ہے بیوی کا مہر اس کے حوالہ کرو' اس میں ٹال مٹول نہ کرو' ایک حق کی ادائیگی کا حکم دیکر دوسرے حق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں یتیم سے اچھے برتاؤ کا ذکر تھا' اب اسے یتیمہ سے اچھے

برتاؤ کا ذکر ہے۔ جس سے ولی نکاح کرے گویا ایک قسم کے یتیم کے متعلق احکام جاری فرمانے کے بعد دوسری قسم کے یتیموں کے احکام جاری فرمائے گئے۔

شان نزول: اس آیت کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (1) عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے نزول کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ بعض لوگ اپنی زیر پرورش یتیمہ کمال و جمال کی وجہ سے ان سے نکاح کر لیتے تھے مگر انکا مہر پورا نہ مقرر کرتے اور نہ انکے حقوق زوجیت اچھی طرح ادا کرتے تھے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں انہیں ان یتیمہ کی بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کا حکم دیا گیا' جن کے حقوق پورے ادا کریں۔ (کبیر' روح المعانی' تفسیر خازن' خزائن العرفان وغیرہ)۔ (2) بعض اپنی زیر پرورش مالدار مگر بدصورت یتیمہ سے صرف اس لئے نکاح کر لیتے تھے کہ اس کا مال اور جگہ نہ جانے پائے' پھر بے رغبتی کی وجہ سے اس یتیمہ کے حقوق ادا نہ کرتے بلکہ اس کی موت کا انتظار کرتے تھے کہ یہ مرے تو اس کا مال ہم کو میراث ملے' ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں انہیں اس ظلم سے روکا گیا امام حسن کا یہی قول ہے۔ (تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ)۔ (3) بعض لوگ گزشتہ آیت نازل ہونے پر یتیموں کی پرورش سے کتراتے تھے' مگر بیویوں پر ظلم کرتے اور کثرت ازدواج میں مشغول رہتے تھے' ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں فرمایا گیا کہ جب یتیموں پر ظلم سے ڈرتے ہو تو بیویوں پر ظلم سے بھی خوف کرو۔ (تفسیر خازن' بیضاوی وغیرہ)۔ (4) حضرت عکرمہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ بعض لوگ کثرت سے بیویاں رکھتے' آٹھ آٹھ دس دس' پھر جب خرچہ سے تنگ ہو جاتے تو زیر پرورش یتیموں کا مال ان بیویوں پر خرچ کرنے لگتے' ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں زیادتی ازدواج سے روکا گیا اور فرمایا گیا کہ اتنی عورتوں سے نکاح کرو جن کا خرچہ اٹھا سکو۔ (خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی:** خفتم میں خطاب اولیائے یتیم سے ہے۔ جن کی پرورش میں یتیم ہوں: **لا تقسطوا' اقساط** سے بنا جس کا مادہ قسط بمعنی حصہ ہے۔ اصطلاح میں ظلم کو قسط کو کہتے ہیں یعنی حصہ حصہ دار کو نہ دینا' اور اقساط انصاف کو کہا جاتا ہے اس طرح کہ قسط کے معنی ظلم' افعال کی ہمزہ سلب کیلئے ہے تو معنی ہوئے سلب ظلم اور سلب ظلم عین انصاف ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اما القسطون فکانوا لجهنم حطبا** ظالم لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں' یہاں **لا تقسطوا** کے بہت سے معنی ہوں گے' جیسا شان نزول دیا معنی' یتیم کی جمع ایتام بھی آتی ہے اور یتامیٰ بھی لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ یتامیٰ مذکر مونث دونوں پر بولا جاتا ہے مگر ایتام صرف مذکر یتیم پر پہلے دو شان نزول کی بنا پر یہاں یتامیٰ سے یتیم لڑکیاں مراد ہیں' بقیہ شان نزول کی بنا پر لڑکے لڑکیاں' دونوں' یعنی اگر تمہیں اے اولیائے یتامیٰ! یہ اندیشہ ہو کہ یتیمہ لڑکیوں سے نکاح کرکے عدل و انصاف نہ کرو گے' یا اے والیو! اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ زیادہ بیویاں نکاح میں رکھنے سے یتیموں میں انصاف نہ کر سکو گے' ان کا مال بیویوں پر خرچ کر دو گے' یا اے یتیموں کے والیو! جب تم یتیموں کی پرورش سے اس لئے ڈرتے ہو کہ ان پر ظلم نہ کر بیٹھو تو **فانکحوا ما طاب لکم من النساء:** یہ عبارت گزشتہ ان کی جزاء ہے: **انکحوا** صیغہ امر مباح کرنے یا استحباب کیلئے ہے نہ کہ وجوب کیلئے۔ کیونکہ چند عورتوں سے نکاح کرنا واجب کبھی نہیں' ہاں نفس نکاح کبھی واجب ہوتا ہے

کبھی مستحب کبھی مکروہ کبھی حرام جیسا کہ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ ما غیر عاقل چیزوں کیلئے آتا ہے اور من عاقلوں کیلئے' مگر چونکہ یہاں ذات مراد نہیں بلکہ وصف مراد ہے یعنی پسند آنا اس لئے عورتوں پر بھی ما آگیا۔ (مدارک' کبیر' روح المعانی وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ عاقل کی ذات کیلئے من آتا ہے۔ مگر عاقل کے وصف کیلئے ما کہ عاقل کی ذات تو عقل رکھتی ہے' مگر اسکے اوصاف تو غیر عاقل ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به**: جب انکے پاس جانا پہچانا نبی تشریف لایا تو انکار کر بیٹھے دیکھو وہاں نبی کیلئے ما فرمایا گیا' اس وجہ سے کہ وہاں معرفت نبی کی طرف اشارہ ہے معرفت عاقل نہیں یہ قاعدہ خوب خیال میں رہے **طاب**' طیب سے بنا' طیب کے دو معنی ہیں' اچھا ہونا' پسندیدہ ہونا' دل کو پسند آنا' تب اس کا مقابل خبیث ہوگا اور بمعنی حلال' تب اسکا مقابل حرام ہوتا ہے' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں: **من النساء** میں من بیانیہ ہے ما کا بیان یعنی ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں ان ناپسندیدہ یتیمہ لڑکیوں سے ہرگز نکاح نہ کرو' یا ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں حلال ہوں' حرام عورتوں سے ہرگز نہ کرو ظاہر یہ ہے کہ **فانکحوا** میں آزاد مردوں سے خطاب ہے نہ کہ غلاموں سے' کیونکہ چار بیویاں آزاد مرد رکھ سکتا ہے نہ کہ غلام' غلام صرف دو رکھ سکتا ہے' نیز آیت کا اگلا مضمون اسی کی تائید کر رہا ہے **مثنی وثلث وربع** یہ عبارت طاب کے فاعل ھو ضمیر سے حال ہے' یا **من النساء** سے حال: مثنیٰ اصل میں اثنین' اثنین تھا اور ثلث دراصل ثلث ثلث اور ربع دراصل اربع اربع تھا ان سے عدل ہو کر مثنیٰ' ثلث' رباع بن گئے' اس لئے ان لفظوں کے معنی ہیں دو دو' تین تین' چار چار' یہاں واؤ جمع کے لئے نہیں بلکہ اختیار دینے کیلئے ہے' لہٰذا اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ دو' تین' چار کا مجموعہ نو بیویاں نکاح میں رکھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاہو تو دو بیویاں رکھو' چاہو تو تین' چاہو تو چار' اس سے زیادہ نہیں' اس معنی پر تمام امت کا اجماع ہے' بعض لوگوں نے اس آیت کی بناء پر چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز مانا ہے وہ اہل بدعت ہیں' ان کا یہ قول فرق اجماع ہے نہ کہ اجماع باطل کرنے والا۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی) یہاں تفسیر کبیر و روح المعانی نے بہت شاندار مبسوط تقریر فرمائی ہے' ان کی تردید میں جو چار سے زیادہ کا جواز اس آیت سے ثابت کرتے ہیں انشاء اللہ سوال و جواب میں اس کے متعلق کچھ عرض کیا جائیگا **فان خفتم الا تعدلوا فواحدة** اس جملہ میں گزشتہ اجازت پر پابندی لگائی گئی۔ **خفتم** میں خطاب سارے ہی آزاد مردوں سے ہے کہ انہیں آزادوں کو چار بیویوں کی اجازت دی گئی تھی: **تعدلوا**' **عدل** سے بنا بمعنی انصاف بیویوں میں پورا انصاف کرنا لازم ہے' باری میں' روزی میں' عطاء میں حتیٰ کہ بعد موت میراث میں' رہا میلان قلبی یہ انسان کے اختیار سے باہر ہے اس پر پکڑ نہیں بشرطیکہ عملاً سب میں برابری کرے: **فواحدة**' **ان خفتم** کی جزاء ہے' یہ پوشیدہ فعل **انکحوا** یا **اختاروا** کا مفعول ہے' یعنی اگر تمہیں اے آزاد مردو! یہ خطرہ ہو کہ چند بیویوں میں برابری و انصاف کا برتاؤ نہ کر سکو گے یا نہ کرو گے تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا ایک بیوی سے نکاح اختیار کرو' خیال رہے کہ یہاں واحدۃ سے مراد آزاد بیوی ہے کیونکہ لونڈیوں کا ذکر تو آگے آرہا ہے **او ما ملكت ايمانكم** یہ ما نمی حالت میں ہے یا تو واحدۃ پر معطوف ہے یا **اختاروا** فعل پوشیدہ کا مفعول' ایمان جمع یمین کی ہے' اس کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ اس کے معنی ہیں قوت و طاقت' پھر داہنے ہاتھ' پھر اعلیٰ سمت کو یمین کہنے لگے' وجہ مناسب معلوم ہو چکی' یہاں بمعنی ہاتھ ہے اور ہاتھ سے مراد ذات: خیال رہے کہ مولیٰ اپنی لونڈی سے اور مولات اپنے غلام سے نکاح نہیں کر سکتے' لہٰذا یہاں ما سے پہلے **انکحوا** پوشیدہ نہیں ہو سکتا بلکہ اختاروا پوشیدہ ہوگا' یعنی عدل و انصاف نہ کر سکنے کی صورت میں یا تو ایک آزاد عورت سے

نکاح کرو یا بالکل نکاح کرو ہی مت‘ صرف لونڈیوں کو اختیار کرو کہ لونڈی کیلئے نہ عدد مقرر ہے نہ ان کے ازدواجی حقوق مولیٰ پر لازم‘ صرف غلامیت کے حقوق لازم ہوں گے‘ بہرحال چند بیویاں وہ شخص ہرگز نہ رکھے جو عدل و انصاف نہ کر سکے یا نہ کرے **ذلک ادنی الا تعولوا** : **ذلک** سے اشارہ ایک زوجہ یا لونڈیاں اختیار کرنے کی طرف ہے: **ادنی**‘ **دنو** کا تفضیل ہے **دنو** کے معنی ہیں قریب ہونا‘ ادنیٰ قریب تر: **تعولوا** **عول** سے بنا بمعنی غول و غول قریب المعنی ہیں‘ غول کے معنی ہیں ہلاک کر دینا‘ عول کے معنی ہیں بھاری پڑ جانا بوجھ میں دب جانا‘ یا مائل ہو جانا ظلم کی طرف: کہا جاتا ہے کہ عال المیزان ترازو ایک طرف جھک گئی‘ بال بچوں کو عیال اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ ماں باپ پر بوجھ ہوتے ہیں‘ ظلم کو اس لئے عول کہا جاتا ہے کہ ظالم ظلم کے بوجھ میں دب جاتا ہے‘ علم فرائض میں وارثوں کے حصوں کا بڑھ جانا عول کہلاتا ہے کہ اس میں مخرج حصوں میں دب جاتا ہے‘ یہاں بمعنی ظلم ہے یعنی ایک بیوی رکھنا اس سے قریب تر ہے کہ تم ظلم نہ کر بیٹھو‘ نہ چند بیویاں رکھو گے نہ ان کے حق میں ناانصافی کرو گے: امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس جملہ کے عجیب معنی کئے‘ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بیوی کا رکھنا اس سے قریب ہے کہ تمہارے بال بچے زیادہ نہ ہوں‘ اور تم پر انکی پرورش کا بوجھ نہ پڑے‘ زیادہ اولاد غریب کیلئے مصیبت ہے۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی) اس تفسیر پر ان دونوں کتابوں میں بہت لے دے کی ہے‘ زیادتی اولاد اکثر محبوب ہوتی ہے‘ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچے دینے والی عورتوں سے نکاح کرو‘ آج کثرت رائے سے سلطنتیں قائم ہوتی ہیں زیادہ فوج سے ملک جیتے جاتے ہیں **واتوا النساء صدقتهن نحلة** یہ خاوندوں کو تیسرا حکم ہے: **نساء** سے مراد مطلقاً آزاد بیویاں ہیں ایک ہوں یا زیادہ‘ منکوحہ لونڈی کا مہر خود لونڈی کو نہ ملے گا بلکہ اس کے مولیٰ کو ملے گا: **صدقات** **صدقہ** یا صداق کی جمع ہے‘ صدقہ وہ مال ہے جو قرب حاصل کرنے کیلئے دیا جائے‘ خیرات کو صدقہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے‘ مہر کو صداق اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ بیوی سے قرب میسر ہوتا ہے‘ چونکہ مہر عورت کا حق ہے‘ اس لئے اسے بیویوں کی طرف ہی منسوب کیا گیا‘ **اتوا** میں خطاب یا خاوندوں سے ہے یا عورت کے اولیاء سے پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کہ اس سے پہلے خاوندوں سے ہی خطاب تھا آگے بھی ان سے ہی ہو رہا ہے‘ تو یہاں بھی ان سے ہی خطاب مناسب ہے۔ **نحلة**‘ **صدقات** کا حال ہے اس لئے منصوب ہے‘ لفظ نحل کے معنی دین و ملت‘ چونکہ مہر دینا دینی حکم ہے‘ اس لئے اسے نحلہ فرمایا گیا‘ غیاث میں ہے کہ نحلہ بمعنی عطیہ: امام راغب فرماتے ہیں کہ نحل کے معنی ہبہ‘ اسی لئے شہد کی مکھی کو نحل کہتے ہیں کہ وہ جس شاخ پر بیٹھتی ہے اسے خراب نہیں کرتی بلکہ موجب نفع ہی ہوتی ہے‘ یہاں مہر کو نحل فرمانے میں یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ مہر ادا کرنا دینی حکم ہے ضرور ادا کرو یا اس طرح اشارہ ہے کہ مہر خاوند کی طرف سے ایک قسم کا تحفہ ہے: اس پر کسی قسم کے معاوضہ کی امید نہ رکھو کہ اگر عورت جہیز زیادہ لائے تو مہر دیں ورنہ نہ دیں‘ بعض نے فرمایا کہ **نحلة** کے معنی ہیں خوشدلی سے دیا ہوا عطیہ یعنی مہر خوشدلی سے دو‘ یعنی اے خاوندو! اپنی آزاد بیویوں کو ان کے مہر حوالہ کر دو‘ یہ شرعی و دینی حکم ہے یا انہیں بطور عطیہ و تحفہ دے دو‘ ان سے اس کے معاوضہ کے طلبگار نہ ہو‘ یا انہیں خوشدلی سے دو‘ ٹال مٹول کر کے دل تنگی سے نہ دو‘ یا اے عورت کے والیو وارثو! عورت کا مہر خود اس کے ہی حوالہ کر دو‘ تم اس پر قبضہ نہ کرو کہ یہ اس کا اپنا حق ہے‘ تمہارا لے لینا ظلم ہے **فان طبن لكم عن شيء منه نفسا** خاوندوں کو ادائے مہر کا حکم دیکر بیویوں کے ہبہ مہر کا ذکر ہے: **طبن**‘ **طیب** سے بنا بمعنی خوشی‘ یہ جمع مونث ہے‘ اس کا فاعل نساء یعنی بیویاں ہیں **منه** میں **من** بیانیہ ہے‘ **ہ** ضمیر کا مرجع صداق یعنی مہر ہے جو **صدقات** سے معلوم ہوا‘

نفاس' طبن کی ضمیر من سے تیز ہے' چونکہ نفس جنس ہے جو کم و زیادہ پر بولی جا سکتی ہے تمیز اسکو واحد لانے میں کوئی دھوکا تھا نہیں کیونکہ چند عورتوں کا دل ایک نہیں ہوتا' چند ہی ہوتے ہیں' اس لئے نفسا واحد ارشاد ہوا النفس سے مراد دل ہے (روح المعانی وکبیر وغیرہ) اصل عبارت یوں تھی **ان طابت انفسهن لكم عن شئی من الصداق** : یعنی اگر تمہاری بیویاں اپنی خوشدلی سے تمہیں مہر میں سے کچھ دے دیں یا اس طرح کہ جو مہر تم سے وصول کر چکی ہیں وہ کل یا بعض تم کو واپس کر دیں' یا جو مہر انہیں تم سے وصول کرنا ہے وہ کل یا بعض تم کو معاف کر دیں: پہلی صورت میں ہبہ ہے' دوسری صورت میں ابراء یعنی معافی: مگر شرط یہ ہے کہ یہ خوشی سے کریں' جبراً ان سے نہ کرایا جائے جیسا کہ طبن فرما کر بتایا گیا تو **فكلوه هنيئا مريئا** یہ جملہ شرط کی جزاء۔ کلوا میں خاوندوں سے خطاب ہے' اکل کے معنی تو ہیں کھانا' مگر یہاں مراد مطلقاً استعمال ہے' چونکہ کھانا مال کے تمام مقاصد سے اعلیٰ مقصد ہے' اس لئے اس کا ذکر ہوا: **هنيئا** اور **مريئا** دونوں صفت۔ مشبہ ہیں بروزن فعیل معنی کا مصدر ہنو ہے معنی بے تکلف حلق سے اتر جانا جسے **سا نغا** بھی کہا جاتا ہے۔ مری ء کا ماخذ مری یا امرواء ہے مرہ معدہ کے منہ کو کہتے ہیں' جو چیز معدہ میں ثقیل نہ ہو' آسانی سے ہضم ہو جائے' وہ مری ہے: خلاصہ یہ ہے کہ نگلنے میں آسان **هنيئا** ہے۔ ہضم میں آسان **مريئا** بلب **هنيئا** معنی مبارک بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے **هنيئا لك** تجھے مبارک ہو یعنی تو تم ان کا بخشا ہوا یا معاف کیا ہوا مہر استعمال کر لو' جو تمہارے لئے لذیذ بھی ہے حلال بھی کہ اس پر پکڑ نہیں: خیال رہے کہ **هنيئا مريئا** یا تو اکا پوشیدہ مصدر کی صفتیں ہیں یا **فكلوه** کی ہ ضمیر سے حال' دونوں صورتوں میں مقصد یہ ہی ہے کہ تم بیویوں کو ان کا مہر دے دو' لیکن اگر وہ خود پورا مہر یا کچھ حصہ واپس دے دیں یا معاف کر دیں تو تمہارے لئے وہ حلال و طیب ہے تم پر اس میں کچھ پکڑ نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے یتیم لڑکیوں کے والیو! اگر تمہیں خطرہ ہو کہ اگر تم ان یتیمہ بچیوں سے نکاح کر لو تو ان سے انصاف نہ کرو گے' اور دوسری بیویوں کی طرح ان کے مہر وغیرہ پورا نہ دو گے یا اس لئے کہ یہ یتیمہ لڑکیاں تم کو پسند نہیں یا اس لئے کہ تم سمجھو گھر کا معاملہ ہے' اسے مہر پورا دیں یا نہ دیں' تو ان سے نکاح نہ کرو' بلکہ ان کے علاوہ دوسری اجنبی عورتوں سے نکاح کرو جن کے مہر و حقوق پورے پورے دو' تمہیں اختیار ہے کہ دو دو سے نکاح کرو یا تین تین سے یا چار چار سے' لیکن یہ تعداد ازدواج کی اجازت جب ہی ہے کہ تم ان بیویوں میں عدل و انصاف کر سکو' اگر تمہیں خطرہ ہو کہ ان میں انصاف نہ کرو گے' تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا کسی عورت سے نکاح کرو ہی نہیں بلکہ تمہاری جو لونڈی کنیزیں ہیں ان پر قناعت کرو کہ ان لونڈیوں کے نہ تو تم پر حقوق زوجیت لازم ہیں نہ ان کی تعداد کی پابندی' یہ ایک بیوی یا صرف لونڈیوں پر قناعت کرنا' چند بیویاں نکاح میں نہ رکھنا اس کے قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو کہ نہ چند بیویاں ہوں گی' نہ ان کی حق تلفی ہو گی: پھر اے خاوندو! یہ بھی خیال رکھو کہ اپنی بیویوں کے طے شدہ مہر بخوشی پورے پورے دے دو' انکی ادا میں نہ ٹال مٹول کرو' نہ مار لینے کی کوشش کرو کہ یہ حق العبد ہے' جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا' ہاں اگر تمہاری بیویاں ہی بخوشی خاطر سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ تمہیں واپس دے دیں یا معاف کر دیں' تو تم خوشی سے وہ برتو' کہ وہ تمہارے لئے حلال بھی ہے طیب بھی مبارک بھی مگر یہ عطیہ یا معافی خوشدلی سے ہو نہ کہ جبرو اکراہ سے۔ خیال رہے کہ مہر وہ مال ہے جس کے عوض نکاح کیا جاتا ہے' اس کے زیادہ کی کوئی حد نہیں' مگر کم از کم میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی کے ہاں کم کی کوئی حد نہیں' جو چیز بیع میں قیمت بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر ہو سکتی ہے' جیسے ایک پیسہ یا

اس سے بھی کم۔ حضرت امام مالک کے ہاں کم از کم مہر دینار کا چہارم یعنی ڈھائی تین درہم ہے۔ ہمارے احناف کے ہاں کم از کم دس درہم یا ایک دینار یعنی پونے تین روپیہ یا اس قیمت کا مال مہر بن سکتا ہے۔ اگر اس سے کم مہر باندھا گیا تو دس درہم ہی دینے ہوں گے۔ اگر مہر کا ذکر ہی نہ ہوا یا اس شرط پر نکاح ہوا کہ مہر کچھ نہیں تو مہر مثل دینا پڑے گا یعنی بیوی کے خاندان میں اس جیسی لڑکی کا جو مہر ہو وہ اسکا ہو گا۔ مہر کے پورے احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کرو نیز ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: اپنی زیر پرورش یتیمہ لڑکی سے ولی نکاح کر سکتا ہے جب کہ اس کیلئے حلال ہو حرام نہ ہو، جیسا کہ آیت کی روش سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: نکاح میں زوجین کی پسندیدگی ضروری ہے، ماں باپ لڑکی یا لڑکے کا نکاح ان کی ناپسندیدہ جگہ ہرگز نہ کریں، ورنہ نباہ نہ ہو گا جیسا کہ **ما طاب لکم** سے معلوم ہوا، جیسے لڑکے کو لڑکی پسند کرنے کا حق ہے، ویسے ہی لڑکی کو بھی خاوند پسند کرنے کا حق ہے، اسی لئے نکاح کے وقت لڑکی سے اجازت لیتے ہیں تاکہ اس کی پسندیدگی ناپسندیدگی معلوم ہو جائے۔ حدیث شریف میں تو حکم ہے کہ لڑکا نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھ لے تاکہ اس کے متعلق صحیح فیصلہ کر سکے۔ مگر خیال رہے کہ یہ دیکھنا پیغام نکاح سے پہلے ہو اور خفیہ طور پر کہ لڑکی کو پتہ نہ لگے، تاکہ ناپسندیدگی کی صورت میں اسے صدمہ نہ ہو۔ تیسرا فائدہ: مہر خود بیوی کا اپنا حق ہے، اس کے ولی کو اس سے کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ **واتوا النساء** الخ سے معلوم ہوا، بعض لوگ اپنی بیٹی پوتی کے مہر پر خود قبضہ کر لیتے ہیں، لڑکی کو پتہ بھی نہیں ہوتا، یہ منع ہے۔ چوتھا فائدہ: بیوی اپنے مہر کی مستقل مالکہ ہے، چاہے خود استعمال کرے، چاہے کسی کو دے، اپنے میکے والوں کو دے یا سسرال والوں کو، جیسا کہ **فان طبن** الخ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: دیا ہوا مہر خاوند واپس لے سکتا ہے، اگر عورت خود اپنی خوشی سے دے، اس میں نہ حرمت ہے نہ اور کوئی قباحت، جیسا کہ **فکلوہ** الخ سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: جبراً مہر معاف کرانا یا واپس لینا حرام ہے اگر لیا تو خاوند مالک نہ ہو گا، جیسا کہ طبن الخ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تاخذوا منہ شیئا** حضرت عمر و قاضی ابو شریح نے تو حکم دیا تھا کہ اگر عورت مہر دے کر پھر واپس لے تو لے سکتی ہے کہ واپسی کے مطالبہ سے معلوم ہوا کہ اس نے اسے بخوشی نہ دیا تھا جبراً دیا تھا، دیکھو روح المعانی و کبیر: مگر جب واقعی خوشی سے دے دے تو واپس نہیں لے سکتی کہ زوجیت ہبہ میں سے مانع ہے، احناف بلکہ چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے۔ ساتواں فائدہ: عورت کے مہر کا پیسہ بہت مبارک ہے، اس میں شفاء ہے جیسا کہ **ھنیئا مریئا** سے معلوم ہوا۔ عبدالحمید وغیرہ محدثین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ جو کوئی بیمار ہو وہ اپنی بیوی سے اس کا مہر لے، تین درہم یا کم و بیش، اس سے شہد خریدے، بارش کے پانی میں شہد ملا کر پیئے، انشاء اللہ شفا ہو گی، کہ رب تعالیٰ نے بارش کے پانی کو ماء مبارک فرمایا، **وانزلنا من السماء ماء مبارکا** اور شہد کو شفاء فرمایا **فیہ شفاء للناس** : اور بیوی کے مہر کو **ھنیئا مریئا** فرمایا، جب ان تینوں کا اجماع ہو گا تو ضرور رب تعالیٰ کرم فرمائے گا (روح المعانی) اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ درود شریف میں شفاء ہے کہ یہ ہماری پہلی ماں حضرت حواء کا مہر ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔ آٹھواں فائدہ: مہر صرف مال ہو سکتا ہے غیر مال نہیں ہو سکتا، کیونکہ لین دین، معافی و غیرہ مال کی ہوتی ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تبتغوا باموالکم** یہاں فرمایا **واتوا النساء** نواں فائدہ: عورت کا مہر مرد کی طرف سے عطیہ و تحفہ ہے جو اس کے ذمہ لازم قرار دیا گیا، کسی چیز کی قیمت یا اجرت نہیں، اسی لئے خاوند عورت کے کسی عضو کا مالک نہیں ہوتا، رہا انتفاع وہ عورت مرد دونوں کو ہے۔ جیسا کہ نحلۃ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا (تفسیر کبیر وغیرہ) دسواں فائدہ:

مولٰی اپنی لونڈی سے ' مالکہ اپنے غلام سے نکاح نہیں کرسکتے 'جیسا کہ **او ما ملکت** کے عطف سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی نے اسے نکاح پر معطوف کیا 'اور ہمیشہ معطوف 'معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے (روح المعانی) اس کے قوی دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔ **گیارھواں فائدہ:** ایک آزاد مرد چار بیویوں سے بیک وقت نکاح کرسکتا ہے زیادہ سے نہیں 'مگر عورت صرف ایک ہی مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے وہ ایک سے زیادہ بیک وقت نکاح نہیں کرسکتی 'جیسا کہ **مثنٰی** الخ سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احکام قرابت میں کہیں داخل بھی نہیں ہوئے 'صرف امت کو وہ احکام دیئے جاتے ہیں دیکھو **فانکحوا** الخ کے حکم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں 'آپ کو جس قدر چاہیں بیویاں رکھنے کی اجازت ہے 'چار کی پابندی ہمارے لئے ہے 'حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نو بیویاں آپ کے نکاح میں تھیں 'اس کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری کتاب درس القرآن میں دیکھو۔ **تیرھواں فائدہ:** بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جس امتی کو حکم قرآن کریم سے چاہیں علیحدہ فرمائیں 'دیکھو یہاں مسلمانوں کو چار بیویاں تک رکھنے کی اجازت دی گئی 'مگر حضرت علی کو فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے منع فرمادیا 'اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفٰی میں دیکھو۔ **چودھواں فائدہ:** جو مسلمان بیویوں میں عدل و انصاف نہ کرسکے اسے چند بیویاں کرنا حرام ہے 'جیسا کہ **فواحدۃ** سے معلوم ہوا 'مگر یہ فعل نکاح حرام ہوگا 'منکوحہ حلال ہوگی اور اس سے اولاد حلال کی ہوگی۔ **پندرھواں فائدہ:** اپنی لونڈیوں کے متعلق نہ کوئی عدد مقرر ہے نہ مولٰی پر ان کے حقوق زوجیت لازم نہ ان کا مہر مقرر 'کیونکہ رب تعالٰی نے یہاں بیویوں کی تعداد 'مہر ادا میں عدل و انصاف سب کا ہی ذکر فرمایا 'مگر **او ما ملکت** میں یہ کوئی قید نہ لگائی۔ **سولھواں فائدہ:** نامرد ایسے ہی وہ شخص جو حقوق زوجیت ادا کرنے سے اور کسی وجہ سے قادر نہ ہو اسے نکاح کرنا ناجائز ہے جیسا کہ **الا تقسطوا** اور **الا تعولوا** سے معلوم ہوا 'فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ غریب جو مہر و خرچہ دینے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہ کرسکے وہ روزے رکھے تاکہ نفس دبے شہوت ٹوٹے۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں **وان خفتم** الخ تو شرط ہے اور **فانکحوا** الخ جزاء اس شرط و جزاء میں کوئی مناسبت نہیں 'یتیموں میں انصاف نہ کرنا اور چار بیویوں تک سے نکاح کرنا ان میں مناسبت کیا ہے۔ پھر یہ شرط و جزاء کیسے بنے؟ **جواب:** اس کے تین چار جواب شان نزول سے معلوم ہوگئے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ اگر تم یتیمہ عورتوں سے نکاح کرکے ان سے عدل و انصاف کا برتاؤ نہ کرسکو تو ان سے نکاح نہ کرو بلکہ دوسری پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرو 'دو سے یا تین سے یا چار سے 'یہاں یتامٰی سے وہ یتیم بچیاں مراد ہیں جن سے ولی نکاح کرے۔ مگر وہ اسے پسند نہ ہوں 'اس لئے ان میں انصاف نہ کرے۔ اور نساء سے مراد یتیم بچیوں کے علاوہ دوسری عورتیں لہٰذا مطلب واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **فانکحوا** صیغہ امر ہے 'اور امر وجوب کیلئے آتا ہے 'معلوم ہوا کہ دو تین چار عورتوں سے نکاح کرنا فرض و واجب ہے 'حالانکہ مسئلہ یہ نہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہر امر وجوب کیلئے نہیں ہوتا اباحت وغیرہ دوسرے معانی میں بھی آتا ہے 'یہاں وجوب کیلئے نہیں اجازت و اباحت کیلئے ہے 'دوسرے یہ کہ مذکورہ صورت میں یتیمہ کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح واجب ہے یعنی یتیمہ سے منع جب کہ اس کے حق ادا نہ کرے۔ **تیسرا اعتراض:** اسلام میں ایک مرد کو چار بیویوں کی اجازت کیوں دی 'اور عورت کو چار خاوندوں کی اجازت کیوں نہ دی؟ (ستیارتھ پرکاش) چند بیویاں رکھنا عورتوں پر ظلم ہے۔ **جواب:** اس کا مکمل

جواب ہم نے اپنی کتاب اسرار الاحکام میں دیا ہے 'یہاں یہ سمجھ لو کہ قدرتی طور پر عورتوں کی پیدائش مردوں سے زیادہ ہے 'جیسا کہ اب بھی دیکھنے میں آرہا ہے 'پھر جنگ وغیرہ میں مرد زیادہ مارے جاتے ہیں کہ فوجیں مردوں کی ہوتی ہیں نہ کہ عورتوں کی 'اگر چند بیویوں سے نکاح جائز نہ ہوتا 'تو زیادہ عورتوں کی کھپت کیسے ہوتی 'نیز زیادہ اولاد بقائے قوم کیلئے ضروری ہے کہ آج کثرت رائے اور زیادہ مردم شماری سے ملک بنتے ہیں 'پاکستان مردم شماری سے ہی قائم ہوا 'اگر ایک مرد کی چند بیویاں ہوں تو اولاد زیادہ ہو گی 'جن قوموں میں ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت نہیں 'ان میں زنا کی کثرت ہوتی ہے 'کہ منکوحہ بیوی ایک ہوتی ہے داشتہ اور ٹیرپری بہت سی 'جیسا کہ آنکھوں دیکھا جا رہا ہے 'ہر قوم کے پیشواؤں نے بہت بیویاں رکھیں 'حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں 'حضرت داؤد علیہ السلام کی 99 تھیں 'رام چندر کے والد راجہ جسرتھ کے دو بیویاں تھیں 'ہندوؤں کے مشہور اوتار کنیا کے ایک ہزار بیویاں تھیں 'اگر چند بیویاں رکھنا عورت پر ظلم ہے تو کیا ان سب نے ظلم کئے؟ پنڈت جی اپنے گھر کی خبر لو عورت پر ظلم جب ہے جب کہ ان میں انصاف نہ کرے 'قرآن کریم نے اسی لئے یہاں قید لگادی کہ اگر انصاف نہ کرو تو ایک ہی بیوی رکھو۔ چوتھا اعتراض: جب مردوں کو چار بیویوں کی اجازت ہوئی تو عورتوں کو چار خاوندوں کی اجازت کیوں نہ ہوئی؟ جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں بے حیائی و بے غیرتی اول درجہ کی ہے 'دوسرے یہ کہ بچہ کا نسب باپ سے چلتا ہے 'چند خاوندوں کی صورت میں نہ معلوم ہو تا کہ بچہ کس مرد کا ہے 'کون اس کی پرورش و تربیت کرے 'اس صورت میں بچہ کی عمر برباد ہوتی۔ پانچواں اعتراض: جب مسلمانوں کو چار بیویوں کی پابندی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو بیویاں کیوں رکھیں؟ جواب: یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہے 'ان زیادہ ازدواج میں صدہا حکمتیں تھیں 'حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج عورتوں کی مبلغہ تھیں 'نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قوموں کی لڑکیاں لیں جن سے رشتہ قائم ہونے کی وجہ سے اشاعت اسلام میں بہت مدد ملی 'جیسے حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان 'صفیہ بنت حیی سردار یہود کی صاحبزادی وغیرھم رضی اللہ عنہن۔ چھٹا اعتراض: اسلام میں لونڈیوں کا سلسلہ کیوں رکھا گیا؟ یہ تو خلاف انسانیت معلوم ہوتا ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں 'ایک یہ کہ اسلام غلامیت کو مٹانا تو چاہتا تھا 'مگر چونکہ یہ مسئلہ بین الاقوامی تھا 'جب تک کہ دوسری قومیں اسے تسلیم نہ کرلیتیں تب تک غلامیت بند نہ ہوتی ورنہ ہم تو کافروں کو آزاد چھوڑ دیتے اور ہمارے آدمی جنگ میں قید ہو کر کفار کے لونڈی غلام بنتے رہتے 'ہاں اسلام نے بات بات پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا حتی کہ قسم کے کفارہ میں غلام آزاد کرایا 'پھر لونڈی غلاموں سے برابری کے سلوک کا حکم دیا۔ دوسرے یہ کہ غلامیت کفر کا اثر ہے کہ جو کفار بحالت جہاد گرفتار ہوں وہ لونڈی غلام بنائے جائیں 'جب جہاد میں کفار کو جان سے مار دینے کی بھی اجازت ہے تو اسے غلام بنالینے کی بھی اجازت ہے 'حربی کافر جانور کی مثل ہے کہ اس کا ذبح بھی جائز اس کا مملوک بنا کر رکھنا بھی درست 'اب چونکہ بین الاقوامی قانون سے یہ چیزیں ختم ہو گئیں تو غلامیت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ ساتواں اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ لونڈی کا مولیٰ پر کچھ حق نہیں تو کیا اسے بھوکے پیاسے بھی مار سکتے ہیں؟ جواب: لونڈی کا مولیٰ پر حق زوجیت نہیں 'حق ملکیت مثلاً غذا لباس وغیرہ ضرور ہے۔ یہ حق تو جانوروں کا بھی مالک پر ہے 'مملوک جانور کو بھوکا پیاسا رکھنا اس سے طاقت سے زیادہ کام لینا سخت جرم ہے 'آج بھی چار سے زیادہ سواریاں لادنا جرم ہے 'کیوں؟ جانور کے حق کی وجہ سے۔ آٹھواں اعتراض: **فانکحوا** حکم عام ہے جو غلام و آزاد سب مردوں کو شامل ہے 'تو چاہئے کہ غلاموں کو بھی چار بیویوں کی اجازت ہو تو تم نے اس کیلئے دو کی پابندی کہاں سے لگائی؟

جواب: آیت کریمہ کی اگلی عبارت ہی بتا رہی ہے کہ یہ حکم صرف آزادوں کو ہے' کیونکہ آگے ارشاد ہے کہ اگر انصاف نہ کر سکو تو ایک بیوی سے نکاح کرو یا جس کے مالک ہو اس پر کفایت کرو اور ظاہر ہے کہ غلام کسی لونڈی کا مالک نہیں ہوتا' نیز آگے فرمایا کہ بیویوں کو ان کے مہر دے دو اور ظاہر ہے کہ غلام اپنی بیوی کا مہر نہیں دیتا کہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں' بلکہ اس کا مہر مولیٰ دیتا ہے' نیز آگے ارشاد ہے کہ اگر بیویاں تمہیں کچھ مہر واپس کر دیں یا بخش دیں تو کھاؤ' اور ظاہر ہے کہ غلام نہ تو اپنی زوجہ سے مہر واپس لے سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے بلکہ مہر کی واپسی اس کے مولیٰ کو ہو گی' ان احکام سے معلوم ہوا کہ یہاں خطاب آزادوں سے ہے غلاموں سے نہیں۔ نواں اعتراض: جب نکاح کے نفع خاوند و بیوی میں مشترک ہیں' اور خاوند نہ بیوی کے بدن کا مالک ہے نہ جان کا نہ اس کے کسی عضو کا' تو اس کے ذمہ بیوی کا خرچہ اور مہر کیوں رکھا گیا' یہ تو خاوند پر بلاوجہ کا بوجھ ہے۔ جواب: اس لئے کہ عورت خاوند کی پابند ہو جاتی ہے کہ بغیر اس کی اجازت گھر سے باہر نہیں جا سکتی' بغیر اس کی طلاق کے دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی' نیز طلاق کا اختیار خاوند کو دیا گیا عورت کو نہیں' ان پابندیوں کی وجہ سے خاوند کے ذمہ عورت کا تمام خرچہ و مہر رکھا گیا' جس جانور کو ہم پالتے ہیں' اسے اپنی قید میں رکھتے ہیں تو اس کا سارا خرچہ ہمارے ذمہ ہوتا ہے' یہ تو انسان ہے' ہماری مثل ہے غرضیکہ یہ احکام نہایت موزوں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو کوئی قوت بے کار نہ دی' ہر قوت کے مصرف مقرر فرما دیئے کہ فلاں قوت فلاں جگہ صرف کرو' قوت شہوانی بھی عطیہ ربانی ہے بلکہ دوسری قوتوں سے افضل ہے کہ اس سے عالم کا انتظام قائم ہے' اس سے نسل انسان چلتی ہے' اس سے نیک و صالح اولاد پیدا ہوتی ہے' مرد کو چاہیے یہ کہ اس قوت شہوانی کے صرف کیلئے اچھی بیویاں اختیار کرے تاکہ اولاد بھی اچھی ہو کہ ماں باپ اولاد کا سانچہ ہیں' سانچہ اچھا ہو گا تو چیزیں بھی اچھی ہی ڈھلیں گی' زوجہ صالحہ صوفیائے کرام کے نزدیک وہ ہے جس کا حسن خوف الٰہی ہو' اس کی تمنا قناعت ہو' اس کا زیور عفت و پاک دامنی ہو' اس کا مشغلہ بعد عبادت خدمت زوج ہو' اس کی ہمت تیاری موت ہو' مرد کو چاہیے کہ ایسی عورت کی طرف کبھی رغبت نہ کرے' جس کے پاس صرف حسن صورت ہو حسن سیرت نہ ہو' کہ وہ حسینہ در حقیقت ناگن ہے جو کبھی جان کی لیوا ہو گی: حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کے تین قسم کے لوگ دوزخ میں بہت عرصہ تک رہیں گے' ایک وہ جو موٹے ہوں مگر دبلے' دوسرے وہ جو لباس پہنے ہوں مگر ننگے' تیسرے وہ جو عالم ہوں مگر جاہل' صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشاد عالی کی تفسیر فرما دیجئے' فرمایا جو عورتیں بدن میں موٹی دین سے خالی ہو' وہ موٹی ہیں مگر دبلی' جو عورتیں ایسا باریک لباس پہنیں کہ ستر حاصل نہ ہو' وہ پہنے ہیں مگر ننگی ہیں کہ حیاء و غیرت سے خالی ہیں' جو دنیاوی معاملات خوب جانتا ہو مگر دینی علم سے بے بہرہ وہ عالم ہے مگر جاہل' اس آیت کے ماتحت مردوں کو چاہیے کہ ایک یا دو یا تین بیویاں بھی کریں جو مذکورہ صفات سے متصف ہوں' تنگ جوتے سے ننگے پیر بھلا' بری عورت سے کنوارا رہنا اچھا' اچھی بیوی مرد کو اچھا بنا دیتی ہے' بری عورت مرد کو برا کر دیتی ہے۔ نوٹ ضروری: آج کل عام لوگوں نے اس آیت کریمہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ بہت سے لوگ چند بیویاں کر لیتے ہیں' مگر ان میں عدل و انصاف نہیں کرتے' شاید سو میں ایک ہو گا جو چند بیویوں میں صحیح طور پر اسلامی عدل و انصاف کرتا ہو تعدد ازدواج کے جواز کیلئے یہ آیت کریمہ تو پیش کرتے ہیں' مگر اس آیت کا یہ جز نہیں دیکھتے کہ اگر انصاف نہ کر سکو تو ایک ہی کرو' کتنے ظلم کی بات ہے اور

ان ظالموں کے برتاؤ سے اسلام و قرآن کس قدر بدنام ہوتا ہے' آج جس قدر ظلم مسلمان اپنی بیویوں پر کر رہے ہیں' دوسری قومیں اس قدر ظلم نہیں کرتیں' خیال رکھو کہ قیامت قریب ہے اللہ تعالیٰ حسیب ہے وہاں جواب ضرور دینا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْ
اور نہ دو نادانوں کو اپنے مال کہ بنایا اللہ نے واسطے تمہارے باعث قیام اور روزی دو
اور بے عقلوں کو ان کے مال نہ دو جو تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری بسر اوقات
هُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝
انہیں اس مال میں اور کپڑا دو ان کو اور کہو ان سے بات پسندیدہ
کیا ہے اور انہیں اس میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور کہو ان سے بات اچھی

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں یتیموں کے والیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو' اب فرمایا جا رہا ہے کہ حوالہ جب کرو جب ان میں مال سنبھالنے کی قابلیت بھی ہو' ناقابل یتیموں کا مال اپنے قبضہ میں رکھو گویا پہلے حکم تھا اب اس حکم کی شرائط کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں حکم تھا کہ اپنی بیویوں کا مہر دے دو' ان کا قبضہ کرا دو' اب حکم ہے کہ جو بیویاں ناسمجھ' بے وقوف ہوں' جو مال کو صحیح طور پر خرچ کرنا نہ جانتی ہوں' انہیں ہرگز نہ دو تاوقتیکہ ان میں سمجھ آ جائے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مال خرچ کرنے کا ذکر تھا اب مال کی قدر کا ذکر ہو رہا ہے' کہ مال کے ذریعہ بہت سے شرعی احکام وابستہ ہیں۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیات میں مال دینے والوں کا ذکر ہے کہ مال کا تعلق دینے والوں سے بھی ہے اور لینے والوں سے بھی' دینے والوں کا ذکر پہلے تھا۔ لینے والوں کا اب ہو رہا ہے۔

تفسیر: ولا تئوتوا السفهاء اموالكم: ظاہر یہ ہے کہ **لا تئوتوا** میں خطاب یتیموں کے والیوں سے ہے۔ جن سے پہلے بھی خطاب تھا' اور ہو سکتا ہے کہ خاوندوں سے خطاب ہو' جن سے ابھی ابھی خطاب تھا۔ **لا تئوتوا** سے مراد ان کو مالک بنا دینا ہے: **سفهاء**' سفیہ کی جمع ہے' اس کی تحقیق پہلے پارے کے شروع میں ہو چکی کہ سفاہت کے معنی ہیں خفت عقل' یہاں وہ دیوانہ پن یا پاگل پن مراد ہے۔ جس کی وجہ سے انسان مجور التصرف ہو جاتا ہے کہ اسے شرعاً" مالی لین دین اور مالی معاملات کرنے کا حق نہیں ہوتا' رہا وہ عاقل بالغ جو مالی امور میں لاپروا اور کھاؤ اڑاؤ ہو' مال کا برباد کرنے والا ہو' اسکے احکام میں بہت تفصیل ہے کہ حضرت امام شافعی و صاحبین کے ہاں اسے بھی مال نہ دیا جائے گا' اور وہ بھی تصرفات مالیہ سے مجور ہو گا۔ مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاں کچھ تفصیل ہے کہ پچیس سال کی عمر تک ایسے شخص کا مال ولی کے قبضہ میں رہے' پچیس سال کی عمر میں اس کا مال اسے دے دیا جائے گا' کہ اب اسکے سنبھلنے کی امید نہ رہی' نیز جو بے عقلی میں ہی بالغ ہوا اور جو پہلے عاقل ہو بعد میں بے عقل ہو جائے' اس کے احکام میں فرق ہے غرضیکہ یہاں سفہاء سے مراد نابالغ یتیم ہیں یا دیوانے پاگل کہ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اموال

جمع فرماکر سارے مالوں کو شامل فرمالیا گیا منقول ہوں یا غیر منقول۔ اموال کی نسبت یتیموں کے ولیوں کی طرف قبضہ کی نسبت ہے نہ کہ ملکیت کی ‘کیونکہ ان مالوں کے مالک تو وہ یتیم ہی ہیں ‘مگر قبضہ والیوں کا ہے اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایسا ترجمہ فرمایا ‘اور ہو سکتا ہے کہ ‘کم سے مراد نوع انسان ہو یعنی نوع انسان کا مملوکہ مال ‘جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **انتم هؤلاء تقتلون انفسکم** وغیرہ اور اگر **اموالکم** میں خاوندوں سے خطاب ہو یا عام لوگوں سے خطاب ہو یعنی اے خاوندو! اپنی دیوانی نابالغہ بیویوں کو ان کا مہر نہ دو ‘یا اے باپو! اپنا مال نابالغ بچوں کے حوالہ نہ کرو ‘پھر کسی توجیہ کی ضرورت نہیں آیت بالکل صاف ہے **التی جعل الله لکم قیما : التی** ‘ **اموال** کی صفت ہے ‘ظاہر یہ ہے کہ جعل دو مفعول چاہتا ہے ‘پہلا تو پوشیدہ ہے ‘ دوسرا مفعول **قیما** ہے ‘اصل میں **جعلها الله** تھا۔ قیام دراصل قوام تھا قاف کے کسرہ کی وجہ سے واؤ ی سے بدل گیا قیام سے مراد یا تو زندگی ہے یعنی قیام دنیایا معنی گزر اوقات اور مراد ذریعہ ء قیام اور ذریعہ بقاء ہے۔ یعنی وہ مال جسے رب تعالیٰ نے تمہارے لئے ذریعہ بقاء و ذریعہ عیش بنایا اسے برباد نہ کرو ‘ **وارزقوهم فیها واکسوهم** یہ والیوں کو دوسرا حکم ہے ‘رزق اگرچہ کھانا لباس ہی کو کہتے ہیں مگر یہاں کھانا مراد ہے کیونکہ لباس کا ذکر آگے آ رہا ہے ‘هم کا مرجع وہ یتیم ہیں یا بیویاں یا سارے بچے ‘یہاں **منها** نہ فرمایا بلکہ **فیها** فرمایا ‘تاکہ معلوم ہو کہ ان کے اصل مال سے انہیں نہ کھلاؤ پلاؤ کہ ان کے مال سب خرچ نہ ہو جائیں بلکہ اصل مال تو تجارت میں لگاؤ ‘اس کے نفع سے ان پر خرچ کرو کہ وہ مال خرچ کا ظرف بنے خود خرچ نہ ہو۔ (کبیر و خازن و معانی وغیرہ) کسوت سے مراد عام لباس ہے خواہ ہر وقت پہننے کا ہو جیسے کرتہ پائجامہ ٹوپی عمامہ یا کبھی کبھی استعمال کا جیسے اچکن ‘ رضائی ‘لحاف توشک وغیرہ کہ یہ تمام چیزیں ‘ان یتیموں کے ہی مال سے بنائی جائیں گی **وقولوا لهم قولا معروفا** یہ والیوں یا خاوندوں وغیرہم کو تیسرا حکم ہے قول معروف یعنی اچھی بات سے ہر وہ بات مراد ہے جو ان کی دلجمعی ‘تسکین کا باعث ہو یا ان کیلئے مفید ہو مثلاً ان سے کہہ دو کہ یہ مال تمہارا ہی ہے ہمارا نہیں ‘جب تم بالغ ہو جاؤ گے یا تم میں سمجھ آجائے گی تب تم ہی کو دیا جائے گا ‘ابھی تمہارے ہی نفع کیلئے تم کو نہیں دیتے یا ان کی تربیت و تعلیم اچھی کرو ‘انہیں سمجھاؤ کہ بچپن میں کسی قابل بن جاؤ ‘کوئی اعلیٰ ہنر اچھی تعلیم حاصل کر لو ‘تاکہ کل تمہیں کام آئے۔ غرضیکہ قول معروف میں بڑی وسعت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے نرم گفتگو مراد ہو یعنی ان سے سخت اور کڑوی بات نہ کیا کرو ‘نرمی سے سمجھایا کرو کہ نرم مٹی میں دانہ خوب اگتا ہے ‘نرم لوہا جدھر چاہو مڑ جاتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے یتیموں کے والیو! تم کو حکم تو دیا گیا ہے کہ یتیموں کا مال انکو دے دو ‘مگر خیال رکھنا کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے ‘یہ مال دینے کا بھی وقت ہے ‘جب تک وہ نابالغ ہوں یا اگر وہ مجنون دیوانہ ہوں تو ایسے نادانوں نا سمجھ بچوں دیوانوں کو ان کا وہ مال نہ دو جو تمہارے پاس ہے ‘جانتے ہو کہ مال ہی وہ نعمت ہے جو تمہارے لئے بقائے زندگی ‘عیش و آرام جاں اور گزر اوقات کا ذریعہ ہے ‘اس کی قدر کرو ‘اسے دیوانوں کے حوالے کرکے برباد نہ کرلو ‘ہاں اسی مال میں یتیموں کو بقدر حیثیت کھانا کپڑا دیتے رہو اس طرح کہ مال تجارت سے بڑھاؤ اور نفع ان پر خرچ کرو ‘اور ہمیشہ ان سے اچھی بات کرو کہ انہیں مال سے مایوس نہ کرو ‘دینے کا وعدہ کرتے رہو یا انہیں علم و ادب و ہنر سکھاؤ۔ **نوٹ:** عام صحابہ و مفسرین نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر کی ہے مگر حضرت عبداللہ ابن مسعود و عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ **سفهاء** سے مراد بے عقل دیوانی بیویاں اور نا سمجھ بچے و

یتیم سب ہی ہیں' یتیموں کے والیوں' خاوندوں وغیرہ سب کو حکم دیا گیا ہے کہ نا سمجھ دیوانوں اور نابالغوں کو مال نہ دیں ورنہ وہ ضائع کردیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر بولی کہ ہماری برائیاں تو بہت ہیں ہم ناقص عقل' ناقص دین سب کچھ ہیں' کچھ ہمارے فضائل بھی ہیں فرمایا ہاں تم میں سے حاملہ عورت کو مرابطہ فی سبیل اللہ یعنی تیاری جہاد کرنے والے کا ثواب ہے' جنتے وقت اس شہید کا ثواب ہے جو اپنے خون میں لوٹے' اور دودھ پلانے کے زمانہ میں بچے کے ہر گھونٹ پر غلام آزاد کرنے کا ثواب' بچے کی پرورش میں راتوں کے جاگنے پر شب بیداری و ریاضت کا ثواب بشرطیکہ اللہ کی اور اپنے خاوند کی مطیعہ رہے۔ (روح المعانی)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: مال اللہ تعالیٰ کی بڑی اعلیٰ نعمت ہے' اس کی قدر اور اس کی حفاظت چاہئے جیسا کہ **لا تئوتوا السفھاء** سے معلوم ہوا' قرآن کریم میں مال کی حفاظت کے متعلق بہت آیات وارد ہوئیں' چنانچہ قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت یعنی آیت مداینہ قرض کے لین دین کی آیت ہے' جس میں قرض کی تحریر دستاویز لکھنے کا طریقہ سکھایا گیا' کیوں حفاظت مال کیلئے' نیز رب تعالیٰ نے فرمایا **لا تبذر تبذیرا** فضول خرچی نہ کرو' اور فرماتا ہے **ولا تبسطھا کل البسط** خرچ میں ہاتھ کھول نہ دو' اور فرماتا ہے **لم یسرفوا ولم یقتروا** مومن وہ ہیں جو خرچ کرنے میں زیادتی و کمی نہیں کرتے' یہ تمام احکام حفاظت مال کیلئے ہیں' حضرت قیس ابن جد دعا کرتے تھے' خدایا مجھے حمد و مجد دے' حمد بغیر اعمال حاصل نہیں ہوتی اور مجد بغیر مال ناممکن ہے: سفیان ثوری فرماتے ہیں مال کمانے سے غافل نہ رہو' تجارت وغیرہ کرتے رہو' کیونکہ آج غریب آدمی پہلے اپنا دین کھاجاتا ہے' اسلام کی اکثر عبادات مال پر موقوف ہیں' زکوٰۃ' قربانی' حج' جہاد' فطرہ' خدمت والدین وغیرہ' بغیر مال ناممکن ہے' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے مال کو ہمارے لئے قیام یعنی بقا کا ذریعہ فرمایا' لہٰذا مسلمانوں پر مال کمانا اور کمانے کے بعد اسکی حفاظت کرنا اشد ضروری ہے۔ (کبیر و معانی) فراغت قلبی بغیر مال ناممکن ہے' اور بغیر فراغت دلی عبادات میں کمال نہیں آتا' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

خداوند نعمت بحق مشتغل پراگندہ روزی پراگندہ دل
شب چو عقید نماز بربندم چہ خورد بامداد فرزندم

دوسرا فائدہ: فضول خرچوں مال کے ناقدروں کو مال نہ دو کہ وہ مال کھا اڑا کر برباد کردیں گے' جب نابالغ یتیموں مجنونوں' دیوانوں کو ان کا خود اپنا مال دینا جائز نہیں کہ وہ قدر نہ کریں گے' تو اپنا مال کھانے اڑانے والوں کو دینا کسی طرح جائز نہ ہوگا' لہٰذا ڈوم' مراثی' بھانڈ کو پیسہ دینا سخت جرم ہے' نیز تماشوں' کھیلوں' ناجائز معاملات میں پیسہ خرچ کرنا سخت گناہ ہے کہ اس میں مال کی بربادی بھی ہے' وقت ضائع کرنا بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے' **ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین** مال برباد کرنے والے فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ تیسرا فائدہ: یتیم کے اولیاء کو مال یتیم میں تجارت کرنا' اسے کاروبار میں لگانا جائز بلکہ ضروری ہے تاکہ مال برباد نہ ہو جائے' کوشش کرے کہ یتیم کا خرچ نفع سے چلے اور اصل مال محفوظ رہے جیسا کہ **وارزقوھم فیھا** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: یتیم کے والی کو چاہئے کہ یتیم کی خوراک اور پوشاک کا انتظام اپنی نگرانی میں کرے' غفلت نہ کرے' دوسرے کے سپرد نہ کردے' جیسا کہ **واکسوھم** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اگر

کسی کی زوجہ نابالغہ یا دیوانی ' مجنونہ ہو تو اس کا مہر اس کے قبضہ میں نہ دے کہ وہ اسے برباد کردیگی بلکہ یا تو اس کے والدین کے حوالہ کردے یا اس پر صرف کرے ' نان و نفقہ کے علاوہ ہیں 'جیسا کہ **سفھاء** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** بہت چھوٹے بچوں کو جنہیں پیسہ وغیرہ کی پہچان نہ ہو روپیہ پیسہ نہ دو کہ وہ اسے برباد کردیں گے 'کچھ ہوش سنبھالنے پر جبکہ وہ پیسہ کو تو پہچاننے لگیں 'مگر نوٹ یا روپیہ نہ پہچانیں 'انہیں پیسہ تو دو ' روپیہ نہ دو 'جیسا کہ **سفھاء** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مال انسانوں کیلئے دین و دنیا کے قیام کا ذریعہ ہے اسے برا نہ کہو 'نہ برا سمجھو 'جو مال اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے خرچ ہو وہ رب تعالیٰ کی رحمت ہے 'جو مال رب تعالیٰ سے غافل کردے 'بری راہ پر لگادے ' وہ رب تعالیٰ کا عذاب: فرائض کی شرائط بھی فرض ہوتی ہیں 'نماز کیلئے وضو کرنا فرض ہے 'ایسے ہی زکوۃ و حج کیلئے مال بھی لازم جیسا کہ **قیما** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** بچوں کو علم و ہنر سکھانا اشد ضروری ہے 'جس سے وہ آئندہ اپنی زندگی سنوار سکیں 'بھیک نہ مانگتے پھریں جیسا کہ **قولا معروفا** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** چھوٹے بچوں سے ابے تبے اوئے کرکے نہ بولو بلکہ آپ جناب کرکے کلام کرو تاکہ وہ بھی اسی قسم کی مہذب گفتگو کرنا سیکھیں ' نرم کلام کرو 'شیریں بات کہو کہ ان میں نرمی و شیرینی پیدا ہو جیسا کہ **قولا معروفا** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا بچہ کا پہلا مدرسہ اسکا اپنا گھر ہے اور پہلے معلم ماں باپ۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں یتیموں کے مال کو والیوں کا اپنا مال کیوں فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا **اموالکم** اس کی بجائے **اموالھم** ہونا چاہئے تھا۔ **جواب:** اس کے تین جواب ہیں: یہ کہ **سفھاء** سے مراد نا سمجھ بیویاں اور اپنی نادان اولاد ہے 'تو معنی یہ ہوئے 'کہ ناسمجھ بیویوں کو ان کا مہر نہ دو 'اور اپنے نادان بچوں کو اپنا مال نہ دو 'اور ظاہر ہے کہ مہر ادا کرنے سے پہلے خاوند کا اپنا مال ہوتا ہے 'اور اس کے بعد بیوی کی ملک بنتا ہے: دوسرے یہ کہ **سفھاء** سے مراد نادان ' بے عقل یتیم بچے ہیں: اور **اموالکم** میں مال کی اضافت قبضہ کے لحاظ سے ہے نہ کہ ملکیت کے اعتبار سے 'یعنی اپنا مقبوضہ مال جو یتیموں کی ملک ہے ان کو سپرد نہ کرو 'تیسرے یہ کہ یتیموں کے مال کو مجازاً اولیاء کا مال فرمایا کہ جیسے تمہیں اپنے مال کا درد ہوتا ہے ویسے ہی ان کے مال کا درد کرو 'یہ گویا تمہارا اپنا ہی مال ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا 'یتیموں کا مال والیوں کے بقاء کا ذریعہ نہیں 'وہ تو یتیموں کے بقاء کا ذریعہ ہے تو یہ فرمان کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں 'ایک یہ کہ یہاں مطلق مال کا ذکر ہے نہ کہ خاص یتیم کے مال کا 'یعنی مال بقاء انسان کا ذریعہ ہے 'دوسرے یہ کہ اگر یتیم کا مال ہی مراد ہو 'تو قیام سے مراد دینی قیام ہے 'یعنی یتیموں کا مال تمہارے دین کے قیام کا ذریعہ ہے 'اگر اس کی حفاظت کرو گے 'ثواب پاؤ گے 'برباد کرو گے 'عذاب کے مستحق ہو گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفہاء یعنی بیوقوفوں کو انکا مال نہ دینا چاہئے 'تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیوں فرماتے ہیں کہ پچیس سال کی عمر پر بہرحال ان کا مال دے دیا جائے 'عاقل ہوں یا نہ ہوں ان کا یہ فتویٰ اس آیت کے خلاف ہے۔ (شوافع) **جواب:** امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سفہاء سے مراد نابالغ بچے اور دیوانے لئے کہ یہ دونوں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مجبور ہیں کہ وہ مال خود خرچ نہ کریں ان کا ولی خرچ کرے 'جب بچہ بالغ بھی ہو عاقل بھی ' عمر بھی اس کی پختہ ہو جائے پھر اسے تصرف سے کیوں روکا جائے 'ان کے پورے دلائل ھدایہ 'فتح القدیر وغیرہ میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یتیم کا ولی یتیم کے مال میں تجارت کرے حالانکہ وہ تو محض امین ہے 'امین کو امانت کے مال میں تجارت جائز نہیں 'وہ صرف حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ **جواب:** یتیم کا ولی محض امین

نہیں بلکہ یتیم کا اور اس کے مال کا متولی بھی ہے' اور متولی کو ان تصرفات کا حق ہوتا ہے' اگر محض امین ہوتا تو اسے یتیموں کی غذا و لباس کے انتظام کا بھی حق نہ ہوتا' حالانکہ یہاں ان دونوں کا حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا مال اس کے دین و دنیا کے قیام کا ذریعہ ہے' عاقل وہ ہے جو اس مال کو بقدر ضرورت تو دنیا کیلئے خرچ کرے' باقی دینی مصلحتوں میں صرف کرے' سفیہ و بے وقوف وہ ہے جو اسے دنیا پر ہی صرف کرے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تیرے اندر ایک سفیہ نادان ساتھی موجود ہے جو تجھے ہر وقت غلط مشورے دیتا ہے' یعنی تیرا نفس یہ سفیہ بھی اور تیرا دشمن بھی' اس کے مشورے سے اس پر مال خرچ نہ کر کہ اس میں مال کی بربادی ہے' اسے صرف روزی دے یعنی بقدر ضرورت کھانا پینا اور لباس دے' جس سے نفس کے عیوب چھپ جائیں جو اس کے علاوہ خرچ ہیں وہ اسراف و فضول خرچی ہیں اور اس نفس سے ہمیشہ اچھی باتیں کہہ کہ اے نفس تو نے اللہ کی روزی کھائی تو اس کا شکریہ بھی کر تو نے اللہ تعالیٰ کا دیا لباس پہنا تو اس کی نافرمانی سے بچ' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ' پنے کھانے کو عبادت کے چور ان سے ہضم کرو کم از کم یہ کہ ہر لقمہ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور کھانے سے فارغ ہونے پر اس کی حمد جو شخص رات کا کھانا کھا کر بغیر ذکر الٰہی سو جائے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے' بعض حضرات فرماتے ہیں کہ علوم کے مال معرفت کے خزانہ سفہاء یعنی نااہل عوام کو نہ دو کہ وہ سفیہ ہیں اس کی قدر نہ کریں گے' کسی بزرگ نے عارفوں کی مجلس میں اولیاء اللہ کی کرامات کا ذکر فرمایا مجمع کو وجد آ گیا حاضرین میں سے کسی نے وہی تقریر نااہلوں کی مجلس میں دہرائی لوگ اس کا انکار کر بیٹھے' وہ بولے واقعی مرغ کے بازار میں لونٹ نہ بیچو' شور والی زمین میں دانہ ضائع نہ کرو۔

در مخست باسفلہ گفت از علوم   کہ ضائع شود تخم در شورہ بوم

(از روح البیان)

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ
اور آزماؤ یتیموں کو یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں جوانی کو تو اگر محسوس کرو تم ان کی طرف سے
اور یتیموں کو آزماتے رہو تا آنکہ جب وہ نکاح کے قابل ہوں تو اگر تم ان کی سمجھ ٹھیک دیکھو
رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ
سمجھ بوجھ تو حوالہ کر دو ان کی طرف سے ان کے مال اور نہ کھاؤ تم ان مالوں کو فضول خرچی سے اور جلدی
تو ان کے مال انہیں کے سپرد کر دو اور انہیں نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں کہ کہیں
يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ
کہ کہیں بڑے ہو جائیں اور جو ہو بے نیاز وہ محفوظ رہے اور جو ہو حاجتمند وہ کھائے بھلائی سے
بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے اور جو حاجتمند ہو وہ بقدر مناسب کھائے پھر جب

بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ

کچھ کھائے پس جب دینے لگو انہیں تم ان کے مال تو گواہ بنالو ان پر اور کافی ہے

تم ان کے مال انہیں سپرد کردو تو ان پر گواہ کرلو اور اللہ کافی ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

اللہ حساب لینے والا

حساب لینے کو

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں والیوں کو حکم تھا کہ یتیموں کو ان کے مال دے دیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کب دیں' گویا دینے کا حکم پچھلی آیت میں تھا اور دینے کا وقت اس آیت میں بتایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ نادانوں یتیموں کو مال حوالہ نہ کرو' اب ان کی نادانی دفع کرنے کا علاج اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے' کہ ان سے تجارتیں کراؤ' ان کی آزمائش کرو تاکہ نادانی دور رہو' غرضیکہ بیماری کا ذکر پہلے تھا اور اس کے علاج کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں یتیموں کے والیوں کو یتیموں کا مال کھانے سے سخت منع فرمایا تھا' اب بعض صورتوں میں کھانے کی اجازت دی جارہی ہے' قانون کا بیان پہلے تھا اور قانون کی تشریح اب ہے۔ **چوتھا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں یتیموں سے اچھی بات کرنے کا حکم تھا' اب یہاں سے اچھی بات کی شرح کی جارہی ہے کہ انہیں علم و ہنر سکھاؤ' انہیں جانچتے رہو' **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں یتیموں کے مال سپرد کرنے کا حکم تھا' اب اس سپرد کرنے کے قاعدے ارشاد ہو رہے ہیں کہ دیتے وقت گواہ بنالو تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔

شان نزول: حضرت رفاعہ کا انتقال ہو گیا' ان کا فرزند ثابت ابن رفاعہ ابھی بچہ تھا' چنانچہ یہ بچہ' اور رفاعہ کا متروکہ مال رفاعہ کے بھائی کے سپرد ہوئے' ثابت کے یہ چچا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ثابت کے یتیم اور اس کے مال کا متولی بنایا گیا ہے فرمایا جائے کہ میں بحق خدمت اس مال میں سے کچھ کھا سکتا ہوں یا نہیں؟ اور یہ مال اس بچے کو کب اور کس طرح حوالہ کروں' ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان کے تینوں سوالوں کے جوابات دیئے گئے۔ (تفسیر خازن)

تفسیر: وابتلوا الیتمی: ابتلوا' باب افتعال سے ہے ابتلاء کا امر اس کا مادہ بلو ہے' بمعنی جانچ' امتحان' آزمائش' اسی سے ہے بلا کہ آفات میں بھی انسان کی جانچ ہوتی ہے' اس میں خطاب یتیموں کے والیوں سے ہے' حق یہ ہے کہ اس آزمائش سے مراد دینی و دنیاوی دونوں قسم کی آزمائشیں ہیں کہ والی اپنے زیر پرورش یتیموں کی ہر قسم کی آزمائش کرے' ان کے نماز روزے وغیرہ کو بھی آزمائے' ان سے تجارتی لین دین اور کاروبار بھی کرائے' یتامیٰ سے مراد وہ یتیم ہیں جو سمجھدار بھی ہوں اور صاحب مال بھی' بالکل ناسمجھ بچے آزمائش کے قابل نہیں' امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک آزمائش کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا

کچھ مال انہیں حوالہ کرکے کہا جائے کہ اس سے کچھ تجارت کرو یا انہیں اپنی دکان پر بٹھایا جائے کہ وہ کچھ سودے بیچیں یا انہیں خریداری کیلئے دکانوں پر بھیجا جائے: امام شافعی کے ہاں اس جانچ کی یہ صورت نہیں کیونکہ ان کے ہاں نابالغ بچے کو نہ تصرف کرنے کی اجازت ہے نہ اسے اس کا مال دیا جائے' ان کے ہاں اس امتحان کی صرف یہ صورت ہے کہ یتیم اپنے والی کی موجودگی میں گاہکوں سے سودا کرے پھر خرید و فروخت والی کرے: خیال رہے کہ دینی آزمائش تو ہر بچے کی یکساں ہے' اس کی جانچ پڑتال کی جائے کہ اس کا طبعی میلان نماز روزہ کی طرف ہے یا جوئے وغیرہ یا بد معاشی کی جانب مسجد کو پسند کرتا ہے یا سینما کو' مگر دنیوی جانچ ہر قوم کی مختلف' چنانچہ تاجر لوگ اپنے یتیموں اور بچوں کو خرید و فروخت کرا کے جانچیں' کاشتکار زمیندار بھی اپنی کھیتی باڑی کا کام ان کے سپرد کریں' امیر لوگ کبھی نوکروں چاکروں کا انتظام ان کے ذمہ کریں' عام لوگ انہیں کچھ پیسے دیکر بازار سے سودا سلف منگوائیں' لڑکیوں کا امتحان گھریلو کام کاج کے ذریعہ کریں' کبھی ان سے کھانے پکوائیں' چرخہ کتوائیں' کپڑے سلوائیں غرض کہ پتہ کریں کہ یہ کام اپنا سنبھال سکیں گی یا نہیں' قرآن کریم کا یہ ایک جملہ **وابتلوا الیتمی** ان سب صورتوں کو شامل ہے (تفسیر خازن) یہ بھی خیال رہے کہ یہ ساری آزمائشیں ان کے بلوغ سے پہلے ہوں گی' کیونکہ آگے بلوغ کو ان کی آزمائشوں کی انتہا قرار دیا گیا ہے' نیز یہ آزمائشیں بار بار کی جائیں نہ کہ فقط ایک دفعہ **حتی اذا بلغوا النکاح**: نکاح عقد یعنی شادی کو کہتے ہیں' نکاح تک پہنچنے سے مراد ان کا بالغ ہونا ہے' کیونکہ نکاح کی ضرورت لڑکے لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے' اگرچہ نکاح نابالغی میں بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے' بلوغ کی پانچ علامتیں ہیں' تین لڑکے لڑکی میں مشترک ہیں جیسے انزال و احتلام یا پندرہ سال کی عمر یا زیر ناف بالوں کا آنا' دو علامتیں لڑکیوں سے خاص جیسے حیض یا حاملہ ہو جانا: خیال رہے کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک لڑکے کے بلوغ کی انتہائی عمر اٹھارہ سال ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ لڑکے لڑکی دونوں کے بلوغ کی انتہائی عمر پندرہ سال ہے جیسا کہ شامی وغیرہ کتاب الحجر میں ہے' یہ بلوغ بچے بچی کی یتیمی کی بھی انتہا ہے' اور ان کے امتحانوں کی بھی **فان انستم منهم رشدا** یہ یتیموں کا مال ان کے حوالے کرنے کی دوسری شرط ہے: **انستم** میں بھی خطاب یتیموں کے اولیاء سے ہے: یہ لفظ باب افعال کا ماضی ہے' اس کا مصدر ایناس ہے مادہ انس' بمعنی احساس اور دیکھنا و معلوم کرنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انس من جانب الطور نارا**: موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طور کی طرف آگ دیکھی یا محسوس فرمائی: اور فرماتا ہے **انی انست نارا**: یہ لفظ انسان سے ماخوذ ہے' انسان آنکھ کی پتلی کو کہتے ہیں' اور پتلی کا کام ہے دیکھنا' یہاں بجائے **علمتم** کے **انستم** فرمایا تاکہ بتایا جائے کہ تم ان یتیموں کا ٹھیک ٹھاک ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لو' رشد' ر کے پیش سے دنیوی و اخروی سمجھ کو کہتے ہیں' اور ر کے فتح سے اخروی سمجھ کو' رشد ان دونوں سے بنتا ہے' بمعنی دینی و دنیوی سمجھ داری' دین میں ٹھیک: رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما امر فرعون برشید** یعنی جب یتیم بچے بالغ ہو جائیں' پھر اس کے بعد تم ان میں دنیوی کاروبار کی سمجھ بھی دیکھو اور محسوس کر لو کہ یہ اپنا مال سنبھال لیں گے ضائع نہ کریں گے تو **فادفعوا الیهم اموالهم** ان کے مال انہیں سپرد کر دو: یہاں اموال کی نسبت ھم کی طرف ملکیت کی ہے کیونکہ یہ مال ان یتیموں کی ہی ملک تھے اور ہیں' اور وہاں **اموالکم** میں قبضہ کی نسبت تھی' کیونکہ وہ مال والیوں کے قبضہ میں تھے' لہٰذا یہ عبارت اس عبارت کے خلاف نہیں: صاحبین و امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی بناء پر فرماتے ہیں کہ غیر سمجھ دار بچے کو اس کا مال کبھی حوالہ نہ کیا جائے' اگرچہ وہ بوڑھا ہو جائے کیونکہ رب

تعالیٰ نے یہاں مال دینے کی دو شرطیں بیان فرمائیں' ایک بلوغ' دوسری سمجھ' مگر امام صاحب فرماتے ہیں کہ 25 سال کی عمر میں ناسمجھ کو بھی اس کا مال دے دیا جائے کیونکہ ان کے ہاں اٹھارہ سال بلوغ کی عمر ہے' اور سات سال ناسمجھ میں سمجھ آنے کے انتظار کی مدت: شریعت نے سمجھ کی مدت سات سال مانی' اسی لئے سات سال کے بچے کو نماز کا حکم ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ 25 سال کی عمر میں انسان کی لب یعنی خاص عقل کی انتہاء ہوتی ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ جو 25 سال کا ہو گیا وہ اپنے رشد یعنی پورے کمال کو پہنچ گیا۔ (تفسیر روح المعانی) ہاں مجنون دیوانے شخص کو اس کا مال کبھی نہ دیا جائے گا اگرچہ بوڑھا ہو جائے جب تک عاقل نہ ہو **ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا** : یہ یتیموں کے اولیاء کو تیسرا حکم ہے' اکل سے مراد یا تو کھانا ہی ہے یا کھانا و پہننا دونوں: **لا تاکلوا** میں خطاب صرف یتیم کے ولی کو ہے' جس میں اس کے بال بچے شامل نہیں' کیونکہ یتیم کے دل سے کچھ کھانے یا کھانے پینے دونوں کی اجازت صرف اسی کو ہے' اسراف کے معنی بارہا عرض کئے جاچکے ہیں: یہ سرف سے ہے بمعنی حد سے بڑھنا' ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف کہلاتا ہے' اور ناجائز خرچ کو تبذیر کہتے ہیں: بدار کے لغوی معنی جلدی ہیں' اسی سے مبادرت ہے' چودھویں رات کے چاند کو بھی بدر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آفتاب ڈوبتے ہی جلدی نکل آتا ہے: بعض نے فرمایا کہ بدار کے معنی ہیں بھر جانا' چودھویں رات کے چاند کو اس لئے بدر کہتے ہیں کہ وہ نور سے بھرا ہوتا ہے' کھانے کے ڈھیر کو بیدر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ کھانے سے بھرا ہوتا ہے' روپے پیسے سے بھری تھیلی کو بدرہ کہا جاتا ہے کہ وہ مال سے بھری ہوتی ہے' مگر یہاں پہلے معنی بن سکتے ہیں: روح المعانی میں یہاں اسراف اور بدار دونوں اسم یا تو مفعول لہ ہیں یا بمعنی اسم فاعل ہو کر حال: **یکبروا** باب **سمع یسمع** کا مضارع ہے: اس کا مادہ کبر ہے: لفظ کبر جب باب سمع سے آئے تو عمر کی بڑائی کے معنی دیتا ہے: اور جب **کرم یکرم** سے آئے تو عزت و شرف میں بڑائی کے معنی دیتا ہے: اور اگر اس کے بعد علیٰ آ جائے تو بھاری پڑنا مشقت کے معنی میں ہوتا ہے: قرآن کریم میں یہ لفظ تینوں طرح استعمال ہوا ہے' یہاں پہلے معنی ہیں **ان یکبروا** سے پہلے خوفا پوشیدہ ہے یعنی اے یتیموں کے والیو: تم اس خطرہ سے کہ یتیم بڑے ہو کر اپنا مال لے لیں گے' ان کا مال جلدی جلدی فضول خرچی سے نہ کھاؤ **ومن کان غنیا فلیستعفف** : یہ یتیموں کے اولیاء کو چوتھی ہدایت ہے: **فلیستعفف** باب استفعال کا امر ہے' اس کا مصدر استعفاف ہے مادہ عف بمعنی کف یعنی رکنا اور باز رہنا' اسی لئے پاکدامن کو عفیف یا عفیفہ کہتے ہیں یعنی بے حیائیوں اور گناہوں سے بچنے والا غنی سے مراد شرعی غنی نہیں جس پر زکوۃ فرض ہو بلکہ لغوی غنی ہے یعنی جو مال یتیم کھانے کا حاجتمند نہ ہو یعنی جو ولی اللہ کے فضل سے یتیم کے مال سے بے نیاز ہے وہ اس مال سے بہت ہی پرہیز کرے' اس کے قریب بھی نہ جائے' صرف اللہ کیلئے یتیم کی پرورش کرے **ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف** یہ غریب والی کیلئے اجازت ہے: من سے مراد صرف والی ہے نہ کہ اس کے بال بچے: فقیر سے مراد لغوی فقیر ہے یعنی حاجتمند نہ کہ شرعی فقیر جس پر زکوۃ واجب نہ ہو' لہٰذا اگر غریب آدمی یتیم کے مال کا حاجتمند نہ ہو تو ہرگز نہ کھائے **فلیاکل** سے مراد یا تو صرف کھانا ہی ہے یا کھانا پہننا دونوں' دوسری بات زیادہ قوی ہے کہ حاجتمند ولی کو یتیم کے مال سے بقدر ضرورت کھانے کی بھی اجازت ہے اور پہننے کی بھی' مگر بشرطیکہ بالمعروف ہو' اس طرح کہ اس کے مال سے موٹا پہنے' حتیٰ کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ گاڑھا پہنے ململ نہ پہنے' دال کھائے گوشت نہ کھائے مگر گاہے بگاہے پھر بھی علماء کے نزدیک یہ بھی بطور قرض لے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے مال دے'

تو یہ سب خرچہ یتیم کو واپس کردے' ان کی دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ خط ہے جو عبد ابن حمید اور ابن ابی شیبہ نے نقل فرمایا جس میں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کو اللہ تعالٰی کے مال میں ایسا رکھا ہے جیسے یتیم کا والی یتیم کے مال میں کہ جب غنی ہوتا ہوں تو اس سے بچتا ہوں اور جب حاجتمند ہوتا ہوں تو بقدر ضرورت لیتا ہوں اور پھر جب مال پاتا ہوں تو یہ لیا ہوا واپس کر دیتا ہوں' حتی کہ ابن منذر نے بروایت عطاء حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ یہ آیت **فلیا کل بالمعروف** منسوخ ہے' اس کی ناسخ **ان الذین یا کلون اموال الیتمی** ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ولی کا یہ کھانا جائز ہے' اور قرض نہیں بلکہ پرورش کی اجرت ہے مگر بالمعروف پر نظر رہے۔ (روح المعانی) **فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم** یہ اولیاء کو پانچویں ہدایت ہے' پچھلی ہدایتوں میں یتیموں کا مال رکھنے کی احتیاطوں کا ذکر تھا' اور اس ہدایت میں انہیں مال سپرد کرنے کے وقت کی احتیاطوں کی تاکید ہے اس میں بھی خطاب یتیموں کے اولیاء سے ہے **الیھم** کو **اموالھم** پر مقدم فرمانے سے اودھر اشارہ ہے کہ خود بالغ شدہ یتیموں ہی کو ان کا مال دو' کسی اور کے قبضہ میں دیکر مال پھنسا نہ دو' یعنی اے ولیو! جب تم یتیموں کو انکے عاقل بالغ ہو جانے پر ان کا مال سپرد کرنے لگو تو اس پر گواہ بنا لو کہ گواہوں کے سامنے ان کا حساب کتاب آمد و خرچ تفصیل وار سمجھا کر انہیں مال دو' یہ حکم استحبابی ہے تاکہ آئندہ جھگڑا نہ پیدا ہو' پھر بھی فقط قانون پر نظر نہ رکھو بلکہ خوف خدا اول میں رکھو کیونکہ **وکفی باللہ حسیبا** جان لو کہ ہم تمہارے سارے کاموں کا حساب لیں گے اور حساب بھی ایسا جو کافی و وافی ہو گا' لہذا ہر حال میں ہم سے ڈرتے رہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اے یتیموں کے والیو! جب تمہاری زیر پرورش یتیم کچھ سمجھدار ہو جائیں' تو ان کی دینداری اور عقل و دانائی کی آزمائشیں برابر کرتے رہو' تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ بچے بالغ ہو کر اپنا مال سنبھال سکیں گے یا نہیں ان سے تجارتیں کراؤ' انہیں کاروبار میں لگاؤ' گھر کے انتظامات ان کے سپرد کرو' یہاں تک کہ جب وہ سیانے بالغ نکاح کے قابل ہو جائیں' پھر بھی اگر تم ان میں سمجھ بوجھ اور مال سنبھالنے کی طاقت دیکھو' تو ان کے سارے مال ان کے حوالے کردو کہ اب وہ تم سے مستغنی ہو گئے' خیال رکھنا کہ ان یتیموں کی پرورش کے زمانہ میں بدنیتی نہ کرنا یہ سمجھ کر کہ بچے بالغ ہو کر اپنا مال ہم سے لے لیں گے' کوئی ترکیب ایسی کرنی چاہئے جس سے ان کے ہاتھ کچھ نہ آئے یہ خیال کر کے ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ان کا سارا مال جلدی جلدی فضول خرچیوں میں اڑا دو' بلکہ حکم یہ ہے کہ جسے یتیموں کے مال کی حاجت نہ ہو وہ تو بالکل ہی ان کا مال اپنے استعمال میں نہ لائے' محض رضائے الٰہی کیلئے انہیں پالے پوسے' اور جو بالکل ہی فقیر و حاجتمند ہو تو وہ اس پرورش کی اجرت' در تربیت کے حق کی بناء پر ان کے مال سے کچھ کھا پی لیا کرے مگر وہ بھی یتیم کی خیر خواہی کرتے ہوئے معمولی کھائے' معمولی پہنے' یہ اس لئے اجازت دی گئی تاکہ تم روزی کمانے کی فکر میں یتیموں سے بے خبر نہ ہو جاؤ' پھر جب پرورش کی ساری منزلیں طے ہو جائیں اور یتیم عاقل و بالغ ہو جائیں۔ تم ان کا مال انہیں سپرد کرنے لگو' تو اس پر گواہ بنا لو کہ گواہوں کے سامنے ان کا سارا آمد و خرچ کا حساب سمجھا کر بقیہ مال ان کے حوالے کردو' ہر حال میں خیال رکھنا کہ تمہیں ہمارے پاس آنا ہے' اور ہم نے تمہارا حساب لینا ہے' اگر تمہیں یہ خیال رہا تو انشاء اللہ گناہ نہ کر سکو گے' ہم علیم و خبیر ہیں' تمہارے حساب لینے کیلئے کافی ہیں' ہمیں کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ماں باپ اور یتیموں کے والیوں پر لازم ہے کہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دیں اور ان کی اچھی تربیت کریں' جیسا کہ **وابتلوا الیتمی** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: بچوں کا امتحان کرتے رہنا اور ان کی دانائی و فراست جانچنا حکم قرآنی ہے' یہ بھی اس جملہ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: نابالغ بچوں کی خرید و فروخت جائز ہے' اس مقصد کیلئے انہیں کچھ مال بھی دیا جاسکتا ہے جب کہ وہ کچھ شعور رکھتے ہوں' یہی احناف کا مذہب ہے' یہ آیت ان کی دلیل ہے' کیونکہ یہاں یتیموں کی اس جانچ کا حکم ان کے بلوغ سے پہلے ہے۔ چوتھا فائدہ: اگر بالغ یتیم دیوانہ ہو تو اسے اس کا مال عمر بھر نہ دیا جائے جب تک کہ اس کا جنون زائل نہ ہو جائے' اور اگر ہو تو عاقل مگر ہو لاپرواہ' مال کا ناقدرا تو اس کی دانائی کا انتظار کیا جائے' اس دانائی کی مدت ہمارے امام صاحب کے ہاں پچیس سال کی عمر ہے کہ اب اگر وہ نا سمجھ بھی ہوں تو ان کا مال دے دیا جائے' اس کا ماخذ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہ فائدہ **فان انستم** سے حاصل ہوا۔ نوٹ: امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں لڑکی کو بغیر نکاح اس کا مال نہ دیا جائے بلکہ ان کے ہاں بالغہ لڑکی نکاح سے پہلے کوئی عقد نہیں کر سکتی لڑکے میں نکاح کی قید نہیں صرف بلوغ کافی ہے' بلکہ ان کے ہاں بعد نکاح لڑکی بغیر خاوند کی اجازت کوئی عقد نہیں کر سکتی' جب تک کہ پختہ عمر اور تجربہ کار نہ ہو جائے' یہ آیت بظاہر ان کے خلاف ہے۔ (خازن) پانچواں فائدہ: بالغ لڑکا لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتے ہیں' اجازت ولی کے محتاج نہیں جیسا کہ **بلغوا النکاح** سے معلوم ہوا' کیونکہ اس کے معنی ایک یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب وہ خود نکاح کرنے کی عمر کو پہنچ جائیں۔ چھٹا فائدہ: بچوں کو مال کمانے کے ساتھ مال کا خرچ کرنا بھی سکھانا چاہئے' کمانا کمال نہیں بلکہ صحیح خرچ کرنا کمال ہے' کمانا سب جانتے ہیں' صحیح خرچ کرنا کوئی کوئی جانتا ہے یہ فائدہ **فان انستم** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: بچوں کو دین کے ساتھ دنیا کمانا بھی سکھانا چاہئے تاکہ وہ بڑے ہو کر بھیک نہ مانگیں' جیسا کہ اس آیت کے مضمون سے ظاہر ہے۔ آٹھواں فائدہ: حتی الامکان یتیم کا مال نہ کھائے اگر حاجت نہ ہو تو ان کی پرورش مفت کرے جیسا کہ **فلیستعفف** سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: دینی خدمت پر اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ **فلیاکل** سے معلوم ہوا دیکھو یتیم کی پرورش دینی خدمت ہے اور اسلامی فریضہ ہے' مگر اس پر اجرت لینے یعنی یتیم کے مال سے بقدر ضرورت کھانے پینے کی اجازت دی گئی' بعض خلفاء راشدین نے خلافت پر اجرت لی۔ لہٰذا امامت دینی مدرسی پر اجرت لے سکتے ہیں' ورنہ مسجدیں ویران ہو جائیں گی اور دینی مدرسے برباد۔ دسواں فائدہ: کھانے کپڑے سے اجرت مقرر کرنا جائز ہے اگرچہ یہ خبر نہ ہو کہ ملازم کتنا کھائے گا اور سال میں کتنے کپڑے پھاڑے گا جیسا کہ **فلیاکل** سے معلوم ہوا' دیکھو ہم حمام میں نہانے کا معاوضہ دیتے ہیں باوجودیکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہو گا۔ گیارہواں فائدہ: یتیم کا ولی بوقت ضرورت بقدر ضرورت یتیم کا ہر مال استعمال کر سکتا ہے' چنانچہ کسی شخص نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا میں اپنے یتیم کی اونٹنی کا دودھ پی سکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس کے چارے پانی کا انتظام کرتے ہو' بیماری میں اس کا علاج کرتے ہو' اس کی کھرلی صاف کرتے ہو تو اس کا دودھ بھی پی سکتے ہو۔ (تفسیر کبیر و خازن) یہ فائدہ **فلیاکل** کے عموم سے حاصل ہوا جیسا کہ اس کی تفسیر سے عرض کیا گیا۔ بارہواں فائدہ: یتیموں کا مال خود ان پر بھی بے دھڑک خرچ کر دینا تاکہ وہ بالغ ہو کر کچھ نہ پائیں حرام ہے' بعض والی یتیموں کی شادی پر ناچ باجے' حرام رسوم میں ان کا روپیہ بے دھڑک خرچ کر ڈالتے ہیں یہ حرام ہے' یتیم کے ولیمہ کا کھانا جب کہ اس کے مال سے ہو حرام ہے کہ یتیم کا مال کسی

طرح کھانا جائز نہیں' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گناہوں سے بچنے کی توفیق دے' یہ فائدہ **اسرافا وبدارا** سے حاصل ہوا۔ **تیرھواں فائدہ:** اہم مالی معاملات میں گواہ بنانا بہتر ہے تاکہ آئندہ جھگڑا نہ ہو یہ فائدہ **فاشھدوا** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بلوغ سے پہلے نکاح جائز نہیں' بچپن کے نکاح حرام ہیں کیونکہ ارشاد ہوا **اذا بلغوا النکاح** جب وہ یتیم نکاح کے لائق ہو جائیں اور ان کا نکاح جائز ہو جائے معلوم ہوا کہ بلوغ سے پہلے نہ وہ نکاح کے لائق تھے نہ ان کا نکاح جائز تھا۔ **جواب:** یہ غلط ہے' یہاں نکاح کا جواز و لیاقت مراد نہیں بلکہ یا تو نکاح کی ضرورت مراد ہے یا نکاح کا اختیار یعنی جب وہ نکاح کی ضرورت کو پہنچ جائیں کہ انہیں نکاح کی ضرورت محسوس ہونے لگے یا جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنا نکاح خود کر لیں بغیر ولی کی اجازت کے یہ دونوں باتیں بلوغ کے بعد ہی ہوتی ہیں' تمہاری تفسیر کی بناء پر یہ آیت کریمہ دوسری آیتوں کے بھی خلاف ہو گی اور احادیث کے بھی: رب تعالیٰ فرماتا ہے **والئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر والئی لم یحضن** یعنی وہ طلاق والی عورتیں جو بوجہ بڑھاپے کے حیض سے مایوس ہو چکیں' اور وہ جنہیں بوجہ بچپن کے ابھی حیض آیا نہیں ان دونوں کی عدت طلاق تین مہینہ ہے' اگر نابالغہ کا نکاح درست نہ ہوتا تو انہیں طلاق کیسی اور ان پر عدت کیسی؟ نیز نبی کریم صلی اللہ و سلم کا نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کی سات سال کی عمر شریف میں ہوا جب کہ آپ بالکل بچی تھیں جیسا کہ بخاری مسلم وغیرہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے۔ **دوسرا اعتراض:** لڑکپن کے نکاح تندرستی کیلئے بھی مضر ہیں اور ازدواجی تعلقات کیلئے بھی نقصان دہ' جب لڑکپن سے ہی مجامعت شروع کر دیں گے تو ان میں توانائی کیسے آئیگی؟ نیز بچپن میں ان کے اخلاق کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ جوان ہو کر بد معاش ہوں گے' یا نیک معاش آج کل عموماً" نوجوانوں کی کمزوری گھروں کی نااتفاقیاں اس بچپن کی شادیوں کی برکت سے ہیں۔
جواب: شریعت نے بچپن کی شادی کو واجب نہیں کہا' جائز قرار دیا ہے' کیونکہ بسا اوقات اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے' ماں باپ بوڑھے ہیں' چراغ سحری ہیں' اولاد نابالغ ہے وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے مرنے سے پہلے ان کا کہیں نکاح کر دیں تاکہ ہمارے بعد ان کے ساس سسران کی اچھی تربیت کریں' اور انہیں ایک پورے خاندان کا سہارا مل جائے' اگر یہ ناجائز ہو تا تو یہ بوڑھے یہ فکر لے کر قبروں میں جاتے' جوانوں کی کمزوری بچپن کے نکاح سے نہیں بلکہ سینما بینی' تمباکو کے استعمال' کالجوں کی آزادیوں' عورتوں کی بے پردگیوں' لڑکے اور لڑکیوں کے اختلاط' عشقیہ ناولوں' فلمی گانوں' فحش کتابوں اور گندے افسانوں کی وجہ سے ہے' اگر ان بچے بچیوں کی شہوتیں ان ذریعوں سے بھڑکا دی جائیں اور نکاح پر اٹھارہ سال کی پابندی لگا دی جائے' نکاح پابند رہے اور زنا آزاد' تو ظاہر ہے کہ یہ بھڑکی ہوئی شہوت حرام جگہ ہی صرف ہو گی' اور اس کے جو نتائج ہوں گے وہ ہم اور آپ سب دیکھ رہے ہیں چھت کا پانی پرنالہ کے ذریعہ نکال دو ورنہ چھت پھاڑ دیگا' مکان ڈھا دے گا' رہی گھر کی نااتفاقی' اس کی بڑی وجہ زوجین میں سے ہر ایک کی دوسرے کے حقوق سے بے خبری ہے' سب کی زندگیاں اسلامی بنا دو' دیکھو پھر کیسا چلن ہو گا' بہت جوان لڑکے بھی اولاً" نیک ہوتے ہیں' بعد میں بد معاش ہو جاتے ہیں' جوانوں کا ماحول درست کرو' انہیں صحبتیں اچھی دو' دیکھو پھر کیسے چین سے گزرے گی۔

تفسیر صوفیانہ: مریدین گویا یتیم ہیں' مشائخ کرام گویا ان کے ولی وارث ہیں' فیوض گویا ان یتیموں کا مال ہے' جوان کے مشائخ

کے پاس محفوظ ہے' نفس کو روح سے وابستہ کرکے نفس کی اصلاح کردینا گویا روحانی نکاح ہے' مشائخ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ تم ان یتیم مریدین کا اکثر امتحان لیتے رہو' پتہ لگاؤ کہ یہ لوگ فیوض ربانی رموز رحمانی 'اسرار ایمانی' انوار قرآنی کے اہل ہیں یا نہیں' جب یہ تمہاری صحبت میں رہ کر اس قابل ہو جائیں' کہ ان کے نفسوں کا نکاح ان کی روحوں اور دلوں سے کرکے نفس کو ان کا تابع کردیا جائے' تو تم بھی یہ محسوس کرلو کہ یہ ان اسرار کے متحمل ہو جائیں گے اور اغیار میں انہیں ضائع نہ کریں گے تو ان کی وہ اسرار و انوار و فیوض کی امانتیں جو تمہارے سینوں کے اندر محفوظ ہیں ان کے حوالے کردو' یہ خوف نہ کرو کہ یہ ہم سے فیوض لے کر ہم سے بڑے ہو جائیں گے پھر ہمیں کون پوچھے گا' جو تم میں سے غنی باللہ ہے' وہ تو اپنے مرید کے فیوض میں سے کچھ اپنے کام میں نہ لائے' اور جو اس درجہ پر نہ پہنچا ہو' وہ بقدر ضرورت اپنے مرید کے حصہ کا فیض اپنے کام میں لاسکتا ہے جب تم آنکھ سے ان کو فیض دینے لگو' تو اس پر اللہ تعالیٰ کو اور ارواح اولیاء کو گواہ بنالیا کرو۔ (از روح المعانی) صوفیائے کرام کے نزدیک بزرگوں کے سینے آب رحمت کے کنوئیں ہیں' جیسے کنوئیں کے پانی میں سارے محلے کا حصہ ہوتا ہے' ہر ایک کو اپنا حصہ ملتا ہے' جتنا اپنا برتن۔ ایسے ہی مشائخ کے سینوں میں سارے معتقدین و مریدین کا حصہ ہوتا ہے' ہاں یہ حضرات بہت جانچ کر اپنی صحبتوں میں رکھ کر مشقیں کراکر ان کے حصے حوالے کرتے ہیں' کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

فقیروں کی جھولی میں ہوتا ہے سب کچھ
مگر چاہئے ان سے لینے کا ڈھب کچھ
بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو دس سال اپنی صحبت میں رکھا' نکاح و بکریاں چرانا بہانہ تھا' درحقیقت انہیں کلام الٰہی کے لائق بنانا تھا' ڈاکٹر اقبال نے ایک شعر میں یہ سب کچھ حل کردیا ہے' فرماتے ہیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

حکایت: ایک شخص کسی بزرگ کے پاس حاضر ہو کر بولا کہ مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے' فرمایا تو اس کا اہل نہیں' بولا میں اہل ہوں' فرمایا کہ آج تو دن بھر شہر کے دروازہ پر بیٹھ' شام کو مجھ وہاں کے حالات سنانا' یہ شخص دوسرے دن شام کو آکر بولا کہ اس شہر میں ظلموں کی انتہا ہو چکی ہے' آج میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا غریب لکڑہارا دن بھر لکڑیاں جنگل سے چن کر ایک گٹھا لکڑیاں سر پر لاد کر لایا' پسینہ میں شرابور تھا مگر ایک سپاہی نے اس کی لکڑیاں ظلماً" چھین لیں' جب اس نے قیمت مانگی تو اس کی بوڑھی ہڈیوں پر پانچ ہنٹر لگادیئے' بزرگ نے فرمایا کہ اگر تجھے اسم اعظم یاد ہوتا تو تو اس وقت کیا کرتا؟ وہ بولا کہ میں اس سپاہی کو مع اس کے بچوں کے زندہ دفن کردیتا' بزرگ نے ہنس کر فرمایا کہ وہ بوڑھا ہی میرا پیر ہے۔ جس نے مجھے اسم اعظم سکھایا ہے' اس کا تحمل دیکھو کہ لکڑیاں چھنوالیں کوڑے کھالئے مگر اپنی طاقت سے کام نہ لیا' جو اتنی برداشت کا مالک ہو اسے اسم اعظم سکھایا جاتا ہے' جا بھاگ جا۔

کاظمین الغیظ غصے میں کبھی آتے نہیں ظلم سہ جاتے ہیں لیکن ظلم پہنچاتے نہیں

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ

واسطے مردوں کے ایک حصہ ہے اس مال میں سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قریب ترین رشتہ دار اور واسطے عورتوں

مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لئے حصہ یا زیادہ حصہ ہے

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

کے ایک حصہ ہے اس مال میں سے جو چھوڑیں ماں باپ اور قریب ترین رشتہ دار اس میں سے جو کم ہوا اس مال سے یا زیادہ حصہ

مقرر کیا ہوا ماں باپ اور قرابت والے ترکہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا

تعلق : اس آیت کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مالی امانتوں کی حفاظت کا ذکر تھا' اب میراث کی صحیح تقسیم کا تذکرہ ہے کہ یہ بھی وارثوں کی ایک قسم کی امانت ہے۔ وارثوں کے حقوق میں کمی بیشی کرنا اول درجہ کی خیانت ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یتیموں کے وارثوں کو حکم تھا کہ وہ یتیموں کے مال کی نگہداشت اچھی طرح کریں۔ اب بتایا جارہا ہے کہ یتیموں کے پاس مال آئے گا کہاں سے' گویا ان کے مال کی حفاظت کے بعد مال کی آمد کے دروازہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یتیموں کا مال حاصل ہو چکنے کے بعد اس کے خرچ کا طریقہ سکھایا گیا تھا اب ان یتیموں کو مال دینے کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ ان کے مورثوں کی وفات پر انہیں مال کیونکر دیا جائے۔

شان نزول : حضرت اوس ابن ثابت صحابی کا انتقال ہوا جو بہت مال چھوڑ گئے اور بیوی ام کجہ تین لڑکیاں چچا کے دو بیٹے سوید و عرفجہ چھوڑے اس زمانہ کے دستور کے مطابق اس کے سارے مال پر سوید و عرفجہ نے قبضہ کر لیا ام کجہ اور اوس کی تینوں بیٹیوں کو کچھ نہ دیا' اس زمانہ میں لڑکیوں' بیویوں اور چھوٹی اولاد کو میراث نہیں دی جاتی تھی' وہ کہتے تھے کہ میراث وہ پائے جو جنگ میں جائے' ام کجہ نے کہا کہ جب تم ان یتیم بچیوں کا مال لیتے ہو تو ان سے نکاح بھی کر لو' انہوں نے انکار کیا' کیونکہ یہ بچیاں کچھ زیادہ خوبصورت نہ تھیں' ام کجہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں جبکہ آپ مسجد فضیح میں تشریف فرما تھے اور بولیں کہ اوس ابن ثابت فوت ہو گئے' تین یتیم بچیاں اور مجھ بیوہ کو چھوڑ گئے' ان کے پاس مال تو بہت تھا مگر سارا مال سوید اور عرفجہ نے لے لیا۔ اب میں کیا کھاؤں اور بچیاں کس سے پالوں؟ ایسی درد بھری داستان سنائی کہ خاطر اقدس پر بہت اثر پڑا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سوید و عرفجہ کو بلایا اور اس ظلم کی وجہ پوچھی' انہوں نے عرض کیا کہ ہماری قوم میں میت کا مال بالغ مرد وارث لیتے ہیں عورتوں اور نابالغوں کو نہیں دیا جاتا' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' اس کے نزول پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم اس مال کو ہاتھ نہ لگانا جب تک کہ میراث کی تفصیل نازل نہ ہو جائے' چنانچہ وہ سارا مال یونہی محفوظ رکھ دیا گیا' کچھ عرصہ کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم** تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس مرحوم کا مال اس طرح تقسیم فرمایا کہ اوس کی بیوی کو آٹھواں حصہ ان کی بیٹیوں کو دو تہائی' باقی بچا ہوا سوید و عرفجہ کو مرحمت کیا۔ یوں سمجھو کہ مال کے 24 حصے کئے' جن میں سے تین ام کجہ کو دیئے۔ 16 تین بیٹیوں کو باقی پانچ دونوں چچازاد بھائیوں کو (تفسیر کبیر' روح المعانی' صاوی' روح البیان' خازن' بیضاوی' مدارک' خزائن وغیرہ) خیال

رہے: کہ ان بی بی صاحبہ کے نام میں اختلاف ہے۔ ام کہ بنت کہ ام کحہ ام کلثوم مگر صحیح ام کہ ہے۔ بعض مفسرین نے ان مرحوم صحابی کا نام بجائے اوس ابن ثابت کے اوس فرمایا ہے۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ اوس ابن صامت کی وفات خلافت عثمانیہ میں ہوئی۔ زمانہ نبوی میں اوس ابن ثابت اور اوس ابن مالک کی وفات ہے مگر یہ واقعہ اوس ابن ثابت کی وفات پر پیش آیا (روح المعانی)

تفسیر: **للرجال نصیب** یہ لام استحقاق کا ہے۔ **رجال** سے مراد میراث پانے والے قرابت دار مرد ہیں اولاد ہوں یا ان کے سوا کوئی اور' نابالغ ہوں یا بالغ' صرف بالغ مرد مراد نہیں' کیونکہ اسی قاعدے کو توڑنے کے لئے تو یہ آیت کریمہ اتری **للرجال** کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا ہے۔ یعنے جس وارث کا جو حصہ ہے وہ خود ہی لے گا کوئی اور اس کے حصہ پر جبراً قبضہ نہیں کر سکتا۔ **نصیب** سے مراد میراث کا وہ حصہ ہے جس کا وارث مستحق ہو' اس **نصیب** میں لڑکوں کے سارے حصوں کا اجمالی ذکر آگیا اس کی تفصیل کچھ آگے جا کر ہو رہی ہے۔ **مما ترک الوالدان والاقربون** من تبعیضیہ ہے' **ما** سے مراد مال ہے۔ **ترک** سے مراد بعد وفات اپنا مملوکہ مال چھوڑ جانا ہے۔ **والدان** حقیقتاً" صرف ماں باپ کو کہتے ہیں۔ مجازاً" دادا نانا وغیرہ کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہاں حقیقی معنی مراد ہیں' کیونکہ دادا نانا وغیرہ تو **والاقربون** میں شامل ہیں (روح المعانی) اس زمانہ کے بعض انوکھے مفسرین نے **والدان** سے ماں باپ بھی لئے اور دادا دادی بھی مگر لطف یہ ہے کہ نانا نانی کو اس سے نکال دیا' یہ معنے نہ حقیقی ہی بنے نہ مجازی ہی' کیونکہ حقیقتاً" والدین صرف ماں باپ ہیں اور مجازاً" ماں باپ دادا دادی بھی ہیں اور نانا نانی بھی' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **والوالدات یرضعن اولادھن الخ**۔ یہاں والدات سے حقیقی معنے مراد ہیں (مائیں) یعنے مائیں اپنے بچوں کو دو سال دودھ پلائیں۔ بچے کو دودھ پلانا صرف ماں کے ذمہ ہے۔ نہ دادی کے نہ نانی کے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **حرمت علیکم امھاتکم** اور فرماتا ہے **لاتنکحوا مانکح اباوکم** یعنی تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں' اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر لیں' ان دونوں میں بطریق عموم مجاز بلاواسطہ اور بالواسطہ ماں باپ مراد ہیں' تو دادی نانی اور دادے نانے سب اس میں شامل ہیں۔ لہذا مسلمان پر ماں' دادی' نانی' پردادی' پرنانی سب ہی حرام ہیں۔ اسی طرح باپ' دادا' نانا' پردادا' پرنانا وغیرہ ان سب کی بیویاں حرام ہیں۔ سوتیلی ماں' سوتیلی دادی' سوتیلی نانی سب حرام ہیں۔ قرآن کریم کی ایسی آیت ہمیں نہ ملی جس میں والدین میں ماں' باپ' دادا' دادی تو شامل ہوں اور نانا' نانی خارج' غرضیکہ یہ معنے بالکل فاسد ہیں۔ اور یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے **والاقربون** جمع **اقرب** کی ہے قریب کا اسم تفضیل یعنے زیادہ قریب قرب سے مراد رشتہ کا قرب ہے نہ کہ مکانی و زمانی قرب اس **اقربون** میں دادا' دادی' نانا' نانی' بیٹے' بیٹیاں' پوتے پوتیاں' نواسے نواسیاں' چچا پھوپھی' ماموں خالہ غرضیکہ سارے ہی ذی فرض عصبات اور ذوی الارحام قرابت دار داخل ہیں۔ اگرچہ ماں باپ بھی **اقربون** میں آسکتے تھے مگر چونکہ یہ آیت کریمہ باپ کی میراث کے متعلق نازل ہوئی ہے نیز ماں باپ کا رشتہ اولاد سے بہت قوی ہے۔ اس لئے خصوصیت سے ان کا الگ ذکر کیا گیا' چونکہ قریب تر کے ہوتے ہوئے دور کا رشتہ دار محروم ہوتا ہے۔ اس لئے **اقربون** تفضیل کا صیغہ ارشاد ہوا' شریعت کا یہ قاعدہ کلیہ ہے یعنے مرد وارثوں کو اپنے ماں باپ کے اور زیادہ قریب رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال میں سے حصہ میراث ہے' اس جملہ میں زمانہ جاہلیت کے پہلے قاعدہ کو

توڑا گیا کہ بالغوں کو حصہ ملے' نابالغوں کو نہ ملے' دوسرے قاعدہ کو توڑنے کے لئے کہ صرف مردوں کو میراث ملے' عورتوں کو نہ ملے' یہ ارشاد فرمایا گیا وللنساء نصیب مما ترک الوالدن والا قربون اس میں بھی لام استحقاق کا ہے اور نساء امراۃ کی جمع کثرت ہے جمع قلت نسوۃ ہے' نساء سے مراد مطلقاً" وارث عورتیں ہیں بالغہ ہوں یا نابالغہ لہٰذا اس میں بیٹی' پوتی' نواسی- یوں ہی ماں' دادی' نانی' بہن' بھانجی' بھتیجی وغیرہ سب شامل ہیں- باقی والدین اور اقربون کی وہی تحقیق ہے جو ابھی عرض کی جاچکی جتنے وارثوں عورتوں کو بھی اس مال میں سے جو ماں باپ اور زیادہ قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا میراث کا حصہ ملے گا- بعض مفسرین نے دونوں جگہ اقربون سے نسبی رشتہ دار مراد لئے' مگر محققین مفسرین فرماتے ہیں کہ نسبی و سببی سارے رشتہ دار اس میں شامل ہیں لہٰذا بیویاں و خاوند بھی داخل ہیں فقیر کے نزدیک یہی قوی ہے کہ عبارت قرآن میں کوئی قید نہیں اور شان نزول اسی معنے کی تائید کر رہا ہے (از روح المعانی وغیرہ) مما قل منه او کثر یہ مما دوسرے مما کا بدل ہے- لہٰذا یہاں ما سے مراد مال ہی ہے- چونکہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ میت کے متروکہ مال میں سے جو مردوں کے لائق ہو وہ تو مردوں کو دیا جائے' جیسے گھوڑا' تلوار' زرہ وغیرہ اور جو مال عورتوں کے لائق ہو وہ عورتوں کو دیا جائے' جیسے زیور' کھانا پکانے کے برتن' چرخہ وغیرہ باقی مشترکہ مال دونوں میں تقسیم کیا جائے' اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے یہ عبارت ارشاد ہوئی یعنی متروکہ مال تھوڑا ہو یا بہت کسی قسم کا ہو' سب میں سے سب وارثوں کو حصہ ء میراث ملے گا نصیبا" مفروضا یہ عبارت قل او کثر کے فاعل سے حال ہے- مفروضا نصیب کی صفت ہے یا اوجب فعل محذوف کا مفعول بہ ہے- نصیب نصب سے بنا معنے قائم کرنا' حصہ کو نصیب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ قائم کیا ہوا ہوتا ہے مفروض فرض سے بنا جس کے معنے ہیں کاٹنا' الگ کرنا' حدود مقرر کرنا' علامات قائم کرنا' شرعی فرض کو اسی لئے فرض کہتے ہیں کہ وہ باقی کام سے الگ تھلگ اور حدود مقرر کیا ہوا تھا' ہمارے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں فرض وہ کام ہے جو یقینی دلیل سے لازم کیا جائے اس کا چھوڑنا فسق ہے انکار کفر اور واجب وہ کام ہے جو ظنی دلیل سے لازم کیا جائے' اس کا چھوڑنا تو فسق ہو مگر انکار کفر نہ ہو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں واجب اور فرض میں کوئی فرق نہیں جتنے ہم نے ہر ایک وارث کے حصے مقرر کئے ہیں' جس کا دینا تم پر فرض کیا گیا ہے- لہٰذا ان حصوں میں گڑبڑ کرنے والا ایسا ہی گنہگار ہو گا جیسے نماز وغیرہ میں گڑبڑ کرنے والا-

خلاصہ ء تفسیر : خطہ ء عرب میں صدیوں سے شراب نوشی' بیوگان اور یتیموں کا مال مارنا عورتوں کی ذلت و حقارت لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا وغیرہ کا رواج ایسا چلا آ رہا تھا کہ کسی کے خیال میں بھی نہ آتا تھا کہ یہ عیب یہاں سے مٹ جائیں گے- ان کے نزدیک میت کے متروکہ مال میں کمزوروں' یتیموں' لڑکیوں' بیوگان کا کوئی حصہ نہ تھا' یہ اسلام کا کھلا معجزہ ہے اور قرآن کریم کی زندہ کرامت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال قوت و شوکت کہ عرب کے صدیوں کے رواج کو ایک ایک لفظ کے ذریعہ صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور اس طرح مٹایا کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہا اور اس نوعیت سے مٹایا کہ ان لوگوں کو محسوس بھی نہ ہوا تقسیم میراث میں بے قاعدگی ان لوگوں کی طبیعت میں جم چکی تھی- اس لئے پہلے تو اس کی اس آیت میں اجمالی اصلاح کی گئی پھر اگلی آیت میں تفصیل فرما دی گئی چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! میت کے متروکہ مال میں کمزور بچے بچیوں کا بھی حصہ ہے' اور بے کس بیوگان و بوڑھے ماں باپ کا بھی جو کچھ ماں باپ چھوڑیں اور جو کچھ قریب ترین رشتہ دار

چھوڑیں، اس میں سے لڑکوں کا حصہ ان کے حوالہ کردو اور لڑکیوں، عورتوں کے حصے ان کے سپرد کرو، بہرحال میں یہ فرق نہ کرو کہ میت کا گھوڑا، جوڑا، زرہ، تلوار تو بہادر جوان مرد لیں، اگر کہ چرخہ بوڑھی عورتوں کو دو، زیور وغیرہ نوجوان لڑکیوں کو۔ انہیں میت کے سارے مال میں سے تھوڑا ہو زیادہ اس کے سارے وارثوں کو دو، اگر وہ مال خود تقسیم ہو سکتا ہو تو اسے ہی تقسیم کردو ورنہ اس کی قیمت ڈال کر حصہ کے مطابق ہر ایک کو دے دو۔ خیال رکھو رب تعالیٰ کی طرف سے ان کے حصے مقرر ہو چکے ہیں، ان کا ادا کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے دوسری عبادات کا ادا کرنا فرض، اگر تم نے اس میں کوتاہی کی یا بعض کا حصہ کھا گئے تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: علم فرائض جسے میراث کا فن بہت اہم فن ہے کہ قرآن شریف میں جتنی تفصیل سے میراث کے مسائل بیان فرمائے اتنی تفصیل سے اور مسائل بیان نہ کئے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم فرائض سیکھو کہ یہ آدھا علم ہے۔ جسے آدھے علم میں سارے علوم کہ ان کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے اور آدھے علم میں اکیلا علم فرائض کہ اس کا تعلق انسان کی موت سے ہے۔ دوسرا فائدہ: میراث کے حصے، نماز کی رکعتیں، زکوٰۃ کی مقدار انسانی عقل سے بالاتر ہیں کہ ان میں عقل کو دخل نہیں جو سرکاری حکم ہو گیا وہ صحیح ہے۔ تیسرا فائدہ: میراث کا حصہ رشتہ کی بنا پر ملتا ہے نہ کہ قوت و شجاعت یا ضعف و کمزوری کی وجہ سے اگر باپ کا ایک بیٹا لکھ پتی ہے اور دوسرا بیٹا فقیر بھی ہے بیمار بھی تو نہ تو سارا حصہ مالدار کو ملے اس کی قوت دیکھ کر، اور نہ سارا حصہ اس کنگال بیمار کو ملے اس کا ضعف دیکھ کر بلکہ دونوں کو برابر ملے گا جیسا کہ **للرجال** اور **للنساء** کے عموم سے معلوم ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو میں بیٹی کو بیٹے سے دگنی میراث دیتا کیونکہ بیٹی بے کس ہے اور دوسرے کی منہ دیکھی، بیٹا خود مختار ہے۔ یونہی میں موزہ کے تلوے پر مسح کرنے کا حکم دیتا نہ کہ اوپر کیونکہ زمین میں نچلا حصہ ہی لگتا ہے۔ چوتھا فائدہ: ماں باپ کی میراث سے بیٹوں کو ضرور حصہ ملے گا۔ یہ کسی حال میں بھی محروم نہیں ہو سکتے جیسا کہ **للرجال** کے لام سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: قریب رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور کا رشتہ دار محروم ہوگا جیسا کہ **والاقربون** اسم تفضیل سے معلوم ہوا۔ لہٰذا بیٹے کے ہوتے پوتا پوتی محروم ہیں۔ اور بیٹی کے ہوتے نواسے نواسی محروم، باپ کے ہوتے دادا محروم بھائی کے ہوتے بھتیجے محروم، یہ شریعت کا وہ قاعدہ کلیہ ہے جس پر زمانہ نبوی سے لے کر آج تک سارے مسلمانوں کا اجماع رہا۔ احادیث صحیحہ بھی یہی اعلان کر رہی ہیں۔ چھٹا فائدہ: بیویوں اور بیٹیوں کا بھی میت کے مال میں اسی طرح حصہ ہے جیسے بیٹوں اور دوسرے قرابت داروں کے حصے جیسا کہ **وللنساء نصیب** الخ۔ سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: میت کا مال تھوڑا ہو یا زیادہ، ہتھیار ہوں یا کسی ہنر کے اوزار، سب میں سارے وارثوں کو بقدر حقوق حصے ملیں گے جیسا کہ **مما قل** الخ سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: ذی فرض اور عصبہ وارثوں کی طرح ذوی رحم وارث بھی حصہ پائیں گے جیسا کہ **والاقربون** کے عموم سے معلوم ہوا لہٰذا بھانجی، نواسے، پھوپھی، بھتیجی وغیرہ کا بھی میراث میں حق ہے، مگر چونکہ ان کا رشتہ میت سے قدرے کمزور ہے اس لئے ترتیب میں یہ پیچھے ہیں۔ حضرت زید ابن ثابت و دیگر صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے اور یہی ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ دیگر ائمہ ذوی الارحام کو وارث نہیں مانتے مگر قول امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ قوی ہے۔ یہ آیت کریمہ انہی کی تائید کرتی ہے کیونکہ یہ لوگ بھی میت سے اقرب ہیں۔ نواں فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے عمومی احکام میں

اکثر داخل نہیں ہوتے 'دیکھو میراث کے احکام آپ پر جاری نہیں' آپ کا سارا متروکہ مال وقف ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں' اسی لئے آپ کی قبر انور آپ کے مکان شریف میں بنائی گئی دوسرا کوئی شخص اپنے گھر میں دفن نہیں ہو سکتا کیونکہ گھر مملوک ہے اور مقبرہ وقف۔ جو لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کی تقسیم کے قائل ہیں انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اطہر ناجائز ماننا پڑے گا اسی لئے خلفائے راشدین نے جن میں علی مرتضیٰ بھی داخل ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کی' بلکہ املاک کو اوقاف مانا۔ دسواں فائدہ: قانون کا بیان قانون کے ساتھ ہونا ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ قانون کچھ پہلے بنے' مگر اس کی تشریح کچھ عرصے کے بعد ہو۔ دیکھو میراث کلیہ قانون تو پہلے بن گیا تھا مگر اس کی تشریح اور وارثوں کے حصوں کا تعین کچھ بعد میں ہوا' نماز معراج کی رات فرض ہوئی' مگر اس کا بیان زمین پر واپس آنے کے بعد کیا گیا۔ گیارھواں فائدہ: عورتوں' یتیموں' کمزور بچوں پر اسلام کا عظیم الشان احسان ہے کہ یہ سب کسمپرسی کے عالم میں تھے' ذلت کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے ان کے اٹھنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی اسلام نے انہیں بام عروج پر پہنچایا ان کے حقوق مقرر کئے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ میں **الوالدان** سے مراد ماں باپ بھی ہیں اور دادا دادی بھی کیونکہ وہ بھی بالواسطہ ماں باپ ہی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے بہت جگہ **والدین** میں دادے دادیوں کو داخل کیا ہے۔ **الاقربون** میں ان دو رشتوں کے علاوہ دوسرے رشتہ دار داخل ہیں۔ چچا' تائے' بھائی' بھتیجے وغیرہ' آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ماں باپ کے ترکہ میں اولاد کا حصہ ہے' اور دادا دادی کے ترکہ میں پوتے پوتی کا حصہ' لہٰذا یتیم پوتا پوتی اپنے دادا کے ترکہ سے حصہ ضرور پائے گا اگرچہ اس کا چچا یعنی دادا کا بیٹا زندہ ہو (پرویزی جماعت) جواب: اس کے چند جواب ہیں (1) ایک یہ کہ زمانہ رسالت سے لے کر آج تک کسی نے اس آیت کے یہ معنے نہ کئے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صحابہ کرام نے' نہ امت نے لہٰذا یہ تفصیل نہیں بلکہ تحریف ہے مسلمانوں میں بڑے بڑے ظالم اور جابر بادشاہ گزرے' مگر کسی نے چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے پوتے کو حصہ نہ دیا۔ بعض بے دین بادشاہوں نے اسلام کے دیگر قوانین میں ترمیم کی ناکام کوششیں کیں مگر یتیم پوتے کی میراث میں ترمیم کرنے کی کسی نے ہمت نہ کی تھی۔ (2) دوسرے یہ کہ اس سے اسلام کا ایک عام قانون میراث ٹوٹ جاتا ہے کہ قریب کے رشتہ دار کے ہوتے دور کے رشتہ دار کو میراث نہیں ملتی' اگر بیٹے کے ہوتے پوتے کو میراث دلوائی گئی تو باپ کے ہوتے بیکس اور بوڑھے دادا کو بھائی کے ہوتے بھتیجے کو بیٹی کے ہوتے یتیم نواسوں وغیرہم کو میراث دینا پڑے گی' غرض اس ترمیم سے بیسیوں ترمیمیں کرنا پڑیں گی' بلکہ پوری اسلامی میراث درہم برہم ہو جائے گی۔ (3) تیسرے یہ کہ اگر **والدان** میں دادا دادی داخل ہیں تو نانا نانی کیوں داخل نہیں؟ وہ بھی بالواسطہ ماں اور باپ ہیں اور نانا کی میراث سے ان کی بیٹی بیٹیوں کے ہوتے ہوئے یتیم اور بیکس نواسی نواسوں کو میراث کیوں نہیں ملتی' ایسی آیت ہم کو نہیں ملی جہاں والدین میں دادا دادی داخل ہوں اور نانا نانی خارج۔ (4) چوتھے یہ کہ اگر دادا کے مال میں پوتے کا حصہ ایسے ہی ہے جیسے ماں باپ کے مال میں بیٹی بیٹوں کا حصہ تو یتیم پوتے کی قید کیوں لگاتے ہو پوتے کو بہرحال حصہ ملنا چاہئے خواہ یتیم ہو یا باپ والا۔ تفسیر بالرائے کے یہی نتیجے ہوتے ہیں۔ دوسرا اعتراض: یہ بڑا ظلم ہے کہ یتیم پوتا جو کمزور بھی ہے اور لاوارث بھی۔ وہ تو دادا کی میراث سے محروم رہے اور اچھے خاصے چچا اسے دکھا دکھا کر اس کے دادا کا مال کھائیں آخر پوتے کا قصور کیا ہے؟ آیا یہ قصور ہے کہ وہ یتیم کیوں ہو گیا (مذاق) جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک

الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اس فرضی ظلم کی بہت صورتیں نکلیں گی، یتیم نواسے یتیم بھتیجے کو محروم کرنا ظلم، بے کس بیٹی کو بیٹے سے آدھی میراث دینا ظلم، چچا کو میراث دینا اور ماں کے بھائی جیسے ماموں کو محروم کر دینا اپاہج، غریب جذامی بیٹے کو لکھ پتی بیٹے کے برابر حصہ دینا ظلم غرضیکہ سارا قانون میراث ظلموں کا مجموعہ بن جائے گا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس قسم کے محروم عزیزوں کے لئے شریعت نے دو راستے رکھے ہیں ایک وصیت کہ وارث کو وصیت نہیں ہو سکتی محروم کو تہائی مال تک وصیت ہو سکتی ہے پوتا میراث تھوڑی پا کر محروم ہو کر تہائی وصیت کے لائق ہو گیا۔ اگر دادا کے دل میں درد ہے اور یہ ہمدردی زبانی ہی نہیں بلکہ دلی ہے تو اسے تہائی مال تک کی وصیت کر جائے، دوسرے یہ کہ اگلی آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ محروم عزیزوں کو کچھ ضرور دے دیا کرو تو وارثین ہی مہربانی کر کے اپنے حصوں میں سے یتیم پوتے کو کچھ دے دیا کریں، بلکہ اگر حکومت اس آنے والی آیت پر عمل کرتے ہوئے میراث میں سے کچھ یتیم پوتوں، نواسوں کو دلوا دیا کرے تو بہتر ہے مگر وارث بنا کر نہیں تاکہ قانون نہ ٹوٹے، قانون کا احترام بھی کرو اور یتیموں کی امداد بھی۔ مگر خیال رہے کہ یتیم پوتے کے ساتھ یتیم نواسے کی بھی امداد ہو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **مما قل** الخ۔ کیوں فرمایا گیا، یہ عبارت بیکار سی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب یہ فرما دیا گیا تھا کہ میراث میں فلاں فلاں کا حصہ ہے تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مال کم ہو یا زیادہ۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس عبارت میں یہ وہم دور کیا گیا ہے کہ گھوڑا تلوار وغیرہ لڑکوں کو ملنا چاہئے اور چرخہ وغیرہ لڑکیوں کو، پھر باقی مال کی تقسیم ہو، اس میں فرما دیا گیا کہ ہر مال میں سے وارث کا حصہ ہو گا۔ **چوتھا اعتراض:** آیت کے آخر میں **نصیبا مفروضا**" کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** یہ بتانے کے لئے کہ نہ تو مورث اپنے کسی وارث کو میراث سے محروم کر سکتا ہے اور نہ وارث اپنے حصہ سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ اگر باپ بیٹے کو عاق کر دے اور لکھ دے کہ اسے میری میراث نہ ملے یا بیٹا لکھ دے کہ میں باپ کے انتقال کے بعد اس کی میراث نہ لوں گا تو اس کا حصہ ختم نہ ہو گا بلکہ ملے گا۔ کیونکہ یہ من جانب اللہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے (از روح البیان)

تفسیر صوفیانہ : مشائخ گویا روحانی ماں باپ ہیں، مریدین گویا ان کی روحانی اولاد خلفاء ان مریدین کے قرابتدار عزیز نسبی رشتہ دار مال کی میراث پاتے ہیں۔ روحانی قرابت دار کمال کی، مریدین طالبین دو قسم کے ہیں ہمت والے اور بے ہمت ہمت والے گویا مرد ہیں کم ہمت گویا عورتیں، آیات میں گویا اشارۃً" فرمایا جا رہا ہے کہ مشائخ اور خلفاء کے متروکہ کمالات و اسرار و رموز کی میراث طالبین کو بقدر طلب ملے گی۔ قوی مردوں کو زیادہ اور عورتوں کی طرح بے ہمتوں کو کم، یہ تمام تقسیم پہلے ہی سے مقرر ہو چکی ہے، خیال رہے کہ حضرات مشائخ و علماء وارثین انبیاء ہیں اور طالبین، صادقین، وارثین اولیاء و علماء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شمع نورانی ہیں علماء و مشائخ کے سینے صاف شفاف آئینے جن کے ذریعہ نور چھن چھن کر ہم تک پہنچ رہا ہے، ہم لوگ اپنی استعداد کے مطابق وہ نور محمدی ان شیشوں کی معرفت لے رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ علماء کے ہاں یہ آیت میراث مال کی ہے اور صوفیائے کرام کے ہاں میراث کمال کی بھی۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

اور جب موجود ہوں تقسیم کے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین پس دو انہیں اس مال سے

پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو اس میں سے انہیں

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

اور کہو ان سے بھلی بات

بھی کچھ دو اور ان کو اچھی بات کہو۔

تعلق : اس آیت کا گذشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: گذشتہ آیت میں میراث کے مستحق عزیزوں کا ذکر تھا اس آیت میں محروم رشتہ داروں کا تذکرہ ہے گویا مرزوقین کے بعد محرومین کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں میت کے مال کی فرضی تقسیم کا ذکر تھا اب اسی مال کی نفلی تقسیم کا ذکر ہے چونکہ فرض نفل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا بعد میں اس کا۔ **تیسرا تعلق**: گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا **نصیبا مفروضا** جس سے معلوم ہوا تھا کہ ہر وارث کا حصہ شرعی حق ہے جس میں کسی کو کمی بیشی کا اختیار نہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ صرف فرضی تقسیم پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ اس کے ساتھ کچھ نفلی تقسیم بھی کرنا جس سے تم ثواب کے مستحق ہو جاؤ۔ **چوتھا تعلق**: گذشتہ آیت کریمہ میں عدل والی تقسیم کا ذکر تھا جس پر عمل نہ کرنا سخت گناہ ہے۔ اب اس آیت میں فضل والی تقسیم کا ذکر ہے جس پر بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

تفسیر : **واذا حضر القسمة**۔ **اذا** معنے **ان** ہے یا اپنے ہی معنے میں ہے **حضور** سے مراد مجلس تقسیم میں موجودگی ہے۔ **قسمت** سے مراد میراث کی تقسیم ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں اس سے منقولی میراث روپیہ و سامان کی تقسیم مراد ہے نہ کہ غیر منقولی میراث کی۔ کیونکہ محروموں کو منقولی میراث میں سے کچھ دینا چاہئے اور غیر منقولی میراث کی تقسیم پر ان سے اچھی بات کہہ دینی چاہئے۔ **قسمت** اگرچہ **حضر** فعل کا مفعول ہے اور **اولوا القربى** فاعل' لیکن مفعول کو مقدم کیا گیا یا اظہار اہتمام کے لئے یا بیان حصر کے لئے معنے اگر یہ محرومین صرف تقسیم کے وقت ہی آئیں آگے پیچھے کبھی نہ آئے ہوں تب بھی انہیں کچھ دے دو یہ نہ کہو کہ یہ خود غرض لوگ ہیں' غرض پڑی تو آئے **اولوا القربى واليتمى والمسكن** یہ سب حضر کا فاعل ہیں۔ **اولو القربى** سے مراد میت کے قرابتدار ہیں اور یتیموں مسکینوں سے مراد اجنبی لوگ اور ہو سکتا ہے کہ **اولوا القربى** سے مراد مالدار جوان عزیز ہوں اور **يتمى** سے مراد یتیم مالدار یتیم عزیز' اور مساکین سے مراد غریب بالغ عزیز لہٰذا ان کلمات میں تکرار نہیں' یعنی اگر تقسیم میراث کے وقت یا تقسیم کی جگہ میت کے ایسے قرابتدار یتیم اور مسکین بھی موجود ہوں جو میراث سے محروم ہوں' اس لئے کہ دوسرا وارث ان کے لئے حاجب بن گیا۔ جیسے بیٹے کی وجہ سے پوتا نواسہ خیال رہے کہ یہاں محجوب قرابتدار مراد ہیں نہ کہ شرعی محروم **فارزقوهم منه** یہ جملہ **اذا** کی جزاء ہے اور **ارزقوا** میں خطاب بالغ وارثوں کو ہے کہ نابالغ وارث اپنے حصے سے کسی کو کچھ نہیں دے سکتا اور ہو سکتا ہے کہ تقسیم کرنے والوں سے

خطاب ہو خواہ وہ حکام ہوں یا پنچ یا وصی یا بعض وارث۔ **ھم** کا مرجع یہی مذکور محرومین ہیں **منه** کی ضمیر کا مرجع قسمت نہیں بلکہ **مما ترک** کا **ما** ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مرجع مقسوم مال ہو جو قسمت سے جانا گیا یعنے تو ان محرومین کو بھی اس متروکہ مال میں سے کچھ دے دو حضرت عبداللہ ابن عباس' عطاء' سعید ابن مسیب' ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ امر وجوبی ہے اور یہ آیت' آیت میراث **یوصیکم الله** الخ سے منسوخ ہے۔ مگر سیدنا ابو موسیٰ اشعری ابراہیم نخعی' عکرمہ' امام شعبی' زہری' مجاہد' حسن' سعید ابن جبیر' عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور حکم استحبابی ہے' چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن ابی بکر صدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ کی موجودگی میں اپنے والد عبدالرحمٰن کی میراث تقسیم کی تو گھر میں جتنے لوگ موجود تھے سب کو تھوڑا تھوڑا دیا اور یہی آیت تلاوت کی۔ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا (تفسیر کبیر' معانی' خازن وغیرہ) **وقولوا لھم قولا معروفا** یہ جملہ **فارزقوا** پر معطوف ہے جن سے وہاں خطاب تھا ان سے ہی یہاں خطاب ہے۔ **لھم** کا مرجع بھی وہی محروم عزیز ہیں۔ **قول معروفا** سے مراد جائز' دل خوش کن بات ہے یعنے ان محرومین کو کچھ دے بھی دو اور ان سے اچھی باتیں بھی کہو کہ انہیں کم اس لئے دیا گیا کہ تمہارا حصہ شرعاً" نہیں' یا یہ مطلب ہے کہ منقولی میراث سے انہیں کچھ دے دو' اور غیر منقولی میراث کے متعلق ان سے معذرت کر دو' یا یہ مطلب ہے کہ عاقل بالغ وارثوں کے حصہ میں سے انہیں کچھ دے دو اور نابالغ وارثوں کے حصے کے متعلق ان سے اپنی مجبوری ظاہر کر دو' بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ **اولوا القربی** سے مراد وارث عزیز ہیں اور یتمی و مساکین سے مراد محروم عزیز' بہر حال آیت کا مطلب وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے بالغ وارثو یا اے والیو یا اے حاکمو یا اے پنچو یا اے وصیو! خیال رکھنا کہ تقسیم میراث کے وقت میت کے وہ عزیز اور فقراء و یتیم موجود ہوں جو میراث سے محروم ہو چکے ہیں اور ان کے سامنے تم میراث تقسیم کرو وہ منہ دیکھتے ہوں تو مناسب یہ ہے کہ انہیں بھی اس مال سے کچھ نہ کچھ دے دو اور ساتھ ہی ان سے معذرت بھی کر دو کہ اگر تمہارا حصہ اس میں ہوتا تو تمہیں زیادہ مل سکتا تھا' تم حکم الٰہی پر راضی رہو اور اس تھوڑے پر ہی راضی ہو جاؤ خیال رہے کہ اگر سارے وارث عاقل بالغ ہوں اور موجود ہوں تب تو تقسیم میراث سے پہلے یہ عطیہ دیا جائے اور اگر ان وارثوں میں کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ یا غائب ہو تو پہلے اس کا حصہ الگ کر دیا جائے۔ پھر بالغین حاضرین کے مال سے یہ عطیہ دیا جائے انہیں راضی کر کے کیونکہ نابالغوں کے مال سے کسی کو کچھ نہیں دے سکتے جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہو رہا ہے اور یہ حکم بھی استحبابی ہے نہ کہ وجوبی یہی حق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تقسیم میراث چھپ کر گوشہ میں نہ ہو بلکہ علانیہ ہو اور مسجد وغیرہ عام جگہ پر ہو' جہاں دوسرے بھی آسکیں' جیسا کہ **واذا حضر** الخ سے معلوم ہوا **دوسرا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ تقسیم میراث کے وقت صرف وارث ہی نہ ہوں بلکہ کچھ دوسرے محروم رشتہ دار اور اجنبی بھی ہوں تاکہ جو کچھ تقسیم ہو سب کے سامنے ہو سب گواہ ہو جائیں کہ اگر کل کو جھگڑا پڑے تو ان کی گواہی کام آئے جیسا کہ **اولوا القربی** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** میراث کی تقسیم سے پہلے اس متروکہ مال سے کچھ خیرات کر دینا بہتر ہے جس کام کی ابتداء خیرات سے ہو گی انشاء اللہ اس میں برکت ہو گی جیسا کہ **فارزقوا** سے معلوم ہوا بعض کاشتکاری میں شریک' دکان کے شرکاء پیداوار و آمدنی تقسیم

کرتے وقت کچھ خیرات کرتے ہیں پھر تقسیم ان کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے بعض لوگ کوئی دنیاوی کاروبار شروع کرتے وقت ختم کراتے ہیں غرباء و مساکین کو کھانا کھلاتے ہیں پھر کام شروع کرتے ہیں ان کا ماخذ بھی یہ آیت کریمہ ہے۔ دینی کام خیرات و صدقہ سے شروع کرنا بہتر ہے بچہ کو مکتب میں بھیجتے وقت کتاب شروع کرتے وقت تقسیم شیرینی یہاں سے ماخوذ ہے۔ چوتھا فائدہ: جو رشتہ دار میراث سے محروم ہو گئے ہوں انہیں بھی میراث سے کچھ دے دینا علی الحساب بہتر ہے۔ باقی بچا ہوا مال وارثین آپس میں تقسیم کرلیں یہ بھی **فارزقوھم** سے معلوم ہوا لہٰذا یتیم نواسا یتیم بھتیجہ وغیرہ جب کہ اس میراث سے محروم ہو گیا ہو اسے کچھ ضرور دیں مگر خیال رہے کہ غائب' دیوانے' نابالغ وارثوں کا حصہ پہلے الگ کرلیں' پھر یہ خیرات اور محروموں کو دلوچیش کریں جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ پانچواں فائدہ: ان محروم عزیزوں کو یہ دیا جائے جو مجوب ہوں جتنے قریب یا قوی عزیز کی وجہ سے محروم ہو گئے ہوں جیسے بیٹے کے ہوتے پوتا بیٹی کے ہوتے نواسا مگر جو اپنے کسی حال کی وجہ سے محروم ہوا اسے کچھ نہ دیا جائے چنانچہ قاتل رشتہ دار جو اس قتل کی وجہ سے میراث سے محروم ہے اسے پھانسی دلوائیں میراث نہ دیں' جیسا کہ **اولوا القربی** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: میت کے ترکہ سے اس کا تیجہ' دسواں چالیسواں اور فاتحہ وغیرہ کر دینا بہتر ہے۔ مگر یہ کھانا مساکین و فقراء کو ہی کھلایا جائے جیسا کہ **والیتمی والمسکین** کی تفسیر سے معلوم ہوا کیونکہ آیت کریمہ نے ترکہ سے یتامیٰ و مساکین کو بھی کچھ دینے کا حکم دیا کہ ارشاد فرمایا **فارزقوھم منہ**۔ تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا کہ زمانہ صحابہ میں اس پر عمل تھا چنانچہ محمد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میرے والد نے تقسیم میراث کے وقت ایک بکری ذبح کرا کر کھانا پکایا اور رشتہ داروں' یتیموں و مسکینوں کو کھلایا اور یہی آیت پڑھی۔ تفسیر خازن میں انہیں محمد ابن سیرین سے روایت کی کہ عبیدہ سلمانی رحمتہ اللہ علیہ نے میراث تقسیم کی تو ایک بکری ذبح کرا کر کھانا پکوایا یتیموں' مسکینوں اور عزیزوں کو کھلایا اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے۔ اور فرمایا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں یہ خرچ اپنے مال سے کرتا' اس آیت کی وجہ سے میراث سے خرچ کیا (خازن) مگر وہی بات خیال رہے کہ یہ تمام خرچ یتیم' دیوانے' غائب وارثوں کے مال سے نہ ہوں ان کا حصہ علیحدہ کرکے پھر خیرات وغیرہ ہو۔ ساتواں فائدہ: یہ خیرات اور محروم عزیزوں کو کچھ دینا منقولی مال سے ہوں' رہی میت کی جائیداد مکانات اور دوسری غیر منقولی چیزیں وہ خیرات وغیرہ میں نہ دی جائیں بلکہ ان کے متعلق محرومین سے معذرت کردی جائے۔ منقولی چیزوں کے لئے فرمایا **فارزقوھم** اور غیر منقولی چیزوں کے لئے ارشاد ہوا **وقولوا لھم قولا معروفا** (تفسیر خازن) آٹھواں فائدہ: ہر امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا بعض امر محض استحباب کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ دیکھو **فارزقوھم** امر ہے مگر استحباب کے لئے نواں فائدہ: محروم و تکلیف رسیدہ لوگوں سے سخت کلامی سے پیش نہ آنا چاہئے بلکہ ان سے نرم گفتگو کرنا چاہئے جیسا کہ **قولوا لھم قولا معروفا** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں یتامیٰ و مساکین سے کون سے یتیم مراد ہیں رشتہ دار یا اجنبی اگر رشتہ دار مراد ہیں تو وہ **اولوا القربی** میں آگئے تھے علیحدہ لانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر اجنبی لوگ مراد ہیں تو میت کے ترکہ سے انہیں دلوانے میں عزیزوں کا نقصان ہے۔ پھر یہ حکم کیوں دیا گیا؟ جواب: اس میں دونوں ہی احتمال ہیں اگر یتیم و مسکین سے مراد رشتہ دار یتیم غریب ہیں تو یہ خاص بعد عام ہے جتنے اگر تقسیم کے وقت محروم عزیز موجود ہوں خصوصاً ان میں سے یتیم و مساکین تو انہیں کچھ دے دو اور

اگر اجنبی یتیم و مساکین مراد ہیں تو بھی یہ حکم ترغیبی ہے کہ اے وارثو! تمہیں بغیر محنت دوسرے کا مال مل رہا ہے۔ تم اس میں یتیموں مسکینوں کا حصہ بھی کرو جب اپنی کمائی سے خیرات کرنا محبوب ہے تو یہ تو غیر کا مال ہے جو تمہیں بغیر محنت مل رہا ہے۔

دوسرا اعتراض: مفسرین نے یہ قید کہاں سے لگائی کہ منقولی مال سے خیرات دو یہاں **فارزقوھم** مطلق ہے چاہئے کہ میت کی جائیداد میں سے بھی خیرات کی جائے۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ رزق اگرچہ ہر روزی ہے مگر عام محاورہ میں روٹی کپڑے کو کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومما رزقنھم ینفقون** اس آیت میں بھی عموماً کھانے کپڑے وغیرہ منقول چیزوں کا راہ خدا میں خرچ کرنا مراد ہے اس لئے رب تعالیٰ نے غیر منقول جائیداد پر زکوٰۃ فرض نہ کی بلکہ اس کی پیداوار و آمدنی پر نیز اگر تجارتی مکانات پر زکوٰۃ فرض بھی ہو جائے تو زکوٰۃ میں مکان یا کھیت کا حصہ کاٹ کر نہ دیا جائے گا بلکہ اس کی قیمت سے چالیسواں حصہ جیسا کہ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کیا ان ہی محروم عزیزوں کو دیا جائے جو تقسیم کے وقت حاضر ہوں۔ غیر حاضر عزیزوں کو نہ دیا جائے۔ یتیم محروم پوتا اگر موجود نہ ہو تو اسے بالکل ہی نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ تو انصاف سے دور ہے۔ **جواب:** آیت میں غیر حاضرین کو دینے کی ممانعت نہیں۔ انہیں بھی دو چونکہ تقسیم کے وقت موجود عزیزوں کو تقسیم دیکھ کر مایوسی حسرت زیادہ ہوتی ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا یہ قید فقط اہتمام کے لئے ہے نہ کہ دوسروں کی نفی کے لئے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جب تمہارا خادم تمہارے لئے کھانا پکا کر لائے تو اسے بھی اس میں سے کھلاؤ کہ اس نے پکانے کی مشقت برداشت کی یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کو ہرگز نہ کھلاؤ ایک کے ذکر سے دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔ **چوتھا اعتراض:** آیت کریمہ نے یہ تو فرما دیا کہ ان محروموں کو میراث سے کچھ دے دو یہ نہ بتایا کہ کتنا دے دو یہ اجمال کیوں رکھا۔ **جواب:** حصہ کا تقرر تو وارثوں کے لئے ہے غیر وارثوں کے لئے تقرر کیسا یہ مقدار تو دینے والوں کی مرضی پر منحصر ہے ہر نفلی خیرات کا یہی حکم ہے۔ فرض و واجب صدقے زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کی تعداد و مقدار مقرر ہے مگر صدقہ نفلی میں خیرات کرنے والے کی مرضی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام و مشائخ عظام کے ذکر و فکر کے حلقے گویا تقسیم میراث کی مجلسیں ہیں ان کے مریدین و خدام و طالبین جو ایسی مجلسوں میں حاضر ہیں وہ تو حقدار وارث ہیں مگر اجنبی لوگ جو اتفاقاً وہاں آگئے یا گذرتے ہوئے وہاں ٹھہر گئے یہ محجوب و محروم عزیز قرابتدار ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اے فیض دینے والے اور میراث نبی بانٹنے والے عالمو صوفیو! جب اس تقسیم میراث کی مجلسوں یعنی ذکر و فکر کے حلقوں میں کوئی اجنبی آدمی آ بیٹھے یا آ نکلے تو تم اسے بھی محروم نہ چھوڑو انہیں بھی ولایت ہدایت عنایت رعایت میں سے کچھ دے دو کہ ان مجلسوں میں آ جانے والا بھی محروم نہ رہے ان کا پڑوسی بھی کچھ نہ کچھ لے ہی جائے اور کچھ دینے کے ساتھ ساتھ ان اجنبیوں کو اچھی اچھی باتیں بھی بتا دو انہیں دنیا سے اعراض رب تعالیٰ کی رضا جوئی راہ راست پر قائم رہنے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند رہنے کی نصیحتیں کرو کہ یہ ان کے لئے **قول معروف** ہے اہل اللہ والوں کی مجلس میں آ جانے والے بھی کچھ کمال لے جاتے ہیں بعض اللہ والوں نے جذب کے عالم میں گذرتے ہوئے کافروں کو ولی بنا دیا کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور قطب ربانی محبوب سبحانی قندیل نورانی حضرت محی الدین سید عبد القادر جیلانی بغدادی قدس سرہ نے اس چور کو ولی بنا دیا جو رات کو آپ کے گھر چوری کرنے آیا تھا فرمایا اگرچہ چور ہے مگر

میرے گھر میں تو آگیا' یہ بھی محروم کیوں جائے یہ ہے **فارزقوھم منہ** پر عمل' ایک بار سرکار بغداد رات کے وقت جنگل میں تنہا جا رہے ہیں بہت قیمتی لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں کہ ایک راہزن ڈاکو نے بری نیت سے پیچھے سے آپ کا دامن پکڑا آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا اے قیوم و قادر اس نے دامن پکڑا عبدالقادر کا' اب قیامت تک یہ دامن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے ابھی یہ دعا پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ چور ڈاکو ولی ہو چکا تھا۔ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہ کے آستانہ پر ایک بوڑھا بیمار آ پڑا اور پکارنے لگا اے میری ماں! اے میری ماں! آپ نے جوش میں فرمایا ارے کہو اے میرے رب! اے میرے رب! وہ یہ ہی کہنے لگا! کچھ دیر میں جان نکل گئی۔ آپ نے فرمایا کہ دم آخر اس کا ایمان سلب ہو رہا تھا میں نے خیال کیا کہ میرے دروازے پر گرا ہے کافر نہ مرے' ایمان کے ساتھ بھیج دیا۔ خیال رکھو کہ اچھوں کے دروازے پہ مرنا بھی اچھا' یہ ہے **فارزقوھم** کی عملی تفسیر اسی لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔۔

آدمی سے بھی آدمی بھلی آدمی سے بھی آدھ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بھیا سنگت سادھ کی کاٹے کوٹ اپرادھ

اللہ والوں کے پاس آدمی بلکہ پاؤ گھڑی بھی بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا' اچھوں کی سنگت گناہوں کے پہاڑ گلا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو کسی کی نظر کرم نصیب فرمائے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا

اور چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں اپنے بچے کمزور تو خوف کریں

اور ڈریں وہ لوگ کہ اگر اپنے بعد ناتواں اولاد چھوڑتے تو ان کا کیا انہیں

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ

ان پر بس چاہیئے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات درست بے شک وہ لوگ جو کھا جاتے

خطرہ ہوتا تو چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کریں وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں

اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝

ہیں مال یتیموں کے ظلم سے وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ ہی اور عنقریب جائیں گے دوزخ میں

وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ بھڑکتے دھڑے میں جائیں گے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں میت کے بعد اس کے یتیم بچوں پر ظلم کرنے سے لوگوں یعنی وصی' ولی وغیرہم کو روکا گیا تھا اب میت کے مرتے وقت حاضرین کو اس سے روکا جا رہا ہے کہ وہ میت سے پسماندگان پر ظلم نہ کرائیں کہ میت سے غیر ضروری وصیتیں کرا کر ان پسماندگان کو نقصان پہنچائیں۔ **دوسرا تعلق**

: پچھلی آیت میں میت کے پسماندگان پر رحم و کرم کا حکم دیا گیا کہ اگر اس کے بعض عزیز محروم بھی ہوں تو انہیں بھی کچھ دے دیں' اب اس رحم و کرم پر آمادہ کرنے کے لئے نفیس طریقہ سے سمجھایا جا رہا ہے کہ تم کو بھی موت آنی ہے۔ تم گذشتہ میتوں کے وارثوں سے اچھا سلوک کرو تاکہ لوگ تمہارے وارثوں سے اچھا سلوک کریں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اولیاء' اوصیاء کو یتیموں کی پرورش اور نگہداشت کا بہت تفصیلی حکم دیا گیا کہ ان کا امتحان لیتے رہو' ان کے مال جلد اڑا نہ دو' اب اس مال مارنے کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو ظلماً" ان یتیموں کا مال کھائے اڑائے گا تو سمجھ لو کہ اپنے پیٹ میں آگ بھرے گا' غرضیکہ قانون کا ذکر پہلے تھا' خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا ذکر اب ہے۔

شان نزول : مقاتل و ابن حبان فرماتے ہیں کہ قبیلہ غطفان میں ایک شخص تھا مرثد ابن زید وہ اپنے بھائی مرحوم کے مال اور اس کے یتیم بیٹے کا اس کی موت کے بعد متولی ہوا تو اس نے اس یتیم کا سارا مال کھا پی لیا' اور یتیم کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اس کے متعلق آیت **ان الذین** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن) ابن ابی حاتم بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بعض لوگ مرنے والے کی عیادت کے لئے اس کے آخری وقت اس کے پاس جاتے اسے مرتا ہوا دیکھ کر اسے غیر ضروری صدقات و خیرات کا مشورہ دیتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ وارثین میراث لے کر تجھے کیا نفع پہنچائیں گے۔ یہ تو تجھے یاد بھی نہ کریں گے تو اپنے ساتھ صدقات و خیرات کا توشہ لے جا۔ یہ سب نصیحتیں اس غرض سے کرتے تھے کہ وارث لوگ میراث سے کچھ نہ پائیں' پائیں تو کم پائیں ان لوگوں کے متعلق آیت کریمہ **ولیخش** الخ نازل ہوئی (روح المعانی)

تفسیر : **ولیخش الذین لو' ترکوا من خلفھم' ولیخش' خشیۃ** کا امر غائب ہے جس کے معنے ہیں ڈرنا' **خشیۃ** خوف' تقوے وغیرہ کے فرق ہم دوسرے پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں **الذین** اس کا فاعل ہے۔ اس **الذین** سے وہ لوگ مراد ہیں جو میت کے مرتے وقت اس کے پاس پہنچیں اور اس کے وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لئے میت کو زیادہ صدقہ و خیرات اور مختلف وصیتوں کا حکم و مشورہ دیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا' ممکن ہے کہ اس سے یتیموں کی پرورش کرنے والے ولی و وصی مراد ہوں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سارے ہی لوگ مراد ہوں کہ آیت کی عام عبارت کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خاص شان نزول کا۔ **الذین** اسم موصول ہے اور **لو ترکوا** شرط **خافوا** جزاء سے مل کر اس کا صلہ یہاں **حالھم** پوشیدہ ہے جو مبتدا ہے اور **لو ترکوا** الخ۔ خبر۔ **ترکوا** سے مراد مرنے کے بعد چھوڑ جانا ہے **خلف** مطلقاً پیچھے کو کہا جاتا ہے مگر یہاں بعد موت و پس مرگ مراد ہے اور **لو'** معنی **ان' ذریۃ ضعفا خافوا علیھم' ذریت** کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ یہ **ذر** سے بنا معنے پھیلنا' چھوٹی چیونٹی کو **ذر** اور ریگ کے ذروں کو ذرہ کہا جاتا ہے کہ یہ بھی زمین میں پھیلے ہوتے ہیں یہاں چھوٹی اولاد مراد ہے جو چیونٹیوں کی طرح کمزور و بے کس ہے۔ **ضعافا' ضعیف** معنے کمزور کی جمع ہے جیسے کریم کی جمع کرام لئیم کی جمع لئام۔ **خافو** سے مراد ہے بچوں کے ضائع برباد ہو جانے کا خوف و ڈر یعنے وہ میت کے مشیر کار جو میت کے وارثوں کو نقصان دینے کے لئے اسے زیادہ خیرات کرنے کا حکم دیتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ وہ خود اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مر جائیں اور ہمارے پیچھے ہمارے چھوٹے بچے برباد و ضائع ہو جائیں انہیں چاہئے کہ میت کے بال بچوں کے متعلق بھی یہی پسند کریں اور اس کے بال بچوں کو ضائع کرنے کے لئے میت کا مال دوسری جگہ خرچ نہ کرائیں **فلیتقوا اللہ**

ولیقولوا قولا سدیدا پچھلے جملہ میں تو انہیں دنیاوی امور سے ڈرایا گیا تھا اس جملہ میں انہیں آخرت کے عذاب سے دھمکایا جارہا ہے۔ **سدید** سد سے بنا بمعنے روکنا اسی لئے دیوار کو سد کہتے ہیں کہ وہ باہر والوں کو اندر آنے سے روکتی ہے۔ اچھی بات کو سدید اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برائیوں سے روکتی ہے۔ یہاں درست بات سے مراد یا تو مرنے والے کو اچھا مشورہ دینا ہے کہ وہ زیادہ خیرات یا وصیت کرکے ورثاء کو نقصان نہ پہنچا جائے یا اس کے مرنے کے بعد اس کے یتیموں سے اچھی بات کرنا انہیں تسلی و دلاسا دینا مراد ہے۔ یعنی یہ مشیر کار اللہ سے ڈریں مرنے والے کو غلط مشورہ نہ دیں اور اس سے اچھی بات کہیں یا اس کے پسماندگان کو تسلی و تشفی دیں تعزیت کریں۔ **ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما** یہ نیا کلام ہے۔ جس میں گذشتہ ہدایتوں کا تکملہ و تتمہ ہے۔ چونکہ اہل عرب یتیموں کے مال کھا جانے کو مطلقاً برا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کی تائید کرتے تھے اس لئے یہ جملہ **ان** سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد تمام مسلمان ہیں خواہ میت کے وصی ہوں یا یتیموں کے والی وارث یا حکام یا پنچ یا عام مسلمان کھانے سے مراد یتیموں کے مال پر قبضہ کرنا ہے عرف میں قبضہ کر لینے کو کھا لینا کہا جاتا ہے کیونکہ مال کا بڑا مقصد کھانا ہوتا ہے۔ **ظلم** سے مراد ناحق ہے کیونکہ یتیموں کا مال حق کی بناء پر کھانا بالکل جائز ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ یتیموں کا مربی جب فقیر ہو تو حق پرورش کے طور پر اجرتاً ان کے مال سے بقدر ضرورت لے سکتا ہے۔ یوں ہی مزدور دوکاندار طبیب اور دوسرے پیشہ ور یتیموں کے مال سے اجرت و قیمت لے سکتے ہیں کہ یہ تمام ظلم نہیں اموال جمع فرما کر اشارتاً فرمایا گیا کہ یتیموں کا کوئی مال خواہ زیادہ ہو یا کم منقول ہو یا غیر منقول میراث سے ملا ہو یا کسی کا دیا ہوا یا ان یتیموں کا اپنا کمایا ہوا یا خود وصی کا دیا ہوا غرضیکہ کچھ بھی ہو ناجائز لینا سخت جرم ہے۔ اسی طرح یتیم عام ہے اپنا عزیز ہو یا اجنبی' لڑکی ہو یا لڑکا امیر ہو یا غریب **انما یاکلون فی بطونھم نارا** گذشتہ **الذین** تو **ان** کا اسم تھا مع صلہ اور **انما** الخ **ان** کی خبر ہے۔ **انما** حصر کے لئے ہے اگرچہ کھانا پیٹ میں ہی جاتا ہے مگر پھر **فی بطونھم** فرمانا' اظہار قہر کے لئے ہے جیسے طبیب اپنے بدپرہیز مریض سے کہتا ہے کہ تو اپنے پیٹ میں پتھر بھر رہا ہے۔ یعنی یہ بدپرہیزی کا کھانا تیرے لئے پتھر کا کام دے گا یہ بتانے کے لئے کہ پیٹ بھر کر وہ انگارے کھاتے ہیں یتیم کے مال کو ان کے لئے آگ یا تو اس لئے فرمایا گیا کہ یہ کھانا آگ کا ذریعہ ہے یا اس لئے کہ درحقیقت یہ آگ ہی ہے کہ مرے بعد یا قیامت میں بعینہ یہ کھانا آگ بن جائے گا یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ناحق برباد کر دیتے ہیں' ناجائز طور سے اس پر قبضہ کر لیتے ہیں' وہ پیٹ بھر کر دوزخ کے انگارے کھا رہے ہیں کہ اسکا نتیجہ آگ ہی ہے **وسیصلون سعیرا** یہ جملہ **یاکلون** پر معطوف ہے۔ ہماری قرات میں **سیصلون** ی کے فتح سے معروف اور بعض قراتوں میں ی کے پیش سے مجہول۔ **یصلون'** **صلی** سے بنا بمعنے آگ سے قرب۔ آگ سے تاپنے گرم کرنے کو صلی کہنے لگے۔ وہی معنے یہاں مراد ہیں۔ **سعیر** سعر سے بنا بمعنے بھڑکنا' شعلے مارنا' لغۃً ہر بھڑکتی آگ سعیر ہے مگر اصطلاح میں دوزخ کے ایک طبقہ کا نام سعیر ہے' پھر مطلقاً دوزخ کو سعیر کہنے لگے' یہ تیسرے معنے ہی یہاں مراد ہیں معنے یہ ظالم یتیموں کا مال ناحق کھا جانے والے عنقریب دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اندر آگ ہوگی اور یہ آگ کے اندر رہوں گے۔

خلاصہ ء تفسیر : جو لوگ میت کے خیر خواہ بن کر اس کی دم آخر مزاج پرسی کے بہانہ سے جاکر اسے غیر ضروری خیرات و اخراجات پر ابھارتے ہیں نیز یتیموں کے والی وارث اور جن کے ذمہ یتیموں کی پرورش ہے وہ یہ سوچ لیں کہ اگر یہ مرجائیں اور

اپنے پیچھے اپنے یتیم لاوارث کمزور بچے چھوڑ جائیں تو انہیں اپنے ان بے کس بچوں کا کتنا خیال ہو گا اور ان پر کس طرح اندیشو سوچ بچار کریں گے جیسے ان کے بچے انہیں عزیز ہیں ایسے ہی دوسروں کے بچے دوسروں کو بھی عزیز ہیں۔ یہ یتیم بھی کسی کے پیارے ہیں کسی کی آنکھوں کے تارے ہیں جیسی پرورش اپنے یتیموں کی چاہتے ہیں اور جیسا معاملہ اپنے بعد اپنے یتیموں سے چاہتے ہیں ایسا ہی معاملہ و پرورش دوسرے کے یتیموں سے انہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور مرنے والے سے نیز ان یتیموں سے اچھی باتیں کریں کہ مرنے والے کو ظلم سے روکیں' ان یتیموں کو تسلی و تشفی دیں' یقین رکھو کہ جو کوئی وارث یا غیر وارث یتیموں کا کسی قسم کا مال ناحق مارے گا اور "ظلماً" کھائے گا وہ در حقیقت پیٹ بھر کر دوزخ کی آگ کھائے گا کہ یہ مال کل دوزخ کے انگارے بن کر اس کے پیٹ میں بھر جائے گا اور کوئی دم جاتا ہے کہ یہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے اس لئے یتیم کے مال سے بہت ڈرنا چاہئے حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی خبریں سنائیں' فرمایا کہ ہم نے ایک قوم کو ملاحظہ فرمایا جن کے ہونٹ لونٹوں کے سے ہیں ان پر فرشتے مقرر ہیں جو انہیں آگ کے پتھر کھلاتے ہیں یہ پتھر ان کے منہ سے داخل ہو کر پاخانہ کے مقام سے نکل جاتے ہیں ہم نے پوچھا اے جبریل! یہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا یہ یتیموں کا مال "ظلماً" کھانے والے ہیں۔ امام سدی فرماتے ہیں کہ قیامت میں یتیموں کا مال "ظلماً" کھانے والے اس طرح اٹھیں گے کہ ان کے کانوں' ناک اور آنکھوں سے دھواں نکلتا ہو گا لوگ انہیں پہچان لیں گے کہ یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔ (تفسیر خازن)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: میت کو مرتے وقت برا مشورہ دینا جس سے میت کے وارثوں یتیموں کا نقصان ہو حرام ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہو' جیسا کہ پہلی آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: مستحق وارثوں کو محروم کر کے نفلی صدقہ و خیرات کرنا منع ہے صدقہ وہ اچھا جس سے کسی کا حق نہ مارا جائے یہ بھی اسی شان نزول سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: میت مرتے وقت اپنے مال کے متعلق وصیت بھی کر سکتا ہے اور خیرات بھی ورنہ اسے اس کا مشورہ دینے کا کیا فائدہ ہو تا مگر جو کچھ بھی کرے تہائی مال سے کرے۔ چوتھا فائدہ: کبھی اچھا کام در حقیقت برا ہوتا ہے دیکھو خیرات صدقہ اچھا ہے مگر جب اس سے مستحقین کو نقصان پہنچے تو برا ہے۔ بعض وقت نماز پڑھنا بھی جرم ہوتا ہے بلکہ نماز توڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ نمازی نے کسی اندھے کو کنوئیں میں گرتا دیکھا تو فرض ہے کہ نماز توڑے اور اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی جان بچائے۔ پانچواں فائدہ: ہمیشہ دوسروں کے ساتھ وہ معاملہ کرو اور ان سے ایسی گفتگو کرو کہ دوسرا تمہارے ساتھ کرے تو تمہیں ناگوار نہ ہو۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا ۔۔۔ کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

جو بات سن نہ سکو' وہ دوسرے سے کہو بھی نہیں' جو برتاؤ برداشت نہ کر سکو' وہ دوسرے سے کرو بھی نہیں یہ آیت کریمہ اخلاقیات کا خزانہ ہے۔ چھٹا فائدہ: جو دوسرے کے یتیموں پر ترحم کرتا ہے تو دوسرے اس کے یتیموں پر رحم کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کی خیر چاہتے ہو تو دوسروں کے بچوں کی خیر چاہو۔ "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" ایسے ہی جو اپنے ماں باپ کو ستاتا ہے تو اس کی اولاد اسے ستاتی ہے' جو اپنے اہل قرابت سے سلوک کرتا ہے تو بوقت ضرورت اس کے عزیز اس سے سلوک کرتے ہیں' جو دوسرے کمزور

بڈھوں کی دستگیری کرتا ہے تو اس کے بڑھاپے پر دوسرے اس کی دستگیری کرتے ہیں۔

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

ساتواں فائدہ: اگر میت کو غلط یا ظلم کی وصیت کرتے دیکھے تو اسے سمجھا بجھا کر درست کردے' جیسا کہ **قولا سدیدا** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اپنے بال بچوں کو غنی کرکے جانا نفل صدقے سے بہتر ہے یہ نہ کرو صدقہ و خیرات کرکے اپنے بچوں کو خیرات کھانے کے قابل کر جاؤ۔ **نواں فائدہ:** جس کے بال بچے' عزیز قرابت دار غریب ہوں تو وصیت کرے مگر تہائی مال کی' اس سے زیادہ اگر کرے گا تو درست نہ ہوگی۔ **دسواں فائدہ:** یوں تو کسی کا مال مارنا مطلقاً" برا ہے مگر یتیموں کا مال مارنا بہت ہی برا کہ وہ بے کس بھی ہیں اور بے سہارا بھی جیسا کہ **اموال الیتمی** فرمانے سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** یتیم کے مال سے خیرات صدقہ' ہدیہ' نذرانہ لینا ان کے مال پر ختم پڑھوا کر فقراء کو کھلانا منع ہے کہ یہ سب ناحق کھانا ہے ہمارے ہاں یتیم پر زکوۃ نہیں خواہ کتنا ہی امیر ہو بالغ ہونے پر زکوۃ ہوگی۔ **بارہواں فائدہ:** جو مال یتیم کو ورثہ میں ملا یا اسے کسی نے کچھ دیا یا خود وصی نے اسے کچھ دیا یا یتیم نے خود کمایا' یہ سب یتیم کا مال ہے کہ ان میں سے کسی مال کا ناحق کھانا حرام ہے جیسا کہ **اموال الیتمی** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں تین جگہ خوف کا ذکر ہوا' پہلے خشیۃ کا' پھر خوف کا' پھر تقویٰ کا اس کی کیا وجہ ہے؟ ایک خوف ہی کافی تھا۔ **جواب:** خوف کی یہ تکرار بہت ڈرانے کے لئے بھی ہے اور اس میں ایک نکتہ بھی یتیموں کے بدخواہوں کو اولاً" تو بدخواہی کرتے وقت ڈرایا گیا کہ ابھی ڈر جاؤ کہیں تم بھی اپنے یتیم نہ چھوڑو۔ پھر اپنے یتیم چھوڑتے وقت ان کی خراب پرورش سے ڈرایا گیا اس کا تعلق دنیا سے ہے۔ پھر خدا تعالیٰ سے ڈرایا گیا اس کا تعلق آخرت سے ہے' تین وقتوں میں تین خوف دلائے گئے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیموں کا مال ناحق کھانا جرم ہے تو کیا ان کا مال کھانے کے علاوہ دوسرے خرچے میں لانا درست ہے؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ کھانے سے مراد مطلقاً" استعمال ہے یا ان کا مال برباد کرنا' اس کی وجہ تفسیر میں عرض کردی گئی۔ **تیسرا اعتراض:** کھایا تو پیٹ میں ہی جاتا ہے' پھر کیوں فرمایا کہ اپنے پیٹوں میں وہ آگ کھاتے ہیں؟ **جواب:** اس لئے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں کھانے سے مجازی معنے نہیں بلکہ حقیقی معنی ہی مراد ہیں کھانا پیٹ بھرنا یا اس کے معنے ہیں پیٹ بھر کر کھانا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیموں پر ظلم کرنے والوں کے پیٹوں میں بھی آگ ہوگی' یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا' ان میں آگ ہوگی یا وہ آگ میں ہوں گے؟ **جواب:** دوسرے دوزخی تو خود آگ میں ہوں گے مگر یہ لوگ چونکہ ڈبل ظالم تھے اس لئے ان کا عذاب بھی ڈبل ہوگا کہ آگ ان کے پیٹ میں بھی ہوگی اور یہ خود بھی آگ میں ہوں گے' جیسے ڈوبتا ہوا آدمی کہ اس کے پیٹ میں پانی بھر جاتا ہے اور خود بھی پانی میں ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ زکوۃ نہ دینے والوں کا عذاب ہلکا ہے کہ انہیں ان کا سونا چاندی تپا کر اس سے داغا جائے گا مگر یتیموں کا مال ہضم کر جانے والوں کا عذاب سخت تر کہ وہ لوگ آگ ہی کھائیں گے اور آگ میں جائیں گے۔ **جواب:** اس کی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ زکوۃ نہ دینے والا فقیر کا مال مارتا نہیں بلکہ اپنا مال اسے دیتا نہیں مگر یہ بد نصیب یتیم کا مال مارتا ہے' دوسرے یہ کہ فقیر کبھی جوان' تندرست' قابل کسب بھی ہوتا ہے مگر یتیم لاوارث بچہ ہے اس پر ظلم سخت تر ہے' تیسرے یہ کہ زکوۃ حق اللہ ہے مگر مال یتیم حق العبد' حق اللہ مارنے سے حق العبد مارنا سخت جرم ہے کہ حق العبد بغیر بندے کے معاف کئے معاف نہیں ہوتا اور یتیم معاف کرنے کے قابل نہیں' اگر اس حال میں یہ شخص مرگیا تو ناقابل معافی گناہ کرکے

مرے گا۔ چھٹا اعتراض: یتیموں کا مال کھانے والا خود مجرم ہے' اسکی اولاد نے کیا جرم کیا کہ ان پر بھی وبال پڑا' جیسا کہ لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا سے معلوم ہوا۔ جواب: اسکے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ اس آیت کریمہ کا مقصد یہ نہیں کہ اگر تم لوگوں نے یتیموں پر ظلم کیا تو تمہارے بچے بھی یتیم ہوں گے اور لوگ ان پر بھی ظلم کریں گے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تم مرحوم میت کے رنج و صدمہ کا اندازہ لو کرو کہ اگر تمہارے بچے یتیم رہ جائیں' اور لوگ ان پر ظلم کریں تو تم کو کتنا صدمہ ہوگا اور مرتے وقت تمہیں اپنے یتیموں کی کیسی فکر ہوگی' ایسے ہی دوسروں کو بھی صدمہ و فکر ہوگی' اور اگر مان بھی لیا جائے۔ تب بھی قانون قدرت یہ ہے کہ کبھی گنہگار کی وجہ سے بے گناہ بھی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں' اگر ایک شخص جہاز کا تختہ توڑ دے' تو جہاز کے سارے مسافر ڈوب جاتے ہیں' بعض قوموں پر عذاب الٰہی آیا' انکے بچے اور جانور بھی ہلاک ہوئے' ایسے ہی ظالم ماں باپ کے ظلم کی پاداش اسکی اولاد بھی بھگتتی ہے' ممکن ہے کہ آئندہ آخرت میں ان بے قصوروں پر انکے عوض کرم ہوجائے' نیز ظالم کے بال بچے اس کے ظلم کے مال سے پلتے ہیں' جب اسکے مال سے نفع اٹھارہے ہیں تو سزا بھی بھگتیں ہم نے مظلوموں کو یہ بد دعا دیتے سنا ہے کہ خدا کرے تیری زیادتیاں تیری آل اولاد کے آگے آئیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں چار قسم کے لوگ ہیں دنیاوی ڈر سے ماننے والے اخروی خوف سے بعض لالچ سے قبول کرتے ہیں بعض شوق و محبت سے' اسی لئے قرآن کریم میں یہ چاروں طریقے استعمال فرمائے گئے' یہاں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولاً تو ان ظالموں کو جو یتیموں کو ستائیں دنیاوی خوف دلایا' فرمایا ایسا نہ ہو کہ تمہارے بچے بے یار و مددگار رہ جائیں' پھر خوف آخرت دلایا کہ فلیتقوا اللہ خوف دلا کر ارشاد ہوا کہ جو لوگ اپنے یتیم قلب و روح کا حق مار لیتے ہیں کہ دنیا میں عبادت' ریاضت بھی نہیں کرتے' زندگی کی ہر ساعت نفس کی پرورش میں گزار دیتے ہیں' انکے سارے مال' سارے اعمال' سارے احوال' سارے کمال نفس پر خرچ ہوتے ہیں' یہ لوگ آگ کھا رہے ہیں' عنقریب دوزخ حرص' دوزخ ہوا' دوزخ محرومی اور پھر دوزخ آگ میں داخل ہوں گے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے قریباً ہر پھل میں مغز تمہارے لئے ہے چھلکا گٹھلی جانوروں کیلئے' اگر تم پورا پھل مع چھلکا و گٹھلی کھا جاؤ تو ہلاک ہو جاؤ گے' ہر ایک کو اسکا حصہ دو' ایسے ہی وقت' مال' عزت' سانس اور تمام اعضائے بدن میں نفس کا حصہ بھی ہے اور روح کا حصہ بھی' کچھ ساعتیں نمازوں کیلئے وقف کرو کچھ کام کاج کیلئے' کچھ سونے و آرام کیلئے' کچھ سانسیں رب تعالیٰ کی یاد کیلئے ہوں' کچھ دنیاوی کاموں کیلئے' ہر عضو کا یہی حال ہے' جو شخص ساری زندگی' ساری سانسیں اور سارے اوقات دنیا و طلب دنیا میں گزارے وہ ظالم ہے' یتیم کا مال ناحق کھا رہا ہے' اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے' دوسروں کے یتیم کو کسی کو کہتے نہیں اپنے یتیموں کی خبر گیری کرو۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ فَاِنۡ
تاکیدی حکم دیتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے متعلق کہ بیٹے کے لئے دو بیٹیوں کے حصہ کے برابر ہے
اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے پھر اگر

کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ
پس اگر ہوں لڑکیاں، ہی دو سے اوپر تو واسطے ان کے دو تہائی ہے اس کا جو چھوڑا اور اگر ہو
تر سی لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک بیٹی

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ
لڑکی ایک تو واسطے اس کے آدھا
ہو تو اس کا آدھا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** بہت دور سے یتیموں کے مال کی حفاظت و نگرانی کا تاکیدی حکم چلا آرہا ہے۔ اب یتیموں کو مال ملنے۔ کے ذریعہ یعنی وراثت کا ذکر ہے گویا پہلے یتیموں کے مال سے خرچ کا ذکر تھا اب انہیں مال ملنے کا طریقہ کا تذکرہ ہے۔ مال جانے کا ذکر پہلے تھا مال آنے کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں اجمالا" فرمایا گیا تھا کہ میت ماں باپ اور اہل قرابت کے چھوڑے ہوئے مال میں مردوں کا بھی حصہ ہے عورتوں کا بھی مگر اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ کس کا کتنا حصہ ہے گویا یہ آیت گزشتہ آیات کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یتیموں کا مال ظلما" کھانے والے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں 'یتیموں کا مال ظلما" کھا جانے کی دو صورتیں تھیں' ایک یہ کہ انہیں ملا ہوا مال کھا لیا جائے' دوسرے یہ کہ انکے حق کا مال انہیں دیا ہی نہ جائے جیسے بعض لوگ اب بھی یتیم لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے' اس آیت میں اس دوسری قسم کے ظلم کی بیخ کنی کی گئی ہے کہ میت کا مال اسطرح تقسیم کرو اگر تم نے اس میں ہیر پھیر کی تو تم ظالم ہو گے یتیموں کا مال کھانے والے قرار دیئے جاؤ گے۔

شان نزول: اس پوری آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں:(1) بخاری مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار میں سخت بیمار ہوا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میری عیادت کو تشریف لائے' مجھے بے ہوش پایا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا' غسالہ شریف مجھ پر چھڑکا مجھے ہوش آ گیا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق کو اپنے سرہانے بیٹھا پایا۔

سرہانے انہیں رحمت کی ادا لائی ہے حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے

میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اپنے مال کے متعلق کیا فیصلہ کروں؟ میرے بعد یہ کیسے تقسیم ہو گا؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ جواب نہ دیا حتی کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن و معانی) دوسری روایت میں ہے کہ اس سوال پر وہ آیت میراث اتری یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکللۃ (2) مقاتل و کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت بھی انہیں ام کہ زوجہ اوس ابن ثابت کے متعلق نازل ہوئی' جنکا ذکر پہلے ہو چکا جنکے متعلق پہلی آیت نازل ہوئی تھی (خازن)(3) ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت سعد ابن ربیعہ شہید ہوئے' انہوں نے ایک بیوی' دو لڑکیاں' ایک بھائی چھوڑا اس زمانہ کے دستور کے مطابق سعد کے بھائی نے سارا مال لے لیا۔ ان بیوہ اور یتیم بچیوں کیلئے کچھ نہ چھوڑا' وہ بیوہ بی بی بارگاہ

رسالت میں حاضر ہوئیں' عرض کرنے لگیں' یارسول اللہ میں اب کہاں جاؤں اور یہ یتیم بچیاں کہاں دھکے کھائیں؟ میرا خاوند انکا باپ آپ کے ساتھ شہید ہو گیا' مال پر انکے چچا نے قبضہ کر لیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مت گھبراؤ' رب تعالیٰ تمہاری مدد کریگا' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے بھائی کو حکم بھیجا کہ سعد کے مال کا آٹھواں حصہ انکی بیوی کو دو' دو تہائی انکی لڑکیوں کو' باقی جو بچے وہ تمہارا (خازن' کبیر' و روح المعانی)(4) امام سدی فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں میت کے مال سے عورتیں اور چھوٹے بچوں کو کچھ نہ دیا تھا' صرف جوان مردی ترکہ لیتے تھے' حضرت حسان شاعر رسول کے بھائی عبدالرحمان نے وفات پائی' ایک بیوی' پانچ بیٹیاں چھوڑیں' دستور کے مطابق دوسرے وارثوں نے سارا مال لے لیا' ان لوگوں کو کچھ نہ دیا' عبدالرحمان کی بیوی نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن) مگر ان روایات میں کوئی تعارض نہیں' ممکن ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ سارے واقعات رونما ہوئے ہوں گے اور دربار رسالت میں شکایات پیش ہوئی ہوں گی تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر: یوصیکم اللہ: یوصی' ایصاء سے بنا' بمعنی پہنچانا' اسکا مادہ وصی ہے باب ضرب سے وصی یصی بمعنی مضارع ہے' کہا جاتا ہے ارض واصیۃ گھنے درختوں والی زمین' جو اللہ کی روزی ہم تک پہنچائے' اصطلاح میں وصیت وہ حکم ہے جو کوئی اپنی وفات کے بعد کے متعلق کرے خواہ زندگی میں کرے یا مرتے وقت' کہ اسکے ذریعہ سے میت اپنا مال دوسروں تک پہنچاتا ہے' پھر ہر تاکیدی حکم کو وصیت کہنے لگے' کہ اہل عرب وصیت کا بہت اہتمام و احترام کرتے تھے کہ حتی الامکان وصیت ضرور پوری کرتے تھے' اسلئے تاکیدی حکم وصیت کہلایا' یہاں یہی تیسرے معنی مراد ہیں یعنی تاکیدی حکم دینا' واجب و لازم ہے۔ کم سے خطاب سارے مسلمانوں کو ہے' کفار پر یہ احکام جاری نہیں' ہمارا حاکم انکی میراث انکے مذہب کے مطابق تقسیم کریگا' بعض لوگوں نے کہا کہ یہ خطاب مال والے مسلمانوں سے ہے' جنکا ترکہ بٹے' مگر قوی یہ ہے کہ سارے مسلمانوں سے ہے' مال والے عمل کریں اور فقراء اس پر یقین رکھیں' علماء اس پر فتویٰ دیں جیسے زکوٰۃ و حج کی آیات میں سارے ہی مسلمانوں سے خطاب ہے' امیر ہوں یا فقیر' مگر ان پر عمل امیری کریں گے' لفظ اللہ فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ میراث ایسا اہم مسئلہ ہے کہ رب تعالیٰ نے براہ راست اس کا حکم دیا' فی اولادکم یہ جار مجرور یوصی کے متعلق ہے' فی بمعنی لام ہے' اور اگر اپنے ہی معنی میں ہو' ظرفیت کیلئے تو توریث یا شان پوشیدہ ہو گا' اولاد ولد کی جمع ہے' جس کا مصدر ولادت ہے' بمعنی جننا' ماں باپ کو والدین' بچہ کو مولود کہا جاتا ہے' ولد صفت مشبہ ہے' اولاد حقیقتاً تو بلاواسطہ بیٹے بیٹی کو کہا جاتا ہے۔ مجازاً پوتے پوتی' نواسے نواسی کو بھی کہتے ہیں عموم مجاز کے طور پر ساری اولاد کو بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ اولاد کہدیا جاتا ہے' یہاں پہلے معنی حقیقی مراد ہیں' اس پر تمام امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع ہے کہ یہاں صرف بیٹے بیٹیاں مراد ہیں' پوتے پوتیاں' نواسے نواسیاں اس میں داخل نہیں' اگرچہ میت کے وارث ماں باپ بھی ہوتے ہیں اولاد بھی' مگر چونکہ اولاد کا تعلق ماں باپ سے زیادہ قوی ہوتا ہے' اسلئے رب تعالیٰ نے مسئلہ میراث میں ان ہی کے ذکر سے ابتداء فرمائی (کبیر' روح المعانی وغیرہ) یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے لڑکے لڑکیوں کی میراث کے متعلق تاکیدی حکم دیتا ہے' حکم یہ ہے کہ **للذکر مثل حظ الانثیین**: لام استحقاق کا یا ملکیت کا ہے' ذکر سے مراد لڑکا ہے بالغ ہو یا نابالغ' للذکر کے بعد منکم پوشیدہ ہے: حظ بمعنی نصیب و حصہ: انثیین' انثی کا مونث ہے بمعنی

لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ ' یعنی تمہارے بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا کہ اگر صرف لڑکے لڑکیاں ہوں گی تو سارا مال اس طرح آپس میں بانٹ لیں گی ' کہ لڑکے کو دو گنا لڑکی کو ایک گنا اگر ایک لڑکی لڑکا ہے ' تو کل مال کے تین حصے کرو دو حصے لڑکا لے ' ایک حصہ لڑکی ' اور اگر انکے ساتھ کوئی ذی فرض وارث بھی ہو تو پہلے ترکہ سے اسکا حصہ نکال دو ' پھر بقیہ مال اس لڑکے لڑکی میں اسطرح تقسیم کرو کہذا اگر میت عورت نے ایک خاوند ایک لڑکی ایک لڑکا چھوڑا تو مال کے چار حصے کرکے ایک ۔ خاوند کو دو ' باقی تین میں سے دو لڑکے کو دو ایک لڑکی کو ' چونکہ بیٹے کے ہوتے بیٹی عصبہ ہوتی ہے اسلئے یہاں اسکا حصہ مقرر نہ کیا کہ آدھا دو یا چہارم ' یہ عصبہ ہونے کی حالت کا ذکر ہے ' اگر میت کا بیٹا کوئی نہ ہو ' صرف لڑکیاں ہوں تو وہ ذی فرض ہیں کہ انکا حصہ مقرر ہے ' چنانچہ ارشاد ہوا **فان کن نساء فوق اثنتین** : کن فعل ناقصہ ہے ' اس کا اسم ضمیر ھن ہے جو اولاد کی طرف راجع ہے چونکہ اولاد جمع ہے اور جمع کی طرف ضمیر مونث لوٹ جاتی ہے ' اسلئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ' یا یوں کہو کہ اسکی خبر نساء مونث ہے اسلئے کن مونث ارشاد ہوا ' نساء سے مراد لڑکیاں ہیں بالغہ ہوں یا نابالغہ ۔ نساء سے مراد دو لڑکیاں ہیں ' لہذا فوق اثنتین سے مراد دو سے زیادہ ' فوقیت سے مراد زیادتی عدد ہے نہ کہ جگہ میں اوپر ہونا ' تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں فوق صلہ کا ہے جسکے معنی کچھ نہیں کہذا اصل عبارت یوں ہے نساء اثنتین : جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاضربوا فوق الاعناق** : یہاں فوق صلہ کا ہے معنی یہ ہیں کہ انکی گردنیں مارو ' عرب میں دو کو جمع فرما دیتے ہیں ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقد صغت قلوبکما** : دیکھو یہاں دو دلوں کو قلوب جمع فرمایا گیا کہذا معنی یہ ہوئے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں اور لڑکا کوئی نہ ہو تو **فلھن ثلثا ما ترک** : یہ ان کی جزا ہے ' ما سے مراد متروکہ مال ہے ترک کا فاعل میت ہے جو پہلے کلام کے ضمن میں معلوم ہو چکا ' ما کے عموم میں ہر قسم کا مال داخل ہے منقول ہو یا غیر منقول گھوڑا ' جوڑا ' گھوڑا ' تلوار وغیرہ ہو ' یا جائداد وغیرہ یعنی تو ان لڑکیوں کو سارے متروکہ مال کا دو تہائی ملے گا **وان کانت واحدۃ فلھا النصف** یہ لڑکی کا دوسرا حال ہے کانت کی ضمیر ھی ہے جو اولاد یا مولودہ کی طرف لوٹ رہی ہے ' مولودہ اولاد کے ضمن میں سمجھا گیا ' واحدۃ سے مراد ہے صرف اکیلی نہ اسکی کوئی بہن ہو نہ بھائی میت کی صرف ایک بیٹی اولاد ہو یعنی اگر اولاد صرف اکیلی بیٹی ہے تو اسے کل متروکہ مال کا آدھا ملے گا بقیہ آدھا دوسرے وارثوں ماں باپ خاوند ' بیوی بھائی وغیرہ میں تقسیم ہو گا ' اسکی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ فرمائیے ' چونکہ لڑکی لڑکے کے بغیر ذی فرض ہوتی ہے اسلئے اس آیت میں اسکا حصہ مقرر کر دیا گیا کہ ایک لڑکی کا آدھا ' ایک سے زیادہ کو (دو ہوں یا بہت) دو تہائی ' ہماری قرآت میں نصف میں نصف نون کے کسرہ سے ہے ۔ حضرت زید ابن ثابت کی قرات میں نصف نون کے پیش سے ہے وہ فرماتے ہیں کہ جیسے ربع ' ثمن ' ثلث وغیرہ کا اول حرف پیش والا ہے ' ایسے ہی نصف کا اول حرف بھی پیش والا ہے ' یہ بھی ایک لغت ہے ۔ (روح المعانی)

خلاصہ ء تفسیر : اسلام سے پہلے عرب میں دو وجہ سے میراث بٹتی تھی نسب ' عہد ' نسبی رشتہ میں بچوں اور عورتوں کا کوئی حق میراث ہی نہ تھا ' عہد کی دو صورتیں تھیں ' کسی سے موت و زندگی میں تعاون کے معاہدہ جسے حلف کہتے تھے ' دوسرا تبنی یعنی منہ بولا بیٹا بنانا ' شروع اسلام میں ان دونوں صورتوں کو باقی رکھا گیا کچھ فرق کے ساتھ ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدن والاقربون** اور فرماتا ہے **والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم** پھر اس میں دو چیزیں اور بڑھائیں ہجرت اور عقد مواخات ' چنانچہ اس وقت مہاجر غیر مہاجر کا وارث نہ ہوتا تھا اگرچہ عزیز ہو یوں ہی جس مہاجر کو

جس انصاری کا بھائی بنادیا گیا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ رشتہ دار وارث نہ ہوتے تھے' پھر یہ تمام چیزیں منسوخ ہو گئیں اور وراثت کے تین اسباب مقرر ہوئے نسب' نکاح' ولاء یعنی غلام کو آزاد کرنا کہ یہ مولیٰ غلام کا وارث ہوتا ہے اور غلام مولا کا' باقی تمام اسباب منسوخ ہو گئے: اس آیت میں نسبی وراثت کا ذکر ہے اگلی آیت میں نکاح کی وراثت کا یہ آیت ان تمام آیات کی ناسخ ہے جن میں وراثت کے دوسرے اسباب کا ذکر ہے' نسبی وراثت میں اولاد کا ذکر پہلے ہوا کہ اولاد سے محبت بھی زیادہ ہوتی ہے اور ان سے رشتہ بھی قوی تر مانا جاتا ہے' فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! اب تک جو ہو چکا وہ ہو چکا اب تم کو تاکیدی حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے متروکہ مال سے اپنی اولاد کو اسطرح وارث بناؤ کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دو یعنی بیٹے کا حصہ دوہرا ہے اور بیٹی کا اکہرا' یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت کی بیٹی بیٹا دونوں ہوں' لیکن اگر اس نے بیٹا کوئی نہیں چھوڑا صرف بیٹی ہی چھوڑی ہے تو اگر ایک چھوڑی ہے تو اسے سارے مال کا آدھا ملیگا' اور اگر ایک سے زیادہ چھوڑیں' دو یا تین تو مال کا دو تہائی' یہ اولاد چھوٹی ہو یا بڑی' عاقل ہو یا دیوانی' بہر حال میراث سے یہ حصہ پائے گی' چونکہ یہ آیت کریمہ بہت معرکہ کی ہے اسلئے اسکے متعلق کچھ مسائل سمجھ لو: مسئلہ: میت کے مال کو اس طرح خرچ کیا جائیگا کہ پہلے اسکے مال سے اس کا کفن دفن' پھر ادائے قرض پھر بقیہ مال کی تہائی سے اس کی وصیتوں کا اجراء' پھر تقسیم میراث۔ مسئلہ: میت کے وارث کل دس مرد ہیں اور سات عورتیں' دس مرد یہ ہیں' بیٹا' پوتا' باپ' دادا' ہر قسم کا بھائی' بھتیجا' چچا حقیقی' یا علاتی' چچا کے بیٹے' خاوند' آزاد کرنے والا مولیٰ' سات عورتیں یہ ہیں: بیٹی' پوتی' ماں' دادی' نانی' بہن' بیوی' آزاد کرنے والی مولاۃ: اسکے علاوہ باقی رشتہ دار ذوی رحم ہوں گے جیسے ماموں' خالہ' بھتیجی پھوپھی وغیرہ۔ مسئلہ: تین چیزیں وارث کو میراث سے محروم کر دیتی ہیں۔ قتل' اختلاف دین' عبدیت: چنانچہ قاتل وارث مقتول کی میراث نہیں پاتا' یونہی مومن و کافر رشتہ دار آپس میں وارث نہیں ہوتے' ہاں کفار ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جیسے یہودی عیسائی کا' اور عیسائی دیگر کفار کا' غلام کسی عزیز کا وارث نہیں۔ مسئلہ: قرآن کریم میں ذوی فرض وارثوں کے کل چھ حصے مقرر ہیں' آدھا' چوتھائی' آٹھواں اور دو تہائی' ایک تہائی' چھٹا حصہ' اسکے مستحقین کل بارہ ذوی فرض ہیں' چار مرد اور آٹھ عورتیں' اسکی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے۔ مسئلہ: ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک سلسلہ کا قریبی رشتہ دار دور والے کو محروم کر دیگا' چنانچہ باپ دادا کو محروم کر دیگا' بیٹا' پوتی پوتوں کو اسے عربی میں حجب کہتے ہیں۔ مسئلہ: آیت میراث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں' انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ کسی کے مالی وارث ہوتے ہیں نہ انکا کوئی مالی وارث' انکی میراث علم اور میراث ہیں' اسی لئے علماء کو وارثین رسول اللہ کہتے ہیں یہ مسائل بہت خیال میں رہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: صحیح طور پر تقسیم میراث اسلام کا اہم فریضہ ہے جیسا کہ **یوصیکم اللہ** سے معلوم ہوا۔ وارثوں کے حصہ میں کمی کر دینا یا کسی کو بالکل حق نہ دینا صریحی ظلم ہے' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی بیٹیوں کو میراث نہیں دیتے۔ دوسرا فائدہ: بیٹی بیٹے کے ہوتے عصبہ ہے کہ اسکا کوئی حصہ مقرر نہیں' بلکہ بیٹے سے آدھا لے گی جیسا کہ **مثل حظ الانثیین** سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: بغیر بیٹے کے بیٹی ذوی فرض ہے کہ ایک کیلئے آدھا مقرر ہے اور زیادہ کیلئے دو تہائی جیسا کہ **ثلثا** اور **النصف** سے معلوم ہوا خلاصہ یہ ہے کہ بیٹا ہمیشہ عصبہ ہے مگر بیٹی بیٹے

کے ساتھ عصبہ' اکیلی ہو تو ذی فرض۔ **چوتھا فائدہ:** عصبہ وہ وارث ہے کہ جو ذی فرض کی غیر موجودگی میں سارا مال گھیر لے' اور ذی فرض کی موجودگی میں انکے حصوں سے بچا ہوا لے' عصبہ نسبی بھی ہوتا ہے سببی بھی' عصبہ نسبی چار قسم کے ہیں' انکی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں دیکھو۔ **پانچواں فائدہ:** اگر میت نے کوئی ذی فرض وارث نہ چھوڑا ہے' تو بیٹا سارا مال لے گا کیونکہ ایک بیٹی آدھا لیتی ہے' اور بیٹے کا حصہ بیٹی سے دگنا ہوتا ہے' اس قاعدے سے بیٹے کو سارا ملنا چاہئے۔ **چھٹا فائدہ:** سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ دو بیٹیوں کو بھی آدھا ملے گا' دو سے زیادہ کو دو تہائی' کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا **فوق اثنتین** باقی ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ دو بیٹیاں بھی دو تہائی پائیں گی (تفسیر کبیر' روح المعانی و بیضاوی) مگر روح المعانی نے فرمایا کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا للذا اب اس پر اجماع امت ہے کہ دو بیٹیاں بھی ثلثین ہی پائیں گی اور یہی ظاہر بھی ہے چند وجہ سے' ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ اگر لڑکی ایک ہو تو اس کیلئے آدھا ہے' معلوم ہوا کہ اگر ایک سے زیادہ ہو تو اس کیلئے آدھا نہیں' دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ نے حقیقی بہنوں کیلئے فرمایا **فان کانتا اثنتین فلھما الثلثن** کہ اگر بہنیں دو ہوں تو ان کیلئے دو تہائی ہے' جب دو بہنوں کیلئے دو تہائی ہے' تو دو بیٹیوں کیلئے بدرجہ اولی دو تہائی چاہئے' اگر انہیں آدھا ملا تو وہ بہنوں سے کم رہیں' تیسرے یہ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن ربیع کی دو بیٹیوں کو دو تہائی دیا تھا جیسا کہ اس آیت کے شان نزول میں گزر گیا' چوتھے یہ کہ جب ایک بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ تہائی پاتی ہے تو بدرجہ اولی بہن کے ساتھ بھی تہائی ہی پائے گی' اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ جب دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہو اگر ان دونوں کا آدھا ہوا تو ایک بیٹی کو چہارم ملے گا' اسکے اور بہت دلائل ہیں جو اس جگہ تفسیر کبیر اور روح المعانی نے بیان فرمائے۔

پہلا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری اولاد کا یہ حصہ ہے کہ بیٹی کو بیٹے سے آدھا' اولاد میں بیٹی بیٹے' پوتی پوتے' سب داخل ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وحلائل ابنائکم** تم پر تمہارے بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں' حالانکہ پوتے کی بیوی بھی حرام ہے' معلوم ہوا کہ ابناء میں پوتے داخل ہیں اور فرماتا ہے **حرمت علیکم امھاتکم** تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں' حالانکہ دادیاں بھی حرام ہیں' معلوم ہوا کہ ماؤں میں دادی شامل ہے' اور فرماتا ہے **نعبد الٰھک والٰہ ابائک** اے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم آپکے اور آپکے باپ داداوں کے معبود کی عبادت کریں گے' معلوم ہوا کہ آباء میں دادے داخل ہیں' لہٰذا یتیم پوتے پوتی کو چچا کے ہوتے حصہ ملنا چاہئے۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب ابھی پچھلی آیت میں **مما ترک الوالدن** الخ کی تفسیر میں گزر چکا کہ' اولاد کم کی یہ تفسیر خود آپ کے بھی خلاف ہے' کیونکہ آپ بھی یہ کہتے ہیں کہ پوتا میراث اس وقت پائے گا جب اسکا باپ نہ ہو' قرآن شریف میں یہ قید کہاں ہے! اس ترجمہ کی بنا پر چاہئے کہ پوتی پوتوں کو بیٹوں کی طرح' بہرحال برابر کا حصہ ملے' نیز نواسی نواسے بھی اس میں شامل ہونے چاہئیں کہ وہ بھی از روئے قرآن و حدیث اولاد ہیں۔ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام والسلام کو آل عمران فرمایا' حالانکہ وہ نواسے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین کو ابنائی فرمایا' حالانکہ وہ نواسے تھے' تمہاری دیگر دو آیتوں میں بھی ابناء میں نواسے اور امہات میں نانیاں شامل ہیں' چنانچہ نواسے کی بیوی نانا پر حرام ہے اور نانی نواسے پر حرام ہے' اب پڑھئے **وحلائل ابنائکم** اور پڑھئے **حرمت علیکم امھتکم** یہ

تو دونوں آیتیں آپ کے خلاف ہیں۔ دوسرا اعتراض: نبی کی میراث ضرور تقسیم ہونی چاہئے اس آیت میں نبی اور غیر نبی کی تخصیص نہیں، وہ حدیث کہ ہم گروہ انبیاء نہ وارث ہیں نہ مورث، خبر واحد ہے، جو صرف ابوبکر صدیق نے سنی اور خبر واحد سے نہ قرآن کریم کو منسوخ کر سکتے ہیں اور نہ اسکی تخصیص۔ ابوبکر صدیق کا جناب فاطمہ کو انکی میراث نہ دینا صریحی ظلم تھا، جناب فاطمہ نے یہی آیت پیش فرما کر ابوبکر صدیق سے کہا تھا کہ جب تمہاری اولاد تمہارا ورثہ لے گی تو میں رسول کی بیٹی اپنے باپ کا ورثہ کیوں نہ لوں، آپ کا یہی مطلب تھا کہ حدیث واحد قرآن کریم کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ جواب: یہ غلط ہے یہ حدیث خبر واحد نہیں، یہ حدیث حذیفہ ابن الیمان، زبیر ابن عوام، ابوالدرداء، ابوہریرہ، عباس، علی، عثمان، عبدالرحمان ابن عوف، سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے، چنانچہ جب حضرت عباس و علی مرتضیٰ کا مقدمہ عدالت فاروقی میں پیش ہوا تو وہاں اس وقت یہ تمام مذکور صحابہ کرام موجود تھے، آپ نے ان سب سے فرمایا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں اس اللہ کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ حضور نے فرمایا ہمارا وارث کوئی نہیں، جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے، سب نے ایک زبان ہو کر ہاں ہم جانتے ہیں، پھر حضرت عمر نے جناب علی مرتضیٰ و عباس سے یہی پوچھا انہوں نے بھی فرمایا کہ ہاں نیز خبر واحد و مشہور کا فرق ہمارے لئے ہے، جنہوں نے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ان کیلئے وہ حدیث قرآن کی طرح قطعی یقینی ہے۔ نیز خود فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت صدیق اکبر سے یہ روایت سن کر ایسی خاموش ہوئیں کہ آپ نے وفات تک یہ مطالبہ کبھی نہ کیا، نیز بعد والے خلفاء حضرت عمر و عثمان و علی و امام حسن وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث پر عمل کیا، کسی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا باغ فدک وغیرہ اب تک وقف چلا آرہا ہے، نیز آپ کی کتب سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے، چنانچہ کلینی نے اپنی کتاب کافی میں بروایت ابوالبختری روایت کی کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں علماء وارثین انبیا ہیں، انبیاء نے درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑی، انہوں نے صرف احادیث کی میراث چھوڑی ہے، جس نے احادیث کو لیا اس نے پوری میراث لی (روح المعانی) تیسرا اعتراض: یہ حدیث قرآنی آیات کے بھی خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وورث سلیمن داؤد** حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی **ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب** معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام اور سارے آل یعقوب کے وارث، دیکھو یہ حضرات نبی ہیں اور وارث و مورث ہو رہے ہیں۔ جواب: یہ آیتیں ہی بتا رہی ہیں کہ یہاں مالی وراثت مراد نہیں بلکہ کمال اور علمی وراثتیں مراد ہیں، اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے وہ سب وارث ہونے چاہئے تھے، صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اگر یحییٰ علیہ السلام زکریا و آل یعقوب علیہم السلام کے مالی وارث تھے تو کیا زکریا علیہ السلام کے زمانہ تک یعقوب علیہ السلام کا سارا موروثی مال بغیر تقسیم پڑا رہا، انکی اولاد در اولاد سارے بنی اسرائیل محروم رہے۔ خیال رہے کہ زکریا علیہ السلام یعقوب علیہ السلام سے دو ہزار سال بعد ہیں۔ کیسے ہو سکتا تھا کہ اتنے سال تک انکا مال بغیر تقسیم میراث پڑا رہتا۔ چوتھا اعتراض: اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مال قابل میراث نہ تھا تو آپ کی بیویوں کو حجرے بطور میراث کیوں دیئے گئے جن میں وہ رہیں، حتی کہ حضرت عمر جناب عائشہ صدیقہ کی اجازت سے انکے حجرے یعنی پہلوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوئے، امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس حجرے میں دفن

ہونے کی اجازت مانگی اگر وہ مالک نہ تھیں تو ان سے اجازت لینے کے کیا معنی؟ قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے وہ ازواج اپنے اپنے حجروں کی مالکہ تھیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقرن فی بیوتکن** اے بیبیو اپنے اپنے گھروں میں رہو معلوم ہوا کہ وہ گھر ان بیبیوں کے ہی تھے' یہ نہ فرمایا فی بیوت الرسول جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو میراث ملی تو انکی بیٹی فاطمہ کو بھی ملنا چاہئے تھی۔ جواب: اسکا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ واقعی وہ بیویاں اپنے حجروں کی مالکہ تھیں مگر میراث سے نہیں بلکہ ہبہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی شریف میں ہر بیوی کیلئے الگ حجرہ بنوایا اور انہیں ہبہ کرکے قبضہ دے دیا' جیسے کہ فاطمہ زہراء اور اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیلئے حجرہ بنوا کر انکے سپرد کردیئے گئے' یہ دونوں حضرات بھی ان حجروں کے مالک و قابض رہے' ورنہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان بیویوں کو حجروں کا مالک نہ فرماتا' کیونکہ میراث بعد وفات تقسیم ہوتی ہے' رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فی بیوتکن فرمایا' نیز اگر میراث ہوتی تو حساب سے ازواج کو ملتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کا آٹھواں حصہ نو بیویوں میں تقسیم ہوتا مگر فقیر کو یہ جواب پسند نہیں' میرے نزدیک یہ بیویاں اپنے حجروں میں مالکانہ حیثیت سے نہ رہیں' اگر یہ حجرے ان بیویوں کی ملک ہوتے تو انکی وفات کے بعد انکے وارثوں میں تقسیم ہو جاتے' روضہ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بنتے ان بیویوں کا نفقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذمہ تھا کیونکہ وہ اب بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نکاح میں تھیں' خلفائے راشدین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان بیویوں کو خرچ بھی دیا اور ان حجروں سے علیحدہ بھی نہ کیا' حضرت عمر و امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حجرۂ انور میں دفن کی اجازت مانگنا اسلئے نہ تھا کہ آپ اس حجرہ کی مالکہ تھیں مقبرہ وقف ہوتا ہے' کسی کی ملک نہیں ہوتا' بلکہ اسلئے تھا کہ آپ وہاں کی متولیہ و منتظمہ تھیں' اب بھی مسجد کی دکانیں و دیگر جائیداد متولی کی اجازت سے استعمال کی جاتی ہیں' قرآن کریم نے **بیوتکن** انکی ملکیت کے لحاظ سے نہ فرمایا بلکہ رہائش کے لحاظ سے' کرایہ دار اپنے رہائشی مکان کو کہتا ہے میرا مکان۔ پانچواں اعتراض: اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ ہوتی تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار بلکہ خچر دلدل کیوں دیا؟ اور حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر شریف محمد ابن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تبرکات کیوں عطا فرمائے نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے باغ فدک حضرت علی و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کیوں دیا؟ افسوس ہے کہ یہ چیزیں تقسیم ہوں اور فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا محروم رہیں۔ جواب: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ذوالفقار اور دلدل دینا اور حضرت زبیر و محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہما کو دیگر چیزیں دینا بطور میراث نہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے نہ یہ حضرات بلکہ یہ چیزیں تبرکاً استعمال کیلئے دی گئی تھیں' اور دیگر صحابہ کرام کے پاس بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند' بال شریف اور پیالہ شریف تبرکاً محفوظ تھے' صحابہ کرام جن کی زیارتیں کیا کرتے تھے' اسی لئے یہ ذوالفقار وغیرہ ان لوگوں کی میراث نہ بنی' جناب عمر فاروق نے اپنے زمانہ میں جناب علی و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو باغ فدک بطور تولیت دیا نہ کہ بطور ملکیت کہ آپ دونوں بزرگ وہاں کی آمد خرچ کا انتظام کریں بطور اجرت کچھ لے لیا کریں اسی لئے وہ باغ بھی ان دونوں

کی میراث نہ بنا بلکہ وقف ہی رہا حضرات حسنین کریمین نے اپنے زمانہ میں کبھی اس پر دعوائے ملکیت نہ کیا۔ **چھٹا اعتراض:** اگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ پیش کردہ حدیث صحیح ہوتی کہ انبیائے کرام کی میراث نہیں بٹتی' تو فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ سن کر ناراض کیوں ہوتیں یہ ناراضی آپ کی شان کے خلاف ہے بخاری شریف میں ہے **فغضبت** **جواب:** اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں غضب سے مراد ناراضی اور غصہ نہیں بلکہ فطری طور پر اس مطالبہ پر افسوس تھا کہ مجھے یہ حدیث معلوم نہ تھی میں نے مطالبہ کیوں کیا' یہ غصہ شان اہل بیت کے خلاف نہیں' موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بے قصور اور بڑے بھائی ہارون علیہ السلام پر بے اختیاری غصہ آگیا' اور اس بے اختیاری حالت میں آپ نے انکی داڑھی اور سر کے بال مبارک بھی پکڑ کر کھینچے' مگر یہ بے اختیاری غصہ آپ کی شان نبوت کے خلاف نہ ہوا' دوسرے یہ کہ غصہ آیا ہی نہیں خاموش ہو کر واپس ہو جانے کو دیکھ کر راوی نے **غضبت** کہا' آپ نے کبھی نہ فرمایا کہ میں صدیق سے ناراض ہوں حتیٰ کہ خود صدیق اکبر بھی آپ کو ناراض سمجھ کر راضی کرنے کیلئے جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو درمیان میں ڈالا اور انہیں خوش فرمایا' دیکھو مدارج النبوۃ کتاب الوفاء اشعۃ اللمعات روح المعانی وغیرہ بلکہ شیعوں کی معتبر کتابوں محاج السالکین وغیرہ میں بھی موجود ہے کہ صدیق اکبر فاطمہ زہرا کے دروازہ پر گئے اور عرض کیا کہ اے بنت رسول اللہ باغ فدک وغیرہ میں نے اپنے لئے نہیں رکھا بلکہ اسلئے رکھا ہے تاکہ اس میں جو کام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے میں بھی کروں' خاتون جنت نے فرمایا میں راضی ہوں' میرے ابا جان کے سارے کام باقی رکھنا رضی اللہ تعالیٰ عنہا عنہم اجمعین (روح المعانی) **ساتواں اعتراض:** اگر اکیلے صحابی کی سنی ہوئی حدیث قرآن کریم کی طرح یقینی ہوتی ہے تو حضرت عمر نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کیوں نہ مانی' کہ آپ نے فرمایا تھا مجھے میرے خاوند نے طلاق دی' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے ان سے عدت کا خرچ دلوایا اور نہ مکان' جب فاطمہ بنت قیس کی حدیث رد ہو سکتی ہے تو صدیق اکبر کی روایت یقینی و قطعی کیسے ہو گی؟ **جواب:** فاطمہ بنت قیس عام صحابیات میں سے ایک صحابیہ ہیں' عورتوں میں بھول کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور احکام شرعیہ کی وجہ سمجھنے کی طاقت کم' حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ عدت کا خرچہ آیت قرآنی اور حدیث متواتر سے ثابت ہے کہ ایک بی بی کہہ رہی ہیں کہ مجھے خرچ نہیں دلوایا گیا' نہ معلوم انہیں یاد ہے یا بھول گئیں' پھر یہ خبر نہیں کہ نہ دلوانے کی وجہ کیا تھی' ایک بی بی کے قول پر حدیث و قرآن کے خلاف کیسے فتویٰ دے دیں' حضرت صدیق اکبر کی یہ روایت بالکل سنی اور سمجھی ہوئی تھی جس پر سب نے عمل کیا اور کسی حدیث سے متعارض بھی نہ تھی' خیال رہے کہ صدیق اکبر کی احادیث کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل' دفن' تقسیم میراث نہ ہونا وغیرہ پر عمل کیا گیا' آپ ہی نے جناب علی و ازواج مطہرات کو غسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مقرر کیا' آپ ہی نے قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جگہ مقرر فرمائی' آپ ہی کی حدیث پر خلافت راشدہ قریش میں رہی انصار میں نہ گئی' دیکھو شمائل ترمذی کا آخر۔ **آٹھواں اعتراض:** اسکی کیا وجہ ہے کہ میراث میں بیٹے کو بیٹی سے دگنا حصہ دیا جاتا ہے بیٹی کمزور' دوسرے کی محتاج ہے اسے زیادہ ملنا چاہئے۔ **جواب:** اسلئے کہ بیٹی کے ذمہ اپنا خرچ ہے' نہ دوسروں کا' شادی سے پہلے اسکا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور شادی کے بعد خاوند کے' مگر بیٹے پر اپنا بوجھ بھی ہے اور بیوی بچوں کا بھی' زیادہ خرچ والے کو زیادہ حصہ دلوایا گیا' نیز مرد عورت سے افضل ہے اسی لئے نبوت امامت قضاء' مردوں کیلئے ہے عورتوں کیلئے نہیں' نیز عورت کی گواہی مرد سے آدھی ہے' اسلئے اسکی میراث بھی مرد سے آدھی

رکھی گئی نیز عورت کی عقل کم شہوت زیادہ ہے اس حالت میں اگر اسے مال کثیر دیا جائے تو فساد برپا ہو گا شاعر کہتا ہے۔

ان الفراغ والشباب الجدہ مفسد للمرء ای مفسد

یعنی اگر جوانی فراغت اور مال جمع ہو جائیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں نیز یہی سوال امام جعفر صادق سے کیا گیا تھا آپ نے فرمایا کہ جنت میں گندم کھاتے وقت بی بی حوا نے دو مٹھی گندم اپنے واسطے رکھی تھی اور ایک مٹھی آدم علیہ السلام کو کھلائی، رب تعالیٰ نے اس کے برعکس لڑکیوں کو ایک حصہ میراث دی لڑکوں کو دو حصہ واللہ اعلم (تفسیر کبیر و روح المعانی) غرضیکہ اس تقسیم میں صدہا حکمتیں ہیں۔ نواں اعتراض: تم بیٹی کے ہوتے یتیم پوتی کو چھٹا حصہ میراث دیتے ہو۔ حالانکہ بیٹی رشتہ میں قریب ہے اور پوتی دور تو ایسے ہی بیٹے کے ہوتے یتیم پوتی کو بھی میراث دو یہاں دور قریب کا کیوں لحاظ کرتے ہو؟ جواب: قرب و بعد ایک سلسلہ کے وارثوں میں معتبر ہے، نہ کہ دو سلسلوں کے ورثاء میں بیٹے کا سلسلہ اور ہے بیٹی کا اور پوتی بیٹے کی اولاد ہے نہ کہ بیٹی کی اسلئے نواسی بیٹی کے ہوتے محروم ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انشاء اللہ آیت کے ختم پر ہوگی۔

وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ

اور واسطے اسکے ماں باپ کے ہر ایک کیلئے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو اس نے چھوڑا اگر ہو اس میت کی اولاد

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو

فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ

پس اگر نہ ہو اس میت کی کوئی اولاد اور وارث ہوں اس کے اس کے ماں باپ تو اسکی ماں کیلئے تہائی ہے پھر اگر

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اسکے کئی بھائی

فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمۡ وَ

اس میت کے چند بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے اس وصیت کے بعد جسکی میت وصیت کر دے یا

بہن ہوں تو ماں کا چھٹا بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دین کے تمہارے باپ

اَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَـكُمۡ نَفۡعًا ‌ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ‌ؕ اِنَّ

قرض کے بعد تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہیں تمہارے نفع میں مقرر

اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا یہ حصہ باندھا

اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا‏

حصہ اللہ کی طرف سے بے شک اللہ ہے جاننے والا حکمت والا

ہوا ہے اللہ کی طرف سے بیشک اللہ علم والا حکمت والا ہے

تعلق: اس جملہ کا گزشتہ جملہ سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** نسبی رشتہ سے چند قسم کے لوگ میراث پاتے ہیں' میت کے فروع یعنی اولاد میت کے اصول یعنی ماں باپ میت کے اصول کے فروع یعنی بھائی بہن' پہلی قسم کے وارثوں کا ذکر پچھلے جملہ میں تھا دوسری و تیسری قسم کے ورثاء کا ذکر ان جملوں میں ہے۔ **دوسرا تعلق:** میت کا مال چند طرح لیا جاتا ہے' وراثت سے' وصیت سے' پچھلے جملہ میں صرف وراثت کا ذکر تھا' اب ان جملوں میں وصیت کا ذکر بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تقسیم میراث کی شرط ہے گویا شروط کے ساتھ شرائط کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلے جملہ میں وارثوں کے مختلف حصے بیان ہوئے کہ لڑکے کی میراث لڑکی سے دگنی ہے' اب فرمایا جارہا ہے کہ ان حصوں کے تقرر میں بہت حکمتیں ہیں جو تمہاری عقل نہیں معلوم کرسکتی' اس لئے بے چون و چرا ہمارے حکم پر سر تسلیم خم کردو۔

تفسیر: ولا بویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد: ظاہر ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے' اور یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے' لام استحقاق کا' ابوین سے مراد ماں باپ ہیں تغلیبا" ماں کو باپ میں شامل مان کر تثنیہ فرمایا' جیسے چاند سورج کو قمرین اور ابوبکر و عمر کو عمرین کہہ دیتے ہیں' مگر ابن بنت کو ابنتین یا ابنین نہیں کہتے کہ وہاں شبہ ہوگا کہ شاید وہ بیٹیاں یا دو بیٹے مراد ہوں' یہاں شبہ ہو سکتا ہی نہیں' کیونکہ نہ کسی کے دو باپ ہوتے ہیں نہ دو مائیں' ابویہ کی ضمیر میت کی طرف لوٹ رہی ہے حق یہ ہے کہ لکل واحد بدل ہے لابویہ کا' بہ اعادہ حرف جار اور لابویہ خبر مقدم ہے السدس مبتدا مؤخر' اس جملہ کی اور بھی ترکیبیں کی گئی ہیں مگر یہ ترکیب آسان بھی ہے اور ظاہر بھی "لکل واحد اس لئے فرمایا گیا تاکہ یہ شبہ ہو کہ ایک سدس ماں باپ دونوں میں تقسیم ہوگا بلکہ باپ کو الگ چھٹا حصہ ملیگا ماں کو الگ' **لکل واحد** اس لئے فرمایا گیا تاکہ یہ نہ شبہ ہو کہ ایک سدس ماں باپ دونوں میں تقسیم ہوگا بلکہ باپ کو الگ چھٹا حصہ ملیگا ماں کو الگ' **مما ترک** ایک پوشیدہ لفظ کا متعلق ہو کر سدس کا حال ہے۔ **ما ترک** میں بتایا گیا کہ میت کے سارے متروکہ مال میں سے ماں باپ ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا مال کسی قسم کا ہو منقولی یا غیر منقولی' مردوں کے استعمال کا ہو یا عورتوں کے استعمال کا۔ **ان کان لہ ولد** چھٹا حصہ ملنے کی شرط ہے ولد سے مراد بطریق عموم مجاز بیٹا بیٹی' پوتا پوتی سب ہی ہیں جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوا' لہ کا مرجع میت ہے یعنی اگر میت نے ماں باپ کے ساتھ بیٹا یا بیٹی' پوتا یا پوتی چھوڑی ہو تو ماں کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اور باپ کو بھی چھٹا بیٹے کی صورت میں باپ کو صرف چھٹا حصہ ہی ملے گا' باقی مال بیٹا عصبہ" لے لیگا' صرف بیٹی کی صورت میں باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور عصبہ" بچا ہوا مال بھی' مثلاً کسی شخص نے ماں باپ اور بیٹی چھوڑی' تو متروکہ مال کے چھ حصے ہو کر تین بیٹی کو' ایک ماں کو' ایک باپ کو فرضا" مل گئے' باقی جو ایک بچا وہ پھر باپ کو ہی عصبہ" مل جائے گا' **فان لکم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث** : یہ والدین کی میراث کی دوسری صورت ہے کہ میت نے اولاد یعنی بیٹی بیٹے' پوتی پوتے و بہن بھائی کچھ نہ چھوڑے' تب ماں باپ کی میراث کا یہ طریقہ ہوگا کہ ماں کو کل مال کا تہائی ملے گا اور باپ عصبہ" بچا ہوا مال لے لیگا یہاں بھی لہ اور ورثہ اور ابواہ اور لامہ ان سب کی ضمیروں کا مرجع میت ہے' اس صورت میں ماں کا حصہ مقرر کرنے اور باپ کا ذکر نہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ ماں ذی فرض ہے تہائی کی مستحق' اور باپ محض عصبہ بچے ہوئے سارے مال کا مستحق لہذا اگر میت نے صرف ماں باپ چھوڑے تو ماں کو کل ترکہ کا تہائی ملیگا اور باقی دو تہائی مال کے تین حصے ہوں گے ایک ماں کا اور دو باپ کے **فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس**: یہ

ماں باپ کی تیسری صورت ہے کہ میت نے اولاد تو کوئی نہ چھوڑی۔ مگر ماں باپ کے ساتھ دو بھائی بہن کسی قسم کے چھوڑے' خواہ سگے خواہ باپ شریکے یا ماں شریکے' خواہ دونوں بھائی یا دونوں بہنیں یا ایک بھائی ایک بہن تو ماں کا چھٹا حصہ ہو گا باپ عصبہ ہو کر سارا بچا ہوا مال لے گا۔ خیال رہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک اخوۃ سے تین یا زیادہ بھائی بہن مراد ہیں کیونکہ یہ جمع ہے اور جمع دو کیلئے نہیں آتی' باقی تمام صحابہ کرام' مفسرین' محدثین' فقہاء کے نزدیک اخوۃ میں دو بھائی بہن داخل ہیں کیونکہ مسائل میراث میں دو بھی جمع ہیں' نیز قرآن کریم میں دو کو جمع بہت جگہ فرمایا گیا ہے۔ دیکھو دو بیٹیاں دو بہنیں وہی میراث پاتی ہیں جو زیادہ بیٹیاں پاتی ہیں۔ چنانچہ حاکم و بیہقی نے حضرت زید ابن ثابت کا واقعہ بیان فرمایا کہ ان سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ یہاں اخوۃ میں دو بھائی بہنیں کیوں داخل ہیں؟ آپ نے فرمایا **العرب تسمی اخوین اخوۃ** یعنی عرب دو بھائی بہنوں کو بھی اخوۃ کہہ دیا کرتے تھے (روح المعانی) لطف یہ ہے کہ باپ کے ہوتے بھائی بہنیں محروم رہتے ہیں مگر ماں کو نقصان پہنچا دیتے ہیں کہ اسکا حصہ بجائے تہائی کے چھٹا کر دیتے ہیں' اس کی تفصیل کتب فرائض میں دیکھو۔ **من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین** : اس جملہ کا تعلق گزشتہ ساری عبارت سے ہے کہ اولاد' ماں باپ' سب کے مذکور حصے لوائے قرض و میراث کے بعد ملیں گے: **من بعد** الخ **یوصی**' کے متعلق ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حصوں کا حال ہو' اس طرح کہ عبارت ھذا کی خبر ہو' بہرحال: جملہ حال' وصیۃ سے جائز وصیت مراد ہے اور قرض سے۔ بندوں کا قرض مراد ہے نہ کہ واجب شدہ زکوۃ وغیرہ' تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ناجائز ہے اگر کی بھی گئی تو تہائی میں ہی جاری ہو گی یونہی جس عزیز کو ایک پائی میراث ملے گی' اس کیلئے وصیت ناجائز ہے' اگر کی بھی گئی تو جاری نہ ہو گی' قرض کا ثبوت یا دو گواہوں سے ہو گا یا مرحوم کی تندرستی کے اقرار سے' مرض موت کا اقرار قرض وصیت کے حکم میں ہے کہ تہائی میں جاری ہو گا' خیال رہے کہ قرض وصیت سے پہلے ہے' پہلے کل مال سے قرض دیا جائے' اگر کچھ مال بچے تو بقیہ کے تہائی سے وصیت پوری کی جائے' پھر بقیہ میں میراث جاری ہو مگر وصیت کی اہمیت دکھانے کیلئے اس کا ذکر قرض سے پہلے کیا گیا' درمیان میں **او** فرما کر بتایا گیا کہ وصیت بھی قرض ہی کی طرح واجب الادا ہے' یعنی یہ تمام میراث کے حصے وصیت یا قرض کے بعد دیئے جائیں گے۔ **اباؤکم وابناؤکم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا** یہ جملہ معترضہ ہے اولاد' ماں باپ کے حصے پہلے بیان ہو چکے' خاوند' بیوی' بھائی بہن کے حصے بعد میں آ رہے ہیں' درمیان میں یہ کلام ارشاد ہوا کیونکہ مذکورہ بالا تقسیم عقل سے وراء تھی کہ اولاد کو زیادہ میراث دی گئی ہے ماں باپ کو کم' پھر ماں باپ میں باپ کو زیادہ اور ماں کو کم' نیز اہل عرب بیٹیوں اور چھوٹی اولاد کی میراث کے قائل ہی نہ تھے' انہیں یہ تقسیم نہایت ہی عجیب معلوم ہوئی' وہ کہتے تھے جو زندگی میں میت کو نفع پہنچا سکے وہی اس کی میراث بھی لے' اس لئے یہ جملہ ارشاد ہوا **لا تدرون** درایت سے بنا' عقل' انکل و قیاس سے جاننے کو درایت کہتے ہیں' اسی لئے خدا تعالیٰ کا علم درایت نہیں کہلاتا۔ **ایھم** میں ای یا استفہامیہ ہے اور مبتدا' اقرب خبر' یا موصولہ ہے اقرب ھو پوشیدہ کی خبر ہو کر اس کا صلہ **نفعا** **اقرب** کی تمیز' بہرحال **ایھم** الخ **لا تدرون** کا مفعول ہے' نفع سے مراد دنیوی نفع ہے یا اخروی یعنی اے انسانو! تم عقل و درایت سے یہ بات نہیں معلوم کر سکتے کہ تمہارے ماں باپ اور اولاد میں سے تمہارے لئے دین و دنیا میں زیادہ نافع کون ہے' بارہا جوان بیٹے کام نہیں آتے بوڑھے ماں باپ آ جاتے ہیں' یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جوان اولاد نالائق نکلتی ہے اور یتیم بچے بہت

سعادت مند ہوتے ہیں' لہذا تم ان ظاہری موہومی نفعوں کی بنا پر میراث کے حصے مقرر نہ کرو ہم نے جو حصے جس کے مقرر کئے وہ بالکل صحیح ہیں' فریضۃ من اللہ اس جملہ کی اصل عبارت یوں تھی فرض من اللہ فریضۃ لفظ فریضۃ مفعول مطلق ہے' بعض نے فرمایا کہ فریضہ بمعنی مصدر نہیں بلکہ اسم مفعول ہے اور یہ مذکورہ حصوں کا حال ہے' فرض بمعنی مقرر و لازم کرنا ہے۔ یعنی یہ سارے مذکورہ حصے رب تعالیٰ کی طرف سے لازم و مقرر شدہ ہیں نہ کسی کو اس کے حصے سے محروم کرو اور نہ کسی کے حصے میں کمی بیشی کرو ان اللہ کان علیما حکیما یہ جملہ فریضۃ کی تاکید ہے کان دوام کیلئے ہے۔ یعنی یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم بھی ہے حکمت والا بھی' اس لئے جو حصے دیا اس میں صدہا حکمتیں ہیں جن کا تمہیں پتہ نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تمہاری اولاد کی میراث تو وہ ہے جو بیان کی گئی تمہارے ماں باپ کے تین حال ہیں' اگر میت نے ماں باپ کے ساتھ اپنی یا اپنے بیٹے کی کوئی اولاد چھوڑی ہو یا بیٹا یا بیٹی دونوں' تو ماں باپ دونوں ذی فرض ہو گئے' کہ ماں کو بھی متروکہ مال کا چھٹا حصہ ملے گا اور باپ کو بھی' باقی مال عصبات وغیرہم کا ہو گا۔ دوسرا حال یہ ہے کہ میت نے ماں باپ کے ساتھ نہ اولاد چھوڑی نہ ایک سے زیادہ بھائی' بہن اس صورت میں ماں ذی فرض ہے' اور اس کا حصہ کل مال کا تہائی' اور باپ محض عصبہ کہ ذی فرض ورثاء سے بچا ہوا مال لے گا' تیسرا حال یہ ہے' کہ میت نے ماں باپ کے ساتھ اولاد تو نہ چھوڑی' مگر ایک سے زیادہ بھائی' بہن چھوڑے' اس صورت میں بھی ماں ذی فرض ہے' اور باپ عصبہ مگر اب ماں کی میراث چھٹا حصہ ہو گی' باقی ذی فرض سے بچا ہوا سارا مال باپ لے گا' خیال رکھو کہ اصول و فروع کے یہ حصے میت کی جائز وصیت اور ثابت شدہ قرض ادا کرنے کے بعد ہوں گے' اس طرح کہ کفن دفن کے خرچوں کے بعد کل مال سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا' پھر بقیہ کی تہائی سے وصیتیں پوری کی جائیں گی' پھر تقسیم میراث' میراث کے حصوں کا تقرر تم محض اپنی عقل سے نہیں کر سکتے' تمہیں کیا خبر ماں باپ یا اولاد میں سے کون تمہارے واسطے دین و دنیا میں زیادہ نافع ہے' یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہم تمہارے اور ان کے خالق و مالک ہیں' یہ سارے حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ اور طے شدہ ہیں' اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی' اس کے ہر کام میں ہزارہا حکمتیں ہیں' طبرانی و ابن مردویہ نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتی اپنے مقام میں پہنچ کر پوچھے گا کہ میری بیوی' ماں باپ اولاد کہاں ہیں؟ فرمایا جائے گا' وہ ہیں تو جنت ہی میں مگر تجھ سے نچلے مقام میں' کیونکہ ان کے اعمال صالح تجھ جیسے نہ تھے' عرض کرے گا مولیٰ میں نے دنیا میں نیکیاں اپنے لئے بھی کی تھیں اور ان سب کیلئے بھی' اس کی اس عرض پر دریائے کرم الٰہی میں جوش میں آ جائے گا کہ ان سب کو ترقی دیکر اس کے ساتھ رکھو' یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ تمہیں کیا خبر کل جنت میں تمہیں ماں باپ کے ذریعہ عروج ہے یا اولاد کے ذریعہ (تفسیر کبیر و روح البیان)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عربی میں لفظ ابوین یعنی ماں باپ میں دادا دادی' نانا نانی' حقیقتاً داخل نہیں ہوتے' دیکھو یہاں لا بویہ فرمایا گیا' مگر یہ حصے نہ دادا دادی کے ہیں نہ نانا نانی کے' تو جو لوگ اولاد کی میراث میں پوتوں کو شامل کرتے ہیں' انھیں چاہئے کہ ماں باپ کی میراث میں دادوں نانوں کو شامل کریں۔ **دوسرا فائدہ:** اولاد کی موجودگی میں ماں باپ ذی فرض ہیں' مگر اولاد کی غیر موجودگی میں ماں تو ذی فرض ہے' لیکن باپ ذی فرض نہیں' محض عصبہ

ہے' جیسا کہ لکل واحد منہما اور فلامہ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** میراث کے حصے درجات کی بنا پر نہیں' دیکھو درجہ ماں باپ کا زیادہ' مگر میراث کا حصہ اولاد کا زیادہ' جیسا کہ مذکورہ تقسیم سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اولاد پر حق خدمت ماں کا زیادہ ہے' مگر حق مالی باپ کا زیادہ' جیسا کہ **فلامہ الثلث** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** تقسیم میراث' ادائے قرض و اجرائے وصیت کے بعد ہے' جیسا کہ **من بعد وصیۃ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** میراث کے حصے نماز کی رکعتوں اور زکوۃ کی مقدار کی طرح عقل سے وراء ہیں' جو رب تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ان پر ایمان لاؤ' جرح نہ کرو' جیسا کہ **لا تدرون** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** صحیح تقسیم میراث ایسے ہی فرض ہے' جیسے کہ **فریضۃ من اللہ** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** میراث کا حصہ نفع رسانی یا وارث کی غریبی فقیری کی وجہ سے نہیں' یہ عقیدہ کفار عرب کا تھا کہ میت کا جو عزیز قوم و ملک کیلئے نافع ہو' وہی میراث پائے' آج بعض سرپھروں کا خیال ہے کہ جو عزیز کمزور و ضعیف ہو' اسے میراث دی جائے' جیسے یتیم پوتا بلکہ وارث محض رب تعالیٰ کے تقرر سے ہے' جیسا کہ **لا تدرون** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اسلام نے ماں باپ کو بمقابلہ اولاد میراث کم کیوں دی' دیکھو اگر میت کے ایک بیٹی اور ماں و باپ ہوں تو مال کے چھ حصے ہو کر تین بیٹی کو' ایک ماں کو' دو باپ کو ملتے ہیں' اور اگر ایک بیٹا اور ماں باپ چھوڑے تو مال کے چھ حصے ہو کر ماں باپ کو ایک' ایک' لڑکے کو تین ملتے ہیں' اس کی کیا وجہ؟ ماں باپ نے میت کو پالا' پرورش کیا' مگر حصہ کم پایا' یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ **جواب:** میراث کی تقسیم ہماری عقلوں سے وراء ہے' جو رب تعالیٰ نے مقرر فرما دی ٹھیک ہے' مگر عقل اتنا کہتی ہے کہ ماں باپ کی عمر بظاہر تھوڑی رہ گئی ہے' اولاد کی عمر زیادہ کہ میت کے ماں باپ بڑھے ہیں' اولاد' بچے یا جوان' لہذا بمقابلہ ماں باپ اولاد کو مال کی ضرورت زیادہ ہے' اس لئے انہیں مال بھی زیادہ دیا گیا۔ (تفسیر کبیر) **دوسرا اعتراض:** پھر باپ کو بمقابلہ ماں کے زیادہ حصہ کیوں دیا گیا؟ کہ بعض صورتوں میں ماں کا تہائی ہے' باپ کا دو تہائی' اور بعض صورتوں میں باپ فرضاً بھی لیتا ہے اور عصبہ ہو کر بھی' مگر ماں کو ہمیشہ صرف فرضاً ہی ملتا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ ماں نے بچہ کی بدنی خدمت واقعی زیادہ کی کہ اپنا خون یعنی دودھ پلا کر پالا' مگر باپ نے مالی خدمت بہت کی کہ پرورش و تعلیم و تربیت کا سارا خرچہ' بلکہ بعض صورتوں میں دودھ پلانے والی دائی کی تنخواہ بھی باپ کے ذمہ رہی' ماں کو اس سے کوئی تعلق نہ رہا' میراث کا تعلق مال سے ہے' لہذا باپ کو زیادہ دی گئی' زندگی میں بھی اولاد پر ماں کا حق الخدمت زیادہ ہے اور باپ کا حق مالی زیادہ' کہ فرمایا گیا جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے' اور ارشاد ہوا تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اگر میت نے ماں باپ اور دو بھائی بہن چھوڑے تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا' باقی پانچ حصے باپ کے ہوں گے' دونوں بھائی محروم رہیں گے' جب دونوں بھائی محروم رہے تو انہوں نے ماں کا حصہ کیوں کم کر دیا؟ اسے تہائی ہی رہنے دیا ہوتا' محروم عزیز دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا دیکھو قاتل یا کافر اولاد یا بھائی بہن کسی وارث کو نقصان نہیں پہنچاتے نہ محروم کریں' کافر بیٹا بھائی بہن کو محروم نہیں کرتا' ماں کا حصہ کم نہیں کرتا۔ **جواب:** حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے وہ باپ کے ہوتے بھائی بہن کو وارث مانتے ہیں' مگر جمہور صحابہ کرام و امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی قول ہے کہ باپ کے ہوتے بھائی بہن محروم ہیں' ان کی دلیل یہی آیت ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **وورثہ ابواہ** جس سے معلوم ہوا کہ بھائی بہن کی موجودگی میں بھی صرف ماں باپ ہی

وارث ہوں گے' اگر بھائی بہن بھی وارث ہوتے' تو ان کا ذکر بھی فرمادیا جاتا' محروم عزیز دوسرے عزیز کو نقصان نہیں پہنچاسکتا' مگر محجوب رشتہ دار دوسرے کو نقصان پہنچاسکتا ہے قاتل یا کافر عزیز محروم ہے' بھائی بہن باپ کی وجہ سے محجوب ہیں خود محروم نہیں' محروم وہ جو اپنے کسی وصف کی وجہ سے میراث نہ پاسکے' محجوب وہ جو دوسرے وارث کی وجہ سے میراث حاصل نہ کرسکے' یہ قانون بہت خیال میں رکھنا چاہئے۔ چوتھا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ ادائے قرض وصیت پر مقدم ہے' مگر آیت کریمہ میں وصیت کو ادائے قرض پر مقدم رکھا' یہ تفسیر آیت کے خلاف ہے۔ جواب: واؤ یا او ترتیب نہیں چاہتے' بہت دفعہ خلاف ترتیب بھی چیز کا ظہور ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے واسجدی وارکعی' دیکھو سجدے کا ذکر پہلے ہے رکوع کا بعد میں' مگر نماز میں رکوع پہلے ہے سجدہ بعد میں' ایسے ہی یہاں ہے' چونکہ وارثوں پر وصیت پوری کرنا شاق ہے' نیز وصیت بمقابلہ قرض زیادہ ہے' انسان قرض اپنی زندگی میں ادا کرجاتا ہے بعد موت کیلئے اس کا بوجھ نہیں رکھتا' مگر وصیت بعد موت ہی جاری ہوتی ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے اسی کا ذکر فرمایا' یہ تقدیم اہمیت ظاہر کرنے کیلئے ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ پانچواں اعتراض: تم نے کہا کہ قرض کل مال سے ادا ہوگا مگر وصیت تہائی مال سے' نیز وصیت وارث کو درست نہیں' یہ دونوں حکم قرآن کریم میں تو ہیں نہیں' تم نے کہاں سے لئے؟ جواب: حدیث شریف سے۔ حدیث میراث آیت میراث کی شرح ہے' قرآن کریم کا کوئی حکم بغیر حدیث کی مدد کے واضح نہیں ہوتا' صرف نماز و زکوۃ قرآن کریم سے ثابت ہے' مگر نماز کی تعداد نمازوں کی رکعات' زکوۃ کی مقدار قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتی' جب نماز روزہ' زکوۃ جیسے اہم مسائل بغیر حدیث کے ادا نہیں ہوتے' تو دوسرے مسائل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے بغیر کیسے قابل عمل ہوں گے' رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے بندے ہمیشہ میرے محبوب کے محتاج رہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے مال کی میراث یا نسب کے ذریعے ملتی ہے یا سبب یعنی نکاح کے باعث ایسے ہی کمال و احوال کی میراث یا تو روحانی نسب یعنی صحبت شیخ کے ذریعہ ملتی ہے یا روحانی سبب یعنی ارادت و اعتقاد کے باعث میسر ہوتی ہے' جو شخص نہ بزرگوں کا صحبت یافتہ ہے نہ ان کا معتقد' وہ محروم رشتہ دار ہے' اگرچہ رشتہ ایمانی تو ان سے رکھتا ہے مگر ان کے فیوض سے محروم ہے' اور جو ان مقبولوں کا صحبت یافتہ ہے وہ بہت ہی فیوض کا مستحق ہے' جو ان کا صرف معتقد ہے وہ بھی کچھ نہ کچھ فیوض حاصل کر ہی لیتا ہے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض علی وجہ الکمال صحابہ کرام کو نصیب ہوا کہ وہ لوگ روحانی نسبت رکھتے تھے' مگر بعد والے مسلمانوں کو بھی پہنچا کہ وہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سببی رشتہ رکھتے ہیں' پھر جیسے نسبی رشتہ میں بیٹے کا دوگنا ہے بیٹی کا اکہرا ایسے ہی صحبت والے جو مجتہدین ہیں وہ گویا بیٹے ہیں جو کم ہمت ہیں اجتہاد و مشقت میں' ناقص وہ گویا بیٹیاں ہیں' بزرگوں کی میراث میں مجتہدین کا حصہ غیر مجتہدین سے دوگنا ہے' پھر جیسے میت کی کمائی میں ماں باپ کا بھی حصہ ہے ایسے ہی کامل مرید کے فرض میں اس کے مشائخ کا بھی حصہ ہے' بارہا مرید سے شیخ کو کمال حاصل ہوا ہے حضور غوث الثقلین اپنے بعض مشائخ سے بڑھ گئے' ان مشائخ کیلئے آپ کی ذات باعث فخر ہوئی' غرضیکہ صوفیائے کرام کے ہاں ذکوریت و انوثت اجتہاد و استعداد سے ہے' اگر ذلیل حصہ لیتا ہے' تو کم ہمت باندھیئے' مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش سست و ریزیدہ چو آب و گل مباش

چوں گرفتی پیر ہین تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی!

مہر خنداں باغ را خنداں کند صحبت مرد انت از مرداں کند

غرضیکہ بزرگوں سے روحانی رشتہ پیدا کرنے میں محنت کرو پھر ان کے کمائے کمال سے میراث لو پہلے ان کے ہو پھر سب کچھ پاؤ گے (از روح البیان) یہ غلط ہے کہ انسان صرف اپنی کمائی ہی پاتا ہے بھی دوسروں کی کمائی سے نفع لیتا ہے انسان کچھ مال خود کماتا ہے کچھ اپنے رشتہ داروں کا کمایا ہوا میراث میں پاتا ہے ایسے ہی کچھ کمال خود کماؤ کچھ کمال حال والوں کی غلامی سے حاصل کرو احکام شرعیہ میں اپنی کمائی کرو مگر طریقت کے فیوض دوسروں کے کمائے ہوئے لو سخی کے مال میں دوسروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم
ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ

اور تمہارے لئے ہے آدھا مال وہ جو چھوڑ جائیں تمہاری بیبیاں اگر نہ ہو ان کا کوئی بچہ پس اگر ہو ان کا

اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو

وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ

کوئی بچہ تو تمہارے لئے ہے چوتھائی اس مال سے جو وہ چھوڑ گئیں بعد اس وصیت کے جس کی وہ وصیت

تو ان کے ترکہ میں سے تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دین نکال کر اور تمہارے

اَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ

کر جائیں یا قرض کے اور ان کے لئے چوتھائی اس مال کا جو چھوڑ جاؤ تم اگر نہ ہو تمہارا کوئی بچہ پس اگر ہو تمہارا

ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو پھر اگر تمہارے اولاد

لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ

کوئی بچہ تو ان کے لئے ہے آٹھواں حصہ اس مال کا جو چھوڑ جاؤ تم بعد اس وصیت کے جس کی تم وصیت کر جاؤ یا قرض کے

ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور قرضہ نکال کر

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں نسبی وارثوں یعنی اولاد ماں باپ کے میراثی حصوں کا ذکر تھا اب اس آیت میں سببی وارثوں یعنی بیوی خاوند کے حصوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان وارثوں کے حصوں کا ذکر تھا جو بذات خود میراث پاتے ہیں' اب اس آیت میں ان زوجین کے حصوں کا تذکرہ ہے جن کی میراث نکاح کے عارضہ کی وجہ سے ہے گویا ذاتی میراث کے بعد عارضی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان وارثوں کا ذکر تھا جو خود بھی وارث ہوں اور ان کے ذریعہ دوسرے بھی وارث ہوں' اب ان وارثوں کا تذکرہ ہے جو خود تو وارث ہیں مگر ان کے ذریعہ کوئی دوسرا وارث نہیں' باپ اولاد خود بھی وارث ہیں اور ان کے ذریعہ پوتے' دادے' بھائی' بھتیجا' بھی وارث مگر زوجین خود تو وارث ہیں لیکن ان کے ذریعہ کوئی دوسرا وارث نہیں' سالی' ساس' دیور وغیرہ وارث نہیں۔

تفسیر: ولکم نصف ما ترک ازواجکم: واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ مستقل ہے نیا ہے' لام استحقاق کا ہے اور کم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے' اس خطاب میں نہ نبی داخل ہیں نہ غیر مسلم جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ ماترک سے بیویوں کا تمام مملوکہ مال مراد ہے خواہ انہیں میکے سے جہیز تحفہ کے طور ملا ہو یا تم نے انہیں مہر عطیہ کے طور دیا ہو یا خود انہوں نے کسی ذریعہ سے حاصل کیا ہو' جیسے بعض عورتیں تجارت' ملازمت سے روپیہ جمع کر لیتی ہیں یا انہیں ان کے لڑکوں نے کچھ نذر کیا ہو' غرضیکہ کسی طرح ان کا مملوک ہو' ازواج سے مراد مطلقاً بیویاں ہیں جن سے نکاح ہو چکا ہو' خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ' خواہ رخصتی بھی ہو چکی ہو یا نہ یعنی اے مسلمانو! تم کو اپنی مرحومہ بیویوں کے مملوکہ متروکہ مال کا آدھا حصہ میراث میں ملے گا مگر اس شرط سے کہ **ان لم یکن لھن ولد** یہ پہلے جملہ کی شرط مؤخر ہے' ولد سے مراد ان کے پیٹ کی اولاد ہے خواہ تمہارے نطفہ سے ہو یا دوسرے خاوند سے یا مولیٰ سے اگر مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا اور تم نے اس سے نکاح کیا' نیز ولد مرد ہو یا عورت یعنی بیٹا ہو یا بیٹی یا بیٹے کی اولاد یعنی پوتے غرضیکہ بالواسطہ و بلاواسطہ اولاد سب شامل ہے اس لئے **لھن** ارشاد ہوا **لکم** نہ فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ تم سے پیدا ہوں یا کسی اور خاوند سے یعنی اے مسلمانو! تمہیں اپنی بیویوں کے متروکہ مال سے آدھا جب ملیگا جب ان کا کوئی بیٹا بیٹی یا پوتی پوتا نہ ہو **وان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن** یہ خاوند کی میراث کی دوسری صورت ہے واؤ عاطفہ ہے' اور یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے' یہاں بھی ولد سے وہی مراد ہے جو ابھی عرض کیا گیا' یعنی اگر تمہاری مرحومہ بیویاں اپنے پیٹ کا لڑکا یا لڑکی' پوتا یا پوتی چھوڑ گئی ہیں' تو تم کو ان کے متروکہ مال سے چہارم ملیگا' خواہ وہ اولاد تم سے ہو یا کسی اور خاوند سے' خیال رہے کہ اس اولاد میں حرام کی اولاد داخل نہیں' لہٰذا اگر عورت نے اپنی حرام کی اولاد چھوڑی ہے تو وہ خاوند کا حصہ کم نہ کرے گی' اگرچہ خود عورت کی وارث ہوگی کہ حرام کی اولاد زانیہ عورت کی وارث ہوتی ہے' زانی مرد کی وارث نہیں ہوتی' جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے' مگر یہ اولاد کسی وارث کی حاجب نہیں' نہ اس سے خاوند کا حصہ چہارم بنے' نہ ماں باپ کا حصہ چھٹا بنے **من بعد وصیۃ یوصین بھا اودین** اس جملہ کا تعلق گزشتہ میراث سے ہے یعنی خاوندوں کو یہ میراث اپنی بیویوں کی وصیت و قرض کے ادا کے بعد ملے گی' وصیت و قرض میں وہی تفصیل ہے جو پہلے ذکر ہوئی **ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد** یہ بیوی کی میراث کا ذکر ہے' بیوی ایک ہو زیادہ' خلوت ہو چکی یا نہ' اور خاوند کی اولاد نہ اس بیوی سے ہو نہ دوسری بیوی سے' بہرحال اس کی میراث یہ ہے کہ اسے خاوند کے متروکہ مال کا چہارم یعنی 1/4 ملے گا' باقی تین حصے دوسرے

وارثوں کے ہوں گے' یہاں بھی ولد سے مراد بیٹا بیٹی' پوتا پوتی ہے یعنی بلا واسطہ یا بالواسطہ اولاد بطریق عموم مجاز **فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم**: یہ جملہ بیویوں کی میراث کی دوسری نوعیت کا بیان ہے' یعنی اگر تمہارے بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی کسی بیوی سے ہو تو تمہارے متروکہ مال سے تمہاری بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا' اگر بیوی ایک ہے تو یہ اس کا ہے اگر چند ہیں تو وہ سب یہ ہی آٹھواں حصہ تقسیم کرلیں گی' حتیٰ کہ اگر چار بیویاں ہیں' تو انہیں روپیہ سے دو آنہ ملیں گے' جو دو دو پیسہ ہو کر ان میں تقسیم ہوں گے خیال رہے کہ مرد عورت سے اشرف ہے۔ اس لئے زوجین کی میراث میں خطاب مردوں سے ہی ہوا' اور مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے' بلکہ ہر جگہ مرد کو عورت سے دگنا دیا گیا' سوائے اخیافی بھائی بہن کے' جیسا کہ آگے آرہا ہے (کبیر' روح المعانی) **من بعد وصیۃ توصون بھا او دین** اس جملہ کا تعلق بھی مذکورہ میراث سے ہے' وصیت سے جائز وصیت مراد ہے اور قرض سے وہ قرض مراد ہے جو ثابت ہو جائے باقی وصیت و دین کے فرق ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ وصیت تہائی مال سے جاری ہوگی مگر قرض پورے مال سے' خواہ قرض دست گردان کا ہو یا تجارتی یا نکاح کا مہر' غرضیکہ حقوق العباد کا قرض لہٰذا مرد کے مال سے عورت کا مہر پہلے ادا کیا جائے گا' پھر اسے میراث بعد میں دی جائے گی یعنی تمہاری بیویوں کی یہ میراث تمہاری وصیت و قرض کی ادائیگی کے بعد ہے کہ پہلے یہ چیزیں ادا کی جائیں پھر میراث تقسیم ہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! یہ تو نسبی میراث کا ذکر تھا' جس میں تمہیں اصول و فروع کے حصے بتائے گئے سببی یعنی نکاحی میراث کی تفصیل یہ ہے' کہ زوجین کے سوا دوسروں کو نکاح کے ذریعہ میراث نہیں ملتی' نہ تو مرد کی میراث ساس اور سالی کو ہے اور نہ عورت کی میراث نند و دیور کو نہ ساس سسر کو' جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمہاری منکوحہ بیویاں جو اپنا مملوکہ مال چھوڑ جائیں' خواہ میکہ سے ملا ہوا جہیز و تحفہ ہو یا تمہارا دیا ہوا مہر و ہدیہ ہو یا ان کا اپنا پیدا کردہ ہو' اس سب میں سے تم کو آدھا ملے گا' عورت کی رخصتی ہو چکی ہو یا نہیں' بشرطیکہ عورت نے اپنے پیٹ کی اولاد (بیٹی' بیٹا یا پوتا' پوتی) نہ چھوڑی ہو تم میں سے یا کسی اور خاوند یا مولا سے' لیکن اگر ان میں سے کوئی اولاد چھوڑی ہے تو تم کو ان کے متروکہ مال سے چوتھائی حصہ ملے گا' یہ سب کچھ ان کی وصیتوں کے اجراء اور قرضوں کے ادا کے بعد ہوگا' باقی تین حصے مال مرحومہ کے میکہ والوں کو مذکورہ بالا تفصیل سے ملے گا' اور اگر تم ملک چھوڑ کر فوت ہو جاؤ اور بیویاں چھوڑ جاؤ' تو ان کی میراث کی تفصیل یہ ہے کہ اگر تم نے کوئی اولاد بیٹا بیٹی پوتا پوتی نہ چھوڑی ہے تو انہیں تمہارے مال سے چوتھائی ملے گا' اور اگر تم نے ان میں سے کوئی اولاد چھوڑی' خواہ اس بیوی سے' خواہ دوسری بیوی سے لونڈی سے تو انہیں تمہارے مال کا آٹھواں حصہ ملے گا' اس طرح کہ اگر بیوی ایک ہے تو یہ اس اکیلی کا حصہ ہو گا' اور اگر چند ہیں تو یہی آٹھواں یا چہارم ان سب میں تقسیم ہو جائے گا' یہ میراث بھی تمہاری جائز وصیتوں اور ثابت قرضوں کے ادا کے بعد دی جائے گی' یہ صریح ظلم ہے کہ تم تو اپنی بیویوں کی میراث کے وارث ہو جاؤ' اور وہ تمہاری میراث سے محروم رہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** زوجین میں خاوند بیوی سے افضل ہے' اسی لئے اس آیت میں مردوں سے خطاب ہے اور عورتوں کا ذکر غائبانہ ہے' مردوں کیلئے لکم ہے عورتوں کیلئے لھن' نیز خاوندوں کا حصہ بیویوں سے دگنا ہے' نیز ان آیات میں مردوں سے سات جگہ خطاب ہے مگر عورتوں کا ذکر سات سے کم جگہ وہ بھی غائبانہ۔

دوسرا فائدہ: رشتہ نکاح میں بجز زوجین کے کسی کو میراث نہ ملے گی' جیسا کہ **لکم** اور **لھن** کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** سوتیلی اولاد وارث نہیں مگر حاجب ہے' عورت کا سوتیلا بیٹا عورت کے مال سے کچھ نہ لے گا' لیکن اگر اس کا سگا باپ مریگا تو عورت کا حصہ بجائے چہارم کے آٹھواں ہو جائیگا' یہی معاملہ خاوند کی طرف ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اگر عورت کا مہر خاوند کے ذمہ رہ گیا اور عورت فوت ہو گئی' تو اس مہر میں بھی خاوند کا حصہ ہو گا کہ مہر بھی عورت کی ملک ہے جیسا کہ **ما ترک ازواجکم** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** عورت کا ہر قسم کا مال خواہ میکہ سے جہیز' ہدیہ' سوغات یا میراث کے ذریعہ ملے یا سسرال سے مہر' چڑھاوا یا میراث کے ذریعہ ملے' سب میں میراث جاری ہوگی یہ بھی ماترک کے عموم سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** خاوند کے متروکہ مال سے پہلے بیوی کو دین مہر ادا کیا جائے گا پھر تقسیم میراث ہوگی' جیسا کہ **او دین** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** میراث میں تو بیٹے پوتے میں ترتیب ہے' مگر حجب میں کوئی ترتیب نہیں کہ بیٹا پوتا یکساں بیوی خاوند کیلئے حاجب بن جاتے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** عورت کے پیٹ کی ہر اولاد خاوند کا حصہ کم کر دیگی' ایسے ہی مرد کی ہر اولاد عورت کا حصہ کم کر دیگی' خواہ اس عورت سے ہو یا دوسری عورت سے جیسا کہ **لھن ولد** اور **لکم ولد** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** زوجین صرف ذی فرض ہی ہوتے ہیں کبھی عصبہ نہیں بنتے اور ذی فرض بھی ایسے کہ ان پر میراث رد نہیں ہوتی حتی کہ اگر کسی نے صرف بیوی چھوڑی اور کوئی والی وارث نہ چھوڑا تو بیوی کو چہارم مال دیکر باقی تین حصے مال خیرات کر دیا جائیگا' لیکن اگر صرف بیٹی چھوڑی ہے' تو اولاً بیٹی کو آدھا دیں گے' پھر اور وارث نہ ہونے کی وجہ سے دوسرا آدھا بھی اسی کو دے دیں گے' اس دوبارہ دینے کو رد کہتے ہیں' بعض علماء نے یہ فائدہ بھی **لکم** اور **لھن** سے ثابت کیا ہے' مگر حق یہ ہے کہ رد کا یہ مسئلہ حدیث شریف سے ثابت ہے' کیونکہ قرآن شریف میں بیٹیوں کیلئے بھی **لھن** آچکا ہے حالانکہ ان پر تو رد ہو جاتا ہے' میراث کے مسائل بھی قریبا" اسی فیصد حدیث شریف سے ثابت ہیں۔ **دسواں فائدہ:** خاوند کی موت کے بعد بیوی کیلئے میراث و عدت بہرحال لازم ہے خلوت ہوئی ہو یا نہیں۔ مگر طلاق کی صورت میں بغیر خلوت عدت نہیں' اور میراث تو کسی صورت میں نہیں' طلاق خلوت کے بعد ہو یا پہلے یہ فائدہ **لھن** کے عموم سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ:** اگر بیماری موت میں مبتلا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے' پھر اس کی عدت ہی میں فوت ہو جائے تو بیوی کو میراث ملے گی' ایسے ہی جو شخص پھانسی پر چڑھتے وقت طلاق دے دے تب بھی عورت میراث پائے گی' اسے شریعت میں فار بالطلاق کہتے ہیں۔ **گیارھواں فائدہ:** حرام کی اولاد حاجب نہیں ہوتی کہ نہ اس سے میت کے بھائی بہن محروم ہوں اور نہ ماں باپ یا خاوند بیوی کا حصہ کم ہو' یہ بھی **لھن ولد** اور **لکم ولد** سے معلوم ہوا' حرام کا بچہ صرف ماں کا مانا جاتا ہے' وہ بھی جانور کے بچے کی طرح فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم **الولد للفراش وللعاھر الحجر** بچہ مستحق اولاد کا ہے' زانی کے نصیب میں پتھر ہیں یعنی سنگسار ہو تا نسب انسانی شرافت کے تقاضے سے ہے۔

پہلا اعتراض: شریعت میں خاوند کا حصہ بیوی سے دوگنا کیوں ہے؟ حالانکہ بیوی کمزور مخلوق ہے۔ **جواب:** ہم پہلے عرض کر چکے کہ میراث کے حصے' نماز کی رکعتیں' زکوۃ کی مقداریں عقل سے وراء ہیں' یہ تو سر جھکانے والی باتیں ہیں لیکن اگر اس کا نکتہ معلوم ہی کرنا ہے تو یوں سمجھ لو کہ عمر بھر خاوند نے بیوی کا سارا خرچ اٹھایا۔ اسے مہر دیا' اب اگر خاوند کو میراث دگنی مل جائے تو عین انصاف ہے کہ زندگی کا کچھ بدلہ تو ہو جائے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی بیوی خاوند کی

میراث پائے گی جس کے پیٹ سے خاوند کی اولاد ہوگی کہ فرمایا گیا **فان کان لکم ولد الخ** لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث آپ کی کسی بیوی کو نہیں پہنچتی کیونکہ سوائے بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اور کسی بیوی سے آپ کی اولاد نہیں ہوئی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وفات پاچکی تھیں (بعض بے وقوف) **جواب:** نعوذ باللہ یہ اس آیت کریمہ کی محض تحریف ہے 'اولاً تو یہاں فرمایا گیا **فان لکم ولد** اگر تمہاری اولاد ہو یہ نہ فرمایا **منھن** کہ ان متروکہ بیویوں سے اولاد ہو پھر ارشاد ہو چکا ہے کہ ان بیویوں کو چہارم ملے گا اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو معلوم ہوا کہ بیوی کا حصہ بہر حال ہے اولاد نہ ہونے کی صورت میں زیادہ 'اولاد ہونے کی صورت میں کم۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مردہ خاوند کو بیوی غسل دے سکتی ہے 'ایسے ہی مردہ بیوی کو خاوند بھی غسل دے سکتا ہے 'دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت میں خاوند کی وفات کے بعد بھی ان کی بیویوں کو **ازواجکم** فرمایا معلوم ہوا کہ موت سے زوجیت قائم رہتی ہے نیز جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی وفات کے بعد غسل دیا 'پھر احناف کیوں کہتے ہیں کہ بیوی بوقت ضرورت مردہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے مگر خاوند مردہ بیوی کو ہرگز غسل نہ دے سکتا 'حتی کہ اگر کوئی غسل دینے والا نہ ہو تو خاوند ہاتھوں پر کپڑا باندھ کر بیوی کو تیمم کرادے۔ **نوٹ:** شافعی حضرات کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ (تفسیر کبیر) **جواب:** اس لئے کہ خاوند کی موت سے عورت حکماً" نکاح میں رہتی ہے 'اسی لئے اس پر عدت واجب ہے اس بقیہ نکاح کی وجہ سے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کہ بالکل اجنبی نہیں بی بعض وجوہ سے اس کی بیوی ہے 'اسی لئے اس پر عدت سوگ واجب ہے 'اور خاوند کے گھر سے نکلنا عدت کے زمانہ میں حرام ہے 'اگر نکاح بالکل ختم ہو چکا تھا 'تو نکاح کی یہ پابندیاں کیسی؟ لیکن عورت کے مرنے سے نکاح بالکل ہی ختم ہو چکا کہ نہ خاوند پر عدت ہے نہ بیوی کا نان نفقہ 'نہ نکاح کی کوئی اور پابندی 'مردہ بیوی خاوند کیلئے بالکل اجنبیہ ہے 'اور اجنبیہ کو غسل دینا حرام۔ جناب علی مرتضیٰ نے صرف فاطمہ زہرا کو ہی غسل دیا ہے۔ جس پر صحابہ کرام نے اعتراض بھی کیا آپ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اے علی فاطمہ تمہاری دنیا و آخرت میں بیوی ہیں 'میرا نکاح ان کی وفات سے نہیں ٹوٹا 'یہ آپ کی خصوصیت ہے 'آپ نے اپنی اور کسی بیوی کو غسل نہیں دیا 'یہاں قرآن کریم نے مردہ بیویوں کو میراث کے حق میں ازواج فرمایا کہ **ما ترک ازواجکم** نہ کہ مطلقاً 'اگر مطلقاً بیوی ہوتی تو اس سے صحبت یا کم از کم بوس و کنار جائز ہوتا 'ناپاک عورت سے اگرچہ صحبت حرام ہے مگر مقدمات صحبت یعنی بوس و کنار جائز ہیں 'یہاں سب کچھ حرام ہو گیا معلوم ہوا بیوی نہ رہی 'فقیر حقیر نے اپنی اس تقریر میں تفسیر کبیر کے بڑے اعتراض کا جواب دے دیا 'چونکہ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی 'اس لئے تفسیر صوفیانہ نہیں عرض کی گئی۔ انشاء اللہ آیت کے آخر میں عرض کی جائے گی۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

اور اگر ہو وہ مرد جو وارث بنایا جاتا ہو لاولد اور ترکے اصول و فرع والا) یا عورت اور اسکا بھائی یا بہن ہو تو ہر

اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ

ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصہ ہے پس اگر ہوں وہ بھائی بہن زیادہ اس سے تو وہ سب شریک

تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ

بیچ تہائی میں اس وصیت کے بعد جو کی جائے یا قرض کے بعد جبکہ نقصان دہ نہ ہو یہ اللہ

میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

کا تاکیدی حکم ہے اور اللہ جاننے والا حلم والا

یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ان وارثوں کی میراث کا ذکر تھا جو بلاواسطہ میت سے رشتہ رکھتے ہیں نسبی رشتہ یا سببی رشتہ اب ان عزیزوں کی میراث کا ذکر ہے جو میت سے بالواسطہ رشتہ رکھتے ہیں' جیسے بھائی' بہن' چچا بھتیجے وغیرہ کہ ان کا رشتہ ماں باپ یا دادا کے ذریعہ میت سے ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان وارثوں کا ذکر تھا جو کبھی محروم نہ ہو سکیں' ہمیشہ میراث پائیں خواہ عصبہ ہو کر یا ذی فرض ہو کر یا دونوں میں شامل ہو کر جیسے فروع' اصول' زوجین اب ان وارثوں کی میراث کا ذکر ہے جو کبھی وارث ہوتے ہیں کبھی محروم جیسے بھائی' بہن چچا وغیرہ کہ یہ لوگ بیٹے باپ وغیرہ کے ہوتے محروم ہیں' اگر یہ لوگ نہ ہوں' تو انہیں میراث ملے۔ **تیسرا تعلق:** میت کے وارث تین قسم کے ہیں' بلاواسطہ سببی' بالواسطہ' سب سے اعلیٰ وارث پہلی قسم کے ہیں پھر دوسرے پھر تیسرے' پہلی دو قسم کے وارثوں کا ذکر پچھلی آیات میں تھا' تیسرے وارثوں کا ذکر اس آیت میں ہے' یہ ترتیب نہایت موزوں ہے۔

شان نزول: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار ہوا' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری مزاج پرسی کو تشریف لائے' میں نے عرض کیا یا حبیب اللہ میرے نہ والد ہیں نہ اولاد' میری میراث کیونکر اور کس طرح تقسیم ہوگی تب یہ آیت کریمہ جس میں کلالہ کی میراث کا ذکر ہے' نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن' روح المعانی) خیال رہے کہ یہ آیت کلالہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر شریف میں نازل ہوئی۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ کاش تین چیزوں کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیان شافی فرما جاتے کلالہ' دادا' ربو یعنی سود (مسلم بخاری و خازن) حضرت سعدان ابن طلحہ فرماتے ہیں کہ ایکبار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ وعظ دیا' اس میں فرمایا کہ میں نازک تر مسئلہ کلالہ کا چھوڑ کر جا رہا ہوں' میں نے کلالہ کی میراث کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کوشش سے سوالات کیے' حتی کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر انگشت شریف مار کر فرمایا کہ اے عمر کیا تمہیں آیت صیف یعنی گرمیوں میں نازل ہونے والی آیت کافی نہیں اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ ہم کلالہ کے متعلق ایسا فیصلہ کردیں گے کہ پڑھا بے پڑھا سمجھ لیگا (مسلم بخاری و خازن) مگر بعد میں حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف نے وفا نہ کی اور یہ مسئلہ بھی رہ گیا' شروع سورہ نساء کی یہ آیت جس میں کلالہ کا ذکر ہے جاڑوں میں نازل ہوئی تھی اور آخری سورہ نساء کی آیت کلالہ **قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ** گرمیوں میں اتری اس لئے اسے آیت الصیف فرمایا (خازن) غرضیکہ کلالہ کی میراث کا مسئلہ بہت اہم ہے اور اس میں علماء کے بڑے اختلافات ہیں۔

تفسیر: **وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ** یہ جملہ مستقل ہے اور واو ابتدائیہ' چونکہ اس آیت میں مذکورہ بھائی بہن کبھی میراث پاتے ہیں کبھی نہیں' اس لئے اسے ان شرطیہ سے شروع فرمایا' اس جملہ کی پانچ ترکیبیں کی گئی ہیں' اس لئے اس جملہ کے پانچ معنی ہیں' ہم سب سے آسان ترکیب و معنی عرض کرتے ہیں' وہ یہ کہ کان ناقصہ ہے اور **رجل** **معطوف علیہ' امراۃ' معطوف** یہ دونوں موصوف ہیں یورث اس کی صفت موصوف صفت سے مل کر کان کا اسم اور کلالۃ اس کی خبر' اصل عبارت یوں تھی **وان کان رجل او امراۃ یورث کلالۃ** اس صورت میں معنی بالکل واضح ہیں' کان کو تامہ ماننا یا کلالۃ کو یورث کی ضمیر سے حال ماننا یا رجل سے مراد وارث لینا ان سب میں اشکال ہے' اب معنی یہ ہوئے کہ اگر وہ میت مرد یا عورت جس کی میراث بٹ رہی ہے کلالہ ہوں' مرد و عورت سے مراد میت ہے یورث راء کے سکون اور را کے زبر سے باب افعال کا مضارع مجہول ہے کلالۃ کل سے بنا' اس کے بہت معنی ہیں' بوجھ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وھو کل علی مولہ** وہ غلام اپنے مولیٰ پر بوجھ ہے۔ گھیر لینا اسی سے ہے اکلیل بمعنی تاج کہ وہ سر کو گھیرے ہوتا ہے۔ قوت جاتی رہنا اسی سے ہے کلیل بمعنی متھر او کھنڈا چاقو چھری جس میں ذبح کی قوت نہ ہو تیز چاقو کو حاد کہتے ہیں اور کھنڈے کو کلیل۔ دوری اور فاصلہ کہا جاتا ہے **کلت الرحم بینھم** ان کے درمیان رشتے دور ہو گئے۔ تھک جانا کہا جاتا ہے **کلت الناقۃ فی المسیر** راستہ میں اونٹنی تھک گئی' اصطلاح شریعت میں کلالہ کسے کہتے ہیں' اس میں دو قول ہیں' حضرت عمر و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کے اولاد نہ ہو' ماں باپ ہوں یا نہ ہوں' ان کی دلیل سورہ نساء کی وہ آیت ہے **قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرا ھلک لیس لہ ولد** دیکھو رب تعالیٰ نے کلالہ کی تفسیر خود فرمادی لاولد باپ کے نہ ہونے کا ذکر نہ فرمایا' یہ ہی قوی قول طاؤس کا ہے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جمہور صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ ہے جس کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ' کیونکہ یہ آیت کریمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے جواب میں آئی ہے' ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہو چکے تھے' اور اس وقت ان کی اولاد کوئی نہ تھی' نیز یہاں رب تعالیٰ نے اولاد ماں باپ وغیرہ کا ذکر تو پہلے کر دیا اب بعد میں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ کلالہ وہ ہے جو پہلوں کا غیر ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد' نیز آخر سورہ نساء کی آیت میں یوں ہے **لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک** اس سے بھی اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ کلالہ وہی ہو گا جس کے ماں باپ بھی نہ ہوں' کیونکہ ماں باپ کے ہوتے بہن بھائی کو میراث نہیں ملتی' اور یہاں کلالہ کے بھائی بہن کو میراث دی جا رہی ہے' تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے اپنے مذہب سے رجوع فرما لیا اور فرمایا اب میں وہی کہتا ہوں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے تھے' خیال رہے کہ کلالۃ' کل یکل کا مصدر ہے جیسے دلالۃ اور وکلالۃ لاولد میت کو بھی کلالہ کہتے ہیں اور اصول فروع کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کو بھی کیونکہ ان کا رشتہ میت سے کمزور بھی ہوتا ہے اور یہ میت کو گھیرے ہوئے بھی ہوتے ہیں (از تفسیر کبیر و معانی و

خازن اور صاوی و مدارک وغیرہ) **ولہ اخ او اخت** یہ عبارت یورث کی ضمیر سے حال ہے واؤ حالیہ ہے ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں بھائی بہن سے مراد اخیافی یعنی ماں شریکے ہیں کیونکہ سگے اور علاتی یعنی باپ شریکے بھائی بہن کا ذکر تو آخر سورۂ نساء میں آرہا ہے' جہاں ایک بہن کا آدھا' دو بہنوں کلو دو تہائی حصہ مقرر فرمایا گیا' اور اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو بھائی کا بہن سے دوگنا' اور یہاں اسکے بالکل ہی خلاف ہے' اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہاں اخیافی بھائی بہن ہی مراد ہیں نیز سعد ابن ابی وقاص کی قرات میں یہاں من ام ہے اور سیدنا ابی ابن کعب کی قرات میں من الام ہے۔ اگرچہ یہ دونوں قراتیں شاذ ہیں مگر حدیث واحد کی طرح واجب العمل ہیں (روح المعانی) یہاں بھائی یا بہن سے صرف ایک ایک مراد ہے یعنی کلالہ میت کا صرف ایک بھائی ہو یا صرف ایک بہن **فلکل واحد منھما السدس** یہ عبارت ان کی جزاء ہے اور ف جزائیہ اور ھما کا مرجع مذکورہ بھائی بہن ہیں یعنی اس صورت میں اس بھائی یا بہن کو بطریق ذی فرض کلالہ کے مال کا چھٹا حصہ ملے گا' باقی پانچ حصے میت کے دوسرے وارثوں کو ملیں گے چچا تائے وغیرہ **فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث** یہ کلالہ کی میراث سے اخیافی بھائی بہن کے حصوں کی دوسری صورت ہے کہ مرحوم کے اصول و فروع کوئی نہ ہوں' اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں یا صرف دو چار بھائی ہوں یا صرف دو چار بہنیں یا دونوں ایک بھائی اور ایک بہن' ان سب صورتوں میں ان کو مال کا تہائی حصہ ملے گا' باقی دو تہائی دوسرے وارثوں کو مگر یہ لوگ اس تہائی میں برابر کے حصہ دار ہوں گے کہ اخیافی بھائی اس تہائی سے اخیافی بہن کے برابر لے گا بیٹے یا سگے بھائی کی طرح لڑکی سے دگنا نہ پائے گا' اس پر ساری امت کا اجماع ہے' اسی لئے قرآن کریم نے یہاں شرکاء فرمایا یعنی برابر کے شریک' دوسرے مقامات کی طرح **للذکر مثل حظ الانثیین** نہ فرمایا یعنی اگر اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو دو تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے چونکہ خود ماں کا حصہ چھٹا یا تہائی ہے اس لئے اس کی اولاد کو بھی یہ چھٹا یا تہائی ہی دیا گیا **من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین غیر مضار** یہ عبارت گزشتہ دونوں قسم کی وراثتوں کی قید ہے مگر اس میں طرز بیان بدلا ہوا ہے کہ بجائے یوصی یا توصون کے یوصی بھا مجہول فرمایا گیا کیونکہ ابھی مرد و عورت دونوں کا ذکر گزرا ہے اور وہ دونوں صیغے مذکر کے تھے جن میں عورت داخل نہیں ہو سکتی تھی' اس لئے یوصی مجہول ارشاد ہوا' ظاہر یہ ہے کہ یوصی کا نائب فاعل بھا ہے اور یہ وصیۃ کی صفت ہے' دین وصیت پر معطوف ہے غیر مضار وصیت اور دین دونوں کا ہی حال ہے مضار باب مفاعل کا اسم فاعل ہے جس کا مادہ ضرر ہے بمعنی نقصان یعنی یہ تمام تقسیمیں اس وصیت و قرض کے ادا کے بعد ہوں گی جو وارثوں کو نقصان دینے کیلئے نہ کی گئی ہوں' خیال رہے کہ وصیت و قرض کے ذریعہ نقصان دینے کی چند صورتیں ہیں۔ تہائی سے زیادہ کی وصیت کر جائے کسی کے قرض کا جھوٹا اقرار کر جائے یا کسی پر میت کا قرض تھا اس کے وصول کا جھوٹا اقرار کر جائے کسی کے ہاتھ اپنی قیمتی چیز سستی فروخت کر جائے اور ان تمام سے اس کا مقصود وارثوں کو نقصان پہنچانا ہو۔ (کبیر) ان سب کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے **وصیۃ من اللہ** اس کی تفسیر پہلے ہو چکی وصیۃ یوصی یا اوصی کا مفعول مطلق ہے اور روئے سخن مرنے والے اور وارثوں بلکہ مقروضوں' قرض خواہوں وغیرھم سب کی طرف ہے کہ رب تعالیٰ اے وارثو تم کو' اے مرنے والو تم کو' اے دوسرے لوگو تم سب کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ نہ تو وارث ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے نہ مرنے والا پس ماندگان کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ مقرلہ وغیرھم جن کیلئے میت جھوٹا اقرار کر گیا ہے غرضیکہ کوئی کسی کو نقصان دینے کی کوشش نہ کرے **واللہ علیم حلیم** اللہ تعالیٰ علم والا ہے اور حلم والا بھی' اگر کسی مجرم کو جلد سزا نہ دے تو مجرم اس مہلت سے ناجائز فائدہ نہ

اٹھائے' نہ اس تاخیر سے دھوکا کھائے' اور کوئی وارث وغیرہ کسی کو نقصان پہنچا کر خوش نہ ہو کہ مجھے رب تعالیٰ نے پکڑا نہیں مال بھی مل گیا اور میں سزا سے بھی محفوظ رہا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! اگر کوئی مرد یا عورت کلالہ ہو کر مرے کہ نہ اس کے اولاد ہو نہ ماں باپ دادا وغیرہ ہوں مگر اس کے ماں شریکی بھائی یا بہن ہوں تو اس کی میراث یوں تقسیم ہوگی کہ اگر ایک اخیافی بھائی یا بہن ہے تو اسے کل مال کا چھٹا حصہ ملیگا اور اگر ایک سے زیادہ ہیں خواہ سب اخیافی بہنیں ہوں یا صرف بھائی یا بھائی بہن دونوں تو ان سب کو کل مال کا تہائی ملے گا مگر یہ اخیافی اولاد اس تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے کہ مذکر کو مونث کے برابر ملے گا' یہاں لڑکے کو لڑکی سے دوگنا نہ ہو گا' باقی مال دوسرے رشتہ داروں چچا تائے وغیرہ کو ملے گا' یہ تقسیم بھی وصیت و قرض ادا کرنے کے بعد جاری ہوگی بشرطیکہ وصیت یا قرض ورثاء کو نقصان دہ نہ ہو' ناجائز وصیت اور ناجائز قرض کا بالکل اعتبار نہ ہو گا' تقسیم میراث کے یہ مسائل رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں جن پر عمل کرنے کا تاکیدی حکم ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو جو دیا ہے وہ اپنے کمال علم سے دیا کہ وہ علیم ہے اگر کوئی شخص تقسیم میراث میں کمی بیشی کرے اور اس پر فوراً عذاب نہ آئے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حلیم ہے مجرم پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا' لہٰذا اس مہلت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: اخیافی بھائی بہن ذی فرض ہیں کہ ان کا حصہ مقرر ہے' دوسرے بھائی بہن حقیقی ہوں یا علاتی عصبہ ہیں جیسا کہ السدس سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: اخیافی اولاد ماں باپ اور بیٹی بیٹے کے ہوتے ہوئے محروم ہے جیسا کہ کلالۃ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: جائز وصیت و جائز قرض تقسیم میراث پر مقدم ہے جیسا کہ من بعد وصیۃ سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: ناجائز وصیت اور ناجائز قرض متروکہ مال سے ادا نہ کیا جائے گا جیسا کہ غیر مضار سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اگر خود ورثاء اس کی ناجائز وصیت یا ناجائز قرض ادا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں' یہ بھی غیر مضار سے معلوم ہوا۔ ناجائز وصیت کی چند صورتیں ہیں' تہائی سے زیادہ کی وصیت' وارث کو وصیت' حرام و ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت' کہ میرے بعد نوحہ والیوں' رونے پیٹنے والوں پر اتنا روپیہ خرچ کرنا وغیرہ یہ تمام وصیتیں باطل اور ناقابل عمل ہیں' پہلی دو وصیتوں کو وارث اپنی مرضی سے پورا کر سکتے ہیں' مگر تیسری وصیت کو وارث بھی عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ چھٹا فائدہ: میت کے متروکہ مال سے اس کے ذمہ کی زکوۃ یا حج ادا نہیں کر سکتے' کہ یہ انسانی قرض نہیں' رب تعالیٰ کا قرض ہے' یہ فائدہ بھی او دین اور غیر مضار سے معلوم ہوا' کیونکہ یہاں دین کو مطلق رکھا گیا ہے' اور مطلق دین انسانی قرض کو کہتے ہیں' ان چیزوں کو دین اللہ کہا جاتا ہے' ہاں اگر ورثاء چاہیں تو یہ عبادات ادا کر لویں کہ یہ مال اب ان کی ملک ہے' اگر میت زکوۃ یا حج کی وصیت کر گیا ہے تو تہائی مال سے یہ کام ادا کئے جا سکتے ہیں' اگر تہائی سے حج نہیں ہو سکتا تو نہ کرایا جائے۔ ساتواں فائدہ: جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ سارے مال کی وصیت کر سکتا ہے جیسا کہ غیر مضار سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جس کے وارث بہت غریب و مسکین ہوں وہ بالکل وصیت نہ کرے' یہ بھی غیر مضار سے معلوم ہوا' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے وارثوں کو غنی بنا جاؤ' یہ اس سے اچھا ہے کہ وہ تمہارے بعد بھیک مانگتے پھریں۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے آیات میراث میں سے پہلی آیت کو فریضۃ من اللہ پر ختم فرمایا اور اس آخری آیت کو

وصیۃ من اللہ پر ختم کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**: عربی میں فریضہ بمقابلہ وصیت کے زیادہ تاکیدی ہے' رب تعالیٰ نے اصول و فروع کی میراث کو فریضہ کے لفظ سے موکد فرمایا کہ اہل عرب ان ہی کے حصوں میں گڑبڑ کرتے تھے' اور آخری آیت میں کلالہ کی میراث کا ذکر ہے' اس میں اہل عرب اس قدر گڑبڑ نہ کرتے تھے" نیز اصول و فروع کی میراث بھائی بہن کی میراث سے زیادہ تاکیدی ہے' یہ ظاہر فرمانے کو وہاں فریضہ اور یہاں وصیت فرمایا (تفسیر کبیر و روح المعانی) **دوسرا اعتراض**: اخیافی اولاد چھٹا اور تہائی حصہ ہی کیوں پاتی ہے؟ کم و بیش کیوں نہیں پاتی؟ **جواب**: اس لئے کہ یہ اولاد ماں کی نائب ہے' اور ماں کو یہ دو ہی حصے ملتے ہیں لہٰذا اس کے نائبین بھی یہ ہی پائیں گے۔ **تیسرا اعتراض**: پہلی آیت میں یوصی معروف تھا مگر یہاں یوصی مجہول ارشاد ہوا' اس فرق میں کیا حکمت ہے؟ **جواب**: وہاں صرف مرد میت کا ذکر ہوا تھا عورت میت "تبعاً" داخل کی گئی تھی مگر یہاں عورت میت کا ذکر صراحۃً" ہوا کہ فرمایا گیا **او امراۃ** چونکہ مرد و عورت دونوں کا ذکر صراحتاً" گزرا ہے' یہ ہی دونوں وصیت کے فاعل ہیں' اور دونوں کیلئے غائب کا کوئی صیغہ عربی میں مشترک ہے نہیں' اس لئے معروف صیغہ ارشاد نہ ہوا' مجہول ارشاد ہوا۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں غیر مضار کو قرض سے ملا کر کیوں بیان فرمایا' قرض میں نقصان کیسے ہوتا ہے؟ **جواب**: قرض کے ذریعہ ورثاء کو نقصان پہنچانے کی بہت صورتیں ہیں جن میں سے بعض ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دیں بعض لوگ مرتے مرتے ایسی چالاکیوں سے اپنے پر قرض کر جاتے ہیں کہ معاذ اللہ محض وارثوں کو نقصان پہنچانے کیلئے: جس کا مشاہدہ اب بھی ہو رہا ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وارثوں کی میراث قطع کرے انہیں محروم کر دے یا نقصان پہنچادے' اللہ تعالیٰ اسے جنت کی میراث سے محروم کر دیگا' زیادتی وصیت اور جھوٹے قرض قطع میراث کی ہی صورتیں ہیں۔ (تفسیر کبیر) **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بھائی بہن کی میراث چھٹا حصہ اور تہائی ہے اور بھائی بہن اپنی میراث میں برابر کے شریک ہیں مگر اس سورۂ نساء کی آخری آیت میں بھائی بہن کو عصبہ قرار دیا گیا ہے اور بھائی کو دوگنا' بہن کو اکہرا دلوایا گیا ہے' آیتوں میں تعارض ہے نیز وہاں صرف بہن کو ذی فرض قرار دیکر ایک کو آدھا زیادہ کو دو تہائی دلوایا گیا ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اخیافی یعنی ماں شریکے بھائی بہن مراد ہیں اور وہاں آخر صورت میں سگے اور علاتی بھائی بہن مراد' لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اخیافی اولاد کا حکم اور ہے سگے اور علاتی کا حکم کچھ اور دونوں آیتیں برحق ہیں۔ **چھٹا اعتراض**: ان آیات میں حجب کیلئے جو اولاد ارشاد ہوا' اس سے بیٹا بیٹی' پوتا پوتی سب ہی مراد ہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **فان کان لکم ولد فلھن الثمن** یہاں ولد سے بیٹا' پوتا سب ہی مراد ہیں تو چاہئے کہ **فی اولادکم** میں بھی اولاد سے بیٹے پوتے سب ہی مراد ہوں' وہاں صرف بیٹے کیوں مراد لئے گئے' چاہئے کہ بیٹے کے ہوتے یتیم پوتا بھی وارث ہوں۔ **نوٹ**: چکڑالویوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ **جواب**: یہ اعتراض تو تم پر بھی وارد ہوتا ہے کہ تم بھی آیت میراث **یوصیکم اللہ فی اولادکم** میں پوتے کو مطلقاً داخل نہیں مانتے' بلکہ یتیم پوتے کو جس کا باپ فوت ہو چکا ہو اسے داخل کرتے ہو' یہاں حجب میں بیٹا پوتا برابر کے شریک ہیں کہ پوتا مستقل طور پر حاجب ہے' وہاں اولاد سے بلاواسطہ اولاد مراد ہونا اور یہاں ولد سے بیٹا پوتا سب مراد ہونا بحکم حدیث اور بحکم اجماع امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے قرآن و حدیث دونوں واجب العمل ہیں۔ **ساتواں اعتراض**: حجب اور کلالہ میں نواسی نواسے کا اعتبار کیوں نہیں یعنی پوتا محض وارثوں کیلئے حاجب ہے نواسا نہیں' یوں ہی پوتا نہ ہو تو میت کلالہ ہے اگرچہ اس کا نواسہ موجود ہو' اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**: پوتے کا رشتہ قوی ہے کہ وہ دادا کے نسب میں داخل ہے'

نواسہ کا رشتہ ناتا سے ضعیف ہے کہ وہ نسب میں داخل نہیں 'سید کا پوتا سید ہے مگر سید کا نواسہ سید نہیں 'جب کہ اس کے باپ دادا غیر سید ہوں 'اسی وجہ سے پوتے اور نواسہ میں مذکور فرق ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: مسلمان آدمی اس ڈاکیہ کی طرح ہے 'جو ڈاک خانہ سے صدہا حقوق کا تھیلا لے کر صبح کو نکلتا ہے اور شام کو سب کے حقوق دیکر واپس ہوتا ہے 'رجسٹری 'پارسل 'منی آرڈر 'خطوط 'لفافے 'غرض جو جس کا ہو اس کو پہنچاتا ہے 'اگر غبن کرے یا تقسیم میں غلطی کرے تو مجرم ہے 'ایسے ہی انسان کے اپنے مال میں صدہا حقوق ہیں 'اللہ رسول کے حق زکوۃ 'فطرہ وغیرہ ' بیوی 'اولاد 'ماں باپ 'بھائی 'بہن غرضیکہ تمام عزیزوں کے حقوق بقدر قرابت 'اگر زندگی میں سب کے حقوق دے کر دنیا سے گیا تو اس کا دنیا میں رہنا بھی کامیاب ہے اور دنیا سے جانا بھی کامیاب 'اگر حقوق مار کر گیا تو گرفتاری ہے 'پھر انسان مرجاتا ہے 'مگر اس کے ذمہ کے حقوق نہیں مرتے 'بعد موت بھی اس کے مال میں حقوق ہیں 'اگر صحیح تقسیم کرا گیا تو اس کی قبر و حشر ٹھیک ہے 'اور اگر وصیت میں ظلم یا قرض میں خیانت کرکے مرا تو پکڑ ہے 'ان آیات میں انسان کو اس کے ذمہ داریوں پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے 'پھر جیسے مال میں بقدر قرابت وارثوں کو حصہ ملتا ہے 'ایسے ہی اعمال و کمال میں بقدر قرب حصہ تقسیم ہوتا ہے 'مومن کے رہنے سہنے کی جگہ 'وقت ' بہن 'خدمتگار خدام سب ہی فیض پاتے ہیں 'اس لئے مومن کے مرنے پر آسمان و زمین روتے ہیں 'کافر کے مرنے پر کوئی نہیں روتا 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **فما بکت علیھم السماء والارض** اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا۔

واسطہ محبوب کا دنیا میں جو سنی مرے — یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ بندہ صالح ملا — فرش پر ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

خیال رکھو کہ تم دنیا میں روتے ہوئے آئے ہو کوشش کرو کہ یہاں سے ہنستے ہوئے جاؤ۔ اور سب کو ہنساتے ہوئے پیدا ہوئے تھے کوشش کرو کہ سب کو رلاتے ہوئے جاؤ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ سب کے حقوق ادا کر کے جاؤ۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

یہ حدیں ہیں اللہ کی اور جو فرماں برداری کریگا اللہ اور اس کے رسول کی داخل کریگا اسے اللہ ان باغوں میں

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝۱۳ وَمَنْ يَّعْصِ

کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہ کامیابی بڑی ہے اور جو نافرمانی کرے

جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو اللہ

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۪ وَلَهٗ عَذَابٌ

گا اللہ اور اس کے پیغمبر کی اور بڑھ جائے گا اس کی حدوں سے تو داخل کریگا اللہ اسے آگ میں ہمیشہ رکھیگا اس

اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل

مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾
ہیں اور واسطے اس کے عذاب ہے ذلت والا
کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اسکے لئے خواری کا عذاب ہے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں میراث کے احکام بیان ہوئے۔ اب ان احکام پر عمل کرنے والوں کے ثواب نہ کرنے والوں کے عذاب کا ذکر ہے گویا پہلے احکام کا ذکر تھا اب ان پر عمل کرنے کی تاکید ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے چند وارثوں کے کچھ میراثی حصے بیان فرمائے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ میراث کے بقیہ احکام ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرو اور فرائض میں میری طرح میرے محبوب کی بھی اطاعت کرو گویا خدائی بانٹ کا ذکر فرما کر اب رسولی بانٹ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے۔ جنت کا مستحق وہ ہی ہو گا جو میراث میں میری بھی اطاعت کرے اور میرے رسول کی بھی۔ **تیسرا تعلق:** عقل انسانی کہتی تھی کہ اولاد ماں باپ وغیرہ کو تو میراث ملنا چاہئے کہ زندگی میں ماں باپ ہمیں پالتے ہیں ہم اپنی اولاد کو پالتے ہیں گھر گھر کی رونق ماں باپ اولاد سے ہی ہوتی ہے آپس میں اختلاط ان ہی سے زیادہ ہوتا ہے مگر بھائی بہن وہ بھی اخیافی دوسرے کی اولاد حصے کی مستحق کیوں ہوئی' یہ خلاف عقل ہے اس لئے کلالہ کی میراث بیان فرما کر اب اسکی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔

تفسیر: **تلک حدود اللہ:** **تلک** میں تمام گزشتہ احکام متعلقہ اموال یتامیٰ' وصیت' میراث کی طرف اشارہ ہے' حد کے لغوی و اصطلاحی معانی بارہا بیان ہو چکے' یہاں بمعنی حد و کنارہ ہے' جو چیز حد کے اندر رہے مفید ہے' حد سے بڑھ جائے تو نقصان دہ' ملکوں کی بھی حدیں ہوتی ہیں' زمین و زمان کی بھی' احکام و اعمال کی بھی' یہاں آخری قسم کی حد مراد ہے یعنی یہ مذکورہ بالا تمام قسم کے احکام اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدیں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمائیں' ہر شخص کو ان کے اندر رہنا چاہئے' **ومن یطع اللہ ورسولہ** **من** سے مراد صرف انسان ہیں فرشتے اور جنات اس سے خارج ہیں' اگرچہ ان پر بھی اللہ رسول کی اطاعت واجب ہے مگر انکی اطاعت پر جنت کا داخلہ نہیں ملتا' جنت صرف انسانوں کیلئے ہے۔ اطاعت سے مراد بخوشی فرماں برداری ہے' جبری فرماں برداری تو منافقین بھی کر لیتے تھے' جنت دل کی رغبت سے ملتی ہے' قرآنی احکام کو ماننا اور ان پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے' حدیث شریف کو ماننا اور اسکے مطابق عمل کرنا رسول کی اطاعت ہے صلی اللہ علیہ وسلم یاوں کہو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت خدا کی بھی اطاعت ہے کہ ہم تک خدا تعالیٰ کے احکام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی معرفت پہنچے ہیں' ورسولہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اب تاقیامت اطاعت صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہو گی ایمان سارے نبیوں پر **یدخلہ جنت تجری من تحتہا الانہر** یہ جملہ من یطع کی جزاء ہے دخول سے مراد جزاء کیلئے جسماً جنت میں جانا ہے جو بعد قیامت میسر ہو گا شہداء کی روحیں مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہیں تمام مسلمانوں کی قبروں میں جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں' جو حضرات قیامت سے پہلے جنت میں پہنچے یا وہاں رہے وہ جزاء کیلئے نہ رہے' لہٰذا اس آیت میں کسی تخصیص یا تعمیم کی ضرورت نہیں' چونکہ' من سے مراد سارے ہی مسلمان ہیں اس لئے جنات جمع فرمایا

گیا یعنی ہر قسم کے مطیع کو اس کے لائق جنت ملے گی' اور ہو سکتا ہے کہ ایک ایک جنتی کو بہت بہت جنتیں ملیں' تجری فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہاں پانی دودھ وغیرہ کے تالاب نہ ہوں گے کہ ان میں حسن نہیں ہوتا بلکہ چھوٹی چھوٹی دلکش نہریں ہوں گی' جن میں پانی دودھ وغیرہ رواں ہو گا' من تحت فرما کر یہ بتایا کہ وہ نہریں نقصان دہ نہ ہوں گی جن میں سیلاب آ کر جنتی مکانوں کی بربادی ہو' بلکہ وہ نہریں درختوں کے نیچے ہی بہیں گی' چونکہ وہاں صرف پانی ہی کی نہر نہ ہو گی' بلکہ شراب طہور' دودھ' شہد وغیرہ کی بھی نہریں ہوں گی' اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا یعنی ان فرماں برداروں کو بعد قیامت اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں بھیجے گا جن کے درختوں کے نیچے ہر قسم کی نہریں رواں ہوں گی **خالدین فیھا** یہ یدخلہ کی ضمیر سے حال ہے چونکہ "من لفظاً" واحد ہے اور معناً" جمع کہ اس سے سارے ہی فرماں بردار مراد ہیں' اس لئے یدخلہ میں ضمیر واحد لائی گئی اور خالدین جمع ارشاد فرمایا گیا خلود کے معنی بہت ٹھہرنا بھی ہیں اور ہمیشگی بھی' یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی جب جنتی لوگ بعد قیامت جزاء کیلئے وہاں جائیں گے تو ہمیشہ وہاں ہی رہیں گے کہ نہ مریں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے بلکہ نہ وہاں بیماریاں ہوں گی اور نہ کسی چیز سے پرہیز اور نہ شرعی ممانعتیں طبعی اور شرعی پابندیاں صرف اس دنیا کیلئے ہیں' کیونکہ یہاں بری چیزیں بھی ہیں' اور ہمارے اندر نفس امارہ کی وجہ سے بری رغبتیں اور خواہشیں بھی ہیں' وہاں کوئی چیز بری نہیں' اور چونکہ نفس امارہ فنا ہو چکا ہو گا اس لئے بری خواہشیں بھی نہ ہوں گی **وذلک الفوز العظیم** یہ نیا جملہ ہے جو گزشتہ جملوں کی تائید کر رہا ہے' ذلک سے گزشتہ ساری چیزوں کی طرف اشارہ ہے یعنی دنیا میں اللہ رسول کی اطاعت کی توفیق ملنا' ایمان پر خاتمہ میسر ہونا' آخرت میں جنت کا داخلہ نصیب ہونا یہ بڑی کامیابی ہے' اس کے بغیر ہر چیز میں ناکامی ہے **ومن یعص اللہ ورسولہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے اس طرح کہ مطیعوں کی جزاء پہلے بیان ہوئی اور نافرمانوں کی سزا اب بیان ہو رہی ہے' من سے مراد یا صرف انسان ہی ہیں یا جنات بھی' کیونکہ نافرمان جنات کیلئے بھی جہنم ہے' **یعص عصیان** سے بنا' معنی نافرمانی' گناہ کو اسی لئے معصیت یا عصیان کہتے ہیں کہ اس میں اللہ رسول کی نافرمانی ہوتی ہے تو قرآنی احکام کو نہ ماننا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے' اور حدیث کے احکام سے سرتابی کرنا رسول اللہ کی نافرمانی' صلی اللہ علیہ وسلم سزا دونوں کی ایک ہی ہے' اور دونوں ایک ہی درجہ کے مجرم ہیں یا یوں کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی خدا تعالیٰ ہی کی نافرمانی ہے' کیونکہ رب تعالیٰ کی ساری ممانعتیں ہمیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی معرفت پہنچیں **ویتعد حدودہ**: یہ جملہ یعص الخ پر معطوف ہے اور دوسری یا تیسری شرط ہے' خیال رہے کہ یا تو **من یعص** میں ایک آدھ بار گناہ کرنا مراد تھا اور اس جملہ میں ہمیشہ گناہ کرنا مراد ہے یا **من یعص** میں عملی نافرمانی مراد تھی اور اس جملہ میں اعتقادی نافرمانی مراد ہے اور یا **من یعص** میں بعض گناہ کرنا مراد تھے اور یہاں سارے گناہ مراد' جسم کے ہوں یا دل کے' یعنی جو کوئی اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے کہ جسمانی گناہ کرے اور رب تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھے کہ اسکے عقائد بگڑ جائیں' ایمان کی حد سے نکل کر کفر کی حد میں داخل ہو جائے تو **یدخلہ نارا خالدا فیھا** یہ جملہ "من" کی جزاء ہے نار سے مراد دوزخ ہے خواہ وہاں کا ٹھنڈا طبقہ ہو یا گرم' کیونکہ دوزخ کے ہر طبقہ میں آگ ہی کا عذاب ہے' گرم طبقوں میں آگ کے قرب کا عذاب ہے اور ٹھنڈے طبقہ میں آگ کی دوری کا عذاب ہے ابھی عرض کیا گیا کہ خلود بہت ٹھہرنے کو بھی کہتے ہیں اور ہمیشہ رہنے کو بھی' ظاہر یہ ہے کہ یہاں ہمیشگی مراد ہے کیونکہ **یتعد حدودہ** میں ایمان کی حدوں سے نکل کر کفر میں داخل ہونا مراد تھا' اور اگر وہاں اعمال کی حدیں توڑنا مراد تھا تو یہاں خلد' امیں بہت رہنا مراد ہو گا مگر پہلی تفسیر ظاہر ہے کیونکہ

آگے اہانت کے عذاب کا ذکر ہے اور اہانت کا عذاب کافروں کو ہی ہو گا یعنی وہ اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا کہ نہ اسے وہاں موت آئے اور نہ وہاں سے نکالا جائے۔ خیال رہے کہ جنتی مومنوں کو وہاں کی نعمتیں بھی ملیں گی اور آپس میں مل جل اور یار دوستوں کے ساتھ رہنا بسنا بھی' جس سے ان کا لطف دوبالا ہو جائیگا' اس لئے مومنوں کیلئے **خالدین** جمع فرمایا گیا اور کافر دوزخ میں یا تو اکیلا ہی رہیگا یا دشمنوں کے ساتھ ہو گا جس سے وہاں کی زندگی اور تلخ ہو جائے گی کہ ہر وقت آپس میں دھول دھپا لعن طعن ہوتا رہے گا' کوئی کسی کا خیر خواہ نہ ہو گا اس لئے یہاں خالد اواحد فرمایا گیا (تفسیر روح المعانی و روح البیان) **ولہ عذاب مھین** یہ اس مجرم کی تیسری سزا ہے کہ اسے آگ کی تکلیف کے ساتھ ذلت و رسوائی کی تکلیف بھی دی جائے گی یعنی جسمانی سزا کے ساتھ جانی اور روحانی سزا بھی ہو گی۔ لہ کے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہانت کا عذاب صرف کافروں کو ہی ہو گا' اگر گناہ گار مسلمان دوزخ میں گیا بھی تو اسکی پردہ پوشی ہو گی اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے نام لیوا کو رسوا نہ کریگا۔

خلاصہء تفسیر: اے مسلمانو! اب تک تم نے جس قدر احکام سنے' یتیموں کی پرورش' وصیتوں کا جاری کرنا' میراث کی صحیح تقسیم وغیرہ سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدیں ہیں انہیں مت توڑنا ان کے اندر رہنا' جانور چرواہے کی حد میں رہے تو شکار ہونے سے محفوظ رہے گا' انسان اللہ کی حدود میں رہے تو شیطان کا شکار نہ بنے گا' جو اللہ کی بھی اطاعت کرے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کہ قرآن کریم پر بھی عمل کرے اور حدیث شریف پر بھی تو اللہ تعالیٰ اسے بعد قیامت ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے درختوں کے نیچے کوثر و سلسبیل' دودھ و شہد وغیرہ کی نہریں بہتی ہیں' سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ لوگ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں نہ وہاں سے نکالے جائیں' نہ ان پر کسی قسم کی پابندی ہو بڑی کامیابی یہی ہے اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرو' اور اس کے برعکس جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے کہ قرآن شریف پر عمل نہ کرے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے کہ حدیث شریف پر عمل نہ کرے' اور صرف اس پر بس نہیں بلکہ وہ اللہ کی قائم کردہ ایمانی و اسلامی حدوں سے بڑھ جائے کہ اللہ رسول کے احکام پر اعتراض کرنے لگے' انہیں غلط سمجھے' ایسے مجرم کو اللہ تعالیٰ بعد قیامت دوزخ میں داخل فرمائے گا' جہاں وہ ہمیشہ رہے گا کہ نہ وہاں سے مر کر نکلے نہ جیتے جی اور اس کے ساتھ اسے ذلت و خواری کا بھی عذاب دیا جائے گا کہ ملائکہ بھی اس پر لعن طعن کریں گے' اور آپس میں دوزخی بھی ایک دوسرے کو برا بھلا کہا کریں گے' لہذا تم لوگ میراث صحیح طور پر تقسیم کرو' یتیموں کی پرورش میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو' میت کا قرض ادا کرو' اسکی وصیت پوری کرو تاکہ خدا کے عذاب سے بچو' یہ آیت جزاؤں و سزاؤں کی جامع آیت ہے۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** میراث میں حدیث شریف قرآن کریم ہی کی طرح واجب العمل ہے' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اولاد' ماں باپ' زوجین اور اخیافی بھائی بہن صرف ان چار وارثوں کے بعض حالات بیان فرما کر فرمایا کہ جو اللہ رسول کی اطاعت کرے وہ جنتی ہے' یعنی اگر میراث کے باقی احکام معلوم کرنا ہیں تو میرے رسول سے پوچھ لو صلی اللہ علیہ وسلم وہ بتا دیں گے' ان کی بھی اطاعت ایسی ہی کرنا جس طرح قرآن کی کی جاتی ہے' چنانچہ دادی' نانی' پوتی' پڑپوتی' پھوپھی' بھتیجی' خالہ ماموں' چچا اور چچا کی اولاد وغیرہم بہت سے وہ عزیز ہیں جنکا ذکر قرآن کریم نے نہیں کیا' ان کے احکام حدیث شریف سے ہی معلوم ہوئے' نیز جن وارثوں کا ذکر قرآن کریم نے کیا بھی ہے تو بہت اجمالی کیا' جب تک کہ حدیث کی امداد شامل

حل نہ ہو' تب تک ان کے احکام بھی پورے نہیں معلوم ہو سکتے' چنانچہ دیکھو لو' یہاں یہ تو فرمایا کہ اگر اولاد نہ ہو تو ماں کو تہائی ملے گا لیکن یہ نہ بتایا کہ اگر زوجین نہ ہوں تو ماں کو کیا ملے گا اور ہوں تو کیا ملے گا' نیز یہ تو فرمایا کہ کلالہ کے بھائی بہن کو چھٹا یا تہائی ملے گا مگر نہ تو یہ فرمایا کہ کون سے بھائی بہن کو اور نہ یہ بتایا کہ باقی مال کسے دیا جائیگا' غرضیکہ حدیث کی امداد کے بغیر یہ آیتیں بھی پوری سمجھ میں نہیں آتیں' اسی لئے آخر میں فرمادیا گیا کہ ہر بات قرآن ہی سے کیوں پوچھتے ہو' کوئی بات رسول سے بھی پوچھو' نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ ساری عبادات کا یہی حال ہے کہ بغیر حدیث کی مدد سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔ **دوسرا فائدہ:** جنتی ہونے کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی ایسی ہی ضروری ہے جیسی خدا تعالیٰ کی اطاعت' یہ فائدہ بھی ورسولہ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جنت میں جسمانی داخلہ قیامت کے بعد ہی نصیب ہو گا جیسا کہ یدخلہ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** تقسیم میراث میں انصاف کرنا رحمت الٰہی کا باعث ہے اور اس میں ظلم کرنا سخت عذاب کا ذریعہ۔ جیسا کہ **من یطع اللہ** اور **من یعص اللہ** سے معلوم ہوا' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** جو بیٹے کے ہوتے پوتے یا نواسے کو وارث مانے یا بیٹی بیٹے کو برابر حصہ دے وہ دوزخی ہے' کیونکہ دوسرے وارثوں کے حصے میں کمی کر کے ان پر ظلم کرتا ہے جیسا کہ **ویتعد حدودہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** میراث کے قطعی مسائل کا انکار کفر ہے جیسا کہ یتعد کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دوزخ میں ذلت کا عذاب صرف کافروں کو ہو گا جیسا کہ لہ کی تقدیم سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جنتی لوگ جنت میں اپنے بال بچوں اور دوستوں کے ساتھ رہیں گے اور دوزخی سب سے الگ تھلگ جیسا کہ **خالدین فیھا** اور **خالدا فیھا** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** تقسیم میراث بہت اہم چیز ہے اور علم فرائض بڑا ضروری علم ہے حاکم نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ اس وقت تک قیامت نہ قائم ہو گی جب تک کہ یہ دو کام دنیا میں نہ ہو جائیں' غنیمت پر خوشی نہ رہے اور میراث کی صحیح تقسیم نہ ہو' فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس امت سے علم فرائض اٹھے گا' اور فرماتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اے مسلمانو علم فرائض یعنی میراث سیکھتے سکھاتے رہو' کیونکہ میں تم میں ہمیشہ رہوں گا نہیں' ایک زمانہ آئیگا جب فتنے بڑھ جائیں گے علم گھٹ جائے گا' یہاں تک کہ دو آدمی ایک میراث کے مسئلے میں جھگڑیں گے اور انہیں میراث صحیح تقسیم کرنے والا کوئی عالم نہ ملیگا۔ الحمد للہ علماء علم میراث عربی میں اردو میں منتقل کر دیا ہے' مسلمان یہ فن ضرور سیکھیں' فقیر کی کتاب میراث کا مطالعہ کریں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی وہ ہی نہیں ہے جو اللہ رسول کی اطاعت کرے' تو جو بچپن میں فوت ہو جائے یا اسے اعمال کا وقت ہی میسر نہ ہو' وہ دوزخی ہونا چاہئے' حالانکہ تم اسے بھی جنتی مانتے ہیں۔ **جواب:** جنت ملنے کی بہت صورتیں ہیں' جن میں سے ایک صورت کا یہاں ذکر ہے یعنی اپنے اعمال سے جنت ملنا دوسری چند صورتوں کا ذکر دوسری آیات میں ہے کہ کسی کے طفیل بخشے جانا محض اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے جنت پالینا' اسی واسطے یہاں کوئی لفظ حصر کا ارشاد نہیں ہوا' مگر دوزخ میں جانے کی صرف ایک ہی صورت ہے یعنی ہماری بد عملیاں یا کفر و شرک۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جو اللہ رسول کی نافرمانی کرے اور اللہ کی حدوں سے بڑھے وہ دوزخی ہے' نافرمانی کرنا اور حد سے بڑھنا تو ایک ہی چیز ہے' اسے علیحدہ کیوں بیان فرمایا؟ **جواب:** اس کے جوابات تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ یا تو نافرمانی سے مراد گاہے گاہے گناہ کر لینا ہے' اور حد

سے بڑھنے سے مراد گناہ کا عادی بن جانا' یا نافرمانی سے مراد چھوٹے گناہ کرنا ہے اور حد سے بڑھنے سے مراد بڑے گناہ کرنا یا نافرمانی سے مراد جسمانی گناہ ہیں اور حد سے بڑھنے سے مراد دلی و روحانی گناہ یعنی بد عقیدگی لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار مسلمان بھی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ یہاں گناہ کی سزا میں فرمایا گیا **خلدین فیہا** (معتزلہ) **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں' ایک یہ ہے کہ یہاں حد سے آگے بڑھنے سے مراد اسلامی حدود سے نکل کر کفر میں داخل ہو جانا ہے دوسرے یہ کہ حدود اللہ سے مراد ساری حدیں توڑدے' وہ دائمی دوزخی ہے' اور ساری حدیں کافر ہی توڑتا ہے گنہگار مومن عقائد کی حد نہیں توڑتا' تیسرے یہ کہ یہاں خالدا سے مراد بہت زیادہ رہنا ہے نہ کہ ہمیشہ رہنا' اسی لئے اس کے ساتھ ابدا ارشاد نہ ہوا یعنی اس قسم کے گنہگار بہت عرصہ دوزخ میں رہیں گے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار کو دوزخ میں ضرور جانا پڑے گا کیونکہ **من یعص اللہ** کی جزا **یدخلہ** بیان ہوئی لہٰذا نہ شفاعت کوئی چیز ہے نہ معافی:

نوٹ ضروری: آریہ اور ہندو شفاعت و بخشش کے انکاری ہیں' آج کل کے بعض ناسمجھ مسلمان انکی دیکھا دیکھی اس بیماری میں گرفتار ہو گئے اور اس قسم کی آیتیں پیش کرکے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ یہ آیت کفار کیلئے ہے جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ حد سے بڑھ جانے سے مراد اسلامی حد سے بڑھ کر کافر بن جانا ہے **عذاب مھین** سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے' دوسرے یہ کہ اگر یہاں گنہگار مراد ہیں تو یہ قانون کا ذکر ہے' مغفرت اور شفاعت کی دوسری آیتیں ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** اے گنہگار مسلمانو! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ سارے گناہ بخش دیگا' اور فرماتا ہے **فاولٓئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت** اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیگا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ جو اللہ رسول کی اطاعت کرے وہ جنتی ہے اور جو اللہ رسول کی نافرمانی کرے وہ دوزخی' تو جو صرف اللہ یا صرف رسول کی اطاعت کرے یا ایک کی نافرمانی کرے وہ کہاں جائے گا؟ **جواب:** یہ صورت ناممکن ہے یہ دونوں اطاعتیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں جو کبھی جدا نہیں ہو سکتیں' جیسے آگ سے گرمی' سورج سے روشنی کی جدائی ناممکن ہے' ایسے ہی انکی جدائی محال' جو لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ پھیر کر ہر قسم کی عبادتیں کرتے ہیں وہ مشقتیں کرتے ہیں' خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** **چھٹا اعتراض:** یہاں مومنوں کیلئے **خالدین فیہا** ارشاد ہوا جمع کا صیغہ اور دوزخیوں کیلئے **خلدا فیہا** فرمایا گیا' اس فرق عبارت کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** وجہ فرق تفسیر میں بیان ہو چکی کہ جنتی لوگ اپنے بال بچوں اور دوستوں کے ساتھ رہیں گے اور دوزخی ان سے علیحدہ یا اکیلے یا دشمنوں کے ساتھ' اور ظاہر ہے کہ دوستوں کی ہمراہی جیل کو باغ بنا دیتی ہے' اور دوستوں سے جدائی باغ کو جیل کر دیتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قدرت نے ہر چیز کی حدیں رکھی ہیں' حد میں رہ کر چیز مفید ہوتی ہے' حد سے نکل کر نقصاندہ بن جاتی ہے' نفس کی حدیں اطاعت خدا و فرماں برداری' رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے' جو نفس ان حدوں میں رہتا ہے وہ بہت ہی مفید ہے' پھر وہ نفس مومن کیلئے جنت میں پہنچانے والی تیز رفتار سواری ہے' مبارک ہے وہ بندہ جو نفس پر سوار ہو' نفس اس پر سوار نہ ہو اور

خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کے منہ میں شریعت کی لگام دی اور طریقت کے راستہ میں اسے قائم رکھا کسی نے حضرت سری سقطی سے پوچھا کہ بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر کیسے قادر ہو؟ فرمایا دنیا کو دل سے نکال کہ کپڑے پر پلیدی ہو تو سجدہ جائز نہیں تو دل میں دنیا کی پلیدی ہو تو سجدہ مقبول نہیں کپڑا پانی سے پاک کیا جاتا ہے دل آنسوؤں کے ذریعہ صاف ہو جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر چند باشی بند سیم و بند زر

یعنی اے مومن! چاندی اور سونے کی قیود سے نکل کر حرص و ہوس کی زنجیریں توڑ اور آزاد ہو جا۔

ہر کہ از دیدار برخوردار شد ایں جہاں در چشم او مردار شد

یعنی جسے یار کا دیدار ہو گیا اس کی نگاہ میں جہان مردار ہو گیا دوسرے مقام پر مولانا فرماتے ہیں۔

ذکر حق کن بانگ غولاں راہسوز چشم نرگس را از ایں کرگس بدوز

حضرت حاتم اصم فرماتے ہیں کہ اپنے مولا کی خدمت کرو دنیا راغب ہو کر اور آخرت راغب ہو کر تم تک پہنچے گی مولانا فرماتے ہیں۔

بدول خود کم نہ اندیشہ معاش عیش کم ناید تو بردرگاہ باش

یہاں رب تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جس کا نفس اللہ رسول کی اطاعتوں کی حدود میں رہا وہ دنیا میں کامیاب ہے اور آخرت میں جنتی ہے اور جو نفس ان حدود کو توڑ کر اللہ رسول کا نافرمان ہو جائے وہ آخرت میں آگ میں جائے گا اور دنیا میں ذلیل رہے گا اللہ تعالیٰ ان کے دروازہ پر رکھے اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے انکے در پر پڑ رہو قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

انکے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی انکے در سے جو پھرا اللہ ہی سے پھر گیا

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً

اور وہ عورتیں جو لائیں بے حیائیاں تمہاری عورتوں میں سے پس گواہ بناؤ ان پر چار مرد

اور تمہاری عورتیں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں سے چار مردوں کی

مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ

اپنے میں سے پس اگر گواہی دیں وہ چاروں تو قید کردو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ انہیں

گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو اپنے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں

الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا۝

موت آلے یا ان کے لئے کوئی راستہ نکالے

موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا' انہیں صحیح طور پر ان کی میراث کا حصہ دینے کا ذکر تھا' اب انہیں صحیح تربیت و تعلیم دینے کا حکم دیا جا رہا ہے' گویا مالی احسانات کا ذکر پہلے ہو چکا' اعمالی احسان کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عورتوں بچوں کو نفع پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا' اب انہیں نقصان دہ چیزوں سے بچانے کا حکم دیا جا رہا ہے' کیونکہ پوری تربیت ان دو کاموں سے ہی ہوتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ رسول کی نافرمانی کرنے والوں کیلئے اہانت کا عذاب ہے' اب اس عذاب کی ایک جھلک یہاں دکھائی جا رہی ہے' کہ زانیہ عورتوں کیلئے دنیا میں قید و بند بھی ہے' بہرحال یہ آیت پچھلی آیتوں سے بے تعلق نہیں ہے۔ **چوتھا تعلق:** اسلام نے عورت کو ذلت و خواری سے نکالا' اس نکلنے کی دو صورتیں کیں' اسکے حقوق کی حفاظت' انکی عصمت کی حفاظت' کہ بدکار عورت جانوروں سے زیادہ ذلیل ہے' پچھلی آیت میں حفاظت حقوق فرمائی تھی' اب اس آیت میں انکی عصمت و عفت کی حفاظت فرمائی جا رہی ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں عورتوں کے حقوق کا ذکر تھا اس آیت میں انکی ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔

تفسیر: والتی یاتین الفاحشہ: **التی** التی کی جمع ہے' اس کی جمع **التی** بھی ہے **الت** بھی' **اتوات** اور **اتواتی** بھی' بعض کہتے ہیں کہ غیر جاندار چیزوں کیلئے جمع میں التی آتا ہے اور جاندار کیلئے التی' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے التی فرمایا' دوسرے مقام پر فرماتا ہے **اموالکم التی جعل اللہ** یہاں چونکہ عورتیں مراد ہیں اس لئے التی ارشاد ہوا **یاتین**' اتو میا آتی سے بنا بمعنی آنا چونکہ گناہگار اپنے ذمہ پر گناہ کرتا ہے' اور شریعت کی ممانعت کے باوجود گناہوں تک پہنچ جاتا ہے' اسلئے یہاں **یفعلن** نہ فرمایا **یاتین** فرمایا یعنی جو شرعی ممانعت کے باوجود گناہوں تک پہنچ جاتے ہیں **فاحشہ** **فحش** سے بنا بمعنی حد سے بڑھ جانا' اصطلاح میں جو کام گناہ بھی ہو بے حیائی بھی' اسے فاحشہ کہا جاتا ہے' سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ **الفاحشہ معرف باللام** سے مراد زنا یا اغلام یا مساحقت ہوتی ہے اور فاحشہ نکرہ سے مراد عام بے حیائی کے گناہ اور جب فاحشہ نکرہ بھی ہو موصوف بھی' تو اس سے مراد خاوندوں کی نافرمانی اور ان کی اطاعت میں کوتاہی مراد ہوتی ہے' رب تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے فرماتا ہے **من یات منکن بفاحشہ مبینہ** (جمل و خزائن العرفان آخر پارہ اکیس) عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں الفاحشہ سے مراد زنا ہے' اگرچہ زنا مرد و عورت دونوں سے ہوتا ہے' مگر چونکہ اس میں عورت کی مرضی کو بڑا دخل ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر زنا بہت کم ہوتا ہے' اس لئے یاتین فرما کر عورتیں کو زنا کا فاعل قرار دیا گیا اس صورت میں یہ آیت کریمہ اس حدیث سے منسوخ ہے جس میں ارشاد ہوا کہ کنوارا کنواری سے یا بیاہا بیاہی سے زنا کرے' تو اسے ایک سال کا دیس نکالا اور سو کوڑے مارو' اور وہ حدیث سورۂ نور کی اس آیت سے منسوخ ہے **الزانیہ والزانی الخ** بعض نے فرمایا کہ یہ آیت سورۂ نور کی آیت سے ہی منسوخ ہے مگر بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں الفاحشہ سے مراد عورتوں کا عورتوں سے بدفعلی کرنا ہے' اسی لئے التی اور یاتین مونث کے ہی صیغے استعمال ہوئے اور اگلی آیت **واللذان یاتیانہا** میں اغلام مراد ہے اس لئے وہاں **اللذان** اور **یاتیان** تثنیہ مذکر کے صیغے استعمال ہوئے' اور سورۂ نور شریف میں **الزانیہ والزانی** سے مراد زنا ہے اسی لئے وہاں مرد و عورت دونوں کا ذکر ہوا' یہاں ان دونوں آیتوں میں تعزیری سزاؤں کا ذکر ہے اور

وہاں سورۂ نور میں سو کوڑے حدی سزا ہیں: اس صورت میں یہ تینوں آیتیں اور تیسری سورۂ نور کی آیت محکم ہیں کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں (تفسیر کبیر و خزائن العرفان) مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا **من نساء کم**: من بیانیہ ہے اور یہ کلمہ التی کا بیان ہے' نساء سے مراد یا تو بیویاں ہیں تو کم میں خاوندوں سے خطاب ہے' اور عورتوں سے شادی شدہ عورتیں مراد یا عورتوں سے مراد آزاد عورتیں ہیں یا مسلمان عورتیں' تو خطاب یا تو حکام سے ہے یا عام مسلمانوں سے' کیونکہ لونڈیوں اور کافر عورتوں کے احکام جداگانہ ہیں ان کی سزائیں کچھ اور ہیں **فاستشهدوا علیهن اربعة منکم** یہ عبارت پہلی عبارت کی خبر ہے' چونکہ پہلی عبارت میں شرط کے معنی تھے اس لئے اس کی خبر میں ف جزائیہ لائی گئی' ا۔ **ستشهاد** سے مراد ہے گواہ بنانا گواہ تلاش کرنا' گواہی کے بعد لام تو نفع کیلئے آتا ہے اور علیٰ نقصان کیلئے' کسی کے حق میں گواہ بنانا استشہاد لہ ہے' اور اس کے خلاف گواہ بنانا استشہاد علیہ ہے' چونکہ یہاں ان عورتوں کے خلاف گواہ بنانا مراد ہے اس لئے **علیهن** فرمایا گیا **اربعة** یعنی چار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں فاحشہ سے مراد زنا ہے نہ کہ مساحقت اور نہ دوسری آوارگی' کیونکہ چار گواہ زنا ہی کے ہوتے ہیں باقی تمام جرموں کے گواہ دو' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لولا جاء وا علیه باربعة شهداء' منکم** فرما کر بتایا گیا کہ یہ گواہ سارے کے سارے مرد ہوں' ان میں کوئی عورت نہ ہو' مسلمان ہوں کوئی کافر نہ ہوں' متقی پرہیزگار ہوں کوئی فاسق فاجر نہ ہو' کہ زنا کے گواہوں میں یہ تمام شرائط ہونی چاہئیں' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہی ہے' غرضیکہ' نساء کم اور اربعہ نیز منکم یہ تینوں کلمے پکار رہے ہیں کہ یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ **فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت** : **شهدوا** سے مراد ادائے گواہی ہے' ظاہر یہ ہے کہ حاکم کے سامنے گواہی دینا مقصود ہے' اس گواہی میں ساری وہ قیدیں معتبر ہیں جو زنا کی گواہی میں ہوتی ہیں کہ فقط سنی سنائی گواہی نہ دیں' بلکہ آنکھوں دیکھی گواہی دیں' اور آنکھوں سے بھی خاص فعل گناہ دیکھا گیا ہو نہ کہ مقدمات گناہ امسکوا میں خطاب یا ان کے خاوندوں سے ہے یا عام مسلمانوں سے یا حکام سے' پہلی صورت میں گھر سے مراد خاوندوں کا گھر ہوگا' دوسری صورت میں میکہ کا گھر بھی مراد ہو سکتا ہے' اور تیسری صورت میں جیل خانہ کی کوٹھڑی بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی اگر وہ چار گواہ ان عورتوں کے فعل زنا کی گواہی دے دیں تو اے خاوندو! تم انہیں اپنے گھروں میں جہاں ان کا رہنا سہنا ہے یا اے مسلمانو! ان کے میکے کے گھروں میں یا انہیں جیل کی کوٹھڑیوں میں بند کردو کہ نہ وہ کسی سے مل سکیں' نہ ان سے کوئی مل سکے خیال رہے کہ اس وقت یہ قیدی سزائے زنا تھی جو بعد میں منسوخ ہوگئی **حتی یتوفهن الموت** : حتیٰ انتہاء کا ہے اور یہ جملہ قید کی انتہاء توفی سے مراد ہے موت دینا اور موت سے مراد ہے موت کے فرشتے یعنی مضاف پوشیدہ ہے یا توفی سے مراد ہے پورا پورا لے لینا' اٹھالینا' اور موت سے مراد ہے یہی موت' لہٰذا فعل و فاعل علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی انہیں دو چار مہینہ کی قید مت دو بلکہ عمر قید دو کہ وہ مر کر ہی وہاں سے نکلیں **او یجعل الله لهن سبیلا** یہ جملہ یتوفی پر معطوف ہے اور سبیل سے مراد زنا کی قانونی سزا ہے جو حدیث شریف میں بھی مذکور ہے اور قرآن کریم میں سورۂ نور میں بھی' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیہ رب تعالیٰ ہی کے فرمان ہیں' اس لئے ان کے متعلق بھی **یجعل الله** فرمانا صحیح ہے' یعنی انہیں یہاں تک قید رکھو کہ یا تو انہیں موت ہی آجائے یا سزائے زنا کا قانون بدل جائے اس میں ارشادۃً بتایا گیا کہ یہ حکم عارضی ہے جو منسوخ ہو جائیگا مسلم شریف میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی سزا بیان فرمائی تو فرمایا **خذوا عنی خذوا عنی قد جعل الله لهن سبیلا** مجھ سے لے لو' مجھ سے لے لو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے

راستہ نکال دیا کہ کنوارے کیلئے زنا کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کیلئے دیس نکالا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں ایسے زانی و زانیہ دونوں کو ایک سال کا دیس نکالا بھی دیا جائیگا' امام مالک کے ہاں صرف مرد کو عورت کو نہیں (تفسیر صاوی) ہمارے امام صاحب کے ہاں ان کی سزا صرف سو کوڑے ہیں دیس نکالا بطور تعزیر ہے' اگر قاضی مناسب سمجھے تو دے' ورنہ نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تمہاری عورتوں میں سے جو انتہائی بے حیائی کا کام یعنی زنا کر بیٹھے تو پہلے تو تم ان پر چار گواہ بناؤ' جو ان کو اپنی آنکھوں سے یہ فعل کرتا دیکھیں وہ گواہ بھی تم میں سے ہوں' تمہارے غیر سے نہ ہوں اس طرح کہ مومن ہوں کافر نہ ہوں' متقی پرہیزگار ہوں فساق فجار نہ ہوں' مرد ہوں عورتیں نہ ہوں' چنانچہ اگر اس قسم کے چار گواہ یعنی گواہی دے دیں' تو تم اے خاوندو! یا اے مسلمانو! یا اے حاکمو! انہیں گھروں میں قید کر دو یا سسرال کے گھروں میں یا میکے کے گھروں میں یا جیل خانہ کی کوٹھڑیوں میں' پھر یہ قید دو چار دن یا دو چار مہینے کی نہ ہو' بلکہ عمر قید ہو کہ یا تو انہیں موت آجائے کہ انکے جنازے ہی وہاں سے نکلیں یا اللہ تعالیٰ سزائے زنا کا کوئی قانون بنا دے' جس سے یہ حکم منسوخ ہو جائے۔ خیال رہے کہ اگر خود خاوند اپنی بیوی کو زنا کرتے دیکھے اور اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو وہ اسلامی عدالت میں لعان کرے گا جسکا ذکر سورۂ نور شریف میں آئے گا۔ اور اگر خاوند کے پاس چار گواہ ہیں' تو وہ گواہوں سے اس کا زنا ثابت کرے اور عورت سنگسار کی جائے گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خاوند بیویوں کے حاکم ہیں کہ انہیں بعض جرموں پر سزا دے سکتے ہیں' بیویاں مردوں کی حاکم نہیں' وہ خاوند کو کسی جرم پر سزا نہیں دے سکتیں جیسا کہ **فامسکوھن** سے معلوم ہوا کہ خاوند تو زانیہ بیویوں کو قید کر سکتے تھے مگر بیویاں زانی خاوندوں کو قید نہیں کر سکتی تھیں: یہی حکم باپ بیٹے اور بڑے چھوٹے بھائی و استاد شاگرد کا ہے کہ بیٹا' شاگرد اور چھوٹا بھائی اپنے باپ یا استاد یا بڑے بھائی کو سزا نہیں دے سکتے۔ **دوسرا فائدہ:** زنا کے چار گواہ چاہئیں اور چاروں مسلمان ہوں' مرد ہوں' عاقل ہوں' بالغ ہوں' متقی ہوں' یہ ساری قیدیں **منکم** سے معلوم ہوئیں۔ **تیسرا فائدہ:** مومنہ آزاد عورت کے زنا کی سخت سزا ہے جیسا کہ **من نسائکم** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اگر خاوند اپنی بیوی کے زنا پر چار گواہ بنا لے تو پھر لعان نہ ہوگا بلکہ عورت کی سزائے زنا دی جائے گی جیسا کہ **فان شھدوا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** فاسقہ بیوی کو طلاق دینا واجب نہیں' بلکہ اسے فسق سے روکنا واجب ہے جیسا کہ **فامسکوھن** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مجرم کو آزاد نہ چھوڑو کہ اس سے وہ اور زیادہ گناہ کریگا بلکہ اسے پابندیوں میں زیادہ جکڑ دو تاکہ وہ جرم نہ کر سکے۔ **ساتواں فائدہ:** یہ آیت باتفاق منسوخ ہے' اب کسی کے ہاں زنا کی سزا قید نہیں' یہ فائدہ **او یجعل اللہ** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** بد سے بدتر فاسق بھی کافر نہیں ہو جاتا' خواہ وہ کتنا ہی بڑا گناہ کرے' جب تک اس کے عقائد نہ بگڑیں' یہ فائدہ **فی البیوت** سے حاصل ہوا کہ زانیہ عورتوں کو گھروں میں ہی رکھنے کا حکم دیا گیا' اگر وہ زنا سے کافر ہو جاتیں تو مسلمانوں کے گھروں میں نہ رہتیں اور ان سے خلط ملط جائز نہ ہوتا۔

پہلا اعتراض: ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ یہاں مراد فاحشہ سے زنا نہیں بلکہ عورتوں کا آپس میں بدکاری کرنا ہے یعنی سحق' اس جرم کی سزا اب بھی یہی ہے اور یہ آیت منسوخ نہیں' اس لئے یہاں **یاتین** جمع مونث کا صیغہ ارشاد ہوا' ورنہ زنا صرف عورتیں نہیں کر سکتیں بلکہ عورت و مرد کرتے ہیں۔ **جواب:** یہ تفسیر باطل ہے اس لئے کہ ابو مسلم اصفہانی سے پہلے امت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی نے اس آیت کے یہ معنی نہیں کئے' لہٰذا یہ قول خرق اجماع ہے' اس سے اجماع ٹوٹے گا نہیں (تفسیر کبیر) نیز ہم ابھی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی سزا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ لو اللہ تعالٰی نے ان زانیہ عورتوں کلیہ راستہ نکال دیا معلوم ہوا کہ اس آیت میں زانیہ عورتیں ہی مراد ہیں اور سبیل سے مراد سزائے زنا کا قانون بننا ہے: نیز عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے' ہاں اس میں اختلاف ہے کہ کس سے منسوخ ہے' بعض فرماتے ہیں سورۂ نور کی آیت سے اور بعض فرماتے ہیں حدیث مذکورہ سے (تفسیر خازن) نیز حق کرنے والے عورت کو گھر میں قید کرنا بیکار ہے کہ وہ گھر میں رہ کر بھی دوسری عورتوں کے ساتھ یہ جرم کرسکتی ہے' گھر میں قید کرنا زانیہ کیلئے مفید ہے کہ نہ باہر نکلے' نہ کسی مرد سے ملے' نہ زنا واقع ہو۔ دوسرا اعتراض: یہاں فاحشہ سے مراد بے حیائیاں اور زنا کی تیاریاں ہیں اور سبیل سے مراد توبہ کی توفیق ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں بے حیا ہو جائیں اور جن سے اندیشہ پیدا ہو جائے کہ یہ زنا کر لیں گی تو انہیں باہر نکلنے سے روک دو حتی کہ وہ پردہ میں مرجائیں یا رب تعالٰی انہیں توبہ کی توفیق دے دے۔ نوٹ: یہ تفسیر مولوی محمد علی صاحب لاہوری قادیانی نے اپنی کتاب بیان القرآن میں کی۔ جواب: یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے' کیونکہ اس قسم کی بے حیائیوں پر چار گواہ بنانے کی کیا ضرورت ہے' ایسی شرارتیں تو اگر اشارۃً بھی معلوم ہو جائیں جب بھی ان کی روک تھام کرنی چاہئے' اب تو آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ وہ کچھ بھی کرتی پھریں' غیر مردوں سے ناجائز تعلقات' اشارہ بازیاں' آوارہ پھرنا' تم ان کا کوئی انتظام نہ کرو' چار گواہوں کا انتظار کرو' انکے ناجائز خطوط بھی پکڑ لو تو بھی ان سے کچھ نہ کہو کیونکہ ابھی چار گواہ تو ملے نہیں: نیز اگر سبیل سے مراد توبہ ہے تو عورتوں کو بالکل آزادی ہے' جب انکی بے حیائیوں پر چار گواہ ملے اور تم نے انہیں پکڑا انہوں نے کہہ دیا ہم توبہ کرتے ہیں چلو چھٹی ہوئی' اب پھر نئے جرم کیلئے چار گواہوں کا انتظار کرو' جب وہ مل جائیں اور یہ پھر توبہ کرلیں' چھوٹ جائیں' غرضیکہ یہ آیت ایک تماشا بن کر رہ گئی' پکڑے جاؤ چھوڑے جاؤ: اگر توبہ سے دلی توبہ مراد ہے تو بھی ایک کھیل ہی رہیگا کیونکہ دل کے حال کی خبر رب تعالٰی کو ہے' یہ عورتیں کہیں گی ہم دل سے توبہ کر رہے ہیں ہم کہیں گے جھوٹ بولتی ہو' صرف زبانی توبہ ہے چلو اندر۔ اللہ تعالٰی اپنے کلام کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ تیسرا اعتراض: جب یہ آیت تمہاری پیش کردہ حدیث سے منسوخ ہے تو اس حدیث میں سو کوڑوں کا بھی ذکر ہے ایک سال کے دیس نکالا کا بھی' پھر امام ابو حنیفہ دیس نکالے کا کیوں انکار کرتے ہیں (شافعی حضرات) جواب: اس کی تحقیق انشاءاللہ سورۂ نور کی تفسیر میں کی جائے گی' یہاں اتنا سمجھ لو کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دیس نکالے کا مطلقاً انکار نہیں کیا ہے بلکہ اسے تعزیر مانا ہے اگر حاکم مناسب سمجھے تو عمل کرلے اسلئے کہ قرآن کریم نے کنوارے زانی کے سزا صرف سو کوڑے مقرر فرمائے اور اسی کو ان کی پوری سزا قرار دیا' اب حدیث پر ایسے عمل کرو کہ قرآن شریف کی پوری سزا آدھی نہ بن جائے کہ سو کوڑے حد مان لو اور دیس نکالا تعزیر: نیز طحاوی شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک زانی کو سال کا دیس نکالا دیا' وہ مدینہ سے غائب رہ کر کفار سے مل گیا' آپ نے یہ خبر سن کر پھر کسی کو دیس نکالا نہ دیا اگر یہ حد ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کبھی اسے ترک نہ فرماتے حالات کچھ بھی ہوتے۔ چوتھا اعتراض: عجیب بات ہے کہ تحقیقات تو سخت کی گئی اور بجائے دو کے چار گواہ لئے گئے مگر سزا نہایت ہلکی کہ انہیں گھروں میں روک لو' عورتیں گھروں میں ویسے بھی رہتی ہیں' یہ سزا کیا ہوئی؟ جواب: ملک عرب سے زنا اور شراب کو دور کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا اس وقت حالات ایسے بدتر تھے کہ لوگ زنا پر فخر کرتے تھے' اس لئے اس کی روک تھام

کے احکام آہستگی سے آئے، پہلے یہ حکم ہوا کہ زانیہ کو گھروں میں بند کرو، نہ اس سے ملو نہ اسے کسی سے ملنے دو، پھر اسی آیت میں آئندہ کی خبر بھی دے دی گئی کہ اصل سزا تو آئندہ مقرر ہونے والی ہے، چار گواہوں کی پابندی اور گواہوں میں مذکورہ بالا قیود اس لئے لگائی گئیں تاکہ عورتوں کی عزت محفوظ رہے اور لوگ انہیں تہمت لگانے سے باز رہیں اس لئے تہمت لگانے والوں کو اسی کوڑوں کی سزا دی گئی، غرضیکہ گواہوں و گواہیوں کی یہ پابندیاں عورتوں کی عزت بچانے کیلئے ہے نہ کہ صرف انہیں گھر میں رکھنے کیلئے۔

تفسیر صوفیانہ: ہمارے نفس امارہ گویا بیویاں ہیں شرعاً حرام چیزیں گویا ظاہری فحشاء ہیں یوں ہی رب تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزیں میلان الی غیر اللہ وغیرہ باطنی فحشاء ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے **حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن:** چار عناصر جن سے ہماری ترکیب ہے، یہ گویا چار گواہ ہیں، چنانچہ مٹی میں رکاکت، ذلت، طمع اور ملامت ہے، پانی میں نرمی، عاجزی اور سستی ہے: ہوا میں حرص، حسد، بخل، کینہ، عداوت، شہوت، زینت ہے: آگ میں تکبر، فخر گری اور بدخلقی ہیں ان سب کی جڑ محبت دنیا ہے، ان چار عناصر کے مذکورہ عیوب کا ظہور نفس امارہ کے خلاف گواہی دیتا ہے، فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! اگر تمہارے نفوس فحش و بدکاری کر بیٹھیں کہ محرمات شرعیہ کا ارتکاب کریں، رب تعالیٰ سے غافل دنیا میں شاغل ہو جائیں تو ان کے خلاف چاروں عناصر کی گواہی لو، اگر ان عناصر میں غفلت و مذکورہ بالا عیوب پائے جائیں تو سمجھ لو کہ واقعی نفس دنیا میں پھنس گیا، تو اسے سزا یہ دو کہ دنیاوی منافع سے روک دو، اس روک کے قید میں اسے یہاں تک رکھو کہ یا تو یہ نفوس فانی ہو جائیں یا رب تعالیٰ ان کیلئے کوئی راہ نکالے کہ ان نفوس کی طرف قلب کے روزن کھول دے، جس سے یہاں عالم غیب کی تجلیات وارد ہوں، اور الطاف رحمانیہ کی ہوائیں اس طرف آنے لگیں، یہ الطاف رحمانیہ، ان نفوس کا مکمل علاج ہیں، رب تعالیٰ اس قال کو حال بنادے کہ ہمارے نفس ہمارے قبضہ میں رہیں ہم نفوس کے قبضہ میں نہ جائیں جو نفس کے قبضہ میں آگیا ہلاک ہوا۔ (از روح البیان)۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا

اور وہ دو جو لائیں یہ کام تم میں سے انہیں ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نیک کریں اپنے کو

اور تم میں جو مرد و عورت ایسا کام کرے ان کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نیک ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۱۶

تو منہ پھیر دو ان سے بیشک اللہ ہے توبہ قبول کرنیوالا مہربان

بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تعلق: چونکہ اس آیت کی تفسیریں مختلف ہیں اس لئے اس کے تعلق بھی پچھلی آیتوں سے مختلف ہیں ہم مختلف تفاسیر کے لحاظ سے اس کے تعلقات عرض کرتے ہیں: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں شادی شدہ زانیہ عورتوں کی سزا کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں کنوارے، کنواری کے زنا کی سزا کا ذکر ہے اسی لئے وہاں ارشاد ہوا تھا **من نساء کم** مگر یہاں یہ عبارت نہیں

معلوم ہوا کہ وہ زانیہ عورتیں کسی کی بیویاں تھیں یہ ایسی نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں زانیہ عورتوں کی ہلکی سزا کا ذکر تھا یعنی انہیں گھروں سے باہر نہ نکلنے دینا' اس آیت میں کچھ سخت سزا کا ذکر ہے یعنی انہیں مار پیٹ وغیرہ بھی کرنا' زنا کی سزا کے احکام تدریجا'' آہستہ آہستہ آئے' کیونکہ عرب کے عوام زنا کے بہت عادی تھے' اور عادت آہستہ آہستہ ہی چھوتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں زنا کی سزا کا ذکر تھا' اب اغلام کی سزا کا ذکر ہے' اس لئے یہاں اللذان مذکر ارشاد ہوا کہ یہاں وہ بدکاری مراد ہے جو صرف مرد کریں' چونکہ اغلام و لواطت بھی زنا کی ہی شاخ ہے' اس لئے زنا کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ عورتوں کی آپس کی بدکاری کا ذکر تھا یعنی سحق کی سزا بیان کی گئی تھی' اب مردوں کی آپس کی بدکاری یعنی لواطت کا ذکر ہے' اس لئے وہاں **اللتی** اور **یاتین** فرمایا گیا تھا یعنی جمع مونث کا صیغہ' اور یہاں **اللذن** تثنیہ مذکر ارشاد ہوا معلوم ہوا کہ وہ بدکاری صرف عورتوں کی تھی اور یہ بدکاری صرف مردوں کی ہے۔

تفسیر: **واللذان یاتینھا منکم** چونکہ اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں' اس لئے **اللذان** کے متعلق بہت قول ہیں مگر ترجیح دو قولوں کو ہے' ایک یہ کہ اللذان سے مراد مرد و عورت ہیں جو کنوارے ہوں مگر زنا کر بیٹھیں' چونکہ مرد عورت سے اعلیٰ ہے' نیز مرد فاعل ہے عورت مفعول' اس لئے تغلیبا'' اسے تثنیہ مذکر لایا گیا' خیال رہے کہ پچھلی آیت میں یاتین جمع مونث لانا اس بنا پر تھا کہ اکثر زنا کا دارومدار عورت کی رضا پر ہوتا ہے کہ اس لئے گویا اصلی مجرم وہی ہے اور یہاں اللذان تثنیہ مذکر لانا اس وجہ سے ہے کہ فاعل زنا مرد ہی ہے' یہ لطف اہل ذوق ہی پاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں اللذان سے مراد صرف مرد ہیں جو آپس میں اغلام کر لیں' اس صورت میں اللذان کو مذکر فرمانا بالکل ظاہر ہے مگر پہلی تفسیر بہت ظاہر ہے' اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ ہے' اس لئے یہاں گواہی کا ذکر نہ فرمایا کہ یہاں گواہی وہ ہی ہے جو پہلے ذکر ہوئی یعنی چار مردوں کی گواہی جو مسلمان آزاد عاقل بالغ وغیرہ ہوں' ورنہ اغلام دو گواہوں سے بھی ثابت ہو جاتا ہے **یاتیان** فرمایا نہ کہ **یفعلان** اس کی حکمت پچھلی آیت میں بیان ہوئی۔ **ھا** کا مرجع وہ ہی **الفاحشۃ** ہے' بمعنی زنا ہو تو بالکل ظاہر ہے اور اگر یہاں اغلام مراد ہے تو فحشاء کی دوسری نوعیت کا ذکر ہو گا' منکم فرما کر یہ بتایا کہ یہ احکام مسلمان مجرموں کے ہیں' کفار بدکاروں کے احکام اسکے علاوہ ہیں جو یہاں مذکور نہیں' یعنی وہ کنوارے مرد و عورت جو وہ ہی بے حیائی کر بیٹھیں اور ہوں تم مسلمانوں میں سے یا وہ دو مرد جو فحش بے حیائی یعنی لواطت کر لیں مگر ہوں تم مسلمانوں میں سے یا وہ شادی شدہ مرد و عورت جن کی سزا ابھی بیان ہوئی اگر زنا کریں تو اب ان کی سزا یہ ہے **فاذوھما :** **اذوا' ایذاء** سے بنا جس کا مادہ **اذی** بمعنی تکلیف ہے' گندگی و پلیدی کو بھی اذی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا جسم یا کپڑے یا لگ جانا مسلمان کو تکلیف دہ ہے' جائز تکلیف کو بھی ایذاء کہتے ہیں اور ناجائز تکلیف کو بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یؤذون الله ورسوله** جو کفار و منافقین اللہ رسول کو تکلیف دیتے ہیں' وہاں ناجائز تکلیف مراد ہے یہاں فرماتا ہے **فاذوھما** ان زانی مرد و عورت کو تکلیف یعنی سزا دو' یہ جائز بلکہ ضروری ہے' اس میں گفتگو ہے کہ اس تکلیف سے کون سی تکلیف مراد ہے اگر اللذان سے کنوارے زانی زانیہ مراد ہیں اور تکلیف سے مراد سو کوڑے مارنا ہے' تب تو یہ آیت محکم ہے اور سورہ نور شریف کی کوڑوں والی آیت اس کی تفسیر ہے مگر تکلیف سے مراد انکی مار پیٹ یا برا بھلا کہنا ہے تو یہ آیت سورہ نور کی آیت سے منسوخ ہے' اور اگر اس سے شادی شدہ زانی زانیہ مراد ہیں اور تکلیف سے مراد کوڑے یا مطلقاً مار پیٹ ہے' تب بھی یہ آیت منسوخ

ہے کہ اب شادی شدہ زانی کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے نہ کہ کوڑے یا اور کوئی مار پیٹ اور اگر اس الذان سے مراد لواطت کرنے والے مرد ہیں اور اٰذوا سے مراد ان کی مار پیٹ ہے تو بھی یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں کہ لوطی پر تعزیر ہے حد نہیں (از تفسیر کبیر و معانی و خازن و روح البیان و مدارک وغیرہ مع زیادہ) **فان تابا واصلحا فاعرضوا عنهما** یہ جملہ یا تو سزا کے بعد کے حالات کا ذکر فرما رہا ہے یا سزا کی دوسری نوعیت کا۔ تابا کا فاعل وہ الذان ہے اور جتنے احتمالات الذان میں تھے اتنے ہی فان تابا میں۔ توبہ کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں اور آئندہ بھی بیان ہوں گے توبہ سے مراد گزشتہ پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عہد۔ اصلحا اصلاح سے بنا جس کا مادہ صلح بمعنی درستی ہے۔ اعرضوا کے معنی بارہا بیان ہو چکے یہاں اعرضوا میں ان ہی سے خطاب ہو گا جن سے اٰذوا میں خطاب تھا یعنی اگر یہ زانی و زانیہ سزا پا کر توبہ بھی کر لیں اور اپنے اعمال بھی ٹھیک کر لیں کہ ان پر نیکی کے آثار نمودار ہو جائیں تو پھر ان سے بالکل منہ پھیر لو کہ نہ گزشتہ جرم پر انہیں عار دلاؤ اور نہ طعنے دو کہ توبہ کرنے والا پاک و صاف ہو جاتا ہے اس صورت میں یہ آیت محکم ہے' یا اگر زانی و زانیہ سزا سے پہلے ہی توبہ کر لیں اور ان پر آثار درستی بھی ظاہر ہو جائیں تو انہیں سزا نہ دو' ان سے منہ پھیر لو' اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے کہ اب زنا کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی' یا اگر لواطت کرنے والے دونوں مرد سزا سے پہلے توبہ کر لیں' تو ان سے درگزر کرو' تب بھی یہ آیت محکم ہے' کیونکہ لواطت کی سزا تعزیر ہے' جو توبہ وغیرہ سے ختم بھی ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ یہ آیت بہت اہم ہے' اور اس سے متعلق بہت گفتگو ہے۔ **ان الله كان توابا رحيما** یہ جملہ فاعرضوا کی علت ہے' توابا کے معنی یا تو توبہ کی توفیق دینے والا یا بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے اور رحیم بمعنی مہربان' کرم فرمانے والا' اس کے معنی بسم اللہ کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے' یعنی بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے' جب وہ اپنے مجرم کو معافی دے دیتا ہے' تو توبہ کے بعد ان کے پیچھے کیوں پڑتے ہو' تم بھی درگزر کرو تم بھی گناہگار ہو' اپنے گناہوں کی رب تعالیٰ سے معافی چاہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کی چار پانچ تفسیریں ہیں' بعض قوی بعض ضعیف ہم تین تفسیریں عرض کرتے ہیں جو ابھی تفسیر میں بیان کی گئیں۔ (1) اے مسلمانو! جو کنوارے اور کنواریاں تم میں سے زنا کر بیٹھیں' تم انہیں سخت سزا دو اس طرح کہ ان پر چار گواہیاں قائم کر کے حاکم کے سامنے ان کا زنا ثابت کرو تاکہ وہ انہیں سو کوڑے لگا دے' جیسا کہ سورہ نور میں آ رہا ہے' پھر اگر اس سزا کے بعد یہ دونوں توبہ کر لیں' اور ان پر آثار صلاح بھی ظاہر ہو جائیں' تو ان سے درگزر کرو کہ اب ان کی اس حرکت کا ذکر بھی نہ کرو' ان پر زبان طعن دراز نہ کرو' اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے' جب وہ معافی دے چکا تو تم کیوں ان کے پیچھے پڑتے ہو (محکم ہے یعنی غیر منسوخ) (2) اے مسلمانو! اگر شادی شدہ مرد و عورت جو مسلمان ہوں اور زنا کر بیٹھیں تو اب تک تو اس کی سزا گھروں میں پابند کر دینا تھا مگر اب انہیں صرف قید نہ کرو' بلکہ انہیں زبانی طور پر برا بھلا کہو اور مارو پیٹو' اور اگر وہ توبہ کر لیں' تو یہ سزا بھی انہیں نہ دو' بشرطیکہ توبہ فقط زبانی نہ ہو بلکہ ساتھ میں اصلاح اعمال بھی ہو کہ ان پر تقویٰ کے آثار نمودار ہو جائیں' اللہ تعالیٰ تواب و رحیم ہے' وہ بڑے سے بڑے مجرم کو معافی دے دیتا ہے' یہ سزا تم خود دو' حکام سے دلوانے کی ضرورت نہیں (اس صورت میں یہ آیت حدیث شریف سے منسوخ ہے) کیونکہ اب شادی شدہ زانی کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز وغیرہ کو رجم کرایا۔ (3) اے مسلمانو! تم میں سے اگر دو مرد آپس میں بے حیائی یعنی لواطت کر بیٹھیں تو انہیں زبانی و بدنی ایذا و تکلیف دو کہ انہیں زبان سے بھی برا بھلا کہو اور خوب مارو پیٹو' لیکن اگر وہ توبہ کر کے

اپنے کو درست کرلیں تو ان سے درگزر کرو کہ پھر نہ زبانی طور پر انہیں برا بھلا کہو‘ نہ مارو پیٹو‘ بے شک اللہ تعالیٰ مہربان ہے توبہ قبول کرنے والا ہے (اس صورت میں یہ آیت محکم یعنی غیر منسوخ ہے کہ تعزیر کا حکم اب بھی یہ ہی ہے)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** سحق اور لواطت میں شرعاً "حد مقرر نہیں بلکہ امام حاکم بطور تعزیر جو چاہے انہیں سزا دے‘ جیسا کہ والتی اور والذان کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے سحق والی عورتوں کو تو گھروں میں قید کردینے کا حکم دیا اور لوطی کو صرف ایذا دینے کا‘ ایذا کی حد مقرر نہ فرمائی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آیت والذان لواطت کے متعلق نازل ہوئی‘ اسی لئے صحابہ کرام نے لوطی کو مختلف سزائیں دیں کسی نے انہیں قتل کرایا‘ کسی نے ان پر دیوار گرائی‘ کسی نے انہیں بالاخانے سے گرا کر انہیں پتھرمار کر ہلاک کیا‘ اگر زنا کی طرح اس کی سزا مقرر ہوتی تو صحابہ کرام کے عمل مختلف نہ ہوتے (از خزائن العرفان و تفسیر مدارک) امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ کا یہ ہی قول ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اگر تعزیر والا مجرم تعزیر دینے سے پہلے توبہ کرے اور اس پر توبہ کے آثار بھی نمودار ہو جائیں تو تعزیر ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ **فان تابا** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بعض مجرموں کو خود مسلمان یا خاوند بھی سزا دے سکتے ہیں‘ ہاں حد یا تعزیر حاکم ہی دیگا جیسا کہ **فاذوهما** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** شرعی حد یا تعزیر حاکم دے سکتا ہے دوسرا نہیں جیسا کہ **فاذوهما** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مجرم کو بعد توبہ طعنے دینا اس کے گزشتہ جرم کا اعلان کرنا سخت منع ہے جیسا کہ **فاعرضوا** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** زنا‘ لواطت وغیرہ کی شرعی سزائیں مسلمانوں پر ہی جاری ہوں گی‘ کفار کے آپس کے یہ معاملات اس حکم سے علیحدہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود زانی و زانیہ کو رجم کرانا توریت کے حکم کے مطابق تھا‘ ان پر قرآنی سزا جاری نہ کی گئی تھی‘ یہ فائدہ منکم سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان آیتوں میں منکم فرمایا کہ تم مسلمانوں میں سے جو یہ جرم کرے‘ اس کی یہ سزا ہے‘ جیسے کہ اسلامی میراث کے احکام مسلمانوں پر ہی جاری ہوں گے‘ ہمارے ملک میں رہنے والے کفار کو میراثیں ان کے مذہبی قوانین کے مطابق تقسیم ہوں گی۔

پہلا اعتراض: یہاں آیتوں میں تکرار ہے کہ پچھلی آیت میں بھی زنا کی ہی سزا کا ذکر ہوا اور اب اس آیت میں بھی اور تکرار فصاحت قرآن کے خلاف ہے۔ **جواب:** ہماری تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان دونوں آیتوں میں مطلقاً تکرار نہیں‘ کیونکہ یا تو پہلی آیت میں زنا کی سزا کا ذکر تھا‘ اس آیت میں لواطت و اغلام کی سزا کا ذکر ہے یا پچھلی آیت میں شادی شدہ کے زنا کا ذکر تھا‘ اس آیت میں کنوارے کے زنا کا ذکر ہے یا ابو مسلم اصفہانی کے قول کے مطابق پچھلی آیت میں سحق کی سزا کا ذکر تھا‘ اس آیت میں کنوارے کے زنا کا ذکر ہے‘ بہرحال تکرار ہرگز نہیں‘ اور اگر دونوں آیتوں میں شادی شدہ کے زنا کا ذکر ہو تو پچھلی آیت میں نرم سزا کا ذکر تھا یعنی محض گھر میں پابند کر دینا‘ اور اس آیت میں سخت سزا کا ذکر ہے یعنی انہیں مارنا پیٹنا‘ سزائے زنا آہستگی سے آئی‘ تا کہ زنا چھڑانے میں آسانی ہو۔ **دوسرا اعتراض:** اگر دونوں آیتوں میں زنا کی سزا کا ذکر ہے تو طریقہ بیان مختلف کیوں ہو گیا کہ وہاں تو والتی بھی جمع مونث ہے اور یاتین بھی اور یہاں اس آیت میں والذان بھی تثنیہ مذکر ہے اور یاتیان بھی۔ **جواب:** اس کا نکتہ بھی ہماری تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ وہاں اشارۃً "یہ فرمایا گیا کہ زنا کی زیادہ تر ذمہ دار عورت ہے کہ اس کے بغیر مرضی زنا بمشکل ہی ہوتا ہے‘ اور یہاں اشارۃً" ارشاد ہوا کہ زنا میں فاعل مرد ہے مفعول عورت‘ اور عموماً" بہکانے والا مرد ہوتا ہے‘ کیونکے

والی عورت۔ **تیسرا اعتراض:** آیت کریمہ میں مسکم کیوں ارشاد ہوا کیا اسلامی حکومت میں کفار کو زنا یا لواطت کی عام اجازت ہوگی؟ **جواب:** نہیں انہیں عام اجازت تو نہ ہوگی ' لیکن ان کے زانیوں کو اسلامی سزا نہ دی جائیگی ' بلکہ اگر کسی قوم میں زنا جائز ہو گا تو انہیں کھلے بندوں کرنے کی اجازت تو نہ ہوگی ' مگر انہیں ان کے اس مذہبی کام سے اسلام روکے گا نہیں ' دیکھو وہی کفار کو اسلامی ملک میں سور و شراب سے نہ روکا جائیگا پارسیوں کو اپنی ماں بہن کے نکاح سے نہ روکا جائیگا ' ایسے ہی یہ معاملات بھی ہیں ' اسی لئے قرآن کریم نے مسکم فرما کر کفار کی دینی آزادی کو برقرار رکھا ' اگر کسی کافر کے نکاح میں دس بارہ بیویاں ہوں تو اسلام اس کو نہ روکے گا ' ہاں جب وہ شخص مسلمان ہو گا ' تب اس سے کہا جائیگا کہ اب تو چار بیویاں رکھ اور باقی کو چھوڑ دے ' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ' بہرحال کفار کو اسلامی ملک میں دینی آزادی ہوگی۔ **چوتھا اعتراض:** اگر کفار کو اسلامستان میں آزادی دی جائے گی ' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی زانی کو سنگسار کیوں کرایا ' حالانکہ وہ تو اس کا کالا منہ کرکے شہر میں پھرا رہے تھے انہیں دینی آزادی کیوں نہ دی؟ **جواب:** اس لئے کہ خود توریت شریف میں زنا کی سزا رجم تھی ' یہود نے تحریف کرکے یہ سزا گھڑ لی تھی ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآنی و اسلامی سزا جاری نہ کی ' بلکہ ان پر خود انکے دین کی سزا جاری فرمائی ' اسی لئے انہیں قرآن نہ دکھایا بلکہ ان کے پادریوں کو جمع فرما کر توریت شریف کی آیت رجم بذریعہ سیدنا عبداللہ ابن سلام دکھا کر رجم فرمایا ' اب بھی اسلامی حاکم کفار پر ان کے دینی احکام جاری کریگا ' ان کے مقدمات ان کے دین کے مطابق طے کرے گا ' لہٰذا حدیث بالکل صاف ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں زانی یا لوطی کیلئے فرمایا گیا **فاذوھما** انہیں ایذا دو ' ایذا مطلق ہے ' خواہ صرف منہ سے ڈانٹ ہی دو ' یا ایک چپت ہی مار دو ' اگر یہی سزا ہو تو لواطت و زنا کی عام اجازت ہو جائیگی (غیر مقلد) **نوٹ:** امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض عام غیر مقلد کیا کرتے تھے۔ **جواب:** اگرچہ یہاں ایذا مطلق ہے ' مگر صحابہ کرام نے لوطی کو مار ڈالا ہے ' ہاں مار ڈالنے کے طریقے مختلف تھے ' کسی نے بالاخانے سے گرا کر مارا کسی نے اور طریقوں سے ' لہٰذا اسلامی حاکم لوطی کی جان ہی لے ' یہی اس کی تعزیر ہے صحابہ کرام کا یہ عمل گویا اس آیت کا بیان ہے ' دیکھو جانور سے زنا کرنے والے کی سزا اسلام میں مقرر نہیں ' مگر حاکم تعزیر کے طور پر اسے قتل کرا دے ' سزا مقرر نہ ہونے سے اس جرم کی اجازت نہیں ہو جاتی۔ **چھٹا اعتراض:** اگر لوطی کی تعزیر قتل ہے تو پھر اس کے کیا معنی ہوں گے کہ **فان تابا واصلحا** مرنے کے بعد توبہ اور چھوڑنا کیسے ہو سکتا ہے؟ **جواب:** اس کا مطلب تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اگر تعزیر والا مجرم تعزیر قائم ہونے سے پہلے سچی توبہ بھی کر لے اور اپنا حال درست بھی کر لے اس پر علامات تقویٰ ظاہر بھی ہو جائیں ' تو تعزیر ختم ہو جائیگی ' وہی اس آیت کریمہ کا مقصد ہے ' صرف منہ سے توبہ کہہ دینا کافی نہیں اس لئے توبہ کے ساتھ اصلحا فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اے راہروان راہ محبت! اگر تمہارے نفس و جسم دونوں باطنی و ظاہری اعمال میں فحش کام کرنے لگیں تو نفس حسد ' کینہ ' بغض ' غصہ ' غفلت میں مشغول ہو جائے ' اور جسم نماز میں سستی ' آرام طلبی ' عزت و دولت و جاہ طلبی میں مشغول ہو جائے تو تم ان دونوں کو تکلیفیں دو اس طرح کہ انہیں ریاضتوں مجاہدوں میں مشغول کرو ' ان کی خواہش پوری نہ کرو ' جو یہ چاہیں اس کے خلاف کرو پھر اگر یہ دونوں اپنی حرکتوں سے توبہ کر لیں کہ نفس تو ان عیبوں کو ترک کر دے جو رب تعالیٰ سے دوری کا باعث ہے ' اور جسم اطاعت خدا اور رسول میں کمربستہ ہو جائے ' اور ساتھ ہی ان دونوں کی اصلاح ہو جائے ' کہ آئندہ ان کے ٹھیک

رہنے کا گمان غالب ہو جائے تو ان سے اعراض و چشم پوشی کرو، وہ سختیاں ختم کرو۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا بھی ہے مہربان بھی، اس کے دروازے پر جو مجرم بھی عاجزی کرتا آ جائے وہ رحیم معاف فرما دیتا ہے، اگر اس کا رحم و کرم دیکھنا ہو، تو حضرت یوسف علیہ السلام کے عفو و کرم میں غور کرو کہ ستانے والے بھائی جب اپنے ہاں گندم لینے آئے تو ان پر کرم خسروانہ ہی فرمایا، انہیں نعمتوں سے مالا مال کر دیا، اگر رب تعالیٰ کا کرم دیکھنا ہو، تو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی بندہ پروری میں غور کرو کہ فتح مکہ کے موقعہ پر تمام کفار مکہ خصوصاً "ابو سفیان، ہندہ، عکرمہ ابن ابو جہل کو معاف فرما دیا، جس رب کے بندے ایسے کریم ہیں غور کرو کہ رب تعالیٰ کیسا کریم ہو گا ان مقبولوں پر اس کے کرم کی تجلی وارد ہوئی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے۔

● اپنے منگتوں کو وہ حاجت سے سوا دیتے ہیں — اپنے مجرم کو وہ سینے سے لگا لیتے ہیں
دشمن آ جائے تو چادر بھی بچھا دیتے ہیں — گالیاں سنتا ہے کوئی یہ دعا دیتے ہیں
ہم سیاہ کاروں کو دامن میں چھپا لیتے ہیں
مرحبا سیدی مکی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
اس کے سوا نہیں کہ توبہ اللہ کے ذمہ کرم پر واسطے ان کے ہے جو کر لیتے ہیں برائی حماقت سے پھر
وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھے پھر
يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
توبہ کر لیتے ہیں قریب ہی (جلدی) پس یہی لوگ ہیں کہ توبہ قبول فرماتا ہے اللہ انکی اور ہے اللہ
تھوڑی دیر میں توبہ کر لے ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
علم والا حکمت والا
علم و حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت شریفہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بدکاروں کی توبہ کا ذکر ہوا کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو انہیں چھوڑ دو، اب توبہ کی نوعیت کا ذکر ہے کہ کس قسم کی توبہ سے وہ اس رعایت کے مستحق ہوں گے، **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اپنی صفت بیان کی کہ وہ تواب و رحیم ہے یعنی توبہ قبول ماننے والا مہربان اب

ارشاد ہوتا ہے کہ تم ہماری یہ صفت سن کر دھوکا نہ کھانا اور ہمارے رحم و کرم پر غرور کر کے گناہ پر دلیر نہ ہو جانا' سن لو ہم کونسی توبہ قبول فرماتے ہیں' گویا پہلے توبہ قبول فرمانے کا ذکر تھا' اب مقبول توبہ کے شرائط کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں توبہ کی ترغیب تھی' اب توبہ کا وقت بیان ہو رہا ہے کہ کب تک توبہ کر لو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں توبہ کی رغبت دی گئی تھی' اب مسئلہ توبہ سے اعتراضات دفع فرمائے جا رہے ہیں کہ کفار توبہ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے تھے کہ توبہ کے مسئلے سے لوگ گناہ پر دلیر ہوتے ہیں' لہٰذا فرمایا گیا کہ توبہ تو گناہ سے روکنے کا بہترین ذریعہ ہے نہ کہ گناہ کرانے کا ذریعہ۔

تفسیر: انما التوبۃ علی اللہ: انما عربی زبان میں حصر کیلئے آتا ہے یعنی اپنے مابعد کا ثبوت ماسوا کی نفی' یہاں انما فرما کر ایک توبہ کے قبول کی خبر دی گئی' اس کے ماسواء کے نفی فرما دی گئی' توبۃ توب سے بنا' بمعنی لوٹنا' رجوع کرنا' جب توبہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوں گے گناہ سے نیکی کی طرف' غفلت سے بیداری کی طرف' برائی سے بھلائی کی طرف لوٹنا اور اگر رب تعالیٰ کی صفت ہو تو اس کے معنی ہیں عذاب سے معافی کی طرف' پکڑنے سے چھوڑ دینے کی طرف عتاب سے ثواب کی طرف رجوع فرمانا' اسی لئے تواب اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور بندے کی بھی صفت مگر مختلف معانی سے۔ بندے کی توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو' فی الحال ان سے باز آ جائے اور آئندہ کے متعلق نہ کرنے کا عہد کرے' ان تمام چیزوں کا نام توبہ ہے' باقی توبہ کے کچھ شرائط ہیں کچھ ارکان کچھ مستحبات کچھ سنتیں اور توبہ کیلئے وقت بھی مقرر ہے' علی لزوم کیلئے آتا ہے' یہاں التزام یعنی خود لازم ہو ضروری فرمانے کیلئے ہے کہ رب تعالیٰ پر کوئی اور کچھ لازم نہیں کر سکتا اور ہو سکتا ہے کہ علی بمعنی عند ہو یا بمعنی من یعنی وہ توبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لازم القبول فرمالی' یا توبہ مقبول توبہ اللہ کے نزدیک وہ ہے یا اللہ کی طرف سے جو بندے کو توبہ کی توفیق ملتی' وہ وہ توبہ ہے (روح المعانی و کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ التوبۃ میں الف لام عہدی ہے اور توبہ سے مراد توبہ مقبول ہے **للذین یعملون السوء بجھالۃ:** للذین میں لام یا تو نفع کا ہے یا استحقاق کا یا صلہ کا' اور یہ عبارت توبہ کا صلہ ہے' آخری احتمال زیادہ قوی ہے' للذین سے مراد یا تو صرف مسلمان ہیں یا سارے انسان' خواہ کافر ہوں یا مسلمان یا سارے مکلف بندے' انسان ہوں یا جنات' تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کیونکہ توبہ کفر سے بھی ہو جاتی ہے اور رب تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے' نیز جنات کی بھی توبہ قبول ہے' سوء سے مراد یا صرف گناہ ہیں یا کفر و گناہ سب کچھ اور گناہ میں گناہ صغیرہ و کبیرہ حقوق اللہ حقوق شریعت حقوق العباد سب شامل ہیں کہ توبہ سب سے ہو جاتی ہے' اگرچہ ہر گناہ کی توبہ مختلف ہے' کفر سے توبہ ایمان لانا ہے' حق العباد سے توبہ ان کا ادا کرنا ہے حق شرع سے توبہ قضاء شدہ عبادات کی قضاء و کفارہ ادا کرنا ہے' جہالت سے مراد بے علمی نہیں کہ جان بوجھ کر گناہ کی بھی توبہ ہو جاتی ہے بلکہ نا سمجھی' نادانی حماقت اور بے وقوفی ہے' جہل کے معنی نادانی بے وقوفی بھی ہیں' یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم نے گزشتہ حرکات جب کی تھیں **اذ انتم جھلون** جب تم نا سمجھ و نادان تھے: نیز یوسف علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ مولیٰ اگر تو نے مجھے ان عورتوں کے مکر سے نہ بچائے تو **اصب الیھن و اکن من الجھلین** میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادان بن جاؤں گا' رب تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا **انی اعظک ان تکون من الجھلین** ہم تم کو نصیحت فرماتے ہیں کہ آپ نادانوں میں سے نہ ہوں: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا **اعوذ باللہ ان اکون من الجھلین** میں نادانوں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں' والد یا استاد نا سمجھ بیٹے یا شاگرد کو کہتا ہے او جاہل! ایک شاعر کہتا ہے۔

الا لا یجهلن احد علینا فنجهل فوق جهل الجاهلین

ہم پر کوئی جہالت نہ برتے' ورنہ ہم اس پر جہالت سے زیادہ جہالت برتیں گے' بہرحال یہاں جہالت سے مراد بے علمی نہیں بلکہ بے وقوفی ہے' یہ بات خوب خیال میں رہے' اسی تفسیر سے تمام اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔ (کبیر و معانی و خازن وغیرہ) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو گناہ کرے وہ جاہل ہے' بیہقی نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی کہ رب تعالیٰ کا نافرمان جاہل ہے' اگر جاہل نہ ہوتا تو نافرمانی نہ کرتا عبدالرزاق و ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کی' کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے' جو کام رب تعالیٰ کو ناراض کرے وہ جہالت ہے' دانستہ ہو یا نادانستہ (روح المعانی و خازن) بلکہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو علم راہ حق نہ دکھائے وہ جہالت ہے' غرضیکہ یہاں جہالت کے وہ معانی ہیں جو ہم نے عرض کئے'

ثم یتوبون من قریب: ثم کے معنی فوراً بھی ہو سکتے ہیں اور پھر بھی **یتوبون** توبہ سے بنا' یہاں توبہ سے مراد ہر قسم کی توبہ ہے' جیسا گناہ ویسی توبہ۔ قریب سے مراد موت و علامات دیکھنے سے پہلے کا وقت ہے' من یا بمعنی فی ہے یا تبعیضیہ ہے یعنی پھر وہ موت سے پہلے وقت میں یا موت کے پہلے کے وقت میں سے کسی وقت توبہ کر لیتے ہیں گناہ پر مرتے نہیں' موت آ رہی ہے لہٰذا قریب ہے ہر آنے والی چیز قریب۔ خیال رہے کہ علامات موت دیکھ کر کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی' اور بعد موت گناہوں سے توبہ قبول نہیں' توبہ کا وقت زندگی ہے **فاولئک یتوب اللہ علیھم:** اولئک سے اشارہ انہیں توبہ کرنے والوں کی طرف ہے اگرچہ ان کا ذکر ابھی قریب ہی میں گزرا مگر ان کی عظمت ظاہر فرمانے کیلئے **اولئک** اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ جیسے **اولئک علی ھدی من ربھم** میں یا **ذالک الکتب لا ریب فیہ** میں گزرا توبہ سے مراد توبہ قبول فرمانا یا عذاب سے رحمت کی طرف رجوع فرمانا ہے کیونکہ اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے' علیٰ یہاں نقصان کیلئے نہیں بلکہ لزوم کیلئے ہے یعنی یہ توبہ کرنے والے لوگ ہیں جنکی توبہ رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور یہ قبولیت توبہ ان پر لازم ہو جاتی ہے' خیال رہے پچھلے جملہ میں قبول توبہ کا قانون بیان ہوا' یہاں اسی قانون کے اجراء کا ذکر ہوا لہٰذا کلام میں تکرار نہیں ارشاد ہوا کہ قبول توبہ کا قانون یہ ہے جرم ہو جہالت و نادانی سے' اور توبہ کر لی جائے موت سے پہلے' جو اس قانون کے مطابق توبہ کریگا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا **وکان اللہ علیما حکیما** یہ ان مذکورہ قانون اور قبولیت توبہ کی حکمت کا ذکر ہے یعنی توبہ کا قانون اس لئے رکھا کہ رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے' وہ جانتا ہے کہ میرے بندے ضرور گناہ کریں گے' کیونکہ ان کے ساتھ نفس امارہ شیطان لگا ہوا' ہے حکیم بھی ہے' اگر توبہ کا قانون نہ بناتا تو بندوں کی بخشش کی کوئی بھی سبیل نہ رہتی' علم و حکمت کی بنا پر توبہ کا قانون رکھا' خیال رہے کہ کان دوام و استمرار کیلئے ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرما لیا ہے کہ جو لوگ نادانی و حماقت سے گناہ کر لیں' پھر عنقریب یعنی موت سے پہلے پہلے توبہ کر لیں ان کی توبہ ضرور قبول فرمائی جائے' لہٰذا جو لوگ بھی اس قانون کے ماتحت توبہ کریں گے رب تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا' اس قانون توبہ میں ہزارہا حکمتیں ہیں' رب تعالیٰ جانتا ہے کہ بندے گناہ کریں گے' اگر توبہ کا قانون نہ ہو' تو ان کی بخشش کی کوئی راہ نہ رہے گی' اس لئے اس نے توبہ کا مسئلہ رکھا' رب تعالیٰ علیم بھی ہے حکمت والا بھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وعظ کے آخر میں فرمایا جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ

کرے رب تعالیٰ قبول فرمائے گا' پھر فرمایا جو موت سے ایک مہینہ پہلے توبہ کرے رب تعالیٰ قبول فرمائے گا' پھر فرمایا مہینہ بھی بہت ہے' جو موت سے ایک دن پہلے توبہ کرے رب تعالیٰ قبول فرمائے گا' پھر فرمایا دن بھی بہت ہے' جو موت سے ایک گھڑی پہلے توبہ کرے رب تعالیٰ قبول کریگا' پھر فرمایا گھڑی بھی بہت ہے' یہ فرما کر اپنے ہاتھ مبارک سے حلق شریف کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا جب جان یہاں آجائے جب بھی توبہ کرے تو قبول ہے۔ (روح المعانی) روح البیان نے یہی حدیث اس طرح بیان کی' حضرت جبریل نے بارگاہ نبوی میں لولا "ایک سال کی مدت بیان کی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سال تو بہت ہے پھر عرض کیا ایک الخ احمد و ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً" روایت کی' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ غرغرہ تک بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے: ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت ابو قلابہ نے فرمایا کہ ابلیس نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ جب تک بندے کی روح اس کے بدن میں رہے گی میں اس کے اندر رہوں گا' وہاں سے نکلوں گا نہیں' میرا نکلنا روح نکلنے کے بعد ہوگا' رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک بندے کی روح اس کے جسم میں رہے گی' اس پر توبہ بند نہ کروں گا' اس وقت تک اس کی توبہ قبول کروں گا ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ ملک الموت کے دیکھنے تک کا وقت قریب میں داخل ہے: حضرت عکرمہ فرماتے ہیں ساری دنیا ہی قریب ہے کہ قریب الفناء ہے (روح المعانی) غرضیکہ یہ آیت کریمہ بہت ہی ہمت افزا ہے' امید افزا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بڑے بڑے مجرم کو رب تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے' جب بھی رب تعالیٰ توفیق دے توبہ کرلے' یہ نہ خیال کرے کہ اتنی عمر تو گناہوں میں گزری اب توبہ کیا کریں۔

اے کہ پنجاہ رفت و خوابی مگر ایں پنج روز دریابی!

اے وہ جو پچاس سال غفلت میں گزار چکا' اب بھی سنبھل جا' شاید یہ آخری ساعتیں ہی کفارہ بن جائیں' یہ فائدہ التوبۃ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کفر و شرک نیز ہر گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے' کوئی بھی اپنے کو یقیناً دوزخی نہ سمجھے' توبہ کرے' یہ فائدہ بھی التوبۃ کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** توبہ کا وقت موت سے پہلے ہے' کفر سے توبہ غرغر سے پہلے ہو جانی چاہئے' اور گناہوں کی توبہ موت یعنی جان نکلنے سے پہلے' غرغرہ سے مراد علامات موت اور موت کے فرشتے دیکھنے کا وقت ہے جیسا کہ من قریب سے معلوم ہوا' فرعون نے ڈوبتے وقت کفر سے توبہ کی مگر قبول نہ ہوئی کہ اس کی یہ توبہ علامات موت دیکھنے کے بعد تھی۔ **چوتھا فائدہ:** جو توبہ قانون اسلامی کے مطابق ہو وہ ضرور بالضرور قبول ہوگی اس کا رد ہونا ناممکن ہے جیسا کہ علی اللہ سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ نے اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا اور علی اللہ فرما کر بتایا کہ یہ قبولیت ہم نے اپنے ذمہ کرم سے لازم کرلی ہے' پھر رد ہونے کا امکان کہاں رہا' مگر ہاں قانون کی پابندی ہم کو لازم ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جیسا گناہ ہو ویسی توبہ چاہئے' خفیہ گناہ کی خفیہ توبہ' علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ نیز کفر سے توبہ ایمان' قرض سے توبہ ادائے قرض' ترک نماز کی توبہ قضاء یا کفارہ سے کرنی چاہئے جیسا کہ یتوبون کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ کرنے والا جاہل ہے اگرچہ علم رکھتا ہو' بے گناہ یعنی گناہ سے بچنے والا جاہل نہیں اگرچہ علم نہ رکھتا ہو' جیسا کہ بجہالۃ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** گناہ بار بار کرنے سے اگرچہ کبیرہ بن جاتا ہے' مگر قابل معافی ہے' توبہ اس سے بھی کرے' جیسا کہ یعملون سے معلوم ہوا۔ آٹھواں

فائدہ: توبہ میں جلدی کرنا چاہئے کہ شاید یہ ہی موت کا وقت ہو' ہر سانس کے متعلق اندیشہ ہو سکتا ہے کہ وہ آخری سانس ہو' اس لئے توبہ میں جلدی کرے' جیسا کہ **من قریب** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: **علی اللہ** سے معلوم ہوا کہ توبہ قبول فرمانا رب تعالیٰ پر واجب و لازم ہے' حالانکہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں' اس سے بڑا کون ہے' جو اس پر کوئی چیز لازم کرے۔ **جواب:** رب تعالیٰ پر کوئی دوسرا کوئی چیز لازم نہیں کر سکتا' مگر وہ کریم اپنے کرم و مہربانی سے خود ہی اپنے ذمہ لازم کر لے' تو اس کی مہربانی ہے' کریم وعدہ کر کے ضرور ہی پورا کرتے ہیں' یہ لازم ہونا اس کی مہربانی کا ہے لہٰذا علی اللہ درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ اسی کی قبول ہے جو جہالت و بے علمی سے گناہ کرے' تو چاہئے کہ جان بوجھ کر گناہ کرنے والا نا قابل معافی ہو۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں جہالت سے مراد بے علمی نہیں بلکہ بے عقلی ہے' گنہگار ہے اور واقعی گناہ کرنے والا بیوقوف ہی ہوتا ہے' اگر عقل رکھتا تو گناہ کیوں کرتا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ اس کی قبول ہو گی جو گناہ کرتے ہی توبہ کر لے' توبہ میں دیر نہ لگائے' تو کیا پرانے پاپی کی توبہ قبول نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **من قریب** (آریہ) **جواب:** اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں قریب سے مراد موت ہے کہ انسان کی موت انسان سے بہت ہی قریب ہے لہٰذا موت سے پہلے پہلے توبہ قبول ہے' کفر و شرک سے توبہ تو علامات موت سے پہلے ہو جانی چاہئے' اور گناہوں سے توبہ روح بدن سے نکلنے سے پہلے ہو جانا ضروری ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اسلام نے توبہ کا قانون رکھ کر انسان کو گناہ پر دلیر کر دیا' جب مجرم کو خبر ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جائیں گے تو وہ خوب کریگا' سوچے گا کہ خوب گناہ کر لو' مرتے وقت توبہ کر لیں گے (ستیارتھ پرکاش) خیال رہے کہ آریہ اور ہندوؤں کے ہاں توبہ کوئی چیز نہیں' گناہ کی سزا بندہ کو ضرور بھگتنی ہے اور عیسائیوں کے ہاں توبہ کی کوئی ضرورت نہیں' عیسیٰ علیہ السلام کی سولی سب بندوں کے گناہوں کا کفارہ ہو چکی' یہ اعتراض آریوں کا ہے۔ **جواب:** توبہ کی امید ہی انسان کو گناہ سے روکتی ہے' جب پکڑ کا اندیشہ اور معافی کی امید ہو' تو انسان بہت احتیاط سے زندگی گزارتا ہے' اگر معافی سے ناامید کر دیا جائے' تو اور زیادہ گناہ کرتا ہے' سوچتا ہے کہ معافی تو ہونے کی نہیں' چلو دس بیس گناہ اور کرو' جب تک قتل کے ملزم کو پھانسی کی سزا نہیں ملتی' اسے جیل میں آزاد رکھا جاتا ہے کیونکہ اسے چھوٹ جانے کی امید ہوتی ہے' مگر پھانسی کا حکم ہونے پر اسے علیحدہ کال کوٹھڑی میں رکھتے ہیں' اور اسکی بہت نگرانی کرتے ہیں کہ اب یہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا' ممکن ہے کہ دو چار اور بھی قتل کر دے' غرضیکہ مایوسی گناہ پر دلیر کرتی ہے' یوں ہی معافی کا یقین گناہ پر ابھارتا ہے' امید و خوف گناہ سے بچاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نماز روزے کی طرح توبہ بھی ایک فرضی عبادت ہے مگر دیگر فرائض سے اہم فرض ہے' پھر جیسے دوسری عبادتوں کیلئے فرائض' واجبات' سنتیں' مستحبات' مکروہات ہیں ایسے ہی اس کیلئے بھی ہیں' اور جیسے دوسری عبادتوں کیلئے وقت مقرر ہے' ایسے ہی توبہ کے بھی اوقات ہیں' پھر جیسے نماز کیلئے بعض اوقات جواز ہیں' بعض اوقات مستحبہ ہیں' اور بعض اوقات مکروہہ' یہ ہی توبہ کا بھی حال ہے کہ اس کیلئے بعض اوقات مستحب ہیں' بعض مکروہ' بعض جائز' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ توبہ کی شرائط چار ہیں' گزشتہ جرموں پر دل سے نادم ہونا' فی الحال گناہ چھوڑ دینا' آئندہ سے گناہ سے بچنے کا عہد' یہ سب کچھ صرف رب تعالیٰ سے حیا و شرم کی وجہ سے ہونا' نہ کہ ریا و دکھلاوے کیلئے اور کچھ توبہ کے ارکان ہیں' زبان سے بھی دعائیہ کلمات

لوا کرنا' اپنے گناہ کا اقرار کرنا' اور جو گناہ قابل تلافی ہوں ان کا بدلہ و تلافی کر دینا بے نمازی توبہ کرے تو گزشتہ فوت شدہ نمازوں کی قضا کرے' مقروض توبہ کرے تو قرض لوا کرے' ظالم توبہ کرے تو مظلوم سے معافی مانگے وغیرہ توبہ کیلئے مستحب یہ ہے کہ توبہ کرنے والا رب تعالیٰ سے مایوس نہ ہو: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر بزرگان دین کے توسل سے توبہ کرے توبہ کے وقت آنکھوں سے اشک بہائے' دل خوف خدا سے بھرا ہوا ہو' ایسی توبہ تیر بہدف ہوتی ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کجا آب رواں سبزہ بود ہر کجا اشکے رواں رحمت بود
تانہ گرید ابر کے خندد چمن تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

جہاں پانی کی روانی ہوتی ہے وہاں سبزہ ہوتا ہے' جہاں آنسوؤں کی روانی ہوتی ہے وہاں رحمت الٰہی ہوتی ہے' بغیر بادل کے روئے چمن نہیں ہنستا' بغیر بچے کے روئے ماں کے پستانوں میں دودھ جوش نہیں مارتا۔ ایسی توبہ اکسیر ہے جو گناہوں کو نیکیاں بنا دیتی ہے' گناہگار کو ولی کر دیتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ملک برہم زن تو ادھم وار زود تا بیابی ہمچو او ملک خلود

اے اللہ کے بندے تو بھی حضرت ادھم سلطان خراسان کی طرح ملک درہم و برہم کر دے' تاکہ تجھے دائمی ملک کی سلطنت میسر ہو: حضرت ادھم کا واقعہ مشہور ہی ہے کہ آپ نے سلطنت خراسان پر لات ماردی تو رب تعالیٰ نے انہیں جانوروں' پانی' ہوا وغیرہ کائنات کا بادشاہ بنا دیا۔ مولانا عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مشو مغرور این ملک مزور نہ عزت ماندو نے مال و نے زر
اگر رنگت فروشوید ز رخسار خریدارت نباشد کس بہ بازار

اے انسان! اس ملمع شدہ دنیا پر نہ ہو' اس سے دھوکہ نہ کھا' نہ تیرے پاس عزت رہے گی۔ نہ مال نہ روپیہ پیسہ' اگر تیرے چہرے کا رنگ دھو دیا جائے' تو تجھے کوئی نہ پوچھے' یہ سب پوچھ چہرے کی رنگت کی ہے' بعد موت گلی کھوپڑی کے سر پر کوئی تاج نہیں رکھتا تیری حقیقت یہ ہے۔ (از روح البیان مع زیادہ)۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ
اور نہیں ہے وہ توبہ ان لوگوں کی جو گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے
اور وہ توبہ ان کی نہیں۔ جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو
اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ
ایک کو موت آتی ہے تو کہتا ہے میں نے توبہ کی اب اور نہ ان لوگوں کی جو مرتے ہیں
موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو

كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

کافر ہو کر یہ ہی لوگ ہیں کہ تیار کیا ہم نے انکے لئے عذاب دردناک
کافر مریں ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مقبول توبہ کا ذکر تھا اب مردود توبہ کا تذکرہ ہے تاکہ انسان پہلی قسم کی توبہ اختیار کرے' دوسری قسم کی توبہ سے بچے طبیب اپنے مریض کو استعمال والی دوائیں بھی بتاتا ہے اور پرہیزی غذائیں بھی کہ فلاں فلاں چیز سے پرہیز کرو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان خوش نصیب لوگوں کا ذکر تھا جن کی توبہ قبول ہوتی ہے' اب ان بدنصیبوں کا ذکر ہے جن کی توبہ رد ہو جاتی ہے' تاکہ ہم پچھلی جماعت میں سے بنیں اس جماعت سے نہ ہوں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں توبہ کے وقت کا ذکر تھا کہ موت سے پہلے توبہ کرلو' اب فرمایا جارہا ہے کہ وقت توبہ نکل جانے پر توبہ کی قضاء بھی ناممکن ہے' نماز پنجگانہ کی قضاء ہے مگر نماز عید ناقابل قضاء توبہ نماز عید کی طرح ناقابل قضاء عبادت ہے' وقت پر کرلو ورنہ پچھتاؤ گے' **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں شرائط قبول توبہ کا اجمالی ذکر تھا اب اس اجمال کی تفصیل ہے۔

شان نزول: ابن جریر نے حضرت ابو العالیہ سے روایت فرمائی کہ گزشتہ آیت مومن گنہگاروں کے متعلق اتری تھی اور اس آیت کا پہلا جملہ منافقین کے متعلق نازل ہوا' اور دوسرا جملہ **ولا الذین** کفار و مشرکین کے متعلق نازل ہوا (روح المعانی وخازن و تفسیر مدارک عن سعید ابن جبیر) تفسیر احمدی سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی آیت میں ان گنہگار مومنوں کا ذکر تھا جو موت سے پہلے توبہ کرلیں' انکی توبہ یقیناً قبول ہے جسکا وعدہ ہو چکا اور اس آیت کا پہلا جملہ ان گنہگار مومنوں کیلئے ہے جو مرتے وقت توبہ کریں' انکی توبہ مشیت پر موقوف ہے قبولیت کا وعدہ نہیں اور دوسرا جملہ کفار کے متعلق ہے' اسکے نزول کے متعلق اور بھی چند قول ہیں مثلاً ایک یہ کہ اس آیت کے پہلے جملہ سے مراد کفار ہیں' جو علامات موت دیکھ کر توبہ کریں مگر قبول نہیں' اور دوسرے جملہ سے مراد وہ کفار ہیں جو بغیر توبہ مرجائیں۔

تفسیر: **ولیست التوبۃ للذین یعملون السیات** : اگر یہ آیت کریمہ منافقوں کے متعلق ہے' تو توبہ سے مراد توبہ مقبول ہے' اس میں الف لام عہدی ہے' اور للذین تائبۃ کے متعلق ہو کر لیست کی خبر اس صورت میں **یعملون** دوام کیلئے ہے' اور **سیئات** یعنی گناہوں سے مراد ان کا نفاق ہے جو تمام گناہوں کی جڑ ہے' اور اگر آیت کریمہ کھلے کافروں کیلئے ہے تو توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے اور للذین مفیدا کے متعلق ہو کر لیست کی خبر اس صورت میں بھی **یعملون** دوام کیلئے ہے' اور سیئات سے مراد کفر و شرک اور تمام بدکاریاں ہیں اور اگر یہ جملہ گنہگار غافل مسلمانوں کیلئے ہے جو عمر بھر توبہ نہ کریں' مرتے وقت ہی توبہ کریں تو التوبۃ سے پہلے قبول پوشیدہ ہے اور للذین لازم کے متعلق ہو کر لیست کی خبر' **یعملون** اب بھی دوام کیلئے ہے' اور سیات سے مراد گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ' خلاصہ یہ ہے کہ اس جزء کے تین معنی ہوئے' ایک یہ کہ توبہ مقبول جس کا ابھی ذکر ہوا' ان منافقوں کو نصیب نہیں ہوتی' جو عمر بھر تو منافقت اور مسلمانوں سے چالبازیاں کرتے رہیں' دوسرے یہ کہ کفر سے توبہ

کر نالن لوگوں کیلئے مفید نہیں جو عمر بھر تو کفر و شرک و معاصی و گناہوں میں گزاریں' تیسرے یہ کہ قبولیت توبہ کا حتمی و یقینی وعدہ ان گناہگار مسلمانوں سے نہیں ہے جو عمر بھر گناہ کرتے ہیں کبھی توبہ کی طرف دھیان نہ دیں ساری عمر ہر قسم کے گناہوں میں گزاریں خیال رہے کہ ایک گناہ پر قائم رہنا اس سے توبہ نہ کرنا صد ہا گناہ بن جاتا ہے کہ گناہ پر اڑا رہنا بھی گناہ ہے' اور ہزار ہا گناہ جن سے فوری توبہ میسر ہو جائے' وہ گویا ایک ہی گناہ ہے' جو معاف ہو گیا اسی وجہ سے پچھلی آیت میں السوء واحد فرمایا گیا تھا اور یہاں السیئات جمع ارشاد ہوا (روح المعانی) کرم ہو جائے تو لاکھوں گناہ ایک بن جاتے ہیں' وہ بھی معاف ہو جاتے ہیں بلکہ نیکی میں تبدیل ہو جاتے ہیں' اور اگر کرم نہ ہو تو ایک گناہ لاکھوں بن جاتے ہیں' رحمت کا پانی پڑے تو لگی آگ بجھ جاتی ہے' ورنہ ایک ہی چنگاری سارے گھر کو آتش کدہ بنا دیتی ہے **حتی اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الئن:** **حتے** انتہا کیلئے ہے' اور یہ جملہ **یعملون** کی انتہاء ہے الموت سے مراد علامات موت ہیں جب کہ زندگی سے مایوسی ہو جائے اور ملک الموت و دیگر فرشتے دیکھ لئے جائیں جسے غرغرہ کہتے ہیں کہ اس وقت کفر و نفاق سے توبہ بالکل مردود ہے کہ اب ایمان بالشہادۃ یعنی دیکھ کر ایمان لا رہا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **الئن وقد عصیت قبل** اب دیکھ کر ایمان لاتا ہے' پہلے کفر و نافرمانی کرتا رہا اور اگر گناہگار مومن اس وقت توبہ کرے' تو اس کی قبولیت کا یقین نہیں' رب تعالیٰ نے وعدہ نہیں فرمایا' فرماتا ہے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** جسے چاہیں گے بخشیں گے' وہ آیات اس جملہ کی تفسیریں ہیں یعنی وہ آخر وقت تک گناہ کرتا حتی کہ جب اسے موت آنے لگی تو بولا اب میں توبہ کرتا ہوں' چونکہ یہ وقت ایک لحاظ سے آخرت میں داخل ہے' کہ آخرت میں پہلی منزل قبر کا دروازہ ہے' اور آخرت میں نہ توبہ قبول ہو نہ عمل' اس لئے اس وقت کفر کی توبہ قبول نہیں۔ (کبیر و معانی) **ولا الذین یموتون وهم کفار** یہ مردودین کی دوسری جماعت کا ذکر ہے واؤ عاطفہ ہے لا نفی کی تاکید کیلئے ہے' **الذین** سے پہلے توبہ پوشیدہ ہے یعنی نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو کفر کی حالت میں بغیر توبہ کئے مر جائیں' پھر بعد موت توبہ کریں روئیں پیٹیں **اولئک اعتدنا لهم عذابا الیما** اگر اس آیت کے پہلے جملہ میں منافقین یا کھلے کافر مراد تھے تو اولئک سے دونوں گروہوں کی طرف اشارہ ہے' اور اگر پہلے جملہ سے مراد گناہ گار غافل مسلمان تھے جو مرنے سے پہلے توبہ نہ کریں' تو اولئک سے صرف دوسری جماعت یعنی کفر پر مرنے والوں کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ **عذاب الیم** گناہگار مومن کو نہیں' اعتدنا کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں' لھم میں لام خصوصیت کا ہے الیم الم سے بنا بمعنی درد و تکلیف وہ' اس سے خاص درد اور خاص تکلیف مراد ہے' جو صرف کفار کو ہو گی ورنہ دوزخ میں تکلیف تو ہر اس شخص کو ہو گی جو وہاں سزا پانے کیلئے جائے اگر بالکل تکلیف نہ ہو تو عذاب کے کیا معنی؟ یعنی یہ دونوں قسم کے لوگ یا یہ آخری گروہ ہی وہ ہے جس کیلئے ہم نے نہایت ہی دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' خواہ دوزخ کا عذاب ہو جو حشر کے بعد ہو گا یا برزخ کا عذاب بھی جو مرتے ہی شروع ہو جائے گا' اے لوگوں اس عذاب سے ڈرو اور جلد توبہ کرو۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کی تین تفسیریں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں ہم یہاں خلاصہ میں صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں باقی دو تفسیریں تفسیر میں ملاحظہ فرماؤ' یہ توبہ مقبول جس کا ذکر ابھی پچھلی آیت میں کیا ان لوگوں کو میسر نہیں ہوتی' یا ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی' جو عمر بھر تو نفاق و کفر جیسے گناہ کرتے رہیں' عیاریوں' مکاریوں' چالاکیوں میں عمر گزار دیں' حتی کہ جب

انہیں موت آئے اور زندگی سے مایوس ہو جائیں' موت کے فرشتوں اور عذاب کو آنکھوں دیکھ لیں تو کہیں اب میں توبہ کرتا ہوں' کیونکہ یہ لوگ عذاب دیکھ کر توبہ کر رہے ہیں' اور بجائے غیب کے مشاہدہ پر ایمان لا رہے ہیں' نیز یہ وقت ایک لحاظ سے دنیا ہے کہ دنیا کی آخری منزل ہے' اور دوسرے لحاظ سے آخرت ہے کہ آخرت کی پہلی منزل یا اس کا دروازہ ہے اور آخرت نہ عمل کی جگہ ہے نہ توبہ کی' لہٰذا ان کی توبہ قبول نہیں' اور نہ ان بد نصیبوں کی توبہ قبول ہو' جو مرتے وقت بھی توبہ نہ کریں' کفر پر ہی مر جائیں' بعد موت پھر چیخیں چلائیں' یہ دونوں بدنصیب یعنی منافقین و کفار وہ ہیں جن کیلئے ہم نے نہایت دردناک تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے' ہر شخص کو چاہئے کہ اب عذاب سے ڈرتا رہے اور جہاں تک جلد ممکن ہو توبہ کر لے" آج رب تعالیٰ فرما رہا ہے توبہ کر لو مگر بندے نہیں مانتے' کل بندے کہیں گے مولیٰ ہماری توبہ ہے مگر رب تعالیٰ نہ مانے گا۔

آج لے ان کی پناہ آج حیا کر ان سے کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے' **پہلا فائدہ:** مجرم تین قسم کے ہیں اور ان کے تین ہی حالات ہیں' ایک وہ گناہگار مسلمان جو موت سے پہلے توبہ کر لیں' ان کی توبہ انشاء اللہ یقیناً قبول ہے' دوسرے وہ غافل مسلمان جو عمر بھر گناہ کرتے رہیں' مرتے وقت توبہ کریں' غرغرہ یا جانکنی کی حالت میں ان کی مقبولیت یقینی نہیں' رب تعالیٰ کی مشیت پر ہے قبول فرمائے یا نہ فرمائے' تیسرے وہ کفار جو کفر پر ہی مر جائیں' وہ یقیناً دوزخی ہیں ان کی توبہ یقیناً غیر مقبول' جیسا کہ اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** بحالت غرغرہ جب غیب منکشف ہو جائے نہاں عیاں بن جائے' تب نفاق و کفر سے توبہ قبول نہیں' اس وقت گناہوں سے توبہ قبول ہو سکتی ہے' جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جس گناہ سے توبہ نصیب ہو جائے وہ بڑا بھی ہو تو چھوٹا ہے' زیادہ بھی ہوں تو تھوڑے بلکہ بالکل نہیں' اور جب گناہ سے توبہ نصیب نہ ہو تو وہ ایک بھی ہو تو زیادہ ہے' چھوٹا بھی ہو تو بڑا ہے' جیسا کہ پچھلی آیت میں حسنہ اور یہاں سیات فرمانے سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حالت غرغرہ کی توبہ قبول ہے' مگر اس وقت کا ایمان قبول نہیں' جیسا کہ اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' جب محشر میں بھی شفاعت و معذرت گناہگاروں کیلئے قبول ہو سکتی ہے' تو اس وقت بھی قبولیت کی امید ہے۔ (تفسیر کبیر) **پانچواں فائدہ:** گناہگار مسلمان میت کو ایصال ثواب کرنا مفید ہے' کفار کو مفید نہیں بلکہ انہیں ثواب پہنچانا حرام ہے' جیسا کہ اعتدنا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کو مرحوم یا رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہنا حرام ہے کہ اس میں ان کیلئے دعائے رحمت ہے اور وہ لعنت میں گرفتار ہیں' جیسا کہ اعتدنا سے معلوم ہوا' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مشرکین و کفار کے مرنے پر ان کیلئے **مرثیے لکھیں**' جس میں انہیں جنت باشی یا بیکنٹھ واس کہیں یا اس کی سمادھ پر فاتحہ خوانی کریں یا ان کی موت کے دن قرآن پاک پڑھیں' محض مشرکین کی خوشامد میں۔ **ساتواں فائدہ:** دوزخ پیدا ہو چکی ہے اور وہاں کے درجات دوزخیوں کے نامزد ہو چکے ہیں' جیسا کہ اعتدنا ماضی فرمانے سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** دوزخ کے تمام قسم کے عذاب بھی پیدا ہو چکے ہیں' آگ' سانپ' بچھو' کھولتا پانی وغیرہ جیسا کہ **عذابا الیما** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** دوزخ بنی ہے صرف کفار کیلئے' اگرچہ کفار کے سے اعمال کرنے والے مومن گناہگار بھی وہاں کچھ روز کیلئے رکھے جائیں' دوزخ گناہگاروں کی منزل ہے' کفار کا اصلی ٹھکانہ جیسے بھٹی سونے کی منزل ہے' کوئلے کی اصلی جگہ۔ جیسا کہ لھم سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** کفار کیلئے مذکورہ عذاب جب

ہے جبکہ وہ کفر پر مرجائیں' اگر عمر بھر کوئی کفر کرے مگر مرنے کے قریب مومن ہوجائے اور ایمان پر مرے وہ رحمت الٰہی کا مستحق ہے جیسا کہ **یموتون** سے معلوم ہوا' ایسے ہی ایمان کا معاملہ ہے کہ کوئی عمر بھر مومن متقی پرہیزگار رہے مگر مرتے وقت کافر ہو کر مرے وہ اسی دوزخ کا مستحق ہے' اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اور سب کے صدقہ مجھ گناہگار کو ایمان پر موت نصیب فرمائے' خاتمہ کا وقت ہی نچوڑ کا ہے: حضرت یوسف و موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا تھا **توفنی مسلما والحقنی بالصلحین** اے مولیٰ مجھے اسلام و ایمان پر موت نصیب کر اور صالحین کا ساتھ' پھر ہم تم کس شمار میں ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فاسق مسلمان جو مرتے وقت توبہ کرے اسکی توبہ قبول نہیں' اور وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں دو گروہوں کا ذکر کیا' ایک وہ مسلمان جو عمر بھر گناہ کرتے رہیں' مرتے وقت توبہ کریں' دوسرے وہ جو کافر ہو کر بغیر توبہ مرجائیں' ان دونوں کیلئے فرمایا **واعتدنا لھم عذابا الیما** ان تمام کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے معلوم ہوا کہ مومن گناہگار اور کفار دونوں ہمیشہ فی النار ہیں۔ (معتزلی)۔ نوٹ: فرقہ معتزلہ فاسق و کافر میں فرق نہیں کرتے "گناہگار مسلمان کو کفار کی طرح ناقابل بخشش مجرم مانتے ہیں' اور ہمیشہ کا دوزخی ان کے بہت دلائل ہیں' یہ آیت ان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جواب: اس کے چند جواب تفسیر میں دیئے گئے کہ یا تو **للذین یعملون السیات** سے مراد منافقین و کفار ہیں جو مرتے وقت غرغرہ کی حالت میں کفر سے توبہ کریں' اور سیئات سے مراد کفر و شرک ہیں یعنی دل کے گناہ جیسا کہ تفسیر مدارک و روح المعانی و خازن کے حوالہ سے عرض کیا گیا' تب تو آیت کریمہ واضح ہے اور یا للذین سے مراد گناہگار مسلمان ہیں اور سیئات سے مراد ان کے چھوٹے بڑے گناہ' تب للذین کا متعلق لازم ہے' یعنی ایسے گناہگار کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں قبول کریں یا نہ کریں اور **اولئک** سے اشارہ صرف کفار کی طرف ہے کہ وہ ہی قریب میں مذکور ہوئے' اس صورت میں یہ آیت کریمہ دوسری آیات شفاعت یا آیات رحمت کے خلاف نہ ہوگی' تمہاری تفسیر کی بناء پر یہ آیت تمام آیات مغفرت' آیات رحمت' آیات شفاعت کے خلاف ہوگی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وللکفرین عذاب الیم** صرف کفار ہی کو دردناک عذاب ہے' اور فرماتا ہے اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو' اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیگا: اور فرماتا ہے کہ قیامت میں کافروں کا شفیع کوئی نہیں ہوگا' غرضیکہ بہت سی آیات ہیں جن میں گناہگاروں کی مغفرت و شفاعت کا ذکر ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو جماعتوں کی توبہ مردود ہونے کا ذکر ہے' ایک وہ کہ **حضر احدھم الموت** دوسری وہ ہے کہ **ماتوا وھم کفار**' ان دونوں آیتوں میں فرق کیا ہے؟ جسے موت آجائے وہ مرجاتا ہے' نیز موت آچکنے کے بعد توبہ کیسی؟ جواب: پہلے جملہ **حضر احدھم الموت** میں موت آجانا مراد نہیں بلکہ علامات موت ظاہر ہونا مراد ہے' قرآن کریم علامات موت نمودار ہونے کو موت آنا فرماتا ہے' چنانچہ ارشاد ہے **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت**: تم پر ضروری ہے وصیت کرنا' جب کسی کو موت آئے' دیکھو وصیت موت آجانے پر نہیں ہوتی' علامات موت دیکھنے پر ہوسکتی ہے جسے موت کی حاضری قرار دیا گیا۔ تیسرا اعتراض: ان آیات میں ایک جماعت کا ذکر رہ گیا' جو مسلمان گناہگار ہوں اور کبھی توبہ نہ کریں' ان کے متعلق کیا حکم ہے' بہت سے گناہگار بغیر توبہ مرجاتے ہیں۔ جواب: ان کا حکم دوسری آیت میں ہے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء**: رب تعالیٰ کفر و شرک کو تو نہ بخشے گا اس کے

سواء جس گناہگار کو چاہے بخش دیگا' وہ لوگ مشیت میں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ صحیح توبہ کرنے والے انشاء اللہ ضرور بخشے جائیں گے 'بغیر توبہ کفر پر مرجانے والے ہرگز نہ بخشے جائیں گے 'بغیر توبہ گناہگار ایمان پر مرنے والے تحت مشیت ہیں بخشے جائیں یا گناہوں کی سزا پائیں (تفسیر کبیر) **چوتھا اعتراض:** اس آیت کے آخری جملہ میں ارشاد ہوا کہ نہ ان کی توبہ قبول ہو جو کفر پر مر جائیں 'کفر پر مرجانے والے توبہ کب کریں گے جو قبول نہ ہو گی 'انہیں تو بعد موت توبہ کی اجازت ہی نہ ہو گی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یوذن لھم فیعتذرون** انہیں عذر و معذرت کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ **جواب:** یہ کفار قیامت میں بہت چیخیں گے چلائیں گے' دنیا میں واپس آنے کی درخواست کریں گے 'گزشتہ کفر کا انکار بھی کریں گے 'اور معذرت و توبہ بھی' یہ تمام باتیں بہت سی آیات میں مذکور ہیں' کہیں گے **رب ارجعون لعلی اعمل صالحا** اے مولیٰ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے تاکہ نیک کام کریں' عرض کریں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے وغیرہ تمہاری پیش کردہ آیت میں ایک خاص وقت کا ذکر ہے کہ جب کفار اپنے ہاتھ پاؤں کی گواہی پا کر مجرم قرار دے دیئے جائیں گے اور ان کا حساب و کتاب ہو کر انہیں دوزخ میں جانے کا حکم ہو جائیگا تب انہیں میدان محشر میں عذر و معذرت کی اجازت نہ ملے گی' غرضیکہ ان کے معذرت کرنے کا وقت اور ہے 'اور چپ ہو جانے کا وقت اور' لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کافر مملکت الٰہیہ کا غدار ہے' اس کے تمام برے بھلے کام سیئات یعنی گناہ ہیں' وہ کھاتا ہے تو گناہ کرتا ہے' سوتا ہے تو مجرم ہے چلتا پھرتا ہے تو مجرم ہے' کیونکہ جیسے زہر ساری دیگ کو زہر بنا دیتا ہے' ایسے ہی کفر ساری عادات بلکہ عبادات کو معصیت کر دیتا ہے' فرمایا گیا کہ ہم ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں فرماتے' جو ہر وقت ہر آن گناہ کرتے رہتے ہیں جن کی ہر حرکت و سکون ہر جنبش گناہ ہے' پھر جب عذاب اور عذاب کے فرشتوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں الٰہی توبہ اس لئے کہ انہوں نے پیغمبر کا کہا نہ مانا' اپنی آنکھوں کا دیکھا مانا۔ ایمان تو ان کا قبول ہے جو پیغمبر پر ایمان لائیں' نیز وہ لوگ بھی لائق بخشش نہیں جو مرتے وقت بھی توبہ نہ کر سکیں بعد مرے روئیں چلائیں' کیونکہ ہر کام کا ایک وقت ہے' توبہ کا بھی ایک وقت ہے' بے موسم بوئے ہوئے کھیت میں دانہ نہیں لگتا' بے وقت کی ہوئی توبہ میں قبولیت کا پھل نہیں لگتا' اگر قبولیت چاہتے ہو تو اب زندگی میں توبہ کر لو کہ ابھی وقت ہے' زندگی کی توبہ کایا پلٹ دیتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

گر سیہ کر دی تو نامہ عمر خویش توبہ کن زانہا کہ کر دستی تو پیش
توبہ آرند و خدا توبہ پذیر امر او گیرند واو نعم الامیر

اگر تو نے اپنی عمر کا دفتر گناہوں سے کالا کر لیا ہے' تو بھی توبہ کر کہ توبہ کا صابن سیاہ کو سفید کر دیتا ہے' تیرے گناہوں سے رب تعالیٰ کی رحمتیں زیادہ ہیں صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں توبہ میں دیر لگانے والوں کو توبہ نہ کرنے والوں کے زمرہ میں بیان فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ توبہ میں ڈھیل کرنا توبہ نہ کرنے کی طرح برا ہے' اس لئے توبہ میں جلدی کرنا چاہئے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہیں حلال ہے واسطے تمہارے یہ وارث ہو جاؤ تم عورتوں کے جبراً اور نہ

اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور انہیں روکو نہیں اس

تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ
روکو تم انہیں تاکہ لے جاؤ تم بعض وہ جو دیا ہے تم نے ان کو مگر یہ کہ لائیں
نیت سے کہ جو مہر ان کو دیا تھا اس میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح
بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ
بے حیائی کھلی ہوئی اور برتاؤ کرو ان سے بھلائی کے ساتھ پس اگر نہ پسند کرو تم انہیں
بے حیائی کا کام کریں اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں
فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـٴًـا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾
تو قریب ہے یہ کہ ناپسند کرو تم کسی چیز کو اور بنادے اللہ اس میں بھلائی بہت
تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں وارث عورتوں کو ان کا حق ورثہ دینے اور انہیں وارث بنانے کا ذکر تھا' درمیان میں توبہ کا ذکر ہوا' اب خود عورتوں کے وارث نہ بن جانے کا حکم ہے یعنی پہلے کہا گیا تھا کہ انکو وارث بناؤ' اب فرمایا جارہا ہے کہ جبراً انکی جان کے وارث نہ بن جاؤ۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں حکم تھا کہ بدکار عورتوں کو گھروں میں قید کردو' اب فرمایا جارہا ہے کہ اس قید کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ان کے مالک اور ان کی جانوں کے وارث بن جاؤ' قید کرنا اور ہے اور ان کا وارث و مالک بن جانا کچھ اور' گویا یہ آیت کریمہ اُن کی قید کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو کافر مرجائیں ان کی بخشش نہیں' اب فرمایا جارہا ہے کہ کفر کے معنی صرف یہ ہی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا انکار کیا جائے' بلکہ انکے احکام کا انکار بھی کفر ہے' جو لوگ اب بھی عورتوں کے مالک و وارث بنیں اور انکے شرعی حقوق کا انکار کریں وہ بھی کافر ہیں اور ناقابل بخشش' گویا پہلے کفر کا اجمالی ذکر تھا اب اس کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (1) ابن جریر و ابن ابی حاتم نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص مرجاتا تو اس کے وارث مرد اس کے مال کے ساتھ اس کی بیوی کے بھی مالک بن جاتے تھے کہ اس کی بیوی کا دیور یا اس کا سوتیلا بیٹا اس بیوہ پر کوئی چادر وغیرہ ڈال دیتا اور کہتا کہ میں اس کا بھی آج سے مالک ہو گیا پھر اگر چاہتا تو کسی سے اس کا نکاح کرا دیتا' جس کا مہر خود لیتا' ورنہ اسے اپنے گھر ہی میں لونڈی کی طرح خادمہ بنا کر رکھتا' اس کے روکنے کیلئے آیت کریمہ کا پہلا حصہ کرھا' تک نازل ہوا' کبھی خود دیور اس سے نکاح کرتا مگر بغیر مہر کے اور کہتا کہ جو میرا بھائی مہر دے چکا ہے وہ کافی ہے (تفسیر روح المعانی' خازن' جلالین و خزائن وغیرہ)۔ (2) ابن منذر نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ قبیلہ انصار کی ایک بی بی حضرت کبشہ بنت معن ابن عاصم حضرت ابو قیس ابن اسلت کے نکاح میں

تھیں کہ بیوہ ہو گئیں' ابو قیس کے بیٹے نے جو دوسری بیوی سے تھا ان پر قبضہ کر لیا' وہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر فریادی ہوئیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیوہ ہو گئی ہوں مگر نہ تو اپنے خاوند کی وارث ہوئی' اور نہ مجھے نکاح ثانی کرنے کا حق ملا' اب میں بقیہ زندگی کیسے گزاروں؟ تب اس آیت کریمہ کا پہلا جملہ نازل ہوا۔ (معانی' خازن' وغیرہ)۔ (3) امام زہری فرماتے ہیں کہ بعض خاوند جن کو اپنی بیویاں ناپسند ہوتی تھیں' تو وہ انہیں نہ تو اچھی طرح بساتے ہی تھے اور نہ انہیں طلاق ہی دیتے تھے بلکہ ان کی موت کا انتظار کرتے تھے تاکہ ان کے گھر ان کے نکاح میں وہ عورت فوت ہو' اور اس کی تمام میراث یہ لیں ان کو اس ظلم سے روکنے کیلئے اس آیت کریمہ کا دوسرا جملہ **ولا تعضلوهن** الخ نازل ہوا (معانی وغیرہ) 4 زمانہ جاہلیت میں بعض ظالم خاوند اپنی بیویوں کو طلاق دیتے' جب عدت قریب الختم ہوتی تو رجوع کر لیتے ایسے ہی سالہا سال تنگ کرتے رہتے' کیونکہ ان کے ہاں طلاق کی تعداد مقرر نہ تھی' اس صورت میں یہ عورت نہ تو اس کے گھر ہی آباد ہوتی کہ مطلقہ ہے اور نہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی کہ اس کی عدت پوری نہ ہونے دی جاتی' غرضیکہ اس کی زندگی برباد کر دیتے' ان تمام ظالم خاوندوں کو اس ظلم سے روکنے کیلئے آیت کریمہ کا آخری جز **ولا تعضلوهن** الخ نازل ہوا (خزائن العرفان): ان واقعات سے موجودہ زمانہ کے ان ظالم خاوندوں کو عبرت لینی چاہئے' جنہوں نے اپنی بیویوں کی زندگی وبال کر رکھی ہے' یہ لوگ ان ہی ظالم کفار مکہ کے نقش قدم پر ہیں' یاد رکھو کہ قیامت قریب ہے اللہ حسیب ہے۔

تفسیر: **یایها الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرها** چونکہ عورتوں پر مذکورہ بالا ظلم اہل عرب کی عادت بن چکے تھے جن پر وہ صدیوں سے کاربند تھے ان ظلموں کا ان سے چھوڑنا سخت دشوار تھا' اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو پکارا پھر حکم سنایا' تاکہ اس نداء کی لذت سے یہ کام چھوڑنا ان پر آسان ہو جائے' نیز یہ احکام بھی مسلمانوں پر ہی جاری ہیں' کفار کو ان کے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی' اس لئے مسلمانوں سے خطاب فرمایا: **لا یحل** حلال سے بنا حرام کا مقابل' جب یہ کام حلال نہ ہوا' تو لامحالہ حرام ہوا' لکم اور ترثوا میں خطاب ان کے وارثوں سے ہے' جو میت کے بعد اس کے مال کی طرح اس کی بیوی پر بھی قبضہ کر لیتے تھے' اور اسے بجائے میراث دینے کے میراث بنا لیتے تھے۔ النساء عربی میں مضاف الیہ کے عوض ہے' اصل عبارت یوں تھی **نساء اموا تکم** اور ان سے میت کی بیویاں مراد ہیں' کرھا ہماری قرأت میں کاف کے فتح سے ہے' مگر عاصم اور ابن عامر نے کرھا کاف کے پیش سے پڑھا' کرہ کاف کے پیش سے مجبور کرنا' اسی سے ہے اکراہ اور کرہ کاف کے فتح سے ناپسندیدگی اسی سے ہے کراہیت' یہاں کرھا یا تو ترثوا کی ضمیر انتم سے حال ہے۔ بمعنی کارھین اور یا نساء سے حال بمعنی مکروہات یعنی اے مسلمانوں تم میت کی عورتوں کے جبراً وارث نہ بنو یا ان کو مجبوراً میراث نہ بناؤ کہ وہ اس پر راضی نہ ہوں اور تم ان پر قبضہ کر لو ہاں اگر تم انہیں گھروں میں رکھنے پر راضی ہو اور وہ عورتیں رہنے پر راضی ہوں تو رہیں تم رکھو' اس لئے کرھا کی قید لگائی' بعض عورتیں مرحوم خاوند کے بعد گھر سے عمر بھر نہیں نکلتیں' انہی کے نام پر بیٹھی رہتی ہیں' وارثین بھی ان کے رہنے پر خوش ہوتے ہیں' اس صورت میں کسی پر گناہ نہیں **ولا تعضلوهن** یہ دوسری ممانعت ہے یا تو اس میں بھی خطاب میت کے وارثوں سے ہے یا خاوندوں سے' تعضلوا کا مادہ عضل ہے بمعنی تنگی' کہا جاتا ہے **عضلت المراۃ بولدها** عورت پر بچے کی پیدائش تنگ و دشوار ہو گئی' مشکل معاملہ کو معضل کہا جاتا ہے **عضلت الارض باهلها** زمین اپنے باشندوں پر تنگ ہو گئی' یہ لا یا تو نہی کا ہے یا زائدہ ہے تاکید کیلئے اور **لا تعضلوا** گزشتہ **لا ترثوا** پر معطوف' یعنی ان کو تنگ نہ کرو یا نہ

تمہیں یہ حلال ہے کہ ان عورتوں کو تنگ کرو' یعنی اے وارثو! بیوہ عورتوں کو تنگ نہ کرو کہ نہ انہیں بسانہ نکاح کرنے دو یا اے خاوندو! عورتوں کو اپنی بیویوں کو طلاق و رجوع سے تنگ نہ کرو یا اے خاوندو! اپنی بیویوں کو تنگی نہ دو **لتذ هبوا ببعض ما اتیتموهن** یہ جملہ تعضلوا کی علت ہے' اگر اس میں خطاب میراث کے وارثوں سے ہے۔ تو ما سے مراد میراث کا وہ حصہ ہے جس کی مستحق میت کی بیوی ہے' اور اگر خطاب خاوند سے ہے تو ما سے مراد مہر یا وہ عطیہ ہے جو خاوند بیوی کو دیتا ہے' یعنی اے وارثو! مرحوم بیوہ کو نکاح سے اس لئے نہ روکو اور انہیں اس نیت سے تنگ نہ کرو کہ وہ تم کو تمہارا دیا ہوا مہر واپس کر دیں اور جو کچھ تم نے انہیں عطیے دیئے ہیں وہ تم کو لوٹا دیں' یہ سخت ظلم و جرم ہے **الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ** یہ جملہ **لا تعضلوا** سے مستثنیٰ ہے' یہاں **فاحشۃ مبینۃ** سے مراد زبان درازی' خاوند کی نافرمانی وغیرہ ہے' اس صورت میں یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں حضرت ابی ابن کعب عبداللہ ابن مسعود وغیرھم صحابہ کا یہی قول ہے' مگر ابن جریر نے حضرت حسن سے روایت کی کہ **فاحشۃ مبینۃ** سے مراد زنا و بدکاری ہے' اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے کہ جیسے پہلے پہلے زانیہ کو گھر میں قید کر دینے کا حکم تھا ویسے ہی زانیہ کو مہر واپس لے کر چھوڑ دینے کا بھی حکم تھا' زنا کی سزا مقرر ہو جانے سے دونوں حکم منسوخ ہو گئے' مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے (روح المعانی' خازن' کبیر' روح البیان وغیرہ) مبینۃ ی کے فتح سے بھی ہو سکتا ہے' اور ی کے کسرہ سے بھی' ہماری قرات ی کے کسرہ سے ہے' یعنی ہاں اگر عورتیں تیز زبان' نافرمان' بد خلق ہو جائیں تو اے خاوندو! تم کو اجازت ہے کہ تم مہر واپس لے کر انہیں طلاق دو' اس طرح کہ عورت خلع کرے' اس صورت میں خلع کے تم گنہگار نہ ہو گے **وعاشروهن بالمعروف** یہ تیسرا حکم ہے اور اس میں بھی خاوندوں کو خطاب ہے۔ عاشروا معاشرت سے بنا جس کے معنی بارہا عرض کیے جا چکے ہیں' اس کا مصدر معاشرت ہے مادہ عشر جس کے معنی ہیں کمال و خوبی' دس کو عشر اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہاں دہائی پوری ہو جاتی ہے کنبہ کو عشیرہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے کنبے کی وجہ سے کامل ہوتا ہے اور اس کی زندگی بخوبی گزرتی ہے۔ (غیاث) اب اصطلاح میں اچھے برتاؤ اور بہترین مخالطت' ھن سے مراد بیویاں ہیں اور معروف سے مراد ہر اچھا طریقہ گفتگو' اچھی زندگی باری میں انصاف' روزی میں برابری ہے' یعنی اے خاوندو اپنی بیویوں سے وہ برتاوے کرو جو شرعاً" جانے پہچانے ہوں' اچھے ہوں' یہ ایک کلمہ ساری تدبیر منزل کو لئے ہوئے ہے **فان کرهتموهن** یہ چوتھی بات فرمائی جا رہی ہے' اس میں خطاب خاوندوں سے ہے اور ھن سے مراد بیویاں' کر ھتم کرہ سے بنا' معنی ناپسندیدگی اور اس سے مراد وہ ناپسندیدگی ہے جو خاوند کے دل میں پیدا ہو جائے' عورت کا اس میں کوئی قصور نہ ہو' جیسے عورت کی شکل پسند نہ آنا وغیرہ یعنی اگر تم عورت کی شکل و صورت یا کسی وجہ سے خود بخود اسے ناپسند کرو' تو ہرگز ہرگز طلاق میں جلدی نہ کرو' کیونکہ **فعسی ان تکرهوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا** یہاں ف جزائیہ نہیں' اور نہ یہ جملہ گزشتہ مذکورہ شرط کی جزاء ہے' اس کی جزاء تو پوشیدہ ہے' یہ اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے اور ف تعلیلیہ شیئا سے مراد مطلقاً چیز ہے۔ جس میں عورت بھی داخل ہے یا مراد ایسی عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنا ہے اور خیر کثیر سے مراد اجر و ثواب اور اچھی اولاد ہے۔ جو ماں باپ کیلئے توشہ آخرت بنے' یعنی اگر بیویاں تمہیں ناپسند ہوں تو انہیں جلد طلاق نہ دو' خلع نہ کراؤ بلکہ صبر سے کام لو کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو مگر اس ناپسند چیز سے تمہیں رب تعالیٰ بہترین نعمت دے دے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا اجمالاً صرف ایک تفسیر عرض کی جاتی ہے کہ **لا یحل لکم** میں تو میت کے وارثوں سے خطاب ہے اور **لا تعضلوھن** میں خاوندوں سے 'اے مسلمانو! تمہارے واسطے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم اپنے کسی عزیز کی فوتیدگی کے بعد اس کے مال کے ساتھ اس کی بیوی کے بھی جبراً وارث بن جاؤ کہ اس کی بیوہ کو اپنے قبضہ میں کرلو کہ چاہو تو جبراً اسے نکاح میں لے آؤ اور چاہو تو دوسرے سے نکاح کردو اور اس کے مہر پر خود قبضہ کرلو اور چاہو تو اسے یوں ہی گھر میں بٹھا رکھو' یہ صریحی ظلم ہے ہرگز جائز نہیں' اب وہ اپنے نفس کی مختار ہیں اور اے خاوندو تم اپنی بیویوں کو اس نیت سے تنگ نہ کرو کہ وہ تمہارے پنجہ ظلم سے تنگ آکر خلع کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ کہ تمہارا دیا ہوا کل یا بعض مہر وعطیے تمہیں واپس دے دیں اور تم سے طلاق حاصل کریں یہ بھی ظلم ہے' ہاں اگر تمہاری بیویاں زبان درازی کریں' تمہاری نافرمانی کریں تو ان کی اصلاح کیلئے ان پر سختی کرسکتے ہو کہ یہ ظلم نہیں' بلکہ عورت کی تربیت و تعلیم ہے اور خیال رکھو کہ اپنی بیویوں سے ہمیشہ اچھا برتاؤ کرو جیسا کہ شریعت نے تم کو حکم دیا ہے' اور اگر تم کو اپنی بیویاں صورت وغیرہ کی وجہ سے ناپسند ہوں' تو ان کی طلاق میں جلدی نہ کرو' انہیں نباہنے کی کوشش کرو۔ بہت ممکن ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو اور رب تعالیٰ اسی میں سے تمہیں بڑی چیز دے دے' ہوسکتا ہے کہ اس ناپسند بیوی سے تمہیں ایسا نیک و صالح بیٹا دے جو تمہارے لئے دین و دنیا میں بابرکت ہو اس لئے صرف صورت کو نہ دیکھو انجام پر نظر رکھو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خاوند کے فوت ہونے کے بعد بالغہ عورت اپنے نفس کی مختار ہے' کسی کو اس پر جبر کرنے کا حق نہیں' صرف عدت میں وہ پابند ہے' وہ بھی شریعت کی طرف سے' نہ کہ کسی اور کی طرف سے' بعد عدت وہ مختار ہے' جیسا کہ **لا یحل لکم ان ترثوا** الخ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** بالغہ عورت اپنے مہر وغیرہ کی خود ہی مالک ہوگی' کسی کو مہر چھین لینے کا حق نہیں' یہ بھی **ان ترثوا** سے معلوم ہوا حتیٰ کہ کنواری بالغہ کا مہر بھی اسی کا حق ہے' ماں باپ وغیرہ نہیں لے سکتے۔ **تیسرا فائدہ:** بالغہ عورت کو کوئی شخص نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا' بلکہ وہ اگر بغیر مرضی ورثاء اپنا نکاح کرے جب بھی درست ہے کہ خود مختار ہے' یہ فائدہ بھی ان ترثوا سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جب زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اسے خلع کے ذریعے عورت سے مہر وغیرہ واپس لینا ممنوع ہے بلکہ بغیر خلع ہی طلاق دے' جیسا کہ **لتذھبوا** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بیوی کو نان نفقہ یا برتاوے کی تنگی دینا حرام ہے' اگر موافقت نہ ہوسکے تو طلاق دے دے' مگر اسے تنگ کرکے نہ رکھے۔ جیسا کہ **لا تعضلوھن** الخ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** خلع میں صرف مہر ہی واپس لے بلکہ بہتر یہ ہے کہ سارا مہر بھی واپس نہ لے' بعض مہر واپس لے' جیسا کہ **ببعض ما** الخ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** زبان دراز' نافرمان عورت کو سختی سے تربیت و تعلیم دے سکتے ہیں' خاوند عورت کی اصلاح کرتا ہے جیسا کہ **الا ان یاتین** الخ سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مرد عورت کا حاکم ہے' اس کی اصلاح کرے' عورت مرد کی حاکم نہیں' اس کے ذمہ مرد کی اصلاح نہیں' جیسا کہ **الا ان یاتین** الخ سے معلوم ہوا' ہاں بعض بیویاں نہایت نرمی و تدبیر سے اپنے خاوند کی اصلاح کرلیتی ہیں' ان کا یہ عمل بہت مقبول ہے مگر سختی سے اصلاح کرنا ان کے ذمہ نہیں۔ **نواں فائدہ:** فاسقہ عورت کو طلاق دے دینا واجب نہیں' بہتر یہ ہے کہ اسے نکاح میں رکھے اور اس کی اصلاح کرے' یہ فائدہ بھی **الا ان یاتین** الخ سے

معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: عورت پر بلاوجہ بدگمانی نہ کرے بغیر تحقیق اسے برا نہ سمجھے جیسا کہ **مبینۃ** سے معلوم ہوا۔ گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کبھی بدشکل' بدخلق بیوی سے اچھی اولاد عطا فرماتا ہے' جس سے ماں باپ دین و دنیا میں سرخرو ہو جاتے ہیں' جیسا کہ **خیرا کثیرا** سے معلوم ہوا۔ بارھواں فائدہ: نیک صالح اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے' جسے اچھی اولاد ملی اسے دونوں جہان کی خیر مل گئی' یہ فائدہ بھی **خیرا کثیرا** سے حاصل ہوا کہ اسے رب تعالیٰ نے خیر بھی فرمایا اور کثیر بھی۔ تیرھواں فائدہ: امیر آدمی کو چاہئے کہ عورت کو خادمہ بھی دے' جبکہ وہ بڑے امیر گھرانے کی ہو کہ **عاشروھن بالمعروف** میں یہ بھی داخل ہے۔ (روح المعانی)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جبراً بیوہ عورت کا مالک و وارث بن جانا منع ہے تو چاہئے کہ عورت کی خوشی و مرضی سے اس کا ولی بن جانا درست ہو مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ حلال نہیں حالانکہ آزاد عورت کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا' نہ جبراً نہ عورت کی خوشی سے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ یہاں جبراً کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی ہے' چونکہ اہل عرب جبراً ہی مرحوم عزیز کی بیویوں کے وارث بن جاتے تھے' اسی لئے اس کا ذکر فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ دگنا تگنا سود نہ کھاؤ' اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالیا کرو' دوسرے یہ کہ ہاں واقعی اگر بیوہ عورت خود اپنے دیور وغیرہ کو اپنا والی و وارث مان لے' اور اپنے انتظامات اس سے کرائے تو درست ہے اب بھی بعض شریف عورتیں بیوہ ہو کر بھی اپنے سسر ساس کو اپنا اختیار دے دیتی ہیں کہ وہی ان کے نکاح ثانی کا انتظام کرتے ہیں' یہ بہت اچھا ہے' جس چیز سے یہاں روکا گیا ہے وہ چیز ہی کچھ اور ہے۔ دوسرا اعتراض: تمہاری تفسیر و فوائد سے معلوم ہوا کہ عورت کا مہر خود اسی کا اپنا ہے' ماں باپ بھی نہیں لے سکتے تو حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں اپنی دختر صفورا رضی اللہ عنہا دیں اور ان کا مہر مقرر کیا دس سال بکریاں چرانا' اس میں لڑکی کا مہر خود نہ لینا ہے' تمہاری تفسیر اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: موسیٰ علیہ الصلوٰۃ کا شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانا مہر نہ تھا بلکہ شرط نکاح تھی شرط نکاح کچھ اور ہے مہر کچھ اور اس لئے انہوں نے فرمایا تھا **علی ان تاجرنی ثمانی حجج**: **علی** شرط کیلئے آتا ہے نہ کہ معاوضہ کیلئے نیز مہر مال ہوتا ہے نہ کہ خدمت' بہرحال وہ شرط نکاح تھی۔ تیسرا اعتراض: یہاں آیت کریمہ میں **فاحشۃ مبینۃ** کا ذکر علیحدہ کیا اور ناپسندیدگی کا ذکر علیحدہ کہ بعد میں فرمایا **فان کرھتموھن** الخ ان دونوں میں فرق کیا ہے' آیت میں تکرار معلوم ہوتی ہے۔ جواب: ان دونوں کا فرق تفسیر میں عرض کیا گیا کہ فاحشہ مبینہ میں تو عورتوں کے اپنے قصور کا ذکر ہے اور کراہیت و ناپسندیدگی سے مراد وہ صورت ہے کہ عورت کا قصور کوئی نہ ہو یوں ہی مرد کو ناپسند ہو جیسے قدیا شکل اچھی نہ ہو' لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کمال تقویٰ کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی عبادات بھی درست کرے اور معاملات بھی ٹھیک کرے' معاملات میں بہت اہم و ضروری معاملہ اپنی بیویوں اور بیوہ عورتوں سے انصاف کرنا ہے کہ عورتیں عموماً خلق کی تنگ' عقل کی کمزور واقع ہوتی ہیں' عورتوں سے اچھا برتاؤ کرنے والا اور ناپسندیدگی پر صبر کرنے والا بڑا مجاہد ہے' جو شخص بڑا عابد و زاہد ہو مگر اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہو' وہ سخت عذاب کا مستحق ہے اور جو عبادات مناسب ہی کرتا ہو مگر بال بچوں پر مہربان ہو یا ناپسند و سخت بیوی پر صبر کرتا ہو' وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہے۔

حکایت: ایک عابد کی زوجہ بہت سخت تھی مگر وہ صابر و شاکر تھا اس سے نباہ کرتا تھا بیوی کا انتقال ہو گیا اس نے عہد کیا کہ اب نکاح نہ کروں گا وحدت میں زندگی گزاروں گا دوستوں نے نکاح ثانی کیلئے بہت کچھ کہا مگر وہ نہ مانا بولا کہ خدا خدا کر کے ایک خالہ مجھے سے نجات ملی ہے اور میں نے سکھ کا سانس لیا ہے اب دوبارہ کیوں مصیبت سر پر لوں ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ لگاتار فرشتے آسمان سے اتر رہے ہیں اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص بڑا منحوس ہے اس نے ان سے پوچھا کہ تم نے میری نحوست کیا دیکھی وہ بولے کہ روزانہ تیرے اعمال مجاہدوں غازیوں کے ساتھ لے جایا کرتے تھے کہ تو ناپسند بیوی کی سختیوں پر صابر تھا اس عورت کے مر جانے کے بعد تیرے وہ اعمال جاتا بند ہو گئے جب صبح کو اٹھا تو دوستوں سے بولا کہ جلد میرا نکاح کرو مجھے نہیں خبر تھی کہ نکاح کی سختیاں جھیلنے پر یہ اجر ہے نیک عورت اللہ کی رحمت ہے بری اور سخت عورت درجات بڑھنے کا ذریعہ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

چو مستور باشد زن خوب رو | بدیدار او در بہشت است شو
اگر پارسا باشد و خوش سخن | نگہ در نکوئی و زشتی مکن
چو زن راہ بازار گیرد بزن | وگرنہ تو در خانہ بنشیں چو زن

وہ شخص جنت میں ہے جس کی بیوی پارسا ہو اگر خوش اخلاق و پارسا بیوی میسر ہو جائے تو اس کا حسن و بد صورتی نہ دیکھو اگر تمہاری عورتیں بازاروں میں پھریں تو یا تو انہیں اس سے روک دو ورنہ خود عورت بن کر گھر میں بیٹھ رہو۔ (روح)

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ

اور اگر ارادہ کرو تم بدلنا ایک بیوی کا بجائے دوسری بیوی کے اور دے چکے ہو تم ان میں سے

اور اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو

قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

ایک کو ڈھیروں تو نہ لو اس میں سے کچھ کیا لو گے تم اسے بہتان لگا کر اور کھلے گناہ سے

تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا اسے واپس لو گے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ

اور کیسے لیتے ہو تم اسے حالانکہ بے شک پہنچ گیا بعض تم میں سے بعض تک اور لیا عورتوں نے تم

اور کیونکر اسے واپس لو گے حالانکہ تم میں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو لیا اور تم

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

سے عہد مضبوط

سے گاڑھا عہد لے چکیں۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں خاوندوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ سخت بیویوں کو جلد طلاق نہ دیں حتی الامکان نباہ کریں' اب نباہ نہ ہو سکنے کی صورت میں طلاق دینے کے احکام بتائے جا رہے ہیں کہ طلاق کے بعد دیا ہوا مہر ان سے واپس نہ لیں' غرضیکہ پچھلی آیت میں نباہنے کا ذکر تھا' اس آیت میں علیحدگی کا تذکرہ ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں نافرمان بیویوں پر سختی کرنے کی اجازت دی گئی تھی اب اس آیت میں غیر فاحشہ عورت پر سختی نہ کرنے کی تاکید ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بیویوں سے زوجیت کی حالت میں اچھا برتاؤ کرنے کا حکم تھا' اب زوجیت منقطع ہو چکنے کے بعد بھی اچھا سلوک کرنے اور گزشتہ صحبت یاد رکھنے کا حکم ہے۔

شان نزول: اہل عرب جب اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتے اور دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتے تھے تو اس بے قصور بیوی کو تہمت زنا لگا کر بدنام کرتے تھے' اور اسے خوب تنگ رکھتے تھے تاکہ یہ بے چاری کچھ رقم دیکر طلاق لے اور خاوند اس رقم سے اپنا دوسرا نکاح کرے' ایسے ظالم خاوندوں کو اس ظلم سے روکنے کیلئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' روح المعانی' روح البیان' مدارک' بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر: **وان اردتم استبدال زوج مکان زوج** یہاں اردتم میں خطاب خاوندوں سے ہے' استبدال سے مراد ہے اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا' یا تو اس لئے کہ وہ دوسری عورت بغیر اسے طلاق دیئے نکاح کرنے پر راضی نہ ہو' یا اس لئے کہ اس شخص میں دو بیویاں رکھنے کی طاقت نہ ہو' پہلی زوج سے مراد وہ عورت ہے جس سے مرد نکاح کرنا چاہتا ہے' اور دوسری زوج سے مراد وہ منکوحہ بیوی ہے' جسے یہ طلاق دینا چاہتا ہے۔ خیال رہے کہ لفظ زوج کے معنی ہیں جوڑا' خاوند کو بھی زوج کہتے ہیں' بیوی کو بھی' یہاں بیوی مراد ہے' اور چونکہ زوج اسم جنس ہے لہذا واحد پر بھی بولا جا سکتا ہے اور جمع پر بھی' یہاں جمعیت کیلئے ہے' کیونکہ خطاب تمام مسلمان مردوں سے ہے اور بہت سے مردوں کی بیویاں بھی بہت سی ہی ہوں گی' یعنی اے مسلمانو اگر تم اپنی بیویوں کی تبدیلی کا ارادہ کرو کہ موجودہ بیویوں کو طلاق دے کر دوسری عورتوں سے نکاح کرو' **استبدال** کے معنی ہیں بدلہ میں لینا' ابدال کے معنی ہیں بدلے میں دینا' یہاں بدلہ میں لینا مراد ہے **واتیتم احدھن قنطارا** واؤ عاطفہ ہے یا حالیہ' اتیتم کے معنی ہیں' تم انہیں دے چکے ہو یا دینے کو اپنے ذمہ لازم کر چکے ہو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذا سلمتم ما اتیتم** جب سونپ دو تم وہ جسکے دینے کا وعدہ کر چکے ہو' یہاں اتیتم کے معنی ہیں وعدہ ایتاء' احداھن سے مراد وہ بیویاں ہیں جنکو طلاق دینے کا ارادہ ہے' چونکہ مہر ہر بیوی کا علیحدہ ہوتا ہے اس لئے یہاں احداھن ارشاد ہوا' قنطار کے معنی ہیں ڈھیر' اس کی تحقیق پہلے ہو چکی **والقناطیر المقنطرہ** کی تفسیر میں' اس ڈھیر سے مراد مہر عطیہ بوقت نکاح خاوند کی طرف سے چڑھاوا وغیرہ سب کچھ ہیں' یعنی تم انہیں مہر وغیرہ کی شکل میں بہت مال دے چکے ہو یا دینے کا وعدہ کر چکے ہو **فلا تاخذوا منہ شیئا** یہ خطاب بھی خاوندوں سے ہی ہے۔ منہ کی ضمیر قنطار کی طرف لوٹ رہی' شیئا سے مراد معمولی و حقیر چیز ہے' یعنی تو اس دیئے ہوئے مہر' عطیہ' چڑھاوے میں سے کچھ بھی واپس نہ لو' یا جسکے دینے کا وعدہ کر چکے ہو' اس میں سے کچھ بھی نہ روکو' کہ وہ بے چاریاں بے قصور ہیں **اتاخذونہ بہتانا** ہمزہ انکاری سوال کیلئے ہے۔ **تاخذون** میں بھی خاوندوں سے خطاب ہے' اخذ

کے معنی ہیں لینا' پکڑنا' یہاں مراد یا دیا ہوا واپس لینا ہے یا وعدہ کیا ہوا مال نہ دینا ہے' بہتان بہت سے بنا بمعنی حیرانی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فبهت الذی کفر** تہمت کو بہتان اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے تہمت زدہ حیران و پریشان ہوتا ہے' اصطلاح میں جھوٹے الزام کو بہتان کہتے ہیں' یہاں بہتان یا تو اسم فاعل کے معنی میں ہے کہ **تاخذون** کے فاعل سے حال ہے **باهتین** کے معنی میں یا مصدر ہے **تاخذون** کا مفعول ہو' یعنی کیا تم بہتان لگاتے ہوئے یہ مال لیتے ہو یا بہتان لگانے کیلئے لیتے" تاکہ اس واپسی مال سے لوگ سمجھیں کہ عورت بدکار ہو گی' تب ہی تو اس نے مال دیکر طلاق لی' اس عمل سے اس کا نقصان بھی ہو گا اور بدنامی بھی **واثما مبینا** یہ عبارت بہتانا پر معطوف ہے اور بہتان کی طرح اس میں بھی دو احتمال ہیں کہ اثم بمعنی اسم فاعل ہو یا مصدر مفعول لہ' ہو یعنی اور ظاہر ظہور گناہ کرتے ہوئے مال لیتے ہو یا ظاہر ظہور گناہ کرنے کیلئے مال لیتے ہو" کہ مال عورتوں کا جائے اور سخت گناہگار تم ہو جاؤ' اثم اور مبین کے معانی بارہا بیان ہو چکے ہیں **وكيف تاخذونه' كيف** سوال تعجب کیلئے ہے' **تاخذون** کا فاعل خاوند ہے' ہ ضمیر شیئا کی طرف لوٹ رہی ہے قرآن کریم میں انتہائی تعجب دلانے کیلئے کیف ارشاد ہوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **كيف تكفرون بالله** الخ یعنی سخت تعجب ہے و حیرت کی یہ بات ہے کہ تم دیا ہوا یا وعدہ کیا ہوا مہر کیسے واپس کرتے ہو' تمہیں خوف خدا' شرم نبی کچھ بھی نہیں' **وقد افضى بعضكم الى بعض** واؤ حالیہ ہے۔ **افضى فضاء** سے بنا بمعنی فراخ جگہ' اسی لئے کھلے میدان کو فضاء' کہتے ہیں افضاء کے معنی ہیں کسی کے پاس فراخ جگہ میں پہنچ جانا' وہاں پہنچ کر اس سے ملاقات کرنا' اب اصطلاح میں محض ملاقات کرنے' تنہائی میں ملنے کو افضاء کہا جاتا ہے' ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اس سے مراد بیوی سے خلوت صحیحہ کرنا ہے یعنی خاوند و عورت کا تنہائی میں جمع ہو جانا جبکہ دونوں کو ایک دوسرے کا علم ہو' مرد جانتا ہو کہ یہ میری بیوی ہے' عورت جانتی ہو کہ یہ میرا خاوند ہے' اور عورت کی طرف سے صحبت سے کوئی شرعی یا طبعی مانع نہ ہو' اس کو خلوت صحیحہ کہتے ہیں' مگر دوسرے اماموں کے ہاں اس سے مراد صحبت ہے: **بعضكم** سے مراد خاوند ہے اور الی بعض سے مراد بیوی' یعنی حالت یہ ہے کہ خاوند و بیوی آپس میں خلوت صحیحہ کر چکے ہیں' جس سے مہر مضبوط ہو جاتا ہے' اس پختگی کے بعد تم مہر کیسے واپس لیتے ہو **واخذن منكم ميثاقا غليظا** یہ جملہ پہلے جملہ وقد افضی الخ پر معطوف ہے' واؤ عاطفہ ہے اخذن کا فاعل وہ بیویاں ہیں جنہیں خاوند طلاق دینا چاہتے ہیں' منکم میں خطاب خاوندوں سے ہے' میثاق کے معنی وعدہ' عہد' میثاق میں فرق تیسرے پارے میں عرض کیا گیا' غلیظ کے معنی ہیں موٹا' مضبوط خفیف کا مقابل' اس میثاق غلیظ سے مراد یا تو رب تعالیٰ کے وہ سخت احکام ہیں' جو خاوندوں کو بیویوں کے متعلق دیئے گئے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تاکیدیں ہیں' جو آپ نے مردوں کو عورتوں کے متعلق فرمائیں کہ وفات شریف کے وقت بھی بیویوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا' یا وہ عہد و پیمان مراد ہیں جو نکاح کے وقت خاوند سے عورت کے متعلق لئے جاتے ہیں یا خود نکاح کا ایجاب قبول ہی مراد ہے کیونکہ ایجاب و قبول تمام حقوق نکاح پورے کرنے کے وعدے کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے' یعنی تم یہ مال واپس لینے کی جرات کیسے کرتے ہو' حالانکہ عورتوں نے تم سے بذریعہ قرآن و حدیث یا بذریعہ نکاح خواں بہت سخت تاکیدی مضبوط وعدے لے لئے ہیں' ہم عقد نکاح کے وقت ہی ان کے تمام حقوق کے ذمہ دار بن چکے ہو' اب ایسے پختہ وعدہ توڑنے کی جرات کیسے کرتے ہو' اللہ سے خوف کیوں نہیں کرتے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! اگر تمہارے تعلقات اپنی بیویوں سے اس قدر خراب ہو جائیں کہ نباہ کی کوئی صورت نہ رہے اور تم کو ان کے ساتھ رہنے میں تم دونوں کی زندگی برباد ہونے کا اندیشہ ہو' اس لئے تم تبدیل زوجہ پر مجبور ہو جاؤ کہ موجودہ بیوی کو طلاق دے دو' اور دوسری بیوی سے نکاح کرو' تو خیر ایسا کرلو' مگر اس صورت میں یہ خیال رہے کہ تم نے انہیں بہت زیادہ مہر' سوغاتیں' عطیے' چڑھاوے دے دیئے ہوں تو ان میں سے حبہ بھر واپس نہ لو' یا جس قدر دینے کا وعدہ کرلیا ہو' اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرو' کیا تم ان بیویوں کو بہتان لگانے اور خود سخت گناہگار ہونے کیلئے واپس لیتے ہو کہ لوگ سمجھیں کہ شاید عورت کا قصور تھا' جسکی وجہ سے اس نے مال دیکر طلاق لی' قصور تمہارا اپنا ہے کہ اسکے ساتھ نباہ نہیں چاہتے' اور تھوپتے ہو عورت کے سر' یہ سخت جرم ہے' بہت تعجب و حیرت کی بات ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کیساتھ خلوتیں کرچکے' تنہائی میں رہ چکے' جس سے مہر کی تاکید ہو جاتی ہے۔ نیز وہ عورتیں تم سے اچھے برتاوے کا مضبوط عہد لے چکیں' اللہ رسول کو ضامن دیکر تم ان سے بہت کچھ وعدہ کرچکے' پھر بھی تم ان سے بے وفائی کرکے انہیں دیا ہوا مال چھینتے ہو' ایسا ہرگز نہ کرو' ورنہ تم سخت مجرم ہوگے' جسکی دنیا میں بھی سزا پاؤگے اور آخرت میں بھی پاداش بھگتوگے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** طلاق میں خاوند مستقل ہے' عورت کو حق نہیں کہ وہ خاوند بدل لے' ہاں خاوند کو حق ہے کہ وہ بیوی تبدیل کرلے' کہ موجودہ بیوی کو طلاق دے دے' دوسری عورت سے نکاح کرلے' جیسا کہ استبدال زوج سے معلوم ہوا' رب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے **الذی بیدہ عقدۃ النکاح** مرد کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ اسے کھول سکتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** مہر عطیہ خاوند اپنی بیوی کو دے' بیوی پر نہ مہر ہے نہ عطیہ' خاوند دینے کیلئے ہے' بیوی لینے کیلئے' خاوند کمانے کو ہے بیوی خرچ کرنے کو جیسا کہ **اٰتیتم** الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نکاح میں زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے ممنوع نہیں۔ جیسا کہ **قنطارا** سے معلوم ہوا' حدیث شریف میں جو زیادتی مہر سے ممانعت آئی وہ ممانعت تنزیہی ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ ہلکا مہر ہو۔

حکایت: ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زیادہ مہر نہ باندھو' چار سو درہم سے مہر نہ بڑھاؤ' مجمع میں سے ایک عورت کھڑی ہو کر بولی' کہ اے عمر! تم ہم کو اس چیز سے روک رہے ہو' جو رب تعالیٰ نے عطا فرمائی' پھر اس بی بی نے یہ آیت **واٰتیتم احدٰھن قنطارا** پڑھی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مدینہ کی عورتیں بھی عمر سے زیادہ جانتی ہیں' بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا امیر غلطی پر ہے' اور یہ عورت حق پر (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی' مدارک وغیرہ) **چوتھا فائدہ:** مہر کے علاوہ اور جو کچھ خاوند بیوی کو دے' سوغات' عطیہ' نکاح کے وقت چڑھاوا وغیرہ وہ بھی واپس نہیں لے سکتا' زوجیت ہبہ کی واپسی سے مانع ہے' نہ بیوی شوہر کو کچھ دیکر واپس لے سکتی ہے نہ شوہر عورت سے' جیسا کہ **اٰتیتم** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جب طلاق میں قصور مرد کا ہو تو خلع کرنا ممنوع ہے مرد بغیر کچھ لئے عورت کو طلاق دے' جیسا کہ **فلا تاخذوا** سے معلوم ہوا' اور اگر قصور عورت کا ہو یا عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو خلع بلا کراہت درست ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ** **چھٹا فائدہ:** اپنی بیوی کو بہتان لگانا سخت جرم اور عذاب الٰہی کا باعث ہے'

جیساکہ **اثنا میثاقا** سے معلوم ہوا "خواہ صراحتاً" بہتان لگائے یا اشارۃً"۔ ساتواں فائدہ: نکاح کے بعد خلوت صحیحہ سے مہر پورا واجب ہو جاتا ہے 'اگر بغیر خلوت طلاق دے دی جائے 'تو آدھا مہر ساقط ہو جاتا ہے 'جیساکہ **وقد افضی** سے معلوم ہوا۔ (حنفی) آٹھواں فائدہ: نکاح کے وقت دولہا دلہن کو کلمے پڑھانا 'ایمان اجمالی و تفصیلی پڑھانا بہتر ہے کہ نکاح میں دولہا دلہن سے مضبوط عہد لئے جاتے ہیں پختگی عہد کلمہ شریف وغیرہ سے ہوتی ہے اس کی اصل یہ آیت کریمہ ہے کہ رب تعالیٰ نے **میثاقا غلیظا** فرمایا۔ نواں فائدہ: خلع کرنے کی آیت بھی محکم ہے 'اور یہ آیت خلع نہ کرنے کی بھی محکم 'ان میں سے کوئی کسی کی ناسخ نہیں 'اگر قصور عورت کی طرف سے ہو یا عورت مطالبہ طلاق کرے تو اس کیلئے خلع کی آیت ہے 'اور اگر عورت بے قصور ہو مرد خود طلاق دینا چاہے تو اس کیلئے یہ آیت ہے 'بعض لوگوں نے اس آیت کو خلع والی آیت سے منسوخ مانا ہے اور بعض نے خلع کی آیت کو اس آیت سے منسوخ مانا 'یہ دونوں قول غلط ہیں (روح المعانی) بہرحال دونوں آیتیں دو صورتوں کا بیان ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں بیویوں اور عورتوں کی تجارت و تبادلہ بھی جائز ہے 'دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں استبدال فرمایا کہ دو شخص ایک دوسرے کی بیویوں کو بدل لیں 'وہ اسکی بیوی لے 'یہ اسکی 'اسلام بھی عجیب دین ہے کہ ایسی تجارتیں جائز رکھتا ہے (آریہ و عیسائی) جواب: نعوذ باللہ 'یہ اسلام و قرآن پر صریح بہتان ہے استبدال کے یہ معنی ہی غلط ہیں کہ کسی دوسرے کی بیوی سے تبادلہ کسی دوسرے کی بیوی کا لفظ اپنی طرف سے تم نے بڑھایا 'استبدال کے وہی معنی ہیں جو تفسیر میں عرض کئے گئے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیکر دوسری عورت سے نکاح کرنا 'اس طلاق کی دو تین وجہیں ہوتی ہیں 'دوسری عورت سوکن پر آنا پسند نہ کرے 'خاوند میں دو عورتیں رکھنے کی طاقت نہ ہو 'خاوند کا دل موجودہ بیوی سے شگفتہ نہ ہو 'اور گزارے کی کوئی صورت نہ رہے۔ دوسرا اعتراض: جب خاوند کو بیوی بدلنے کا حق ہے تو چاہئے کہ بیوی کو بھی خاوند بدلنے کا حق ہو 'انصاف چاہئے 'ایک کو تبدیلی کا حق دینا 'دوسرے کو نہ دینا ظلم ہے (آریہ و ہندو) جواب: پنڈت جی آپ نے آدھی بات کہی 'پورا انصاف کرو 'یہ بھی ظلم ہے کہ عورت بچے جنے مرد نہ جنے 'چاہئے یہ کہ ایک سال پنڈت جی بچے دیں 'دوسرے سال پنڈتانی 'یہ کیا کہ ہر سال پنڈتانی ہی بچے دیا کریں 'یہ بھی ظلم ہے کہ سارا خرچہ خاوند کے ذمہ ہی ہو 'بلکہ چاہئے یہ کہ ایک سال پنڈت جی نوکری کریں اور پنڈتانی جی گھر سنبھالیں 'اور دوسرے سال پنڈتانی جی محنت مزدوری کریں اور پنڈت جی گھر سنبھالیں 'پنڈت جی عورتوں کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے 'پھر دن میں پانچ پانچ طلاقیں ہوں گی 'دیکھو آج امریکہ اور انگلینڈ میں طلاقوں کی کیسی بھرمار ہے کہ وہ لوگ چیخ پڑے ہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی کا مہر بہت زیادہ بھی باندھا جاسکتا ہے جسے رب تعالیٰ نے قنطار یعنی ڈھیر فرمایا 'مگر حدیث شریف میں زیادہ مہر باندھنے کی ممانعت فرمائی حتی کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی ازواج کے مہر پانچ سو درہم یعنی سوا سو روپیہ تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی یعنی ڈیڑھ سو تولہ چاندی تھا آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ جواب: ہرگز نہیں 'قرآن کریم کی یہ آیت بیان جواز کیلئے ہے کہ اگر کوئی شخص لاکھوں روپیہ مہر مقرر کردے 'تب بھی اسے ادا کرنا پڑیں گے 'اور حدیث شریف کا فرمان بیان استحباب کیلئے یعنی بہتر یہ ہے کہ مہر ہلکا ہو تاکہ بیوی خاوند پر بوجھ نہ بن جائے 'خود حضرت ام حبیبہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر بارہ ہزار درہم تھا جو نجاشی بادشاہ نے باندھا تھا 'حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز رکھا 'یہ بیان جواز کیلئے تھا '

لہذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں' بلکہ اب علماء فرماتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں مہر زیادہ باندھنا بہتر ہے کہ خاوند کسی قدر دبا رہتا ہے۔ جلد طلاق دینے کی ہمت نہیں کرتا آج کل عموماً" خاوند ظالم ہیں' یہ زیادتی مہر ظلم سے بچنے کی ایک تدبیر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت عمر ایسے بے علم تھے کہ انہیں قرآن کریم کی اس صریحی آیت کا بھی علم نہ تھا' خود کہہ بیٹھے کہ عمر سے زیادہ قریش کی ایک عورت کا علم ہے' ایسے بے علم آدمی کی خلافت ناجائز ہے حضرت علی خلیفہ ہونے چاہئے تھے کہ وہ علم میں زیادہ تھے۔ **جواب:** نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ اس آیت سے بے خبر تھے نہ انہوں نے یہ حکم ناجائز دیا تھا آپ کلیہ قربان مسلمان کی بھلائی کیلئے بطور مشورہ تھا' حدیث شریف میں بھی ہلکا مہر باندھنے کی رغبت دی گئی ہے' قرآن کریم کی اس آیت میں بھاری مہر باندھنے کا حکم نہیں دیا گیا' بلکہ بھاری مہر جو باندھ دیا گیا ہو' اس کے ادا کی تاکید کی گئی ہے یا ادا شدہ کی واپسی سے منع فرمایا گیا' بھاری مہر باندھنا اور ہے اور باندھ چکنے کے بعد ادا کرنا کچھ اور' بلاوجہ قرض لینا اچھا نہیں' مگر لیا ہو اقرض ادا کرنا ضروری ہے' ادائے قرض کی آیتیں پڑھ کر یہ سمجھنا کہ قرض ضرور لینا چاہئے" غلطی ہے' رہا آپ کا اس بی بی سے یہ فرمانا اس کی ہمت افزائی کیلئے تھا کہ ایک عورت ہو کر قرآنی آیات پر نظر رکھتی ہے اور اپنی کسر نفسی کیلئے تھا ورنہ حضرت عمر کے علم سے اس بی بی کے علم کی کیا نسبت' حضرت عمر کی رائے کے مطابق قرآن کریم کی بہت سی آیات اتریں' اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسئلہ سے بے خبر تھے' تو یہ بے خبری خلافت کے منافی کیسے ہو سکتی ہے۔ بارہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسائل میں غلطیاں ہوئیں' اور دوسرے صحابہ نے اس پر آپ کو مطلع کیا' چنانچہ آپ نے کچھ مرتدین کو جو آپ کی الوہیت کے قائل ہو گئے تھے' زندہ جلوایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو علی کو ایسا نہ کرنے دیتا' میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عذاب نار صرف رب النار دیگا' کوئی کسی کو یہ عذاب نہ دے' دیکھو مشکوۃ باب قتل اہل الردۃ: نیز ابن جریر اور ابن عبد البر نے محمد ابن کعب سے روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا' آپ نے جواب دیا حاضرین میں سے ایک نے کہا امیر المومنین یہ مسئلہ ایسے نہیں بلکہ اس طرح ہے' آپ نے فرمایا **اصبت و اخطانا** تم ٹھیک کہتے ہو ہم سے غلطی ہوئی' حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کو رب تعالیٰ نے خلیفہ بنایا' فرماتا ہے **یا داود انا جعلنک خلیفتہ فی الارض**: اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا' اس کے باوجود آپ سے غلطی ہوئی' جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے **اذ یحکمن فی الحرث**: نیز آدم علیہ الصلوۃ والسلام خلیفۃ اللہ ہیں: **انی جاعل فی الارض خلیفتہ**: مگر آپ سے بھی خطا و نسیان ہوئی' گندم کی ممانعت کے متعلق غلط فہمی ہو گئی' تو چاہئے کہ یہ دونوں نبی خلیفہ نہ ہوں جناب پورا علم اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے' رہی مخلوق' اس کا یہ حال ہے کہ **فوق کل ذی علم علیم**: اس کی پوری تفسیر روح المعانی میں اس جگہ ملاحظہ فرمایئے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر زوجین خلوت کر چکے ہوں' تو دیا ہوا مہر واپس نہ لو تو چاہئے کہ خلوت کے بغیر اگر طلاق دی جائے' تو دیا ہوا مہر واپس لے لے' یہ بھی تو بے مروتی ہے۔ **جواب:** اگر خاوند اپنی بیوی کو پورا مہر دے چکا ہے' پھر بغیر خلوت طلاق دے دے۔ تو آدھا مہر واپس لے سکتا ہے کہ وہ آدھے مہر کی ہی مستحق تھی' مگر لے چکی پورا' جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ کی بنا پر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے شریعت نے حق نسب' حق قرابت' حق نکاح کا لحاظ

فرمایا ہے 'ایسے ہی طریقت میں حق صحبت 'حق خدمت کا بھی لحاظ ہے 'دیکھو خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیکر بھی اس کا مہر 'عدت کا خرچہ 'مکان کا خرچہ 'مکان وغیرہ دیتا ہے 'کیوں؟ اس لئے کہ اس عورت نے اسکی خدمت کی 'صحبت میں رہی رب تعالٰی نے فرمایا **وقد افضی بعضکم الی بعض** حق صحبت بعد نکاح بھی باقی رہا 'یوں ہی جو مرید اپنے پیر کی صحبت میں رہے 'اس کی خدمت کرے 'پھر اگر پیر مرید پر ناراض ہو کر اسے اپنے سے علیحدہ بھی کردے 'جب بھی جو فیضان اسے دے چکا ہے وہ واپس نہ لے 'کہ کریم دے کر لیا نہیں کرتے 'بلکہ اسے کچھ رخصتانہ دیکر روانہ کردے 'دیکھو حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے جب جناب موسیٰ علیہ والسلام کو اپنے پاس سے رخصت کیا اور فرمایا **ھذا فراق بینی و بینک** یہ میری تمہاری جدائی کا وقت ہے تم میرے ساتھ نہ رہو تو حضرت موسیٰ علیہ الصا ۃ والسلام کو ان کے تمام پیش کردہ سوالات کے جوابات بتا کر سمجھا کر روانہ کیا 'کورنہ معلوم کیا کیا فیض دیئے 'کامل لوگ مرے بعد بھی اپنے مرید کو بلکہ جو بھی ان کی صحبت میں رہ چکا ہو برابر یاد رکھتے ہیں 'غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضرات صوفیائے کرام کی فیاضی و عطا کیلئے دریائے ناپید اکنار ہے 'عورت کا مرد سے جسمانی نکاح ہوتا ہے 'جو آخر کار طلاق یا موت سے ٹوٹ جاتا ہے 'جب اس عارضی جسمانی نکاح کے ایسے حقوق ہیں کہ طلاق کے بعد مرد پر عورت کا نفقہ عدت لازم بعد موت شوہر پر بیوی کا کفن دفن لازم تو مرید کا اپنے شیخ سے روحانی نکاح ہوتا ہے 'جو ناقابل فسخ ہے 'اسکے حقوق کیسے ہوں گے۔

حکایت: ایک بزرگ کی اپنی بیوی سے ان بن رہتی تھی 'کسی مرید نے اس جھگڑے کی وجہ پوچھی انہوں نے فرمایا 'میرے گھریلو معاملات سے تمہیں کیا تعلق؟ میں جانوں میری بیوی جانے 'تم پوچھنے والے کون؟ آخر طلاق کی نوبت آگئی 'انہوں نے طلاق دے دی 'عورت نے بعد عدت دوسرے سے نکاح کرلیا 'مرید نے پوچھا 'حضرت اب بتا دیجئے 'کہ اس عورت میں کیا خرابی تھی؟ فرمایا اب وہ عورت دوسرے کی ہو چکی 'مجھے دوسروں کا عیب کھولنا حرام ہے 'حق خدمت و حق صحبت۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ!
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلاف است و جنگ

میں نے سنا ہے کہ اللہ کے مرد دشمنوں کا بھی دل نہیں دکھاتے 'تجھے یہ مرتبہ کیسے مل سکتا ہے 'کہ تو تو اپنے دوستوں سے لڑتا جھگڑتا رہتا ہے 'چمکتے ہوئے چاند پر کتا بھونکتا ہے 'چاند اس کے کھلے ہوئے منہ میں بھی اپنا نور ڈال دیتا ہے 'گویا یہ کہتا ہے کہ جو تیرے پاس ہے وہ تو دے 'جو میرے پاس ہے وہ مجھ سے لے 'تیرے پاس بھونکنا ہے اور میرے پاس چمکنا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ
اور نہ نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے مگر وہ جو گزر گیا بے شک یہ ہے
اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک

فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

بے حیائی اور ناراضی کا کام اور برا ہے یہ راستہ
بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اپنے مرحوم عزیزوں کی بیویوں کے جبراً وارث و والی نہ بن جاؤ کہ نہ جبراً ان سے نکاح کرلو' نہ نکاح جبراً کرلو' اب فرمایا جارہا ہے کہ ان میں سے بعض کی بیویاں تم پر حرام بھی ہیں کہ وہ تمہارے نکاح میں آسکتی ہی نہیں جیسے تمہارے مرحوم باپ دادا کی بیویاں کہ یہ تمہاری سوتیلی ماں یا سوتیلی دادی نانی ہیں گویا پہلے جبراً نکاح کی حرمت کا ذکر تھا اور اب ان نکاحوں کا ذکر ہے جو بخوشی بھی جائز نہیں۔

دوسرا تعلق: مردوں کو بیویوں کے نکاح سے نکالنے کے احکام بتائے گئے تھے' اب انہیں نکاح میں لانے کے احکام بتائے جا رہے ہیں کون بیویاں تمہارے نکاح میں آسکتی ہیں کون نہیں' گویا خروج نکاح کے بعد دخول نکاح کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بیویوں سے اچھے برتاوے کا حکم دیا گیا تھا' اب فرمایا جارہا ہے کہ اس حقوق زوجیت کی مستحق وہ بیویاں ہیں' جو صحیح معنی میں بیویاں ہوں ناجائز بیویاں کسی حق کی مستحق نہیں اس لئے اب ناجائز عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول: اسلام سے پہلے اہل عرب اپنے باپ دادا کی وفات کے بعد انکی بیویاں یعنی اپنی سوتیلی ماں' سوتیلی دادی' نانی سے نکاح کر لیتے تھے' چنانچہ مدینہ منورہ میں اسود ابن خلف نے اپنے باپ خلف کی بیوی سے اور صفوان ابن امیہ ابن خلف نے اپنے باپ امیہ کی بیوی فاختہ بنت اسود ابن مطلب اور منظور ابن ریان نے اپنے باپ ریان کی بیوی ملیکہ بنت خارجہ سے ان کی موت کے بعد نکاح کر لئے' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی و کبیر و غیرہ) انصار میں ایک بہت ہی نیک شخص تھے' ابو قیس ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے قیس نے ان کی بیوی کو پیغام نکاح دیا' یعنی اپنی سوتیلی ماں کو' وہ بولیں تمہارے باپ بھی نیک تھے اور تم بھی بہت صالح ہو' تم میرے بیٹے روپ ہو اب تک تم مجھے ماں کہتے تھے اب میں تمہارے نکاح میں کیسے آسکتی ہوں اچھا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کرکے تمہیں جواب دوں گی' چنانچہ وہ بی بی بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور یہ واقعہ عرض کیا' ابھی وہ وہاں حاضر ہی تھیں کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن) خیال رہے کہ اس نکاح کو وہ لوگ بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے اس لئے اسے نکاح مقتی' اور اس نکاح کی اولاد کو اولاد مقتی کہتے تھے' یعنی برا نکاح اور بری اولاد ناراضی الٰہی کا باعث۔

تفسیر: **ولا تنكحوا ما نكح اباؤكم** واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ مستقل نیا جملہ ہے **تنكحوا** اور **نكح**' **نكح** سے بنا' بمعنی ملنا' خواہ جسم سے ملنا ہو یعنی صحبت یا قول سے ملنا ہو' جیسے عقد نکاح' یہاں دونوں جگہ نکاح سے مراد لغوی معنی ہیں جس میں عقد نکاح اور صحبت دونوں داخل ہیں' قرآن کریم میں نکاح بمعنی عقد نکاح بھی آیا ہے اور بمعنی صحبت بھی' چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الزاني لا ينكح الا زانية** یہاں نکاح بمعنی مجامعت و صحبت ہے (کبیر) یعنی زانی لوگ زانیہ عورتوں سے ہی صحبت زنا کرسکتے ہیں' صالحہ عورتیں انکو منہ بھی نہیں لگاتیں اور فرماتا ہے **حتى تنكح زوجا غيره** یہاں بھی نکاح

بمعنی صحبت ہے' یعنی تین طلاق کے بعد عورت اس مرد سے نکاح نہیں کر سکتی' حتی کہ دوسرے خاوند سے صحبت کرے' اور فرماتا ہے **وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح** یہاں نکاح سے مجامعت مراد ہے ورنہ عقد نکاح تو چھوٹے بچوں کا بھی ہو سکتا ہے (کبیر) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ولدت من نکاح لا من سفاح** یہاں بھی نکاح سے مراد صحبت ہے ورنہ سفاح یعنی زنا سے اس کا مقابلہ درست نہ ہوتا (کبیر) عربی شعراء نے بھی بہت جگہ نکاح بمعنی مجامعت استعمال کیا ہے' لہذا یہاں نکاح کے ایسے معنی ہیں جو عقد نکاح اور صحبت و مجامعت دونوں ہی کو شامل ہیں' اور ہو سکتا ہے **لا تنکحوا** میں نکاح بمعنی عقد نکاح ہو اور **ما نکح** میں نکاح بمعنی مطلق ہو' ما سے مراد عورتیں ہیں' چونکہ انہیں عام صفت سے بیان فرمایا گیا' اس لئے ما ارشاد ہوا' کہ ایسے موقعہ پر عقل والوں کیلئے بھی ما بولا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به** جب ان یہود کے پاس وہ جانے پہچانے نبی تشریف لائے تو وہ ان کا انکار کر بیٹھے' دیکھو یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ما ارشاد ہوا' اباء سے مراد بطریق عموم مجاز باپ' دادا' نانا وغیرہ تمام اصول ہیں' یعنی اے مسلمانو تم ان عورتوں سے عقد نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ' دادا' نانا' نے عقد نکاح کر لیا ہو' یا حلال صحبت کر لی ہو جیسے ان کی موطوءہ لونڈی یا حرام صحبت کر لی ہو' جیسے باپ دادا نانا کی زنا کی داشتہ عورت' بلکہ جسے باپ دادا وغیرہ نے شہوت سے چھو بھی لیا ہو' وہ بھی اولاد کیلئے حرام ہے' یا اے مسلمانو تم ان عورتوں سے صحبت نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادے صحبت کر چکے ہوں یعنی ان کی موطوءہ لونڈی کو بیٹا ہاتھ نہیں لگا سکتا' اگرچہ وہ لونڈی بیٹے ہی کی ملک میں آ جائے خلاصہ یہ ہے' اولاد پر باپ دادا کی چند عورتیں حرام ہیں' جن سے انہوں نے فقط نکاح کر لیا' صحبت نہ کی' بغیر صحبت طلاق دے دی یا مر گئے' جن سے نکاح نہ کیا مگر حلال صحبت کر لی جیسے لونڈی' جن سے حرام صحبت کی جیسے زنا کی داشتہ عورت جن سے نکاح کر لیا صحبت بھی جیسے موطوءہ بیوی' جن سے بوس و کنار کر لیا' یہ سب عورتیں اولاد پر حرام ہیں' اس ایک جملہ سے بہت سے محرم عورتوں کا اجمالی ذکر فرما دیا' یہ ہی احناف کا مذہب ہے **من النساء** میں من بیانیہ ہے یہ عبارت ما کا بیان ہے **نساء'** **امراة** کی جمع ہے خلاف قیاس' اگرچہ نساء جوان عورت کو کہتے ہیں' مگر یہاں مطلقاً عورت مراد ہے لہذا اگر باپ نے نابالغہ یا مراہقہ سے نکاح کر کے طلاق دے دی ہو' تب بھی وہ بیٹے پر حرام ہے' نیز نساء سے مراد وہ عورتیں ہیں جو باپ کیلئے حلال ہوں' اور جن سے نکاح درست ہو کہ اگر باپ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو اسے حلال ہی نہ تھی' تو یہ عورت اس نکاح کی وجہ سے حرام نہ ہو گی' کہ یہ نکاح درست ہی نہ تھا' ان فوائد کی وجہ سے **من النساء** فرمایا گیا **الا ما قد سلف** قوی تر یہ ہی ہے کہ الا استثناء کا ہے' اور استثناء بھی متصل ہے نہ تو الا بمعنی لکن ہے نہ استثناء منقطع ما موصولہ ہے' اور سلف سے مراد وہ نکاح ہیں جو یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں کر چکے تھے اور وہ بیویاں فوت بھی ہو چکی تھیں یعنی تم پر اپنے باپ دادوں کی بیویاں حرام ہیں' اگر ان سے نکاح کرو گے تو سخت مجرم ہو گے۔ ہاں جو اس قسم کے نکاح تم زمانہ جاہلیت میں کر چکے ہو یا اس قانون کے بننے سے پہلے کر چکے ہو' ان پر تم گناہگار نہ ہو گے' کہ قانون بننے سے پہلے کے اعمال پر سزا نہیں ہوا کرتی لیکن اب اگر ایسی عورت تمہارے نکاح میں ہو تو اسے علیحدہ کرنا پڑے گا' لہذا یہ استثناء گناہ سے ہے نہ کہ جواز سے اور استثناء متصل ہے' اس جملہ کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں' مگر یہ تفسیر آسان بھی ہے قوی بھی' اور اس صورت میں اس جملہ پر کوئی اعتراض بھی نہیں۔ (کبیر' معانی' خازن وغیرہ) **انه كان فاحشة ومقتا وساء سبيلا** یہ جملہ گزشتہ حکم کی علتوں کا بیان ہے' کہ دوسرے گناہوں میں ایک آدھ خرابی ہوتی ہے' اس نکاح میں تین خرابیاں ہیں' انہ میں ہ' ضمیر نکاح

کی طرف لوٹتی ہے' جو لا تنکحوا سے سمجھا گیا' ان کے معنی نہیں' ہے' فاحشۃ کے معنی بارہا بیان ہو چکے حد سے بڑھا ہوا گناہ یا بے حیائی' مقت سخت ناراضی کو کہتے ہیں' یعنی اس نکاح میں تین خرابیاں ہیں' عقلی کہ وہ فاحشہ و بے حیائی ہے شرعی کہ وہ رب تعالیٰ کی سخت ناراضی کا باعث ہے' عرفی کہ یہ نکاح کرنا عرفاً بھی برا راستہ اختیار کرنا ہے۔ (تفسیر احمدی و معانی کبیر)۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! خیال رکھو کہ اب' کبھی کسی ایسی عورت سے نکاح نہ کرنا جن سے تمہارے باپ دادے صحیح نکاح یا حلال حرام صحبت کر چکے ہوں' اگر ایسا کرو گے' تو سخت مجرم و گناہگار ہو گے' ہاں اسلام سے پہلے یا اس قانون کے بننے سے پہلے جو تم اس قسم کا نکاح کر چکے' اس پر تمہاری پکڑ نہیں کہ سزائیں قانون بن جانے کے بعد ہوتی ہیں' پہلے کے کام قانون کی زد میں نہیں آتے۔ خیال رکھو کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرنا عقلاً" بھی بے حیائی ہے شرعاً" بھی رب تعالیٰ کی سخت ناراضی کا باعث ہے' اور عرفاً" بھی' یہ بہت ہی برا راہ ہے' ایسے کام کے قریب بھی نہ جاؤ' تم لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسے نکاح کو نکاح مقتی' اور ایسے نکاح کی اولاد کو اولاد مقتی کہتے تھے' یعنی رب تعالیٰ کی ناراضی والا نکاح۔ حضرت براء ابن عازب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے ماموں کے ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ کہیں جا رہے تھے' میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں آپ فرمانے لگے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ فلاں محلّہ میں ایک شخص نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کر لیا ہے میں اس کا سر کاٹ کر بارگاہ رسالت میں پیش کروں۔ (تفسیر خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** مسلمانوں پر اپنی اصول کی منکوحہ بیویاں حرام ہیں' باپ' دادا' نانا' پردادا اور پرنانا وغیرہم کی بیویاں حرام ہیں' جیسا کہ ما نکح سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** یہ قانون صرف مسلمانوں کیلئے ہے' اگر اسلامی حکومت میں پارسی' مجوسی وغیرہ اپنی ماں بہن سے نکاح کریں جو ان کے دین میں درست ہے' ہم اسے نہ منع کریں گے' جیسا کہ لا تنکحوا کے خطاب سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اپنے سگے باپ دادا کی بیویاں حرام ہیں نہ کہ سوتیلے باپ دادا کی' لہٰذا سوتیلے باپ کی بیوی سے نکاح درست ہے جیسا کہ اباؤکم سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جس عورت سے باپ دادا صرف نکاح کر لیں وہ بھی حرام ہے' اگرچہ صحبت کئے بغیر طلاق دے دیں' یا مر جائیں' جیسا کہ ما نکح کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جس عورت سے اپنا باپ دادا حلال صحبت کرے اگرچہ بغیر نکاح ہو وہ بھی حرام ہے' لہٰذا باپ کی موطوءہ لونڈی یا موطوءہ بالشبہ سے بیٹا' پوتا نکاح نہیں کر سکتا' یہ بھی ما نکح کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جس عورت سے اپنا باپ یا دادا حرام صحبت کرے یا بوس و کنار کرے' وہ بھی بیٹے پوتے پر حرام ہے جیسا کہ ما نکح کے عموم سے معلوم ہوا' یہ ہی احناف کا مذہب ہے کہ باپ کی مزنیہ عورت بیٹے پر حرام ہے کہ یہاں نکاح بمعنی ضم ہے یعنی ملنا' خواہ جسماً" ملنا ہو یعنی صحبت کیسی ہی ہو' حرام یا حلال یا زبانی ملنا' یعنی عقد نکاح۔ امام کرخی فرماتے ہیں کہ لفظ نکاح کی وضع تو صحبت کیلئے ہے' عقد نکاح کو مجازاً نکاح کر دیتے ہیں کہ یہ صحبت کا ذریعہ ہے' جیسے عقیقہ حقیقتہ" بچے کے سر کے بال ہیں' مگر اب اس بکری کو بھی عقیقہ کہہ دیتے ہیں جو پیدائشی بال مونڈنے پر ذبح کی جائے۔ **ساتواں فائدہ:** دنیا میں انسان کا نکاح صرف انسان عورت ہی سے ہو سکتا ہے۔ جن وغیرہ غیر انسان سے نہیں ہو سکتا' جیسا کہ من النساء سے معلوم ہوا' ہاں جنت میں حور سے بھی نکاح ہو گا اگرچہ حوریں انسان یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے وزوجنهم بحور عين **آٹھواں فائدہ:** اگر

مجوسی اسلام لائے اور اس کے نکاح میں اپنی ماں یا بہن یا بیٹی ہو تو اسلام لاتے ہی اس کو علیحدہ کرنا پڑے گا' لیکن اسلام سے پہلے جو اس کے بچے اس عورت سے پیدا ہو چکے وہ حلالی مانے جائیں گے 'جیسا کہ **الا ما قد سلف** سے معلوم ہوا' دیکھو بعض کفار کے ہاں نکاح بغیر ایجاب قبول ہوتے ہیں' مگر اسلام ان نکاحوں کو درست مانتا ہے' حتی کہ قرآن مجید نے ابولہب کی بیوی جمیلہ کو اس کی بیوی فرمایا' کہ ارشاد فرمایا **وامراتہ حمالۃ الحطب** حالانکہ اس کا نکاح اسلامی قاعدے سے نہ ہوا تھا۔ تواں

فائدہ: باپ دادا کی بیوی سے نکاح شرعاً" بھی حرام ہے عقلاً" بھی' عرفاً" بھی' ایسی حرکت سے بچنا اشد ضروری ہے' جیسا کہ فاحشۃ اور مقتاً اور ساء سبیلا" فرمانے سے معلوم ہوا' بہر حال اس شرعی حکم کو عقل و عرف نے قوت دے دی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر مجوسی' پارسی اسلام لائے' اور اس کے نکاح میں اس کی ماں یا بہن ہو اس پر علیحدہ ہو جانا واجب نہ ہو' کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **لا تنکحوا** اے مسلمانو! ان عورتوں سے نکاح نہ کرو' نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی' نہ کہ نکاح میں رکھنے کی' جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں نکاح بمعنی ضم ہے جو صحبت کو بھی شامل ہے اور نکاح کو بھی' یعنی ایسی عورتوں سے نہ نکاح کرو نہ صحبت' جب کہ اس مجوسی پر اسلام لا کر اس عورت کو ہاتھ لگانا بھی حرام ہو گیا' تو نکاح خود ہی ختم ہو گیا' اگر کافر نے بحالت کفر اپنی بیوی سے صحبت کی بعد میں اسلام لایا' تو اس پر غسل فرض ہے' اگرچہ بحالت کفر اس کے ذمہ غسل نہ تھا' اگر بحالت کفر اس کے کپڑے میں نجاست لگی' پھر وہ مسلمان ہوا تو اب کپڑا دھونا فرض ہے' اگرچہ کفر میں دھونا فرض نہ تھا' مسلمان ہو کر کفر کے زمانہ کی چوٹی' دھوتی' زنار توڑنا فرض ہے۔ دوسرا اعتراض: یہاں نکاح سے مراد ہے عقد نکاح اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادے نکاح کر لیں' تم ان سے نکاح نہ کرو' اب اگر اس نکاح سے صحبت بھی مراد لی جائے' تو یا حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم ہو گا یا مشترک کا عموم' ہم احناف کے ہاں یہ دونوں منع ہیں' لہذا اس سے تم صحبت مراد نہیں لے سکتے۔

نوٹ: یہ اعتراض امام شافعی کا ہے' جو وہ امام ابو حنیفہ پر کرتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے ہاں باپ کی مزنیہ عورت سے بیٹا نکاح کر سکتا ہے' حرام صحبت سے حرمت مصاہرت ان کے ہاں نہیں آتی' ان بزرگوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی: جواب: الزامی تو یہ ہے کہ پھر یہ آیت کریمہ آپ کے بھی خلاف ہو گی' وہ اس لئے کہ آپ بھی باپ کی موطوءہ لونڈی سے لڑکے کو نکاح یا صحبت کی اجازت نہیں دیتے' مگر اب اسے اجازت ہو گی کہ جس عورت سے باپ لونڈی بنا کر صحبت کرے پھر بیٹا اس سے نکاح کرے یا بعد میں بیٹا اس کا مالک ہو جائے تو اسے صحبت درست ہو' نیز اس سے لازم آئے گا کہ اگر مجوسی ایمان لائے حالانکہ اس کے نکاح میں پہلے ہی سے اپنے باپ کی موطوءہ ہو اسے علیحدہ نہ کرے' کیونکہ اب آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اے مسلمانو! جن سے تمہارے باپ نکاح کر لیں' تم ان سے نکاح نہ کرو اور طرح حلال صحبت کر لو' پہلے سے نکاح ہو چکا ہے' تو نکاح میں رکھو' جواب تحقیقی: یہ ہے کہ نفی یا نہی میں حقیقتہ" مجازیوں ہی مشترک کا عموم جائز ہے۔ (روح المعانی) مگر اس کا نفیس جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں نکاح بمعنی لغوی ہے یعنی ملنا ملانا' جس کی دو فردیں ہیں عقد نکاح اور صحبت' گویا یہ مشترک معنوی ہے نہ کہ مشترک لفظی' جیسا کہ **یصلون علی النبی** میں صلوۃ بمعنی اظہار شان ہے' رب کی صلوۃ رحمت بھیجنا ہے' فرشتوں کی صلوۃ دعائے رحمت کرنا' وہاں بھی مشترک

معنوی ہے نہ کہ لفظی "مشترک کا عموم و جمع۔ **تیسرا اعتراض:** ماں وغیرہ کی حرمت تو اگلی آیت میں آ رہی ہے' پھر یہاں علیحدہ کیوں بیان فرمائی۔ **جواب:** یا اسکے اہتمام کیلئے کہ تمام آئندہ حرمتوں میں اس کی حرمت سخت تر ہے' یا اس لئے کہ اہل عرب اسلام سے پہلے اس کی حرمت کے انکاری تھے یا اس لئے کہ اگلی آیت میں ماں کی حرمت کا ذکر ہے جس کے پیٹ سے انسان ہو' یہاں باپ کی منکوحہ کی حرمت مراد ہے' اور باپ کی مزنیہ یعنی سوتیلی ماں' لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** **الا ما قد سلف** کا استثناء نحوی قاعدہ سے درست نہیں' کیونکہ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ میں داخل ہونا چاہیے' حالانکہ یہاں آئندہ کے نکاح سے منع فرمایا جا رہا ہے' اور ماسلف گزشتہ کا نکاح ہے' جو آئندہ کے نکاح میں داخل نہیں' پھر استثناء کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** اس جگہ بعض مفسرین نے بہت توجیہیں کی ہیں' قوی توجیہ وہ ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کی' کہ یہاں جواز نکاح سے استثناء نہیں بلکہ گناہ سے استثناء ہے' یعنی جو پہلے ایسے نکاح ہو چکے' ان پر تمہاری پکڑ نہیں' اب آئندہ کرو گے تو پکڑ ہو گی' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ (تفسیر کبیر و معانی)

تفسیر صوفیانہ: عالم اجسام میں بعض چیزیں علویات ہیں جنہیں فلکیات کہا جاتا ہے' یہ گویا آباء یعنی والد ہیں کہ یہ فیض دینے والے ہیں' جیسے چاند سورج' آسمان ہوا وغیرہ اور بعض چیزیں سفلیات ہیں' یہ گویا امہات یعنی مائیں ہیں' جیسے زمین اور زمین کی چیزیں' یہاں گویا اشارۃً فرمایا جا رہا ہے کہ زمین و زمینی چیزیں جو آسمان و آسمانی چیزوں کے تصرف میں آ چکی ہیں' تم ان سے نکاح نہ کرو' ان میں دل نہ لگاؤ' یہ چیزیں تمہارے دل لگانے کیلئے نہیں ہیں' تمہارا نکاح ان سے نہیں ہو سکتا' تمہارا نکاح تو عالم ارواح جنت اور جنتی نعمتوں سے ہونے والا ہے' تم ان سے دل لگاؤ' ہاں **الا ما قد سلف** ان زمینی چیزوں میں اسی قدر تعلق رکھو جو تمہارے لئے تدبیر الٰہی میں درست ہو چکا ہے کہ ان سے بقدر ضرورت نفع اٹھاؤ' ان سے نفع اٹھانا جائز ہے' ان میں دل لگانا حرام ہے' بلکہ فاحشہ ہے' رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے' مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے کہ در شرع خداوندان حال می کنی از سنت و فرضم سوال
سنت آمد دل ز دنیا تافتن فرض راہ قرب مولیٰ یافتن

یعنی اگر تم حال والوں کی شریعت میں سنت و فرض کے بارے میں پوچھتے ہو تو سن لو دنیا سے منہ موڑنا سنت ہے' راہ حق پر چلنا' جس سے خدا مل جائے فرض ہے' حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود ز ہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

میں اس کی ہمت پر قربان جاؤں جو آسمان کے نیچے رہ کر ان رنگ و بو کی قیدوں سے آزاد ہے' مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

ہر کہ مجو بست او خود کودکے است مرد آں باشد کہ بیرون از شکے است
اے خنک آنکہ جہادے مے کند بر بدن زجری دوائے مے کند

ہماری شریعت میں بچہ بالغ وہ ہے جو یار سے حجاب میں ہے' جو یہ آڑ پھاڑ دے' وہی جوان مرد ہے' مبارک ہے' وہ جو اپنے پر ہمیشہ جہاد کرتا رہتا ہے' اپنے کو ہمیشہ برائیوں پر ملامت کرتا ہے۔ (روح البیان)

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّهٰتُکُمْ وَبَنٰتُکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ وَعَمّٰتُکُمْ وَخٰلٰتُکُمْ وَبَنٰتُ

حرام کی گئیں اوپر تمہارے مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں تمہاری اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں تمہاری اور

حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں

الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُکُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

بیٹیاں بھائی کی اور بیٹیاں بہن کی اور رضاعی مائیں وہ جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور بہنیں تمہاری دودھ سے

اور بھانجیاں اور رضاعی مائیں وہ جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں سوتیلی ماں کی حرمت کا ذکر تھا کہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے' اب سگی ماں کی حرمت کا ذکر ہے کہ عورت جس کے پیٹ سے تم پیدا ہوئے' اس سے نکاح بھی حرام ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس ماں کی حرمت کا ذکر تھا جو صرف ایک وجہ سے حرام ہو یعنی باپ کی بیوی ہونا' اب اس عورت کی حرمت کا ذکر ہے جو دو وجہ سے حرام ہو باپ کی بیوی یا موطوءہ ہونا اور اپنا ہمارا اس کے پیٹ سے پیدا ہونا' گویا ہلکی حرمت کے بعد سخت حرمت کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صرف ایک عورت کی حرمت کا ذکر تھا یعنی باپ کی منکوحہ یا موطوءہ' اب چودہ عورتوں کی حرمت کا ذکر ہے' گویا اختصار کے بعد تفصیل بیان فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **حرمت علیکم امھتکم** یہ جملہ خبر بمعنی امر ہے' اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ عورتیں تم پر پہلے حرام کی گئی تھیں' اب اس کی خبر دی جا رہی ہے' بلکہ آج سے انکی حرمت کے احکام دیئے جا رہے ہیں' حرمت کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے کہ اس کے معنی ہیں علیحدگی' دوری' محرومی' ممنوع چیز کو حرام کہا جاتا ہے' اور محترم معظم کو بھی' چنانچہ کہا جاتا ہے **بیت اللہ الحرام** یعنی حرمت و عزت والا بیت اللہ' کیونکہ ممنوع چیز کے استعمال سے اور محترم چیز کی بے ادبی سے علیحدہ رہا جاتا ہے' یہاں حرمت بمعنی ممانعت ہے۔ **علیکم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ **امھات** یا تو امہ کی جمع ہے جس کی ہ دور کر کے میم مشدد کر دی گئی' جمع میں واپس لوٹ آئی' یا ام کی جمع ہے' جس میں ہ زائدہ ہے' جیسے اراق کو اہراق اریق کو ہریق کہا جاتا ہے' ہ زائدہ کے ساتھ' یہ دراصل **امات** تھا ام کے لغوی معنی ہیں اصلی' اسی لئے مکہ معظمہ کو ام القریٰ اور سورۂ فاتحہ کو ام القرآن کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ بستیوں کی اصل ہے اور سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی اصل۔ امہات میں جائز ناجائز مائیں سب ہی شامل ہیں' جس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو وہ ام ہے' خواہ جائز صحبت سے پیدا ہو یا حرام صحبت سے' اسی طرح امہات میں دادیاں نانیاں سب شامل ہیں' اسی لئے امہات جمع ارشاد ہوا' تاکہ ہر قسم کی بلاواسطہ یا بالواسطہ ماں کو شامل ہو یعنی اے مسلمانو! تم پر تمہاری ہر قسم کی مائیں حرام کر دی گئیں' خواہ جائز ماں ہو یا ناجائز' خواہ ماں یا دادی نانی۔ خیال رہے کہ حرام و حلال ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ ذات کی' یعنی کام حرام یا حلال ہوتے ہیں خود شی حرام حلال نہیں ہوتی' لہٰذا یہاں نکاح پوشیدہ ہے یعنی تم پر ماؤں وغیرہ سے نکاح کرنا حرام ہے' جیسے شراب حرام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تم پر اس کا پینا حرام ہے' اس کی تفسیر گزشتہ آیت کر رہی ہے جہاں فرمایا گیا کہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو **وبنتکم واخواتکم**' **بنات** بنت کی جمع ہے۔ **اخوات** اخت کی جمع ان دونوں کلام کلمہ واؤ

ہے کہ بنت دراصل بنوۃ ہے' اور اخت دراصل اخوۃ' مگر اخت کی جمع میں تو واؤ لوٹ آیا' لیکن بنت کی جمع میں واؤ نہ لوٹا" (روح المعانی) بنت سے مراد مطلقاً بیٹی ہے حرام کی ہو یا حلال کی' یہ ہی احناف کا مذہب ہے' امام شافعی کے ہاں حرام کی بیٹی باپ کیلئے حلال ہے' مگر ہمارے ہاں حرام (کبیر و روح المعانی) نیز بنات میں پوتیاں نواسیاں سب شامل ہیں' اور اخوات میں سگی بہن' ماں شریکی بہن اور باپ' بہن سب داخل' یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری ہر قسم کی بیٹیاں جائز ہوں یا ناجائز' بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ' اور تمہاری مطلقاً بہنیں خواہ سگی ہوں یا سوتیلی' یہاں بھی تم میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے: خیال رہے کہ ماں اور بیٹی کسی آسمانی دین میں کبھی حلال نہ ہوئی' حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی ملت میں' بہن سے نکاح حلال تھا' نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بہن حرام ہوئی' بلکہ سوائے زرتشت کے جو مجوسیوں کا پیشوا تھا' کسی غیر آسمانی دین میں بھی ماں بیٹی وغیرہ حلال نہ ہوئیں' زرتشت نے ان تمام کو حلال کہا' مجوسی اب بھی اس پر عامل ہیں کہ ماں' بیٹی' بہن وغیرہ سب سے نکاح کر لیتے ہیں' زرتشت بڑا مکار فریبی تھا' اپنے جسم پر کوئی دوا مل کر آگ میں کود جاتا' آگ اسے نقصان نہ پہنچاتی' تو کہتا تھا کہ میں نبی ہوں' میرا یہ معجزہ ہے' لوگ اس عجوبہ کو دیکھ کر اسے رسول مان بیٹھے: بعض لوگوں نے کہا کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بہن سے نکاح حرام تھا' اس زمانہ میں مردوں کیلئے جنتی حوریں لائی گئی تھیں' مگر یہ محض غلط ہے' ورنہ پھر انسان خالص حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نہ ہوتے بلکہ آدم و حور سے مخلوط ہوتے' حق یہ ہی ہے کہ اس زمانہ میں' بہن سے نکاح حلال تھا' بطن کا فرق تھا' یعنی اس دفعہ پیدائش کی بچی' دوسری دفعہ کی پیدائش کے بچے کو حلال تھی (کبیر و معانی وغیرہ) **وعمتکم وخلتکم**' **عمات**' **عمۃ** کی جمع ہے اور خلات خالۃ کی جمع باپ کی بہن عمہ یعنی پھوپھی کہلاتی ہے' ماں کی بہن خالہ' خواہ ان کی سگی بہن ہو یا ماں شریکی یا باپ شریکی' بہرحال حرام ہیں' خیال رہے کہ دادا پردادا کی بہن بھی حرام ہے اور نانا پرنانا نیز نانی پرنانی کی بہن بھی حرام' یہ سب عورتیں ان دو لفظوں میں شامل ہیں **وبنت الاخ وبنت الاخت** یہ الفاظ خالات پر معطوف ہیں' ہر بھائی کی بیٹی حرام اور ہر بہن کی بیٹی حرام' خواہ سگے بھائی' بہن ہوں یا ماں شریکے یا باپ شریکے' یہ سات عورتیں نسبی رشتہ سے حرام ہیں **وامھتکم التی ارضعنکم** یہ جملہ یا تو **بنات الاخت** پر معطوف ہے یا **امھاتکم** پر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے' وہاں **امھات** فرمایا گیا' نسب کے لحاظ سے یہاں امہات فرمایا گیا' حرمت کے اعتبار سے' جیسے نبی کی بیویوں کو امہات فرمایا گیا' یا حرمت کے لحاظ سے یا ادب و احترام کی حیثیت سے' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ دودھ کی ماں کو اس لئے ماں فرمایا' تاکہ معلوم ہو کہ جیسے سگی ماں کے بھائی' بہن ہمارے ماموں خالہ ہیں اور اس کا خاوند ہمارا والد ہے' اس کے دیور ہمارے چچا تائے ہیں' اور ہم پر حرام ہیں' ایسے ہی دودھ کی ماں کے بھائی' بہن' اس کا خاوند' دیور' نند وغیرہ ہمارے ماموں' خالہ' والد' چچا' پھوپھی ہیں' اور ہم پر حرام ہیں' اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ دودھ سے وہ ہی رشتے حرام ہوتے ہیں: جو نسب سے حرام ہوتے ہیں' انہیں امہات فرما کر تمام گزشتہ رشتے اس میں داخل فرمالئے گئے' اور سب کو حرام قرار دیا گیا' اسی لئے آگے فرمادیا گیا' کہ دودھ کی بہن بھی حرام ہے' جب دودھ کی ماں کی بیٹی ہماری بہن ہو کر حرام ہو گئی تو اس کے باقی مذکورہ رشتہ دار بھی ہمارے عزیز ہو کر ہم پر حرام ہوئے' یہ بہت نفیس تحقیق ہے' **ارضعن**' **ارضاع** سے بنا' جس کا مادہ **رضع** ہے' بمعنی تھن منہ میں دینا' اسی لئے شیر خوار بچے کو رضیع کہتے ہیں' اور دودھ پلانے والی کو مرضعہ کہا جاتا ہے: **ارضعن** فرما کر دو مسئلے بتادیئے گئے' ایک یہ کہ اس عمر میں تم کو دودھ پلائے جب تم رضیع یعنی شیر خوار ہو یعنی دو یا ڈھائی سال کی عمر میں' اس کے بعد اگر تم کسی عورت کا دودھ پی لو تو وہ تم پر حرام نہ ہو گی کہ وہ تمہاری مرضعہ اور

تم رضیع نہیں دوسرے یہ کہ اگر ایک قطرہ دودھ بھی تم کسی عورت کا پی لو وہ تمہاری ماں ہے اور مع اپنے ان مذکورہ رشتہ داروں کے تم پر حرام' قربان جایئے قرآن کریم کی فصاحت کے 'کہ ایک ایک کلمہ میں بہت سے مسائل بیان فرماتا ہے **واخوا تكم من الرضاعة** یہ عبارت **امها تكم** پر معطوف ہے 'اخوات اخت کی جمع 'اس سے دودھ کی بہن مراد ہے' **من الرضاعة** فرماکہ یہ بتایا کہ صرف دائی کے پیٹ کی بیٹی تم پر حرام نہیں 'بلکہ اس کی ساری بیٹیاں حرام ہیں پیٹ کی ہوں یا سوتیلی 'یا دوسری کوئی اجنبی لڑکی جسے اس نے دودھ پلادیا ہو وہ سب تمہاری بہنیں ہیں اور تم پر حرام' سگی ماں کی دودھ کی بیٹی' دودھ کی ماں کی سگی بیٹی' دودھ کی ماں کی دودھ کی بیٹی' یہ سب ہماری دودھ کی بہنیں ہیں اور ہم پر حرام ہیں: **رضاعة** فرماکر گزشتہ دو قیدیں بتاریں کہ اس لڑکی نے دو ڈھائی سال کی عمر میں اس کا دودھ پیا ہو اور خواہ زیادہ پیا ہو یا کم سب تم پر حرام ہے 'غرضیکہ اخوات جمع فرماکر دودھ کی بہت سی قسم کی بہنیں بتادیں اور **من الرضاعة** فرماکر بہت سے مسائل بتادیئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس پوری آیت کریمہ میں چودہ عورتوں کی حرمت بیان فرمائی گئی 'جن میں سے سات عورتیں نسبی رشتہ دار ہیں' ماں 'بیٹی' بہن 'پھوپھی' خالہ' بھتیجی' بھانجی اور سات عورتیں نسب کے علاوہ دوسرے رشتے سے حرام 'چنانچہ دو دودھ کے رشتہ سے رضاعی ماں' رضاعی بہن اور نکاح کے رشتہ سے 'یعنی ساس' اور بیوی کی لڑکی' بیٹے کی بیوی کی حرمت یہاں مذکور ہے' اور باپ کی بیوی کی حرمت ابھی اوپر مذکور ہوئی' خاوند والی عورتیں' دو بہنوں کا نکاح میں اجتماع' ارشاد ہوا اے مسلمانو! تم پر حسب ذیل عورتیں حرام کی گئیں جن سے تمہارا نکاح نہیں ہو سکتا' تمہاری ہر قسم کی مائیں' جائز مائیں ہوں یا ناجائز' بلاواسطہ مائیں ہوں یا بالواسطہ دادیاں نانیاں وغیرہ: تمہاری ہر قسم کی بیٹیاں حلال کی بیٹی ہو یا حرام کی' بلاواسطہ بیٹی ہو یا بالواسطہ پوتیاں' نواسیاں وغیرہ: تمہاری ہر قسم کی بہنیں سگی ہوں یا باپ شریکی یا ماں شریکی' تمہاری ہر قسم کی پھوپھیاں' خواہ باپ کی سگی بہنیں ہوں یا ماں شریکی یا باپ شریکی' تمہاری ہر قسم کی خالائیں' خواہ ماں کی سگی بہنیں ہوں یا ماں شریکی یا باپ شریکی' نیز یہ پھوپھیاں خالائیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ یعنی دادا دادی' نانا نانی کی بہنیں یہ سب حرام ہیں: تمہاری بھتیجیاں خواہ سگے بھائی کی بیٹیاں ہوں یا باپ شریکے بھائی یا ماں شریکے بھائی کی: تمہاری بھانجیاں خواہ سگی بہن کی بیٹیاں ہوں یا ماں شریکی بہن کی یا باپ شریکی بہن کی' اور تمہاری دودھ پلانے والی مائیں یعنی دائیاں' جو تم کو ڈھائی سال کی عمر میں دودھ پلائیں 'جن کا دودھ کا قطرہ بھی تمہارے پیٹ میں کسی طرح پہنچ گیا تم پر حرام ہو گئیں' تمہاری دودھ کی بہنیں' خواہ تمہاری سگی ماں کی شیر خوار ہوں یا دودھ کی ماں کی پیٹ کی ہوں' خواہ دودھ کی ماں کی دودھ کی بیٹی ہوں' خواہ تمہارے ساتھ دودھ پئیں یا تم سے آگے پیچھے' بہرحال تم پر حرام ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نسبی لحاظ سے چار قسم کی عورتیں مسلمان پر حرام ہیں' اپنے اصول جن کی اولاد میں تم ہو' جیسے ماں' نانی' دادی' پرنانی پردادی اپنے فروع بیٹی پوتی' نواسی پرپوتی' پرنواسی: اپنے اصول قریبہ' ماں باپ کی اولاد' بہن بھانجی' بھتیجی اور بھانجی بھتیجی کی اولاد' خواہ کتنی ہی دور ہو یوں ہی بھانجے بھتیجے کی اولاد' اصول بعیدہ: یعنی دادا نانا کی پیٹ کی اولاد تو حرام ہے مگر اس کی اولاد کی اولاد حلال یعنی پھوپھی' خالہ تو حرام مگر پھوپھی زاد اور خالہ زاد لڑکیاں حلال' دیکھو رب تعالیٰ نے صرف پھوپھیوں' خالاؤں کو حرام فرمایا' مگر بہن کو علیحدہ حرام قرار دیا' بھانجیوں بھتیجیوں کو علیحدہ حرام فرمایا۔ دوسرا فائدہ: ماں خواہ حلال کی ہو یا حرام کی اولاد پر حرام ہے۔ یعنی زنا کے بیٹے پر زانیہ ماں حرام جیسا کہ امہات

کے عموم سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے امہات میں حلال کی قید نہ لگائی' یوں ہی حرام کی نانی دادی بھی مرد پر حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جیسے ہر قسم کی ماں حرام ہے' ایسے ہی ہر قسم کی بیٹی باپ پر حرام ہے خواہ حلال کی ہو یا حرام کی' لہٰذا زانی پر اپنی حرام کی بچی حرام ہے' جیسا کہ بنات کے عموم سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں بھی امہات کی طرح بنات میں بھی حلال کی قید نہ لگائی' تعجب ہے کہ حضرت امام شافعی حرام کی ماں کو تو بیٹے پر حرام مانتے ہیں مگر حرام کے باپ کو بیٹی پر حرام نہیں مانتے' وہ فرماتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے زانی باپ نکاح کر سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے یہاں جیسے امہات (ماں) کو مطلقاً حرام فرمایا' ایسے ہی بنات (بیٹی کو مطلقاً حرام قرار دیا' اس جگہ تفسیر کبیر نے اس پر بہت دلائل قائم کئے' جو انشاء اللہ اعتراض و جواب میں عرض کئے جائیں گے۔

چوتھا فائدہ: بہن' پھوپھی' خالہ' بھتیجی' بھانجی' مطلقاً حرام ہیں خواہ سگی ہوں یا ماں شریکی یا باپ شریکی' جیسا کہ ان الفاظ کے عموم سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مطلقاً بہن کی مطلقاً اولاد حرام ہے خواہ حلال کی ہو یا حرام کی' کیونکہ یہاں امہات اور بنات کی طرح اخوات اور بنات الاخ میں کوئی قید نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** بھائی بہن خود بھی حرام ہیں ان کی اولاد در اولاد بھی حرام' مگر خالہ' پھوپھی خود تو حرام ہیں ان کی اولاد حرام نہیں لہٰذا خالہ زاد' پھوپھی زاد اولاد حرام نہیں حلال ہے' جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ:** جس عورت کا دودھ لڑکپن یعنی ڈھائی سال کی عمر میں بچے کے پیٹ میں پہنچ جائے' وہ عورت اس بچہ کی دودھ کی ماں ہو گئی اور ہمیشہ کیلئے حرام جیسا کہ ارضعن کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں پانچ یا دس گھونٹ دودھ کی قید نہیں لگائی گئی۔ **آٹھواں فائدہ:** اگر بچہ ڈھائی سال کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پئے تب وہ عورت حرام ہو گی' ورنہ نہیں' اس عمر کے بعد دودھ پینا عورت کو حرام نہیں کرتا' یہ فائدہ بھی **ارضعن** سے حاصل ہوا کہ جس عمر میں بچہ رضیع یعنی شیر خوار کہلائے اس عمر میں دودھ پینا حرام کرے گا بعد میں نہیں۔ **نواں فائدہ:** دودھ کی بہن مطلقاً حرام ہے' خواہ سگی ماں کی دودھ کی بیٹی ہو یا دودھ کی ماں کی سگی بیٹی یا دودھ کی ماں کی دودھ کی بیٹی' پھر خواہ ہمارے ساتھ دودھ پئے یا آگے پیچھے' سب حرام ہیں' جیسا کہ یہاں اخواتکم کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان مذکورہ قیدوں میں سے کسی قید کا ذکر نہ فرمایا۔

دسواں فائدہ: دودھ پلانے والی کے تمام وہ قرابت دار حرام ہیں جو سگی ماں کے حرام ہیں' لہٰذا دائی کا خاوند اس بچی کا باپ ہے' اس کے بیٹے اس کے بھائی' اس کی ساس' اس بچی کی دادی وغیرہ وغیرہ' کیونکہ رب تعالیٰ نے دائی کو ماں فرمایا اور اس کی بیٹی کو بہن قرار دیا' معلوم ہوا کہ خود یہ سگی ماں کی طرح ہے' غرضیکہ اس مختصر سے لفظ میں دودھ کے تمام رشتوں کا حکم بیان ہو گیا۔

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند واز جانب شیرخوار زوجان و فروع

یعنی شیر خوار بچے پر دائی کے سارے عزیز مذکورہ حرام ہو جاتے ہیں مگر دائی اور دائی کے خاوند پر اس شیر خوار بچے کی اولاد و خاوند بیوی حرام ہیں باقی سب حلال' نسب و رضاعت کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں دیکھو' یہ آیت ان تمام مسائل کی اصل ہے۔

گیارھواں فائدہ: جیسے ان مذکورہ مردوں پر مذکورہ عورتیں حرام ہیں' ایسے ہی مذکورہ عورتوں پر یہ مذکورہ مرد حرام ہیں یعنی جیسے بھائی پر بہن اور بہن کی تمام اولاد حرام ہے ایسے ہی بہن اور اس کی اولاد پر بھائی اور بھائی کی تمام اولاد حرام' آیت کریمہ نے حرمت کا ایک رخ دکھلایا جس سے دوسرا رخ خود ہی نظر آ گیا۔ (از تفسیر کبیر و معانی)

پہلا اعتراض: اس آیت میں یہ تو ارشاد ہوا کہ تم پر یہ عورتیں حرام کی گئیں مگر نہ تو یہ معلوم ہوا کہ کس نے حرام کیں اور نہ

یہ کہ کب تک حرام فرمائیں۔ جواب: قرآن شریف جس کی کتاب ہے اسی نے یہ عورتیں حرام فرمائیں یعنی رب تعالیٰ نے ایسے موقعہ پر خود قرینہ سے فاعل معلوم ہو جاتا ہے' نیز جب حرمت میں وقت کی قید نہیں' تو ہمیشہ ہی کیلئے حرام ہوئیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **کتب علیکم الصیام** تم پر روزے فرض کئے گئے' کس نے فرض کئے؟ رب تعالیٰ نے' کب تک فرض کئے؟ جب تک تم زندہ رہو' ہر رمضان میں روزے رکھو (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں بنات سے مراد حلال کی بیٹی ہے' خواہ نکاح کے ذریعہ پیدا ہو یا لونڈی کے ذریعہ سے' حرام کی بیٹی اپنی بیٹی ہی نہیں اگرچہ اپنے نطفہ سے ہو' لہٰذا زانی اپنی زنا کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے' اگر حرام کی بیٹی کا نسب باپ سے ہوتا تو اسے اس باپ کی میراث بھی ملتی' مگر نہیں ملتی' اور یہ باپ کے خاندان سے مانی جاتی' مگر نہیں مانی جاتی' نیز باپ پر اس بیٹی کی پرورش واجب و لازم ہوتی' مگر واجب نہیں ہوتی' صرف ماں کی بیٹی مانی جاتی ہے: نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بچہ مستحق فراش کا ہے' زانی کیلئے پتھر ہیں' معلوم ہوا کہ بچہ زانی کا ہوتا ہی نہیں' جب حرام کی بیٹی پر نسب کے یہ احکام جاری نہیں' تو اس سے زانی باپ کا نکاح بھی حلال ہے۔ (امام شافعی از تفسیر کبیر)۔

نوٹ: یہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے انتہائی دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ حرام کی بیٹی کا نکاح زانی باپ سے جائز فرماتے ہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں قرآن مجید نے امہات اور بنات یعنی ماں اور بیٹیوں کی مطلقاً حرام فرمایا' حرام یا حلال کی قید نہیں لگائی' کہ فرمایا **حرمت علیکم امھا تکم وبنا تکم:** آپ جب حرام کے بیٹے پر اس کی حرام کی ماں حرام کہتے ہیں' تو اسی قاعدے سے حرام کی بیٹی پر حرام کے باپ کو حرام مانیں کہ قرآنی طرز بیان بالکل یکساں ہے دو حرمتوں کو یکساں طریقہ سے بیان فرمایا گیا' دوسرے یہ کہ حرمت اور چیز ہے' میراث و پرورش دوسری چیز' بہت جگہ میراث و پرورش نہیں جاری ہوتی' مگر حرمت موجود ہوتی ہے' دیکھو سوتیلی ماں پر نہ بچے کی پرورش ہے نہ میراث' مگر حرمت موجود ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے' بہت صورتوں میں بھانجی بھتیجی کو ماموں چچا کی میراث نہیں ملتی' اور نہ ماموں چچا کے ذمہ ان کی پرورش ہے' مگر حرمت موجود ہے کہ ماموں پر بھانجی' چچا پر بھتیجی مطلقاً حرام ہے' حرمت کو میراث یا پرورش سے ثابت کرنا درست نہیں' تمہاری پیش کردہ حدیث کا مطلب کچھ اور ہے وہ یہ کہ ایک منکوحہ عورت کے بچہ پیدا ہوا' کوئی اجنبی شخص کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے' میں نے اس عورت سے زنا کیا تھا' جس کا یہ بچہ ہے' مگر عورت کا خاوند کہتا ہے' کہ بچہ میرا ہے' تو یہ بچہ خاوند کا ہو گا کہ وہ فراش یعنی مستحق ہے زانی کا نہ ہو گا' اسے تو اپنے اقرار زنا کی وجہ سے سنگسار کیا جائے گا' وہاں ثبوت نسب کا ذکر ہے نہ کہ حرمت کی بحث' بہرحال مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے' کہ حرام کی لڑکی زانی باپ پر حرام ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ بچہ جس عورت کے دودھ کا قطرہ بھی پی لے وہ بھی اس پر حرام ہے' مگر حدیث شریف میں ہے کہ ایک دو چسکیاں و گھونٹ حرام نہیں کر دیتے' پانچ گھونٹ حرام کرتے ہیں' تمہاری یہ تفسیر اس حدیث کے خلاف ہے (امام شافعی از تفسیر کبیر) **جواب:** حق یہ ہے کہ اس قسم کے تمام احادیث منسوخ ہیں: چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ پانچ گھونٹ دودھ حرام کرتا ہے' پہلے یہ ہی حکم تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آخری حکم پر جو قرار پایا وہ یہ ہے کہ تھوڑی سی رضاعت بھی حرام کرتی ہے اور بہت بھی: نیز کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فتوے دیتے ہیں کہ ایک دو گھونٹ حرام نہیں کرتا آپ نے جواب دیا کہ رب تعالیٰ کا فتویٰ جناب ابن زبیر کے فتویٰ سے اعلیٰ ہے' رب تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے کہ مطلقاً دودھ حرام کر دیتا ہے' پھر یہ ہی

آیت تلاوت کی (روح المعانی) تمہاری پیش کردہ حدیث خود تمہارے بھی خلاف ہے: کیونکہ تمہارا مذہب یہ ہے کہ جب تک بچہ پانچ بار مختلف مجلسوں میں خوب پیٹ بھر کر دودھ نہ پی لے تب تک دائی اس پر حرام نہ ہوگی اور تمہاری حدیث میں صرف پانچ چسکیوں کا ذکر ہے (روح المعانی) نیز تمہاری حدیث کا دوسری احادیث سے تعارض ہے' چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ دس گھونٹ دودھ سے بچہ عورت پر حرام ہوتا ہے' بہرحال مذہب حنفی بہت قوی ہے کہ جس عورت کا دودھ کا قطرہ بھی بچہ کے پیٹ میں پہنچ جائے وہ عورت بھی بچہ پر حرام ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ ڈھائی سال کی عمر میں دودھ پینا معتبر ہے' اس کے بعد اگر کسی کا دودھ پی لیا جائے تو عورت حرام نہ ہوگی اور یہ بچہ اس کا بیٹا نہ بنے گا مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑا آدمی بھی کسی کا دودھ پی لے' وہ بھی حرام ہو جاتی ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی کو اپنا دودھ کا بھانجہ بنانا چاہتیں تو اپنی بہن ام کلثوم سے فرماتیں کہ وہ اسے اپنا دودھ پلا دیں' چنانچہ وہ کسی ذریعہ سے دودھ پلا دیتیں تو حضرت عائشہ صدیقہ اس سے پردہ نہ کرتیں' فرماتیں کہ میں اس کی خالہ ہوں: نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ابو حذیفہ کی بی بی سہلہ بنت سہیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالم میرے پاس آتے ہیں' تو ابو حذیفہ ناراض ہوتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سالم کو اپنا دودھ پلا دو' پھر تم اس کے دودھ کی ماں ہو جاؤ گی' چنانچہ سہلہ نے ایسا ہی کیا' پھر حضرت سالم ان کے پاس آتے تو ابو حذیفہ ناراض نہ ہوتے کہ اب حضرت سہلہ حضرت سالم کی دودھ کی ماں بن چکی تھیں ان سے پردہ نہ رہا ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت شیر خوارگی کیلئے کوئی مدت مقرر نہیں' جس عمر میں بھی عورت کا دودھ پلا دیا جائے' عورت اس کی ماں بن جائے گی' نیز اس آیت کریمہ میں عمر کی کوئی قید نہیں' جب بھی عورت دودھ پلائے وہ اسکی ماں ہے **ارضعنکم** مطلق ہے۔ **جواب:** تم نے جس قدر احادیث پیش کیں' وہ تمام منسوخ ہیں جن پر اب حکم جاری نہیں ان کی ناسخ یہ احادیث ہیں' چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دو سال کے اندر رضاعت ہے' نیز ترمذی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رضاعت اس زمانہ ہی میں ہو سکتی ہے جب کہ دودھ پر بچہ گزارہ کرے۔ ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رضاعت اس زمانہ ہی میں ہوگی جبکہ عورت کے دودھ سے گوشت و ہڈی بنے: مسلم' بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایکبار میرے پاس ایک شخص بیٹھا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا میرا دودھ کا بھائی ہے' فرمایا ذرا سمجھ لیا کرو کہ دودھ کا بھائی کون ہوتا ہے **الرضاعة من المجاعة**: شیر خوارگی اس عمر میں ہوتی ہے جب کہ اس دودھ سے بھوک دفع ہو' اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں خود اس آیت کریمہ میں بھی اسی عمر کی طرف اشارہ ہے کہ فرمایا گیا **ارضعنکم**: جس سے معلوم ہوا کہ دودھ جب ہی پلایا جائے جب کہ بچہ رضیع یعنی شیر خوار ہو' یہ احادیث ناسخ ہیں تمہاری پیش کردہ احادیث منسوخ۔ (روح المعانی) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دودھ کے رشتہ سے صرف دو عورتیں ہی حرام ہوں گی' ایک دودھ کی ماں' دوسری دودھ کی بہن مگر تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ دودھ کے ذریعہ تمام وہ عورتیں حرام ہیں جو نسب کے ذریعہ حرام ہوتی ہیں' دودھ کی پھوپھی خالہ وغیرہ یہ حرمتیں کہاں سے نکال لیں؟ **جواب:** خود اس آیت سے اور بہت سی احادیث سے' اس آیت میں رب تعالیٰ نے دودھ دینے والی کو ماں فرمایا اور اس کی بیٹی کو بہن قرار دیا جس سے معلوم ہوا کہ نسب کی طرح

اس ماں کے تمام وہ رشتہ دار حرام ہوں گے جو نسبی ماں کے حرام ہوتے ہیں' اور اس بارے میں احادیث تو بے شمار وارد ہیں' ہمارا ایمان قرآن شریف کی طرح حدیث شریف پر بھی ہے' ہم نے نماز و زکوۃ قرآن شریف سے لیں' مگر ان کی تعداد اور مقدار اور طریقہ اور احادیث شریف سے لیا' چونکہ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی' اس لئے اس کی تفسیر صوفیانہ یہاں بیان نہیں کی گئی' انشاءاللہ العزیز ختم آیت پر عرض کی جائے گی۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ
اور مائیں تمہاری عورتوں کی اور ان عورتوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں تمہاری ان بیویوں سے
اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیویوں سے
الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
جن سے صحبت کر لی ہے تم نے ساتھ انکے بس اگر تم نے نہ صحبت کی ہو ان سے تو نہیں ہے کوئی گناہ
جس سے تم صحبت کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج
عَلَیْكُمْ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا
تم پر اور بیویاں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہوں اور یہ کہ جمع کرو تم
نہیں اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا
بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾
درمیان دو بہنوں کے مگر وہ جو گزر گیا بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان
مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس جملہ کا پچھلے جملہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** مسلمان مرد پر عورتیں تین رشتوں سے حرام ہوتی ہیں نسب رضاعت یعنی شیر خوارگی مسرالیت جن میں سے دو رشتوں کا ذکر تو پہلے ہو چکا نسب و رضاعت اور تیسرے رشتہ کا اب ذکر ہو رہا ہے' یعنی سسرالیت' لہٰذا یہ جزء پہلے جزء کا تتمہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** عورتوں کی حرمت دو طرح سے آئی ہے' اختیاری' غیر اختیاری' جن میں سے غیر اختیاری حرمتوں کا ذکر پہلے ہوا یعنی نسب و شیر خوارگی' کہ یہ رشتے انسان اپنے اختیار سے پیدا نہیں کرتا' اور اختیاری حرمت کا ذکر اب ہے' کہ انسان نکاح اپنے اختیار سے کرتا ہے' جن سے یہ حرمتیں آئی ہیں۔ **تیسرا تعلق:** نسبی و رضاعی رشتے انسان توڑ نہیں سکتا کہ جو عورت ماں' بہن بن چکی وہ بن گئی' یہ شخص اسکے بیٹا ہونے بھائی ہونے سے نکل

نہیں سکتا، مگر سسرالی رشتہ انسان کے قبضہ میں ہے کہ چاہے رکھے چاہے توڑ دے، پہلے دو رشتوں کی تمام حرمتیں لازم ہیں کہ کبھی نہیں اٹھ سکتیں مگر آخری سسرالی رشتہ کی دو حرمتیں لازم ہیں، یعنی زوجہ کی ماں، دادی، نانی اور زوجہ کی بیٹی پوتی اور باقی حرمتیں غیر لازمی یعنی محض عارضی ہیں جیسے بیوی کی بہن، خالہ، پھوپھی کی حرمت کہ جب تک بیوی نکاح میں ہے، یہ عورتیں حرام ہیں، جب بیوی نکاح سے باہر ہوئی، یہ عورتیں حلال ہو گئیں، ان دو حرمتوں اور ان کے رشتوں کا ذکر پچھلے جملہ میں تھا، تیسرے رشتہ و حرمت کا ذکر اب ہو رہا ہے، بہرحال یہ جملہ پہلے جملہ کے ساتھ پورا پورا تعلق رکھتا ہے۔

تفسیر۔ **وامھات نسآئکم** یہ عبارات **اخواتکم** پر معطوف ہے، واؤ عاطفہ ہے، یہاں بھی خطاب مسلمانوں ہی سے ہے امہات سے مراد ساری اور ہر قسم کی مائیں ہیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ یعنی دادیاں نانیاں وغیرہ بشرطیکہ سگی ہوں بیوی کی سوتیلی ماں، سوتیلی دادی وغیرہ حرام نہیں، نساء سے مراد ہر وہ عورت ہے جس سے نکاح صحیح ہو چکا ہو، صحبت ہوئی ہو یا نہ، جس عورت سے نکاح فاسد ہوا ہے اس کی ماں صحبت کے بعد حرام ہو گی پہلے نہیں (روح المعانی وغیرہ) جس سے نکاح باطل ہوا اس کی ماں بعد صحبت بھی حرام نہیں کہ یہ صحبت خالص زنا ہے اور زنا سے مزنیہ عورت کی ماں حرام نہیں ہوتی اس کی وہ بیٹی حرام ہوتی ہے جو اس مرد کے اپنے نطفے سے ہو، حضرت علی، زید ابن ثابت، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر، جابر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ بیوی کی ماں بھی صحبت کے بعد حرام ہو گی مگر جمہور صحابہ اور تمام ائمہ مجتہدین کا یہی فرمان ہے کہ منکوحہ کی ماں بھی مطلقاً حرام ہے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اس جملہ سے یہ ہی ظاہر ہے کہ یہاں **نساء** مطلقاً فرمایا گیا، صحبت کی قید نہیں لگائی گئی، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں لونڈیاں بھی داخل ہیں جن سے صحبت ہو چکی ہو مگر حق یہ ہی ہے کہ یہاں اس میں وہ لونڈیاں داخل نہیں: **نساء کم** میں صرف بیویاں داخل ہیں (روح المعانی و کبیر و خازن وغیرہ) **وربآئبکم التی فی حجور کم** یہ عبارت امہات پر معطوف ہے واؤ عاطفہ ہے ربائب جمع ہے ربیبہ کی، جس کا مادہ ربٌّ ہے بمعنی پرورش ربیب بروزن فعیل صفت مشبہ ہے جو مذکر و مونث دونوں پر بولا جاتا ہے مگر چونکہ یہاں صفتی معنی میں ہے اس لئے اس پر مونث میں ت آ گئی اور ربیب بمعنی مربوب ہے، یہاں ربیبہ سے مراد وہ لڑکی ہے جو اپنی بیوی کے پیٹ سے ہو دوسرے خاوند سے یعنی سوتیلی بیٹی، چونکہ عموماً سوتیلی لڑکی ماں کے ساتھ رہتی ہے اور سوتیلا باپ ہی اس کی پرورش کرتا ہے اس لئے اسے ربیبہ کہتے ہیں حجور حجر کی جمع ہے بمعنی گود یعنی بغل سے لے کر کمر تک کا حصہ جسم جہاں بچہ کو بٹھایا جاتا ہے، یہ ح کے فتح سے بھی کسرہ سے بھی، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حجرہ کی جمع ہے بمعنی گھر یعنی تم پر تمہاری وہ سوتیلی بیٹیاں حرام ہیں جو تمہاری پرورش میں ہیں یا رہیں: خیال رہے کہ پرورش کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی، چونکہ عرب میں عام طور پر سوتیلی بیٹیاں، سوتیلے باپ کی پرورش میں رہتی تھیں، اس لئے اس کا ذکر فرما دیا گیا، لہٰذا اگر سوتیلی بیٹی باپ کی پرورش میں بالکل نہ رہی ہو تب بھی حرام ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ دونا دون سود نہ کھاؤ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھا لیا کرو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے تھے جو سوتیلی بیٹی باپ کی پرورش میں نہ رہے وہ باپ پر حلال ہے۔ (روح المعانی) مگر تمام صحابہ و ائمہ دین کا فرمان یہ ہے کہ سوتیلی بیٹی مطلقاً حرام ہے (روح المعانی، کبیر وغیرہ) **من نسآئکم التی دخلتم بھن** یہ عبارت ربائب کا حال ہے۔ **نساء کم** سے مراد بیویاں ہیں۔ **دخلتم** سے مراد صحبت یا خلوت صحیحہ ہے یعنی جن بیویوں سے تم نے صحبت یا خلوت کر

لی ہے ان کے پیٹ کی بیٹیاں یعنی تمہاری سوتیلی بیٹیاں تم پر حرام ہیں' تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ قید احترازی ہے یعنی جس منکوحہ عورت سے صحبت یا خلوت ہو جائے اس کی بیٹی' پوتی' نواسی سب حرام ہیں **فان لم تکونوا دخلتم بهن فلا جناح علیکم** یہ جملہ اس مذکورہ شرط کا بیان ہے دخول سے مراد صحبت' خلوت' شہوت سے بوس و کنار یا چھونا سب کچھ ہے' یعنی اگر تم نے اپنی بیوی سے صحبت' خلوت' بوس و کنار' مس وغیرہ کچھ نہ کیا کہ وہ مرگئی یا اسے طلاق دے دی تو اس کے پیٹ کی بیٹی سے تم نکاح کر سکتے ہو' اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ خیال رہے کہ ربیبہ کی حرمت میں یہ قید اتفاقی تھی کہ **فی حجورکم** اس سے کوئی شبہ کر سکتا تھا کہ شاید یہاں بھی صحبت کی قید اتفاقی ہوگی اس لئے **فان لم تکونوا** ارشاد ہوا جس سے بتایا گیا کہ یہ قید اتفاقی نہیں بلکہ واقعی اور احترازی ہے کہ جس عورت کی بغیر صحبت طلاق یا موت واقع ہو جائے اس کی بیٹی سے نکاح درست ہے **وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم** یہ عبارت **وربائبکم** پر معطوف ہے۔ **حلائل حلیلة** کی جمع ہے جو حل یا حلول یا حلال سے بنا۔ حل کے معنی ہیں کھولنا۔ حلال کے معنی ہیں مباح ہونا۔ حلول کے معنی ہیں سمانا' چونکہ بیوی خاوند ایک دوسرے کو کھولتے بھی ہیں' ایک دوسرے کے بستر میں سماتے بھی ہیں اور ایک دوسرے کو حلال و مباح بھی ہوتے ہیں' اس لئے خاوند کو حلیل اور بیوی کو حلیلہ کہا جاتا ہے (روح المعانی و کبیر) حلیلہ میں بیوی حلال لونڈی دونوں داخل ہیں' اس لئے یہاں زوجہ نہ فرمایا۔ حلیلہ فرمایا۔ ابناء سے مراد ساری اولاد ہے' بیٹا' پوتا' نواسہ وغیرہ اصلاب صلب کی جمع ہے' معنی پشت و پیٹھ چونکہ نطفہ مرد کی پیٹھ میں رہتا ہے' عورت کے سینہ کی ہڈیوں میں' پھر بوقت صحبت ان مقامات سے چل کر رحم میں جاگزین ہوتا ہے' اس لئے من اصلابکم فرمایا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یخرج من بین الصلب والترائب** یعنی تم پر حرام ہیں اپنی صلبی و نسبی اولاد کی بیویاں اور لونڈیاں نسلی و صلبی کی قید پالک بیٹے کو نکالنے کیلئے ہے کہ جسے منہ بولا بیٹا بنا لیا جائے اس کی بیوی حرام نہیں' اپنے رضاعی و حرام بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش اسدیہ سے نکاح کیا جو امیمہ بنت عبدالمطلب کے پیٹ سے تھیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی یہ پہلے زید ابن حارثہ کے نکاح میں تھیں' اور زید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پالک یعنی منہ بولے بیٹے تھے' لوگوں نے اعتراض کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا تب یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات نازل ہوئیں جن میں ارشاد ہوا کہ اپنے نسلی و صلبی بیٹے کی بیوی حرام ہے نہ منہ بولے کی (کبیر' خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) **وان تجمعوا بین الاختین** یہ عبارت **وحلائل** پر معطوف ہے اس لئے رفع کے محل میں ہے اَن مصدریہ ہے۔ جمع کرنے سے مراد نکاح یا حلال صحبت میں جمع کرنا ہے۔ اختین سے مراد ہر قسم کی بہنیں ہیں سگی ہوں یا ماں یا باپ شریکی یا دودھ کی' یعنی اے مسلمانو! تم پر یہ بھی حرام ہے کہ کسی قسم کی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو یا لونڈیاں خرید کر دونوں سے صحبت کرو' خواہ اس طرح کہ ایک بہن کو بیوی بنالو' دوسری کو لونڈی بنا کر صحبت کرو' یہ سب صورتیں حرام ہیں۔ اس لئے **ان تجمعوا** فرمایا۔ خیال رہے کہ دو بہنوں کو جمع کرنا قرآن کریم نے حرام فرمایا اور خالہ' بھانجی' پھوپھی' بھتیجی' ماں بیٹی' غرضیکہ وہ دو عورتیں جو جانبین میں ایک دوسرے پر حرام ہوں ان کا جمع فرمانا حدیث شریف نے حرام کیا لہٰذا اس قسم کی تمام عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا یا نکاح میں رکھنا حرام ہے **الا ما قد سلف** اس کی تفسیر ابھی کچھ پہلے گزر چکی کہ حق یہ ہے کہ یہاں گناہ سے استثناء ہے نہ کہ عمل سے' اور استثناء متصل ہی ہے نہ کہ منقطع یعنی اب اگر ان مذکورہ عورتوں سے نکاح کرو گے یا انہیں نکاح میں رکھو گے تو سخت گناہگار ہو گے' ہاں جو پہلے ایسے نکاح کر چکے یا رکھ

چکے وہ معاف ہیں کیونکہ ان اللہ کان غفورا رحیما اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے 'احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ' ترمذی نے حضرت فیروز دیلمی سے روایت کی کہ جب میں اسلام لایا تو میرے نکاح میں دو بہنیں تھیں' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان میں سے ایک کو رکھو' ایک کو طلاق دے دو' عطاء اور سدی فرماتے ہیں کہ دو بہنوں کا نکاح میں رکھنا اسلام میں حرام ہے' پہلے بعض شریعتوں میں جائز تھا' چنانچہ لیا اور راحیل دونوں بہنیں تھیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں بیک وقت تھیں' لیا کے شکم سے یہودا پیدا ہوئے' اور راحیل کے بطن سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین واللہ اعلم (تفسیر احمدی' حسینی و روح المعانی بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ نے ان دونوں بہنوں سے نکاح آگے پیچھے کیا' کچھ بھی سہی' اسلام کے اکثر احکام گزشتہ شریعتوں سے جدا گانہ ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم نسبی اور دودھ کے رشتوں سے عورتوں کی حرمت معلوم کر چکے' خیال رکھو کہ سسرالی رشتہ سے تم پر تین قسم کی عورتیں حرام ہیں' اپنی منکوحہ بیویوں کی ہر قسم کی مائیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ دادی نانی وغیرہ اور تم نے ان بیویوں سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو اور تمہاری مطلقاً سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں بشرطیکہ تم نے ان کی ماؤں سے صحبت کرلی ہو' اگر صحبت نہ کی' اور وہ تمہارے نکاح سے خارج ہو گئیں کہ قبل از خلوت ان کی طلاق یا موت واقع ہو گئی' تو تم ان کی لڑکیوں سے نکاح کر سکتے ہو' یہاں بھی لڑکیوں میں بیٹیاں پوتیاں نواسیاں سب داخل ہیں' یوں ہی تم پر اپنے صلبی بیٹوں کی حلال عورتیں حرام ہیں' خواہ ان کی بیویاں ہوں خواہ لونڈیاں جن سے وہ صحبت کر چکے ہوں منہ بولے بیٹے (پالک) کی بیوی حرام نہیں' کہ وہ تو تمہارا بیٹا ہی نہیں' اور تم پر یہ بھی حرام ہے کہ تم کسی قسم کی دو بہنوں کو خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی نکاح یا صحبت میں جمع کرو کہ نہ تو ایک ساتھ دونوں بہنوں سے نکاح کر سکتے ہو' اگر ایسا کیا تو سخت گناہگار ہو گے ہاں جو اس قسم کے نکاح تم اسلام سے پہلے یا اس قانون کے بننے سے پہلے کر چکے ہو اس کا تم پر گناہ نہیں اللہ تعالیٰ اس قسم کے کاموں پر پکڑ نہیں فرماتا' کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اپنی بیوی کی ساری اصولی عورتیں حرام ہیں' ماں' دادی' نانی وغیرہ جیسا کہ امہات کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** منکوحہ بیوی کی ماں مطلقاً حرام ہے اس سے صحبت یا خلوت کی ہو یا نہ کی ہو' مگر لونڈی کی ماں جب حرام ہو گی جب اس سے صحبت یا لمس ہو چکا ہو' جیسا کہ نساء کم کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ جب نساء کی نسبت مردوں کی طرف ہوتی ہے' تو اس سے آزاد عورتیں مراد ہوتی ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** جس عورت سے زنا یا مقدمات زنا ہو جائیں' اس کی ماں وغیرہ بھی زانی پر حرام ہیں' جیسا کہ نساء کم کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ (حنفی) **نوٹ:** یہ استنباط کچھ کمزور سا ہے' کیونکہ نساء کم اکثر بیویوں پر بولا جاتا ہے' جیسا کہ آیت ایلاء اور آیت ظہار میں نساء ارشاد ہوا اور وہاں بیویاں مراد ہیں' اگرچہ مباہلہ کی آیت میں نساء بیویوں بیٹیوں سب کو شامل ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے ندع ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم **چوتھا فائدہ:** اپنی سوتیلی بیٹی نواسی پوتی وغیرہ سب حرام ہیں' جیسا کہ وربائبکم کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جس عورت کو بغیر خلوت طلاق دے دی جائے اس کی بیٹی مرد پر حلال ہے' جیسا کہ دخلتم بھن کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اپنی صلبی یا رضاعی بیٹے پوتے نواسے کی بیوی اور موطوءہ لونڈی حرام ہے' جیسا کہ وحلائل کی

تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: اپنے سوتیلے اور پالک بیٹوں کی بیویاں حلال ہیں' جیساکہ من اصلابکم سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: کسی قسم کی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ لہٰذا اگر دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تو دونوں نکاح فاسد ہوئے' اور اگر آگے پیچھے کیا تو دوسرا فاسد یونہی اگر اپنی موطوءہ لونڈی کی بہن سے نکاح کیا تو نکاح فاسد ہے' یہ حرام ہے کہ ایک سے نکاحاً صحبت کرتا رہے' دوسرے سے ملکاً"۔ نواں فائدہ: مطلقہ کی بہن سے عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ عدت بھی حکماً نکاح ہے' اسی لئے عدت کا خرچہ خاوند پر واجب ہے (حنفی) یہ تمام فوائد **وان تجمعوا** سے حاصل ہوئے۔ دسواں فائدہ: کافر زمانہ کفر میں جو اسلامی اصول کے خلاف نکاح کرے' پھر مسلمان ہو تو اس پر گزشتہ نکاح کی پکڑ نہیں' ہاں اب اسے اسلامی قانون کی پابندی کرنا پڑے گی' لہٰذا اگر کسی کافر کے نکاح میں دو بہنیں یا چار سے زیادہ بیویاں ہوں' اور وہ مسلمان ہو جائے' تو اب اسے ایک بہن اور چار سے زائدہ بیویوں کو الگ کرنا پڑے گا مگر اس سے پہلے جو ان سے اولاد پیدا ہو چکی ہو وہ حلالی ہوگی' یہ فائدہ **الا ما قد سلف** سے معلوم ہوا۔ گیارہواں فائدہ: جس عورت سے نکاح فاسد ہوا ہو' اس کی ماں صحبت کے بعد حرام ہوگی' یہ فائدہ بھی نسآءکم سے حاصل ہوا کہ اپنی بیوی وہ ہی ہے کہ جس سے صحیح نکاح ہو' اس کی ماں حرام ہے نکاح فاسد والی بیوی ہی نہیں نہ اسکی ماں ساس ہو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اپنی بیوی کی ماں حرام ہونی چاہئے نہ کہ اس کی نانی' دادی' کہ فرمایا گیا **وامہت نسآئکم** امہات ماؤں کو کہتے ہیں' پھر تم نے بیوی کی دادی نانی کو کیسے حرام مانا۔ جواب: تحریم کی آیات میں ام' اب' ابن سے مراد اپنے اصول و فروع ہوتے ہیں نہ کہ صرف ماں باپ بیٹا' پچھلی آیت میں فرمایا گیا **حرمت علیکم امہتکم** تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں' تو کیا معترض صاحب اپنی دادی نانی کو حلال مانیں گے؟ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امہات سے مراد ہے تمام قسم کی مائیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ' اور نانی و دادی بالواسطہ مائیں ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں جب فرمایا گیا کہ تمہاری وہ سوتیلی بیٹیاں تم پر حرام ہیں جن کی ماں سے تم صحبت کر چکے ہو' پھر بعد میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ اگر تم نے ان کی ماں سے صحبت نہ کی ہو' تو وہ بیٹیاں حلال' یہ مضمون بے فائدہ اور زائدہ ہے' اس کی ضرورت نہ تھی۔ جواب: اس کی ضرورت تھی' کیونکہ **فی حجورکم** کی قید اتفاقی تھی شاید کوئی سمجھ جاتا کہ یہ قید بھی اتفاقی ہے' اس لئے اس کی تصریح کی گئی۔ تیسرا اعتراض: صحبت یعنی مجامعت کی قید گزشتہ دونوں حکموں سے کیوں نہیں لگتی' آیت کے معنی یہ ہونے چاہئیں کہ اپنی بیوی کی ماں اور بیٹی اس وقت حرام ہیں جب کہ اس سے مجامعت کر لی ہو۔ جواب: یہ بالکل خلاف ظاہر ہے' ظاہر یہ ہی ہے کہ یہ شرط جس جزء سے متصل ہو اسی کے لئے ہو: نیز بیہقی وغیرہ میں بروایت عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عورت سے نکاح کیا گیا اس کی ماں حرام ہے' خواہ اس بیوی سے صحبت ہوئی یا نہ ہو اور اس کی بیٹی جب حرام ہوگی جب اس سے صحبت کر لی جائے' یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے' نیز جمہور صحابہ کا یہ ہی قول ہے: نیز امام مالک نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے روایت کی' کہ کسی نے کوفہ میں ان سے مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی عورت کو قبل از صحبت طلاق دے دی جائے تو اس کی ماں حرام ہے یا حلال؟ آپ نے فرمایا حلال ہے' پھر حضرت ابن مسعود مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو وہاں کے تمام فقہاء کو دیکھا' وہ ایسی ساس کو حرام قرار دیتے ہیں تو آپ کوفہ آکر پہلے اس سائل کے مکان پر گئے' اور اسے حرمت کا فتویٰ

سنایا اور پھر کسی اور کام میں مشغول ہوئے' خیال رہے کہ حضرت علی ایسی ساس کو حلال فرماتے تھے مگر جمہور صحابہ حرام کہتے ہیں (روح المعانی) چوتھا اعتراض: فی حجور کم کی قید اتفاقی کیوں ہے؟ چاہئے کہ وہی سوتیلی بیٹی حرام ہو جس کی یہ باپ پرورش کرے۔ جواب: یہ حکم صحابہ کرام کے قول سے معلوم ہوا کہ سوائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے باقی تمام صحابہ اس قید کو اتفاقی مانتے ہیں۔ (روح المعانی) پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے' مگر تم کہتے ہو کہ خالہ' بھانجی' پھوپھی' بھتیجی وغیرہ کو بھی جمع کرنا حرام ہے' یہ حرمتیں کہاں سے لیتے ہو؟ جواب: حدیث سے قرآن کریم نے صرف سور کا گوشت حرام کیا' اس کے کلیجی گردوں کی حرمت حدیث شریف سے ثابت ہوئی' یوں ہی قرآن کریم نے صرف سور کو حرام کیا' کتے' بلے' گدھے وغیرہ کی حرمت حدیث پاک سے ہی ثابت ہے پچانویں فیصدی شرعی احکام حدیث شریف سے اور پانچ فیصدی احکام قرآن کریم سے ثابت ہیں' پھر احکام قرآنیہ کی تفصیل بھی حدیث پاک ہی سمجھاتی ہے' بغیر حدیث کے قرآنی احکام بالکل ناممکن العمل ہیں' نماز و زکوٰۃ حکم قرآنی ہیں مگر حدیث شریف کے بغیر سمجھائے آپ نے دو رکعت نماز پڑھ سکتے ہیں نہ ایک پیسہ زکوٰۃ دے سکتے ہیں' غرضیکہ حدیث شریف قرآن کریم کی شرح ہے اور شریعت کا رکن اعلیٰ' ضرورت حدیث کیلئے ہماری کتاب مراۃ شرح مشکوٰۃ شریف کا مقدمہ ملاحظہ فرمایئے۔

تفسیر صوفیانہ: اپنے جسمانی باپ دادوں کی بیویوں سے نکاح کرنا شریعت میں حرام ہے' اور روحانی باپ دادوں یعنی اپنے پیر' دادا پیر کی بیویوں سے نکاح کرنا طریقت میں ممنوع ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو مرید اپنے شیخ کی بیوی سے نکاح کرے وہ فیض سے محروم رہے گا کبھی کامیاب نہ ہو گا' اور جیسے اپنی جسمانی اولاد کی بیویوں سے نکاح کرنا شرعاً ممنوع ہے' ایسے ہی اپنی روحانی اولاد یعنی اپنے مرید کی بیوی سے نکاح کرنا طریقت کے قواعد کے خلاف ہے' شیخ اپنے مرید کا مربی ہے اسے اور اس کے بیوی بچوں کو نظر شفقت سے دیکھے' دنیا و آخرت دو سگی بہنیں ہیں" آخرت بڑی بہن ہے اور دنیا چھوٹی بہن جیسے دو بہنیں ایک کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں' ایسے ہی دنیا و آخرت ایک کے پاس جمع نہیں ہو سکتیں' طالب دنیا آخرت سے محروم ہے' اور طالب آخرت دنیا میں دل نہیں لگاتا' ایک دل میں یہ دونوں نہیں جمع ہو تیں۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

یا انسان دنیا داری بن جائے یا دین داری ہو جائے' خیال رکھئے دنیا وہ ہے جو رب تعالیٰ سے غافل کر دے' جو رب تعالیٰ سے غافل نہ کرے وہ دین ہے' ایسی دنیا سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن — نے قماش و روزی و فرزند و زن

اللہ تعالیٰ ہم کو ان لوگوں سے بنائے جن کی دنیا بھی دین ہے ان سے نہ بنائے جن کا دین بھی دنیا ہے' دین عدد ہے دنیا صفر صفر علیحدہ ہو تو خالی ہے' اگر عدد سے مل جائے تو اسے دس گنا کر دیتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دنیا نے دین سے مل کر اسے دس گنا کر دیا' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان غنی کی غنا سے عطا فرمائے' آمین **وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الرحمین ○**

احمد یار خان نعیمی اشرفی بدایونی مقیم چوک پاکستان گجرات پاکستان

الحمد للہ کہ یہ پارہ 26 شعبان 80ھ مطابق 13 فروری 1960ء دو شنبہ کو شروع ہو کر آج 22 ربیع الآخر 81ھ 2 اکتوبر 61ء یوم دو شنبہ کو ختم ہوا والحمد للہ رب العلمین ○

احمد یار خان

الصلوٰة والسلام علیک
یارسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم